یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ہیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں.
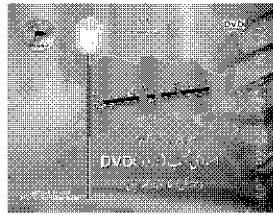
منجانب.

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

فاطمۃ الزہراؑ

طلوع سے غروب تک

مشہور عربی کتاب فاطمۃ الزہراؑ
مِنَ المَھدِ اِلیٰ اللَّحدِ کا اردو ترجمہ

آیت اللہ سید محمد کاظم قزوینی اعلی اللہ مقامہ

مترجم:
حجۃ الاسلام علامہ الطاف حسین بلوچ

فاطمۃ الزہراؑ

(طلوع سے غروب تک)

مشہور عربی کتاب فاطمۃ الزہراؑ

مِنَ المَهدِ اِلَی اللَّحدِ کا اردو ترجمہ

مؤلف

آیت اللہ سید محمد کاظم قزوینی اعلی اللہ مقامہ

مترجم:
حجۃ الاسلام علامہ الطاف حسین بلوچ
ریسرچ اسکالر نجف یونی ورسٹی (عراق)

مصحح
حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری
ریسرچ سکالر اسلامک یونیورسٹی ۰ قم ۰ ایران

ناشر: ادارہ منہاج الصالحین

الحمد مارکیٹ فسٹ فلور دکان نمبر 20 - غزنی سٹریٹ - اردو بازار لاہور

فون: 042-37225252 ، 0301-4575120

نام کتاب : فاطمۃ الزہراؑ ــــ (طلوع سے غروب تک)

مؤلف : محقق وحید آیت اللہ سید محمد کاظم قزوینی مرحوم

مترجم : حجۃ الاسلام علامہ الطاف حسین

مصحح : کاشف علی جٹ

اشاعت : دسمبر ۱۹۸۰ء

ہدیہ : ۶۰۰ روپے

ناشر : قزوینی فاؤنڈیشن قم المقدسہ اسلامی جمہوری ایران

ادارہ منہاج الصالحین ۔ لاہور

الحمد مارکیٹ فرسٹ فلور دکان نمبر 20 - غزنی سٹریٹ - اردو بازار - لاہور

فون: 042-37225252 ، 0301-4575120

فاطمۃ الزہرا ؑ

طلوع سے غروب تک

ترتیب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہمیشہ سے یہ سنت الٰہی رہی ہے کہ اُس نے اپنی مخلوق کی ہدایت کے لیے ہر زمانے میں انبیاءؑ و رسلؑ بھیجے اور اُنھیں اُس زمانہ کی طرزِ معاشرت کے مطابق آیات و معجزات عطا کیے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادو کا زور تھا تو اللہ تعالیٰ نے اُنھیں عصا اور یدِ بیضا کے ساتھ بھیجا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طب و حکمت کا دور دورہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؑ کو ان معجزات کے ساتھ بھیجا جس نے طبِ یونان کو عاجز کر کے رکھ دیا تھا۔ آپؑ اللہ کے امر سے مُردوں کو زندہ کرتے تھے، مبروص کو برص کی بیماری سے نجات دیتے تھے۔ مادر زاد اندھے کو بینائی عطا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاءؑ کے آخر میں اپنے حبیب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سرزمین میں بھیجا جس میں فصاحت و بلاغت اور شجاعت و شہامت کی دھاک تھی۔ اللہ نے اپنے حبیبؐ کو عربوں کی فصاحت اور اُن کی شجاعت کے توڑ کے لیے دو معجزے عطا فرمائے۔ ایک قرآنِ مجید اور دوسرے حضرت امیر المومنین امام علی علیہ السلام جیسا بہادر جوان اور اُن کی تلوار ذوالفقار، اُن دونوں معجزوں نے عربوں کے ہر قسم کے دعووں کو توڑ کر رکھ دیا۔ نہ وہ قرآنِ مجید جیسا کلام پیش کر سکے اور نہ حضرت امیر علیہ السلام کی جرأت و شجاعت کے سامنے ٹھہر سکے۔ اس لیے سیّدالانبیاءؐ نے فرمایا:

> ''اللہ کی کتاب قرآن اور میری عترت اہلِ بیتؑ مرکز و محور ہدایت ہیں۔ اگر ان سے تمسک رکھو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ یہ دونوں قیامت کے سورج کے طلوع ہونے تک ایک دوسرے کے ساتھ رہیں گے''۔

ابتداء میں عربوں نے ان دونوں معجزوں کو نہ سمجھا۔ آخر وہ وقت بھی آیا کہ اُنھیں ان خدائی معجزوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا پڑا۔

رسولِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد قرآنِ مجید اور آلِ محمدؑ کی روحانیت قیامت تک آنے والے تمام اعصار کے لیے معجزہ ہیں۔ قرآنِ مجید کے مطالب و مفاہیم اور آلِ رسولؐ کی تعلیمات انسانی عقول کو حیران و سرگردان

کر دینے والی خدائی طاقتیں ہیں۔

جی ہاں! جہاں اللہ تعالیٰ کی کتاب معجزہ ہے تو وہ ہستیاں بھی معجزہ ہوں گی کہ جنھوں نے اللہ کی کتاب کے تمام احکام پر عمل کیا اور کبھی سرمو انحراف نہ کیا۔ قرآنِ کریم کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے:

اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

"میری نماز، میری قربانیاں، میری حیات، میری موت، سب عالمین کے پروردگار کے لیے ہیں"۔

رسولِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کی آلِ اطہارؑ نے دنیا پر ثابت کر دیا ہے کہ وہ قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن اُن کے ساتھ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جس کی بنا پر ذاتِ اَحدیت نے تمام انسانوں سے خطاب فرمایا:

وَلَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ

"رسولؐ اللہ کی زندگی و سیرت تمھارے لیے اُسوۂ حسنہ ہے"۔

سیّدالانبیاءؐ کی زندگی پوری انسانیت کے لیے نمونۂ عمل ہے۔ جی ہاں! سرتاج انبیاءؐ عالمین کے لیے رحمت بھی ہیں اور مرکز ہدایت بھی ہیں جہاں وہ نمونۂ عمل مردوں کے لیئے ہیں وہاں عورتوں کے لیے بھی ہیں۔ لیکن عورتوں کے کچھ ایسے احکام ہیں جن کی وجہ سے وہ مردوں سے منفرد ہیں اس لیے ضرورت تھی کہ ایک ایسی خاتون ہو جو ہر اعتبار سے کامل و اکمل ہو۔ وہ علم و دانش کا پیکر ہو۔ انسانی صفات کے لحاظ سے عظیم المرتبت ہو اور قرآنی تعلیمات کا مظہر ہو۔ حضرت حواؑ اس دھرتی کی خاتونِ اوّل ہیں، آپؑ حضرت آدمؑ کی زوجہ ہیں اور تمام انسانوں کی ماں ہیں، لیکن وہ کسی کی بیٹی نہیں ہیں۔ ان کے نمونۂ عمل کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنے باپ کی بیٹی ہوں۔

حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیویوں کی وضاحت قرآنِ مجید میں موجود ہے۔ وہ بھی کسی صورت میں نمونۂ عمل نہ بن سکیں۔ حضرت مریمؑ حضرت عیسیٰؑ کی مادرگرامی تھیں۔ وہ ایک مقدس خاتون تھیں۔ اپنے دور کی خواتین کی سیّدہ و سالار تھیں۔ اُن کا کھانا جنّت سے آتا تھا۔ وہ بیٹی تھیں، ماں تھیں لیکن کسی مرد کی زوجہ نہ تھیں۔ اس اعتبار سے اُن کی سیرت میں اَزدواجی زندگی کا پہلو خالی ہے۔

ایک ایسی مقدس خاتون کی ضرورت تھی جو بیٹی بھی ہو، زوجہ بھی ہو اور ماں بھی ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کو وہ طاہرہ و مطہرہ دختر عطا فرمائی تا کہ اُمت کی خواتین کے لیے نمونۂ عمل ہوں۔ وہ بیٹی بھی تھیں، زوجہ بھی تھیں اور ماں بھی تھیں۔ آپؑ کے اندر زندگی کے تمام پہلو تھے۔ اُمت کی ہر خاتون اپنے تمام اَدوار اور تمام پہلوؤں میں

انھیں اپنے لیے نمونہ عمل بنا سکتی ہیں۔

سیدہ نساء العالمین حضرت فاطمۃ زہرا علیہا السلام کے والد گرامی سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کی والدہ گرامی ملکیۃ العرب اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام ہیں۔ بتولِ معظمہ انسانی شکل و شمائل میں جنت کی حور تھیں۔ رسولِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کا اسمِ گرامی فاطمہؑ رکھا اور اپنی دختر کو ایک ایسی ملکوتی سند عطا کی جو کائنات میں کسی دختر کو نصیب نہ ہوئی۔ آپؐ نے فرمایا:

فَاطِمَۃُ اُمُّ اَبِیْھَا ''فاطمہؑ تو گویا اپنے باپ کی ماں ہے''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ ملکوتی حدیث حقیقت میں اُس جاہ وجلال کے کمال کی ترجمانی ہے جو رب العالمین کی طرف سے بذریعہ سید الانبیاءؐ شہزادی کونین کو عطا کیا گیا تھا، کیونکہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی

''میرا نبیؐ اپنے نفس کی خواہشات سے گفتگو نہیں کرتا بلکہ یہ تو وہی کہتا ہے جو وحی کہتی ہے''۔

گویا ربِ جہان بنی نوع انسان کو اِس حقیقت کی طرف متوجہ فرما رہا ہے کہ: ''میرا نبیؐ جب بھی گفتگو کرتا ہے تو زبان اُس کی ہوتی ہے لیکن فرمان میرا ہوتا ہے''۔

سرورِ کائناتؐ کے اس فرمان کا مفہوم یہ ہے کہ فاطمۃ الزہراؑ میرے نزدیک اس طرح محترم ہیں جس طرح ایک ماں اپنی اولاد کے لیے محترم ہوتی ہے، کیونکہ یہ اپنے باپ کی ماں ہیں۔ خاتونِ جنت کی یہ وہ فضیلت ہے جو تاریخ بشریت کی کسی اولاد کو حاصل نہیں، کیونکہ سرتاجِ انبیاءؐ کے علاوہ کسی نبیؑ نے اپنی دختر کے بارے میں نہیں فرمایا کہ میری بیٹی اپنے باپ کی ماں ہے اور باپ بھی وہ جو سید الانبیاءؐ اور باعثِ تخلیقِ کائنات، فخرِ موجودات، رحمت للعالمین اور شفیع المذنبین ہو، جن کے بارے میں خالقِ ارض وسماء کا فرمان ہے:

لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ

''اے میرے پیغمبرؐ! اگر آپؐ نہ ہوتے تو میں آسمان اور مخلوقات کو پیدا ہی نہ کرتا''۔

اللہ نے اپنے حبیبؐ کو وہ دختر عطا فرمائی کہ جو اُمت کی خواتین کے لیے نمونہ عمل ہیں۔ وہ بیٹی بھی تھیں، زوجہ بھی تھیں اور ماں بھی۔ اسی لیے اُن کی مقدس ذات ہر اعتبار اور ہر پہلو سے نمونہ عمل ہے۔ ایک بیٹی آپؑ کی سیرت کا مطالعہ کر کے اپنے والدین کے لیے سرمایۂ افتخار بن سکتی ہے۔ ایک زوجہ آپؑ کی اَزدواجی زندگی کو پڑھ کر اپنی اَزدواجی

زندگی کو کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کرسکتی ہے۔ ایک ماں آپؑ کی سیرت کو اختیار کر کے اپنی اولاد کی تربیت کرسکتی ہے اور انھیں محبت و عاطفت کے ماحول میں پروان چڑھا سکتی ہے۔

تمام انبیاءؑ اور عالمِ بالا کے قدسی جس ہستی کا استقبال کریں انھیں آمنہ کا لعل کہتے ہیں اور آمنہ کے لعل جس کا استقبال کریں انھیں سیدۃ فاطمۃ الزہراؑ کہتے ہیں۔

صحیح ترمذی میں ہے:

كُلَّمَا جَاءَتْ فَاطِمَةُ قَامَ لَهَا رَسُوْلُ اللهِ وَرَحَّبَهَا وَاَجْلَسَهَا فِي مَجْلِسِهٖ

"جب بھی بتولؑ معظمہ تشریف لاتی تھیں تو سیّدالانبیاءؑ اُن کے استقبال کے لیے کھڑے ہوجاتے تھے، آپؐ انھیں مرحبا کہتے تھے اور انھیں اپنی جگہ پر بٹھاتے تھے"۔

ویسے تو رسولِ اسلام کا ہر عمل اُمت کے ہر فرد کے لیے سنت ہے لیکن رسولؐ مقدس کا اپنی دختر کے لیے اُٹھنا اُمت کے لیے سنت نہیں ہے۔ اگر سنت ہوتا تو پھر ہر عاشقِ رسولؐ کو اپنی ہر دختر کے استقبال کے لیے کھڑا ہونا پڑتا۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ سرتاجِ انبیاءؑ سیدہ طاہرہ صدیقہؑ کے لیے کیوں اُٹھتے تھے؟

علمائے کرام نے اس سوال کا جواب یہ دیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ معراج پر تشریف لے گئے تو وہاں آپؐ کو جنّت کا سیب کھلایا گیا تھا۔ جب آپؐ معراج سے واپس زمین پر تشریف لائے تو وہی بہشتی غذا خاتونِ جنّت کی ولادت باسعادت کا سبب بنی تھی۔ اس لحاظ سے سیّدہ طاہرہؑ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسولِ اسلام کے لیے تحفہ تھیں۔ جس قدر تحفہ عطا کرنے والا محترم ہوتا ہے تو اس قدر تحفہ محترم ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب شہزادی کونینؑ اپنے بابا رسولؐ اللہ کی بارگاہ میں آتی تھیں تو رسولِ اسلامؐ اپنے پروردگار کے تحفہ کے احترام میں کھڑے ہوجاتے تھے۔

جی ہاں! اس حقیر نے اپنے مقدمے کا آغاز حکیم الامت علامہ اقبال کے درج ذیل شعر کے دوسرے مصرے سے کیا ہے، وہ شعر یہ ہے ۔

آنچہ گفتم از جہانِ دیگر است
ایں کتاب از آسمانِ دیگر است

"جو کچھ میں نے کہا ہے اس گفتگو کا تعلق ایک دوسرے جہان سے ہے۔ یہ عظیم کتاب ایک دوسرے آسمان کی کتاب ہے"۔

اے قاری محترم! آپ کے ہاتھ میں جو کتاب ہے، یہ ایک عظیم کتاب ہے۔ یہ ایک کراماتی کتاب ہے۔ یہ

کتاب اُس ذات پر لکھی گئی ہے جو بضعۂ رسولؐ ہیں۔ طاہرہ، صدیقہ، معصومہ، تقیہ، نقیہ، رضیہ، زکیہ اور رشیدہ سبھی آپؑ کے القابات ہیں۔ اسی کتاب کی نذر نے کتاب کے مؤلف آیت اللہ سید محمد کاظم قزوینی کو ایک نئی زندگی دی تھی۔

آیت اللہ قزوینی نے وقتِ وفات اپنے گھر والوں کو وصیت کی تھی کہ یہ کتاب فَاطِمَۃُ الزَّھْرَاءِ مِنَ الْمَھْدِ اِلَی اللَّحْدِ اُن کے کفن میں رکھ دینا۔ مرحوم کی وفات کے بعد کتاب ان کے کفن میں رکھ دی گئی تھی۔ معصومہ قم کے مزار کی توسیع کے زمانے میں جب آیت اللہ قزوینی کی قبر کو کھولا گیا تو دنیا نے دیکھا آیت اللہ قزوینی کا جسم سترہ سال بعد ایسے تھا جیسے کوئی آدمی محوِ خواب ہوتا ہے۔ کتاب بھی اپنی جگہ صحیح و سلامت تھی۔ ایسا کیوں نہ ہوتا؟

بتولِ عذرا اپنے پیکرِ وجود میں اعجازِ پروردگار ہیں۔ انھیں بارگاہِ ربوبیت میں وہ مقام حاصل ہے جو اُن کے والد گرامقدر رسولؐ اللہ کو حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو شافعہ روزِ جزا قرار دیا ہے۔ انسان کو آپؑ کی ذات سے توسل قربِ خداوندی عطا کر دیتا ہے۔ آپؑ کے مبارک اسم کی برکت سے حوائج پوری ہوتی ہیں۔ آپؑ فخرِ حوا ہیں، آپؑ فخرِ آسیہؑ و مریمؑ ہیں۔

حکیم الامت حضرت علامہ اقبالؒ نے اپنی کتاب ''رموزِ بے خودی'' میں بتولؑ عذرا سے اپنی عقیدت کا یوں اظہار کیا ہے ؎

مریم از یک نسبت عیسیٰؑ عزیز — از سہ نسبت حضرت زہراؑ عزیز
نورِ چشم رحمۃ للعالمینؐ — آن امام اوّلین و آخرین
آن کہ جان در پیکر گیتی دمید — روزگار تازہ آئین آفرید
بانوئے آں تاجدار ھل اتیٰ — مرتضیٰ مشکل کشا، شیر خدا
بادشاہ و کلبۂ ایوان او — یک حسام و یک زرہ سامان او
مادر آں مرکز پرکارِ عشق — مادر آں کاروان سالارِ عشق
آن یکے شمع شبستان حرم — حافظ جمعیت خیر الامم
تا نشیند آتش پیکار و کین — پشت پا زد بر سر تاج و نگین
واں دگر مولائے ابرار جہاں — قوت بازوئے احرار جہان
در نوائے زندگی سوز از حسینؑ — اہل حق حریت آموز از حسینؑ

سیرت فرزندہا از اُمہات | جوہر صدق و صفا از اُمہات

مزرع تسلیم را حاصل بتولؑ | مادراں را اُسوہ کامل بتولؑ

بہر محتاجے دلش آں گونہ سوخت | بایہود بے چادر خود را فروخت

نوری و آتشی فرمان برش | گم رضائش در رضائے شوہرش

آن ادب پروردۂ صبر و رضا | آسیا گردان و لب قرآن سرا

گریہ ہائے او ز بالین بے نیاز | گوہر افشاندے بدامانِ نماز

اشک او بر چید جبریل از زمین | ہم چو شبنم ریخت برعرشِ بریں

رشتہ آئین حق زنجیر پا است | پاس فرمان جناب مصطفیٰ است

ورنہ گرد تربتش گردیدے | سجدہ ہا بر خاک او پاشیدے

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں: اے قاریٔ عزیز! آپ نے تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا ہوگا۔ حضرت مریمؑ اسی لیے محترم و مکرم ہیں کہ آپؑ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مادر گرامی ہیں، لیکن بتول معظمہ حضرت فاطمہ زہراؑ مخدومۂ کونین ہیں، سیدہ نساء العالمین ہیں، مخدرہ عصمت وطہارت ہیں۔ ان کی فضیلت و بزرگی کے کیا کہنے کیونکہ آپؑ لاتعداد فضائل و مناقب کا مرکز و محور ہیں۔

سیّدۂ عالمؑ میں تین نسبتیں ایسی ہیں کہ جن تک کائنات کی کسی خاتون کو رسائی حاصل نہیں ہے۔ اسی وجہ سے آپؑ حضرت مریمؑ سے تین پہلوؤں کے لحاظ سے عزیز و محترم ہیں۔ آپؑ کی پہلی نسبت یہ ہے: آپؑ امام اوّلین، سیّدالمرسلین، خاتم النبیینؐ اور رحمت للعالمینؐ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں اور اُن کے قلب مبارک کے لیے راحت کا سرمایہ وسامان ہیں۔

جی ہاں! آپؑ اس آنکھ کا نور ہیں کہ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی (النجم:۱۷)

''نگاہ نے انحراف کیا اور نہ تجاوز''۔

اس سلسلے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشہور ومعروف حدیث ہے:

اَلْفَاطِمَۃُ بَضْعَۃٌ مِنِّیْ ''فاطمہؑ میرا پارۂ بدن ہیں''۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

مَا رَأَيْتُ اَحَدًا قَطُّ اَفْضَلُ مِنْ فَاطِمَةَ عَنْ اَبِيْهَا

"میں نے حضرت فاطمہؑ سے سوائے اُن کے والد گرامی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کسی کو بھی افضل نہیں دیکھا"۔

سیّدہ نساء العالمینؑ کو جو دوسری نسبت حاصل ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ آپؑ اُس صاحبِ شجاعت و شہامت انسان کی رفیقۂ حیات ہیں کہ جو اپنے فضائل و مناقب میں کائنات پر بھاری ہیں جن کے القابات و اعزازات لامحدود ہیں۔ یہی وہ ہستی ہے کہ جنھوں نے پیغمبرِؐ اسلام کی اور اُن کی اسلامی تحریک کی ہر مشکل میں نصرت فرمائی تھی۔

تیسری نسبت یہ ہے کہ بتولؑ عذرا اُن شہزادوں کی والدہ گرامی ہیں جو جوانانِ جنّت ہیں، جو جوانانِ جنّت کے سردار ہیں۔ ان دونوں میں اُن کے بڑے شہزادے عشقِ حقیقی کے مرکز اور چھوٹے شہزادے حضرت امام حسینؑ کاروانِ عاشقانِ صدق و صفا کے سیّد و سالار ہیں۔

جی ہاں! پوری کائنات پر نگاہ ڈالیے اب کون ہے جو سیّدہ نساء العالمین کی ہمسری و برابری کا دعویٰ کرے؟

شاعرِ مشرق رسولؐ اللہ کی دُختر کے بارے میں فرماتے ہیں:

اے سیّدۂ کائناتؑ! آپؑ کی منزلت و عظمت کے لیے کیا یہی شرف کافی نہیں ہے کہ آپؑ سرکار دوجہاں، مصداق لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ کی آنکھوں کا نُور ہیں کہ جن کی ولادت باسعادت سے پیکرِ گیتی میں روح پڑگئی اور دنیا کو تہذیب و تزئین کی بے بہا دولت مل گئی۔ سیّد الانبیاءؐ نے عالمِ انسانیت کو ضوابطِ زندگی عطا فرمائے، انھی قوانین و ضوابط کا نام اسلام ہے اور اسلام اللہ کا پسندیدہ دین ہے اور اِسی دین اسلام کے سیّد و سالار سرکار حضرت محمد مصطفیٰؐ ہیں اور آپؑ اُن کی دُخترِ فرزانہ ہیں۔

علّامہ نے بضعۂ رسولؐ مخدومہ کون و مکان، مخدرہ عصمت و طہارت، پیکر عفت و حیا، مخزن لطف عطا، مرکزِ مہر ووفا، محورِ صدق و صفا، مصدرِ جود وسخا، سراپا صبر ورضا اور عظمت و رفعت کا آسمان ہیں۔ آپؑ شہیدانِ راہِ خدا کی مادرِ مہربان ہیں۔ آپؑ ہی جذبۂ ایثار کی کھیتی کا ثمر و سرمایہ ہیں۔ جب تک آپؑ اپنے والد گرامی کے زیرِ سایہ تھیں، اپنے والد مہربان کے لیے باعثِ راحت وسکون تھیں اور جب آپؑ کاشانۂ امام علیؑ بن ابی طالبؑ کی زینت بنیں اور اپنے شوہر نامدار حیدرِ کرّار کی رضا کو اوّل و آخر مقدم جانا، آپؑ کے شوہر دین و دنیا کے بادشاہ تھے لیکن اُن کا محل اُن کا حجرہ تھا۔

شاعرِ مشرق اپنے کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں:

اے مسلمان عورت! دیکھ اگر تو صاحبِ ہوش و خرد ہے اور تو جذبۂ ایثار سے سرشار ہے پھر تیرا بتولؑ معظمہ کے نقشِ قدم پر گامزن ہونا لازم ہے۔ جی ہاں! یہی چشمِ بینا کا تقاضا ہے اور یہی دانش و بینش ہے۔ سیّدہ نساء العالمینؑ کے اُسوۂ حسنہ پر سختی کے ساتھ کاربند ہونا چاہیے۔

علامہ اقبال نے اپنے اس شعر میں بتولؑ عذرا کی مبارک زندگی کے ایک پہلو کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ فرماتے ہیں: اے خاتونِ اسلام! اگر تُو چاہتی ہے کہ تیری اَزدواجی زندگی پھولوں کی سیج بن جائے اور تجھے دین و دنیا کی نعمات میسر آجائیں تو خاتونِ جنت کی سیرت کا مطالعہ کر۔

بتولؑ عذرا صبر و تسلیم کا پیکر تھیں۔ وہ اُمورِ خانہ داری اپنے ہی ہاتھوں سے نمٹاتی تھیں۔ دنیا نے دیکھا کہ وہ ایک ہی وقت میں چکی چلا رہی ہیں۔ آٹا بنا رہی ہیں اور قرآن مجید کی تلاوت بھی فرما رہی ہیں۔

جی ہاں! دورِ حاضر کی مسلم خاتون حضرت زہراؑ کی کنیزی کا دعویٰ تو کرتی ہے لیکن اپنی عملی زندگی میں اُن کی سیرت سے دُور اور بہت دُور نظر آتی ہے۔ ملیکۃ العرب کی شہزادی کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ آپؑ اپنے شہزادوں کو جھولے میں لٹا دیتی تھیں اور عبادتِ خداوندی میں مصروف ہوجاتی تھیں۔ اس دوران اگر آپؑ کا بچہ رونے لگتا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت جبرئیلؑ زمین پر آتے اور آپؑ کے بچوں کے گہوارہ جنبانی کے کام میں مصروف ہوجاتے۔

بعض اوقات دیکھنے میں آیا ہے کہ آپؑ اللہ کی عبادت میں محو ہوتی تھیں۔ آپؑ کی چکی بھی چل رہی ہوتی تھی اور بچوں کا جھولا بھی ہل رہا ہوتا تھا۔ علامہ اقبال اُمت کو یہ درس دینا چاہتے ہیں کہ اسلام کو ایسی بلند کردار خواتین کی ضرورت ہے کہ جن کی جھولیوں سے سرفروشانِ اسلام مل سکیں۔ ایک ماں، بے مثل و بے نظیر، بے بدل و بے عدیل، ایثار و خلوص، مہر و وفا کی انتہائی بلندیوں کا نام ہے۔

ماں ایک نعمتِ خداوندی ہے۔ ماں کا وجود اولاد کے لیے کیف و قرار، سرور و پیار اور تسکین و راحت کا سامان ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ بچے کی تعلیم و تربیت کا آغاز ماں کی ہی آغوش سے ہوتا ہے۔ ایک ماں جس قدر اعلیٰ صلاحیتوں کی حامل ہوگی وہ اس قدر اپنے بچوں کو مہذب بنا سکے گی۔

ایک فلسفی کا قول ہے: ''اگر عورت سے دنیا کی تمام رعنائیوں، اس کا حُسن و جمال، کمالِ لطافت و دل کشی چھین لیا جائے اور صرف اس کے ساتھ لفظ ''ماں'' کا وجود رہنے دیا جائے تو پھر بھی اُس کے حسن و جمال اور رعنائی و دلکشی میں کوئی فرق نہ آئے گا''۔

اے خاتونِ اسلام! تو نے کبھی سوچا ہے کہ تیرا مقام کیا ہے؟ اگر تو اپنے حقیقی مقام سے آشنا ہو جائے تو یقیناً تیری گود سے اسلام کو وہ فرزندانِ توحید میسر آسکتے ہیں جن کی اس دور کو اشد ضرورت ہے۔ ایسے فرزندانِ توحید، سرفروشانِ اسلام تجھے اُس وقت میسر آسکتے ہیں کہ جب تو اپنے کردار اور عمل کو حضرت فاطمۃ الزہراؑ کے اُسوۂ حسنہ کے تابع کرے گی۔ ملتِ اسلامیہ کو تجھ سے حضرات حسنین شریفینؑ کے غلام درکار ہیں، جو حق و باطل کے درمیان تمیز کر سکیں اور میدانِ جہاد میں سربکف نظر آئیں اور یہی وہ گراں قدر اعزاز ہے جو ایک مسلم خاتون کے لیے طرۂ امتیاز رہا ہے اور رہے گا۔

خاتونِ جنت ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی بندگی و عبادت میں مصروف رہتی تھیں۔ آپؑ کی عبادت کا یہ عالم تھا کہ پوری پوری رات رکوع و سجود اور قیام و قعود میں گزر جاتی تھی۔ جب مصلیٰ عبادت پر کھڑی ہوتی تھیں تو آپؑ کا جسم مبارک بید کے مانند لرزتا تھا۔ آپؑ کی عبادت بھی جاری رہتی اور آپؑ کا گریہ بھی جاری رہتا۔

اعیان الشیعہ میں حسن بصری سے روایت ہے کہ اُمت محمدیہ میں جس قدر حضرت فاطمۃ الزہراؑ نے عبادت کی اس قدر کسی اور نے عبادت نہیں کی۔ آپؑ راتوں کو عبادت کے لیے اتنا کھڑی ہوتیں کہ آپؑ کے پاؤں مبارک پر ورم آجاتے تھے۔

حضرت امام حسن علیہ السلام فرماتے ہیں: میں نے اپنی والدہ معظمہ کو شام سے صبح تک اللہ کے حضور میں گریہ وزاری کرتے ہوئے اور اُس کے بعد نہایت عجز وانکساری کے ساتھ دُعا مانگتے دیکھا ہے۔

جب مخدومہ کونین، مخدرہ عصمت وطہارت عبادت و ریاضت میں مصروف ہوتی تھیں تو اُن کی مبارک آنکھوں سے اشک ہائے تابدار ٹپکتے تھے۔ روح الامین حضرت جبرئیلؑ آسمان سے اُترتے تھے اور آپؑ کے اِن مقدس آنسوؤں کو شیشے میں بھر کر سرِ عرشِ بریں لے جاتے تھے اور پھر اُنھیں عرش پر شبنم کی صورت برساتے۔

علامہ نے اپنے اِس شعر میں خواتینِ عالم کو فکر دی ہے کہ بضعۂ رسولؐ جیسی برگزیدہ ہستی بارگاہِ اُحدیت و صمدیت میں یوں گریہ کناں رہتی تھیں تو ہم کون ہیں اور ہماری حیثیت کیا ہے کہ ہم سے نماز پنجگانہ ہی اُدا نہیں ہوتی۔

شاعرِ مشرق فرماتے ہیں: اگر میرے پاؤں میں شریعت محمدیہؐ کی زنجیر نہ ہوتی اور قانونِ الٰہی مانع نہ ہوتا تو اے بتولؑ معظمہ! مخدومہ کونینؑ، مادرِ حسنین شریفینؑ میں آپؑ کی قبر اطہر کا طواف سر کے بل کرتا مگر کیا کروں ایک طرف تو معصومۂ کونینؑ آپؑ کی عظمت و بزرگی کا جنونِ سر پر سوار ہے اور دوسری طرف فرمانِ رسالت مآبؐ کا پاس رکھنا بھی ضروری ہے وگرنہ میں تو بارگاہِ عصمت وطہارت کی خاک پر سجدہ نیاز بجالاتا۔

علامہ اقبال ارمغانِ حجاز میں بارگاہِ بتولؑ عذرا میں اپنی عقیدت کے پھول کچھ اس طرح پیش کرتے ہیں:

اگر پند ز درویشے پذیری

ہزار اُمت بمیرد تو نہ میری

بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر

کہ در آغوش شبیرے، بگیری

علامہ اپنے کلام میں خاتونِ اسلام کو درس دیتے ہوئے کہتے ہیں: اگر آپ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلمہ پڑھتی ہو تو جو راستہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا ہے اُس پر چلو، اپنے لیے رسولؐ اسلام کی دختر کا اُسوہ حسنہ کا انتخاب کرو۔ یہی وہ ملیکہ مملکت عصمت وطہارت، شہزادی عفت وعظمت، طیبہ وطاہرہ، نیرہ ومنورہ، عابدہ وساجدہ، زاہدہ وسیدہ، معصومہ و مخدومہ کونین ہیں کہ جن کی مبارک آغوش سے حسنؑ وحسینؑ ایسے ریحانتین رسولؐ میسر آئے۔ ہاں! تیری گود سے بھی حسنین شریفینؑ کے غلام مل سکتے ہیں بشرطیکہ تو شرم وحیا کا پیکر بن جائے اور زمانے کی ناپاک نظروں سے پوشیدہ ہو جائے۔ تہذیبِ جدید سے دامن کشاں رہ، شمع محفل نہ ہو، چراغ خانہ ہو جا، کشت تسلیم ورضا کا حاصل حضرت فاطمۃ الزہراؑ کا اُسوۂ حسنہ ہے۔

قارئین کرام!

بتولؑ عذرا رسولؐ اللہ کی بوسہ گاہ تھیں۔ آپؐ کی حدیث مبارکہ ہے:

فَاطِمَةُ حَوْرَاءُ اِنْسِيَّه كُلَّمَا اِشْتَقْتُ اِلَى الْجَنَّةِ فَتَقَبَّلْتُهَا

''حضرت فاطمہ زہراؑ انسانی شکل وشمائل میں جنت کی حور ہیں جس وقت مجھے بہشت کا شوق و اشتیاق ہوتا ہے تو میں اُنھیں بوسے دیتا ہوں''۔

آپؐ نے فرمایا: فاطمہؑ گویا کہ زہرا درخشندہ ہیں''۔

ایک شاعر نے حوراء انسیہ کے حُسن وجمال کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا:

بَيْضَاء تَسْحَبُ مِنْ قِيَامٍ شَعْرُهَا

وَتَغِيبُ فِيهِ وَهُوَ مَثْلُ اَسْحَمُ

فَكَاَنَّهَا فِيهِ نَهَارٌ مُشْرِقٌ

وَكَاَنَّهُ لَيْلٌ عَلَيْهَا مُظْلِمٌ

"رسولؐ اللہ کی دختر فرزانہ حضرت زہراؑ جن کا چہرہ آفتاب کے مانند درخشاں ہے۔ جب وہ کھڑی ہوتی ہیں تو اُن کے سر کے بال زمین تک چلے آتے ہیں۔ اُن کے درخشاں چہرے اور سیمین بدن کو اُن کے گھنے گھنگھریالے خوب صورت سیاہ بالوں میں چھپا دیتے ہیں۔ گویا کہ آپؑ روشن آفتاب ہیں اور آپؑ کے سیاہ بال اُس شب تاریک کی مانند ہیں کہ جس نے درخشاں خورشید کو چھپا کر رکھ دیا ہے"۔

حضرت عائشہؓ نے آپؑ کی ملکوتی شکل وشمائل کو اپنے الفاظ میں کچھ اس طرح پیش کیا ہے:

"میں نے کسی انسان کو رفتار وگفتار، نشست و برخاست، شکل وشمائل اور راہ ورسم وحیات میں حضرت فاطمہ زہراؑ سے اپنے والد گرامی رسولؐ اسلام سے زیادہ مشابہ نہیں پایا۔ جب وہ رسولؐ اسلام کے پاس تشریف لاتی تھیں تو آنحضرتؐ آپؑ کے احترام کی خاطر کھڑے ہوجاتے تھے اور اُنھیں بوسے دیتے تھے اور خوش آمدید کہتے تھے، اُن کے ہاتھوں کو چومتے تھے اور اپنی خاص جگہ پر بٹھاتے تھے"۔

جی ہاں! سیّدہ نساء العالمین کو بارگاہِ خداوندی میں وہ مقام حاصل ہے کہ قیامت کے دن اپنے غلاموں اور اُن کے دوستوں کی شفاعت فرمائیں گی۔ اس طرح گناہ گاروں کو جہنم سے نجات کا پروانہ ملے گا اور بہشت میں ٹھکانہ ملے گا۔ آپؑ کی ذات سے بارگاہِ خداوندی میں توسّل کیا جاتا ہے۔ خداوندتعالیٰ آپؑ کی عزت وعظمت کے صدقے حوائج کو پورا فرماتا ہے۔ جب ایک مرتبہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام صاحبِ فراش ہوئے تھے تو آپؑ نے اپنی ملکوتی ماں سے توسّل کیا تھا اور اُنھی کے صدقے آپؑ کو مرض سے نجات ملی تھی۔

سیّدہ نساء العالمین کا وہ خطبہ جو آپؑ نے اپنے بابا کی رحلت کے بعد مسجد نبویؐ میں صحابہ کرام کے عظیم الشان اجتماع میں دیا تھا وہ ایک تاریخی خطبہ ہے جو فصاحت وبلاغت میں بے مثال ہے۔ تمام محدثین اور مورخین نے لکھا ہے کہ جب آپؑ خطاب فرمارہی تھیں تو مسجد کے دَر و دیوار سے رونے کی آوازیں بلند ہورہی تھیں۔ آپؑ کے خطبات کے پہلے حصّے اسلامی تعلیمات کا خلاصہ ہیں۔ خطبات کے آخری حصّے مطالبات پر مشتمل ہیں۔ جی ہاں! یہ کتاب ایک غیر معمولی کتاب ہے کیونکہ اس میں رسولؐ اللہ کی بیٹی کے اَحوال اور تعلیمات قلم بند ہیں۔ آخر میں سیّدہ کائناتؑ کے مصائب کا تذکرہ ہے۔ یہ کتاب علامہ فقیہ آیت اللہ سیّد محمد کاظم قزوینی کی کاوش شاقہ کا ثمر ہے۔ مؤلف کی ذات محتاج تعارف نہیں ہے۔ آپ ایک روحانی شخصیت تھے۔ آپؒ نے چہاردہ معصومینؑ کی سیرت پر چودہ کتابیں لکھی ہیں۔

جہاں موصوف ایک عظیم مصنف تھے، وہاں توانا خطیب بھی تھے۔

گزشتہ ربع صدی میں اُن کی یہ مایہ ناز تالیف ایران، عراق، لبنان میں دس بار چھپی۔ یہ ایک آفاقی کتاب ہے جو اپنی پہلی چھاپ کے بعد دنیا کے کونے کونے میں پہنچی۔ یہ کتاب آسمانِ ولایت کا درخشندہ آفتاب ہے جس کی نُورانی کرنوں سے کائنات منور ہے لیکن یہ کتاب سیّدہ نساء العالمینؑ، فضائل و مناقب کے بے کراں سمندر کا ایک قطرہ ہے کیونکہ امام زمان حضرت محمد مہدی عجل اللہ الشریف کا فرمان ہے:

وَفِیْ اِبْنَۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ لِیْ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ

''پیغمبرؐ خدا کی دُختر فرزانہ کی زندگی میرے لیے درخشندہ اُسوۂ حسنہ ہے''۔

جی ہاں پھر وہ کائنات کے لیے اُسوۂ حسنہ کیوں نہ ہوں؟

ـــ کیونکہ آپ مظہر جامعیت کمال ہیں۔

ـــ اَوجِ اندیشہ و عرفان ہیں۔

ـــ بلندی معرفت و آگاہی ہیں۔

ـــ سمبل اخلاص و ایمان ہیں۔

ـــ پیکر مقاومت و پائیداری ہیں۔

ـــ صبر و شکیبائی کا کوہ گراں ہیں۔

ـــ مرکز مہر و ہدایت ہیں۔

ـــ ستون دین و ایمان ہیں۔

ـــ یادگار باقیاتِ رسالت ہیں۔

ـــ نفس و نفیس محمد عربیؐ ہیں۔

ـــ سرچشمہ دلیل و حجت ہیں۔

ـــ برگزیدہ محبیان گیتی ہیں۔

ـــ سالار و سرور بانوان اُمت ہیں۔

ـــ تاریخ بشریت کی بہترین خاتون ہیں۔

ـــ بوستانِ رسالت کا شجر ثمردار ہیں۔

— پروردۂ منزلِ وحی ہیں۔

— کوثرِ قرآن ہیں۔

— ہم رازِ صاحبِ وحی ہیں۔

— بانوئے شہسوارِ اسلام ہیں۔

— مادرِ گراں مایہ حسنؑ و حسینؑ ہیں۔

— آموزگارِ سرفراز زینبؑ و کلثومؑ ہیں۔

— رہبرانِ حریت و حقوقِ بشر کی ماں ہیں۔

— عابدۂ ربّ العزت ہیں۔

— حبیبۂ رسولؐ اللہ ہیں۔

— دُرِ درخشندۂ رسالت ہیں۔

— لؤلؤ نورانی نبوت ہیں۔

— مظہرِ جلالِ الٰہی ہیں۔

— مظہرِ جمالِ رسولؐ اللہ ہیں۔

— دانش و بینش کا بے کراں سمندر ہیں۔

آیت اللہ سیّد قزوینی فرماتے ہیں: جب سیّدہ کائناتؑ کی روح مبارک اعلیٰ علیین کی طرف پرواز کر گئی تھی تو پھر بھی اُن کی روح کو اُن کے مقدس جسم میں تصرف حاصل تھا۔ سیّدۂ عالمؑ جب لباسِ آخرت پہن چکی تھیں اور ابھی ان کے کفن کے بند کھلے تھے۔ حضرت امیر علیہ السلام نے اپنے شہزادوں کو بلایا تھا کہ وہ اپنی مہربان ماں کا دیدار کر لیں۔ جب شہزادے اپنی ماں کی طرف بڑھے تو اس ملاقات کو امامؑ نے یوں بیان فرمایا:

أُشْهِدُ اللهَ اَنَّهَا حَنَّتْ وَاَنَّتْ وَمَدَّتْ يَدَيْهَا مِنَ الْكَفَنِ وَضَمَّتْهُمَا اِلٰى صَدْرِهَا مَلِيًّا

"خدا کی قسم! حضرت سیّدہ زہراؑ نے زیرِ کفن جان سوز آہ و نالہ بلند کیا اور اپنے دونوں ہاتھوں کو کفن سے باہر نکالا اور اپنے دونوں فرزندوں کو پیار و محبت کے ساتھ اپنے مبارک سینے سے لگایا"۔

اس دردناک منظر نے اہلِ آسمان کو تڑپا دیا تھا۔ ملائکہ میں کہرام برپا ہو گیا تھا۔ حضرت امام علی علیہ السلام نے فرشتے کی آواز سنی تھی:

"یا علیؑ! اپنے دونوں شہزادوں کو اُن کی والدہ کے مبارک پیکر سے جدا کیجیے کیونکہ آسمانوں کے ملائکہ میں کہرام برپا ہے۔ خداوند تعالیٰ کو اپنی عابدہ، زاہدہ، حبیبہ سے محبت ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ وہ فوراً اُن کی بارگاہ میں پہنچیں"۔

قارئین کرام! کچھ عرصہ قبل حجۃ الاسلام علامہ آر۔ایچ جعفری صاحب نے بندہ کی طرف یہ کتاب روانہ کی کہ اُس کا عربی سے اُردو ترجمہ کروں۔ جب مجھے کتاب ملی اور میں نے کتاب کو دیکھا اور اُس کی عزت وعظمت دیکھی اور پھر اپنے دامن میں جھانکا تو سوائے اپنی کم مائیگی کے کچھ نظر نہ آیا۔ پھر اُنھی کی بارگاہ میں توسّل کیا۔ توفیقِ ایزدی شاملِ حال ہوئی۔ جوں جوں کام آگے کی طرف چلتا رہا توفیقِ خداوندی بھی بڑھتی رہی۔ آج الحمدللہ! اُردو لباس میں کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے۔۔۔ گر قبول اُفتد زہے عزّ وشرف

یقین ہے کہ شفیعہ روزِ جزا، جہاں اُمت کے گناہ گاروں کی شفاعت فرمائیں گی تو ضرور اِس حقیر و اَحقر، فقیر وعاجز کی بھی شفاعت فرمائیں گی۔

ایک زمانہ تھا کہ ہمارے ملک پاکستان میں مذہب حقہ کی ترجمانی کرنے والی اُردو زبان میں چند کتابیں تھیں وہ بھی عوامی دسترس سے دُور تھیں۔ بعض گھروں میں تحفۃ العوام اور چودہ ستارے نامی کتابیں مل جاتی تھیں اور بس۔ اس طرف قوم متوجہ تھی اور نہ قوم کے رہبر، لوگ منبر ومجالس سے جو کچھ سنتے تھے اُسے ہی اپنے لیے علمی سرمایہ خیال کرتے تھے۔ آیئے اُسی دور کا دوسرا رُخ دیکھتے ہیں۔ اُنھی دنوں صحاحِ ستہ پر کام ہو چکا تھا۔ اُن کے مکتب کی تفاسیر قرآن موجود تھیں۔

تعلیم وتعلم کا پاکستان میں اُس وقت کچھ ماحول بنا جب کچھ بزرگوار حصولِ علم کے بعد نجف سے واپس لوٹے تھے۔ تفسیر قرآنِ مجید کے میدان میں سب سے پہلے حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ حسین بخش نجفی قبلہ وارد ہوئے۔ اُن کے تراجم وتالیف کا سلسلہ شروع ہو گیا اور روز بروز وسیع سے وسیع تر ہونے لگا لیکن رفتار نہایت سُست رہی۔ انقلابِ اسلامی ایران نے جہاں ورلڈ کو متاثر کیا وہاں پاکستان میں علمی شعور بڑھا۔ درس وتدریس کے ساتھ ترجمہ وتالیف کے کام میں بھی ہلچل پیدا ہوئی۔ ملی ومذہبی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ادارے وجود میں آئے۔

حضرت علامہ آر ایچ جعفری صاحب کو دنیائے کتب سے عشق ہے۔ وہ شب وروز اسی کام میں مصروف ہیں۔ ہر ماہ ان کی دو تین کتب مارکیٹ میں آجاتی ہیں۔ وہ اپنے ادارہ کی ٹیم سے قومی مسائل اور مشاورت کرتے رہتے ہیں۔

یہ کتاب قزوینی فاؤنڈیشن ایران نے طبع کروائی ہے۔ قزوینی فاؤنڈیشن کی سرپرستی علامہ فقیہ آیت اللہ سید محمد کاظم قزوینی مرحوم کے فرزندان ارجمند فرما رہے ہیں۔ اس وقت قزوینی فاؤنڈیشن کے دفتر نجف اشرف عراق، قم المقدسہ ایران، بھارت اور دوسرے ممالک میں فروغ تعلیم و تعلم میں مصروف ہیں۔

ان کے فرزندان کے اسم گرامی یہ ہیں:

— حجۃ الاسلام والمسلمین آقای حاج سید محمد علی قزوینی

— حجۃ الاسلام والمسلمین آقای سید محمد ابراہیم موحد قزوینی

آخر میں سیدہ نساء العالمینؑ کی بارگاہ قدس میں درود و سلام پیش کرتا ہوں:

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَی الْبَتُوْلِ الطَّاھِرَۃِ الرَّشِیْدَۃِ الْمَعْصُوْمَۃِ الصِّدِّیْقَۃِ التَّقِیَّۃِ النَّقِیَّۃِ الرَّضِیَّۃِ الزَّکِیَّۃِ الْمَظْلُوْمَۃِ الْمَقْھُوْرَۃِ اَلْمَغْصُوْبَۃِ حَقُّھَا الْمَمْنُوْعَۃِ اِرْثُھَا اَلْمَکْسُوْرَۃِ ضِلْعُھَا

طالب دعا

الطاف حسین

معجزہ حضرت امام حسین علیہ السلام

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ وعلی آلہ سادات اولیائہ،

ولعنۃ اللہ علی اعدائھم اعلاء اللہ

یہ عظیم الشان کتاب، فاطمۃ الزہراؑ مِنَ المَھدِ اِلَی اللَّحدِ میرے والد معظم کی ایک عظیم ومحترم ومکرم تالیف ہے۔ میرے والد معظم کی تمام تالیفات میں اس تالیف کی کچھ اپنی خصوصیات ہیں، جو کسی دوسری تالیف کو حاصل نہیں ہیں۔ اس تالیف سے متعلق جالب نظر ایک خاص داستان ہے اور وہ یہ ہے:

اُن دنوں جب میرے والد معظم شہر مقدس کربلا میں سکونت پذیر تھے۔ آپ کو حکومت نے گرفتار کرلیا اور حکومتی نمایندے گاڑی میں سوار کر کے نجف اشرف کی طرف لے گئے۔ راستے میں جب انھوں نے کربلا سے بہت زیادہ سفر طے کرلیا تو روڈ چھوڑ کر ایک کچی سڑک کو اختیار کیا۔ اُن کی گاڑی چلی جارہی تھی تو اُس وقت میرے والد معظم نے تعجب سے کہا کہ یہ لوگ کدھر جانا چاہتے ہیں، کیونکہ ان دنوں جب حکومت کسی عالم اور روحانی کو گرفتار کرتی تو اُسے بغداد لے جاتی اور وہاں زندان میں بند کردیتی تھی۔ آخر وہ ایک صحرا میں پہنچے جہاں دُور دُور تک کوئی آبادی کے آثار تھے اور نہ کوئی آدم زاد دکھائی دیتا تھا۔ ایک جگہ پر ان کی گاڑی رُک گئی۔ حکومتی لوگ گاڑی سے اُترے اور اُنھوں نے ڈگی سے قبر کھودنے کے آلات نکالے اور قبر کھودنی شروع کردی۔ جب میرے والد نے یہ منظر دیکھا تو سمجھ گئے کہ وہ اُنھیں قتل کرنا چاہتے ہیں اور بغیر غسل وکفن وجنازہ کے دفن کرنا چاہتے ہیں، تاکہ کسی کو پتا تک نہ چلے کہ کچھ ہوا ہے یا نہیں۔ ان حساس اور ناقابلِ فراموش لحات میں میرے والد نے صدیقہ کبریٰ، حضرت فاطمہ زہراؑ سے توسل کیا کہ اُنھیں ان ظالموں سے نجات دلائی جائے کہ اگر اُنھیں ان سے نجات مل گئی تو وہ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کی شخصیت وزندگی پر ایک مبسوط کتاب لکھیں گے۔

قبر بڑی تیزی کے ساتھ کھودی جارہی تھی۔ سرکاری عملہ اپنی مکمل توانائی سے کام جاری رکھے ہوئے تھا۔ اچانک وائرلیس کی گھنٹی بجی اور اُنھیں مرکز کی طرف سے پیغام ملا کہ علامہ قزوینی کو قتل نہ کیا جائے اور اُنھیں واپس لایا جائے۔

اس طرح انھوں نے میرے والد مرحوم کو بغداد کے زندان میں بند کر دیا۔ میرے والد مرحوم بغداد کے اس زندان میں ساڑھے تین ماہ بند رہے۔ پھر آپ کو رہا کر دیا گیا۔ گرفتاری کے ایام میں آپ پر بہت زیادہ تشدد کیا گیا۔ آخر حضرت فاطمہ زہراؑ کی برکت سے آپ کو اُن ظالموں سے نجات ملی۔

جی ہاں، قارئین کرام! اس کتاب کی تالیف کا سبب یہ عظیم داستان ہے، جو آپ نے ابھی ابھی پڑھی ہے۔

الحمدللہ، جب یہ کتاب منظرِعام پر آئی تو اس کتاب کی برکت سے بہت سے منحرف لوگوں کو ہدایت ملی اور اُنھوں نے مکتبِ اہلِ بیتؑ کو قبول کیا کیونکہ یہی مکتب ہی شریعتِ خداوندی اور شریعتِ رسولؐ ہے۔ اس طرح ان لوگوں نے اپنی زندگیوں کا نئے سرے سے آغاز کیا اور یہ آغاز قرآن اور عترت کے زیرِ سایہ تھا۔

والدِ مرحوم کو اس کتاب سے بہت زیادہ اُنس تھا۔ آپ نے اپنی وصیت میں فرمایا تھا کہ جب میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں تو اس کتاب کو میرے ساتھ میری قبر میں رکھ دینا، تاکہ یہ کتاب میرے لیے سببِ شفاعت بن جائے۔

جب ان کی وفات ہوئی تو ہم نے ان کی وصیت کے مطابق اس کتاب کو ان کے سینے کے اُوپر رکھ دیا تھا اور اُن کے جسدِ خاکی کو ایک صندوق میں بند کر کے حسینیہ زینبیہ میں بطورِ امانت دفن کر دیا، تاکہ جب بعث پارٹی کا خاتمہ ہو تو اُنھیں کربلائے معلّٰی میں دفن کیا جاسکے۔

اب ایک اور حیرت انگیز داستان عرضِ خدمت ہے اور وہ یہ ہے:

ہمارے والد کو اس دنیا سے رخصت ہوئے سترہ سال کا طویل عرصہ گزر چکا تھا کہ حسینیہ زینبیہ کے صحن کی توسیع ہونے لگی اور جدید عمارتیں بننے لگیں، ہمارے خاندان سے رابطہ کیا گیا کہ والدِ معظم کے جسدِ خاکی کو اس مقام سے منتقل کرنا ہے اس لیے تمھاری حاضری ضروری ہے۔

تقریباً یہ ۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ کی بات ہے، بعد از ظہر تین بجے قبر کو کھودا گیا۔ جب لحد کے پتھروں تک کھدائی پہنچی تو پہلے پتھر کو ہٹایا گیا تو ہمیں آپ کا کفن سالم نظر آیا۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ جیسے آپ کو ابھی ابھی دفن کیا گیا ہے۔

اس طرح ہم نے دوسرے، تیسرے اور چوتھے پتھر کو ہٹایا۔ ہم نے دیکھا آپ کا کفن سالم تھا۔ دو آدمیوں نے سر اور پاؤں کی طرف سے کفن کو پکڑا اور آپ کے جسد کو قبر سے باہر نکال لیا۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ جب آپ کے جسدِ خاکی کو زمین پر رکھا گیا تو آپ کے جسد میں لچک تھی کہ جیسے کسی زندہ آدمی کے جسم میں لچک ہوتی ہے۔ میں نے ان کی کمر کے نیچے ہاتھ ڈالے اور اُنھیں زمین سے اُٹھا کر صندوق میں رکھا۔ میں نے دیکھا تو کتاب

فَاطِمَةُ الزَّهْرَا مِنَ الْمَهْدِ اِلَی اللَّحدِ بالکل سالم تھی۔ سترہ سال کا عرصہ گزر چکا تھا، لیکن کتاب صحیح و سالم تھی۔ اس میں بوسیدگی کے کوئی آثار نہ تھے، حالانکہ یہ امر محال ہے کہ کوئی کتاب یا کاغذ اتنا عرصہ مٹی میں باقی رہے۔ یہ خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ رسالوں اور اخباروں میں بڑی بڑی شہ سرخیوں کے ساتھ اسے چھاپا گیا۔

بہت سے علمائے کرام اور بزرگان والد مرحوم کے مقلدین آپ کے جسدِ اَطہر کی زیارت کرنے کے لیے تشریف لائے۔ اس امر میں کوئی شک نہیں ہے کہ والد محترم کو اہلِ بیت عصمت وطہارت سے قلبی و ایمانی لگاؤ تھا۔ یہ ان کی مخلصانہ خدمت کا عوض تھا جو اُنھیں مل چکا تھا۔ آپ کے جسدِ اطہر کو طویل سفر کے بعد کربلائے معلی لایا گیا اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے صحن مطہر میں آقائے شیرازی کے خاندان کے مقبرہ میں دفن کردیا گیا۔

آخر میں ہم خداوند تعالیٰ کی ذات سے اُمیدوار ہیں کہ وہ ہمیں آلِ رسولؐ کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے، تاکہ ہم اس دنیا اور آخرت میں اس کے لطفِ خاص کے مستحق ہوجائیں۔

میں نے یہ مقدمہ اپنے برادر عزیز جناب آقائی صبوری کی فرمائش پر تحریر کیا ہے۔ یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ خداوند تعالیٰ کے لطف وکرم کی اُمید رکھتے ہیں کہ وہ ہماری توفیقات میں اضافہ فرمائے گا۔

فرزند مرحوم مؤلف

سیّد محمد ابراہیم موحد قزوینی

۶ رجب ۱۴۳۲ھ، قم ایران

کچھ مؤلف کتاب کے بارے میں

یہ کتاب فَاطِمَۃُ الزَّھْرَا مِنَ الْمَھْدِ اِلَی اللَّحْدِ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ ایک عظیم الشان کتاب ہے، جو حضرت آیت اللہ قزوینی کی عظیم کاوش و کوشش کا نتیجہ ہے۔ علامہ حضرت آیت اللہ سیّد کاظم قزوینی مرحوم کی ذات والاصفات محتاج تعارف نہیں ہے۔ آپ ایک عظیم الشان نکتہ پرداز خطیب، ایک فرزانہ استاد، ایک دانشور، ایک فقیہہ بزرگوار، ایک مفسر، ایک مردِ مومن اور ایک مردِ جہاد تھے۔

حضرت آیت اللہ قزوینی نے کربلا میں ۱۳۴۸ھ کو ایک علمی و روحانی گھرانے میں آنکھ کھولی۔ اس مردِ دانش و جہاد اور اُن کے خاندان کا نسب حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے ملتا ہے۔ یہ خاندان اپنی علمی و دینی خدمات کی وجہ سے اپنی شہرت میں آفاقیت رکھتا ہے کہ کسی دور میں بھی اس خاندان میں رجال کی کمی نہیں رہی۔ اس خاندان نے انسانی و اسلامی معاشرے کو بزرگ دانشور، توانا خطباء، ہدف دار شعراء، مؤلفین، مصنفین، مفسرین، مجتہدین پیش کیے اور وہ اپنی علمی، فکری، ادبی، اخلاقی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ قرآنِ مجید اور رہبرانِ نور کا پیغام انسانیت تک پہنچانے کے لیے اس خاندان نے کثیر تعداد میں توانا اور فداکار رجال پیدا کیے۔ ان میں آیت اللہ اعظمیٰ سیّد ہاشم قزوینی، آیت اللہ سیّد محمد ابراہیم قزوینی، آیت اللہ محمد حسن قزوینی اور آیت اللہ سیّد محمد کاظم قزوینی نے کافی شہرت حاصل کی۔

نشوونما

مرحوم آیت اللہ قزوینی نے اپنا بچپن اپنے والد محترم مرحوم آیت اللہ سیّد ابراہیم قزوینی کے سایۂ عاطفت میں گزارا۔ آپ نے اپنی زندگی کا آغاز اپنے والد کی رہبری و نگرانی میں کیا۔ جونہی آپ نے ہوش سنبھالا تو آپ نے علم و دانش کے حصول کے لیے اپنی کوشش و کاوش شروع کر دی۔ آپ نے اپنی تعمیر وترقی کے لیے دن رات ایک کر دیا۔ جونہی آپ نے اپنی زندگی کی بہار کی دہلیز پر قدم رکھا تو آپ کو اپنے شفیق و مہربان والدین کے وجودِ نعمت سے محروم ہونا پڑا۔ آپ کے لیے ان کی جدائی ایک بہت بڑا صدمہ تھا جو آپ کے لیے ناقابلِ برداشت تھا لیکن آپ کے

سامنے سید الشہداؑ کی پر مصائب زندگی تھی۔ آپ نے ان کی مصیبت کے اشعار پڑھ کر اپنے دل کی طوفان زدہ کشتی کو صبر کے سمندر کے ساحل پر لنگرانداز کر کے پرسکون کر دیا۔

اس وقت آپ کے والدین آسمانِ حیات سے غروب کر چکے تھے۔ آپ کی حیات پر مصائب و آلام کا ہجوم ہو چکا تھا۔ تنگدستی و افلاس نے آپ کا دائرۂ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ لیکن آپ نے ان شدائد و مصائب کے باوجود کسبِ دانش و کمال سے ہاتھ نہ ہٹایا۔ آپ نے اپنی جدوجہد کو مزید تیز کر دیا۔ جب آپ کی ضروری تعلیم مکمل ہوگئی تو آپ نے کربلا کے بزرگ علماء کے فقہ و اصول کے دروس خارج میں حصّہ لینا شروع کر دیا۔ آپ کچھ عرصہ بعد ایک درخشاں ستارہ بن کر ہر طرف اپنا نُور بکھیرنے لگے۔ آپ نے خطابت و منبر کے علاوہ فقہ و اُصول اور تفسیر کا درس دینا بھی شروع کر دیا۔ آپ کا حلقہ شاگرداں وسیع سے وسیع تر ہونے لگا۔ آپ نے مختلف ممالک میں قرآن و اہلِ بیتؑ کا پیغام پہنچایا۔ آپ بہت سی صفات سے متصف تھے۔

① مردِ سخن

آپ ایک توانا خطیب تھے۔ علم و دانش کے پیکر تھے۔ آپ جب منبر پر جاتے تو بھرپور اعتماد کے ساتھ گفتگو فرماتے تھے۔ ان کی گفتگو دلنشین ہوتی تھی۔ وہ پیام رسانی میں حیران کن قدرت رکھتے تھے۔ وہ سننے والے کو جذب کر لیتے تھے۔ آپ کے سامعین پر آپ کے وعظ و نصائح کا بے پناہ اثر ہوتا تھا۔ آپ جب حضرت امام حسین علیہ السلام کے مصائب بڑھتے تو ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے کہ روزِ عاشورا مجسم ہو کر سامعین کے سامنے آگیا ہے۔

آپ کی گفتگو قرآنِ مجید، نہج البلاغہ اور احادیثِ اہلِ بیتؑ پر مشتمل ہوتی تھی۔ چونکہ آپ ایک خالص و مخلص اور روحانی و معنوی انسان تھے اسی لیے آپ کی گفتگو اپنا اثر دکھاتی تھی اور دلوں کو موم بنا دیتی تھی۔ آپ کی تقریر سننے کے بعد لوگ اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہوئے نظر آتے تھے۔ بہت سے گمراہوں کو راستۂ ہدایت مل جاتا تھا۔ حق سے دُور رہنے والے حق کے آگے سجدہ ریز ہو جاتے تھے۔ حقوق کو پامال کرنے والے ادائیگی حقوق پر کمربستہ ہو جاتے تھے۔

② مردِ قلم

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی نعمات میں سے جو شاندار نعمت عطا کی ہے وہ نعمتِ قلم ہے۔ قرآنِ مجید میں اس نعمت کے فضائل بیان ہوئے ہیں۔ اللہ نے قلم کی عظمت کی قسم کھائی ہے:

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ○ (سورۂ قلم: آیت ۱)

"نون، قسم ہے قلم کی اور اُس کی جسے لکھنے والے لکھتے ہیں"۔

رسولِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مِدَادُ الْعُلَمَا اَفْضَلُ مِنْ دِمَاءِ الشُّهَدَا (نہج الفصاحت: ص ۶۴۸)

"علماء کے قلموں کی سیاہی شہدا کے خون پر فضیلت رکھتی ہے"۔

یہ بات واضح ہے کہ اس قلم سے وہ قلم مراد ہے جو ایک عالم کے ہاتھ میں ہوتا ہے، جو حُر ہوتا ہے اور حُریت پسند ہوتا ہے، جو حق و حقیقت اور صداقت کا امین ہوتا ہے۔ اس قلم کی بات نہیں جو ظلم و ستم کی نگہبانی کرتا ہے جو تعصب و خشونت کو ہوا دیتا ہے، ظلمت و تاریکی کے لیے کام کرتا ہے اور لوگوں میں ذلت و حقارت کا بیج بوتا ہے۔

حضرت آیت اللہ قزوینی کے لیے یہ عطیۂ خداوندی ہے کہ آپ مردِ قلم تھے۔ آپ کا قلم قرآن اور خاندانِ رسولؐ کی خدمت میں مصروف بہ عمل رہا۔ آپ کے فکری و قلمی آثار درج ذیل ہیں:

① سیرت الرسول الاعظم
② علی من المھدِ الی اللّحدِ
③ شرح نہج البلاغہ (۳ جلدیں)
④ فَاطِمَةُ الزَّهْرَا مِنَ الْمَهدِ اِلَى اللَّحدِ
⑤ الامام الحسین مِنَ المَهدِ اِلَى اللَّحدِ
⑥ فَاجِعَةُ الطَّفِّ أَوْ مَقْتَلُ الْحُسَيْنِ
⑦ زَيْنَبُ الْكُبْرىٰ مِنَ الْمَهدِ اِلَى اللَّحدِ
⑧ مَوْسُوعَةُ الاِمَامِ الصَّادِقِ (۸ جلدیں)
⑨ الامام الجَوَادُ مِنَ المَهدِ اِلَى اللَّحدِ
⑩ الاِمَامُ الهَادِی مِنَ المَهدِ اِلَى اللَّحدِ
⑪ الاِمَامُ العَسكَرِی مِنَ المَهدِ اِلَى اللَّحدِ
⑫ الاِمَامُ المَهدِی مِنَ المَهدِ اِلَى الظُّهُورِ
⑬ الاِسْلَامُ الصحیح یتجلی فی مذھب اَھلِ بیتٍ ⑭ الفِقهُ الوَاضِحُ
⑮ الاِسْلَامُ وَالتَّعلِيمُ التربوية وکتاب ہائی دیگر جو مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہیں۔

② مردِ ہجرت

آپ مردِ ہجرت تھے۔ آپ نے قرآن اور اہلِ بیتؑ کے پیغام کو پہنچانے کے لیے دُور دُور کے ممالک کا سفر کیا۔ آپ مراکش، آسٹریلیا، مصر، کویت، حجاز، ہندوستان، پاکستان، شام، لبنان تشریف لے گئے۔ آپ افریقی ممالک میں بھی گئے۔ ہر مقام پر آپ کا ہدف قرآن اور اہلِ بیتؑ کا پیام تھا، کیونکہ آپ ایمان و عملِ صالح سے مسلح تھے۔ جہاں جاتے وہاں اپنے دُور رس اثرات چھوڑتے، جو ہمیشہ یاد رکھے جاتے تھے۔ آپ کی تبلیغ کا ایک یادگار نمونہ وہ ہے

جب آپ مراکش میں گئے تو وہاں ایک جعلی حدیث پر عمل ہو رہا تھا۔ وہ حدیث یہ تھی کہ روز عاشورا حضرت نوحؑ کی کشتی کو نجات ملی تھی۔ اسی دن حضرت آدمؑ کی توبہ قبول ہوئی تھی۔ وہاں کے لوگ روز عاشور کو بطورِ عید مناتے تھے اور شادیاں کرتے تھے۔ مٹھائی تقسیم کرتے اور شادیانے بجاتے تھے۔ آپ نے وہاں اس حدیث کو جعلی ثابت کیا اور لوگوں کو حقیقت کی راہ دکھائی۔

مردِ عشق بہ اہلِ بیتؑ

آپ کو خاندانِ نبوت سے عشق تھا۔ آپ کا دل اُن کی محبت میں دھڑکتا تھا۔ جب کبھی آپ کی زندگی میں کوئی مشکل پیش آتی تو آپ اہلِ بیتؑ سے ہی توسل کرتے تھے۔ ان کی برکت سے آپ کے مشکلات آسانیوں میں بدل جاتی تھیں۔

مردِ جہاد

جہاں آپ ایک مردِ دانش و بینش اور ایمان و عمل تھے۔ وہاں آپ ایک مردِ مجاہد و مبارز بھی تھے۔ آپ ایک نڈر و بہادر انسان تھے۔ حق گوئی آپ کا شعار تھا۔ آپ دعوت و ارشاد کرتے ہوئے کبھی خوف زدہ نہیں ہوتے تھے۔ عدل و انصاف کے قیام میں پیش پیش رہتے تھے۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے نظام کو اپنی زندگی کی سب سے بڑی کامیابی سمجھتے تھے۔

آپ حکمرانوں کے سامنے کلمۂ حق کہہ دیتے تھے جس کی وجہ سے آپ کو بارہا جیلوں میں جانا پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو قتل کرنے کے لیے گھر سے اُٹھالیا گیا تھا، لیکن خداوند تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی۔ آپ عراق سے نکل کر کویت پہنچے پھر لبنان اور آخر میں ایران آئے۔ پھر آپ نے اپنی عمر کے آخری ایام تک دینِ مبین کی خدمت کی۔

جمادی الثانی کی ۱۶ تاریخ ۱۴۱۵ھ کو آپ نے اس دارِ دنیا سے کوچ فرمایا۔

آخر میں دُعا ہے مہربان خدا انھیں اور ہمیں اپنے دامنِ عفو میں جگہ عنایت فرمائے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

امین رب العالمین

علی کرمی فریدنی

قم المقدسہ، ایران

تقدیم

میں اپنی اس کوشش و کاوش کو
اپنے سید و سردار حضرت امام محمد مہدی علیہ السلام کے حضور
پیش کرتا ہوں، جو خاندانِ وحی و رسالت کی یادگار ہیں اور وہ ہر زمانے اور انسانی نسلوں کے مُصلحِ اعظم ہیں۔ ساری کائنات اُن کے انتظار میں ہے۔
میں ان درخشاں و تابناک صفحات کو
جن میں اس ذات کی زندگی کو پیش کیا گیا ہے، جس کی سیرت درسِ آموز، تاریخ ساز، اور سراسر افتخار ہے۔
وہ صدیقہ طاہرہ، ملکۂ ارجمند اسلام حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا
جو ان کی مادر گرامی ہیں۔ آپ کے حضور ہدیہ کرتا ہوں۔
بندہ پُرامید ہے کہ
خداوند تعالیٰ میری اس ناچیز خدمت کو اس ہستی کی بدولت قبول فرمائے گا۔

سید محمد کاظم قزوینی
کربلا، عراق

سخنِ مؤلف

تمام حمد و ستائش کی وہ ذات سزاوار ہے، جو اس کائنات کی آفریدگار ہے۔ درود و سلام ہو ہمارے سیّد و سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور اُن کے پاکیزہ و محترم خاندان پر جو سب سے بہترین مخلوق ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ میں ایک لمبا عرصہ اس غور و فکر میں رہا کہ ایک ایسی کتاب تالیف کروں، جو خاتونِ جنت، صدیقہ طاہرہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی حیات پر مشتمل ہو، آپؑ پر اور آپؑ کے والد گرامی، آپؑ کے شوہر محترم اور آپؑ کے دونوں شہزادوں پر درود و سلام ہو۔

مجھے اس امر کا شدت سے احساس رہا کہ میں فوراً اس ملکوتی عمل کی وادی میں اُتروں اور اپنا سفر شروع کروں اور جلد اپنے ہدف تک پہنچوں، لیکن جب میری نظر عربی و اسلامی مصادر پر پڑتی تو مجھے اس بانوئے جہاں کے مقام کی رفعت و عظمت کے مطابق ان مصادر سے کچھ ہاتھ نہ آتا۔ اس ہستی کے سامنے یہ علمی مصادر مجھے بہت حقیر و ناچیز دکھائی دیتے، بلکہ یوں کہوں کہ یہ تمام مصادر جو اس ہستی سے مربوط تھے چاہے وہ قدیم تھے یا جدید، وہ قارئین کرام کی پیاس بجھانے کے لیے کافی نہیں تھے۔ یہ تمام تالیفات نہ کامل آگاہی رکھتی ہیں اور نہ آپؑ کی مبارک حیات پر مکمل طور پر روشنی ڈالتی ہیں، کیونکہ یہ عظیم ہستی اس جہاں میں رسولؐ اللہ اور تمام انسانوں کی محبت کا مرکز و محور ہیں کیونکہ صدیقہ طاہرہ کی شخصیت اپنے دامن میں ملکوتی صفات و خصوصیات رکھتی تھیں۔ مجھے اس بات کا ہرگز اندیشہ نہیں تھا کہ یہ سنگین مسئولیت میرے لیے ممکن ہے اور مَیں نہایت ہی شائستگی سے اپنی دیرینہ آرزو کو عملی جامہ پہنا سکتا ہوں، بلکہ مجھے خوف اپنی کم مائیگی و ناتوانی کا تھا، کیونکہ نہ میں اپنی فکر میں بلندی دیکھتا تھا اور نہ اپنی زبان اور اپنے قلم میں قدرت پاتا تھا۔

اسی سوچ و بچار میں دن گزرتے گئے کہ کب موقع ملتا ہے اور مَیں اپنی اس دیرینہ آرزو کو تکمیل تک پہنچاتا ہوں۔ لیکن کچھ واقعات اچانک رُونما ہوتے کہ وہ مجھے اس کام سے روک دیتے اور میری یہ دیرینہ آرزو دھری کی دھری رہ جاتی۔ آخرکار وہ وقت آ گیا کہ مجھے مصائب کے طوفانوں نے گھیر لیا تو اس وقت مَیں نے بارگاہِ خداوندی میں نذر مانی کہ اگر مصائب کے یہ بادل مجھ سے چھٹ گئے اور مجھے توفیق مل گئی تو فوراً صدیقہ طاہرہ کی زندگی پر کتاب تالیف کروں گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے مجھے مصائب سے نجات دی۔ تمام تعریفیں اسی کے لیے ہیں اور میں اس کا شکر ادا کرتا ہوں۔ بس میں نے اس کتاب پر کام شروع کر دیا، لیکن اس کتاب کے آغاز میں میں نہیں جانتا تھا کہ میں کہاں پہنچوں گا اور میری بات کہاں مکمل ہوگی؟

اللہ ہی مددگار ہے اور وہ بہترین مددگار ہے۔ وہ مجھے کافی ہے۔ وہ اس سرا اور اُخروی سرا میں بہترین کارساز ہے۔ وہ ہی توفیق دینے والا ہ اور وہ ہی یار و یاور ہے۔

محمد کاظم قزوینی

۲۶ جمادی الثانیہ ۱۳۹۲ھ

کربلا مقدسہ، عراق

بابِ سخن میں ورود

اللہ کی آفرینش کا عظیم شاہکار اور آیتِ خداوندی فاطمہؑ

وَمَا اَدْرٰكَ مَنْ فَاطِمَه؟

"اے قارئینِ محترم! تم کیا جانو ہیں کہ فاطمہؑ کون ہیں؟

حضرت فاطمہ فرزانہ شخصیت ہیں۔ عالی قدر انسان ہیں۔ ایک ایسی عورت ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی قدرتِ بالغہ اور اُس کے عجیب و بدیع اقتدار کی آیت ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خلق فرمایا، تا کہ وہ اس کے انبیاءؑ میں اس کی قدرت کی نشانی ٹھہریں۔ پھر اُسی سے اس کی دختر فرزانہ اور پارہ تن حضرت فاطمہ زہراؑ کو پیدا فرمایا، تا کہ اس کی بے نظیر مخلوق میں اللہ کی نشانی ہو، اُنھیں خاتون بنایا، تا کہ وہ انسانی فضیلت کا خلاصہ بنے اور اس کی عطاؤں کا مجموعہ ہو۔

یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو فضائل انھیں بخشے اور اپنی جلالت میں جو حصہ انھیں عطا کیا کائنات کی کسی عورت کے لیے ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ ان کے مقام و منصب تک رسائی حاصل کر سکے، کیونکہ اسی کا تعلق ان برگزیدہ ہستیوں سے ہے، جو پاک و پاکیزہ اور اللہ کی محبوب ہستیاں ہیں۔ اس سے قبل کہ اہلِ زمین اُنھیں پہچانتے، اہلِ آسمان اُن کی عظمت و رفعت کا اعتراف کرتے ہیں اور ان کے حق میں قرآنِ مجید میں آیاتِ محکمات نازل ہوئیں جنھیں اس دور سے لے کر آج تک رات اور دن پڑھا جا رہا ہے جب سے وہ اُتری ہیں اور اس طرح قیامت تک پڑھی جاتی رہیں گی۔ وہ ایسی عظیم الشان شخصیت ہیں کہ جس قدر انسان اپنی روحانیت و معنویت میں اضافہ کرتا ہے اور اُسے محکم بناتا ہے اس قدر اس پر اس عظیم شخصیت کی عظمت کے اُسرار کھلتے ہیں تو اس پر اس شخصیت کی خصوصیات و اوصاف منکشف ہوتے ہیں۔

یہ حضرت فاطمہ زہراؑ ہیں۔ اللہ نے خود اُن کی تعریف و ثنا کی ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ يَغْضِبُ بِغَضَبِهَا وَ يَرْضٰى لِرِضَائِهَا

" اُن کی رضا سے وہ راضی ہے اور ان کے غضب سے وہ غضب ناک ہے"۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کی عظمت و جلالت کے پیش نظر ان کی قدر و منزلت کو بیان فرمایا:

فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي مَنْ أَذَاهَا فَقَدْ أَذَانِي وَمَنْ أَذَانِي فَقَدْ أَذَى اللهَ

" فاطمہؑ میرے بدن کا پارہ ہے، جس نے اُسے اذیت دی، اُس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اُس نے اللہ کو اذیت دی"۔

جب امیر عدالت امام علی علیہ السلام کی اُن پر نگاہ پڑتی تو وہ اُن کا حد سے زیادہ احترام و اکرام کرتے تھے۔ تمام آئمہ اہلِ بیتؑ جب آپؑ کا ذکر کرتے تو اُن کی تقدیس و تحریم بیان کرتے تھے۔

سیّدہ فاطمہؑ ایک بلند و بالا اور پُرعظمت مبارک اسم ہے، جس نام کی برکت سے حکومتیں قائم ہوئیں، عظمتوں کی بنیاد ڈالی گئی اور اُنھیں عروج دیا گیا اور اسی نام سے ظالم اور ستم پیشہ حکومتوں کا خاتمہ ہوا۔

آپؑ کی محبت وہ عظیم اَبدی سعادت ہے کہ عنقریب تم اپنی آنکھوں سے دیکھو گے کہ انسانوں کی ایک بہت بڑی تعداد جنت میں داخل ہو رہی ہوگی اور آپؑ کے دشمن جہنم کے راستے پر چل رہے ہوں گے۔

منزلِ یقین

مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب اور اس کے اندر جو کچھ ہے وہ سعادت ہی سعادت ہے، نفع ہی نفع ہے۔ ایسا نفع جو نہ ختم ہونے والا ہے اور نہ محدود ہے، بلکہ ابدی ہے اور روز بروز نشوونما پانے والا ہے۔ اس کی ہر بات اپنے دامن میں دل و دماغ کو تسکین و آرام دینے والی ہے۔ اس کے متن پُرسکون و خوب صورت وادی کی مانند ہیں، جس کے دیکھنے سے آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ دل میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ ایک قاری کو اَبدیت مل جاتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو جنگلوں اور صحراؤں میں بھٹکنے سے محفوظ کر لیتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو بہشت نشین خیال کرتا ہے اور معنویت و کمال کے ماحول میں پاتا ہے اور اُسے حقیقی زندگی مل جاتی ہے۔

لیکن جب عالمین کی خواتین کی سیّدہ و سالار کی زندگی پر نظر پڑتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی زندگی مصائب و آلام سے مربوط رہی اور اُن کی سیرت عبرت انگیز اور حکمت آموز واقعات سے لبریز ہے۔ ایک قاری کو اُن کی زندگی سے اولیائے اللہ کی زندگیوں کا پتا چلتا ہے کہ اُنھوں نے کس طرح زندگیاں بسر کیں اور اُن کی زندگیوں کا مقصد کیا تھا؟

آپ کی پُرافتخار زندگی کے مختلف و متعدد پہلو ہیں۔ آپ کی زندگی تاریخ اسلام کے نشیب و فراز کا ایک سنہری باب ہے۔ آپ کی یہ انسانیت ساز و تاریخ ساز زندگی بہت کم تھی، انھوں نے اپنی زندگی سایہ رسالت و امامت اور اپنے گھر کی چار دیواری میں بسر کی۔ آپ نے جس انداز میں اپنے بچوں اور اپنے شاگردوں کی تربیت کی اُسے صرف آپ کے گھر والے ہی جانتے تھے۔ ان کے علاوہ کسی اور کو ذرہ برابر کی خبر بھی نہ تھی۔

ادھر تاریخ نے آپ سے ظالمانہ رویہ اختیار کیا کہ آپ کی شخصیت، آپ کی سیرت، آپ کی تعلیمات پر پردہ ڈالنے کی ہر ممکن کوشش کی تاکہ آنے والے اُدوار آپ کی شخصیت تک نہ پہنچ سکیں کہ رسولؐ اللہ کی بیٹی تھی یا نہیں تھی۔ اگر تھی تو اُن کی سیرت و شخصیت کیا تھی؟

اسلام میں عورت کا مقام

① جب حضرت فاطمہ زہراسلام اللہ علیہا کی پُرعظمت شخصیت اور اُن کے آفاقی صفات و کمالات پر گفتگو ہوتی ہے تو اس بحث سے عورت کا وہ مقام و مرتبہ سامنے آتا ہے جو اُسے اسلام نے عطا کیا ہے۔ تو اس وسیلہ سے یہ بات روشن ہوتی ہے کہ اسلام نے عورت کو معاشرے میں جو حقوق عطا کیے ہیں ان کی سخت حفاظت کی ہے۔ اس لحاظ سے اُسے انسانی معاشرے میں ایک پُرشکوہ مقام بخشا ہے۔

② اس بحث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جب ایک عورت اسلام سے آگاہی رکھنے والی ہوتی ہے تو وہ جب تک اپنے والد کے گھر میں ہوتی ہے تو وہ ایک شائستہ دختر کی صورت میں ہوتی ہے۔ جب وہ اپنے باپ کے گھر سے شوہر کے گھر میں جاتی ہے تو وہ اپنے شوہر کے گھر امانت و اطاعت کا نمونہ ہوتی ہے۔ جب اُس کی جھولی میں پھول کھلتے ہیں تو وہ معاشرے کی ایک ذمہ دار خاتون ہوتی ہے جو اپنے بچوں کی اس انداز میں تربیت کرنے والی ہوتی ہے جو ایک معاشرے کے لیے نعمت ثابت ہوتے ہیں، کیونکہ وہ معاشرے میں ایک مثالی ماں اور مربی ہوتی ہے۔

③ اسلام میں عورت کو ایک مقام حاصل ہے یہ بھی انسان کا ایک فرد ہے اور وہ صفتِ انسانیت سے متصف ہے۔ اسلام نے اُسے اجازت دی ہے کہ وہ معاشرے میں دین کی حدود میں رہتے ہوئے، اپنی عفت کی حفاظت کرتے ہوئے، اپنی زندگی کے اُمور کو نمٹائے۔

④ اس ضمن میں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ اسلام نے عورت پر علم و اُدب اور ثقافت و معرفت کے دروازے کو بند نہیں کیا بلکہ اُس نے اُسے اجازت دی ہے کہ وہ علم و ادب کے میدان میں آئے اور معنوی کمال کی

بلندیوں تک رسائی حاصل کرے۔ جی ہاں! اسلام نے اس معاملے میں اس کے لیے شرائط معین کی ہیں کہ وہ ان شرائط کی حدود میں رہتے ہوئے زندگی بسر کرے۔ وہ اپنی عفت و پاک دامنی کی حفاظت کرے۔ اپنے جسم کی نمائش سے پرہیز کرے۔ اس طرح ان تمام اُمور سے بچے جو اس کی رُسوائی کا سبب بنتے ہیں۔

اسلامی قانون اور عورت

میں یقین سے کہتا ہوں کہ دینِ اسلام نے عورت کی حُرمت کی حفاظت کا جو نظام دیا ہے ایسا نظام کسی اور مکتب و مسلک کے پاس نہیں ہے۔ نہایت ہی افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ اسلامی ممالک میں اسلام کے دشمنوں کے اشاروں پر بنائی ہوئی عورتوں کی جو تنظیمیں کام کرتی ہیں ان تنظیموں نے کبھی ان عورتوں کو فائدہ نہیں پہنچایا، بلکہ یہ تنظیمیں ہمیشہ ان کے لیے بدبختی و ذلت کا باعث بنی ہیں۔ میں نے بعض رسالوں میں پڑھا ہے کہ عورتوں کی ان تنظیموں نے اپنی حکومتوں سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ قانون پاس کریں کہ ایک مرد ایک سے زیادہ اَزواج نہ کر سکے۔

شاید کہ یہ تنظیمیں یہ سمجھتی ہیں کہ مرد کا تعددِ اَزواج عورت پر ظلم ہے۔ بس وہ صرف ایک عورت سے عقد کرے۔ ایک کی موجودگی میں دوسرا عقد نہ کرے۔ یقیناً یہ تنظیمیں جاہل ہیں یا پھر اُنھیں جاہل بنایا گیا ہے کہ شاید اُنھیں معلوم نہیں ہے کہ ایسا کرنا اُن کی اپنی ہی تباہی و ویرانی ہے اور وہ اپنی زوجیت کی سعادت اور ماں بننے کی معنوی لذت کے ابواب کو بند کرنا چاہتی ہیں۔

اس صورت میں عورت کے پاس دو راستے ہیں: وہ کسی شادی شدہ مرد سے عقد کرے یا پھر اپنے باپ کے گھر میں بیٹھی رہے، یہاں تک کہ اس کے سر کے بال اُس کے دانتوں کی طرح سفید ہو جائیں اور یوں ہی کنواری مر جائے۔

اب بتایئے ان دونوں راستوں میں سے کون سا راستہ بہتر ہے؟

دوسرا راستہ دردناک انجام رکھتا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ اگر عورت دوسرا راستہ اختیار کرے اور کسی مرد سے شادی نہ کرے تو پھر اس کے سامنے دو راستے ہیں:

1. وہ اپنی جوانی و شباب میں اپنے نفس پر کنٹرول کرے اور اپنی فطری خواہشات کو دبائے رکھے اور جائز فطری لذات سے کنارہ کش رہے۔ تو یہ صورت اس کے لیے سخت غم انگیز اور پریشان کن ہوگی۔
2. یا پھر وہ آپے سے باہر نکلے، خواہشاتِ نفس کی تسکین کی راہ پر چل پڑے۔ عزت و شرافت کے تمام بندھن توڑ کر

ان محافل کو اپنائے، جو اُس کی تباہی و ویرانی کا پیش خیمہ ثابت ہوں۔ جو اُس کی شخصیت کا جنازہ نکال دیں، سوائے ذلت و رُسوائی کے اس کے پاس اور کچھ نہ رہنے دیں۔

یہ حقیقت ہے کہ جب تک عورت کا شباب اور اُس کا حُسن و جمال باقی رہتا ہے خواہشاتِ نفس کے پجاری ان کے طواف میں رہتے ہیں۔ جونہی اُن سے شباب نے منہ موڑا تو یہ حُسن پرست بھی اُن سے منہ موڑ لیتے ہیں اور اُن کی نگاہیں کسی اور پر جا رُکتی ہیں۔

جی ہاں! جب ایک عورت تجرد کی زندگی کو اختیار کرے اور عقد نہ کرے یا تو وہ کسی عادل شادی شدہ مرد سے عقد کرے اور اپنی زندگی اسلامی عدالت کے سائے تلے گزارے۔ ایک خانوادہ کو تشکیل دے، اپنی نجابت کی حفاظت کرے، اپنی نیک نامی اور پاک دامنی کو برقرار رکھے، اپنے بچوں کی اسلامی تربیت کرے، تاکہ وہ معاشرہ کے مفید افراد ثابت ہوں۔ اب آپ بتائیں اِن دونوں راستوں میں سے کون سا راستہ افضل و احسن ہے؟

یہ صرف دو راستے ہیں اور کوئی تیسرا راستہ ہے ہی نہیں۔ جب اس دنیا کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کی تعداد مردوں سے کہیں زیادہ ہے۔ اگر ایک مرد صرف ایک عورت سے شادی کرے تو اس طرح کی کروڑوں عورتیں بغیر اَزواج کے رہ جائیں اور تباہی و ویرانی اُن کا مقدر بن جائے۔ مزید برآں طبعی طور پر کچھ ایسے مرد بھی ہوتے ہیں کہ جن کی جنسی ضرورت ایک عورت پورا نہیں کرسکتی۔ اُنھیں دوسری اَزواج کی ضرورت ہوتی ہے، تب جا کر اُنھیں تسکین ملتی ہے۔

یہ امر بھی مسلّم ہے کہ ایک عورت کو طبعاً بہت سے عوارض لاحق ہوتے ہیں، جن کی موجودگی میں وہ اپنے شوہر کی ضرورت پوری نہیں کرسکتی جیسے بیماری ہے، مسافرت ہے، بانجھ پن ہے۔ اسی طرح اور بہت سے عوامل ہیں۔ یہ اپنی جگہ پر ایک وسیع موضوع ہے۔ اس کتاب میں میرا کوئی ایسا ارادہ نہیں ہے کہ مزید اس پر بحث کروں۔

زہر آلود اَقلام

دنیا کا ایک عجیب ترین حادثہ یہ بھی ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ کی وہ دختر جو عزت و عظمت میں اپنی مثال آپ تھیں، آپؑ شرافت کی ان بلندیوں پر رسائی رکھتی تھیں جہاں کسی دوسرے کو رسائی حاصل نہ تھی۔ آپؑ رسولِ عالمین کے اخلاق کا اعلیٰ و ارفع نمونہ تھیں۔ جب اپنوں اور غیروں نے آپؑ کی شخصیت پر قلم اُٹھانا چاہا تو پہلے اپنے قلم کی نوک کو زہر میں کئی بار بجھایا، پھر آپؑ پر لکھنا شروع کیا۔ ان قلموں نے قرطاس پر جو کچھ آپؑ کی شخصیت کے بارے میں

تحریر کیا ان تحریروں میں زہر کے سوا کچھ نہ تھا۔ جب انسان ان تحریروں اور روایتوں کو دیکھتا ہے تو اُن میں خیانت و تعصب اور کینہ وعداوت کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ ان کذابوں نے حدیثیں گھڑ کر دخترِ پیغمبرؐ کی طرف منسوب کر دیں، کیونکہ یہ لوگ درباری تھے اور ان کے دسترخوان کے ریزوں پر پلنے والے تھے اور ان کی پروپیگنڈہ فیکٹری کے آلہ کار تھے۔ یہ دین فروش اور کج فکر لوگ زر و جواہر کے عوض اپنے ایمان کو بیچنے والے تھے۔ ان کے شیاطین، اُن کی طرف جھوٹ ومکر وحیلہ کی جو وحی کرتے تھے وہ وہی لکھ دیتے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے اللہ کی ناراضی کے عوض مخلوق کی رضا خریدی۔

ان دین فروشوں نے ان لوگوں کے ہاتھوں میں اپنے آپ کو بیچ ڈالا تھا، جنھوں نے متزلزل عقیدوں اور بے ضمیری کی منڈی لگا رکھی تھی۔ نہ اُنھیں اس بات کی پرواہ رہی کہ وہ اس دروغ پردازی سے صاحبِ شریعت کی توہین کر رہے ہیں اور نہ اُنھوں نے اس نکتے کو دیکھا کہ وہ جو دروغ گوئی کر رہے ہیں جو کچھ ان کی اپنی معتبر کتابوں میں ہے ان کے بھی خلاف ہے۔

گویا کہ ان لوگوں نے اپنے آلودہ وجدان کو لبیک کہتے ہوئے ہر وہ چیز لکھ دی جس سے دخترِ پیغمبرؐ کی اہانت ہوتی تھی، تا کہ وہ اپنے لیے خوشی کا سامان کر سکیں حالانکہ وہ خوب جانتے تھے کہ حضرت فاطمہ زہراؑ اس جہان ہستی کا وہ گراں مایہ گوہر ہے جو خاندانِ پیغمبرؐ کا مرکز ومحور ہے اور خود پیغمبرؐ اسلام کی محبت ومؤدت کا مرکز ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ ان بداندیشوں کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ رسولِ اعظمؐ کی عزت وحرمت پر بلاواسطہ حملے کریں تو اُنھوں نے اپنے ناپاک وجدان کی شادمانی کے لیے بالواسطہ طریقے اپنائے۔ اُنھوں نے یہ سب کچھ اس لیے کیا کیونکہ ان کے تمام میلانات دوزخ سے مربوط تھے۔

مَیں نہیں جانتا کہ اتنے تابڑتوڑ بے رحمانہ حملے جو حضرت فاطمہ زہراؑ کی آفاقی شخصیت پر کیے گئے ان کی وجہ کیا ہے؟ مَیں نہیں جانتا کہ اس ذات کے ساتھ اس قدر شدید ترین عداوت کی گئی اور ان سے بُغض وحسد برتا گیا۔ اس کی وجوہات کیا ہیں؟

کیا یہ بانوئے فرزانہ، دخترِ سرفراز، پارۂ وجود، نورِ دیدہ، میوۂ دل اور روحِ پیغمبرؐ اسلام نہ تھیں؟ کیا جنابِ زہراؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشین نہ تھیں؟ لوگوں نے ان کے مقام ومرتبہ کو اس طرح گرانے کی کوشش کی جس طرح ان کے عظیم القدر شوہر کے مقام کو گرانے کی کوشش کی تھی۔ آخر لوگوں نے ان سے اس قدر کیوں دشمنی کی؟

ان بزدلانہ حملوں کی وجوہات

آپؑ کی ذات پر اس لیے یہ حملے کیے گئے کہ آپؑ پیغمبرؐ اسلام کی سیرت کا نمونہ دختر تھیں؟ یا پھر آپؑ حضرت امام علی علیہ السلام کی زوجۂ اقدس تھیں؟ حالانکہ حضرت امام علی علیہ السلام نے ان کی شہادت کے بعد چار خواتین سے عقد فرمایا تھا، لیکن ان کے حق میں ان لوگوں نے کہیں دروغ سازی نہیں کی؟

آخرکار میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ آپؑ سے بغض و عداوت کی صرف ایک وجہ ہے کہ آپؑ پیغمبرؐ اسلام کو تمام انسانوں سے زیادہ محبوب و عزیز تھیں۔ آپؑ اپنے شوہر نامدار کے حقوق کی حامی اور دفاع کرنے والی تھیں۔ آپؑ کا جرم یہ بھی تھا کہ جب آپؑ نے اپنے حق کو لٹتا دیکھا تو صحابہ کے مجمع میں مسجد نبویؐ میں تشریف لائیں اور اپنے حق کے غصب ہونے پر آواز بلند کی کہ اللہ نے اپنے رسولؐ کو جو مال عطا کیا تھا اور جو مال اُنھوں نے اپنے وصال پر چھوڑا وہ اس مال کی وارث ہیں۔ اُسی دن حاکمِ وقت کے سامنے کلمۂ حق بلند کیا اور احتجاج کیا کہ اس کے حقوق اُسے واپس کیے جائیں۔ حکومت نے جن اَموال پر قبضہ کرلیا ہے وہ اَموال اُس کے حوالے کیے جائیں۔[1] آپؑ نے اپنی حقانیت کو قیامت تک ہر نسل کے لیے ثابت کر دیا۔

یہ آپؑ کے فضائل و مناقب کے یہ چند نمونے ہیں جو اللہ نے تمام عورتوں میں سے صرف آپؑ کو عطا کردیے تھے۔ کیا یہی وجوہات تھیں جن کی بنا پر مسلمانوں کے لیے جائز ہوگیا تھا کہ وہ آپؑ کی قدسیت اور مقام و مرتبہ سے چشم پوشی کرلیں؟

ان کے علاوہ بداندیش مستشرقین نے رہی سہی کسر پوری کردی۔ اُنھوں نے اسلام اور مسلمانوں کے مقدسات پر بڑھ چڑھ کر حملے کیے۔ اُنھوں نے جھوٹی اور جعلی روایات کو اکٹھا کیا اور اپنی کتب میں چھاپ دیا۔ نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ جب وہ کتابیں بعض مسلمانوں کے ہاتھوں لگیں تو اُنھوں نے ان کتابوں کے عربی زبان میں بغیر کسی تنقید و تہذیب کے ترجمے کردیے۔ ان کی اس کاوش سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسلمان ان مستشرقین کے ہم فکر تھے۔

بہتر ہے یہاں نمونہ کے طور پر کچھ واقعات درج کیے دیتے ہیں، تاکہ معلوم ہوجائے کہ ان حوادث کے پیچھے کون سی سازشیں کارفرما تھیں؟ اس کا ذکر صاحبِ غدیر نے ج ۳، ص ۱۰ پر کیا ہے، تاکہ ان حوادث کی گہرائی تک پہنچا جاسکے۔

"امیل ڈورمنگم" عیسائی مستشرق نے ایک کتاب لکھی جس کا نام ہے حیاتِ محمدؐ۔ یہ کتاب جھوٹ و تہمات اور

---

[1] آپؑ نے مسجد نبویؐ میں جو خطبہ دیا تھا اس میں تفصیل موجود ہے۔

گمراہ کن مطالب کا پلندہ ہے۔ اُس نے اسلام، قرآن اور پیغمبرؐ اسلام کی شان میں بے انتہا گستاخیاں کیں۔ اس کتاب کا ایک فلسطینی استاد نے عربی میں ترجمہ کیا، جس کا نام محمد عادل زعتر ہے۔ جس طرح کتاب تھی اُسی طرح اُس نے اس کا عربی میں من وعن ترجمہ کر دیا تاکہ کتاب کی امانت کو برقرار رکھا جائے اور اس کے مطالب میں خیانت نہ ہو۔ کتاب میں جہاں کہیں خرافات تھیں، انھیں جوں کا توں بیان کر دیا۔ جہاں جھوٹ تھا اُسے بھی لکھ دیا۔ نہ کسی جھوٹ وخرافات کی تردید کی اور نہ کہیں جوابی حاشیہ لگایا۔ بغیر کسی تنقید کے کتاب کو عربی کا لباس پہنا کر عالمِ اسلام کے حوالے کر دیا۔

خدارا! بتایئے اسے امانت داری کہتے ہیں؟

مقامِ افسوس ہے کیا جھوٹ اور باطل کی تردید امانت نقل کے منافی ہے؟ اس گمراہ کن اور زہریلی کتاب کے مسموم مطالب کا ایک باطل نمونہ یہ ہے:

''فاطمہؑ، ایک تندخو عورت تھیں، حُسن و جمال میں رقیہ سے بہت پیچھے تھی۔ اس کی بہن زینب اس سے عقل و دانش سے کہیں بڑھ کر تھی۔ جس وقت اُس کے والد نے اُسے پردہ کے پیچھے سے کہا کہ علیؑ اس کی خواستگاری کے لیے آیا ہے تو اُس نے بغیر کسی سوچ بچار کے کہہ دیا کہ وہ اُسے قبول ہے۔ وہ علیؑ کو اس کی شجاعت و شہامت کے باوجود ایک تنگ دست و محروم انسان خیال کرتی تھی۔ ان حالات کے باوجود بھی فاطمہؑ علیؑ کو چاہتی تھی، لیکن علیؑ اُس سے بیزار تھا۔ علیؑ کوئی قبول صورت آدمی نہیں تھا۔ اس کی آنکھیں اُبھری ہوئی تھیں۔ اس کی ناک پست تھی۔ اس کا پیٹ بہت بڑا تھا جو سینے کے اُوپر تھا۔ سر بہت بڑا تھا، لیکن شجاعت میں اپنی مثال آپؑ تھا۔ صداقت اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وفاداری وخلوص میں کوئی ثانی نہیں رکھتا تھا۔ ایک شائستہ کردار انسان تھا۔ ان صفات کے باوجود اس میں سُستی وتردّد دکھائی دیتا تھا۔

وہ تنگ دستی کے زمانے میں ایک یہودی کے باغ کو پانی سے سیراب کرتا تھا۔ اُسے اس کام کے عوض مٹھی بھر کھجوریں ملتی تھیں۔ جب واپس گھر آتا تو وہ کھجوریں اپنی بیوی کے حوالے کرتا اور اُسے غصے سے کہتا کہ خود بھی کھاؤ اور اپنے بچوں کو بھی کھلاؤ۔ علیؑ ہر دفعہ گھریلو ناچاقی کی وجہ سے ناراض ہو کر گھر سے چلا آتا اور مسجد میں سو جاتا، لیکن اس کی زوجہ کے والد اس کے پاس آتے۔ اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے، اُسے تسکین دیتے اور فاطمہؑ اور اُس کے درمیان صلح کرا دیتے۔ ان دونوں کی مشترکہ زندگی کا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ ایک دن نبیؐ اپنی بیٹی کے گھر میں

آئے تو اُسے اس مٹھی بھر کھجور کی وجہ سے روتے دیکھا، علیؑ نے جو اُسے پیش کی تھیں۔

جب محمدؐ نے اپنی بیٹی کی یہ حالت دیکھی تو اُسے خوش کرنے کے لیے علیؑ کی تعریف شروع کر دی کہ علیؑ وہ ہیں جو سب سے پہلے اسلام لائے۔ پیغمبرؐ کے دو اور داماد بھی تھے جو دونوں اُموی تھے۔ ایک کا نام عثمان تھا اور دوسرا ابوالعاص تھا۔ یہ دونوں پیغمبرؐ کی خاطر تواضع علیؑ سے زیادہ کرتے تھے۔ علیؑ اس لیے بھی حیران و پریشان تھے کہ نبیؐ نے اپنی دختر کے مالی حالات سنوارنے کے لیے کچھ بھی نہیں کیا تھا۔ اُس نے علیؑ کے ذمے کوئی شاندار اُمور نہیں لگائے تھے کہ جن سے علیؑ کو فائدہ حاصل ہوتا، اس لیے وہ سخت رنجیدہ تھے۔

جب نبیؐ کبھی کفار و مشرکین سے جنگ کرنے کے لیے فوج تشکیل دیتے تو فوج کی سالاری علیؑ کو نہیں دیتے تھے کیونکہ وہ اُسے اس لائق نہیں سمجھتے تھے۔ علاوہ ازیں ان اَلمیوں سے ایک بدترین اَلمیہ یہ بھی تھا کہ فاطمہؑ اور علیؑ پیغمبرؐ کی اَزواج کو اپنا دشمن خیال کرتے تھے۔ فاطمہؑ نے بارہا نہایت ہی حسرت کے ساتھ اس بات کی شکایت کی کہ اس کے والد نے کبھی ان کے معاملے میں اپنی بیٹی کا دفاع نہ کیا"۔

اس کتاب میں مؤلف نے بہت سی ایسی مسموم و سیاہ تاریخی روایات جمع کیں، جو سب جھوٹ و خرافات پر مبنی ہیں۔

علامہ امینی کا جواب

حضرت علامہ امینی اپنی کتاب میں ان خرافات کا کچھ یوں جواب دیتے ہیں:

مَیں اس کتاب کے مؤلف (نابودی و بربادی اس کا مقدر ہو) کو ذلت و رُسوائی کے ساتھ یاد نہیں کرتا، اگرچہ وہ نہایت ہی جھوٹا اور ذلیل آدمی ہے، کیونکہ وہ ایک عیسائی ہے جسے اسلام سے نفرت ہے۔ ایسے آدمی سے خیر کی اُمید نہیں کی جاسکتی۔ اس کی کتاب کے تمام مطالب جھوٹ اور خرافات پر مشتمل ہیں۔ مَیں اُسے بُرا بھلا نہیں کہتا لیکن افسوس مسلمان مترجم پر ہے کہ وہ کس قدر گھٹیا آدمی ہے کہ وہ ہی عالمِ اسلام میں ان خرافات کی نشر و اشاعت کا سبب بنا ہے۔ اصل میں خیانت کار و جنایت کار مترجم ہے۔ جی ہاں! کسی نے خوب کہا، منحوس قحط اس دیہات یا اس سرزمین کا رُخ کرتا ہے جو منحوس ہوتی ہے، جنس کا میلان جنس کی طرف ہوتا ہے۔

کبوتر با کبوتر، باز با باز　　　　کند ہم جنس باہم جنس پرواز

جی ہاں! اس کتاب کے تمام مطالب اور اس کی تمام جعلی نسبتیں خود مصنف و مولف اور مترجم کی طرح منحوس ہیں۔ یہ صرف خرافات اور جھوٹ کا پلندہ ہی نہیں بلکہ اسلام کے تاریخی حقائق کی بھی ضد ہیں۔ پیغمبرؐ اسلام کے فرمودات جو عالم اسلام کا ورثہ ہیں ان کی بھی نقیض ہیں۔

کیا یہ افترا پردازیاں پیغمبر اکرمؐ کی اُس جاودانہ گفتگو سے ہم آہنگ ہیں جو آپؐ نے اپنی اس دختر فرزانہ کے حق میں فرمائی تھیں؟

فَاطِمَةُ حُورَاءُ اِنْسِيَّةٌ كُلَّمَا اشْتَقْتُ اِلَى الْجَنَّةِ قَبَّلْتُهَا

"حضرت فاطمہؑ انسانی شکل میں حور ہے، جس وقت مجھے جنت کا اشتیاق ہوتا ہے تو میں انہیں بوسے دیتا ہوں"۔ (تاریخ بغدادی، ج۵،ص ۸۴)

آپؐ نے فرمایا:

اِبْنَتِي فَاطِمَةُ حُورَاءُ آدَمِيَّةٌ (صواعق محرقہ: ص ۱۶، اسعاف الراغبین: ص ۱۷۳)

"میری بیٹی فاطمہؑ آدمی کی شکل میں حور ہے"۔

آپؐ نے یہ بھی فرمایا:

فَاطِمَةُ هِيَ الزَّهْرَا

"فاطمہ زہراؑ درخشندہ ستارہ ہے"۔

کیا یہ جھوٹ انس بن مالکؓ کی والدہ کے اس بیان سے مطابقت رکھتا ہے، جو اُس نے اس عظیم الشان بیٹی کے بارے میں کہا تھا؟

جناب فاطمہ زہراؑ چودھویں کے چاند کی مانند تھیں یا پھر اس ضوفشاں آفتاب کی مانند تھیں کہ جسے اَبر چھپا دے۔ جب اس سے بادل چھٹتا ہے تو وہ کائنات پر نُور برسانے لگتا ہے۔ آپؑ کے چہرے کی رنگت سفید تھی، جس میں سرخی کی آمیزش تھی۔ ان کے سر کے بال بہت زیادہ لمبے تھے اور خوب صورت تھے۔ وہ تمام لوگوں سے زیادہ پیغمبر اکرمؐ سے مشابہت رکھتی تھیں۔

اللہ کی قسم! جناب فاطمہ حُسن و جمال و سیرت و صورت میں بالکل اس طرح تھیں جس طرح کہ شاعر نے کہا ہے۔

بَيْضاءُ تَسحَبُ مِن قِيَامِ شِعرِهَا تُغِيبُ فِيهِ وَهُوَ جثل أسحم

فَكَأَنَّهَا فِيهِ نَهَارٌ مُشرِقٌ وَكَأَنَّهُ لَيْلٌ عَلَيْهَا مُظْلِمٌ

"رسولؐ اللہ کی دختر فرزانہ جنابِ زہراؑ جن کا چہرہ آفتاب کے مانند درخشاں ہے۔ جب وہ کھڑی ہوتی ہیں تو ان کے سر کے بال زمین تک چلے آتے ہیں۔ ان کے درخشاں چہرے اور سیمیں بدن کو ان کے گھنے گھنگھریالے خوب صورت سیاہ بال چھپا دیتے ہیں۔ گویا کہ آپؑ روشن آفتاب ہیں اور آپؑ کے سیاہ بال اُس شب تاریک کے مانند ہیں جس نے درخشاں خورشید کو چھپا رکھا ہوتا ہے"۔ (نزہۃ المجالس: ج۲، ص ۲۲۲)

آپؑ کا لقب "زہراؑ" ہے، جس کا معنی و مفہوم ضوفشانی و درخشندگی ہے۔ مورخین اور محدثین نے بھی کچھ بیان کیا ہے کہ یہ لقب صرف حضرت فاطمہؑ کو ملا۔ ان کے علاوہ کسی اور کو نہیں ملا۔ یہی لقب بتاتا ہے کہ پیغمبرؐ کی بیٹی کس قدر حُسن و جمال رکھتی تھیں۔

سچ کہیے، کیا اس جھوٹے دغاباز اِفترا پرداز عیسائی کی خرافات اس دختر کی والدہ گرامی کی گفتگو سے کوئی نسبت رکھتی ہیں کہ جس گفتگو میں اُنھوں نے اپنی اس دختر کی زکاوت اور اَخلاق کو بیان کیا ہے۔ فرماتی ہیں:

كَانَت فَاطِمَةُ تُحَدِّثُ فِي بَطنِ اُمِّهَا وَلَمَّا وُلِدَت وَقَعَت حِينَ وَقَعَت عَلَى الأرْضِ سَاجِدَةً رَافِعَةً أُصبَعَهَا؟

"جب حضرت فاطمہؑ میرے بطن میں تھیں تو مجھ سے باتیں کرتی تھیں اور جس وقت اُنھوں نے اس کائنات کو اپنی ولادت کے نُور سے منور کیا تو فوراً سجدہ کیا اور وہ اپنی اُنگلی کو بلند کیے ہوئے تھیں"۔ (ذخائر العقبیٰ، ص ۵۹)

کیا اس جھوٹے مستشرق عیسائی کی خرافات حضرت عائشہ کی گفتگو سے میلان و علاقہ رکھتی ہیں؟

مَا رَأَيتُ اَحَدًا اَشبَهَ سَمتًا وَدَلًّا وَهَديًا وَحَدِيثًا بِرَسُولِ اللهِ فِي قِيَامِهِ وَقُعُودِهٖ مِن فَاطِمَة، كَانَت إذَا دَخَلَت عَلىٰ رَسُولِ اللهِ قَامَ اِلَيهَا فَقَبَّلَهَا، وَرَحَبَ بِهَا وَأَخَذَ بِيَدِهَا وَأَجلَسَهَا فِي مَجلِسِهٖ۔

"مَیں نے کسی انسان کو رفتار و کردار و گفتار و نشست و برخاست اور راہ و رسمِ حیات میں حضرت فاطمہ زہراؑ سے اپنے والد گرامی حضرت رسولؐ اللہ سے زیادہ مشابہ نہیں دیکھا۔ جب وہ رسولؐ

اللہ کے پاس تشریف لاتی تھیں تو آنحضرتؐ آپؑ کے احترام کی خاطر کھڑے ہوجاتے تھے اور اُنھیں بوسے دیتے تھے اور خوش آمدید کہتے تھے، اُن کے ہاتھ کو تھامتے اور اپنی خاص جگہ پر بٹھاتے تھے"۔ (سنن بیہقی، ج ۷، ص ۱۰۱)

فضائل امیرِ فضیلت

کیا اس کذّاب عیسائی کی مسموم گفتگو جو اُس نے امیرِ فضیلت کے بارے میں کی ہے ان درج ذیل ملکوتی باتوں سے موافقت رکھتی ہیں؟ کیا اُس نے امیرِ عدالت کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے کہ ان کا چہرہ خوب صورت نہ تھا، وہ تُند خو تھے وغیرہ وغیرہ۔ اُس سے جو توہین ہوسکتی تھی اس نے سرتوڑ کوشش کی۔ کیا اس کی بات اِس حقیقت سے تعلق رکھتی ہے کہ جس حقیقت کو تمام محدثین و مورخین نے بیان کیا ہے؟ تمام محدثین و مورخین گواہ ہیں کہ امیرِ عدالت حُسن و جمال میں بدرِکامل کے مانند تھے۔ آپؑ کا مقدس جسم حُسن و زیبائی میں اپنی مثال آپ تھا۔ آپؑ کی گردنِ مبارک چاندی کی طرح ضوفشاں تھی۔ (الاستیعاب، ج ۲، ص ۲۴۹)

ہر وقت آپؑ کے مبارک ہونٹوں پر دلنشین تبسم بکھرا رہتا تھا۔ جس وقت آپ تبسم فرماتے تو آپؑ کے دندانِ مبارک ایسے معلوم ہوتے جیسے مروارید ہوں۔

اَنَّہٗ کَانَ حَسَنُ الوَجہِ، کَاَنَّہٗ قَمرُ لَیلَۃِ البَدرِ..... (حلیۃ الاولیاء، ج ۱، ص ۸۲)

یہ حقیقت ہے کہ اس کذّاب کا کذب کہاں اور ایک صاحبِ تقویٰ و دانش ورابوالاسود دُئلی کا کلام کہاں؟ اُنھوں نے آپؑ کی تعریف میں کہا تھا:

اِذَا اَستَقبَلتُ وَجہَ أَبِی تُرَابٍ ۔۔۔ رَأَیتُ البَدرَ حَارًا لِنَاظِرِینَا
فَالنَّاسُ أَعدَاءٌ لَہٗ وَخُصُومٌ ۔۔۔ حَسَدُوا الفَتَی اِذَا لَم یَنَالُوا فَضلَہٗ
کَضَرائِرِ الحَسنَاءِ قُلنَ لِوَجہِهَا ۔۔۔ حَسَدًا وَبُغضًا اَنَّہٗ لَامِیمُ

"جس وقت تُو امیرالمومنینؑ کے مبارک چہرے کی طرف دیکھے گا تو تجھے ایسے معلوم ہوگا کہ اُن کا چہرہ اس طرح نُور بکھیرتا ہے، جس طرح چودھویں کا چاند، جسے دیکھ کر دیکھنے والے حیرت کے سمندر میں ڈوب جاتے ہیں۔ اُن لوگوں نے آپؑ سے حسد کیا، جن کے دامن میں کوئی فضیلت نہ تھی، کیونکہ وہ لوگ آپؑ کی عظمت کی کوہ گرانیوں کا مقابلہ نہیں کرسکتے تھے۔ اس لیے

آپؑ کے دشمن ہو گئے"۔ (تذکرۃ الخواص: ص ۱۰۳)

یہی وجہ تھی جس کی بنا پر ان کی صاحبِ حسن و جمال رفیقۂ حیات کے بارے میں کہہ دیا کہ وہ بدصورت تھیں۔

امیرِ عزیمت و فضیلت اور قرآنِ مجید

کیا تمھارا بیدار ضمیر و وجدان اس ناپاک آدمی کی اس ناپاک حرکت پر یقین رکھتا ہے؟ کیا تم اس کی اس بات کو قبول کرتے ہو کہ جناب امیرالمومنینؑ اپنی ذمہ داریوں میں کاہلی و سستی اور تزلزل کا شکار تھے؟ حالانکہ وہ شہامت و شجاعت کی علامت تھے۔ جب بھی حصول انگیز اور وحشت بار حالات پیدا ہوتے اور بڑے بڑے بہادروں کے پتے پانی ہوجاتے تو اُس وقت دنیا دیکھ رہی ہوتی تھی کہ ایک نوجوان ہاتھ میں تلوار لے کر دشمن کی صفوں کو اُلٹ پلٹ رہا ہے۔ جب جنگ کا غبار بیٹھتا تھا تو معلوم ہوتا تھا کہ وہ نوجوان علی بن ابی طالبؑ ہیں۔

جب کبھی پیغمبرؐ اسلام پر شدید ترین وقت آیا تو ان شدائد کا مقابلہ کرنے والے امام علی بن ابی طالبؑ ہوتے تھے۔ اُنھوں نے پیغمبرؐ خدا کا ہر مشکل میں ساتھ دیا۔ بعثت کے اعلان سے لے کر پیغمبرؐ خدا کے وصال تک آپؑ نے اپنے نفس کی قربانی دینے سے کبھی انکار نہیں کیا تھا۔ جب پیغمبرؐ اسلام کی جان کو خطرہ لاحق ہوا اور آپؐ کو ہجرت کرنا پڑی تھی تو یہی امیرِ عدالت آپؐ کا فدیہ بن کر آپؐ کے بستر پر سو گئے تھے۔ اس طرح آپؑ نے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر پیغمبرؐ اسلام کی جان کو بچا لیا تھا۔ اس طرح پیغمبرؐ اسلام کی حیات کے آخری لمحے تک آپؑ نے اُن کا دفاع کیا۔

کیا علیؑ ابن ابی طالبؑ وہ مجاہد وحید نہیں ہیں جن کے بارے میں اللہ نے اپنا قرآن نازل فرمایا:

اَجَعَلۡتُمۡ سِقَایَۃَ الۡحَآجِّ وَ عِمَارَۃَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ کَمَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ جٰہَدَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ (سورۂ توبہ: آیت ۱۹)

"کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجدالحرام کی آبادکاری کو اس شخص کے برابر قرار دیا ہے جس نے اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لایا اور راہِ خدا میں جہاد کیا"۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡرِیۡ نَفۡسَہُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰہِ (سورۂ بقرہ: آیت ۲۰۷)

"اور انسانوں میں کوئی ایسا بھی ہے، جو اللہ کی رضاجوئی میں اپنی جان بیچ ڈالتا ہے"۔

ان فضائل کے ساتھ ساتھ وہ کون سا وقت اور کون سا مقام ہے جس میں امیرِ فضیلت نے دشمنانِ اسلام کی

شرارتوں اور رذالتوں کا اپنی شمشیر آبدار سے جواب نہ دیا ہو، اور پیغمبرؐ حریت و عدالت کی جانِ جاناں کا دفاع نہ کیا ہو؟
ان فضائل کے باوجود اس کاذب اور دشمنِ ایمان و اسلام عیسائی نے کیوں لکھا ہے کہ امام علی علیہ السلام دینِ خداوندی کے دفاع میں سستی برتتے تھے؟

جی ہاں، آخر باطل باطل ہے، جس کے جھوٹ کی نہ کوئی حد ہے اور نہ انتہا ہے۔

رسولِؐ اسلام اور امیرِ عدالتؑ

کیا جناب امیر علیہ السلام کی اس عظیم الشان شخصیت سے ممکن ہے کہ آپؑ اپنی طاہرہ و مرضیہ رفیقۂ حیات سے حُسنِ معاشرت نہیں رکھتے ہوں گے؟ کیا ایسا تصور ہو سکتا ہے جبکہ پیغمبرؐ اسلام ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

اَشبَهتَ خلقِيَ وَخُلقِي وَاَنتَ مِن شَجَرَتِي الَّتِي اَنَا مِنهَا۔

"اے علیؑ جان! تیرے اخلاق میرے اخلاق ہیں، تیری تخلیق میری تخلیق کی مانند ہے۔ تو بھی اس مقدس شجرہ سے ہے جس سے میں ہوں"۔ (تاریخ خطیب بغدادی، ج ۱۱، ص ۱۷۱)

کس طرح آپؑ کو پیغمبرؐ اسلام نے اپنی پوری اُمت میں علم و بردباری اور اَخلاق کے اعتبار سے سب سے عظیم قرار دیا تھا؟ آپؐ کا فرمان ہے:

عَلِيٌ خَيرُ اُمَّتِي، وَاَعلَمُهُم عِلمًا، وَاَفضَلُهُم حِلمًا

"میری اُمت میں سب سے بہتر و برتر علیؑ ہیں، علم و دانش، تحمل و بردباری میں سب سے افضل ہیں"۔ (تاریخ طبری، خطیب بغدادی)

آپؐ نے کائنات کی عورتوں کی سردار و سالار بیٹی سے فرمایا تھا:

اِنِّي زَوَّجتُكِ اَقدَمَ اُمَّتِي سِلمًا وَاَكثَرَهُم عِلمًا وَاَعظَمَهُم حِلمًا

"فاطمہؑ جان! میں تیرا عقد اس عظیم انسان سے کر رہا ہوں جس نے میری اُمت میں اسلام میں سبقت حاصل کی ہے اور علم و دانش اور بردباری میں میری ساری اُمت پر بھاری ہے"۔

کیا اس رُسوائے زمانہ عیسائی کی اس بات کو آپ کا زندہ ضمیر قبول کرے گا؟ خدا اس دشمنِ رسولؐ و آلِ رسولؐ کے منہ کو توڑے کہ جس نے کہا کہ علیؑ بن ابی طالبؑ پیغمبرِ خدا کی دختر کو گھونسے مارتے تھے۔ کیا اس نسبت پلید کو جو پاکیزہ ہستی کی طرف منسوب کی گئی ہے قبول کیا جاسکتا ہے؟

امام علی علیہ السلام تو وہ ہیں کہ جن کے بارے میں رسولؐ خدا نے فرمایا تھا: وہ رفتار و گفتار، خُلق و اَخلاق میں میرا نمونہ ہیں۔ آپؑ کی سماعت پیغمبرؐ خدا کی جاودانہ گفتگو سے سرشار تھی۔ جب اُنھوں نے اپنی دختر فرزانہ سے فرمایا تھا:

اِنَّ اللّٰہَ یَغْضِبُ یُبغضبکَ وَیَرضٰی لِرِضَاكِ

"فاطمہؑ جان! خدائے بزرگ و برتر آپؑ کی ناراضی سے ناراض ہوتا ہے اور آپؑ کی رضا سے راضی ہوتا ہے"۔ (فصول المہمہ: ص ۱۵۰، نزہۃ المجالس: ج ۲، ص ۲۹۸)

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اس دختر نیک اختر کا ہاتھ تھام کر اُن کی شان بیان کی تھی تو اس روح پرور بیان نے امام علی علیہ السلام کو ایک منزلت عطا کی جو کسی اور کے مقدر میں نہ آسکی تھی۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا تھا:

مَن عَرَفَ ھٰذِہٖ فَقَدْ عَرَفَھَا وَمَنْ لَمْ یَعْرِفْھَا، فَھِیَ بَضعَۃٌ مِنِّی ھِیَ قَلْبِی وَرُوحِی الَّتِی بَیْنَ جنبَتی فَمَن اٰذَاھَا فَقَدْ اٰذَانِی۔

"اے لوگو! جو میری اس دختر کو جانتا ہے تو وہ جانتا ہے اور جو نہیں جانتا ہے تو وہ جان لے کہ وہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے۔ یہ میرا دل ہے، میری روح ہے، جو میرے دونوں پہلوؤں میں موجود ہے۔ جس نے اسے اذیت دی اُس نے مجھے اذیت دی"۔ (نورالابصار: ص ۴۱، فصول المہمہ: ص ۱۵۰، نزہۃ المجالس: ج ۲، ص ۲۲۸)

آپؐ نے ارشاد فرمایا:

فَاطِمَۃُ بَضعَۃٌ مِنِّی یریبنی ما رابھا ویُوذِینِی مَا اٰذَاھَا

"فاطمہؑ میرے جسم کا حصّہ ہے، جس نے اُسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا اور جس نے اُسے اذیت دی اُس نے مجھے اذیت دی"۔ (مسند احمد: ج ۴، ص ۳۲۸، خصائص نسائی، ص ۳۵)

آپؐ نے ارشاد فرمایا:

فَاطِمَۃُ بَضعَۃٌ مِنِّی، فَمَن اَغضَبَھَا فَقَدْ اَغضَبَنِی

"فاطمہؑ میرے وجود کا حصّہ ہے، جس نے اُسے ناراض کیا تو اُس نے مجھے ناراض کیا"۔ (مسند احمد: ج ۴، ص ۳۲۳، صواعق محرقہ: ص ۱۱۳، کنزالعمال: ج ۱۳، ص ۹۶)

آپؐ نے فرمایا:

فَاطِمَۃُ بَضعَۃٌ مِنّی، یقبضنی ما یقبضھا ویبسطنی ما یبسطھا

"فاطمہؑ میرے جسم کا حصّہ ہے، جس نے اُسے افسردۂ خاطر کیا اُس نے مجھے افسردہ کیا اور جس نے اُسے خوش کیا اُس نے مجھے خوش کیا"۔ (تاریخ الاسلام ذہبی، ج ۲، ص ۹۶)

کیا پیغمبرؐ اسلام نے امامِ حُریت و عدالت کی صرف یہی ایک تعریف کی تھی کہ وہ سابق الاسلام ہیں؟ اس فرمان سے اُس جھوٹے مستشرق نے یہ بات بنائی کہ پیغمبرؐ خدا نے یہ بات اپنی بیٹی کے سامنے کی، تا کہ وہ خوش ہو جائے کہ اس کا شوہر اسلام میں سبقت رکھنے والی صفت رکھتا ہے۔ یعنی پیغمبرؐ خدا نے صرف اپنی بیٹی کو خوش کرنے کے لیے یہ کہا تھا ورنہ یہ کوئی مدح والی بات نہیں ہے؟ ہم اُس مستشرق سے یہ پوچھتے ہیں کہ پیغمبرؐ اسلام نے قدم قدم پر امام علیہ السلام کے فضائل بیان کیے ہیں کہ وہ اپنی ہر صفت میں پوری اُمت پر بھاری ہیں۔ اس کی وجوہات کیا ہیں؟ یہ مقامِ فکر ہے، جب آپؐ نے اپنی بیٹی کے سامنے امام علی علیہ السلام کی سبقت فی الاسلام کو بیان فرمایا تو اسی فرمان کو اپنے صحابہ میں بھی بیان فرمایا۔ ہزاروں اصحاب موجود تھے، ان کے جمِ غفیر میں امام علی علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

اِنَّ ھٰذَا اَوَّلُ مَنْ اٰمِنَ بِی

"یہ بزرگوار وہ ہیں جو سب سے پہلے مجھ پر ایمان لائے"۔

آپؐ نے یہ کیوں فرمایا:

ھٰذَا اَوَّلُ مَن یُّصَافِحُنِی یَوْمَ الْقِیَامَۃِ (ذخائر العقبیٰ، ص ۴۲)

"ہاں یہ وہ ہیں کہ جو قیامت کے دن سب سے پہلے مجھ سے مصافحہ کریں گے"۔

ذرا سوچیے پیغمبرؐ اسلام نے اپنے اصحاب کو کیوں فرمایا کہ تم سب میں سے قیامت کے دن سب سے پہلے جو مجھ سے مصافحہ کرے گا وہ علیؑ ہے۔

اب آپ بتائیں کہ اس جھوٹے عیسائی نے جو بات کی ہے وہ صرف اُسے ہی معلوم تھی اور صحابہ کرام کو اس کا علم نہ تھا؟ تابعین کو اس کا علم نہ تھا؟ ان میں سے جنابِ سلمانؓ، انس بن مالکؓ، زید بن ارقمؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن حجلؓ، ہاشم بن عتبہؓ، مالک اشترؓ، عبداللہ بن ہاشمؓ، محمد بن ابی بکرؓ، عمرو بن حمقؓ، ابوعزہؓ، عدی بن حاتمؓ، ابورافعؓ، بُریدہؓ، جندب بن زہیرؓ، اُم الخیر وغیرہ آنحضرتؐ کی سابق الاسلام فضیلت اور اس کے علاوہ دوسرے فضائل بھی بیان کیے ہیں۔

جب اس جعلی روایت میں تھوڑا سا غور کیا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ جھوٹی روایت پیغمبرؐ خدا کے اس فرمان

سے موافقت رکھتی ہے کہ امام علیؑ کو قرآن نے نبیؐ خدا کا نفس ٹھہرایا ہے یا اس کی مودت کو اُجرِ رسالتؐ ٹھہرایا ہے؟ یا پیغمبرؐ اسلام کی حدیثِ طیر جسے صحاح اور مسانید میں بیان کیا گیا ہے۔ جب پیغمبرِؐ اسلام کے پاس بھنا ہوا پرندہ لایا گیا تو آپؐ نے دعا مانگی تھی:

اَللّٰھُمَّ اِئْتِنِی بِاَحَبِّ خَلْقِكَ اِلَیْكَ لِیَاکُلَ مَعِی

"اے اللہ! تو اُسے میرے پاس بھیج دے جو تجھے اپنی مخلوق میں سے سب سے زیادہ محبوب ہے، تاکہ وہ میرے ساتھ اسے تناول کرے"۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک اور قول بھی ہے جو آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے کہا تھا:

اِنَّ عَلِیًّا اَحَبُّ الرِّجَالِ اِلَیَّ وَاَکْرَمُھُمْ عَلَیَّ فَاعْرِفِی لَهٗ حَقَّهٗ وَاَکْرِمِی مَثْوَاهُ

"تمام مردوں میں مجھے سب سے زیادہ محبت علیؑ سے ہے، وہ میرے نزدیک سب سے زیادہ محترم و مکرم ہیں۔ پس تُو اس کے مقام و مرتبہ کی معرفت حاصل کر اور ان کا احترام کر"۔ (ریاض النضرہ: ج ۲، ص ۱۶۱، ذخائر العقبیٰ: ص ۶۲)

یا آپؐ کی حدیث ہے:

اَحَبُّ النَّاسِ اِلَیَّ مِنَ الرِّجَالِ عَلِیٌّ (ریاض النضرہ)

"تمام لوگوں میں سے مجھے سب سے زیادہ محبت علیؑ سے ہے"۔

یا آپؐ کا یہ فرمان:

عَلِیٌّ خَیْرٌ مِن اترکه بَعدِی (مجمع الزوائد: ج ۹، ص ۱۱۳، مواقف الایجی: ج ۳، ص ۲۷۶)

"علیؑ سب سے بہتر و برتر ہے کہ میں اُسے اپنے بعد اپنی اُمت میں چھوڑنے والا ہوں"۔

یا آپؐ کی یہ حدیث:

خَیْرُ رِجَالِکُمْ عَلِیُّ بْنُ اَبِی طَالِب وَخَیْرُ نِسَاءِ کُمْ فَاطِمَةُ بِنْتِ محمد

"تم میں سے بہترین مرد علیؑ ابن ابی طالبؑ ہے اور تم میں سے بہترین خاتون محمدؐ کی بیٹی فاطمہؑ ہے"۔ (تاریخ خطیب بغدادی، ج ۴، ص ۳۹۲)

یا پیغمبرؐ کے اس فرمان کو دیکھیے:

عَلِیٌّ خَیْرُ الْبَشَرِ فَمَنْ اَبٰی فَقَدْ کَفَرَ (کنز العمال، ج ۶، ص ۱۵۹)

"علیؑ بہترین انسان ہے جس نے اس کا انکار کیا اُس نے کفر کیا"۔
آپؐ کی یہ مشہور حدیث بھی ہے:
مَنْ لَّمْ یَقُلْ عَلِیٌّ خَیْرُ النَّاسِ فَقَدْ کَفَرَ (تاریخ خلیب بغدادی: ج ۳، ص ۱۹۲، کنز العمال: ج ۶، ص ۱۵۹)
"جس کسی نے علیؑ کو سب لوگوں میں سے بہترین نہ کہا، پس اُس نے کفر کیا"۔
پیغمبرؐ اسلام کی مشہور و معروف حدیث پرچم کو دیکھیے کہ جسے تمام مسلمانوں نے تسلیم کیا ہے:
لَأُعْطِیَنَّ الرَّایَۃَ غَدًا رَجُلًا یُحِبُّہُ اللہُ وَرَسُوْلُہُ وَیُحِبُّ اللہَ وَرَسُوْلَہُ
"کل میں حریت وعدالت کے راستے میں پرچم جہاد و پیکار (علَم) اُس کو دوں گا جس سے اللہ اور اُس کا رسولؐ محبت رکھتے ہیں اور اُس کی محبتوں کا مرکز صرف اللہ اور اُس کا رسولؐ ہے"۔ (تاریخ خلیب بغدادی، ج ۳، ص ۱۲)
یا پھر پیغمبرؐ کے اس سخن جاودانہ میں غور کیجیے:
عَلِیٌّ مِنِّیْ بِمَنْزِلَتِیْ مِنْ رَبِّیْ (سیرتِ حلبیہ: ج ۳، ص ۳۹۱، ریاض النضرہ، ج ۲، ص ۱۶۳)
"علیؑ میرے نزدیک اس طرح ہے جس طرح میں اپنے رب کے نزدیک ہوں"۔
آپؐ کا فرمان:
عَلِیٌّ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ رَأْسِیْ مِنْ بَدَنِیْ
"علیؑ کا مقام میرے نزدیک اس طرح ہے جس طرح میرے سر کا مقام میرے پیکرِ رسالت میں ہے"۔ (نورالابصار: ص ۸۰، تاریخ بغداد: ج ۷، ص ۱۲، صواعق محرقہ: ص ۷۵، ریاض نضرہ: ج ۲، ص ۱۶۲)
ایک اور حدیثِ نبویؐ ہے:
عَلِیٌّ أَحَبُّہُمْ إِلَیَّ وَأَحَبُّہُمْ إِلَی اللہِ (تاریخ بغداد: ج ۱، ص ۱۶۰)
"میرے نزدیک محبوب ترین فرد اور خدا کے نزدیک محبوب ترین فرد علیؑ ہیں"۔
آپؐ کا ایک اور فرمان ہے:
أَنَا مِنْكَ وَأَنْتَ مِنِّیْ

"میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو"۔ (خصائص نسائی، ص ۳۶)

امام علی علیہ السلام کی شان میں ایک حدیث ہے:

عَلِیٌّ مِنِّی وَاَنَا مِنْهُ وَهُوَ وَلِیُّ کُلِّ مُؤْمِنٍ مِن بَعْدِی (مسند احمد، ج ۵، ص ۳۴۵)

"علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں اور علیؑ میرے بعد ہر مومن کے ولی و سرپرست ہیں"۔

جب آپؐ نے امام علی علیہ السلام کو سورۂ برات کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ کرنا چاہا تو اس وقت فرمایا تھا:

لَا یَذْهَبُ بِهَا اِلَّا رَجُلٌ مِنِّی وَاَنَا مِنْهُ

"اس سورہ کے ساتھ مکہ کی طرف اس کی تبلیغ و تلاوت کے لیے کوئی نہیں جاسکتا، مگر وہ مرد جو مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں"۔ (خصائص نسائی: ص ۸، الغدیر: ج ۱، ص ۴۷)

آپؐ نے امام علی علیہ السلام کو جب مخاطب فرمایا:

مَا مِنْ نَبِیٍّ اِلَّا وَلَهُ نَظِیرٌ فِی اُمَّتِهِ وَعَلِیٌّ نَظِیرِی

"کوئی نبی ایسا نہیں گزرا کہ جس کی اس کی اُمت میں نظیر نہ ہو، اور علیؑ اس اُمت میں میری نظیر ہیں"۔ (ریاض النضرہ، ج ۲، ص ۱۶۴)

آپؐ نے امام علی علیہ السلام سے فرمایا تھا:

لَحْمُكَ لَحْمِی وَدَمُكَ دَمِی وَالْحَقُّ مَعَكَ

"اے علیؑ! تیرا گوشت میرا گوشت ہے، تیرا خون میرا خون ہے، حق و عدالت آپؑ کے ساتھ ہے"۔ (مناقب خوارزمی: ص ۷۶، ۸۳، ۸۷، کفایۃ الطالب: ص ۱۳۵، المحاسن والمساوی: ج ۱، ص ۳۱)

آپؐ کی یہ حدیث کہ جسے حاکم نیشاپوری نے صحیح میں لکھا ہے طبرانی نے اسے حضرت اُم سلمہؓ سے روایت کیا ہے کہ:

كَانَ رَسُولُ اللهِ اِذَا غَضِبَ لَمْ يَجْتَرِئ أَحَدٌ اَنْ يُكَلِّمَهُ غَيْرُ عَلِيٍّ

"جس وقت پیغمبر اسلامؐ غصے میں آتے تو کسی کو آپؐ کے نزدیک جانے کی جرأت نہ ہوتی سوائے امام علیؑ کے وہ آپؐ کے پاس چلے آتے تھے اور آپؐ سے بات کرتے تھے"۔

(صواعق محرقہ: ص ۷۳، مستدرک حاکم: ج ۳، ص ۱۳۰، سیوطی، تاریخ الخلفاء: ص ۱۱۸)

حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

أَحَبُّ النَّاسِ إِلَى رَسُولِ اللهِ مِنَ النِّسَاءِ فَاطِمَةُ وَمِنَ الرِّجَالِ عَلِي

"رسول ﷺ اللہ کے نزدیک تمام لوگوں میں عورتوں میں سے سب سے زیادہ محبوب ترین فاطمہؑ تھیں اور مردوں میں سے علیؑ تھے"۔(مستدرک حاکم: ج ۳، ص ۱۵۲، عقد الفرید: ج ۲، ص ۲۷۵)

یا "بریدہ" اور "ابی" کی حدیث کہ اُنھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ تمام لوگوں میں عورتوں میں سے سب سے زیادہ محبت اپنی بیٹی فاطمہؑ سے کرتے تھے اور مردوں میں سے امام علیؑ سے محبت کرتے تھے۔(خصائص نسائی: ص ۲۹، مستدرک حاکم: ج ۳، ص ۵۵)

یا پھر جمیع بن عمیر کی روایت دیکھیے اُس کا بیان ہے کہ میں اپنی پھوپھی کے ساتھ حضرت عائشہؓ کے پاس آیا اور میں نے اُن سے پوچھا: رسولؐ اللہ کے نزدیک سب سے محبوب ترین شخص کون ہے؟

حضرت عائشہؓ نے کہا: فاطمہؑ۔

پھر میں نے اُن سے پوچھا: رسولؐ اللہ مردوں میں سے سب سے زیادہ کس سے محبت کرتے تھے؟

اس نے جواب دیا: جو فاطمہؑ کے شوہر امام علیؑ سے محبت کرتے تھے، وہ دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے تھے اور رات کو اللہ کی عبادت میں گزارتے تھے۔

قارئین کرام! آپ تم نے دیکھ لیا ہے کہ اس خائن اور کذّاب مستشرق کی خرافات پیغمبرؐ کے ان بیانات سے میلان رکھتی ہیں؟ اب بات واضح ہوگئی ہے، ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اس جھوٹے کی خرافات ہیں۔ جب رسولؐ اللہ کے نزدیک اس قدر علیؑ فضائل کے مالک تھے تو پھر آپؐ غیروں کو علیؑ پر کیوں ترجیح دیتے تھے؟ اور امامؑ کو حساس ذمہ داریوں سے کیوں دُور رکھتے تھے؟ حالانکہ امام علیؑ وہ پہلی شخصیت تھے جنھیں اللہ نے اپنی زمین میں منتخب فرمایا۔

آپؐ نے اپنی دختر سے فرمایا تھا:

إِنَّ اللهَ اِطَّلَعَ عَلَى أَهْلِ الْأَرْضِ فَاخْتَارَ مِنْهُ أَبَاكَ فَبَعَثَهُ نَبِيًّا، ثُمَّ اِطَّلَعَ الثَّانِيَه فَأَخْتَارَ بَعْلَكَ فَأَوْحَى إِلَيَّ فَانْكَحْتَهُ وَاتَّخَذْتَهُ وَصِيًّا

"اے فاطمہؑ جان! جب خداوند تعالیٰ نے اہلِ زمین کی طرف نگاہ کی تو ان سب میں سے تیرے والد کو منتخب فرمایا اور اُسے اپنا نبی بنایا، پھر جب دوبارہ اہلِ زمین کی طرف دیکھا تو

تیرے شوہر کو منتخب فرمایا اور میری طرف وحی کی، تا کہ تجھے اُن سے رشتۂ ازدواج میں منسلک کردوں اور اُنھیں اپنا جانشین بنا دوں"۔

علامہ امینی نے عیسائی مستشرق کے جھوٹے و باطل افسانوں کے جواب میں کثرت کے ساتھ احادیث صحیحہ پیش کی ہیں۔ اس عیسائی کی یہ تمام افترا پردازیاں آلِ رسولؐ کی ملکوتی شان میں گستاخیاں ہیں۔ ہم ان شاء اللہ موقع و مناسبت کے مطابق بیان کریں گے۔

اصل بحث کے آغاز سے قبل ایک مختصر مقدمہ کا بیان کرنا ضروری ہے، کیونکہ ہم جس شخصیت پر بحث کرنے والے ہیں وہ ایک غیر معمولی شخصیت ہے، جس کی بلندی کے سامنے تمام انسانی بلندیاں کوتاہ ہیں، اس لیے چند اُمور پر مشتمل تمہید ضروری ہے، تا کہ اس عظیم شخصیت کے تمام پہلوؤں سے آشنائی حاصل کی جائے۔ ہماری یہ گفتگو جلد قاری عزیز پر روشن ہوگی اور اس شخصیت کا حقیقی مقام ان شاء اللہ سامنے آجائے گا۔

ملکوتی شجر کی پاکیزگی

قانونِ وراثت

وہ اُمور جو زمانہ قدیم و جدید سے ثابت ہیں، ان میں سے ایک قانونِ وراثت ہے۔ والدین کی صفات بچے کی طرف منتقل ہوتی ہیں۔ جب ایک بچے کے حیاتی خلیے والدین کے وجود میں تخلیق پاتے ہیں اور پھر والد سے والدہ کے رحم کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔ جب بچہ اس دنیا میں آتا ہے تو وہ اپنے والدین سے نجابت و شرافت، فضائل و خصائل اپنے ساتھ لاتا ہے۔ پھر تدریجاً یہ صفات اُس بچے میں نشوونما پاتے رہتے ہیں۔ جب بچہ اپنی ماں یا دایہ کا دودھ پیتا ہے تو اُس دودھ کے بھی اس بچے پر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

امیر المومنین حضرت امام علی علیہ السلام کا فرمان ہے:

وَلَا تَسْتَرْضِعُوا الْحُمَقَاءَ فَاِنَّ الرِّضَاعَ يُعْدِی احمق

"اور کم عقل عورتوں کا دودھ بچے کو نہ پلاؤ، کیونکہ دودھ کا بچے پر اثر ہوتا ہے"۔

بہت سے مصنفین نے قانونِ وراثت پر بہت کچھ لکھا ہے۔

اصل وراثت دَر شخصیتِ فاطمہؑ

مَیں اس اَساسی قانون کی روشنی میں چاہتا ہوں کہ حضرت فاطمہ علیہا السلام کے والدین کی حیات کا ذکر کروں، تا کہ ہم اس ذکر سے اس عظمت کے بعض پہلوؤں کا نتیجہ نکال سکیں کہ جس عظمت نے سیّدہ فاطمہؑ کی شخصیت کو اپنے احاطے میں لے رکھا ہے، لیکن یہ بحث بہت طویل ہے۔ اس طرح یہ کتاب اپنے اصل موضوع سے ہٹ کر ایک دوسرے موضوع کی طرف چلی جائے گی۔ اس لیے اِس موضوع کی طرف ہم مختصر اشاروں سے کام لے کر آگے گزر جائیں گے۔

والد سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے پدرِ گرامی سیدالمرسلین حضرت محمدؐ بن عبداللہ ہیں۔ اُن کی ذات والاصفات طیّب و طاہر

ذات ہے، اور آپ تمام مخلوق سے اشرف و اعلیٰ ہیں۔ اُنھی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کائنات کو خلق فرمایا:

يَا اَحمَدُ لَولَاكَ لَمَا خَلَقتُ الاَفلَاكَ

"اے محمدؐ! اگر میں تجھے پیدا نہ کرتا تو کائنات کو خلق نہ کرتا"۔

اس جہان میں شرافت، فضیلت، کرامت و برتری جس قدر رسولؐ اعظم کو حاصل ہے کسی اور کو حاصل نہیں۔

ہم نے جو کچھ ابھی بیان کیا ہے یہ رسولؐ اللہ کی عظمتوں کی ایک معمولی سی جھلک ہے۔ اس میں کوئی غلو و مبالغہ والی بات نہیں ہے، بلکہ یہ حقیقت ہے۔ جس طرح شہدِ مصفّٰی میٹھا و شیریں ہوتا ہے، جس طرح اس کی مٹھاس سے انکار نہیں کیا جاسکتا اُسی طرح اس حقیقت سے بھی انکار کرنا ناممکن ہے۔

والدہ ملیکۃُ العرب

آپؑ کی والدہ گرامی سیدہ خدیجہؑ حُسن و جمال کا مرقع تھیں۔ اُن کی رنگت سفید تھی۔ قدوقامت حسین تھا۔ اپنی قوم میں شرافت و عظمت کی علامت تھیں۔ اپنے اُمورِ حیات میں اپنی اعلیٰ دانش و حکمت کے اعتبار سے کامیاب تھیں۔ عفت و پاک دامنی میں اپنی مثال آپ تھیں۔ زمانہ جاہلیت میں آپؑ کی قوم آپؑ کو "طاہرہ" کے لقب سے یاد کرتی تھی۔ اُنھیں ذکاوت میں وافر حصّہ ملا تھا۔ اقتصادی و تجارتی اُمور میں اُنھیں اعلیٰ بصیرت حاصل تھی۔ انھیں اپنی ذات اور اپنی شخصیت پر بھرپور اعتماد تھا۔ آپؑ کی ذات کو درآمدات و برآمدات کے اصولوں پر مہارت تامہ حاصل تھی۔ آپؑ کو یہ تمام شائستہ صفات بطور ایک انسان کے یا ایک خاتون کے حاصل تھیں۔

جہاں تک آپؑ کی ذات میں بطورِ ایک زوجہ کے صفات حاصل تھیں وہ یہ ہیں: جس وقت وہ رسول اللہ ﷺ کی اَزدواجی زندگی کا حصّہ بنیں تو آپؑ نے اپنے شوہرِ نامدار اور اللہ کے رسولؐ کے لیے لاکھوں درہم دینار خرچ کرڈالے۔ ان دنوں دینِ اسلام ابتدائی مراحل میں تھا۔ اُسے اپنی تقویت کے لیے مال کی ضرورت تھی۔ جنابِ سیدہؑ نے اسلام کی ترقی و ترویج کے لیے اپنا مال خرچ کرنا شروع کردیا۔

اس صاحبِ دانش و بینش و فداکار خاتون کے عظیم الشان سرمایہ نے دینِ اسلام کو مضبوط کیا۔ مسلمانوں کی حوائج پوری ہونے لگیں۔ اس طرح اللہ نے جنابِ خدیجہؑ کے مال سے دینِ اسلام کو مضبوط کیا۔ اس طرح رسولؐ اسلام اور اسلام اپنے ہدف تک جا پہنچا۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

مَا نَفَعَنِی مَالٌ قَطُّ مِثْلُ مَا نَفَعَنِی مَالُ خَدِیجَه

"مجھے کسی مال نے اس قدر فائدہ نہیں دیا جس قدر خدیجہؑ کے مال نے مجھے فائدہ بخشا ہے"۔

مکہ میں رسولِ خدا ﷺ حضرت خدیجہؑ کے مال سے مقروض اور تنگ دست لوگوں کی مدد کیا کرتے تھے۔ غلاموں کو آزاد کرتے تھے۔ اپنے فقیر اصحاب کی مدد کرتے تھے۔ جو مسلمان مکہ سے ہجرت کرنا چاہتا تو اُس کی اس مال سے مدد فرماتے۔ پیغمبرؐ اسلام نے حضرت خدیجہؑ کی زندگی میں جس طرح چاہا مال خرچ کیا۔ جب آپؑ فوت ہوئیں تو آپؑ کا مال آپؐ اور آپؐ کی بیٹی کی وراثت بن گیا۔ (الامالی طوسی، ج ۲، ص ۸۲)

پیغمبرؐ اسلام کا یہ فرمان اس حقیقت کی نشان دہی کرتا ہے کہ ابتدائے اسلام میں دو چیزوں کی اَشد ضرورت تھی: ایک افرادی قوت کی اور دوسرا مالی قوت کی۔ حضرت امام علی علیہ السلام کی شجاعت و شہامت اور اُن کی شمشیرِ عدالت کام آئی اور اسلام کی معیشت کی مضبوطی کے لیے حضرت خدیجہؑ کی دولت کام آئی۔ آپؐ کی حدیث ہے:

مَا قَامَ وَلَا اسْتَقَامَ الدِّینُ اِلَّا بِسَیْفِ عَلِیٍّ وَمَالِ خَدِیجَةَ

"اگر دین قائم ہوا ہے اور دین نے استقامت پکڑی ہے تو صرف دو چیزوں سے: ایک علیؑ کی شمشیر سے اور دوسری جنابِ خدیجہؑ کے مال سے"۔

حضرت خدیجہؑ کی اَزدواجی زندگی کا لمحہ بہ لمحہ جو رسولؐ اللہ کے ساتھ گزرا وہ مثالی اور تحسین آمیز تھا۔ آپؑ نے اللہ کے رسولؐ کے لیے قدم قدم پر قربانی دی۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی رسولؐ اللہ نے اُن کی رحلت کے بعد اُن کا ذکر کیا تو نہایت ہی اِحترام و محبت کے ساتھ ذکر کیا۔ ان کے لیے بارگاہِ خداوندی سے رحم کی دعا فرماتے۔ بعض اوقات اُن کی یاد میں آپؐ کا دل پسیج کر رہ جاتا اور آپؐ کے رخساروں پر آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں لگ جاتی تھیں۔ اس طرح آپؐ اپنی مہربان و فداکار رفیقۂ حیات کو یاد کرتے تھے۔

ایک دن آپؐ حضرت خدیجہؑ کو یاد کر رہے تھے اور اُن کی یاد میں کھوئے ہوئے تھے کہ حضرت عائشہؓ نے آپؐ کی یہ پریشان کُن حالت دیکھ کر عرض کیا: یارسولؐ اللہ! وہ تو بڑھیا تھیں، ان میں کیا رکھا تھا۔ اللہ نے آپؐ کو اُس سے بہتر اور جوان بیویاں عطا کی ہیں۔

یہ سن کر حق شناس پیغمبرؐ نے فرمایا: ہرگز یہ بات نہیں ہے۔ اللہ نے مجھے اس سے بہتر بیویاں عطا نہیں کیں۔ وہ مجھ پر اس وقت ایمان لائیں جس وقت لوگ میرا انکار کرتے تھے۔ اُس نے اُس وقت میری تصدیق کی جب لوگ مجھے جھوٹا کہتے تھے۔ اُس نے مجھ پر اس وقت اپنا مال خرچ کیا جب لوگ مجھے اپنے اَموال سے محروم کیے ہوئے تھے۔

اللہ نے مجھے اس سے اولاد عطا کی۔ اس کے علاوہ مجھے کسی اور بیوی سے اولاد عطا نہ کی۔ (الاستیعاب)

حضرت خدیجہؑ کا رسولؐ اللہ کے ساتھ اَزدواجی زندگی کا آغاز

جب رسولِ اعظمؐ اپنی زندگی کی ۲۵ ویں بہاریں دیکھ چکے تو آپؐ نے اُس وقت حضرت خدیجہؑ کے ساتھ اپنی اَزدواجی زندگی کا آغاز کیا۔ اس وقت اس طیب و طاہر بانوئے اسلام کی عمر ۲۶ یا ۲۸ سال تھی۔ ایک قول جو زیادہ مشہور ہے کہ اس وقت آپؑ کی عمر چالیس سال تھی۔ صاحبِ جنات الخلود نے آپ کی عمر ۲۶ سال لکھی ہے اور علامہ مجلسی نے بحار میں ۲۸ سال لکھی ہے۔

ایک قول کے مطابق کہ اُنھوں نے رسولؐ اللہ کے ساتھ عقد کرنے سے پہلے پے در پے دو عقد کیا تھے، لیکن مشہور قول یہ ہے کہ آپؑ نے صرف رسولؐ اللہ کے ساتھ عقد کیا تھا، اس سے پہلے آپؑ کا کسی اور کے ساتھ عقد نہیں رہا تھا۔ وہ کنواری تھیں اور دوشیزہ تھیں۔

رسولؐ اللہ کا حضرت خدیجہ الکبریٰؑ کے ساتھ اَزدواج ایک مثالی اَزدواج تھا۔ اس اَزدواج میں اغراض و مقاصد کارفرما نہ تھے۔ اپنی نوعیت کا یہ ایک واحد عقد تھا۔ نہ اس کی بنیاد عشق و علاقہ تھا جو دیرپا نہیں ہوتا اور نہ مال و دولت اور نہ ہی کوئی سیاسی پہلو۔ جس طرح کہ ایسے اُمور اکثر اَزدواجی زندگی کا سبب بنتے ہیں۔ ان دونوں ہستیوں کی اَزدواجی زندگی کا آغاز ان تمام اسباب و مقاصد سے ہٹ کر تھا۔

علاوہ ازیں رسولِ اعظمؐ کے اقتصادیات اور حضرت خدیجہ طاہرہؑ کے اقتصادی حالات میں کوئی تناسب نہ تھا۔ اِس لحاظ سے ان کے درمیان بہت بڑا فاصلہ تھا۔ کیونکہ پیغمبر اکرمؐ کے مالی حالات بہتر نہ تھے۔ آپؐ اپنے چچا حضرت ابوطالبؑ کی کفالت میں زندگی بسر کر رہے تھے لیکن حضرت خدیجہؑ "ملیکۃ العرب" تھیں۔ مکہ اور دنیائے عرب میں اُن کے برابر کا کوئی آدمی مال دار نہ تھا، کیونکہ آپؑ نے اپنی عالی دماغی، خوش فکری، عقل مندی، خداداد فہم و فراست اور تدبر و تفکر سے اپنی تجارت کو اس قدر بڑھا دیا تھا کہ مکہ اور عرب میں مال و دولت میں اُن کا کوئی مدِ مقابل نہ رہا تھا۔

لیکن اس صاحبِ دانش و بینش خاتون (جنابِ خدیجہؑ) نے سن رکھا تھا کہ اللہ کے رسولؐ کی آمد آمد ہے۔ اُنھیں کے انتظار میں ہی روشن مستقبل ہے۔ اس لیے آپؑ منتظر رہیں کہ وہ نجات دہندہ انسانیت سے عقد کریں گی۔ شاید حضرت خدیجہ طاہرہؑ نے اپنے غلام میسرہ سے سنا ہو، کیونکہ وہ ایک تجارتی سفر میں رسولؐ اللہ کے ساتھ ہم سفر رہا تھا۔ جب رسولؐ اللہ جنابِ خدیجہؑ کا تجارتی مال لے کر دمشق کی طرف جا رہے تھے تو اُس سفر میں میسرہ ساتھ تھا۔ اس نے

راستے میں پیغمبرؐ کے معجزات دیکھے تھے۔ اس نے واپسی پر حضرت خدیجہؑ کو سب کچھ بتا دیا تھا۔ یا پھر آپؑ نے اس راہب کی پیشین گوئی سنی تھی جو شام کے علاقہ میں رہتا تھا۔

انھی عوامل واسباب کے پیش نظر اس طیبہ و طاہرہ خاتونؑ نے عزم صمیم کرلیا تھا کہ وہ پیغمبرؐ خدا کے ساتھ رشتہ اَزدواج میں منسلک ہوں گی۔ انھوں نے رسولِ اکرمؐ کو اپنے پاس بلایا اور اُن کی خدمت میں عرض کیا کہ اُن کی خواستگاری کے لیے آپؐ کے والد خویلد یا آپؐ کے چچا کے پاس جائیں۔

لیکن اِدھر مرسلِ اعظمؐ ایسی رفیقہ حیات کو ترجیح دیتے تھے جو مالی اعتبار سے ان کے برابر ہو، تاکہ ان کی مشترک زندگی کا آغاز ہو۔ اس لیے آپؐ نے جنابِ خدیجہؑ سے اس معاملے میں معذرت کی اور اُنھیں مثبت جواب نہ دیا۔

حضرت خدیجہ طاہرہؑ ایک عقل مند نجیبہ ولبیبہ خاتون تھیں۔ اُنھوں نے آپؐ سے کہہ دیا کہ جس خاتون نے عزم کرلیا ہے کہ اُس نے اپنے آپ کو پیغمبرؐ کے حوالے کر دیا ہے جب وہ اپنی جان حوالے کر رہی ہے تو کیا وہ اپنا مال اُن پر فدا نہیں کرے گی؟

اس معظمہؑ نے آپؐ سے مطالبہ کیا کہ وہ فوراً اپنے چچوں کو اُن کے والد خویلد کی طرف بھیجے، تاکہ وہ خواستگاری کریں۔

جی ہاں! جب رسولؐ اللہ اپنے چچا کے گھر میں تشریف لائے اور یہ خبر دی تو ان کی حیرانی کی انتہا نہ رہی کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟

ان کے لیے یہ خبر عجیب سے عجیب تر تھی۔ اُنھوں نے دل میں خیال کیا کہ خدیجۃ الکبریٰؑ عرب کی وہ خاتون ہے جسے ملیکۃُ العرب کہا جاتا ہے۔ وہ کروڑوں اربوں درہم و دینار کی مالکہ ہے۔ اُس کے سیکڑوں نوکر چاکر ہیں، سیکڑوں تجارتی کارواں ہیں، جو اس کے مال سے تجارت کرتے ہیں اور اپنے پلّے نفع باندھتے ہیں۔ سردی کے زمانے میں اس کا مال مکہ سے یمن کی منڈیوں تک رسائی رکھتا ہے اور گرمیوں کے زمانے میں شام کی تجارتی منڈیاں اُس کے مالِ تجارت سے بھر جاتی ہیں۔

صنادید قریش، اُمرائے مکہ، شرفائے بطحا اور روسائے طائف کے رشتے آپؑ کی طرف آتے رہے اور آپؑ ہر دفعہ اُنھیں پائے حقارت سے ٹھکراتی رہیں۔

جی ہاں! اس طرح اس ملیکۃُ العرب شہزادی نے اپنے آپ کو ایک ایسے مرد کے حوالے کردیا جس کا ظاہر فقیرانہ

تھا اور وہ اپنے چچا حضرت ابوطالبؑ کے زیر کفالت زندگی بسر کر رہے تھے۔
جی ہاں! کیا یہ حقیقت ہے کہ ملکۂ حجاز نے آپؐ سے اُزدواج کا تقاضا کیا اور آپؐ کے حضور درخواست کی۔ یہ افتخار اس کا مقدر بن جائے، اس لیے اُن کی اس درخواست کو قبول کیا جائے؟
پیغمبرؐ کے گھر والے حیرانی کے عالم میں سوچ رہے تھے کہ کیا یہ بات واقعی حقیقت کا لبادہ اُوڑھنے والی ہے؟
اس حقیقت کا سامنا کرنے کے لیے مکہ کے سردار جناب عبدالمطلب کی شہزادی جناب صفیہ جناب خدیجۃ الکبریٰ کے گھر تشریف لے گئیں۔ جونہی ملکۂ حجاز کی نگاہ جناب صفیہ پر پڑی تو آپ فوراً اپنی جگہ سے اُٹھیں اور بڑھ کر ان کا استقبال کیا اور اُنھیں خوش آمدید کہا اور ان کے حضور عرض کیا: آپ جس مقصد کے لیے تشریف لائی ہیں ہم اس کو عملی شکل دینے کے لیے سراپائے انتظار ہیں۔

ملیکۃُ العرب کا آستانۂ سعادت میں ورُود

سردارِ مکہ جناب عبدالمطلب کی شہزادی جناب صفیہ واپس اپنے بھائیوں کے پاس پہنچی اور اُنھیں ملیکۃُ العرب سے ملاقات کا حال دیا کہ واقعی وہ اُن کے بھتیجے حضرت محمدؐ بن عبداللہ کی شریکۂ حیات بننا چاہتی ہے۔ اس خبر سے رسولؐ اللہ کے چچاؤں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، لیکن یہ ایک ایسی خوشی تھی جس میں تعجب و دہشت کا امتزاج تھا۔ کیونکہ جناب خدیجہؑ کوئی معمولی خاتون نہ تھیں۔ وہ عرب کی شہزادی تھیں۔ ایک بہت بڑے خاندان کی بیٹی تھیں۔ شرافت و طہارت و نجابت میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھیں۔ اُنھیں تعجب اس بات پر تھا کہ جناب خدیجہؑ نے ایسے نوجوان کو اپنے لیے رفیقِ حیات بنانا پسند کیا کہ جس کے پاس دولت و ثروت ہے اور نہ مال و متاع، نہ جس کے پاس زر و سیم ہے اور نہ بالشت بھر زمین۔
نبوت کے گھرانے کا ہر فرد حیرت و استعجاب کی تند و تیز لہروں کی زد پر تھا۔ آخر آمنہ کے لال کے چچا نے ملیکۃُ العرب کے گھر کا رُخ کیا اور اُس کے والد یا چچا سے ملاقات کی اور مقصد ظاہر کیا۔ پہلے تو اُس نے انکار کر دیا۔ پھر اُس نے اس پیغام کو قبولیت کے دامن میں جگہ دی۔
آخر وہ مرحلہ آ گیا جس میں جناب خدیجہؑ کے مقام و منزلت کے مطابق حق مہر طے پایا تھا کیونکہ ملیکۃُ العرب کے مرتبے کے مطابق حق مہر چاہیے تھا۔ اس وقت نبیؐ کے گھرانے میں سوال اُٹھا کہ اتنے مال کا حصول کیسے ممکن ہے؟ اتنا مال کہاں سے آئے گا؟ اور کون ہے جو اتنا بھاری مال دے سکتا ہے؟
پھر دوبارہ اُس نبیلہ، طیبہ و طاہرہ خاتون نے مکہ کی وادی کو حیرت و استعجاب کے سمندر میں ڈبو دیا۔ جب اُنھوں

نے رسولؐ اللہ کے اس حق مہر کی ادائیگی کے لیے چار ہزار دینار بطور ہدیہ بھیجے اور یہ کہلا بھیجا کہ مہر کی ادائیگی کے لیے یہ رقم اُن کے والد یا چچا کے حوالے کی جائے۔ لیکن ایک روایت ہے کہ حضرت ابوطالبؑ نے اپنے مال میں سے مہر کی رقم ادا کی تھی۔

جی ہاں! یہ بانوئے اسلام وحجاز شرافت اور دانش و بینش میں ایک بلند و بالا مرتبہ رکھتی تھیں۔ اَبدی سعادتوں اور شرافتوں کو پانے کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر رہی تھیں لیکن اس کا والد یا چچا اس فکر سے بہت دُور تھے کیونکہ زمانے میں ایسی بے پناہ مثالیں موجود ہیں۔ یہ ضروری نہیں ہے جو فکر و تہذیب باپ کو حاصل ہے وہی بیٹے یا بیٹی کو حاصل ہو۔ یا جو بیٹا یا بیٹی رائے رکھتے ہیں، وہی باپ کی رائے بھی ہو۔ یہ اختلاف لوگوں کے تمام طبقات میں موجود ہے، یہاں تک کہ دو بھائی بھی رائے و فکر کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں۔ اس طرح شوہر اور زوجہ میں باپ اور اولاد میں فکری و ذہنی اختلافات مسلّم ہیں۔

یہ گلستان آفرینش کا عجیب واقعہ تھا کیونکہ دنیائے عرب میں کبھی ایسا نہیں دیکھا گیا کہ ایک صاحبِ کمال و حسن و جمال خاتون اپنے ہونے والے شوہر کی طرف اپنے حق مہر کی خطیر رقم بھیجے۔ جنابِ خدیجہؑ کی ایک شرفِ انسانیت سے بھرپور تحریک نے دوستوں کو زندگی دی اور دشمنوں کو حسد کی موت دی۔ اس ملکوتی محفل میں ابوجہل موجود تھا۔ یہ منظر دیکھ کر حسد کی آگ میں جلنے لگا اور منہ پھاڑ پھاڑ کر کہنے لگا: اے لوگو! ہم تو ہمیشہ دیکھتے آئے ہیں کہ مرد عورتوں کو مہر دیتے ہیں۔ ہم نے یہ کبھی نہیں دیکھا کہ عورتیں مردوں کو مہر دیں؟

اس کا جواب سردارِ مکہ جنابِ ابوطالبؑ نے غضبناک صورت میں یوں دیا: اے احمق! تجھے کیا؟ اور تُو کیا کہہ رہا ہے؟ جوان محمدؐ جیسا ہو تو اُسے بیٹی بھی دی جاتی ہے اور ساتھ ہی اس کے حق مہر کے لیے خطیر رقم ہدیہ بھی کی جاتی ہے۔ اگر تجھ جیسا احمق ہو اور وہ بڑی سے بڑی رقم ہدیہ کرے تو وہ اُس کے منہ پر ماردی جاتی ہے اور انکار بھی اس کا مقدر ہوتا ہے۔

ایک اور روایت بھی ہے کہ آپؑ نے ابوجہل کی یوں سرزنش کی: جب میرے بھتیجے جیسا جوان ہو تو اُسے بھاری رقم مہر کے لیے ہدیہ کی جاتی ہے۔ اگر تجھ جیسا بدبخت ہو اور وہ کثیر ترین رقم بطورِ حق مہر دینا چاہے کہ ایسی شائستہ ترین خاتون سے عقد کرے۔ اس کی کوشش ناکام رہتی ہے۔

آخرکار یہ مبارک رشتہ احسن انداز میں سرانجام پایا۔ ملیکۃ العرب کے تقاضے پر سیّدالکونین اپنی بارات سمیت ان کے آستانہ قدس پر تشریف لے گئے۔ جس وقت یہ بارات میمونہ، کاملہ، فاضلہ اور عاقلہ شہزادی کے گھر پہنچی تو ان کے لیے یہ نُورانی لمحات حسین ترین لمحات تھے۔ کائنات کی تمام سعادتیں سمٹ کر ان کے مقدس آستان پر نچھاور ہو رہی تھیں۔

بانوئے اسلام نے سمجھ لیا کہ اس کی دیرینہ آرزوئیں بھر آئیں اور خوش بختی کے خورشید نے ان پر اپنی نورانی کرنیں بکھیرنے کا آغاز کر دیا ہے۔ یہ آپؑ کے سنہری اور شیریں خوابوں کی سنہری اور میٹھی تعبیر تھی جو پوری ہوئی۔

سیّدہ خدیجہؑ کے ہاں پیغمبر کے بیٹے پیدا ہوئے۔ وہ صغر سنی میں ہی اس دنیا سے دارِ آخرت کی طرف پہنچ گئے۔ ایک قول کے مطابق آپؑ کے ہاں چار بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ اس قول میں اختلاف ہے۔ حضرت فاطمہ زہراؑ آپؑ کے بطنِ اقدس سے تھیں جن کی قدر و منزلت کائنات پر بھاری ہے۔

یہ تھیں ملیکۃ العرب السیدہ خدیجۃ الکبریٰؑ۔ پچھلے صفحات میں جو کچھ بیان ہوا ہے یہ اُن کے فضائل و مناقب کی ایک جھلک ہے۔ ان کی ذات فضائل و کمالات کا مجموعہ تھی۔ ہر انسان جو کمالات کی جستجو میں ہے سیّدہ کی ذات میں تمام نمونے موجود ہیں جو بھی انسان ساز اور تاریخ ساز ہیں۔

اس بانوئے ارجمند کے پاکیزہ بطن سے سیّدہ فاطمہ زہراؑ پیدا ہوئیں۔ اُنھوں نے سیّدۂ کائنات کو وہ دودھ پلایا جو مواہب و فضائل سے سرشار تھا۔ جہاں حضرت سیّدہ فاطمہ زہراؑ پیغمبر اکرمؐ جیسے گرانقدر باپ کی بیٹی تھی وہاں اس ماں کی لختِ جگر تھیں جو محاسن و محامد کا پیکر تھیں۔ اس اعتبار سے آپ نجیب الطرفین تھیں۔ آپ اپنے والد گرامی کی صفات کی وارث تھیں اور اُدھر اپنی طیبہ و طاہرہ والدہ کے فضائل کی بھی وارث تھیں۔

ہمارے لیے یہ کلمہ یا ان کے فضائل کی یہ معمولی جھلک یہ امکان پیدا کر سکے کہ ہم اس پاک و پاکیزہ ہستی کی معرفت حاصل کر سکیں۔ اس طرح ہمارے لیے یہ بھی ممکن ہے کہ ہم قانونِ وراثت کی روشنی میں ان کی حیات کے پہلوؤں تک رسائی بھی حاصل کر سکیں۔

اس مورد میں جو حقائق ثابت ہیں جن کا انکار کرنا ناممکن ہے۔ پیغمبرؐ خدا اور خاندانِ وحی سے جاری روایات کثرت کے ساتھ موجود ہیں، جو ان حقائق کو بیان کرتی ہیں۔ جی ہاں! اس ہستی کی عظمتوں تک رسائی حاصل کرنا ناممکن ہے۔ یہ ترقی یافتہ سائنس اپنی گہرائیوں، گیرائیوں اور وسعتوں کے باوجود ان حقائق کی بلندیوں سے بہت دُور ہے۔ ایٹم اور اس کی دریافت بلکہ اس سے ماورا کہکشاؤں کی معلومات کا حصول سائنس کے لیے ممکن ہے لیکن ان حقائق کی دریافت ممکن نہیں ہے۔ جی ہاں! یہ وہ حقائق ہیں کہ جنھیں نہ دقیق عدسوں سے اور نہ جدید ترین مائیکروسکوپ اور نہ طاقتور بنفشی شعاعوں سے دیکھا جاسکتا ہے، کیونکہ یہ طبیعی پیمانے اور تجرباتی معیار ان کے ادراک سے قاصر ہیں اور نہ اُنھیں حواسِ خمسہ سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ حقائق اس جہانِ آفرینش میں الٰہی اَسرار ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو اُنھیں ''ماورا ہالت'' کا نام دے سکتے ہیں۔

اس سے قبل کہ ان حقائق کو پیش کیا جائے ایک مختصر مقدمہ حاضر ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب نطفہ رحم میں منعقد ہوتا ہے تو اسی نطفہ سے خالق کون و مکان کے ارادہ کے مطابق وہ لباسِ ہستی پہنتا ہے۔ یہ خون سے تشکیل پاتا ہے، یہ خون خوردنی اور نوشیدنی اشیاء کا جوہر ہوتا ہے۔ یہ غذائیں جب معدے میں جاتی ہیں تو انھیں مختلف مراحل سے گزرنا ہوتا ہے۔ پہلے نظام انہضام سے ہضم ہوتی ہیں۔ پھر خودکار بھٹیوں میں پکتی ہیں۔ مختلف عوامل کے بعد خون بنتا ہے۔ ان حقائق سے ثابت ہے کہ نطفہ خون سے بنتا ہے اور خون غذاؤں سے وجود میں آتا ہے۔ اب جو نطفہ خنزیر کے گوشت یا شراب سے حاصل ہوا ہے اس نطفہ سے وہ نطفہ مختلف ہوگا جو گوسفند وغیرہ کے گوشت سے حاصل ہوا ہو۔ کیونکہ اس گوشت کی نوعیت مذکورہ خنزیر کے گوشت کی نوعیت سے مختلف ہے۔ پھر ان دونوں کے نتائج بھی مختلف ہیں۔

انسانی روح کے لیے طعام کے اثرات سے انکار نہیں کیا جاسکتا، جیسا طعام ہوگا ویسے ہی اس کے روحِ انسانی پر اثرات مرتب ہوں گے۔ ایسی غذائیں ہیں جن کے کھانے سے قلب کو فرحت ملتی ہے اور وہ اعصاب کو بے پناہ توانائی عطا کرتی ہیں اور اس کی کمزوریوں کا خاتمہ کرتی ہیں۔ اسی طرح کچھ اور غذائیں بھی ہیں جن کے اثرات منفی ہوتے ہیں: پاک و پاکیزہ اور حلال غذائیں نفسِ انسانی اور اس کی روح پر ایک خاص اثر چھوڑتی ہیں۔ آلودہ اور نامشروع غذا جیسے شراب ہے یا حرام غذا ہے۔ چوری کا مال ہے یا غصبی تو ان غذاؤں کے اپنے اثرات ہیں۔ جس طرح ان غذاؤں سے انسان کا نفس اور اس کی روح متاثر ہوتی ہے بالکل اسی طرح اس کا خون اور نطفہ متاثر ہوتا ہے۔ اگر غذا حلال ہوگی تو اس کے نطفے پر مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اگر غذا حرام ہوگی تو اس کے اثرات منفی مرتب ہوتے ہیں۔ اگر ہم اپنے اس دعویٰ کے لیے دلائل پیش کرنے لگ جائیں تو بات لمبی ہو جائے گی اور کتاب اپنے اسلوب اور مقصود موضوع سے خارج ہو جائے گی۔

جی ہاں! والدین جس قسم کی غذا کھاتے ہیں اس کے تمام اثرات بچے پر مرتب ہوتے ہیں۔ یہی غذا ہی اس کی شرافت و نیک و حق پرستی یا اس کی شقاوت و باطل پرستی کا سبب بنتی ہے۔ اسی غذا سے نطفہ بنتا ہے، پھر وہ مرد کے صُلب سے عورت کے رِحم میں منتقل ہوتا ہے اور رحم کی دیوار سے چمٹ جاتا ہے اور اسی میں نشوونما پاتا ہے اور بڑھتا ہے، یہاں تک کہ کامل جنین کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ پس غذا کی حقیقت مسلّم ہے۔ غذا جیسی ہوگی ویسے ہی اس کے اثرات ہیں۔ اس طرح شرعی قوانین کے اعتبار سے غذا حلال ہے یا حرام ہے، پاک ہے یا نجس ہے، ہر ایک کا اپنا اپنا بچے کی سرنوشت و تقدیر میں حیرت انگیز اثر ہے۔ اس کے افکار اور اس کے کردار و رفتار متاثر ہوتے ہیں۔ اگر غذا پاک و حلال ہوئی تو وہ اس کی زندگی حق و حقیقت سے ہمکنار رہتی ہے۔ اگر غذا اس کے برعکس ہوئی تو اس کی زندگی انحرافات

وخرافات سے معمور ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح جب مرد اور اس کی زوجہ جنسی عمل کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں۔ اگر اس وقت ان کے درمیان کامل عشق و علاقہ ہو اور وہ نہایت ہی شوق و جوش اور کامل میلان و محبت کے ساتھ مل رہے ہوں تو ان کی یہ کیفیت بچے کے مقدرات و حالات اور اس کے مستقبل کو کمال عطا کرتی ہے۔ بچہ حسین وجمیل، صحت مند اور ذکی پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح عدمِ میلان، سستی و کاہلی، خوف اور جنسی ناتوانی کی کیفیات بچے کی حیات اور اس کے مستقبل پر بدترین اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

جی ہاں! یہ دو نکتے انسانی زندگی میں مؤثر کردار ادا کرتے ہیں۔ ایک نکتہ تاثیر طعام اور دوسرا نکتہ زوجین کا جنسی ملاپ۔ یہ دونوں کیفیات بچے کی روح اور اس کے جسم میں حیرت انگیز طور پر اثرات مرتب کرتی ہیں۔

اس ضمن میں بہت سی متواتر احادیث موجود ہیں۔ ہم اپنے قارئین کرام کو ان کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ حضرت علامہ مجلسی نے بحارالانوار کی جلد ۱۶ میں ان احادیث کا ذکر کیا ہے۔

مہربان دوست سے دُوری

روایت ہے کہ جنابِ جبرئیل امینؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی لے کر نازل ہوئے اور آپؐ کی بارگاہ میں عرض کیا: اے محمدؐ! خداوند تعالیٰ نے درود و سلام کے بعد فرمایا ہے کہ آپؐ چالیس دن تک اپنی زوجہ محترمہ جنابِ خدیجۃ الکبریٰؑ سے دُوری اختیار کیجیے۔ جب آپؐ نے اس فرمانِ خداوندی کو سنا تو آپؐ بہت زیادہ پریشان ہوئے کیونکہ آپؐ کو جنابِ خدیجہؑ سے بے پناہ محبت تھی۔ اُن سے آپؐ لمحہ بھر کی جدائی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ پیغمبر گرامیؐ نے حکمِ خداوندی کی تعمیل میں چالیس دن اس صورت میں گزارے کہ آپؐ دن کو روزہ رکھتے اور رات کو اللہ کی بندگی و عبادت کرتے اور اس سے راز و نیاز کی باتیں کرتے۔ ابھی ایامِ خلوت میں آپؐ نے ملکۂ اسلام و محافظۂ اہلِ بیتؑ کی طرف حضرت عمار یاسرؓ کے ذریعے پیغام بھیجا کہ آپؑ میری اس دُوری کو یہ خیال نہ کرنا کہ میں آپؑ پر ناراض ہوں یا میرے دل میں آپؑ کے لیے کوئی کدورت پیدا ہوگئی ہے، یا کوئی اور بات ہے۔ نہیں، نہیں بلکہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپؑ سے دُور رہ کر اس کے فرمان کی تعمیل کروں۔ میری اس دُوری کو نیکی کے علاوہ کچھ اور نہ سمجھنا، کیونکہ خداوند تعالیٰ اپنے ملائکہ مقربین میں روزانہ کئی مرتبہ آپؑ کے لیے فخر و مباہات فرماتا ہے۔ جب رات چھا جائے تو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لینا، استراحت کے لیے اپنا بستر بچھا لینا۔ میں حضرت فاطمہ بنت اسد کے خانہ اقدس میں معروف عبادت ہوں۔

جب چالیس دن مکمل ہوئے، حکمِ ربانی کی تعمیل اپنے انجام کو پہنچی تو جناب جبرئیل امینؑ بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے محمدؐ! خداوند تعالیٰ آپؐ پر درود و سلام بھیج رہا ہے اور فرما رہا ہے کہ اب اپنے آپ کو تحفہ و عطیۂ خداوندی کے لیے تیار کیجیے۔

جنت کی غذا

پیغمبر گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرشتۂ وحی سے پوچھا: پروردگار جہان کا تحفہ و ہدیہ کیا ہے؟

جناب جبرئیلؑ نے عرض کیا: مجھے معلوم نہیں ہے کہ وہ تحفہ کیا ہے؟ اسی وقت جناب میکائیلؑ بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوئے اور آپؐ کے حضور ایک طبق پیش کیا، جسے دیبا سے ڈھانپا گیا تھا۔ جناب جبرئیلؑ آپؐ کے پاس آئے اور عرض کیا: اے محمدؐ! آپؐ کے رب کا فرمان ہے کہ آج شب آپؐ نے اس جنتی غذا سے افطار کرنا ہے۔

امیر المومنین حضرت امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں: پیغمبرؐ کا معمول تھا کہ جب آپؐ افطار فرماتے تھے تو آپؐ نے مجھے حکم دے رکھا تھا کہ میں دروازے کو کھولے رکھوں، تاکہ اس طرف سے گزرنے والے کو کھانے کی طلب ہو تو وہ پیغمبرؐ کے ہمراہ کھانا کھا سکے لیکن اس رات پیغمبر اسلامؐ نے مجھے حکم دیا کہ میں دروازے کو بند کر دوں اور کسی کو ادھر نہ آنے دوں اور مجھ سے فرمایا: "یا علیؑ! یہ وہ جنت کی غذا ہے جو میرے علاوہ کسی دوسرے کے لیے حلال نہیں ہے؟"

امیر محبت و عدالت فرماتے ہیں: پیغمبرؐ کے فرمان کے مطابق میں دروازے کو بند کر کے بیٹھ گیا۔ پیغمبرؐ اسلام نے جنتی کھانا تناول فرمانا شروع کیا۔ جونہی آپؐ نے طبق کا سرپوش ہٹایا تو میں نے اس میں تازہ کھجور اور انگور کے خوشے دیکھے۔

پیغمبر گرامیؐ نے اس آسمانی ارمغان سے جی بھر کر تناول فرمایا۔ پھر آب نوش فرمایا، جونہی آپؐ نے اپنے مبارک ہاتھوں کو دھونے کے لیے دراز کیا تو جبرئیل امینؑ نے آپؐ کے مبارک ہاتھوں پر پانی ڈالا۔ جناب میکائیلؑ نے آپؐ کے ہاتھوں کو دھونا شروع کیا۔ جب ہاتھ صاف ہو گئے تو جناب اسرائیلؑ نے جنتی رومال سے پیغمبرؐ کے ہاتھوں کو خشک کیا۔ پھر وہ طبق بقیہ غذا سمیت آسمان کی طرف واپس چلا گیا۔

پیغمبرؐ خدا کھڑے ہوئے تاکہ نماز شروع کریں۔ جبرئیل امینؑ نے آپؐ کی خدمت میں عرض کیا: اب اس وقت آپؐ پر نماز کا پڑھنا ممنوع ہے۔ آپؐ اس وقت جناب خدیجۃ الکبریٰؑ کے پاس تشریف لے جائیں کیونکہ خداوند تعالیٰ نے قسم کے ساتھ آپ سے خطاب کیا ہے کہ آج رات میں آپؐ کو طیب و طاہر، محبوب و معصوم اولاد عطا کرنے والا

ہوں۔ فرمانِ خداوندی سن کر پیغمبر اکرمؐ حضرت خدیجہؑ کے خانہ شرف کی طرف تشریف لے گئے۔

محسنۂ اسلام کا بیان ہے کہ میں خلوت و تنہائی کی عادی ہو چکی تھی۔ جب رات ہوتی میں اپنے سر کو ڈھانپ لیتی تھی، پردے گرا دیتی تھی۔ نماز پڑھنے کے بعد گھر کا دروازہ بند کر دیتی تھی اور چراغ بجھا کر بستر پر آجاتی تھی۔ اس رات میں نیند اور بیداری کی ملی جلی کیفیت میں تھی کہ اچانک میرے دروازے پر دستک ہوئی۔ میں دروازے پر گئی اور آواز دی کہ اس دروازے پر دستک صرف محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی دے سکتے ہیں تم دستک دینے والے کون ہو؟

پیغمبر اکرمؐ نے اس بانوئے اسلام سے پیار و مٹھاس بھرے لہجے میں گفتگو کی۔ خدیجہؑ! میں محمدؐ ہوں، دروازہ کھولیے۔

جنابِ سیّدہ خدیجہؑ فرماتی ہیں: جب میں نے اللہ کے حبیب کی رس بھری آواز سنی تو میری مسرت و شادمانی کی انتہا نہ رہی۔ میں نے فوراً دروازہ کھولا، پیغمبرِ اسلام گھر کے اندر تشریف لائے۔ پیغمبرؐ کے معمولات میں سے تھا جب گھر تشریف لاتے تو وضو کے لیے پانی طلب کرتے اور مختصر صورت میں دو رکعت نماز ادا کرتے پھر بستر پر تشریف لاتے، لیکن اس رات جب تشریف لائے تو اُنھوں نے پانی طلب کیا اور دو رکعت نماز پڑھی بلکہ میرے اور ان کے درمیان وہ کچھ ہوا جو عورت اور اُس کے شوہر کے درمیان ہوتا ہے۔

جنابِ خدیجۃ الکبریٰؑ کا بیان ہے کہ مجھے اس ذات کی قسم! جس نے بلند آسمان کو بچھایا اور پانی کو زمین کی گہرائیوں سے جوش کے ساتھ نکالا اور زمین پر جاری کر دیا۔ جونہی مجھ سے آپ ایک طرف ہوئے، میں نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے وجود کی علامت اپنے بطن میں محسوس کی۔ (عوالم العلوم: ج ۱۱، ص ۳۲، ۴۱، بحارالانوار: ج ۱۶، ص ۷۸)

چند نکات

اس حدیث سے چند نکات سامنے آتے ہیں:

◇ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حکم دیا کہ وہ بانوئے حجاز سے ایک مدت کے لیے کنارہ کش ہو جائیں، تاکہ اس دُوری سے دونوں کے درمیان شوق و اشتیاق شدت اختیار کر جائے۔

◇ جب پیغمبر گرامی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان چالیس شبانہ روز میں ہر طرف سے الگ تھلگ ہو کر یکسوئی کے ساتھ اللہ کی بندگی کریں گے تو اُن کی روح مزید روشن ہو جائے گی۔ ان کی معنویت پہلے سے زیادہ محکم ہو جائے گی اور عالم بالا

کے ساتھ ہمیشگی پیدا ہوجائے گی۔

۳ چالیس شبانہ روز کی عبادات سے جب فارغ ہوں گے تو ان کے حضور آسمانی تحفہ پیش کیا جائے گا جسے وہ تناول فرمائیں گے۔ وہ آسمانی غذا اپنی لطافت اور خصوصیات کے ساتھ جلد تحلیل ہوکر بڑی تیزی کے ساتھ نطفہ کی منزل اختیار کرلے گی۔

۴ وہ پاک و پاکیزہ نطفہ جس نے آسمانی لطیف غذاؤں سے تشکیل پانا ہے۔ اس کے اسباب مہیا ہوں، کیونکہ وہ دُنیاوی غذاؤں سے تشکیل پانے والا نہیں تھا۔

۵ پیغمبر ﷺ کا فوراً بانوئے حجاز جناب خدیجہ الکبریٰ کے گھر جانا، تاکہ یہ نطفہ امین ماں کے امین رحم کی طرف منتقل ہوتا کہ بانوئے کمال و معنویت وجود میں آئے۔

اہلِ سنت کے علماء نے بھی اس روایت کو معمولی تفاوت کے ساتھ نقل کیا ہے، ان کی تفصیل یہ ہے:

۱ خوارزمی، مقتل الحسینؑ، ص ۶۳ تا ۶۸

۲ علامہ ذہبی، الاعتدال، ج ۲، ص ۱۵۶

۳ تلخیص المستدرک، ج ۳، ص ۱۵۶

۴ علامہ عسقلانی، لسان المیزان، ج ۴، ص ۳۶

چند دیگر روایات

اس مورد میں معمولی اختلاف کے ساتھ بہت سی احادیث موجود ہیں۔ ان کا موضوع یہی ہے کہ حضرت سیّدہ فاطمہ زہراؑ کا نطفہ جنت کی غذاؤں سے تشکیل پایا۔ ہم یہاں اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے چند احادیث نقل کرتے ہیں۔

۱ شہزادۂ عرب و عجم حضرت امام علی رضاؑ سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: جب مجھے سفرِ معراج کے لیے آسمانوں پر لے جایا گیا وہاں جناب جبرئیلؑ نے میرے ہاتھ میں اپنا ہاتھ ڈالا اور وہ مجھے بہشت بریں میں لے گئے۔ انھوں نے مجھے تر و تازہ کھجوریں پیش کیں۔ میں نے انھیں تناول کیا اور وہی میرے جسم میں نطفہ میں تبدیل ہوگئیں۔ جب میں واپس زمین پر آیا اور اپنی زوجہ جناب خدیجہ الکبریٰ کے ساتھ ہم بستر ہوا تو وہ میری بیٹی جناب فاطمہؑ سے باردار ہوگئیں۔

فَاطِمَةُ حُورَا الْسِيَّةُ فَكُلَّمَا اشْتَقْتُ إِلَى رَائِحَةِ الْجَنَّةِ شَمَمْتُ رَائِحَةَ اِبْنَتِي فَاطِمَةَ

''یہی وجہ ہے کہ سیدہ فاطمہؑ انسانی شکل میں ایک حور ہے، جس وقت مجھے جنت کا شوق و شوق
دامن گیر ہوتا ہے تو میں اپنی بیٹی فاطمہؑ کی خوشبو سونگھتا ہوں''۔ (امالی الصدوق)

۲۔ باقر العلوم حضرت امام باقر علیہ السلام نے عبداللہ انصاری سے سنا، انھوں نے کہا جب رسول اللہؐ سے کہا گیا کہ آپؐ اپنی بیٹی حضرت فاطمہؑ کو بہت زیادہ بوسے دیتے ہیں اور ان سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں۔ انھیں اپنی آغوش میں لیتے ہیں حالانکہ ہم دیکھتے ہیں آپ اپنی دوسری اولاد کے ساتھ اس طرح کا پیار نہیں رکھتے اس کی کیا وجہ ہے؟

رسول اکرمؐ نے فرمایا: جناب جبرئیلؑ میرے پاس جنت کا سیب لائے تھے۔ میں نے اُسے تناول کیا تھا اور وہ میرے جسم میں خون و نطفہ میں تبدیل ہو گیا تھا۔ پھر میں نے حضرت خدیجہؑ سے مقاربت کی تھی اور وہ میری بیٹی فاطمہؑ کے ساتھ باردار ہوئی تھیں۔ یعنی میری بیٹی کا نقطہ آغاز جنت کے پھل سے ہے۔ میں اس کے بوسے اس لیے لیتا ہوں کہ جنت کے پھل کی اُن سے خوشبو آتی ہے۔

۳۔ حضرت عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے کہ ایک دن جناب عائشہ رسول اللہؐ کے پاس آئیں۔ آپؐ اس وقت اپنی دختر حضرت فاطمہ زہراؑ کو بوسے دے رہے تھے۔ انھوں نے پوچھا: کیا آپؐ فاطمہؑ سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں؟

آپؐ نے فرمایا: میری بات غور سے سنیے، خدا کی قسم! اگر تو جانتی ہوتی کہ مجھے ان سے کتنی محبت ہے تو یقیناً ان سے تیری محبت میں اضافہ ہوتا کیونکہ جب مجھے شب معراج آسمان پر بلایا گیا تو وہاں میرے لیے تازہ کھجوریں لائی گئیں جو مکھن سے زیادہ نرم، مشک سے زیادہ خوشبودار، شہد سے زیادہ شیریں تھیں۔ جب میں واپس آیا اور جناب خدیجۃ الکبریٰؑ سے ہم بستری کی تو وہ میری دختر فاطمہؑ سے باردار ہوئیں۔ یہی وجہ ہے کہ فاطمہؑ انسانی شکل میں حور ہے۔ جس وقت مجھے جنت کا اشتیاق ہوتا ہے تو میں اُن کی خوشبو سونگھتا ہوں۔

ان روایات کو تمام علماء و محدثین نے اپنی اپنی کتب میں تھوڑے سے تفاوت کے ساتھ بیان کیا ہے اور وہ یہ ہیں:

۱۔ خطیب بغدادی نے تاریخ بغدادی میں ج ۵، ص ۸۷ پر بیان کیا ہے۔
۲۔ خوارزمی نے مقتل الحسینؑ میں ص ۶۳ پر نقل کیا ہے۔
۳۔ حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ج ۱، ص ۳۸ پر بیان کیا ہے۔
۴۔ زرندری نے نظم دار السمطین میں بیان کیا ہے۔
۵۔ عسقلانی نے لسان المیزان میں ذکر کیا ہے۔

⑥ قندوزی حنفی نے ینابیع المودۃ میں تذکرہ کیا ہے۔

⑦ محب الدین طبری نے ذخائر العقبیٰ میں ص ۴۳ پر تحریر کیا ہے۔

ان تمام کتب میں جو احادیث علاوہ حضرت عائشہ، حضرت ابن عباس اور حضرت سعید بن مالک اور حضرت عمر بن خطاب سے مروی ہیں۔

⑧ شیخ شعیب مصری نے (الروض الفائق، ص ۲۱۴) روایت کی ہے۔ اس نے کہا کہ بعض محدثین نے روایت کی ہے کہ ایک دن حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے بارگاہ رسالت میں اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ انھیں جنت کے پھل چکھائے جائیں تو فوراً جبرئیلؑ اپنی جنت کے دو سیب لے کر بارگاہ نبویؐ میں پہنچے اور عرض کیا: یارسولؐ اللہ! اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: ہر چیز کی ایک مقدار ہے۔ ان میں سے ایک سیب خود تناول کرو اور دوسرا سیب اُم المومنین جناب خدیجۃ الکبریٰ کو کھلاؤ اور پھر مقاربت کرو۔ میں تم دونوں کے طلب سے سیدہ فاطمہ زہراؑ کو پیدا کرنے والا ہوں۔ پیغمبرؐ خدا نے اللہ کے حکم کی تعمیل کی۔ یہی وجہ ہے جب رسولؐ اللہ کو جنت کا اشتیاق ہوتا تھا تو اپنی بیٹی کو بوسے دیتے تھے اور ان کی پاک و پاکیزہ خوشبو سونگھتے تھے۔ (الروض الفائق، ص ۲۱۴)

ایک سوال

اس مورد میں بہت سی روایات موجود ہیں جو احادیث ہم نے ذکر کی ہیں انھی پر اکتفا کیا ہے۔ یہاں ایک نکتہ باقی ہے جس کی طرف اشارہ ضروری ہے۔ ان تمام احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے ہاں معراج کے بعد حضرت فاطمہؑ کا حمل ٹھہرا۔ بعض کتب میں مذکور ہے کہ معراج مبعث کے تیسرے سال ہوا تھا اور بعض کتب میں ہے کہ مبعث کے دوسرے سال ہوا۔ کچھ اور اقوال بھی ہیں تو اس بیان سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ حضرت فاطمہ زہراؑ دو سال سے زائد کا عرصہ شکم مادر میں رہیں تو یہ بات قطعاً صحیح نہیں ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان دو اقوال کو کیسے جمع کیا جاسکے؟ ممکن ہے اس مشکل کو ان دو صورتوں میں سے ایک صورت کے ساتھ حل کیا جاسکتا ہے:

① رسولؐ اللہ کو معراج ایک سے زیادہ بار نصیب ہوا جس طرح اصول کافی میں موجود ہے۔ مؤلف کے نزدیک احسن جواب بھی ہے۔ (الکافی، ج ۱، ص ۴۴۲، باب مولد النبی، حدیث ۱۳)

② یا ہم اس بات کو قبول کریں کہ حضرت فاطمہ زہراؑ نے بعثت کے دوسرے یا تیسرے سال اس جہان کو اپنے نور ولادت سے منور کیا ہے اور واقعہ معراج بھی ان دو سالوں کے کسی مہینے میں ہوا۔

شکمِ مادر میں مہربان مادر سے باتیں

جہاں سیدۂ کونین مخصوصیات و امتیازات کا پیکر تھیں۔ وہاں آپؑ کی ایک شانِ امتیازی یہ بھی ہے کہ جب وہ اپنی شفیق و مہربان کے شکم میں تھیں آپؑ اُن سے ہم کلام ہوتی تھیں۔ جہاں علمائے شیعہ نے اس حدیث کو نقل کیا ہے وہاں اہلِ سنت کے علمائے کبار نے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

۱۔ عبدالرحمٰن شافعی اہلِ سنت کے بزرگ ہیں۔ اس نے اس روایت کو کچھ یوں بیان کیا ہے: حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ نے فرمایا: جب میں خاتونِ جنت حضرت فاطمہؑ کے حمل کے ساتھ تھیں۔ مجھ پر اس بچے کا بوجھ بہت ہی خفیف تھا۔ وہ مجھ سے شکم میں باتیں کیا کرتی تھیں۔

۲۔ اہلِ سنت کے ایک اور عالم دہلوی نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے کہ جس وقت حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ حضرت فاطمہؑ سے باردار ہوئیں تو وہ اپنی ماں کے شکم میں اپنی ماں سے ہم کلام ہوتی تھیں۔ بانوئے اسلام حضرت خدیجہؑ نے کافی عرصہ اس راز کو راز رکھا اور پیغمبرؐ خدا کو نہ بتلایا۔ ایک دن رسول اللہؐ حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ کے پاس اچانک داخل ہوئے تو وہ اکیلی باتیں کر رہی تھیں۔ اُن کے پاس کوئی دوسرا فرد نہ تھا۔ آپؐ نے ان سے پوچھا: آپؑ کس سے باتیں کر رہی تھیں؟ حضرت خدیجہؑ نے عرض کیا: اس سے جو میرے بطن میں ہے وہ مجھ سے باتیں کرتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اے خدیجۃ الکبریٰؑ! آپ کو مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ نے میری اس بیٹی کو میرے گیارہ خلفاء کی ماں بنایا ہے۔ وہ سبھی میرے بعد اور اپنے والد کے بعد یکے بعد دیگرے آئیں گے۔

شعیب بن سعد مصری نے روض الفائق، ص ۲۱۴ پر بیان کیا ہے کہ جب کفار نے رسول اللہؐ سے مطالبہ کیا کہ وہ ہمیں شق القمر کا معجزہ دکھائیں۔ انہی دنوں حضرت خدیجہ طاہرہؑ حضرت فاطمہ زہراؑ کے حمل کے ساتھ تھیں۔ جنابِ خدیجہ طاہرہؑ نے فرمایا: وہ شخص خائب و خاسر ہوا جس نے محمدؐ رسول اللہ کی تکذیب کی۔ وہ میرے رب کے بہترین رسولؐ ہیں۔ اس وقت آپؑ کے بطنِ اقدس سے شہزادیٔ جنت جنابِ فاطمہؑ نے آواز دی: اماں جان! پریشان مت ہونا اور نہ خوف زدہ ہونا، اللہ میرے بابا کے ساتھ ہے۔ جب حمل کا آخری مرحلہ آیا، مدت پوری ہوئی، سیدۂ کونین جنابِ خدیجہؑ کی گود میں آئیں تو اُنھوں نے اپنے نورِ ولادت سے اور اپنے چہرے کی کرنوں سے کائنات کو منور کر دیا۔ (الروض الفائق، ص ۲۱۴)

شہزادیٔ جنت آستانۂ ولادت میں

خاتونِ جنت کی ولادت کا موضوع بھی اختلافی ہے۔ مقامِ تعجب ہے کہ پیغمبر آخر و اعظم کی بیٹی ہو لیکن تاریخ ولادت میں اختلاف ہو؟ کیا وہ بعثتِ پیغمبرؐ سے قبل اس دنیا میں تشریف لائی ہیں یا بعثت کے بعد آپؑ کی آمد ہے؟ اس مورد میں کثرت کے ساتھ احادیث موجود ہیں کہ شہزادی جنت بعثت کے تیسرے یا پانچویں سال پیدا ہوئیں۔ کچھ اقوال یہ بھی بتاتے ہیں کہ آپؑ کی ولادت بعثتِ رسولؐ سے پانچ سال قبل ہے۔ پہلا قول خاندانِ وحی سے مروی ہے۔ ان کے پیروکاروں نے اسی قول کو صحیح قرار دیا ہے۔ اسی قول کی بہت سے علمائے اہلِ سنت نے تائید کی ہے۔ دوسرا قول اہلِ سنت کے محدثین و مورخین سے مروی ہے، وہ قابلِ قبول نہیں ہے۔

براہین در قولِ اوّل

درج ذیل بحث سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ شہزادیٔ جنت کی تاریخِ ولادت بعثت کے بعد ہے۔ ان احادیث کو ملاحظہ کیجیے:

① الکافی (کلینی) خاتونِ جنت کی ولادت بعثت کے پانچویں سال اور معراج کے تین سال بعد ہوئی۔ جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصال فرمایا اُس دن بتولِ عذرا کی عمر ۱۸ سال تھی۔

② المناقب (ابن شہر آشوب) سیّدۂ کائنات حضرت سیّدہ فاطمہ زہراؑ کی ولادت بعثت کے پانچویں سال اور معراج کے تین سال بعد ہوئی۔ جمادی الثانی کی بیس تاریخ تھی۔ آپؑ نے مکہ میں اپنے والد معظم سرورِ کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آٹھ سال گزارے، پھر ہجرت ہوئی۔

③ اُصولِ کافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہؑ بنت محمدؐ نے مبعث کے پانچ سال بعد اس دنیا میں آنکھ کھولی۔ جس وقت آپؑ کی شہادت ہوئی اس وقت آپؑ کی عمر شریف ۱۸ سال ۷۵ دن تھی۔

④ روضۃ الواعظین میں ہے کہ دخترِ رسولؐ حضرت فاطمہ زہراؑ بعثت کے پانچویں سال پیدا ہوئیں۔

⑤ اقبال الاعمال: الشیخ المفید نے حدائق الریاض میں نقل کیا ہے کہ جنابِ سیّدہ زہراؑ ۲۰ جمادی الثانی مبعث کے دوسرے سال پیدا ہوئیں۔

⑥ مصباح کفعمی میں ہے کہ حضرت فاطمہ زہراؑ بعثت کے دوسرے سال ۲۰ جمادی الثانی بروز جمعہ پیدا ہوئیں۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ آپؑ بعثت کے پانچویں سال پیدا ہوئیں۔

⑦ مصباح کفعمی و مصباح طوسی میں روایت ہے کہ بانوئے اسلام حضرت فاطمہؑ جمعہ کے دن ۲۰ جمادی الثانی بعثت کے دوسرے سال پیدا ہوئیں۔ علاوہ ازیں یہ روایات بھی ہیں کہ آپؑ کی ولادت بعثت کے پانچویں سال ہے۔ بہت سے علمائے اہلِ سنت نے آنحضرتؐ کی ولادت بعثت سے پانچ سال قبل نقل کی ہے۔

⑧ صاحب دلائل الائمہ [1] نے لکھا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ زہراؑ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک کے ۴۵ ویں سال پیدا ہوئیں۔

ولادت سیّدہ زہراؑ کے بارے میں یہ چند نمونے ہیں جو آئمہ اہلِ بیتؑ اور اُن کے پیروکاران سے روایت ہوئے ہیں۔

علمائے اہلِ سنت کے اقوال

① ابونعیم نے "معرفۃ الصحابہ" میں لکھا ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں۔ اُن کی ولادت اس وقت ہوئی جب قریش کعبہ کی عمارت بنارہے تھے۔

② ابوالفرج نے مقاتل الطالبین میں نقل کیا ہے کہ حضرت فاطمہ علیہا السلام بعثت سے قبل اس وقت پیدا ہوئیں جب قریش کعبہ کو بنارہے تھے۔

③ ابن اثیر نے اپنی کتاب المختار من مناقب الاخبار میں مذکورہ روایت نقل کی ہے۔

④ طبری نے ذخائر العقبیٰ میں اپنے ہم عقیدہ کا قول نقل کیا ہے۔

⑤ سیوطی نے "الثغور الباسمہ" میں بھی اپنے مکتب والوں کی نمایندگی کی ہے۔

ابھی آپ نے وہ احادیث پڑھی ہیں جنھیں اہلِ سنت کے محدثین نے اپنی کتب میں نقل کیا ہے کہ جنابِ سیّدہ فاطمہ زہراؑ کا نطفہ جنت کی غذا سے تشکیل پایا تھا۔ وہ غذا آسمان سے بطورِ ہدیہ و تحفہ پیغمبرؐ کے لیے لائی گئی تھی جسے آپؐ نے نوشِ جان فرمایا تھا۔

اِن احادیث کے مطالعہ کے بعد یہ امر روشن ہوجاتا ہے کہ سیّدہ فاطمہ زہرا علیہا السلام کی ولادت پیغمبرؐ خدا کی بعثت کے بعد ہوئی تھی کیونکہ بعثت سے قبل نہ معراج ہے اور نہ جبرئیلؑ کا نازل ہونا ہے اور نہ ہی جبرئیلؑ و میکائیلؑ کا بھی پیغمبرؐ خدا

---

[1] بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس کتاب کے مؤلف محمد بن جریر طبری ہیں جو بزرگ شیعہ عالم تھے۔ ایک اور عالمِ دین ہیں جن کا نام بھی طبری ہے، وہ اہلِ سنت سے تعلق رکھتے ہیں۔

کے پاس آنا ثابت ہے اور نہ ہی ابھی وحی کا سلسلہ جاری ہوا تھا تو معلوم ہوتا ہے اس دوسرے قول کی کوئی حیثیت نہیں ہے نیز یہ بالکل بے بنیاد نظریہ ہے۔

علاوہ ازیں ایک اور حقیقت بھی روشن ہوتی ہے کہ جن لوگوں نے یہ نقل کیا ہے کہ سیدہ زہراؑ کی ولادت بعثت سے قبل ہوئی ہے۔ یہ روایت خودساختہ ہے۔ جن لوگوں نے یہ روایت گھڑی ہے اس کے پیچھے ان کے فاسد مقاصد کارفرما ہیں کہ اس حدیث کو غلط ثابت کریں کہ جس کا مضمون آپ نے پڑھتا ہے کہ پیغمبر گرامیؐ کے لیے آسمان سے بہشتی غذا کا تحفہ آیا تھا جو آپؐ نے تناول فرمائی تھی اور اس غذا کے جوہر سے نطفہ تشکیل پایا تھا۔ جس سے سیدہ کائنات کی ولادت ہوئی تھی۔ اس روایت سے ان کا دوسرا ہدف یہ ہے کہ وہ یہ ثابت کریں کہ سیدۂ کونینؑ کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ کوئی اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔ وہ اپنی حیاتِ مبارکہ کی اٹھارہ بہاریں دیکھ چکی تھیں باوجودیکہ کسی نے ازدواج کے لیے اِس کا رشتہ نہیں مانگا تھا۔ ہم نے یہاں صرف اشارہ کیا ہے۔ آئندہ صفحات میں اس کی تفصیل پیش کریں گے۔

سیدہ دَرِ آستانۂ طلوع

بہرحال محدثین و مورخین نے ان میں سے طبری نے ذخائر العقبیٰ میں، صفوری شافعی نے نزہت المجالس میں، علامہ قندوزی نے ینابیع المودۃ میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ نے فرمایا: جس وقت حضرت فاطمہ زہراؑ کی ولادت کا وقت قریب آیا تو مَیں نے قریش کی دائیوں کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ اس سخت مرحلے میں میری مدد کریں، لیکن اُنھوں نے انکار کر دیا، کیونکہ مَیں رسولؐ اللہ کی زوجہ تھی۔

مَیں ابھی اسی سوچ و بچار میں تھی کہ میرے پاس اچانک چار خواتین حاضر ہوئیں جو حُسن و جمال کا پیکر تھیں۔ جن کے چہرے نُور سے منور تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا: اے خدیجہؑ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے میں تمھاری ماں حوا ہوں۔ دوسری خاتون نے کہا: میں آسیہ ہوں۔ تیسری نے کہا: میں جنابِ موسیٰؑ کی بہن کلثوم ہوں۔ چوتھی نے کہا: میں مریمؑ دختر عمران ہوں۔ ہم سب آپؑ کے پاس آئی ہیں، تاکہ بچے کی ولادت میں آپؑ کی مدد کریں۔

یہ روایت معمولی تفاوت کے ساتھ ایک اور طریقے سے بھی موجود ہے۔ جس وقت حضرت خدیجہؑ نے بچے کی ولادت کے آثار محسوس کیے تو آپؑ نے فوراً قریش کی دائیوں کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ اس کے گھر آئیں اور بچے کی ولادت کے معاملے میں اس کی مدد کریں۔ اُنھوں نے کہلا بھیجا کہ تو محمدؐ کی زوجہ ہے، اس لیے وہ تیری مدد نہیں کریں گی۔ انہی حالات میں اچانک آپؑ نے اپنے نزدیک چار خواتین کو پایا۔ ان خواتین میں سے ہر خاتون حُسن و جمال کا

تھیں۔ اُن میں سے ایک گویا ہوئی: خدیجہؑ جانِ امت گھبراؤ، میں آپؑ کی ماں حوا ہوں۔ دوسری بولیں: میں آسیہ بنتِ مزاحم ہوں۔ تیسری نے کہا: میں کلثوم حضرت موسیٰؑ کی بہن ہوں۔ چوتھی خاتون نے اپنے تعارف میں کہا کہ میں مریمؑ بنت عمران مادرِ عیسیٰؑ ہوں۔ ہم آپؑ کے پاس اس لیے آئی ہیں، تاکہ اس ولادت کے مرحلہ میں آپؑ کی مدد کر سکیں۔ پس اسی دوران سیدۂ کائنات نے اپنے ولادت کے نُور سے کائنات کو منور کیا۔

كَانَتْ فَاطِمَةُ تُحَدِّثُ فِي بَطْنِ اُمِّهَا ، وَلَمَّا وُلِدَتْ وَقَعَتْ حِيْنَ وَقَعَتْ عَلَى الْاَرْضِ سَاجِدَةً رَافِعَةً اَصْبُعَهَا

"حضرت فاطمہ زہراؑ جب اپنی ماں کے شکم میں تھیں تو آپؑ اپنی ماں کے ساتھ باتیں کرتی تھیں، جب پیدا ہوئیں تو اُنھوں نے اپنی اُنگلی آسمان کی طرف بلند کر رکھی تھی۔ اُنھوں نے فوراً سجدہ کیا اور اپنی جبینِ نیاز کو بارگاہِ خداوندی میں جھکا دیا"۔ (ذخائر العقبیٰ: ص ۵۹)

جنابِ مفضل سے روایت ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی بارگاہ میں عرض کیا: اے میرے سردار! حضرت فاطمہ زہراؑ کی ولادت کس طرح ہوئی تھی؟

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جس وقت حضرت خدیجہؑ حضرت فاطمہؑ کے حمل کے ساتھ تھیں تو آپؑ اپنی والدہ ماجدہ سے باتیں کیا کرتی تھیں اور مشکلاتِ زمانہ پر صبر کی تلقین کرتی تھیں۔ جنابِ خدیجہؑ نے اس راز کو راز رکھا اور پیغمبر اکرمؐ کے گوش گزار نہ کیا۔ ایک دن آنحضرتؐ اچانک گھر تشریف لائے تو آپؐ نے حضرت خدیجہؑ کو باتیں کرتے ہوئے پایا حالانکہ وہ اکیلی تھیں۔ رسولِ اکرمؐ نے پوچھا: اے خدیجہؑ! آپؑ کس سے باتیں کر رہی تھیں؟ حضرت خدیجہ طاہرہؑ نے جواب دیا: وہ جنین جو میرے شکم میں وہ مجھ سے باتیں کرتی ہے۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا: اے خدیجہؑ! جبرئیل امینؑ نے مجھے اس جنین کی خبر دی ہے کہ وہ بیٹی ہے اور معصوم ائمہؑ کی ماں ہوں گی۔ خداوند تعالیٰ انھی میں سے میری نسل کو آگے بڑھائے گا۔ سلسلۂ وحی کے منقطع ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ ان کی اولاد میں سے یکے بعد دیگرے زمین پر اپنے خلفاء معین کرے گا۔

پھر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اُن چار خواتین کا ذکر فرمایا، جو وقتِ ولادت جنابِ خدیجۃ الکبریٰ کے پاس آئیں تھیں اور اُنھوں نے ولادت کے موقع پر جنابِ خدیجہؑ کی مدد کی تھی۔ پھر آپؑ نے فرمایا: حضرت خدیجہ طاہرہؑ نے حضرت سیدہ فاطمہ زہراؑ کو جنم دیا۔ جب سیدہ زمین پر آئیں تو اس آفتابِ عصمت و طہارت سے وہ نُور پھوٹا جس نے مکہ کے تمام گھروں کو منور کر دیا۔

اُدھر جنت سے حُور العین کا کاروان زمین کی طرف رواں دواں ہوا۔ ان میں سے ہر ایک کے پاس ایک طشت تھا اور ایک برتن تھا، جو آبِ کوثر سے چھلک رہا تھا۔ انھوں نے آبِ کوثر سے شہزادی کو غسل دیا۔ ان کے پاس دو سفید کپڑے کے ٹکڑے تھے، جن کی سفیدی دودھ سے زیادہ سفید تھی جن کی خوشبو مشک و عنبر سے کہیں بڑھ کر تھی۔ وہ دونوں کپڑے شہزادیٔ جنت کو پہنا دیے گئے۔ پھر اُنھوں نے کہا: اب وہ گفتگو کرے۔ اِدھر شہزادی نے اپنے نُورانی لبوں کو کھولا اور فرمایا:

اَشْهَدُ اَن لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَنَّ اَبِي رَسُولِ اللهِ سَيِّدُ الْاَنْبِيَاءِ وَاَنَّ بَعَلِي سَيِّدُ الْاَوْصِيَاءِ وَوَلَدِي سَادَةُ الْاَسْبَاطِ

"میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، اور میرے بابا اللہ کے رسولؐ ہیں اور تمام انبیاءؑ کے سرتاج ہیں اور میرے شوہر اوصیاءؑ کے سردار ہیں اور میرے دونوں بیٹے پیغمبرؐ کی اولاد کے سیّد و سردار ہیں"۔

بعدازیں آپؑ نے ان خواتینِ اسلام و ایمان کی طرف رُخِ انور کیا۔ ان میں سے ہر ایک کا نام لے کر اُن پر سلام کیا۔ اُدھر آسمانوں پر نُورانی جشن کا سماں تھا۔ آسمانی مخلوق سیّدہ کی ولادت پر ایک دوسرے کو مبارک و تہنیت پیش کر رہے تھے۔ اُس دن آسمانوں کو اس قدر قدرتی قمقموں سے چراغاں اور منور کیا گیا تھا کہ اس سے پہلے ایسا منظر فرشتوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ آخر میں ان بہشتی خواتین نے سیّدہ خدیجہ طاہرہؑ کو حضرت فاطمہ زہراؑ کی ولادت کی مبارک ان نُورانی الفاظ میں پیش کی:

خُذِيهَا يَا خَدِيجَةُ طَاهِرَةً مُطَهَّرَةً زَكِيَّةً مَيْمُونَةً بُورِكَ فِيهَا وَفِي نَسْلِهَا

"جی ہاں! اے سیّدہ خدیجہ! اپنی اس شہزادی کو تھامو، جو طیب و طاہر شہزادی ہے۔ اللہ نے اسے اور اس کی اولاد کو پُربرکت بنایا ہے"۔ (بحار، ج۱۶، ص ۸۰)

جنابِ خدیجہؑ نے خوشی و مسرت کے ساتھ اپنی اس ملکوتی شہزادی کو اپنی پاک و پاکیزہ گود میں اُٹھایا اور اپنے امین سینے سے لگایا۔ (بحارالانوار: ج۴۳، ص ۲)

ابنِ عساکر نے تاریخ کبیر میں لکھا ہے کہ جنابِ خدیجہ طاہرہؑ کا معمول تھا کہ جب اُن کے ہاں بچہ پیدا ہوتا تو آپ اس بچے کو دودھ پلانے کے لیے کسی اچھی سی دایہ کا انتخاب کرتی تھیں، لیکن جب ان کے ہاں سیّدہ فاطمہؑ کی ولادت ہوئی تو اُنھوں نے اُنھیں اپنا دودھ پلایا، کسی دایہ کے حوالے نہ کیا۔

ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ اس روایت کو نقل کیا ہے۔

نام گزاری

نوزاد اور نو رسیدہ کا نام رکھنا حقیقت میں سنتِ پروردگار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ اور حضرت حوا کو خلق فرمایا تو اُن کی تخلیق کے بعد اُن کے نام تجویز فرمائے۔

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا

"حضرت آدمؑ کو تمام اسماء کی تعلیم فرمائی"۔

جہاں کہیں بھی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اس سنت اور اس کی سیرت کی پیروی کر رہا ہے۔ اسی بنیاد پر ایک مہذب معاشرے میں نام گزاری ایک لازمہ قرار دیا گیا ہے۔ شاید کہ نیم وحشی انسان جو تہذیب و تمدن سے بہت دُور رہتے ہیں وہ نام گزاری اور اس کی اہمیت سے نہ آشنا ہوں کہ مسمّٰی کے اسم کی اہمیت کیا ہے اور اسم کے مسمّٰی پر کیا اثرات مترتب ہوتے ہیں؟

جب تاریخ کے دور ترین جھروکوں میں نگاہ ڈالی جاتی ہے تو وہاں انسانی اسماء میں اختلاف نظر آتا ہے۔ کہیں اسم اور مسمّٰی کے درمیان مناسبت نظر آتی ہے اور کہیں یہ مناسبت نظر نہیں آتی۔ کسی دور کے اسماء معنی و مفہوم پر مشتمل ہیں اور کچھ ایسے تاریخی اَدوار بھی گزرے ہیں جن میں اِسم اور مسمّٰی کے درمیان مناسبت کا کوئی تصور نظر نہیں آتا۔ ان لوگوں نے معانی و مفاہیم سے ہٹ کر اسماء استعمال کیے۔ لیکن اولیاء اللہ اور اُس کے خاص بندوں کی نگاہ میں نام اور نام گزاری کی خاص اہمیت ہے۔ جی ہاں! یہ امر حقیقت سے خالی نہیں ہے کیونکہ جب انسان کو پکارا اور بلایا جاتا ہے تو اُسے اس کے نام کے ساتھ ہی پکارا جاتا ہے۔ ایک خوب صورت اور بامعنی نام اور ایک بدصورت اور بے معنی نام کے درمیان زمین و آسمان کے فاصلوں کا فرق ہے۔ جب اِسم کے مسمّٰی پر اثرات کے عنوان کو دیکھا جاتا ہے تو اچھے اور بُرے نام کے درمیان مقابلے کی کوئی حقیقت ہی نظر نہیں آتی۔

یہی وجہ تھی جب حضرت عمران کی زوجہ نے بیٹی کو جنم دیا تو فرمایا: إِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ "میں نے اپنی اس بچی کا نام مریمؑ رکھا ہے"۔

ابھی حضرت یحییٰ نبیؑ کا نطفہ اُن کی والدہ محترمہ کے پاک رحم میں منعقد ہی نہیں ہوا تھا کہ خود اللہ نے ان کا نام یحییٰ تجویز فرما دیا تھا۔

جب حضرت زکریاؑ نے بارگاہِ ربوبیت میں دُعا مانگی تھی:

فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ○ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ○

"اے میرے پروردگار! اپنی بے کراں قدرت سے مجھے اپنی طرف سے فرزند و جانشین عطا فرما کہ جو میرا اور یعقوبؑ کے خاندان کا وارث ہو اور اُسے میرے پروردگار کا پسندیدہ فرما"۔

(مریم: آیہ ۵، ۶)

حضرت زکریا علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملا:

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ِۨاسْمُهٗ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا

"اے زکریاؑ! ہم آپؑ کو ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰؑ ہے۔ اس سے پہلے ہم نے کسی کو اس کا ہم نام نہیں بنایا"۔ (مریم: آیہ ۷)

جی ہاں! اگر آپ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں غور و خوض کریں: لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا "ہم نے اس سے پہلے کسی کو اس کا ہم نام نہیں بنایا"۔

آپ پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ اللہ تعالیٰ اپنے ولیوں کے اسماء خود تجویز فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اسماء کو ان کے والدین پر نہیں چھوڑتا کہ وہ خود اُس کے ولی کا نام تجویز کریں۔

خاتونِ جنت کے اسمائے مبارکہ

قرآنِ کریم کی حقیقت کا مطالعہ کر لینے کے بعد اب میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ تھوڑا سا میرے ساتھ چلیے۔ اسلامی مصادر میں کثرت کے ساتھ ایسی احادیث موجود ہیں جن میں حضرت فاطمہ زہراؑ کے اسمائے گرامی کا تذکرہ ہے۔ ان احادیث میں شہزادی کے جن اسماء کا ذکر ہے۔ ان اسماء میں اسباب و مناسبات ہیں، جن کی بنا پر خاتونِ جنت کے مسمّٰی کے ساتھ اُنھیں مربوط کیا گیا۔ آپؑ کے یہ تمام اسماء بغیر کسی مناسبت اور برنامہ کے تجویز نہیں کیے گئے تھے، بلکہ یہ معنویت و حقیقت سے بھرپور اسماء اس پاکیزہ مسمّٰی کے لیے اس لیے تجویز ہوئے تھے کہ اس مسمّٰی اور ان کے درمیان مناسبت اور ہم آہنگی تھی۔ ان اسماء میں سے ہر اسم اپنے اس مسمّٰی پر ہر پہلو سے صادق آتا ہے۔

درج ذیل احادیث ہماری اس بحث کی تائید کے لیے کافی ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

لِفَاطِمَہ تِسْعَۃُ اَسْمَاءٍ عِنْدَ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ فَاطِمَۃُ وَالصِّدِّیْقَۃُ وَالْمُبَارَکَۃُ وَالطَّاھِرَۃُ وَالزَّکِیَّۃُ وَالرَّاضِیَۃُ وَالْمَرْضِیَّۃُ وَالْمُحَدَّثَۃُ وَالزَّھْرَاءُ.....

"بارگاہِ خداوندی میں خاتونِ جنت حضرت فاطمہ زہراؑ کے نو نام ہیں: فاطمہ، صدیقہ، مبارکہ، طاہرہ، زکیہ، راضیہ، مرضیہ، محدثہ اور زہراؑ"۔ (بحار، ج ۴۳، ص ۱۰)

اب ہم ان اسماء میں سے ہر اسم کی مختصر شرح کرتے ہیں۔

اسمائے مبارکہ کے راز

شہزادیٔ کونینؑ ایک ہمہ پہلو شخصیت تھیں۔ وہ مختلف ملکوتی صفات سے متصف تھیں۔ اُنھی صفات کی مناسبت سے آپؑ کو یہ اسماء عطا ہوئے۔ اس مورد میں کثرت کے ساتھ احادیث موجود ہیں۔

فاطمہ: الفطم سے مشتق ہے جس کا معنی قطع کرنا ہے۔ جیسا کہ کلامِ عرب میں جملہ موجود ہے: فُطِمَتِ الاُمُّ طِفلَھَا "ماں نے بچے کا دودھ چھڑا دیا"۔ وَفُطِمَتِ الحَبلُ "رسّی توڑ ڈالی گئی"۔

علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں: بہت سے مقامات پر اسمِ فاعل اسمِ مفعول کے معنی میں آتا ہے جیسے کاتم یعنی مکتوم (پوشیدہ بات) مکان عامر یعنی "معمور" (آباد جگہ)۔ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: فِی عِیشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ۔ رَاضِیَۃٌ اسمِ فاعل مرضیہ اسمِ مفعول کا معنی دیتا ہے۔

اب ان احادیث کا مطالعہ فرمائیں جو اسمِ فاطمہ کی تشریح کرتی ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے کہ جبرئیل امینؑ ان کے پاس آئے اور یہ پیغام دیا:

لِاَنَّھَا فَطَمَتْ شِیْعَتَھَا مِنَ النَّارِ

"آپؐ کی اس عظیم بیٹی کا نام زمین پر فاطمہؑ اس لیے رکھا گیا کیونکہ وہ قیامت کے دن اپنے پیروکاروں کو جہنم سے نجات دلانے والی ہیں"۔ (بحارالانوار، ج ۴۳، ص ۱۸)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ زہراؑ سے فرمایا:

یَا فَاطِمَۃُ أَتَدرِیْنَ لِمَ سُمِّیَتَ فَاطِمَۃُ؟

"اے میری شہزادی فاطمہؑ! کیا آپؑ کو معلوم ہے کہ آپؑ کا نام فاطمہؑ کیوں رکھا گیا ہے؟"

حضرت علی علیہ السلام وہاں تشریف فرما تھے، اُنھوں نے عرض کیا: آپؐ ارشاد فرمائیں کہ فاطمہؑ کا نام فاطمہؑ کیوں رکھا گیا ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لِاَنَّهَا فُطِمَتْ هِيَ شِيْعَتُهَا مِنَ النَّارِ

"اس لیے اس کا نام فاطمہؑ ہے کیونکہ آپؑ اور آپؑ کے پیروکاران جہنم کی آگ سے محفوظ و مامون رہیں"۔ (1)

ایک اور حدیث ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

لِاَنَّ اللّٰهَ فَطَمَهَا وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ النَّارِ، مَنْ لَقِيَ اللّٰهَ مِنْهُمْ بِالتَّوْحِيْدِ وَالْاِيْمَانِ لِمَا جِئْتُ بِهٖ

"ان کا نام اس لیے فاطمہؑ رکھا گیا ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ نے اُنھیں اور اُن کی اولاد کو، جس نے اللہ سے اس حالت میں ملاقات کی کہ وہ اس کی وحدانیت پر اور جو کچھ میں نے پیش کیا ہے اس پر ایمان رکھتے ہوں گے، جہنم سے محفوظ کردے گا"۔ (بحارالانوار: ج ۴۳)

قندوزی حنفی نے ابوہریرہ سے اور اُس نے رسول اللہؐ سے سنا کہ آپؐ نے فرمایا:

اِنَّمَا سُمِّيَتْ اِبْنَتِيْ فَاطِمَةَ لِاَنَّ اللّٰهَ فَطَمَهَا وَذُرِّيَّتَهَا وَمُحِبِّيْهَا مِنَ النَّارِ

"میں نے اپنی شہزادی کا نام فاطمہؑ اس لیے رکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے اور اُس کی اولاد اور اُس کے محبوں کو جہنم کی آگ سے محفوظ کردیا ہے"۔ (تاریخ بغداد: ج ۱۲، ص ۳۳۱، ذخائر العقبیٰ: ص ۲۶، کنزالعمال: ج ۱۳، ص ۹۴، فیض القدیر: ج ۱، ص ۶)

پانچویں امام محمد باقر علیہ السلام کا فرمان ہے: قیامت کے دن خاتونِ جنت وجہنم کے دروازے کے قریب تشریف لائیں گی اور بارگاہِ ربوبیت میں عرض کریں گی:

اِلٰهِيْ وَسَيِّدِيْ، سَمَّيْتَنِيْ فَاطِمَةَ وَفَطَمْتَ بِيْ مَنْ تَوَلَّانِيْ وَتَوَلّٰى ذُرِّيَّتِيْ مِنَ النَّارِ، وَوَعْدُكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادِ

"اے میرے معبودِ برحق! اے میرے سیّد و سالار! تو نے میرا نام فاطمہؑ رکھا ہے اور تو

(1) بحارالانوار: ج ۴۳، ص ۴۔ محب الدین طبری نے ذخائر العقبیٰ کے ص ۲۶ پر نقل کیا ہے۔ قندوزی حنفی، ینابیع المودۃ: ص ۱۹۴، صفوری شافعی نزہت المجالس، خرکوشی، شرف النبی، ابن بطہ، الامانت۔

نے اپنی محبت خاص سے مجھے اور مجھ سے اور میری اولاد سے محبت کرنے والوں کو جہنم کی آگ سے امان دی ہے۔ اے میرے اللہ! تیرا وعدہ حق ہے اور تُو اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا"۔

اُسی وقت خداوند تعالیٰ کی طرف سے جواب آئے گا: اے فاطمہؑ! تم نے سچ کہا ہے۔ میں نے تیرا یہ نام اس لیے رکھا کہ میں نے تجھے اور تیرے پیروکاروں اور تیری اولاد کے پیروکاروں کو جہنم کی آگ سے محفوظ و مامون کر دیا ہے۔ میرا وعدہ سچا ہے اور میں وعدہ خلافی نہیں کرتا"۔ (بحارالانوار، ج ۴۳، ص ۱۵)

گناہوں اور ناپسندیدہ اُمور سے امان

راوی کہتا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: تجھے معلوم ہے کہ اسم فاطمہ کی تفسیر کیا ہے؟

میں نے عرض کیا: اے میرے سردار! ارشاد فرمائیے۔

آپؑ نے فرمایا: اسم فاطمہ کا معنی ہے کہ جسے ہر ناپسندیدہ امر سے محفوظ کر دیا گیا ہو۔

پھر آپؑ نے فرمایا: اگر امیر المومنین امام علی علیہ السلام نہ ہوتے تو روئے زمین پر بنی آدم میں سے قیامت تک ان کا کفو نہ ہوتا۔ (بحارالانوار، ج ۴۳، ص ۱۶)

علمائے اہل سنت کے بہت سے علماء نے اس حدیث کو بیان کیا ہے۔ ان میں سے ابن شیرویہ دیلمی نے حضرت اُم سلمہؓ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَو لَم یَخلُقِ اللهُ عَلِیًّا لَمَا کَانَ لِفَاطِمَةَ کُفوٌ

"اگر اللہ تعالیٰ امام علی علیہ السلام کو خلق نہ کرتا تو فاطمہ زہراؑ کے لیے کفو نہ ہوتا"۔

اسی مطلب کو خوارزمی نے "مقتل الحسین" میں، محدث ترمذی نے مناقب میں، مناوی نے کنوز الحقائق میں، قندوزی نے ینابیع المودۃ میں حضرت اُم سلمہؓ سے روایت کی ہے اور حضرت اُم سلمہؓ نے رسول اللہؐ کے چچا حضرت عباس سے سنا۔

فوائد معرفت

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے: حضرت فاطمہ زہراؑ کا نام فاطمہؑ اس لیے رکھا گیا کہ اللہ کی مخلوق اُن کی معرفت کے حصول کے بعد جہنم سے نجات پائے گی۔

امتیازات

لِاَنَّ اللّٰہَ فَطَمَھَا بِالْعِلْم

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جس وقت خاتونِ جنت حضرت فاطمہ علیہا السلام پیدا ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کی طرف وحی فرمائی کہ اسمِ فاطمہ کو پیغمبرِ خدا کی زبان پر جاری کرے۔ یہی وجہ تھی کہ پیغمبرِ خدا نے اپنی دختر کا اسم فاطمہ رکھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے خاتونِ جنت کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا: میں نے تجھے علم و دانش سے نوازا ہے اور تجھے دوسروں سے جدا کیا ہے اور سبھی لوگوں پر برتری عطا کی ہے اور میں نے تجھے طیب و طاہر بنایا ہے۔ پھر امامؑ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے اُنھیں علم و دانش کی بدولت دوسروں پر شانِ امتیازی عطا کی ہے اور عالمِ ذر سے ہی اُنھیں طاہر و طیب بنایا۔

اسمِ فاطمہ کی بلندیاں

خاندانِ وحی کو اس نام سے بے پناہ محبت تھی۔ وہ اس نام کا احترام کرتے تھے جس خاتون کا بھی یہ نام ہوتا اُس کا بھی احترام کرتے۔

(الف) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے ایک صحابی سے پوچھا: اگر اللہ آپ کو دختر عطا کرے تو اس کا کیا نام رکھے گا؟

اُس نے عرض کیا: میں اس کا نام فاطمہؑ رکھوں گا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا تُو فاطمہؑ رکھے گا؟ خدا فاطمہؑ پر درود و سلام بھیجے۔ اگر تو اس کا نام فاطمہؑ رکھے تو پھر خیال رکھنا اُسے طمانچہ نہ مارنا اور اُسے گالیاں مت دینا، بلکہ اس کا احترام کرنا۔

(ب) سکونی سے روایت ہے کہ میں حیرانی و پریشانی کی صورت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ اُنھوں نے فرمایا: اے سکونی! خیر ہے کیوں پریشان ہے؟

سکونی کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا: میرے ہاں بیٹی پیدا ہوئی ہے۔

آپؑ نے فرمایا: تُو نے اس کا نام کیا رکھا ہے؟

میں نے عرض کیا: میں نے اُس کا نام فاطمہ رکھا ہے۔

آپؑ نے فرمایا: آہ، آہ، آہ! پھر فرمایا: اگر تُو نے اُس کا نام فاطمہ رکھا ہے تو اُسے کبھی گالی نہ دینا، اس پر لعنت

نہ کرنا اور اُسے مت مارنا۔

(ج) حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا فرمان ہے:

لَا یَدْخُلُ الْفَقْرُ بَیْتًا فِیْهِ اِسْمُ مُحَمَّدٍ وَفَاطِمَةَ مِنَ النِّسَاءِ (سفینۃ البحار)

"اس گھر میں فقر داخل نہیں ہوتا کہ جس گھر میں محمدؐ و فاطمہؑ نام کے افراد ہوں"۔

عالمِ ذر

پچھلے صفحات میں حدیث موجود ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

"اللہ کی قسم! خداوند تعالیٰ نے حضرت فاطمہؑ کو عالمِ میثاق میں پاک و پاکیزہ خلق فرمایا۔ اُنھیں ہر قسم کے ناپسندیدہ اُمور سے پاک پیدا کیا"۔

اس حدیث میں کلمۂ میثاق سے مراد عالمِ ذر ہے۔ یہ وہ عالم ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے بنوآدمؑ کی پشت میں اُس کی نسل رکھی اور پھر ان سے گواہی لیتے ہوئے فرمایا:

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى! (سورۂ اعراف: آیت ۱۷۲)

"کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں؟ اُن سب نے کہا: کیوں نہیں تو ہی ہمارا رب ہے"۔

اس روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی نسل کو جنابِ آدمؑ کی صُلب سے نکالا، حالانکہ وہ اس وقت ذرۂ ناچیز تھے۔ پھر اُنھیں حضرت آدمؑ پر پیش کیا اور فرمایا: میں ان سے میثاق لینے والا ہوں کہ وہ میری عبادت کریں گے اور میرا شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ اُن کے رزق کا میں ضامن ہوں۔

پھر اُن سب نے فرمایا: کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں؟ ان سب نے کہا: جی ہاں آپ ہی ہمارا رب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمام ملائکہ سے فرمایا: ان کی اس شہادت پر گواہ رہنا۔ اُنھوں نے عرض کیا: ہم گواہ ہیں۔

اس مورد میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اولادِ آدمؑ کو جب عالمِ میثاق میں حاضر کیا تھا تو وہ اس وقت فہم و عقل رکھتے تھے۔ اُنھوں نے الٰہی خطاب سنا اور سمجھا۔ پھر اُنھیں صُلبِ آدمؑ میں رکھا۔ تمام لوگ محبوس ہیں۔ خداوند تعالیٰ اپنی مرضی کے ساتھ جسے چاہتا ہے اُسے اُس زمانے میں حاضر کر دیتا ہے۔ وہ جب دنیا میں آتے ہیں اگر وہ اسلام اور اُس کے احکام کو اپناتے ہیں تو اُنھیں اوّلین فطرت پر سمجھا جاتا ہے۔ اگر وہ کفر کو اپناتے ہیں تو وہ درحقیقت فطرتِ اُولیٰ کو جھٹلاتے ہیں۔

یہ ان احادیث کا خلاصہ ہے جو عالمِ ذر یا عالمِ میثاق کے مضامین پر مبنی ہیں۔ اس عالم کو عالمِ ذر یا عالمِ میثاق کا نام دیا گیا ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنے کلام میں اس بات کی طرف اشارہ فرمایا: صدیقہ طاہرہ فاطمہ زہراؑ اس دن سے ماہانہ عادت سے پاک و پاکیزہ تھیں۔

عالمِ ذر

عالمِ ذر کا ذکر بہت سی احادیث میں موجود ہے۔ ہم یہاں چند ایک کا ذکر تبرک کے طور پر رقم کرتے ہیں:

① اُصولِ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ آپؐ کو اولادِ آدمؑ پر کس وجہ سے فضیلت حاصل ہے؟

آپؐ نے فرمایا: میں ہی سب سے پہلا فرد ہوں کہ جس نے اپنے رب کا اقرار کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاءؑ سے میثاق لیا تھا اور اُنھیں اس پر گواہ بناتے ہوئے فرمایا تھا: اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ؟ "کیا میں تمھارا پروردگار نہیں ہوں؟" قَالُوْا بَلٰى! "اُن سب نے پکار کر کہا: جی ہاں! تو ہی ہمارا پروردگار ہے"۔ سب سے پہلے میں نے جواب دیا تھا۔

② ابوبصیرؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: جب سب لوگ عالمِ ذر میں تھے تو اُن لوگوں نے کس طرح جواب دیا تھا، حالانکہ وہ اُس وقت ذرّہ کی صورت میں تھے۔

آپؑ نے فرمایا: خداوند تعالیٰ نے اُنھیں قدرت عطا کی وہ جس صورت میں سوال کو دریافت کریں اس صورت میں اس سوال کا جواب دیں۔

③ زرارہؒ نے بھی سوال حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ اس آیت: وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ (سورۂ اعراف: آیت ۱۷۲) کا معنی کیا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: خداوند تعالیٰ نے نسلِ آدمؑ کو قیامت کے دن تک اس کی پشت سے خارج کیا حالانکہ وہ ذرّہ کے مانند تھے اور اُنھیں اپنی شناخت کرائی۔ اگر ایسا نہ ہوتا کوئی بھی اپنے پروردگار کو نہ پہچان سکتا۔

④ جب حضرت عمر مناسکِ حج سے فارغ ہو کر حجرِ اسود پر پہنچے اور اُسے مَس کیا اور کہا: خدا کی قسم! میں جانتا ہوں کہ تُو پتھر ہے، نہ نفع دے سکتا ہے اور نہ نقصان۔ اگر پیغمبرِ اسلام نے تجھے مَس نہ کیا ہوتا تو میں تجھے مَس نہ کرتا۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے جب حضرت عمرؓ کی یہ بات سنی تو فرمایا: اے ابوحفص! ایسی بات مت کہہ، پیغمبرؐ اس پتھر کی حقیقت کے عالم تھے اس لیے آپؐ اسے مس کرتے تھے۔ اگر تم قرآن کو غور سے پڑھو اور اس کی تفسیر و تاویل کو سمجھو تو تمھیں معلوم ہو یہ پتھر فائدہ بھی دیتا ہے اور نقصان بھی۔ اس کی دو آنکھیں، دو ہونٹ اور بولنے والی زبان ہے۔ جو شخص عہد کی پاسداری کرتا ہے تو وہ اُس کے حق میں گواہی دے گا۔

حضرت عمرؓ نے کہا: اے ابوالحسنؑ! آپؑ اس امر کو میرے لیے قرآن سے ثابت کیجیے۔

حضرت امام علی علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا (سورۂ اعراف: آیت ۱۷۲)

"اور جب آپؐ کے رب نے اولادِ آدمؑ کی پشتوں سے اُن کی نسل کو نکالا تھا اور ان پر خود انھیں گواہ بنا کر پوچھا تھا: کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا تھا: تو ہمارا رب ہے، ہم اس کی گواہی دیتے ہیں"۔

جب اللہ کے نیک بندوں نے اس کی اطاعت کا اقرار کیا کہ وہ ان کا پروردگار ہے اور وہ اس کے بندے ہیں تو خداوند متعال نے ان سے بیت اللہ کی زیارت کا عہد لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے پانی سے زیادہ باریک کاغذ خلق فرمایا۔ قلم سے کہا: میرے ان بندوں کی زیارتِ کعبہ کی حاضری کو لکھ لے۔ اس وقت قلم نے بندگانِ خدا کی حاضری کو لکھ لیا۔ اس وقت اس حجر کو کہہ دیا گیا تھا کہ وہ اپنے منہ کو کھولے۔ حجرِ اسود نے اپنے منہ کو کھولا اور اللہ کے حکم سے اس خط کو نگل لیا۔ پھر اس سے کہا گیا کہ اسے محفوظ رکھنا اور جب وہ میرے بندے کعبہ کی زیارت کے لیے آئیں گے تو ان پر گواہ رہنا اور ان کے حق میں گواہی دینا۔ حجرِ اسود انتہائی اطاعت کے ساتھ نازل ہوا اور اسی جگہ آ کر ٹھہرا۔

اے عمرؓ! کیا اب بھی تو جب اس کے پاس آئے اور اسے مس کرے تو یہ کلمات نہیں کہے گا؟

اَمَانَتِی أَدَّیْتُهَا، وَمِیثَاقِی تَعَاهَدْتُهُ

"میں نے اپنی امانت ادا کر دی ہے اور اپنے عہد کو پورا کیا ہے، تاکہ یہ پتھر میری اس زیارت کی گواہی دیں گے"۔

حضرت عمرؓ نے عرض کیا: خدا کی قسم! میں ایسا کروں گا۔

جنابِ امیر علیہ السلام نے فرمایا: یہ وہی پیمانِ فطرت ہے۔

قارئینِ عزیز! اگر آپ اصولِ کافی، بحار اور دوسری روائی کتب کی طرف رجوع فرمائیں تو عالمِ ذر پر کثرت کے ساتھ روایات ان کتب میں موجود ہیں۔ ہمارے بعض علماء پر یہ حقیقت پوشیدہ تھی، جس کی وجہ سے وہ اس آیت کے پیغام کو نہیں سمجھ پائے تھے۔ جس کی وجہ سے وہ ان احادیث میں شکوک وشبہات کرنے لگے تھے، حالانکہ اس ضمن میں کثرت کے ساتھ احادیث موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے درگزر فرمائے۔

کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ عالمِ ذر عالمِ میثاق ہے۔ اس عالم سے بلکہ اس سے قبل رسولؐ اللہ اور اُن کی اہلِ بیت اطہارؑ اور اُن سب میں سے ان کی طاہرہ بیٹی حضرت فاطمہ زہراؑ کی فضیلت ثابت ہے۔

اے قاری عزیز! اس حقیقت کی قبولیت آپ کے لیے گراں خاطر نہ ہو، اسلامی مصادر میں کثرت کے ساتھ احادیث موجود ہیں جنھیں شیعہ اور سُنّی دونوں مکاتبِ فکر کے علماء نے روایت کیا ہے۔ یہ تمام روایات تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں اور اس موضوع کی تائید کرتی ہیں۔

یہ احادیث مذکورہ جو شیعہ کتب میں مذکور ہیں ان کا شمار ہی مشکل ہے۔ جہاں اہلِ سنت کے علماء کی بات ہے ان میں سے صفوری شافعی نے نزہت المجالس، ج ۲، ص ۲۲۳ پر ذکر کیا ہے۔

کسائی اور دوسرے علمائے اہلِ سنت نے اس روایت کو نقل کیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو خلق فرمایا تو بہشت میں جنابِ آدمؑ کی نگاہ ایک حُسن و جمال کی پیکر خاتون پر پڑی، جس کی زیبائی اور درخشندگی ناقابلِ بیان تھی۔ جس کے سر پر سونے کا تاج تھا اور وہ زر و جواہر سے مرصع تھا۔ آدمؑ کو بہشت میں اُس سے حسین تر کوئی اور نظر نہ آیا۔ حضرت آدمؑ نے بارگاہِ ربوبیت میں عرض کیا: اے میرے پروردگار! یہ ہستی کون ہے؟

حضرت آدمؑ کو جواب دیا گیا کہ یہ آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دختر ہیں۔

جنابِ آدمؑ نے عرض کیا: پروردگارا! اس بیٹی کا شوہر کون ہے؟

اُس وقت جنابِ جبرئیلؑ کو کہا گیا کہ تم حضرت آدمؑ کے لیے یاقوتی قصر کو کھولو۔ جب جنابِ جبرئیلؑ نے اُسے کھولا تو اُس میں کافور کا قبہ نظر آیا۔ اس میں سونے کا تخت بچھا ہوا تھا اور اس تخت پر حُسن و جمال کا پیکر نوجوان نظر آیا جو حُسن وخوبصورتی میں حضرت یوسفؑ سے بڑھ کر تھا۔

اس وقت حضرت آدمؑ نے پوچھا: پروردگارا! یہ جوان کون ہے؟

جواب آیا: یہ حسین وجمیل نوجوان فاطمہ طاہرہؑ کا شوہر ہے۔ (نزہت المجالس، ج ۲، ص ۲۲۳)

علامہ عسقلانی نے اس روایت کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہے کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے روایت ہے کہ

پیغمبرِ خدا نے فرمایا: جس وقت اللہ نے حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کو خلق فرمایا تو وہ دونوں جنت میں خراماں خراماں چل رہے تھے۔ اُنھوں نے ایک دوسرے سے کہا: ہم سے زیادہ بھی کوئی خوبصورت ہوگا؟ اسی وقت اچانک ان دونوں کی نگاہ ایک دوشیزہ پر پڑی۔ اس قدر حُسن و جمال اُنھوں نے دیکھا ہی نہیں تھا۔ اس کے چہرے سے نور برس رہا تھا۔ اُس کے نور کی درخشانی نے ان کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا تھا۔ ان دونوں نے بارگاہِ ربوبیت میں عرض کیا: اے پروردگارا یہ عظیم الشان پیکرِ جمال و وقار بی بی کون ہے؟

جواب دیا گیا: یہ سیّدہ نساء العالمین حضرت فاطمہ زہراؑ ہیں۔

اُنھوں نے عرض کیا: اے پروردگارا اس کے سر پر جو ضوفشاں تاج ہے وہ کیا ہے؟

پیام آیا یہ ان کے رفیقِ حیات امام علی علیہ السلام ہیں۔

اُنھوں نے پوچھا: ان کے کانوں میں حسین و جمیل گوشوارے کیا ہیں؟

جواب آیا: اُس کے عظیم الشان دونوں فرزند ہیں۔ ایک کا نام حسنِ مجتبیٰؑ ہے اور دوسرے کا نام حسینؑ ہے۔ اے آدمؑ! میری تخلیق سے دو ہزار سال قبل یہ سیمای پُرشکوہ میرے مخفی علم میں موجود تھی۔ (لسان المیزان، ج ۲، ص ۳۶۴)

صدیقہ

اس عظمتوں کی پیکر خاتون کا اسم "صدیقہ" بھی ہے۔ صدیقہ اُسے کہا جاتا ہے جو مجسم صداقت ہو۔ اس کلمہ کے صاد کے نیچے کسرہ ہے اور اس کا حرف "دال" مشدد ہے۔ مبالغہ کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے صداقت کی کثرت۔

صدیق میں معنی کی کثرت صدوق سے زیادہ پائی جاتی ہے۔

① ایک قول ہے کہ صدیق کا معنی ہے جس میں سچائی کثرت کے ساتھ ہو۔

② ایک اور قول کے مطابق اس کا معنی ہے جو کبھی جھوٹ نہ بولے۔

③ بعض نے کہا ہے: صدیق کا مفہوم اس فرد پر صادق آتا ہے جس میں صداقت کمال کی حد تک ہو۔ اس کی گفتار کی تصدیق اس کی رفتار سے ہو، وہ سراپائے نیکی ہو۔

④ صدیق کا یہ معنی بھی ہے کہ صدیق وہ ہوتا ہے جس کی عادت و فطرت میں سچ رچ بس گیا ہو، اس سے جھوٹ کا تصور تک بھی نہ کیا جائے۔

⑤ کسی نے کہا: صدیق وہ ہوتا ہے جس کا قول و عقیدہ صداقت پر مبنی ہو اور وہ عمل کے ساتھ اپنی اس صداقت کو

ثابت کر دکھائے۔ "تاج العروس" میں صدیق کی یہی تشریح موجود ہے۔

۶) ایک اور قول کے مطابق صدیق اُسے کہا جاتا ہے جو حق و عدالت کو پسند کرے اور پھر اپنی گفتار اور عمل سے اُس کی گواہی دے۔

۷) ایک اور قول ہے: صدیق کا مصداق وہ فرد ہے جس کی راستی اور راست گوئی سیرت اور عادت بن جائے۔

۸) بعض علماء نے لکھا ہے کہ صدیق اُسے کہا جاتا ہے جو کچھ اللہ نے فرمایا ہے اُسے قبول کرے اور اُسے جو کچھ اس کے انبیاء کی طرف سے ملا ہے اس پر ایمان لائے۔ اس کے دل میں کوئی شک باقی نہ رہے۔ اس قول کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ہوتی ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ (سورۂ حدید: آیت ۱۹)

"جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے ہیں وہی صدیق ہیں"۔

قرآنِ مجید اور صدیقین کا مقام

مندرجہ بالا تمام تعاریف صدیق کے معنی پر مشتمل ہیں۔ علاوہ ازیں کثرت کے ساتھ آیات اور روایات موجود ہیں ان سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ صدیقین کا مرتبہ انبیاء و شہداء کے مراتب کی مانند ہے۔ یہ لوگ خصوصی منزلت و عظمت کے مالک ہیں۔ نمونے کے لیے چند آیات حاضر ہیں:

۱) وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (سورۂ نساء: آیت ۶۹)

"اور جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرے وہ انبیاء، صدیقین، گواہوں اور صالحین کے ساتھ ہوگا، جن پر اللہ نے انعام کیا ہے اور یہ لوگ کیا ہی اچھے رفیق ہیں"۔

۲) وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا (سورۂ مریم: آیت ۴۱)

"اور اس کتاب میں ابراہیمؑ کا ذکر کیجیے یقیناً وہ بڑے سچے نبی تھے"۔

۳) وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا (سورۂ مریم: آیت ۵۶)

"اور اس کتاب میں ادریسؑ کا ذکر کیجیے یقیناً وہ بڑے سچے نبیؑ تھے"۔

۴) مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ (سورۂ مائدہ: آیت ۷۵)

"مسیح بن مریم تو صرف اللہ کے رسولؑ ہیں۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں اور ان کی والدہ صدیقہ خاتون تھیں"۔

بعض مفسرین نے وَ اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ کی تفسیر میں کہا ہے کہ اُنھیں صدیقہ اس لیے کہا گیا کیونکہ اُنھوں نے اپنے پروردگار کی آیات کی اور اپنے بیٹے کے مقام کی تصدیق کی تھی۔ جن اُمور کی اُنھیں خبر دی گئی تھی۔ ان اُمور کی بھی اُنھوں نے تصدیق کی تھی۔ خداوند تعالیٰ نے ایک دوسری آیت اس حقیقت کی نشاندہی فرمائی:

۞ وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا (سورۂ تحریم: آیت ۱۲)

"اس نے اپنے پروردگار کے کلمات کی تصدیق فرمائی"۔

مراحل تصدیق

جب ان آیات میں غور کیا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ آیات و روایات کی روشنی میں تصدیق و گواہی کے دو مرحلے ہیں:

① کبھی اللہ اور اُس کے پیغمبروںؑ اور کتب سماوی کی گواہی و تصدیق لسانی ہوتی ہے، عملی نہیں ہوتی۔ وہ اس اَمر کی تصدیق کرتا ہے کہ ہر حال میں اللہ کی اُس پر نگاہ ہے، اس کی خلوت و جلوت اس کے آمنے سامنے ہے۔ پھر بھی وہ گناہ و نافرمانی کرتا ہے۔ اُسے یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ کی طرف سے اُس پر حقوق کی ادائیگی واجب ہے، بعض اوقات وہ حقوق مالی ہوتے ہیں اور بعض اوقات غیر مالی ہوتے ہیں، لیکن وہ اُنھیں ادا نہیں کرتا۔ اُسے معلوم ہے کہ اللہ نے شراب، سود، زنا وغیرہ کو حرام قرار دیا ہے، پھر بھی ان برائیوں کو اپناتا ہے۔ وہ آدمی اپنی زبان کے ساتھ اللہ اور اُس کے حلال و حرام اور ثواب و عتاب، جنت و نار کی تصدیق کرتا ہے، لیکن اس کا عمل اُس کی تصدیق کے مطابق نہیں ہے۔ یعنی اُس کی تصدیق اس درجے پر نہیں پہنچی کہ اس کے قول و فعل میں مطابقت پیدا ہو جائے یا اس کے عقیدہ اور عمل کے درمیان موافقت پیدا کردے۔

② لیکن جو صدیق ہوتے ہیں وہ حق کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس پر ایمان لاتے ہیں اور ان عقائد کی روشنی میں عمل کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی تعداد ہر زمانے اور ہر جگہ بہت ہی قلیل رہی ہے۔

قارئین محترم! اب آپ نے ان تعاریف اور لوگوں کے اعمال کے درمیان نسبت پیدا کرلی ہوگی۔ ان وضاحتوں کی روشنی میں آپ نے معلوم کرلیا ہوگا کہ صدیقین کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔ شاید کہ کچھ ایسے شہر بھی ہوں جن

میں ایک صدیق بھی نہ ہو۔

حضرت سیدہ فاطمہ زہراؑ صداقت کی بلندیوں پر

ان تمام تعریفات کی روشنی میں آپ پر صدیق کا مقام واضح ہوگیا ہوگا کہ صدیق کسے کہا جاتا ہے؟ حضرت سیدہ فاطمہ زہراؑ صداقت کی بلندیوں پر تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسولؐ اللہ نے آپ کا اسم گرامی "صدیقہ" رکھا۔ جس طرح ریاض النضرہ، ج ۲، ص ۲۰۲ نے اس حدیث کو نقل کیا ہے کہ

① رسولؐ اللہ نے حضرت امام علی علیہ السلام سے فرمایا:

أُتِيتُ ثَلَاثًا لَم يُؤتِهِنَّ أَحدٌ وَلَا أَنَا

وَأُوتِيتُ صِهرًا مِثْلِي وَلَمْ أُوتِ أَنَا مِثْلِي

وَأُوتِيتَ زَوجَةً صِدِّيقَةً مِثْلَ اِبْنَتِي وَلَم أُوتِ مِثْلَهَا زَوجَةً

وَأُوتِيتَ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ مِن صُلْبِكَ وَلَم أُوتِ مِن صُلبِي مِثْلَهُمَا وَلٰكِنَّكُم مِنِّي وَأَنَا مِنكُمْ

"علیؑ جان! آپؑ کو تین عظیم الشان نعمات عطا ہوئی ہیں۔ اس بھری کائنات میں کسی اور کو عطا نہیں ہوئیں، حتیٰ کہ مجھے بھی نہیں ملیں:

(الف) جس طرح آپؑ کو میرا جیسا سُسر ملا ہے مجھے بھی نہیں ملا۔

(ب) جس قدر عظیم الشان زوجہ (جو میری دختر صدیقہؑ) آپؑ کو ملی ہے وہ کسی اور کو نہیں ملی۔ حتیٰ کہ مجھے بھی ایسی زوجہ نہیں ملی۔

(ج) حسنؑ و حسینؑ جیسے فرزند جو آپؑ کو عطا ہوئے ہیں وہ کسی اور کو نہیں ملے حتیٰ کہ مجھے بھی نہیں ملے۔ (ریاض النضرہ، ج ۲، ص ۲۰۲)

② مفضل بن عمر سے روایت ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا: حضرت فاطمہ زہراؑ کے پیکرِ مطہر کو کس نے غسل دیا تھا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جنابِ امیر المومنینؑ نے انھیں غسل دیا تھا۔

مفضل کہتے ہیں کہ جب میں نے سنا تو اس بات نے مجھے پریشان کر دیا۔ جب امام علیہ السلام نے میری یہ حالت دیکھی تو فرمایا: کیا اس بات نے تمھیں حیران و پریشان کر دیا ہے؟

میں نے جواب دیا: جی ہاں، میں آپؑ پر قربان جاؤں۔

آپؑ نے فرمایا: تمہیں غم زدہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ فاطمہ زہراؑ صدیقہ تھیں، اُسے صرف ایک صدیق ہی غسل دے سکتا تھا۔ کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ جب حضرت مریمؑ کی وفات ہوئی تھی تو اُن کے بیٹے حضرت عیسیٰؑ کے سوا کسی دوسرے نے غسل نہیں دیا تھا؟ (علل الشرائع، ص ۱۸۴، باب ۱۴۸، حدیث ۱)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: خاتونِ جنت سیدہ فاطمہ زہرا صدیقۂ کبریٰ تھیں۔ اُن کی معرفت قرونِ اولی کے لیے محور و مرکز تھی۔ (بحارالانوار، ج ۴۳، ص ۱۰۵)

المبارکہ

تاج العروس میں برکت کی تشریح کچھ اس طرح کی گئی ہے: ہمیشہ نشوونما پاتے رہنا، سعادتوں کا ڈھیر، بڑھنا اور کم نہ ہونا، راغب نے مفردات میں مبارک کا معنی لکھا ہے:

خیر و رحمت اُس جگہ سے اس صورت میں جوش میں آئے اور جاری ہو کہ نہ اُسے شمار کیا جاسکے اور نہ اُسے محدود کیا جاسکے۔ جس چیز میں اس حساب سے فراوانی و افزائش اور زیادتی پائی جائے اُسے ”مبارک“ کہا جاتا ہے۔ اس میں برکات ہی برکات ہوتی ہیں۔

سیدہ الٰہی کائنات کا اُبلتا ہوا سرچشمہ ہے

خالقِ جہان نے سیدہ فاطمہ زہراؑ کے عظیم القدر وجود کو مختلف اقسام کی خیر و برکات کا مرکز بنا رکھا ہے۔ اللہ نے اپنے مُرسلِ اعظم کی نسل کو اُنھی سے جاری فرمایا اور اُس کی نسل میں خیر ہی خیر رکھ دی۔

ہم سب اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ وقتِ شہادت جب اس بانوئے فرزانہ کا جسم بستر پر تھا۔ اس وقت صرف آپؑ کے دو فرزند حسنؑ و حسینؑ اور دو بیٹیاں موجود تھیں۔ ایک بیٹی جنابِ زینبؑ عالیہ اور دوسری جنابِ اُم کلثوم تھیں۔ ایک زمانہ آیا کہ مصائب و آلام نے اس کے گھر کا رُخ کیا۔ عاشورا کے دن کربلا کے میدان میں آپؑ کے بیٹے حسینؑ اپنے تمام بیٹوں کے ساتھ (سوائے امام زین العابدینؑ کے) شہید کردیے گئے۔ اس طرح آپؑ کے فرزند امام حسن علیہ السلام کی اولاد میں سے سات فرزندوں نے شہادت پائی۔ آپؑ کی بیٹی حضرت زینبؑ کے دو فرزند تھے، وہ دونوں بھی کربلا میں شہید کردیے گئے۔ آپؑ کی دوسری بیٹی اُم کلثومؑ کی اولاد نہ تھی۔ عاشورا کے بعد اس خاندان پر مختلف اَدوار میں مصائب کے طوفانوں نے رُخ کیا۔ اس خاندان نے مسلسل قربانیاں دیں۔ اس خاندان کا خون پانی کی طرح بہایا گیا۔

واقعۂ حرہ سے جناب زید بن علی بن حسینؑ کی دردناک شہادت تک، پھر وہاں سے واقعۂ فخ تک چلے آیئے۔ یہ تمام اُدوار آلِ فاطمہؑ کی خونریزیوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ اُموی عہد میں علویوں پر جو مظالم ڈھائے گئے جس کی مثال نہیں ملتی، زمین کی وسعتیں ان پر تنگ کردی گئی تھیں۔

اُمویوں کے بعد عباسی آئے۔ اُنھوں نے مظالم میں اُمویوں کو اپنے پیچھے چھوڑ دیا۔ اُنھوں نے آلِ محمدؑ کی نسل کشی کی کوشش کی۔ عباسی دور کی دو صدیاں آلِ محمدؑ پر بہت بھاری گزریں۔ ظلم و بربریت اور سفاکیت کی کون سی داستان ہے جو اس دور میں رقم نہ کی گئی ہو؟ ان کی جنایت و ہولناکی کی آخری داستان فرزندِ رسولؐ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی شہادت ہے۔ آپؑ گیارھویں امام ہیں۔ آپؑ کو سامرہ میں زہر سے شہید کردیا گیا۔

عباسیوں کے بعد ایک بدترین سفاک وظالم وسیاہ کار اُٹھا، جس کا نام صلاح الدین ایوبی ہے۔ وہ آلِ رسولؐ پر مظالم ڈھانے میں عباسیوں سے پیچھے نہ تھا۔ اس نے مغرب غربی میں فوج کے ایسے دستے بنائے تھے، جنھوں نے آلِ فاطمہؑ پر وہ مظالم ڈھائے جنھیں سن کر اَجسام لرز جاتے ہیں۔

ان حوادث ومظالم وخونریزی کے باوجود اللہ نے سیدہ طاہرہؑ کی نسل میں وہ برکت رکھی کہ اس کی نسل روز بروز بڑھتی رہی ہے کیونکہ وہ خیر کا سرچشمہ ہیں جو ہر وقت جوش میں ہے اور جاری وساری ہے۔

کوثر مفسرین کی نگاہ میں

مفسرین نے آیتِ مبارکہ اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ کی مختلف صورتوں میں تفسیر کی ہے۔ اگرچہ مشہور قول یہ ہے کہ قیامت کے دن ایک حوض ہے، جس کا نام کوثر ہے۔ یا جنت میں ایک مشہور نہر ہے جس کا نام کوثر ہے۔ لیکن کوثر فوعل کے وزن پر ہے۔ "ایسی چیز جو کثرت کے ساتھ ہو، ایسی خیر جو نہ ختم ہونے والی ہو"۔

علامہ سیوطی نے دُرِ منشور میں کوثر کی تفسیر میں لکھا ہے: بخاری، ابن جریر اور حاکم نے ابوالبشر سے اور اُس نے سعید بن جبیر سے اور اُس نے ابن عباسؓ سے سنا، اُس نے کہا: کوثر کا معنی خیرِ کثیر ہے، جو خداوند متعال نے اپنے نبیؐ کو عطا فرمائی۔

ابوالبشر سے روایت ہے کہ مَیں نے سعید بن جبیر سے کہا: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جنت میں ایک نہر ہے جس کا نام کوثر ہے۔ اس کے بارے میں آپ کا کیا نظریہ ہے؟

سعید بن جبیر نے کہا: جی ہاں! جنت میں ایک نہر ہے جس میں خیرِ کثیر ہے وہ رسولؐ اللہ کو عطا کی گئی ہے۔

بہرحال اس آیت کا مناسب ترین معنی یہ ہے کہ کوثر کا مفہوم وہی ہے جسے فخرالدین رازی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ کوثر سے مراد صدیقہ طاہرہ حضرت فاطمہ زہراؑ ہیں۔

علامہ طبرسی نے تفسیر مجمع البیان میں سورۂ کوثر کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ایک قول ہے: "کوثر سے مراد خیر کثیر ہے"۔ ایک اور قول ہے: "نسل اور اولاد کا کثرت کے ساتھ ہونا"۔ یہ بات اظہرمن الشمس ہے کہ رسولؐ اللہ کی اولاد جو حضرت فاطمہؑ کے ذریعے پھیلی ہے وہ شمار سے باہر ہے اور قیامت تک باقی رہے گی اور پھلتی پھولتی رہے گی۔

فخرالدین رازی نے اس سورہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ تیسرا قول یہ ہے: کوثر سے مراد رسولؐ اللہ کی اولاد ہے۔

مفسرین نے کہا ہے کہ یہ سورہ پیغمبر اکرمؐ پر اس وقت نازل ہوئی تھی جب مشرکین نے آپؐ کو طعنہ دیا تھا کہ آپؐ کا بیٹا نہیں ہے۔اس طرح آپؐ کی اولاد نہیں ہے۔ خداوند تعالیٰ نے ان کے جواب میں آپؐ پر یہ سورہ نازل فرمائی کہ آپؐ کو اس قدر اولاد عطا کردی گئی ہے کہ ہمیشہ باقی رہے گی۔آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اُس دن سے لے کر آج تک اہلِ بیتؑ کے کتنے لوگ مارے گئے؟ باوجود اس کے اُن کے وجود سے دنیا بھری پڑی ہے۔ اُدھر اُمویوں کی طرف نگاہ دوڑایئے کہ تم کو کوئی اُموی نظر آتا ہے یا ان کے کسی فرد کا نام شخصیت کے عنوان سے باقی ہو، لیکن اِدھر آلِ محمدؐ کی طرف نگاہ کیجیے، ان میں کس قدر علمائے کبار گزرے ہیں جن کے نام قیامت تک باقی ہیں جیسے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام، امام جعفر صادق علیہ السلام، امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اور حضرت امام رضا علیہ السلام کو نفسِ زکیہ اور اُن کی اَمثال؟

اس سورہ کی مناسب تفسیر یہ ہے جس وقت رسولؐ اللہ کا ایک بیٹا فوت ہوا تو اُس وقت مشرکین نے آپؐ کی شانِ اَقدس میں گستاخی کرتے ہوئے کہا: محمدؐ اَبتر ہیں، جب یہ اس دنیا سے رحلت کریں گے تو اُن کا ذکر مٹ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے فرمایا: اگر آپؐ کا بیٹا فوت ہوا ہے تو ہم نے آپؐ کو فاطمہؑ عطا کردی ہے، اگرچہ یہ ایک ہے، بظاہر کم ہے لیکن عنقریب اللہ اس واحد کو کثیر میں بدل دے گا۔ اس کلام کی صداقت تمھارے سامنے ہے۔ آج ہر طرف نگاہ دوڑایئے۔ تمھیں حضرت فاطمہ زہراؑ کی اولاد نظر آئے گی، جو فاطمہ زہراؑ کی اَولاد ہے۔ حقیقت میں رسولؐ اللہ کی اولاد ہے۔ عراق میں اس وقت سادات دس لاکھ موجود ہیں۔ ایران میں تیس لاکھ کے قریب ہیں۔ مصر میں پچاس لاکھ، مراکش میں پچاس لاکھ، جزائر، تیونس اور اندلس میں ایک کثیر تعداد سادات کی آباد ہے۔ اس طرح اُردن، لبنان، سوڈان، خلیج فارس کے ممالک اور سعودیہ میں لاکھوں کی تعداد میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس طرح ہندوستان، پاکستان، افغانستان، انڈونیشیا اور ان کے اردگرد علاقوں میں بھی اولادِ رسولؐ کی کثرت سے موجود ہے۔

اسلامی ممالک کا کوئی شہر ایسا نہیں ہے جس میں اولادِ رسولؐ موجود نہ ہو۔ ان لوگوں میں بادشاہ، امراء، رؤساء بھی

گزرے ہیں، ان میں علماء، مؤلفین، مصنفین، مبارز شخصیات اور نوابغ کی کبھی کمی نہیں رہی ہے۔
کہا گیا ہے کہ انھی سادات میں سے بعض لوگ اس انتساب کو اپنے لیے سرمایۂ افتخار جانتے ہیں۔ بعض سادات اس شرف وعزت کی طرف متوجہ ہی نہیں ہیں۔ بعض سادات اپنے اسلاف کے نقش قدم اپنانا اپنے لیے سعادت جانتے ہیں۔ کچھ ایسے بھی ہیں جو اہل بیتؑ رسولؐ کے مکتب کے دشمن ہیں۔

زمانے کے عجائب

تاریخ اسلام کے نشیب وفراز کس قدر عجیب ہیں کہ کچھ ایسے مسلمان بھی ہیں انھیں اس بات نے حیران کر رکھا ہے۔ اس حیرانی و پریشانی نے ان کا جینا حرام کر رکھا ہے کہ علیؑ و فاطمہؑ کی اولاد رسول اللہؐ کی اولاد کیسے ہوسکتی ہے؟ وہ اس حقیقت کو جھوٹ اور افتراء سمجھتے ہیں، کیونکہ ان لوگوں نے اپنی جاہ طلبی کے لیے جھوٹی سیاسی چالیں چلیں۔ انھوں نے اس حقیقت سے بے رحمانہ جنگ کی۔ اُن لوگوں نے اس حقیقت کو دبانے کے لیے ہزاروں انسانوں کا خون بہایا۔
آپ لوگ حجاج، سفاک، منصور دوانیقی، ہارون رشید اس طرح دوسرے جابروں کے احوال پڑھیں۔ انھوں نے اس حقیقت کے خاتمے کے لیے، انسانوں کے خون سے اللہ کی زمین کو رنگین کر دیا تھا۔
علامہ مجلسی نے بحارالانوار میں یہ واقعہ نقل کیا ہے۔ عامر شعبی کا کہنا ہے کہ ایک رات میری طرف حجاج بن یوسف کا پیغام آیا کہ وہ فوراً اس کے منحوس دربار میں پہنچے، جب میں نے اس کا یہ پیغام سنا، میں خوفزدہ ہوگیا۔ مجھے اس کے ظالمانہ رویوں اور شرارتوں کا علم تھا۔ فوراً وضو کیا، وصیت کی، پھر اس کی طرف چلا آیا۔ جب میں اس پر وارد ہوا تو اُس کے آگے چمڑے کا ٹکڑا بچھا ہوا تھا اور ننگی تلوار رکھی ہوئی تھی۔ میں نے اُسے سلام کیا۔ اس نے میرے سلام کا جواب دیا اور کہا: پریشان خاطر نہ ہونا۔ میں نے اگلے دن کے ظہر تک امان دی ہے۔ پھر اس نے اپنے لوگوں کی طرف اشارہ کیا۔ فوراً اس کے دربار میں طوق و زنجیروں میں جکڑے ہوئے ایک سال خوردہ آدمی کو لایا گیا اور حجاج کے سامنے کھڑا کر دیا گیا۔ حجاج نے میری طرف رُخ کیا اور کہا: اس مرد کا عقیدہ ہے کہ حسنؑ و حسینؑ پیغمبرؐ کے بیٹے ہیں۔ اب اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے دعوٰی کی دلیل قرآن سے ثابت کرے تو اُسے چھوڑ دوں گا ورنہ قتل کر دوں گا۔
میں نے یہ دیکھ کر کہا: بہتر ہے کہ اسے طوق و زنجیر سے آزاد کر دیا جائے تاکہ وہ آسانی کے ساتھ دلیل پیش کرے اور اس مصیبت سے نجات حاصل کرے۔ اگر وہ دلیل پیش نہ کرسکا تو تلوار اس لوہے کو نہیں کاٹ سکتی۔ ہر صورت میں اُسے طوق اور زنجیروں سے آزاد کیا جائے۔ حجاج نے میری درخواست کو قبول کرتے ہوئے اُسے زنجیروں

سے آزاد کر دیا۔ میں نے اچانک دیکھا تو یہ قیدی، سعید بن جبیر تھے، جس نے جور و استبداد کے خلاف زیر زمین تحریک چلا رکھی تھی۔ انسانی حریت کی جنگ لڑ رہے تھے۔ وہ قرآن کے مفسر ایک نیک و پارسا انسان تھے۔ اس وقت میرا انگ انگ لرز رہا تھا۔ میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ ان کے لیے کس طرح ممکن ہے کہ وہ قرآن سے اپنے دعوٰی کو ثابت کریں گے؟ حجاج نے سعید سے کہا: اپنے دعوٰی کو قرآن سے ثابت کرو، ورنہ قتل کے لیے تیار ہو جاؤ۔

سعید نے پرسکون انداز میں اور بھرپور اعتماد کے ساتھ کہا: تھوڑا سا صبر کر، میں تمھیں اپنے موقف کی دلیل دیتا ہوں۔ تھوڑے سے توقف کے بعد سعید نے اپنی گفتگو کا آغاز ان الفاظ میں کیا: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ پھر سورۂ انعام کی آیت ۸۵ پڑھی: وَوَهَبْنَا لَهٗ اِسْحَاقَ وَيَعْقُوْبَ...... یہ کہہ کر حجاج سے کہا: باقی آیت پڑھیے۔ حجاج نے کہا: وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ.....

جنابِ سعید نے حجاج سے سوال کیا: اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر جنابِ عیسٰیؑ کا نام کیوں لیا؟ اس میں کیا مناسبت ہے؟

حجاج نے کہا: اس لیے کہ وہ نسلِ ابراہیمؑ میں سے ہیں۔

جنابِ سعید نے کہا: اگر جنابِ عیسٰیؑ حالانکہ والد نہیں رکھتے تھے پھر ان کے اور حضرت ابراہیمؑ کے درمیان فاصلہ بھی بہت زیادہ ہے، باوجود اس کے وہ تو جنابِ ابراہیمؑ کی دختر کے فرزند بن سکتے ہیں، اور ان کی اولاد شمار ہو سکتے ہیں۔ ادھر حسنین شریفین جو پیغمبرؐ کے نواسے اور ان کی بیٹی کے بیٹے ہیں وہ پیغمبرؐ کی اولاد نہیں ہو سکتے؟

جب حجاج اس مدلل جواب سے لاجواب ہوا تو حکم دیا کہ انھیں اس کے گھر لے جاؤ اور ساتھ دس ہزار دینار بھی ان کے گھر بھجوائے۔ شعبی اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس واقعہ کو جب دوسرا دن ہوا تو میں نے اپنے آپ سے کہا کہ مجھ پر لازم ہے کہ میں اس پیرِ فرزانہ کے پاس جاؤں اور اُن سے قرآن کی تفسیر پڑھوں، حالانکہ میں اپنے آپ خیال کیے ہوئے تھا کہ میں قرآن کا فہم رکھتا ہوں، اس وقت معلوم ہوا کہ میں قرآن کے فہم سے بہت دُور ہوں۔ جب میں مسجد میں آیا تو انھیں مسجد میں پایا۔ وہ دینار اس کے سامنے پڑے ہوئے تھے اور وہ دس دس کی مقدار میں لوگوں میں تقسیم کر رہے تھے۔ پھر آپؒ نے فرمایا: یہ سب حسنین شریفینؑ کی برکت سے حاصل ہوئے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ اگر میں ایک مصیبت کا شکار ہوا ہوں۔ کوئی بات نہیں اِدھر ہزار آدمیوں کو فرحت و مسرت حاصل ہوئی ہے۔ (بحار، ج ۴۳، ص ۲۲۹)

وہ آیات جو جنابِ سعید نے پڑھی تھیں وہ یہ ہیں:

وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَ نُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ وَ اَيُّوْبَ وَ يُوْسُفَ وَ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ○ وَ زَكَرِيَّا وَ يَحْيٰى وَ عِيْسٰى وَ اِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ (سورۂ انعام: آیت ۸۴-۸۵)

"ہم نے ابراہیمؑ کو، اسحاقؑ اور یعقوبؑ عنایت کیے، سب کی رہنمائی بھی کی اور اس سے قبل ہم نے نوحؑ کی رہنمائی کی تھی اور اُن کی اولاد میں سے داؤدؑ، سلیمانؑ، ایوبؑ، یوسفؑ، موسیٰؑ اور ہارونؑ کی بھی اور نیک لوگوں کو ہم اسی طرح جزا دیتے ہیں اور زکریاؑ، یحییٰؑ، عیسیٰؑ اور الیاسؑ کی بھی یہ سب صالحین میں سے تھے"۔

مناظرۂ شنیدنی

اسی مورد میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اور ہارون عباسی کے درمیان مناظرہ ہوا تھا جو نہایت جالبِ نظر اور لائقِ سماعت ہے۔ صاحب عیون الرضا نے اسے کچھ اس طرح بیان کیا ہے:

ایک دن ہارون نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے عرض کیا: آپؑ نے لوگوں کو کس طرح اجازت دے رکھی ہے کہ وہ آپؑ لوگوں کو فرزندانِ پیغمبرؐ کہتے ہیں حالانکہ تم لوگ علیؑ بن ابی طالبؑ کے فرزند ہو؟ ہمیشہ انسان اپنے والد کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ فاطمہ زہراؑ تو صرف ایک پرورش کرنے والے ظرف کی مانند تھیں۔ جنابِ پیغمبرؐ تمھارے نانا ہیں دادا نہیں ہیں؟

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے یہ سن کر فرمایا: اے ہارون! اگر پیغمبرؐ اس دنیا میں واپس آجائیں اور تم سے دختر کی خواستگاری کریں تم اُنھیں ہاں میں جواب دو گے یا نہ میں؟

ہارون نے تڑپ کر کہا: سبحان اللہ! کیا مَیں اُنھیں مثبت جواب نہیں دوں گا۔ نہ صرف مثبت جواب دوں گا بلکہ تمام عالم پر فخر ومباہات کروں گا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: پیغمبرِ خدا نہ مجھ سے میری بیٹی کا رشتہ مانگیں گے اور نہ مَیں اُنھیں مثبت جواب دوں گا۔

ہارون نے کہا: وہ کیسے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ اس لیے کہ مَیں ان کا فرزند ہوں اور تم ان کے فرزند نہیں ہو۔

ہارون نے کہا: آفرین! آپؑ نے خوب مدلل جواب دیا ہے۔

پھر ہارون نے امام علیہ السلام سے کہا: تم لوگ کس صورت میں اپنے آپ کو پیغمبرؐ کی اولاد شمار کرتے ہو حالانکہ آنحضرتؐ کا بیٹا نہ تھا۔ انسان کی نسل اس کے بیٹے سے چلتی ہے نہ کہ بیٹی سے؟ آپؑ لوگ پیغمبرؐ کی بیٹی کی اولاد ہو؟

امام علیہ السلام نے اس مقام پر جواب دینے سے معذرت کی کہ اُن سے جواب نہ لیا جائے لیکن ہارونؒ نے اصرار کیا کہ اس کے سوال کا جواب دینا ہوگا۔ ہارون نے اپنی بات کو بڑھاتے ہوئے کہا: تم فرزندانِ علیؑ اپنے خاندان اور اپنے پیروکاروں کے امام و رہبر ہو۔ آپؑ میرے سوال کا جواب قرآن سے دیں کیونکہ تم اپنے آپ کو پیغمبرؐ کی اولاد کہتے ہو اور تم یہ بھی کہتے ہو کہ قرآن کے تمام مفاہیم و مطالب اور اس کے رُموز پر تمہیں عبور حاصل ہے۔ آپؑ قرآن مجید سے اس کا جواب تلاش کیجیے، کیونکہ قرآن میں آیا ہے:

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ (سورۂ انعام: آیت ۳۸)

"ہم نے اس کتاب میں کسی چیز کی کمی نہیں چھوڑی"۔

علاوہ ازیں آپ لوگ باقی علماء کی آراء سے اپنے آپ کو بے نیاز سمجھتے ہو۔

حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا: اجازت دیجیے کہ میں تمھارے سوال کا جواب دوں۔

ہارون نے کہا: جی ہاں، فرمائیے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ، وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ وَ اَيُّوْبَ وَ يُوْسُفَ وَ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ○ وَ زَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَ اِلْيَاسَ.... (سورۂ انعام: آیت ۸۴-۸۵)

"اور اُن کی اولاد میں سے داؤدؑ، سلیمانؑ، ایوبؑ، یوسفؑ، موسیٰؑ اور ہارونؑ کو بھی اور نیک لوگوں کو ہم اس طرح جزا دیتے ہیں اور زکریاؑ، یحییٰؑ، عیسیٰؑ اور الیاسؑ کو بھی......"

امام علیہ السلام نے فرمایا: حضرت عیسیٰؑ کے والد کون تھے؟

ہارون نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ نہیں تھا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: قرآن نے حضرت عیسیٰؑ کو ان کی ماں مریمؑ کے ذریعے پیغمبروںؑ کی نسل کے ساتھ کیوں ملحق کر دیا ہے؟ اے ہارون! جس طرح اللہ نے حضرت عیسیٰؑ کو حضرت مریمؑ کے ذریعے انبیاءؑ سے ملحق کر دیا اسی طرح ہم اپنی ماں سیدہ فاطمہ زہراؑ کے ذریعے پیغمبرؐ خدا کی اولاد بنتے ہیں۔ (عیون اخبار الرضا، ج۱، ص ۸۱)

یہ وہ آیات تھیں انھی کے ذریعے اَمَا مَانِ نُور نے ثابت کیا کہ وہ حضرت فاطمہؑ کے ذریعے رسولؐ اللہ کی اولاد ہیں۔

چند روایات

اس مورد میں کثرت کے ساتھ احادیث موجود ہیں لیکن ہم چند احادیث پر اکتفا کرتے ہیں اور وہ درج ذیل ہیں:

① ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں اور میرے والد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی دوران حضرت امام علی علیہ السلام تشریف لے آئے۔ انھوں نے سلام کیا۔ پیغمبر اکرمؐ نے سلام کا جواب دیا۔ اُن کی آمد پر آپؐ نے اپنی مسرت کا اظہار کیا۔ فوراً کھڑے ہوئے، ان سے معانقہ کیا اور ان کی پیشانی کے بوسے لیے اور اُنھیں اپنے قریب دائیں طرف بٹھایا۔

میرے والد نے کہا: یارسولؐ اللہ! کیا آپ کو علیؑ سے بہت زیادہ محبت ہے؟

پیغمبر گرامیؐ نے فرمایا: اے چچا جان! خدا کی قسم، جس قدر میں ان سے محبت کرتا ہوں اللہ مجھ سے بھی زیادہ اُن سے محبت کرتا ہے۔ اللہ نے ہر نبیؑ کی نسل اُسی کی صلب میں مقرر کی لیکن میری نسل علیؑ کی صلب میں رکھی۔ (تاریخ بغداد، ج ۱، ص ۳۱۶)

② خوارزمی سے روایت ہے کہ پیغمبرؐ خدا نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر پیغمبرؑ کی نسل اُس کی صلب میں رکھ دی لیکن میری نسل کو علیؑ کی صلب سے جاری فرمایا۔ (المناقب، ص ۲۲۹)

اس روایت کو درج ذیل محدثین نے نقل کیا ہے:

۔۔۔ محب الدین طبری نے ذخائر عقبیٰ میں

۔۔۔ جوینی نے فرائد السمطین میں

۔۔۔ ذہبی نے میزان الاعتدال میں

۔۔۔ ابن حجر نے صواعق محرقہ میں ص ۷۴ پر

۔۔۔ متقی ہندی نے منتخب کنزالعمال میں

۔۔۔ زرقانی نے شرح المواہب اللدنیہ میں

۔۔۔ قندوزی نے ینابیع المودۃ میں۔

④ محدث نسائی نے اپنی کتاب خصائص امیرالمومنین ؑ میں محمد بن اسامہ بن زید سے، اُس نے اپنے باپ زید سے، اُس نے رسول اللہ سے سنا، آپ ؐ نے امام علی علیہ السلام سے فرمایا:

اَمَّا اَنتَ یَا عَلِی فختنی وَابُو وَلَدِی وَاَنتَ مِنِّی وَاَنَا مِنْکَ

"اے علی ؑ! آپ ؑ میرے داماد ہیں اور میری اولاد کے والد ہیں۔ آپ ؑ مجھ سے ہیں اور میں آپ ؑ سے ہوں"۔

④ جناب اُسامہ ابن زید ؓ سے ایک اور روایت ہے، ان کا کہنا ہے کہ ایک رات کسی کام کے سلسلے میں مجھے رسول اللہ کے خانۂ اقدس پر جانا پڑا۔ جب میں وہاں حاضر ہوا تو میں نے دقّ الباب کیا۔ آپ ؐ باہر تشریف لائے۔ اُس وقت اُن کی آغوش میں کوئی چیز تھی، جس کے اُوپر آپ ؐ نے کپڑا ڈال رکھا تھا۔ میں نہ سمجھ سکا کہ وہ چیز کیا ہے؟ جس وقت میرا کام ہوگیا تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس کپڑے کے نیچے کیا ہے؟ آپ ؐ نے کپڑے کو ہٹایا۔ میں نے دیکھا وہ حسنین شریفین ؑ تھے۔

اس وقت پیغمبر ؐ خدا نے فرمایا: اے اُسامہ!

هٰذَانِ اِبْنَایَ، وَاِبنَا بِنتِی، اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ تَعلَمُ اِنِّی اُحِبُّهُمَا فَاحِبَّهُمَا

"یہ دونوں میرے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں، پھر آسمان کی طرف رُخِ انور کیا اور عرض کیا: اے میرے اللہ! تُو خوب جانتا ہے کہ مجھے ان دونوں سے شدید محبت ہے تُو بھی ان سے محبت رکھ"۔

حقیقت سے انکار

اس حقیقت پر مشتمل کثرت کے ساتھ احادیث موجود ہیں کہ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہما السلام دونوں پیغمبر ؐ کے فرزند ہیں۔ بعض ایسے جہلا موجود ہیں جو اپنا فلسفہ بکھیرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حسنین شریفین ؑ رسول اللہ کے بیٹے نہیں ہیں، کیونکہ اللہ کا فرمان ہے:

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِنْ رِجَالِکُمْ

وہ جاہل اس آیت کریمہ سے استنباط کرتے ہوئے کہتے ہیں: "محمد ؐ مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں"۔ حالانکہ اُنھیں معلوم ہے کہ یہ آیت جناب زید کے نسب کی نفی کے لیے نازل ہوئی تھی۔ کیونکہ زید رسول اللہ کے متبنیٰ

تھے۔ اس نے زینب بنت جحش سے عقدِ اَزدواج کیا تھا پھر اس نے اُسے طلاق دے دی تھی۔ اس سے رسولؐ اللہ نے عقد کرلیا تھا۔

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ○ (سورۂ احزاب: آیت ۳۷)

"پھر جب زید نے خاتون سے حاجت پوری کرلی تو ہم نے اس خاتون کا نکاح آپؐ سے کردیا، تاکہ مومنوں پر منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے شادی کرنے کے بارے میں کوئی حرج نہ رہے، جبکہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کرچکے ہوں اور اللہ کا حکم نافذ ہوکر رہے گا"۔

اس بیان سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زید کے باپ نہیں ہیں کہ اس کی مطلقہ بیوی پیغمبرؐ پر حرام ہو۔ اس بیٹے کی زوجہ اس کے باپ پر حرام ہوتی ہے۔ جب وہ اس کا حقیقی بیٹا ہو۔ اگر نسب نہیں ہے تو عورت کی حرمت بھی نہیں ہے۔ اس لیے آیت میں اشارہ موجود ہے: مِنْ رِّجَالِكُمْ۔ حالانکہ رسولؐ اللہ کے چار بیٹے تھے: ابراہیم، قاسم، طیب اور مطہر۔ رسولؐ اللہ ان سب کے والد گرامی تھے۔

صحیح حدیث ہے کہ رسولؐ اللہ نے اپنے فرزند حضرت امام حسن علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

اِنَّ اِبْنِیْ هٰذَا سَیِّدٌ

"یہ میرا بیٹا معاشرے اور تاریخ کا سیّد و سالار ہے"۔

آپؐ نے فرمایا:

اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ اِبْنَایَ هٰذَانِ اَمَامَانِ قَامَا اَوْ قَعَدَا

"حسنؑ و حسینؑ میرے یہ دونوں بیٹے ہیں اور دونوں امامؑ و رہبر ہیں۔ حق کی خاطر قیام کریں یا حق کی خاطر صلح کریں"۔

آپؐ کا یہ فرمان بھی ہے: "ہر بیٹی کی اولاد ان کے باپ کے ساتھ منسوب ہوتی ہے لیکن میری بیٹی فاطمہ زہراؑ کی جو اولاد ہے میں ان کا باپ ہوں"۔

ایک قول ہے کہ مِنْ رِّجَالِكُمْ کا اشارہ اس اولاد کی طرف ہے۔ جو اس وقت بالغ و عاقل تھے حالانکہ اس وقت پیغمبر اکرمؐ کا کوئی بیٹا بھی بالغ نہیں تھا۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُبوت کے بارے میں موجود ہے کہ وہ اولادِ ذکور کے

باپ ہیں تو اس سے مراد یہ ہے کہ حسنؑ و حسینؑ آپؑ کے بیٹے ہیں اور آپؑ اُن کے باپ ہیں۔

الطاہرہ

پیغمبرؐ خدا کی دختر ارجمند کے اسماء میں سے ایک اسم "الطاہرہ" ہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

اِنَّمَا سُمِّیَتَ فَاطِمَۃ بِنتِ مُحَمد: اَلطَّاهِرَه، لِطَهَارَتِهَا مِن كُلِّ دَنسٍ، وَطَهَارَتُهَا مِنْ كُلِّ رَفَثٍ وَمَا رَأَتَ قَطُّ يَومَا حُمرَةً وَلَا نَفَاسًا۔

"حضرت فاطمہ زہراؑ کا نام طاہرہ اس لیے ہے کہ آپؑ ہر پلیدی اور زنانہ عوارض و عادات سے پاک تھیں"۔

اس بحث کو ثابت کرنے کے لیے سب سے احسن آیت تطہیر ہے، جو اسی موضوع پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

اِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذۡهِبَ عَنكُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَيۡتِ وَيُطَهِّرَكُمۡ تَطۡهِيرًا ○

"اللہ کا ارادہ بس یہی ہے کہ ہر طرح کی ناپاکی کو اہلِ بیتؑ آپؑ سے دُور رکھے جیسے پاکیزہ رکھنے کا حق ہے"۔ (سورۂ احزاب: آیت ۳۳)

یہ آیت کریمہ جو معنویت اور دلائل سے بھرپور ہے کہ قرآنِ مجید کی وہ آیات جو اس مضمون پر مشتمل ہیں، کا مقدمہ ہے اور یہ آیت خصوصی اہمیت کی حامل ہے کیونکہ سرچشمۂ عظمت و خاندان اہلِ بیتؑ اُمورِ عظیمہ پر مشتمل ہے۔

اس آیت کریمہ پر بہت سے صاحبانِ دانش و بینش نے بحثیں کی ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں بھی بہت کچھ لکھا جاچکا ہے۔ یہ بے جا نہ ہوگا کہ اگر ہم کہیں کہ آیت تطہیر افکار کی جولان گاہ ہے اور مختلف افکار کا معرکہ ہے بالخصوص کلمہ اہلِ بیتؑ کہ ان کا ہدف رہا ہے۔ اس عنوان کی قلمرو اور اس کے حدود کیا ہیں اور کہاں تک ہیں؟ ابحاث اور افکار کا ایک ایسا سلسلہ ہے جو ختم ہونے والا نہیں ہے۔

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ آیت تطہیر صدیقہ طاہرہ فاطمہؑ کو شامل ہے۔ اس پر تمام شیعہ سُنی مفسرین اور محدثین کا اجماع ہے۔ سوائے چند ایک کے باقی تمام روایات سے یہ ثابت ہے کہ آپؑ کے تاجدار حضرت علیؑ اور آپؑ کے دونوں فرزندوں کو شامل ہے۔

کچھ لوگوں نے اَزواجِ رسولؐ کے بارے میں کہا ہے کہ وہ آیتِ تطہیر میں داخل ہیں۔ ان کے سامنے لفظِ اہلِ بیتؑ اور آیت کا سیاق و سباق تھا۔ اس آیت کے آگے پیچھے چونکہ اَزواجِ رسولؐ کو خطاب کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے اُنھوں نے یہ سمجھا کہ اَزواج آیتِ تطہیر میں داخل ہیں، حالانکہ اُن کی یہ دلیل نہایت ہی سُست اور بے بنیاد ہے، حالانکہ کثرت کے ساتھ احادیث موجود ہیں کہ رسولؐ اللہ نے جب چادر کے نیچے حضرت فاطمہؑ، حضرت علیؑ اور حسنین علیہما السلام کے ساتھ موجود تھے اور آیتِ تطہیر کے نزول سے قبل حضرت اُمِ سلمہؓ نے چادر کے نیچے آنے کی اجازت چاہی تھی تو آپؐ نے اُنھیں اجازت نہ دی تھی۔

ہم نے اپنی کتاب "امام علیؑ ولادت تا شہادت" میں اس مورد پر مفصل بحث کی ہے۔ اس جگہ کتاب کے اُسلوب کی رعایت کرتے ہوئے اور کامل بحث سے نتیجہ حاصل کرنے کے لیے علمائے اہلِ سنت کی کتب سے استفادہ کیا ہے۔

اہلِ بیتؑ سے بیس اُسناد

اہلِ سنت کے علماء نے آیتِ تطہیر کے شانِ نزول میں بہت سی احادیث نقل کی ہیں کہ یہ آیت حضرت امام علیؑ، حضرت فاطمہؑ اور حسنین شریفینؑ کے حق میں نازل ہوئی جن کا اُحصا مشکل ہے کیونکہ وہ سیکڑوں کی تعداد میں موجود ہے۔ اگر ہم ان سب کو نقل کریں تو کتاب اپنے اُسلوب سے خارج ہوجائے گی۔ یہاں ہم صرف علمائے اہلِ سنت کی بیس مشہور تالیفات سے استفادہ کرتے ہیں۔ ان علماء میں کچھ محدثین ہیں اور کچھ حافظ اور کچھ مفسرین ہیں، تاکہ ہر انسان غور و فکر کرنے کے بعد عدل و انصاف کے پیشِ نظر حقیقت تک رسائی حاصل کرسکے۔

① خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ بغداد میں، ابوسعید خدری کی روایت کے حوالے سے اس آیتِ تطہیر کے مورد میں بحث کی ہے کہ رسولِ اکرمؐ نے ایک مقام پر علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کو جمع کیا اور اپنی خاص چادر اُن پر ڈال دی اور فرمایا:

هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِي، اَللّٰهُمَّ اَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيرًا

"بارِ الٰہا! یہ میرا خاندان ہے۔ ان سے ہر قسم کی پلیدی کو دُور فرما اور اُنھیں اس طرح پاک و پاکیزہ فرما، جس طرح پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے"۔

اُم المومنین حضرت اُمِ سلمہؓ دروازے کے پاس تشریف فرما تھیں۔ آپؓ نے اُس وقت عرض کیا: یارسولؐ اللہ!

کیا میں بھی ان میں ہو سکتی ہوں؟

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: آپ شاہراہِ ہدایت پر ہیں، لیکن میرے اہلِ بیتؑ میں سے نہیں ہیں ۔۔۔ اِنَّكِ لَعَلٰی خَیْرٍ۔ (تاریخ بغداد: ج۱۰، ص ۱۲۵، شواہد التنزیل: ج۲، ص ۲۷)

۲ علامہ زمخشری نے اپنی تفسیر کشاف میں حضرت عائشہ سے روایت نقل کی کہ رسول اللہ سیاہ پشم کی بنی ہوئی منقش عبا کے ساتھ باہر تشریف لائے۔ اسی دوران ان کے نورِ دیدہ حسنؑ آئے۔ آپؐ نے انھیں اپنی عبا میں داخل کیا۔ پھر اُن کے فرزند دلبند حسینؑ آئے تو انھیں بھی اسی عبا میں لے لیا۔ پھر اُن کی دختر فرزانہ حضرت فاطمہؑ آئیں تو انھیں پیغمبرؐ خدا نے اپنی عبا کے نیچے آنے کی دعوت دی۔ آخر میں جب علیؑ آئے تو انھیں بھی اس عبا کے نیچے جگہ دی۔ پھر آپؐ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًا ○

۳ علامہ فخرالدین رازی نے اپنی تفسیر میں اس آیت کے ضمن میں لکھا ہے: رسول اللہ سیاہ رنگ کی پشمی عبا کے ساتھ باہر تشریف لائے۔ اس وقت آپؐ کے فرزند حسنؑ آپؐ کے پاس پہنچے۔ پیغمبرؐ نے انھیں اپنی عبا کے اندر کرلیا۔ پھر ان کے نورِ دیدہ حسینؑ آئے تو آپؐ نے انھیں بھی اپنی عبا میں اپنی آغوش میں لے لیا۔ اچانک حضرت فاطمہ زہراؑ تشریف لائیں۔ آپؑ کے پیچھے امام علیؑ آئے تو ان دونوں کو بھی آپؐ نے عبا میں لے لیا۔ جب اس عبا کے نیچے یہ پانچ تن جمع ہو گئے تو آپؐ نے اس آیت کی تلاوت کی: اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًا ○

۴ ابن اثیر نے اپنی کتاب اُسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ (ج۳، ص ۱۲) میں یہ روایت نقل کی ہے کہ جناب عمر بن ابی سلمہ (ربیب نبیؐ) نے کہا: جب نبی اکرمؐ پر آیتِ تطہیر اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ...... نازل ہوئی تو اس وقت آپؐ اُم المومنین حضرت اُم سلمہؓ کے گھر تشریف فرما تھے۔ نبی اکرمؐ نے حضرت فاطمہؑ، حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ کو بلایا حالانکہ امام علیؑ اُن کے سر کے پیچھے تھے انھیں چادر اُوڑھائی پھر فرمایا:

هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَیْتِیْ فَاذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِیْرًا

حضرت اُم سلمہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا میں بھی اُن کے ساتھ ہوں؟

آپؐ نے فرمایا: آپ اُن میں سے نہیں ہیں۔ اَنْتِ عَلٰی مَکَانِكِ اَنْتِ عَلٰی خَیْرٍ، "آپ شاہراہِ ہدایت پر ہیں اور خیر پر ہیں"۔

۵ سبط ابن جوزی نے تذکرۃ الائمہ، ص ۲۳۳ پر نقل کیا ہے: وائلہ کی حدیث نقل کی ہے کہ مَیں ایک کام کے سلسلے میں حضرت امام علی علیہ السلام کی طرف نکلا۔ مَیں نے اُن کے بارے میں دختر رسولؐ حضرت فاطمہؑ سے رہنمائی لی۔ اُنھوں نے فرمایا: پیغمبرؐ خدا کے پاس ہیں۔ مَیں نے انتظار کیا۔ پیغمبرؐ خدا تشریف لائے۔ علیؑ، حسنؑ اور حسینؑ ان کے ہمراہ تھے۔ پیغمبرؐ خدا ان تینوں کے ہاتھ پکڑے ہوئے حجرہ میں آئے۔ اُس وقت حسنؑ کو دائیں زانو پر حسینؑ کو بائیں زانو پر علیؑ اور فاطمہؑ کو اپنے سامنے بٹھایا۔ پھر ان سب پر اپنی عبا اُوڑھا دی اور اس آیت تطہیر کی تلاوت فرمائی۔ پھر آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کیا اور عرض کیا: ''خدایا! یہ ہی میرے اہلِ بیتؑ ہیں''۔

۶ امام واحدی نے اپنی کتاب اسباب النزول میں یہ حدیث نقل کی ہے۔ زوجۂ رسولؐ حضرت اُمِ سلمہؓ نے ذکر کیا کہ رسولؐ اللہ ان کے گھر میں تشریف فرما تھے کہ حضرت فاطمہ زہراؑ وہاں پر تشریف لائیں۔ اُن کے پاس ایک برتن تھا جس میں حریرہ تھا۔ پیغمبرؐ خدا نے حضرت فاطمہؑ سے فرمایا: اپنے شوہر اور اپنے دونوں بیٹوں کو بلاؤ کہ وہ میرے پاس آئیں۔ جب علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ جمع ہو گئے۔ ان سب نے حریرہ تناول فرمایا۔ پیغمبرؐ اسلام چبوترہ پر تشریف فرما تھے۔ ان کے نیچے خیبری چادر پڑی تھی۔ میں حجرے میں نماز پڑھ رہی تھی کہ پیغمبر اکرمؐ پر آیت تطہیر اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ...... نازل ہوئی۔ اس وقت پیغمبرؐ خدا نے وہی چادر ان سب کے اُوپر ڈال دی اور اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند فرمایا اور عرض کیا: ''خدایا! یہ ہی میرے اہلِ بیتؑ ہیں۔ ان سے ہر پلیدی کو دُور فرما اور انھیں پاکیزہ بنا دے''۔

مَیں اُن کے نزدیک آئی اور پیغمبرؐ خدا کی بارگاہ میں عرض کیا: مجھے اجازت دیجیے تاکہ میں آپؐ کے ساتھ ہو جاؤں؟ آپؐ نے فرمایا: اے سلمہؓ! آپ خیر پر ہو، آپ اہلِ بیتؑ میں سے نہیں ہیں؟

۷ ترمذی نے اپنی صحیح میں اس حدیث کو نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت تطہیر نازل ہوئی تو آپؐ اس دن سے لے کر چھے ماہ تک جب نماز کے لیے تشریف لاتے تو فاطمہ زہراؑ کے دروازے سے گزرتے تو فرماتے: اے اہلِ بیتؑ! نماز، نماز، نماز۔ پھر آپؐ آیت تطہیر کی تلاوت فرماتے۔

۸ ابن صباغ مالکی نے اپنی کتاب میں حدیث نقل کی ہے جس کا مفہوم وہی واحدی والا ہے۔ اُس نے حدیث نقل کرنے کے بعد کسی شاعر کے اشعار نقل کیے ہیں:

اِنَّ النَّبِیَّ مُحَمَّدًا وَوَصِیَّہ وَ اِبْنَیْہِ وَابْنَتَہ الْبَتُوْلَ الطَّاہِرَۃ اَہْلُ الْعِنَاءِ فَاِنَّنِیْ بِوَلَاتِہِمْ اَرْجُو

السَّلَامَةَ وَالنَّجَا فِي الْآخِرَةِ

"بے شک پیغمبرؐ خدا اور اُن کے جانشین جناب امیرالمومنینؑ اور آنحضرتؐ کے دونوں فرزند اور اُن کی دختر فرزانہ فاطمہ زہراؑ خاندانِ کساء ہیں کہ میں ان کی ولایت سے سرائے آخرت کی نجات و سلامتی کی اُمید رکھتا ہوں"۔

⑨ ابوبکر سیوطی نے اپنی کتب دُرِ منثور: ج ۵، ص ۱۹۸، خصائص الکبریٰ: ج ۲، ص ۲۶۴، الاتقان: ج ۲، ص ۲۰۰ میں اس روایت کو مختلف طریقوں اور متعدد اسناد کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اس کے تمام اسانید کی انتہا حضرت اُم سلمہؓ، حضرت عائشہ، حضرت ابوسعید خدری، حضرت زید بن ارقم، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ضحاک بن مزاحم، حضرت ابوالحمرا اور حضرت عمر بن ابی سلمٰی وغیرہ پر ہوتی ہے۔

اِنَّ النَّبِیَّ دَعَا فَاطِمَةَ وَعَلِیًّا وَحَسَنًا وَحُسَیْنًا لَمَّا نُزِلَت اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا، فَجَلَّلَهُمْ بِكِسَاءٍ وَقَالَ: وَاللّٰهِ هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَیْتِی، فَاذْهَبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِیْرًا

"جب یہ آیت تطہیر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی تو آپؐ نے فاطمہؑ، علیؑ، حسنؑ اور حسینؑ کو اپنے نزدیک بلایا۔ جب وہ آپؐ کے پاس جمع ہو گئے تو اُنھیں اپنی عبا اوڑھا دی اور فرمایا: اللہ کی قسم! یہی میرے اہلِ بیتؑ ہیں۔ پھر بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا: بارالٰہا! ہر ناپسندیدہ اَمر اور ہر قسم کی پلیدی ان سے دُور فرما اور اسی طرح پاکیزہ بنا جس طرح پاکیزہ بنانے کا حق ہے"۔

⑩ علامہ طبری نے اپنی کتاب ذخائر العقبیٰ، ص ۲۱ میں حدیث نقل کی ہے کہ عمر بن ابی سلمٰی کہتے ہیں کہ جب آیت اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ ...... الخ پانچ مقدس شخصیات کی شان میں نازل ہوئی تو جناب اُم سلمہؓ سے روایت ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے ایک خاص چادر اُوڑھائی اور علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کو اپنے ہمراہ اس چادر میں جمع کر لیا۔ پھر اس آیت اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ ...... الخ کی تلاوت فرمائی۔

حضرت اُم سلمہؓ سے یہ روایت بھی ہے کہ پیغمبرؐ خدا نے حضرت فاطمہؑ سے فرمایا: فاطمہؑ جان! اپنے ہمسر اور اپنے دونوں فرزندوں کو یہاں بلاؤ۔ جس وقت ان سب کو جنابِ فاطمہؑ نے بلایا اور وہ سب پیغمبرؐ اسلام کے پاس جمع ہو گئے تو آپؐ نے ان سب کو ایک بڑی چادر کے نیچے لے لیا اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا: خدایا! یہی آلِ محمدؐ ہیں۔ پس خاندانِ محمدؐ پر اپنا درود و سلام بھیج، کیونکہ تو حمید و مجید ہے۔ حضرت اُم سلمہؓ کا بیان ہے: میں نے چادر کو اُٹھایا کہ میں بھی اس میں داخل ہو جاؤں، لیکن پیغمبرؐ خدا نے مجھے چادر کے نیچے آنے کی اجازت نہ دی۔

آپؐ نے فرمایا: اے اُم سلمہؓ! تو ہدایت کے راستے پر ہے۔

آپ نے علمائے کرام کی نقل کردہ روایات کا مطالعہ کیا ہے۔ چند مصادر اور ہیں جنھوں نے اس حدیث کو نقل کیا ہے:

۱۰ محمد بن احمد القرطبی نے الجامع لاحکام القرآن، ج ۱۴، ص ۱۸۲ میں اس نے لکھا ہے کہ آیت تطہیر اہل بیتؑ رسولؐ کی شان میں نازل ہوئی۔

۱۱ ابن العربی نے احکام القرآن، ج ۲، ص ۱۶۶ پر اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

۱۲ البیہقی نے سنن الکبرٰی، ج ۲، ص ۱۴۹ پر۔

۱۳ حاکم نیشاپوری نے المستدرک علی الصحیحین، ج ۲، ص ۴۱۶ پر حضرت اُم سلمہؓ کی روایت نقل کی ہے، جو گزشتہ صفحات میں موجود ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاءِ اَھْلُ بَیْتِی "اے میرے اللہ! یہ میرے اہل بیتؑ ہیں"۔

میں نے آپؐ کے حضور عرض کیا: یارسول اللہ! کیا میں آپؐ کے اہل بیتؑ میں سے نہیں ہوں؟

آپؐ نے فرمایا: آپ خیر پر ہیں، میرے اہل بیتؑ یہ ہیں۔

۱۴ امام احمد بن حنبل نے مسند، ج ۱، ص ۳۳۱ میں:

۱۵ محدث النسائی نے الخصائص، ص ۴ میں:

۱۶ الخوارزمی نے اپنی کتاب المناقب، ص ۳۵ میں:

۱۷ محمد بن جریر الطبری نے اپنی تفسیر کی ج ۲۲، ص ۵ میں:

۱۸ الہیثمی نے مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۱۶۶ میں:

۱۹ ابن الحجر الہیثمی نے صواعق محرقہ، ص ۸۵ میں:

ہم نے یہ چند ایک روایات مفسرین اور محدثین کی کتب سے منتخب کی ہیں۔ ان سب نے اس حقیقت کو اپنی کتب میں نقل کیا ہے۔ ہم نے اپنے مقصد کے لیے اُنھیں کافی سمجھا ہے، کیونکہ اگر ہم تمام ای روایت کے منابع کو بیان کرتے تو وہ آپ کی تھکاوٹ کا باعث بنتے۔ اس طرح ہماری بحث بھی طولانی ہوجاتی، ہم اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ وہ لوگ جو اپنے کان کھول کر رکھتے ہیں اور اُن کا ضمیر زندہ ہے اور اُن کی عقل حق پذیر ہے تو ان کے لیے یہ بحث کافی ہے۔

آیت تطہیر کی شہادت کے بعد اس موضوع پر مزید بحث کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ آیت تطہیر سے یہ

ثابت ہے کہ حضرت زہراؑ طاہرہ ہیں۔

اسمِ طاہرہ کی خصوصیات

① اللہ تعالیٰ نے حضرت فاطمہ زہراؑ کو نسوانی ماہانہ عادات سے پاک رکھا ہے۔ اس طرح آپؑ ناپسندیدہ اُمور اور ناپاکی سے محفوظ ہیں۔ ہر اس بُرائی سے جس کا نفس تقاضا کرتا ہے۔ شیطان کی خناسیت و شیطنت سے آپؑ کو مامون کردیا ہے جس کی وجہ سے انسان عذابِ الٰہی کا مستحق ہوتا ہے اور انسانی فطرت اور اس کے وجدان کے مابین ناہمواری پیدا ہوجاتی ہے جس سے انسانی پامردی اور حریت مسخ ہوکر رہ جاتی ہے۔ اللہ نے آپؑ کو ان رذائل سے محفوظ فرمادیا۔

② ابن عربی نے اپنی کتاب "الفتوحات المکیہ" باب ۲۹ میں "رجس" کی تشریح کی ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ اس آیت میں کلمہ رجس سے مراد ہر وہ اُمر ہے جو انسان کی بدنامی کا باعث ہو۔ عصمت کا مفہوم بھی یہی ہے کیونکہ شیعیانِ حیدرِ کرار کا عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء آئمہ اور حضرت سیّدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا سب معصوم ہیں۔ عصمت عظیم الشان درجہ و مرتبہ ہے۔ اللہ نے اپنے خواص کو یہ مقام عطا کیا ہے۔

عصمت کے لیے لازم نہیں ہے کہ وہ احکام اسلامی کی تبلیغ کرے۔ اگر عصمت نبیؐ اور امامؑ کو لازم ہے، تاکہ وہ اسلامی اُمور کی تبلیغ کریں تو اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ ان دونوں کے علاوہ کوئی دوسرا عصمت سے متصف نہیں ہوسکتا۔

تاریخی مناظرہ

یہی وجہ ہے کہ امیرالمومنین حضرت امام علی علیہ السلام نے جب حضرت ابوبکر سے حضرت فاطمہ زہراؑ کی عصمت کو ثابت کرنے کے لیے مناظرہ کیا تھا تو آپؑ نے آیتِ تطہیر سے تمسک کیا تھا۔ ہم اس کا کچھ حصّہ یہاں بیان کر کے آگے بڑھ جائیں گے۔

امام علیہ السلام نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا تھا:

يَا اَبَابَكر! أَتَقْرءُ كِتَابَ اللهِ؟

"کیا تم نے اللہ کی کتاب پڑھی ہے؟"

اُنھوں نے جواب دیا: جی ہاں! پڑھی ہے۔

حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: اِنَّمَا يُرِيْدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا فيمن نزلت؟ فينا او فى غيرنا "آیتِ تطہیر اِنَّمَا يُرِيْدُ اللهُ...... کس کی شان میں نازل ہوئی؟

ہماری شان میں یا کسی اور کی شان میں؟

حضرت ابوبکر نے کہا: کل فیکم "تمھاری شان میں نازل ہوئی ہے"۔

جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا: فَلَو اَنَّ شُهُودًا شَهِدُوا عَلٰى فَاطِمَةَ بِنتِ رَسُولِ اللهِ بِفَاحِشَةٍ مَا كُنتَ صَانِعًا؟

"اگر فاطمہ بنت رسول اللہ ان کی عصمت و پاکیزگی کے خلاف کسی کام پر گواہ قائم ہو جائیں تو تم کیا کرو گے؟"

جناب ابوبکر نے کہا: اُقِيمُ عَلَيهَا الحَدَّ كَمَا اُقِيمُ عَلٰى نِسَاءِ المُسلِمِينَ "میں اس پر اس طرح حد قائم کروں گا جس طرح باقی مسلمان عورتوں پر حد قائم کرتا ہوں"۔

جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا: كُنتَ اِذَن عِندَ اللهِ مِنَ الكَافِرِينَ؟ "اس صورت میں تو اللہ کے نزدیک دینِ اسلام سے باہر نکل جائے گا"۔

جناب ابوبکر نے کہا: وَلِمَ "وہ کس طرح؟"

جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا: لِاَنَّكَ رَدَدتَ شَهَادَةَ اللهِ بِالطَّهَارَةِ، وَقَبِلتَ شَهَادَةَ النَّاسِ عَلَيهَا..... "کیونکہ تو نے اُن کی الٰہی طہارت و پاکیزگی کی شہادت کو رد کر دیا، اور اس پر لوگوں کی شہادت کو قبول کیا، اس صورت میں تم اسلام سے باہر ہو جاؤ گے"۔ (بحار، ج ۴۳)

۴ اس طہارت کے لوازمات میں سے ہے کہ ایسا صاحبِ طہارت اپنی موت کے وقت نجس نہیں ہوتا، حالانکہ کوئی انسان جس قدر صاحبِ تقویٰ و عبادت ہو، جب اُس پر موت آتی ہے اور اُس کا جسم ٹھنڈا ہو جاتا ہے تو وہ نجس ہو جاتا ہے، جب تک اُسے غسل نہیں دیا جاتا وہ پاک نہیں ہوتا۔ اس دوران اگر کوئی اُس کے جسم کو مس کرے تو اُس پر غسلِ مسِ میت واجب ہو جاتا ہے، لیکن معصومین جس طرح اپنی زندگی میں پاک ہوتے ہیں اس طرح اپنی موت کے بعد بھی پاک ہوتے ہیں۔

وسائل الشیعہ میں حسن بن عبید سے روایت ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف خط لکھا۔

جب امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے رسول اللہ کو غسل دیا تھا تو کیا آپ نے بعد میں غسلِ مسِ میت کیا تھا؟

امام علیہ السلام نے جواب میں لکھا کہ نبی طاہر اور مطہر ہوتا ہے، لیکن جناب امیر علیہ السلام نے غسلِ مسِ میت کیا تھا، تاکہ سنت جاری رہے۔

مزید تفصیلات کتاب کے آخر میں باب تغسیل میں پیش ہوں گی ان شاء اللہ!

حدیث الکساء

شیعہ معتبر منابع میں آیت تطہیر کے نزول کے بارے میں ایک طولانی حدیث موجود ہے، جو حدیث کساء کے نام سے مشہور ہے۔ الشیخ عبداللہ البحرانی نے اپنی کتاب عوالم العلوم، جلد ۱۱ میں اسے نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے:

عن جابر بن عبد الله الأنصاري: عن فاطمة الزهراء بنت رسول الله ﴿صلى الله عليه وآله وسلم﴾ انها قالت: دخل عليّ أبي رسول الله ﴿صلى الله عليه وآله وسلم﴾ في بعض الأيام فقال: السلام عليك يافاطمة۔ فقلت: وعليك السلام۔ فقال: اني أجد في بدني ضعفًا۔ فقلت له: أعيذك بالله ياأبتاه من الضعف، فقال: يافاطمة ايتيني بالكساء اليماني وغطّيني به۔

قالت فاطمة ﴿عليها السلام﴾: فأتيته بالكساء اليماني فغطيته به وصرت أنظر إليه وإذا وجهه يتلألؤ كأنه البدر في ليلة تمامه وكماله۔

قالت فاطمة: فما كانت إلّا ساعة وإذا بولدي الحسن ﴿عليه السلام﴾ قد أقبل وقال: السلام عليك يا أماه۔ فقلت: وعليك السلام ياقرة عيني وثمرة فؤادي۔ فقال لي: يا أماه إني أشم عندك رائحة طيبة كأنها رائحة جدي رسول الله ﴿صلى الله عليه وآله وسلم﴾ فقلت: نعم ياولدي إن جدك نائم تحت الكساء فأقبل الحسن ﴿عليه السلام﴾ نحو الكساء وقال: السلام عليك ياجداه، السلام عليك يارسول الله أتأذن لي أن أدخل معك تحت الكساء؟ فقال: وعليك السلام ياولدي وصاحب حوضي، قد أذنت لك۔ فدخل معه تحت الكساء۔

قالت: فما كانت إلّا ساعة وإذا بولدي الحسن ﴿عليه السلام﴾ قد أقبل وقال: السلام عليك ياأماه۔ فقلت: وعليك السلام ياقرة عيني وثمرة فؤادي فقال لي: يا أماه إني أشمّ عندك رائحة طيبة كأنها رائحة جدي رسول الله ﴿صلى الله عليه وآله وسلم﴾ فقلت: نعم، إنّ جدّك وأخاك تحت الكساء۔ فدنى الحسين ﴿عليه السلام﴾ نحو الكساء وقال: السلام عليك

یاجدّاہ، السلام علیک یامن اختارہ اللہ، أتأذن لی أن أکون معکما تحت ھذا الکساء۔

قال ﴿صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم﴾: وعلیک السلام یاولدی وشافع أمتّی قد أذنت لك۔ فدخل معھما تحت الکساء۔

قالت فاطمة ﴿علیہا السلام﴾: فأقبل عند ذٰلك أبو الحسن علی بن أبی طالب ﴿علیہ السلام﴾ وقال: السلام علیك یابنت رسول اللہ۔

فقلت: وعلیك السلام یا أبا الحسن یا أمیر المؤمنین۔

فقال: یافاطمة إنی أشمُّ عندك رائحه طیبة کأنھا رائحة أخی وابن عمی رسول اللہ ﴿صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم﴾

فقلت: نعم، ھا ھو مع ولدیك تحت الکساء۔

فأقبل أمیر المؤمنین ﴿علیہ السلام﴾ نحو الکساء وقال: السلام علیك یا رسول اللہ أتأذن لی أن أکون معکم تحت ھذا الکساء؟

قال له: وعلیك السلام یا أخی وخلیفتی وصاحب لوائی قد أذنت لك۔ فدخل علی ﴿علیہ السلام﴾ تحت الکساء۔

ثم اتیت نحو الکساء وقلت: السلام علیك یا أبتاہ السلام علیك یا رسول اللہ أتأذن أن أدخل معکم تحت ھذا الکساء؟

قال: وعلیك السلام یا بنتی وبضعتی قد أذنت لك، فدخلت معھم تحت الکساء۔

فلما اکتملنا جمیعًا تحت الکساء أخذ ابی رسول اللہ ﴿صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم﴾ بطرفی الکساء وأومیء بیدہ الیمنی إلَی السماء وقال: اللھم ان ھؤلاء أھل بیتی وخاصّتی وحامّتی، لحمھم لحمی، ودمھم دمی، یؤلمنی ما یؤلمھم، ویحزننی ما یُحزنھم أنَا حرب لمن حاربھم، وسلم لمن سالمھم، وعدوّ لمن عاداھم ومحبٌّ لمن أحبّھم، إنَّھم منی وأنا منھم، فاجعل صلواتك وبرکاتك ورحمتك وغفرانك ورضوانك علیّ وعلیھم، وأذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیراً۔

قال الله ﴿عزّوجلّ﴾ : یاملائکتی ویاسُکّان سماواتی إنی ما خلقت سماءً مبنیة، ولا أرضاً مدحیّة، ولا قمراً منیراً، ولا شمسًا مضیئة، ولا فلکاً یدور، ولا بحراً یجری، ولا فُلکًا تسری إلّا فی محبّة هؤلاء الخمسة الذین هم تحت الکساء۔

فقال الأمین جبرئیل: یارب من تحت الکساء؟

فقال الله ﴿عزّوجلّ﴾ : هم أهل بیت النبوة ومعدن الرسالة، هم فاطمة وأبوها وبعلها وبنوها۔

فقال جبرئیل: یا رب أتأذن لی أن أهبط إلی الأرض لأکون لهم سادسًا؟

فقال الله ﴿عزّوجلّ﴾ قد أذنت لك۔

فهبط الأمین جبرئیل فقال: السلام علیك یا رسول الله! العلی الأعلی یقرؤك السلام، ویخصّك بالتحیة والاکرام ویقول لك: وعزتی وجلالی! إنی ما خلقت سماءً مبینة، ولا أرضاً مدحیّة، ولا قمراً منیراً ولا شمساً مضیئة، ولا فُلکاً یدور، ولا بحراً یجری ولا فُلکاً تسری إلّا لأجلکم، وقد أذن لی أن أدخل معکم تحت الکساء فهل تأذن لی أن أدخل أنت یا رسول الله؟

فقال رسول الله ﴿صلی الله علیه وآله وسلم﴾: وعلیك السلام یا أمین وحی الله قد أذنت لك۔ فدخل جبرئیل معنا تحت الکساء، فقال: ان الله قد أوحی إلیك یقول: انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس أهل البیت ویطهرکم تطهیرًا۔

فقال علی بن أبی طالب: یارسول الله أخبرنی ما لِجُلوسِنا هذا تحت الکساء من الفضل عند الله؟

فقال النبی ﴿صلی الله علیه وآله وسلم﴾: والذی بعثنی بالحق نبیًا، واصطفانی بالرسالة نجیا ما ذُکرَ خبرنا هذا فی محفل من محافل أهل الأرض وفیه جمعٌ من شیعتنا ومحبینا إلّا ونزلت علیهم الرحمة وحفّت بهم الملائکة، واستغفرت لهم إلی أن یتفرقوا۔

فقال علی ﴿علیه السلام﴾: إذن، والله، فُزنا وفازت شیعتُنا ورب الکعبة۔

فقال رسول الله ﴿صلی الله علیه وآله وسلم﴾ ثانیاً: والذی بعثنی بالحق نبیًا واصطفانی بالرسالة

نجیًّا ما ذُکر خبرنا ھذا فی محفل من محافل أھل الأرض وفیہ جمعٌ من شیعتنا ومحبینا وفیھم مھموم إلّا وفرّج اللہ ھمّہ، ولا مغموم إلّا وکشف اللہ غمّہ، ولا طالب حاجۃ إلّا وقضی اللہ حاجتہ۔

فقال علی ﴿علیہ السلام﴾ إذن، واللہ، فُزنا، وسعدنا وکذٰلک شیعتنا فازوا وسعدوا فی الدنیا والآخرۃ۔

حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ کی دختر حضرت فاطمہ زہراؑ سے سنا، آپؑ نے فرمایا: ایک دن میرے والد گرامی رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور اُنھوں نے فرمایا: اے فاطمہؑ! تم پر سلامتی ہو۔ مَیں نے کہا: آپؑ پر بھی سلامتی ہو اے باباجانؐ! آپؐ نے فرمایا: اے فاطمہؑ! مَیں اپنے جسم میں کمزوری محسوس کر رہا ہوں۔ حضرت فاطمہؑ نے آنحضرتؐ سے عرض کیا: میں آپ کو ضعف سے خدا کی پناہ دیتی ہوں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: اے فاطمہؑ! میرے لیے یمانی چادر لاؤ اور مجھے اُوڑھا دو۔ حضرت زہراؑ فرماتی ہیں کہ مَیں یمانی چادر لائی اور مَیں نے آنحضرتؐ کو اُڑھا دی، بعد میں آنجنابؐ کو دیکھ رہی تھی کہ حضرتؐ کا چہرہ نُورانی روشن ہوکر چمکنے لگا۔ ایسے جیسے چودھویں کا چاند ہو۔ حضرت فاطمہؑ نے فرمایا: ابھی ایک ساعت ہی گزری تھی کہ میرا فرزند حسنؑ آیا اور کہا: اے مادرِ گرامی! میرا تجھ پر سلام ہو۔ مَیں نے کہا: میرا بھی تم پر سلام ہو، اے خنکی چشم اور میرے میوۂ دل! حسنؑ نے مجھ سے کہا: اے اماں جان! میں آپؑ کے پاس ایسی خوشبو سونگھ رہا ہوں جیسی میرے نانا کی خوشبو ہے؟ حضرت فاطمہؑ نے فرمایا: جی ہاں، تمھارے نانا چادر کے نیچے آرام کر رہے ہیں۔ جنابِ حسنؑ چادر کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض کیا: اے میرے نانا جانؐ! آپؐ پر سلام ہو، اے رسولؐ اللہ! کیا آپؐ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں آپؐ کے پاس چادر کے اندر آجاؤں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: تم پر بھی سلام ہو اے میرے بیٹے اور میرے حوضِ کوثر کے مالک! میں تمھیں اجازت دیتا ہوں۔ امام حسنؑ آنحضرتؐ کے ہاں چادر میں داخل ہوئے۔ حضرت فاطمہؑ فرماتی ہیں: ابھی ایک ساعت گزری تھی کہ میرا بیٹا حسینؑ آیا اور عرض کیا: اے مادرِ گرامی! آپؑ پر سلام ہو۔ مَیں نے جواب دیا: تم پر بھی سلام ہو اے میرے فرزند! اے خنکی چشم!

اے میرے میوۂ دل! امام حسینؑ نے عرض کیا: اماں جانؑ! مَیں آپؑ کے پاس ایسی خوشبو سونگھ رہا ہوں کہ گویا وہ خوشبو میرے نانا جان رسولؐ اللہ کی ہے؟

شیعہ اور حدیثِ کسا

شیعیانِ حیدرِ کرّار کا صدیوں سے وطیرہ رہا ہے کہ وہ اپنی مجالس و محافل میں دعا کی قبولیت، رحمتِ خداوندی کے نزول اور برکت کے لیے حدیثِ کسا پڑھتے چلے آرہے ہیں۔ جی ہاں! یہ حدیثِ کسا اس قدر اثرانگیز ہے کہ جب بھی جس غرض کے لیے اسے پڑھا جائے تو دعا بارگاہِ الٰہی میں قبول ہوتی ہے۔ اس کی برکت سے مریضوں کو شفا ملتی ہے۔ حوائج پوری ہوتی ہیں، شدائد و مصائب سے نجات کا سامان ہوتا ہے۔

یہ حدیث شریف درج ذیل منابع میں موجود ہے:

1. علامہ دیلمی نے اپنی کتاب غرر الاخبار سے اسے نقل کیا ہے۔ یہ آٹھویں صدی ہجری کے علماء میں سے ہیں۔
2. المنتخب "طریحی" یہ مجمع البحرین کتاب کے مؤلف کی کتاب ہے۔
3. نہج الحجۃ فی فضائل الائمہ، یہ الشیخ علی تقی بن احمد احسائی کی کتاب ہے۔ ان کا تعلق بارھویں صدی ہجری کے علماء میں سے ہے۔
4. عوالم العلوم یہ الشیخ عبداللہ آفندی البحرانی کی تالیف ہے۔ اُنھوں نے اس حدیث کو اُسانید عالیہ سے بزرگ علما سے نقل کیا ہے۔ انھی علماء میں سے علامہ حلی، الشیخ الطوسی، الشیخ المفید، ابنِ قولویہ، علی ابن ابراہیم صاحب تفسیر اور الشیخ الکلینی وغیرہ ہیں۔

بعض بزرگواروں نے حدیثِ کساء پر کتب تالیف فرمائیں اور اس کی شرح اور سند بیان کی۔ تفصیلات کے لیے قاضی نور اللہ شوستری کی کتاب احقاق الحق، ج ۲، ص ۵۵۸ کی طرف رجوع فرمائیں۔

شعراء اور حدیثِ کسا

بہت سے شعراء نے حدیثِ کسا کو منظوم صورت میں پیش کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہر زبان میں حدیثِ کساء منظوم صورت میں موجود ہے۔ چاہے عربی زبان ہو یا فارسی، اُردو ہو یا کوئی اور زندہ زبان — ہر زبان کے شاعر نے اس کے مضمون کو نظم کیا ہے۔ انھی شعراء میں السیّد الاجل السیّد محمد القزوینی بن السیّد مہدی القزوینی النجفی الحلی نے حدیثِ کسا کو عربی زبان میں نظم کیا ہے اور وہ یہ ہے:

روت لنا فاطمةُ خير النساء حديث أهل الفضل اصحاب الكساء

تقول: ان سيّد الانام قد جاءني يوماً من الايام

فقال لي: اني أرىٰ في بدني ضُعفًا أراهُ اليوم قد انحلني

قومي عليّ بالكساء اليماني وفيه غطيني بلاتواني

قالت: فجئته وقد لبيته مسرعةً وبالكساء غطيته

وكنت أرنو وجهه كالبدر في أربع بعد ليالٍ عشرٍ

فما مضى الا يسيرٌ من زمنٍ حتّٰى أتىٰ أبو محمدٍ الحسنٍ

فقال: يا اماه اني أجدُ رائحةً طيبةً أعتقدُ

بأنها رائحة النبي أخ الوصي المرتضىٰ عليٍ

قلت: نعم ها هو ذا تحت الكساء مدثر به ، مغطئ واكتسى

فجاء نحوه ابنهُ مسلماً مستأذنا قال له: ادخل مكرماً

فما مضى إلَّا القليل الَّا جاء الحسينُ السبطُ مستقلًا

فقال: يا أم أشم عندك رائحةً كأنها المسك الذّٰكي

وحق من أولاك منه شرفًا أظنهَا ريح النبي المصطفىٰ

قلت: نعم تحت الكساء هٰذا بجنبه أخوك فيه لاذا

فأقبل السبط لهُ مستأذنًا مسلماً قال لهُ: أُدخل معنا

وما مضى من ساعةٍ الا وقد جاءَ أبُوهما الغضنفر الاسدُ

أبُو الأئمةِ الهُداةِ النجبَا المرتَضىٰ رابعُ أصحابِ الكساء

فقال: ياسيدة النساء ومن بها زوجت في السماء

اني أشم في حماك رائحةً كأنَّها الورد الندي فائحةٌ

يحكي شذاها عرف سيد البشر وخير من لبي وطاف واعتمر

قلت: نعم تحت الكساء التحفا وضم شبليك وفيه اكتفا

فجاء يستأذن منه سائلًا منه الدخول قال: فأدخل عاجلًا

قالت: فجئت نحوهم مسلمةً ... قال: أُدخلى محبوبة مكرمةً

فعندما بهم أضاء الموضع ... وكلهم تحت الكساء اجتمعوا

نادىٰ الله الخلق جل وعلَا ... يسمع أملاك السموات العلى

أقسم بالعزةِ والجلالِ ... وبار تفارعى فوق كُلِّ عَالى

ما من سماءٍ رفعتها بينةٍ ... وليس أرض فى الثرى مدحية

ولا خلقت قمراً منيراً ... كَلَّا ولا شمسًا أضائت نُوراً

وليس بحر فى المياه يجرى ... كَلَّا ولافلك البحار تسرى

الَّا لِأجل من هم تحت الكساء ... من لم يكن أمرهم ملتبسًا

قال الأمين: قلت: يارب ومن ... تحت الكساء؟ بحقهم لنا ابن

فقال لى: هم معدن الرسالة ... ومهبط التنزيل والجلالة

وقال: هم فاطمه وبعلها ... والمصطفٰى والحسنان نسلها

فقلت: ياربّاه هل تأذن لى ... أن أهبط الأرض لذاك المنزل

فأغتدى تحت الكساء سادساً ... كما جُعلتُ خادماً وحارسا؟

قال: نعم فجاءهم مسلمًا ... مستأذناً يتلوا عليهم إنما

يقول: إنَّ الله خصكم بها ... معجزه لمن غدا منتبها

أقراكم رب العلا سلامه ... وخصّكم بغاية الكرامة

وهو يقول معلنا ومفهما ... أملاكه الغر: بما تقدما

قال على: قلت: ياحبيبى ... ما لجلوسنا من النصيب؟

قال النبى: والذى اصطفانى ... وخصنى بالوحى واجتبانى

ما إن جرى ذكرٌ لهذا الخبر ... فى محفل الأشياع خير معشر

إلّا وأنزل الاله الرحمة ... وفيهم حفَّت جنود جمة

من الملائك الذين صدقُوا ... تحرسُهُم فى الدهر ما تفرقُوا

كَلَّا وليس فيهم مغمومٌ ... الا وعنه كشفت همومٌ

كلّا ولا طالب حاجةٍ يرى	قضاءها عليه قد تعسّرا
الّا قضى اللهُ الكريمُ حاجته	وأنزل الرضوان فضلًا ساحتهُ
قال علىٌ: نحن والاحبابُ	أشياعُنا الذين قدماً طابُوا
فُزنا بما نلنا ورب الكعبةِ	فليشكرنّ كل فرد ربهُ
ياعجبًا يستأذنُ الأمين	عليهم ويهجم الخئونُ
قال سليمٌ: قلت: ياسلمان	هل دخلوا ولم يكُ استئذانُ
فقال: أيّ وعزةِ الجبارِ	ليس على الزهراء من خمارِ
لكنها لاذت وراء الباب	رعايةً للستر والحجابِ
فمذ رأوها عصروها عصرة	كادت بروحي أن تموتَ حسرةً
تصيح: يافضةُ أسنديني	فقد وربي قتلوا جنيني
فأسقطت بنتُ الهدىٰ واحُزنا	جنينها ذاك المسمّٰى محسنًا

اسمائے گرامی

الزکیہ

قرآنِ کریم میں مختلف مقامات پر بہت سے کلمات موجود ہیں جو کلمۂ تزکیہ سے مشتق ہیں جن کا معنی ومفہوم پاکی وپاکیزگی، طراوت وتازگی اور رُشد ونمو ہے۔ نمونہ کے لیے چند آیات درج ذیل ہیں:

① قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (سورۂ شمس: آیت ۹)

"جس نے اپنے نفس کو پاک وپاکیزہ رکھا تو وہ فلاح پا گیا"۔

② اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ (سورۂ کہف: آیت ۷۴)

"کیا آپ نے ایک بے گناہ کو بغیر قصاص کے مار ڈالا"۔

③ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا (سورۂ مریم: آیت ۱۹)

"اس لیے تاکہ آپ کو پاکیزہ فرزند عطا کروں"۔

④ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ (سورۂ بقرہ: آیت ۲۳۲)

"یہ آپ کے لیے پُربرکت و پاکیزہ تر ہے"۔

پہلی آیت کا معنی ہے کہ جو شخص اپنے نفس کو نفس کی شرارتوں سے زبان کے گناہوں سے شیطانی وسوسوں سے، حسد، بُخل، حُبِ جاہ، حُبِ دنیا، غرور و تکبر اور خود پسندی جیسی بیماریوں سے پاک و پاکیزہ بناتا ہے تو ایسا انسان کامیابی سے ہم کنار ہو جاتا ہے۔ یہی تطہیر کا معنی ہے کہ ان بُرائیوں اور ناپسندیدہ اُمور سے دُوری اختیار کرنا اور اعمالِ صالح کو بجالانا، یہی صفات بخل و کبر کی ضدیں ہیں۔

دوسری آیت میں تزکیہ کا معنی ہے کیا تُو نے ایک بے گناہ کو بغیر قصاص کے قتل کر ڈالا ہے، حالانکہ اُس سے کوئی گناہ نہیں ہوا یا کوئی ایسا عمل نہیں ہوا جو موجب قتل ہو۔

تیسری آیت کا معنی ہے: ہم آپ کو ایسا فرزند عطا کرنے والے ہیں جو گناہوں کی آلودگیوں سے پاک و پاکیزہ ہے اور اعمالِ خیر میں کامل و اکمل ہے۔

جب اس بحث میں ایک مقدس نام "فاطمہ زکیہ" آتا ہے تو یہ اس حقیقت کی علامت ہے کہ اس کا گراں مایہ بُوستان وجود تمام اَدوار میں تمام معنوی و رُوحانی و اَخلاقی صفات سے آراستہ و پیراستہ ہے اور وہ اُمور جو انسانیت کی ضد ہیں ان سے پاک و پاکیزہ ہے۔ آیتِ تطہیر میں ان اُمور کو اَحسن انداز میں ثابت کیا گیا ہے۔ وہ سیدہ زکیہ ہیں یعنی طاہرہ ہیں اور مطہرہ ہیں۔ وہ ہر رجس سے پاک و محفوظ ہیں۔

ہم نے آیتِ تطہیر کی بحث میں رِجس کے معنی کی تفصیل بیان کر دی ہے۔ رہی چوتھی آیت کی، اس کا معنی ہے رُشد و نمو اور سیر تکامل حضرت زہراؑ اس معنی کے اعتبار سے زکیہ بھی ہیں۔ اس موضوع کی کچھ متعلقہ باتیں ہم نے کلمہ مبارکہ کے ضمن میں بیان کر دی ہیں۔

الراضیہ

آفریدگار ہستی پر ایمان کا عظیم ترین درجہ یہ ہے کہ ایک بندہ اس کی حکیمانہ تدبیر و تقدیر پر راضی و خوشنود ہو۔ اس ذات نے اپنے بندے کے لیے جو کچھ مقدر کیا ہے وہ اس پر راضی ہو۔ ان تمام بزرگواریوں کی علامات حضرت فاطمہ زہرا ﷺ کی تاریخ ساز زندگی میں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔

یہ وہ ہستی تھیں کہ آپؑ نے زندگی کے تمام نشیب و فراز جن کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی حکیمانہ تقدیر تھی، انھیں خوشی خوشی قبول کیا تھا۔ اے قاری عزیز! یہ کتاب جو آپ کے ہاتھ میں ہے آغاز سے لے کر انجام تک جانگداز مصائب و آلام

سے بھرپور ہے۔ یہ مصائب آپؑ کی ولادت سے لے کر آپؑ کی شہادت تک آپؑ پر بادل کی طرح برستے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی قسمت میں خوف وحرمان، فقر واحزان، ہموم وغموم اور شدائد وآلام میں سے جو کچھ لکھ دیا تھا آپؑ ان پر راضی تھیں اور آپؑ اس آیت کی مصداق ٹھہریں:

يَآ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ○ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ○ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ○ (سورۂ فجر: آیت ۲۷-۳۰)

"اے نفسِ مطمئنہ! اپنے رب کی طرف پلٹ آ، اس حال میں کہ تُو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔ پھر میرے بندوں میں شامل ہوجا اور میری جنت میں داخل ہوجا"۔

وہ اللہ کی نعمات و جزاؤں پر راضی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے مقدر میں جو کچھ لکھ دیا تھا آپؑ اس پر راضی تھیں۔ آپؑ نے اپنی دنیاوی لحاتِ حیات کے ہر لحہ میں اس کی رضائیں تلاش کیں۔ اللہ تعالیٰ بھی اُن پر راضی وخوشنود ہوگیا۔

المرضیہ

بندگانِ شائستہ و آراستہ کے درجات بارگاہِ خداوندی میں بلند وبالا ہوتے ہیں۔ اُنھیں اللہ کی بارگاہ میں عزت و منزلت حاصل ہوتی ہے۔ ایسے لوگ بہت کم ہیں کہ اللہ ان پر راضی ہو اور وہ اللہ کی بارگاہ میں اپنی عدالت و پائیداری کی بنا پر پسندیدہ ہوں۔ ان تمام کامیاب و کامران بندگان میں سے خاتونِ جنت حضرت سیّدہ فاطمہ زہراؑ نے سب سے زیادہ عظمت و رفعت کی بلندیاں حاصل کیں۔ آپؑ کو ہی اس کی بارگاہ سے حُسنِ رضا کا گراں قدر حصّہ ملا۔ وہ اپنی طاعت و بندگی اپنے زُہد و اِنفاق اور صبر واستقامت کے لحاظ سے اللہ کے نزدیک مرضیہ تھیں۔

حافظ عسقلانی نے رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث نقل کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جنابِ جبرئیلؑ بارگاہِ رسالتؐ میں آئے اور عرض کیا:

يَا مُحَمَّدُ! اِنَّ رَبَّكَ يُحِبُّ فَاطِمَةَ فَاسْجُدْ، فَسَجَدْتُ.....

"اے محمدؐ! تیرا پروردگار تیری بیٹی فاطمہؑ سے محبت رکھتا ہے۔ آپؐ اس کے شکریہ میں سجدہ کریں"۔

یہ سن کر میں نے سجدہ کیا۔ (لسان المیزان، ج ۳، ص ۲۷۵)

اس طرح ذہبی نے بھی حدیث نقل کی ہے کہ جناب سیدہؑ کی ولادت کے وقت جناب جبرئیل امینؑ رسول اللہ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا: اللہ تعالیٰ آپؐ کو اور آپؐ کی اس نوزائیدہ دختر پر سلام بھیجتا ہے۔ (میزان الاعتدال ذہبی، ج۲، ص ۲۶)

المحدثہ

سب چیزوں سے قبل ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ ملائکہ پیغمبرانِ گرامیؑ کے علاوہ کسی اور سے گفتگو کرتے ہیں؟

کیا پیغمبرانِ گرامیؑ کے علاوہ دوسرے لوگ بھی فرشتوں کو دیکھ سکتے ہیں؟

کیا پیغمبروںؑ کے علاوہ باقی انسانی مخلوق فرشتوں کی آواز بن سکتی ہے؟

آیئے ان سوالات کے جوابات قرآنِ مجید سے حاصل کرتے ہیں:

① اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَ طَهَّرَكِ وَ اصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ○ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَ اسْجُدِيْ وَ ارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ○ (سورۂ آل عمران: آیت ۴۲)

"فرشتوں نے کہا: اے مریمؑ! اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو برگزیدہ و پاکیزہ بنایا ہے اور تمام عالمین کی عورتوں پر تجھے برتری دی ہے۔ اے مریمؑ! اپنے پروردگار کے فرمان کی اطاعت کے لیے اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو جاؤ اور نماز پڑھنے والوں کے ساتھ نماز پڑھو"۔

② ایک اور مقام پر فرمایا:

وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ○ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ○ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ○ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ○ (سورۂ مریم: آیت ۱۶ تا ۱۹)

"اے رسولؐ! اس کتاب میں مریمؑ کا ذکر کیجیے، جب وہ اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر مشرق کی جانب گئی تھیں۔ پس ہم نے اُن کی طرف اپنا فرشتہ بھیجا۔ پس وہ ان کے سامنے مکمل انسان کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اس نے کہا: میں تو آپ کے پروردگار کا پیغام رساں ہوں، تا کہ آپ کو پاکیزہ بیٹا دوں"۔

اس آیتِ قرآنی میں رُوْحَنَا سے مراد جنابِ جبرئیلؑ ہیں، جو ایک خوبصورت انسان کی شکل میں جنابِ مریمؑ کے سامنے آئے تھے اور ان سے گفتگو کی تھی۔ (سورۂ مریم: آیت ۲۰)

۳ فرمانِ پروردگار ہے:

وَ امْرَاَتُهٗ قَآىِٕمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَ مِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ ○ قَالَتْ یٰوَیْلَتٰۤى ءَاَلِدُ وَ اَنَا عَجُوْزٌ وَّ هٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عَجِیْبٌ ○ قَالُوْۤا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَیْكُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ اِنَّهٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ (سورۂ ہود: آیت ۷۱ تا ۷۳)

"وہ بولی ہائے میری شامت! کیا میرے ہاں بچہ ہوگا؟ جبکہ میں بڑھیا ہوں اور میرے میاں بھی بوڑھے ہیں؟ یقیناً یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ اُنھوں نے کہا: کیا تم اللہ کے فیصلے پر تعجب کرتی ہو؟ تم اہلِ بیت پر اللہ کی برکات ہیں۔ یقیناً اللہ قابلِ ستائش، بڑی شان والا ہے"۔

یہ آیات بتاتی ہیں کہ ملائکہ جنابِ ابراہیم علیہ السلام کے گھر تشریف لائے اور اُنھوں نے اُنھیں بیٹے کی ولادت کی بشارت دی۔ حضرت سارہؑ نے ان ملائکہ کو مہمان سمجھا تھا۔ آپؑ نے ان کے لیے غذا بنائی اور اُن سے گفتگو کی۔ فرشتوں نے بھی ان سے گفتگو کی۔

۴ ایک اور مقام پر فرمایا:

وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّ مُوْسٰۤى اَنْ اَرْضِعِیْهِ فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْهِ فَاَلْقِیْهِ فِی الْیَمِّ (سورۂ قصص: آیت ۷)

"ہم نے موسیٰؑ کی والدہ کی طرف وحی کی کہ اپنے بچے کو دودھ پلائے۔ جب آپؑ کو اس کی جان کا خطرہ ہو تو اُسے دریا میں ڈال دیجیے"۔

بعض مفسرین نے اَوْحَیْنَا کا معنی اَلْهَمْنَا کیا ہے، یعنی ہم نے یہ بات اُن کے دل میں ڈال دی۔ لیکن بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اُنھیں اس بشارت کی آواز دی تھی کہ وہ اس طرح کریں۔

علامہ مناوی نے شرح الجامع الصغیر ج ۲، ص ۲۶۰ میں محدث قرطبی سے حدیث نقل کی ہے۔ اس نے کہا: محدثون میں دال مفتوح ہے اور اسمِ مفعول ہے۔ اس کی واحد محدث ہے، یعنی جسے اِلہام ہوتا ہو۔ الہام کی تعریف یہ ہے کہ انسان اپنی فکر کے ساتھ راہِ صواب کو اختیار کرے۔ ایسے خاصانِ خدا کے قلوب میں اللہ کی طرف سے الہام یا مُکاشفہ کی صورت میں کوئی بات آئے جو صحیح و درست ہو۔ یعنی اُسے عالمِ ملکوت سے الہام ہوتا ہو یا اس کے نبی نہ ہونے کی صورت میں ملائکہ گفتگو کرتے ہوں۔ یہ وہ عزت و کرامت ہے جو اللہ اپنے صالح بندوں میں سے جسے چاہتا

ہے عطا کرتا ہے۔ اولیائے اللہ کے منازل میں یہ عظیم منزلت ہے۔

خاتونِ جنت کی منزلت

آپ کے حضور عرض ہے کہ ان مقدمات کے بیان کے بعد خاتونِ جنت کے مقام و منزلت کی فضا سے ہر قسم کے شکوک و شبہات کے سیاہ بادل چھٹ گئے ہوں گے اور یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ خاتونِ جنت محدثہ تھیں، کیونکہ پیغمبر کائناتؐ کی شہزادی کا مقامِ ارجمند نہ جنابِ مریمؑ مادرِ عیسٰیؑ یا جنابِ سارہؑ یا مادرِ موسیٰؑ سے کم تھا۔ یہ تمام خواتین ایمان نبیہ نہیں تھیں اور نہ شہزادی جنت نبیہ تھیں۔

علامہ محدث کبیر شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے جنابِ زید بن علی سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

اِنَّمَا سُمِّيَتْ فَاطِمَةُ مُحَدِّثَةً لِاَنَّ الْمَلَائِكَةَ كَانَتْ تَهْبِطُ مِنَ السَّمَاءِ فَتُنَادِيهَا كَمَا تُنَادِي مَرْيَمَ.....

"حضرت فاطمہ زہراؑ کو محدثہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ آسمان سے ملائکہ اُن پر نازل ہوتے اور اُن سے اس طرح گفتگو کرتے تھے جس طرح حضرت مریمؑ سے فرشتے گفتگو کرتے تھے اور اُنھیں ندا دیتے تھے اور باتیں کرتے تھے۔ وہ حضرت فاطمہ زہراؑ کو ندا دیتے تھے:

يَا فَاطِمَةُ! اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَ طَهَّرَكِ وَ اصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ

"اے فاطمہؑ! اللہ نے تمھیں برگزیدہ بنایا اور پاک و پاکیزہ بنایا ہے اور آپؑ کو تمام عالمین پر برتری عطا کی ہے"۔ (علل الشرائع، ص ۱۸۲، باب ۱۴۶، ح ۱)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ابوبصیرؒ سے فرمایا:

ان عندنا لمصحف فاطمة.....

"اے عبدِ خدا! ہمارے پاس مصحفِ فاطمہؑ موجود ہے"۔

لوگ اس مصحف کے بارے میں کیا کہتے ہیں کہ مصحفِ فاطمہ کیا ہے؟ اس وقت معصومؑ نے فرمایا: یہ مصحف ضخامت میں قرآن سے تین گنا بڑا ہے۔ لیکن اللہ کی قسم! قرآنِ مجید کا ایک حرف بھی اس میں نہیں ہے۔ اس میں جو کچھ ہے وہ وہی ہے جو اللہ نے ہماری والدہ فاطمہ زہراؑ کو املا کرایا اور وحی فرمائی۔ (الکافی، ج ۱، ص ۲۳۸)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں چند ایک باتیں ہیں جو لائقِ بحث و تحقیق ہیں۔ معصومؑ نے فرمایا:

فِيْهِ مِثْلُ قُرْاٰنِكُمْ هٰذَا ثَلَاثُ مَرَّاتٍ

اس عبارت سے مراد یہ ہے کہ "اس کا حجم قرآنِ مجید سے بہت زیادہ ہے"۔

قرآنِ مجید اللہ کی ایک معروف و مشہور کتاب ہے، جسے تمام مسلمان اچھی طرح سے جانتے ہیں۔ ہر زمانے اور ہر جگہ اس کا حجم، اس کی سورتیں، اس کی آیات یہی رہی ہیں جو اب موجود ہیں۔ معصومؑ نے قرآنِ مجید کو مقیاس اور میزان بنایا۔ اسی پر مصحفِ فاطمہ زہراؑ کو قیاس کیا کہ اس کا حجم اور مقدار کس قدر ہے؟

اس اندازے کے ساتھ اگر قرآن متوسط قسم کے حروف و صفحات کے ساتھ پانچ سو صفحات میں چھپے تو مصحفِ فاطمہ پندرہ سو صفحات میں چھپے گا۔ یعنی یہ قرآن کی ضخامت کا تین گنا ہے۔

معصومؑ کے اس فرمان: فِيْهِ مِثْلُ قُرْاٰنِكُمْ هٰذَا ثَلَاثُ مَرَّاتٍ کا مطلب یہی ہے۔ اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ جو قرآنِ مجید ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے ناقص ہے اور مصحفِ فاطمہ زہراؑ مکمل ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے کہ اللہ نے حضرت فاطمہؑ کی طرف ایک اور قرآن نازل کیا ہے۔ اگر کوئی آدمی ایسا دعویٰ کرے تو یہ امر دو حال سے خالی نہیں ہے۔ وہ جاہل ہے، یا پھر وہ جھوٹا ہے اور افترا پرداز دشمن ہے۔ رہی بات کلمۂ مصحف کی، اگرچہ ہمارے زمانے میں یہ اسم قرآنِ مجید کے لیے ہی استعمال ہوتا ہے، لیکن اس کا لغوی معنی کتاب ہے اور یہ کتاب کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔

علامہ رازی نے "مختار الصحاح" میں لکھا ہے کہ مُصحف کی میم مضموم ہے اور مکسور ہے، لیکن اصل ضمہ ہے، کیونکہ یہ "صحف" سے ماخوذ ہے کہ اس میں صفحات جمع کیے گئے ہیں۔

المنجد میں: والمصحف کی جمع مصاحف ہے، جو صفحات کو جامع ہوتا ہے، یعنی دو جلدوں کے درمیان صفحات۔

صراح اللغت میں ہے: مُصحف کی میم کسرہ اور ضمہ کے ساتھ ہے جس کا معنی کتابچہ ہے۔ فرا نحوی نے مُصحف کی وضاحت میں کہا ہے: کچھ عرب بعض حروف کو ثقیل سمجھتے ہیں، اس لیے ضمہ کی جگہ کسرہ لگا دیتے ہیں۔ اسی دلیل کی بنا پر مُصحف کو مِصحف میم مکسورہ کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ مُصحف کو اصحف سے لیا گیا ہے۔ اس کا معنی ہے وہ جو جامع صفحات ہو۔

مصباح المنیر میں ہے کہ صحیفہ چمڑے یا کاغذ کے ٹکڑے کو کہا جاتا ہے کہ جس پر لکھا جاسکے۔ اس کی جمع صُحُفٌ ہے۔ اس کا حرف "ص" اور "ح" مضموم ہیں۔ اس کی جمع صحائف بھی آتی ہے۔ مُصحف مِصحف سے زیادہ مشہور ہے۔

اقربُ الموارد میں ہے: مُصحف اسمِ مفعول ہے۔ اُسی چیز کو کہا جاتا ہے کہ جس میں صفحات دو جلدوں کے اندر ہوتے ہیں۔ مُصحف میم کے ضمہ اور فتح کے ساتھ بھی آتا ہے، جس کی جمع "مصاحف" ہے۔

لسانُ العرب میں ہے: مُصحف، مَصحف وہ چیز ہے کہ جس میں دو جلدوں کے اندر لکھے ہوئے صفحات ہوں۔ مصحف کا میم کسرہ اور فتح دونوں کے ساتھ آتا ہے۔

اے قاریٔ عزیز! آپ نے ابھی مُصحف کی بحث پڑھی ہے۔ اب آپ کے سامنے ایک حدیث پیش کی جاتی ہے، جس میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے محدثہ اور مصحفِ فاطمہ کا معنی بتایا ہے۔

بحارالانوار کی جلد ۴۳ میں ہے: آپ کے کسی صحابی نے آپ سے مُصحفِ فاطمہ کے بارے میں سوال کیا تو آپ ایک طویل عرصہ خاموش رہے۔ پھر فرمایا: تم لوگ جو کچھ چاہتے ہو اور جو کچھ نہیں چاہتے پوچھتے ہو۔

شہزادیٔ جنت حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد پچھتر دن زندہ رہیں۔ آپؑ اس دوران اپنے والد گرامی کے سوگ میں اور اُن کے فراق میں بہت زیادہ مغموم رہنے لگی تھیں۔ جنابِ جبرئیلؑ آپؑ کے پاس حاضر ہوئے اور آپؑ کو بہت زیادہ تسلی وتشفی دی۔ آپؑ کے غم واندوہ کے خاتمے کے لیے آپؑ کے سامنے آپؑ کے والد گرامی کے حالات و واقعات اور اُن کی منزلت و رفعت بیان کی۔ جنابِ جبرئیلؑ نے آپؑ کو آپؑ کی شہادت کے بعد ہونے والے واقعات کی بھی خبر دی۔ ان تمام باتوں کو امیرالمومنین امام علی علیہ السلام نے اپنے پاس لکھ لیا تھا۔ پس یہی مُصحفِ فاطمہ زہراؑ ہے۔

حسین بن ابوالعلاء سے مروی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: مُصحفِ فاطمہؑ ہرگز ہرگز اس قرآن کی مانند نہیں ہے۔ مُصحفِ فاطمہ قطعاً قرآن نہیں ہے۔ اس میں وہ باتیں ہیں جن کی وجہ سے لوگ ہمارے محتاج ہوتے ہیں۔ ہم کسی کے محتاج نہیں ہوتے۔ اس میں ایک تازیانہ کا حکم بھی ہے۔ آدھے تازیانہ اور تہائی تازیانے کا حکم بھی ہے۔ خراش کی دیت بھی ہے۔

فِيهَا كُلُّ حَلَالٍ وَحَرَامٍ وَكُلُّ شَيْءٍ يَحْتَاجُ النَّاسُ اِلَيْهِ حَتَّى الْاَرْشُ فِي الْخَدْشِ

ایک اور روایت میں ہے کہ مُصحفِ فاطمہ کتاب ہے۔ اس میں قیامت تک آنے والے حوادث و واقعات کا ذکر ہے اور قیامت تک آنے والے حکمرانوں کا تذکرہ بھی ہے۔

اب باقی بات رہ گئی ہے جملہ اَوْحٰى اِلَيْهَا کی۔ قرآنِ مجید کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وحی صرف انبیائے کرامؑ کے لیے خاص نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے غیر انبیاءؑ کو بھی وحی کی ہے۔ ان آیات بینات کا مطالعہ فرمائیں:

① فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَاَوْحٰی فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا (سورۂ فصلت: آیت ۱۲)

''ہم نے دو دنوں میں سات آسمان بنائے اور ہر آسمان کی طرف اس کے امر کی وحی کی''۔

② وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَى الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ (سورۂ مائدہ: آیت ۱۱۱)

''اس وقت کو یاد کرو جب میں نے حواریوں کی طرف وحی کی کہ مجھ پر ایمان لاؤ اور میرے رسول پر''۔

③ اِذْ یُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (سورۂ انفال: آیت ۱۲)

''اور وہ وقت بھی یاد کرو جب آپؐ کا رب فرشتوں کو وحی کر رہا تھا کہ تم ایمان لانے والوں کو ثابت قدم رکھو''۔

④ وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا (سورۂ نحل: آیت ۶۸)

''اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کو وحی کی کہ وہ پہاڑوں میں اپنے گھر بنائے''۔

⑤ وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّ مُوْسٰٓی اَنْ اَرْضِعِیْهِ (سورۂ قصص: آیت ۷)

''اور ہم نے موسیٰؑ کی والدہ کو وحی کی کہ وہ انھیں دودھ پلائے''۔

⑥ اِذْ اَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّكَ مَا یُوْحٰٓی (سورۂ طٰہٰ: آیت ۳۸)

''جب ہم نے آپؑ کی والدہ کی طرف اس بات کا الہام کیا جو بات الہام کے ذریعے کی جاتا تھی''۔

ان آیات سے واضح ہے کہ وحی نبیوںؑ کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ اور نہ صرف انسانوں کے ساتھ خاص ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہر آسمان کی طرف وحی فرمائی۔ اللہ نے حواریین، ملائکہ، شہد کی مکھی اور حضرت موسیٰؑ کی والدہ کی طرف وحی فرمائی۔ اب آپ کے لیے یہ مرحلہ سخت نہیں رہے گا کہ اللہ تعالیٰ نے خاتونِ جنت کی طرف اس طرح وحی فرمائی ہے، جس طرح حضرت موسیٰؑ کی والدہ کی طرف وحی کی ہے۔

مُصحفِ فاطمہؑ

ہماری اس بحث کے آخر میں یہ گزارش ہے کہ مُصحفِ فاطمہ ایک بڑی ضخیم کتاب ہے جس میں تمام دینی اَحکام تفصیل کے ساتھ موجود ہیں، حتیٰ کہ اس میں اسلامی حدود بھی مکمل تفصیل کے ساتھ بیان ہوئی ہیں۔ اس میں جس جرم کی سزا ایک کوڑا ہے، اس کا بیان بھی ہے۔ اگر نصف یا چوتھائی کوڑا سزا ہے، اس کی تفصیل بھی موجود ہے۔ خراش کی سزا

بھی اس میں موجود ہے۔ اس میں آپ کے دور سے لے کر قیامت تک آنے والے بادشاہوں اور فرمانرواؤں کے نام بھی موجود ہیں۔ علاوہ ازیں اس میں قیامت تک آنے والے تمام حوادث کی تفصیلات بھی موجود ہیں۔

یہ بات روشن ہے کہ ان تمام علوم کا سرچشمہ علمِ خداوندی ہے۔ یہ تمام علوم انھیں اس کی طرف سے حاصل ہوئے۔ ہر چیز کا علم اُسے حاصل ہے۔ وہ ہر حال میں اپنے بندوں سے آگاہ ہے۔ اس کا علم پوری کائنات کو محیط ہے۔ اس میں قرآنی آیات نہیں ہیں۔ قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب ہے اور یہ "مُصحفِ فاطمہ" ہے۔ (اُصولِ کافی: ج۱،ص ۲۳۹، بصائر الدرجات: ص ۱۵۲، بحار: ج۲۶،ص ۳۸، حدیث ۷۰)

ہم نے اس موضوع کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، کیونکہ ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ بعض بیمار اذہان بھی موجود ہیں جن کا کام تخریب کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اُنھیں کچھ ملے نہ ملے اپنی طرف سے گھڑ کر خاندانِ وحی کے پیروکاروں کو بدنام کرنے کے لیے اُچھل کود شروع کر دیتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے نہ کبھی قرآنِ مجید پڑھا ہے اور نہ سمجھا ہے کہ وحی صرف پیغمبرانِ علیہم السلام کی طرف نہیں ہوتی، بلکہ اُن کے علاوہ دوسری مخلوق جیسے شہد کی مکھی ہے۔ اس کی طرف بھی وحی ہوئی ہے۔ ہم نے اپنی بات کو صرف اس لیے طول دیا ہے تاکہ ان کی زبان بند رہے اور وہ اللہ کی مخلوق کو فریب نہ دے سکیں۔ ہم ان بداندیشوں کا حساب اللہ پر چھوڑتے ہیں، وہ انھیں خود سزا دے گا۔

الزہراء

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے نورِ انور کے بارے میں فرمایا کہ آفریدگار ہستی نے حضرت فاطمہ زہراؑ کے نُور کو مشعل کی طرح تخلیق کیا اور اُسے اپنے عرش کے ساتھ معلق کر دیا۔ پس ان کے اسی نور سے ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں منور ہوئے۔ اسی وجہ سے آپؑ کا اسمِ گرامی فاطمہ زہراؑ رکھا گیا۔ (بحار الانوار: ج ۴۳، ص ۱۷)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وَاَمَّا اِبْنَتِی فَاطِمَۃَ فَاِنَّھَا سَیِّدَۃُ نِسَاءِ الْعٰلَمِیْنَ مِنَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ وَھِیَ بَضْعَۃٌ مِنِّی وَھِیَ نُوْرُ عَیْنِیْ وَھِیَ ثَمَرَۃُ فُوَادِیْ وَھِیَ رُوْحِی۔۔۔ وَھِیَ الْحَوْرَاءِ الْاِنْسِیَّۃِ مَنْ قَامَتْ فِی مِحْرَابِھَا بَیْنَ یَدِیْ رَبِّھَا زَھَرَ نُوْرُھَا لِمَلَائِکَۃِ السَّمَاءِ

"میری دختر ارجمند حضرت فاطمہؑ عالمین کی اوّل و آخر تمام خواتین کی سیّدہ و سالار ہیں۔ وہ

میرے بدن کا حصّہ ہیں۔ میری آنکھوں کا نور ہیں۔ میرے دل کا میوہ ہیں اور میری روح ہیں، جو دونوں پسلیوں کے درمیان میں ہے۔ وہ انسان کی شکل میں حور ہیں۔ جس وقت وہ بارگاہِ خداوندی میں اُس کی بندگی و عبادت کے لیے کھڑی ہوتی ہیں تو اس وقت اس کا نور ملائکہ آسمانی کے لیے اس طرح جگمگاتا ہے جس طرح ستاروں کا نور اہلِ زمین کو دکھائی دیتا ہے"۔ (امالی صدوق، بحارالانوار، ج ۴۳)

ان دونوں احادیث کی روشنی میں ہم نے یہ معلوم کیا کہ حضرت فاطمہؑ کو زہرا کا لقب کیوں دیا گیا ہے؟ اس مضمون کی ایک اور حدیث بھی ہے۔ اُن کے چہرے سے نور پھوٹتا تھا، یعنی ایسا چہرہ جو ضوفشاں ہو۔ علاوہ ازیں حضرت فاطمہ زہراؑ کے اور اسماء بھی ہیں۔ آپؑ کا ہر اسم آپؑ کی فضیلت اور آپؑ کے امتیازات کا ایک جامع بیان ہے۔ ان میں سے کچھ اسماء یہ ہیں: اَلْبَتُول، العَذرَاء، الْحَانِيَه، حَانِيه "حنو" سے ہے۔ حانیہ اُسے کہا جاتا ہے جو اپنی اولاد کو ٹوٹ کر چاہے اور اُن پر بہت زیادہ مہربان و شفیق ہو۔

آپؑ کی کنیتوں میں سے ایک کنیت اُمِ ابیہا ہے اور یہ کنیت تمام کنیتوں سے افضل ترین کنیت ہے۔

البتول

آفریدگارِ ہستی نے اپنی مخلوق میں سے جمادات و نباتات اور حیوانات و انسان کو خلق فرمایا۔ پھر ان سب کے لیے قوانین و سُنن وضع فرمائے۔ پھر اپنی تمام مخلوق کو ان قوانین کا تابع بنایا۔

① آگ: اللہ نے آگ کی فطرت میں جلانا رکھا ہے۔ وہ اپنی شرائط اور مقررات کے ساتھ ہر چیز کو جلا دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے بنایا ہی جلانے کے لیے ہے۔

② نباتات: اللہ تعالیٰ نے نباتات کا اپنا اپنا موسم بنایا ہے اور ان میں سے ہر ایک کے لیے جگہ کا بھی تعین فرمایا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے عوامل تشکیل دیے ہیں۔ وہ نمو پاتے ہیں، بڑھتے ہیں اور جب بڑے ہوجاتے ہیں تو پھر ثمرآور ہوتے ہیں۔

آپ ایک بیج کے دانے میں غور و خوض کریں۔ جب اُسے زمین میں کاشت کیا جاتا ہے اور اس کی پیدائش اور نشوونما میں قدرت کے مقرر شدہ عوامل مدد کرتے ہیں تو وہ زمین سے اُگتا ہے اور اس کے نمو کا بھی ایک خاص زمانہ ہوتا ہے۔ یہ ہے نباتات میں اللہ کی کاریگری جس کی بنا پر وہ زندگی پاتے ہیں۔

۳ حیوانات: اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بھی خاص قوانین تشکیل دیے ہیں وہ انھیں قوانین کے تحت پیدا ہوتے ہیں پھر بڑھتے ہیں اور مقررشدہ حجم اور رنگ اختیار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی جبلت میں جو خصوصیات رکھی ہیں ان کے تحت وہ فرمانبرداری و اطاعت کرتے ہیں۔

۴ اسی طرح انسان ہے وہ بھی خداوند تعالیٰ کی سنت سے بالاتر نہیں ہے۔ وہ بھی جہانِ آفرینش اور جسمانی و روحانی فطرت کے قوانین کے آگے سرنگوں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت و بالغہ کے تحت اپنے اولیاؤں کو ان قوانین دشمن پر برتری عطا کی ہے۔ جب وہ چاہتا ہے تو انھی قوانین طبعی کو ان کے تابع بنا دیتا ہے۔

آپ آگ میں غوروفکر کریں اس کا کام جلانا ہے۔ جو چیز اس کی گرفت میں آجائے یہ اُسے آناً فاناً جلا کر رکھ دیتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں (جس کا خاصہ جلانا ہے) ڈالا گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اسے بَردًا وسَلَامًا بنا دیا۔ آگ کی فطرت پر ولایت غالب آگئی۔ جس نے اس کی حرارت کو برودت و سلامتی میں بدل دیا۔ یا جب ہم حضرت یونس علیہ السلام کی جب مافوق الفطرت اور عجیب وغریب داستان پڑھتے ہیں کہ جب مچھلی نے انھیں بیابان میں اُگل ڈالا اور وہ بیمار و لاغر تھے تو فوراً اللہ تعالیٰ کے حکم سے کدو کی بیل پیدا ہوئی اور اُس نے اُنھیں اپنے پتوں سے ڈھانپ لیا۔ حالانکہ ہم اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ پہلے کدو کا بیج زمین میں ڈالا جاتا ہے، پھر وہ زمین سے نکلتا ہے، اُس کے پھلنے پھولنے میں ایک وقت لگتا ہے تب جا کر اُس کے پتے کسی انسان کو ڈھانپ سکتے ہیں یا کسی اور چیز کو ڈھانپ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کدو کی بیل کی فطرت کو اپنے نبی حضرت یونسؑ کے سامنے جھکا دیا تھا۔

ہم بخوبی جانتے ہیں کہ سلسلۂ تولید زن و مرد کے ازواج کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ پہلے اَزواج ہو پھر مرد کا نطفہ عورت کے رحم میں قرار پکڑے پھر بچے کی ولادت ہوتی ہے۔ نطفہ مرد سے منتقل ہو کر عورت کے رحم میں پھر وہی نطفہ "علقہ" بنتا ہے اور پھر علقہ سے مُضغہ کی شکل اختیار کرتا ہے۔ اسی مُضغہ میں ہڈیاں وجود پاتی ہیں اور یہی جنین بطور عادی چھے ماہ سے نو ماہ تک اپنے نقطۂ کمال کو پہنچتا ہے۔ لیکن یہی سنت پروردگار ایک دختر پاک و سرفراز یعنی حضرت مریم علیہا السلام کے مقابل آتی ہے تو بدل جاتی ہے۔ نہ وہ سلسلہ اَزواج سے گزرتی ہیں نہ اُنھیں کوئی مرد مَس کرتا ہے۔ اللہ کے حکم سے حضرت مسیح اُن کے شکمِ مبارک میں آجاتے ہیں۔ وہ اس ملکوتی مولود کو جننے کے لیے کھجور کے تنے کی پناہ لیتی ہیں۔ سات یا نو گھنٹے کے اندر حضرت عیسٰی علیہ السلام کو جنم دیتی ہیں۔ (مجمع البیان، سورۂ مریم، ج ۶، ص ۵۱۱)

پیغمبرانِ گرامیؑ اور معجزات

پیغمبرانِ گرامیؑ اور اُن کے اوصیاء سے فوق العادت معجزات و کرامات صادر ہوئے ہیں۔ قرآنِ مجید میں ایسی مثالیں کثرت کے ساتھ موجود ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے فطری مقررات اور قوانین آفرینش ان کے اختیار میں دے دیے تھے۔ آپ ان واقعات کو قرآنِ مجید میں تلاش کر سکتے ہیں۔ اس عنوان کے تحت چند نمونے درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت آدم علیہ السلام کا زمین کی طرف نزول۔ (سورۂ ہود: آیت ۲۰)

۲۔ حضرت نوح علیہ السلام کے قصے میں تنور سے پانی کے چشمے کا اُبلنا۔ (سورۂ ذاریات: آیت ۲۹)

۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ حضرت سارہ کا حاملہ ہونا کیونکہ وہ بانجھ اور بوڑھی تھیں۔ اس حالت میں حضرت اسحاق علیہ السلام اُن کے بطن سے پیدا ہوئے۔ (سورۂ ہود: آیت ۷۲)

۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں عصا کا اژدھا بننا۔ (سورۂ اعراف: آیت ۱۰۷)

۵۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دستِ مبارک سے مادرزاد اندھوں کا بینائی والا ہونا، مبروص کا تندرست ہونا اور مُردوں کا زندہ ہونا۔ (سورۂ شعراء: آیت ۲۶)

۶۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سفرِ معراج۔ (سورۂ آلِ عمران)

ازراہِ مقدمہ چند نمونے حاضر ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے جب چاہا طبیعی قوانین کو اپنے اولیاء کے تصرف میں دے دیا اور اُنھوں نے موقع کی مناسبت سے ان میں تصرف فرمایا۔

قانونِ فطرت

جب عورت بالغ ہوتی ہے تو اپنے وقتِ بلوغ سے لے کر اپنی عمر کے پچاس یا ساٹھ سالوں تک ہر ماہ خون دیکھتی ہے اور یہ خون جنین کی غذا کے لیے عورت کے بدن کے مختلف حصوں میں مخزون ہوتا ہے۔ جب عورت کے شکم میں جنین نہیں ہوتا تو وہ خون ہر ماہ اُس کے جسم سے خارج ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات یہ خون دودھ کی صورت اختیار کر کے بچے کی غذا بنتا ہے۔ اس ماہانہ عادت کا قرآنِ مجید نے یوں جواب دیا ہے:

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى (سورۂ بقرہ: آیت ۲۲۲)

"(اے پیغمبرؐ) یہ لوگ آپؐ سے عورتوں کی اس عادت کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو آپؐ اُنھیں بتا دیں کہ یہ ایک اذیت ہے"۔

اس ماہانہ عادت کے دوران ایک عورت میں جسمانی، روحانی، نفسیاتی عوارض پیدا ہوتے ہیں، جو اس کی ملاحت اور اس کے چہرے کے رنگ کو تبدیل کرتے ہیں حتیٰ کہ اس کے اَخلاق کو بھی متاثر کرتے ہیں۔ جب عورت حائض ہوتی ہے تو اس کے چہرے کے رنگ اس کی آنکھوں کی حالت اور دوسری حرکات سے اُسے پہچانا جاسکتا ہے کہ وہ اب اپنی ماہانہ عادت کے دور سے گزر رہی ہے۔ عورت میں یہ خونریزی طبعی و عادی خونریزی کے مانند نہیں ہے کہ کبھی ایک انسان اس سے دوچار ہوجاتا ہے بلکہ مختلف جہات سے بدن کی عادی خونریزی سے متفاوت ہے۔

ایک عورت اپنی اس ماہانہ عادت کے دوران حیا و انکساری کا احساس رکھتی ہے حالانکہ یہ اس کے ارادہ و اختیار سے باہر ہے۔ جب وہ ان ایام میں ہوتی ہے تو وہ تکلیف میں بھی ہوتی ہے لیکن اپنی اس تکلیف کا اظہار ہر ایک کے سامنے نہیں کرسکتی بالخصوص مردوں سے۔ اس دوران وہ اپنے اپ میں اور اپنی روح میں کمزوری محسوس کرتی ہے، اسی لیے اس حالت میں اس سے نماز اور روزہ کے احکام ساقط ہوجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن پر اس حالت میں مساجد میں ٹھہرنا، مسجد الحرام اور مسجد نبویؐ میں داخل ہونا اور سور العزائم کا پڑھنا (وہ سورتیں جن میں آیاتِ سجدہ واجبہ ہیں) حرام قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے احکام بھی ہیں جو فقہ کی کتب میں مذکور ہیں۔ عورت اگر حالتِ نفاس میں ہو تو اس پر بھی مذکورہ احکام نافذ ہوتے ہیں۔

مقام ومنزلتِ خاتونِ جنت

خالق جہانِ ہستی نے ارادہ فرمایا کہ حضرت فاطمہ زہراؑ ان عوارض اور مشکلات جسمی و روحانی سے دوچار نہ ہوں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اُنھیں اُن عوارض سے پاک و پاکیزہ بنایا۔ اس مورد میں چند روایات صحیحہ پیش کررہے ہیں ان کا مطالعہ کیجیے۔

① قندوزی نے روایت کی ہے کہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّمَا سُمِّيَتْ فَاطِمَةُ بَتُولًا لِاَنَّهَا تَبَتَّلَتْ مِنَ الْحَيْضِ وَالنِّفَاسِ

"فاطمہؑ کو بتول اس لیے کہا گیا ہے کہ اللہ نے اُنھیں عورتوں کی ماہانہ عادت اور نفاس سے پاک رکھا ہے"۔ (ینابیع المودۃ، ص ۲۶۰)

② امرتسری نے اَرجح المطالب میں ۲۴۱ میں روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ "بتول" کی خصوصیات کیا ہیں؟ ہم نے آپؐ سے سنا ہے کہ آپؐ مریم بتولؑ اور فاطمہ بتولؑ فرماتے ہیں۔

یہ سن کر آپؐ نے فرمایا: بتول اُسے کہا جاتا ہے جو قطعاً ماہانہ سرخی نہ دیکھے، یعنی جو حیض سے پاک ہو، کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی بیٹیوں میں ماہانہ عادت ناپسندیدہ امر ہے۔

③ محمد صالح کشفی حنفی نے المناقب، ص ۱۱۹ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: سُمِّيَتْ فَاطِمَةُ بَتُولًا لِاَنَّهَا تَبَتَّلَتْ وَتَقَطَّعَتْ عَمَّا هُوَ مُعْتَادُ الْعَوْرَاتِ فِي كُلِّ شَهْرٍ

''فاطمہؑ'' کو بتول اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ عورتوں کی اس عادت سے جو وہ ہر ماہ دیکھتی ہیں اُن سے پاک ہیں''۔

④ حافظ ابوبکر شافعی نے تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۳۳۱ جنابِ ابن عباسؓ سے روایت کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِبْنَتِي حَوْرَاءُ آدَمِيَّةٌ لَمْ تَحِضْ وَلَمْ تَطْمِثْ..... اِلٰى آخِرِہٖ

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری بیٹی فاطمہؑ انسانی شکل میں ''حوریہ'' ہے۔ انھوں نے ہرگز خون نہیں دیکھا''۔ (یہی روایت محدث نسائی نے بھی بیان کی ہے)۔

⑤ ابن عساکر تاریخ کبیر، ج ۱، ص ۳۹۱ نے انس بن مالکؓ سے اور اُس نے اُمِ سلیم سے سنا: اس نے فرمایا: حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام نے نہ خونِ حیض دیکھا اور نہ نفاس''۔

⑥ حافظ سیوطی نے خصائصِ فاطمہؑ میں لکھا ہے: اِنَّهَا كَانَتْ لَا تَحِيْضُ ''وہ ماہانہ نسوانی عادت سے پاک تھیں''۔

⑦ رافعی نے کتاب ''التدوین'' حضرتِ اُمِ سلمہؓ سے روایت کی ہے:

مَا رَأَتْ فَاطِمَةُ سَلَامُ اللهِ عَلَيْهَا فِيْ نِفَاسِهَا دَمًا وَلَا حَيْضًا

''حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے اپنی زندگی میں ماہانہ خون دیکھا اور نہ نفاس''۔

خداوند تعالیٰ نے انھیں ان دونوں خونوں سے پاک و پاکیزہ بنایا تھا۔

⑧ طبری نے ذخائر العقبیٰ میں حضرت اسماء بنت عُمیس سے روایت نقل کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جب حضرت فاطمہ زہراؑ کے ہاں ان کے بیٹے حسنؑ پیدا ہوئے تو مَیں نے ان سے نہ کوئی خون دکھا اور نہ دوسرے عوارض، جو عموماً وقتِ ولادت عورتوں کو لازم ہوتے ہیں''۔ صفوری نے نزہۃ المجالس، ص ۲۲۷ میں اس روایت کو نقل کیا ہے۔

⑨ حضرت ابوبصیرؓ نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

حَرَّمَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ عَلٰى عَلِيِّ النِّسَاءَ مَا دَامَتْ فَاطِمَةُ حَيَّةٌ قُلْتُ: وَكَيْفَ: لِاَنَّهَا طَاهِرَةٌ لَا تَحِيْضُ!

''اللہ تعالیٰ نے حضرت امام علی علیہ السلام پر دوسری عورتوں کو حرام کردیا تھا جب تک حضرت

فاطمہ زہراؑ زندہ رہیں"۔

ابوبصیرؓ کا بیان ہے کہ میں نے پوچھا: اس کی وجہ کیا تھی؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ عوارضِ زنانہ سے پاک و پاکیزہ تھیں۔

علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں کہ اس تعلیل کے دو احتمال ہیں:

پہلا احتمال یہ ہے کہ دختر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماہانہ عوارض سے پاک تھیں، اس لیے امیرالمومنین حضرت امام علی علیہ السلام کو کسی دوسری عورت کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی زندگی میں حضرت امیرؑ پر دوسری عورت حرام کر دی تھی۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ خاتونِ جنت اپنے مقام و منزلت میں کوئی ثانی نہیں رکھتی تھیں، اس لیے ان کی یہ عظمت مانع تھی کہ ان کی موجودگی میں جنابِ امیر علیہ السلام کے گھر میں کوئی دوسری عورت ہو۔

آخر میں میں یہ کہوں گا کہ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کی ان نسوانی عوارض سے پاکیزگی آیتِ تطہیر سے ثابت ہے، کیونکہ وہ اس آیت کے مصادیق میں سے ہیں۔ آپؑ اپنے خاندان کے افراد کے مانند ہر قسم کی جسمانی و ظاہری و باطنی و روحانی آلودگیوں سے پاک و پاکیزہ تھیں۔ آیتِ تطہیر اس امر کا اعلان ہے۔

العذرا

سیدہؑ کے ملکوتی اسماء میں ایک اسم "عذرا" ہے۔ آپؑ کو اس نام سے اس لیے پکارا جاتا تھا کہ آپؑ ہمیشہ سے دوشیزہ اور باکرہ تھیں۔ آپؑ اپنی زندگی کے آخری لمحات تک دوشیزہ اور باکرہ ہی رہیں۔

ہم نے گذشتہ روایات میں بیان کیا ہے کہ خاتونِ جنت کی آفرینش اور آپؑ کا نطفہ آب بہشتی غذا اور آسمانی ارمغان کا جوہر تھا۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں بارہا فرمایا: "فاطمہؑ انسانی شکل میں حور ہے"۔

ان روایات سے واضح ہوتا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیانِ مبارک حقیقت و واقعیت پر مبنی ہے۔ اس بیان میں ذرہ برابر تجاوز و مبالغہ نہیں ہے۔

ان روایات کے علاوہ جب قرآنِ مجید میں غور و فکر کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ فاطمہؑ جنت کی جن حوروں کی سیدہ و سالار ہیں اللہ نے ان کی یوں تعریف و توصیف کی ہے۔

اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَاۗءً ○ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا (سورۂ واقعہ: آیت ۳۵-۳۶)

"ہم نے ان (حوروں) کو ایک انداز تخلیق سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے انھیں باکرہ بنایا"۔

قرآنِ مجید کی ان آیات کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ہمیشہ باکرہ رہیں گی۔

جب حورانِ جنت ہمیشہ باکرہ رہیں گی تو ان کی سیّدہ وسالار کی دوشیزگی اور باکرہ ہونے میں کسی شک وشبے کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔

تفسیر مجمع البیان میں ان آیات کی تفسیر میں علامہ مفسر نے لکھا ہے: جب حورانِ جنت کے شوہر اُن سے مقاربت کریں گے تو وہ اُنھیں باکرہ پائیں گے۔

جب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ ایک مرد جب اپنی حور سے مقاربت کرے گا تو مقاربت کے بعد وہ کیسے باکرہ رہے گی؟

امام معصومؑ نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حور کی تخلیق ایسے پاک وپاکیزہ لطیف مادے سے کی ہے جس میں کبھی نقص وعیب پیدا نہیں ہوگا۔ اس کا جسم کسی آفت سے آمیختہ نہیں ہوگا۔ وہ کبھی حیض سے دوچار نہیں ہوگی۔ اس کا رحم ہمیشہ چسپاں ہی رہے گا۔

یہی وجہ ہے کہ سیّدہ نساء العالمین کی تخلیق بہشتی میوہ جات اور آسمانی اَرمغان سے ہوئی ہے اور وہ انسانی شکل میں حور ہیں۔ ان کے خواص وعادات بہشتی حور کے مانند ہیں، اس لیے وہ عورتوں کی ماہانہ عادت سے پاک ہیں۔

انھی وجوہات کی بنا پر آپؑ کے اسماء میں سے ایک اسم عذراء ہے۔

پیدائش ونشوونما

آخرکار اس قادرِ مطلق کے دستِ حکمت سے اس عظیم مخلوق نے آفرینش کے مراحل طے کیے۔ آپؑ نے اپنے مہربان والد کے سایۂ عاطفت میں مبارک آنکھیں کھولیں اور اپنے نورِ ولادت سے کائنات کو منور کیا۔ آپؑ نے اپنی والدہ سے وہ غذا لینا شروع کی جو فضائل وکمالات کا امتزاج تھی۔ آپؑ نے خانۂ وحی ومنزلِ قرآن میں اپنی نشوونما کا آغاز کیا۔ آپ نے اس رُشد وکمال کے سفر کو بڑی تیزی کے ساتھ طے کرنا شروع کیا۔

آپ کے والد گرامی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپؑ کو آسمانی علوم اور زمینی دانش وحکمت کی تعلیم شروع کر دی تھی۔ آپؐ روزانہ سیّدہ کو معارفِ ربانی سے سرشار فرماتے تھے۔ سرچشمۂ وحی سے توحید کے اَحسن دروس، علومِ ایمان کی اعلیٰ منازل اسلام کے خوبصورت ترین حقائق جو آپؐ پر نازل ہوتے وہ سبھی اپنی بیٹی کو سکھلا دیتے تھے۔

آپؑ شائستہ ترین تربیت کے ماحول میں پروان چڑھ رہی تھیں، کیونکہ رسولؐ اللہ نے دیکھا تھا کہ ان کی بیٹی میں علوم کے حصول کی کامل ترین استعداد موجود ہے۔ آپؐ نے محسوس کیا تھا کہ ان کی بیٹی مجسم پاکیزگی و شرافت ہے۔ اس کی روح روحانیت و نُورانیت سے لبریز ہے۔ اور ان میں تکامل و ترقی کی صلاحیتیں غیر معمولی صورت میں وجود رکھتی ہیں۔

رنج ومصائب کا ہالہ

جہاں ایک طرف خاتونِ جنت کو شخصیت سازی و رُشد و ہدایت، حکمتِ الٰہیہ کے عوامل میسر تھے تو دوسری طرف اس دخترِ فرزند پیغمبرؐ کی زندگی کا آغاز رنج و آلام سے ہمکنار تھا۔ آپؑ نے اپنی صغرسنی میں اپنے والدِ مہربان کو مشکلات و مصائب میں گھرا ہوا پایا۔ جب آپؑ نے اِس جہان میں آنکھ کھولی تو اپنے والد کو خوف و تنہائی کے عالم میں پایا۔ آپؑ نے دیکھا کہ آپؑ کے کریم والد کا سارا زمانہ دشمن ہے۔ اپنے بیگانے سبھی انھیں اپنا دشمن سمجھتے ہیں اور ان سے ہروقت جنگ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اکثر ایسا ہوا کہ یہ دختر سرفراز اپنے صغرسنی میں مسجدالحرام میں جاتیں تو اپنے والدِ کریم کو حجرِ اسماعیلؑ میں قرآنِ مجید کی تلاوت کرتا ہوا دیکھتیں تو وہاں آپؑ مشرکینِ مکہ کو اپنے مہربان والد کے ساتھ لڑتا ہوا دیکھتیں اور انھیں مختلف قسم کی اذیتیں دیتے ہوئے پاتیں۔

آپؑ ایک دن بیت اللہ میں آئیں تو آپؑ نے دیکھا کہ اُن کے والد گرامی بارگاہِ خداوندی میں سجدہ ریز ہیں اور مشرکینِ مکہ نے اُن کی پشت مبارک پر اُونٹ کی اوجھڑی ڈال دی ہے۔ آپؑ اس دردناک منظر کو برداشت نہ کرسکیں۔ فوراً اپنے والد گرامی کے قریب آئیں اور اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کے ساتھ اپنے والد گرامی کے مبارک لباس کو صاف کرنے لگیں اور آپؑ نے ان ظالموں اور گستاخوں کو بھرپور شجاعت کے ساتھ دُور کیا۔ یہ فخرِ کائنات بیٹی اپنے بابا کا دفاع کررہی تھی اور وہ اوباش احمقوں کی طرح قہقہے لگا رہے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک دن تمام قریش حجرِ اسماعیلؑ کے پاس اکٹھے ہوئے اور اُنھوں نے اپنے بتوں (لات، عزّیٰ اور منات) کے قریب معاہدہ کیا کہ جہاں کہیں محمدؐ کو دیکھو انھیں سب مل کر قتل کردو۔ یہی آواز اس دختر فرزانہ کے کانوں میں پڑی۔ آپؑ فوراً اپنے بابا کے پاس روتے ہوئے آئیں اور اُنھیں کفار و مشرکین کے معاہدہ سے آگاہ کیا۔

جب بدحالی نے زور پکڑا، مشکلات و مصائب میں روز بروز اضافہ ہونے لگا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اضطرار بڑھا۔ انھیں حالات کے پیشِ نظر آپؐ نے اپنے کنبہ اور آلِ ابی طالبؑ کے ساتھ شعبِ ابی طالب میں پناہ لی۔ یہ

خشک اور بنجر علاقہ تھا۔ جب پیغمبرؐ اسلام اور اُن کا قبیلہ شعب ابوطالب میں پہنچا تو مشرکین مکہ نے شعب ابی طالب جانے والے راستوں پر پہرے بٹھا دیئے۔ مشرکین مکہ نے سوشل بائیکاٹ کا اعلان کر دیا کہ محمدؐ اور ابوطالبؑ کے خاندان کو کوئی چیز بیچی جائے اور نہ اُن سے کوئی چیز خریدی جائے اور نہ غذا اور خوراک کا سامان اُن تک پہنچنے دیا جائے۔ اقتصادی پابندیاں لگادی گئیں۔ خوف و ہراس نے شعب ابی طالب پر اپنی دبیز چادر تان لی تھی۔ تذبذب و حیرانی کی کیفیات نے اعصابی نظام کو معطل کرنا شروع کر دیا تھا لیکن ایک پُرعزم نجات دہندہ کی رفاقت میں بنوہاشم کا ہر فرد خوش اور پُرجوش تھا۔ اُن کے چہروں پر روشنی تھی۔ اس نورانی پیکر کی اپنے ہر فرد پر نظر تھی۔ آپؐ اُن کی فداکاری، جوان جذبوں اور بلند ولولوں کو دیکھ کر خوش ہوجاتے لیکن اس ملکوتی کاروان میں جہاں جوان تھے، وہاں بوڑھے بھی تھے، جہاں بڑے تھے وہاں معصوم بچے بھی تھے۔ جب انھیں کھانا نہیں ملتا تھا اُن پر بھوک کا غلبہ ہوتا تھا۔ اس اقتصادی و معاشی پابندی سے سب سے زیادہ بنوہاشم کے بچے متاثر ہوئے۔

اہلِ مکہ رات کو آرام و سکون کے ساتھ نیند کے مزے لوٹتے۔ اِدھر شعب ابی طالب کی وادی بچوں کے رونے سے بے چین و بے قرار ہوجاتی۔ جب مشرکین کے کانوں میں بنوہاشم کے بچوں کے رونے کی دلخراش صدائیں پہنچتیں تو اُن کے قلوب میں ٹھنڈک پہنچتی اور اُن کی مسرت و شادمانی کی انتہا ہوجاتی۔ کفار کا یہ محاصرہ کوئی تین چار مہینوں پر مشتمل نہیں تھا بلکہ اس تیرہ و تاریک محاصرے کے سائے بنوہاشم پر تین سال کئی مہینے چھائے رہے۔ سیّدۂ کائنات خاتونِ جنت نے باوجود اپنی صغرسنی کے وہ مشکلات و مصائب کا طویل ترین دور بھرپور صبر و تحمل کے ساتھ گزارا۔ آپؑ نے زمانہ مستقبل میں جن طوفانی مصائب کے اَدوار سے دوچار ہونا تھا۔ شعب ابی طالبؑ کا دور آپؑ کے لیے انھیں مصائب و آلام کا مقدمہ بھی تھا اور تمرینی و تدریبی دور بھی تھا۔ اس شدید ترین دور نے آپ میں معاشرے کی اصلاح کے لیے روحِ جہاد، پائیداری و مقاومت، عدالت و حریت کو زندہ تر اور پُرطراوت بنا دیا تھا۔

تسکینِ دل کی سامانیاں

ان مصائب و آلام کے سیاہ بادلوں میں حضرت فاطمہ زہراؑ کو جو بات تسکین دیتی تھی اور اُن کی آنکھوں کو منور کر دیتی تھی وہ یہ تھی کہ جب آپؑ دیکھتیں کہ سردارِ بطحا حضرت ابوطالبؑ اُن کے والد گرامی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ اس طرح رہتے ہیں جیسے انسان کے ساتھ سایہ۔ جب بھی آپؑ کی نگاہ اپنے بابا پر پڑتی تو آپؑ دیکھتیں کہ یہ مجاہد و مبارز مرکز ایمان و اخلاص اپنے جری و جنگجو برادر حضرت حمزہؓ کے ساتھ اپنی تلواریں ننگی کیے ہوئے دائیں بائیں چل

رہے ہیں اور اُنھوں نے کبھی پیغمبرؐ خدا کو اکیلا نہ چھوڑا تھا۔ ان کے ساتھ قدم ملا کر مسجد الحرام کی طرف جاتے، تا کہ دشمن کو پتا چلے کہ وہ رسولؐ اللہ کی مؤازرت و مناصرت میں سب کچھ کرنے کو کمر بستہ ہیں اور وہ حالتِ جنگ میں ہیں اور ہر خطرے سے نمٹنے کے لیے مستعد و آمادہ ہیں۔ کبھی وہ اپنے مہربان بابا کے پیچھے اور دائیں بائیں بنی ہاشم کے جوانوں کو اور جنابِ ابوطالبؑ کے غلاموں کو دفاعی پوزیشن سنبھالے مسلح دیکھتیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ محمد رسولؐ اللہ کے ساتھ بہادر جوانوں کا جتھا آرہا ہے، تا کہ کسی دشمنِ خدا کو ان کی شان میں گستاخی کی جرأت نہ ہو۔

کبھی دخترِ پیغمبرؐ اپنے بہادر و جانباز دادا حضرت ابوطالبؑ کو دیکھتیں کہ وہ پیغمبرؐ اسلام کے سامنے اپنے ایمان و اسلام اور اپنے عشق و علاقہ کا اعلان کر رہے ہیں اور پیغمبرؐ خدا کی دعوتِ اسلام کا مثبت جواب دے رہے ہیں اور ان کی شان میں قصائد بیان کر رہے ہیں۔ ان کا یہ طریقہ حمایتِ پیغمبرؐ کے لیے بہت زیادہ موثر تھا۔

"طبری" نے اپنی تاریخ میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ جب قریش مکہ نے دیکھا کہ شیخ بطحا سیّد القریش کسی صورت میں بھی اپنے بھتیجے کی حمایت سے ہاتھ اُٹھانا نہیں چاہتے تو مکہ کے سرداروں کا یہ وفد جنابِ ابوطالبؑ کے دروازے پر پہنچا۔ سردارِ مکہ نے اپنی خاندانی روایات کے مطابق اُنھیں خوش آمدید کہا، اُنھیں تعظیم و اکرام کے ساتھ بٹھایا اور آمد کا سبب دریافت فرمایا۔ اس وفد کے امیر نے اپنا مدعا پیش کیا کہ اے سردارِ بنوہاشم! ہم آپؑ کی بارگاہ میں اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ آپؑ کی خدمت میں قریش کا یہ خوبصورت، حسین و جمیل جوان عمارہ بن ولید پیش کریں تا کہ آپؑ اس کے عوض اپنا بھتیجا جس نے ہماری جمعیت کو پراگندہ کر ڈالا ہے اور وہ جو ہمارے دانشوروں کو احمق و بے وقوف سمجھتا ہے، ہمارے حوالے کر دیا جائے، تا کہ ہم اُس سے اپنا اور اپنے خداؤں کا انتقام لے سکیں!

بنوہاشم کے پیکرِ دانش و بینش اور فرزانہ سردار نے موقع و محل کی نزاکت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے بڑی متانت اور درایت و شہامت سے اپنی گفتگو کا آغاز کیا۔ آپؑ نے فرمایا: یہ کیسا معاملہ ہے جس کی تم لوگوں نے پیش کش کی ہے اور یہ کہاں کا انصاف ہے کہ میں تمھارے بچے کی پرورش کروں اور تم میرے نورِ نظر، پارہ جگر کو قتل کر دو؟ خدا کی قسم! ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔ اگر تمھارا یہی انصاف ہے تو تم میں سے ہر آدمی اپنا بیٹا میرے پاس لے آئے، تا کہ میں اُسے قتل کروں۔ پھر آپ شہامت و عزیمت کے ساتھ اُٹھے اور یہ اشعار پڑھے:

مَنَعْنَا الرَّسُوْلَ رَسُوْلَ الْمَلِيْكِ ببِيْض تلألأ كلمع البُرُوْقِ
اَذُوْدُ وَاَحِي رَسُوْلَ الْمَلِيْكِ حِمَايَةَ حَامٍ عَلَيْهِ شَفِيْقٌ

"اے ستم پیشہ لوگو! کان کھول کر سن لو، ہم کھنچی ہوئی چمک دار تلواروں کے ساتھ جرأت و

شہامت کے ساتھ پیغمبرؐ حریت کا دفاع کرنے والے ہیں۔ ہم اُن کے حقوق و آزادی کے لیے اور اُن کے دفاع کے لیے جنگ کے لیے تیار ہیں۔ ہم ان کا دفاع اس طرح کریں گے کہ جس طرح ایک جان پر مر مٹنے والا دفاع کرتا ہے"۔

سردارِ بطحاء حضرت ابوطالبؑ کا ایمان اور حمایت پیغمبرؐ اسلام

حضرت ابوطالبؑ کی وہ گفتگو جو نظم و نثر کی صورت میں اسلام اور پیغمبرؐ اسلام کی حمایت میں تاریخ میں محفوظ ہے، جن سے آپ کے اسلام و ایمان اور رسولؐ اللہ سے محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ اُنھی اشعار میں سے چند ایک اشعار یہ ہیں:

اَلَمْ تَعْلَمُوا اَنَا وَجَدْنَا مُحَمَّدًا نَبِیًّا کَمُوسٰی خُطَّ فِی اَوَّلِ الْکُتُبِ

أَلَیْسَ اَبُونَا هَاشِم شَدَّ أَزْرَہُ وَاَوْصٰی بِنَبِیْہِ بِالطَّعَانِ وَبِالحرب

"اے کبر و غرور سے بھرپور نمائندگانِ ظلم و ستم! کیا تمھیں معلوم نہیں ہے کہ ہم نے محمدؐ کو اس طرح نبی پایا جس طرح حضرت موسیٰؑ نبی ہیں۔ آسمان سے جو کتاب نازل ہوئی۔ ہر کتاب نے آپؐ کی آمد کی بشارت دی۔ کیا جنابِ ہاشم جو ہمارے پدرِ بزرگوار تھے، اُنھوں نے اپنی کمرِ ہمت کو محکم و اُستوار کیا اور اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ وہ معاشرہ میں اصلاح و آزادی اور عدالت کو رائج کرنے کے لیے نیزہ اور تلوار کے ساتھ قیام کریں"۔(تاریخ طبری: ج ۲،ص ۶۷-۶۸، سیرۃ ابن ہشام: ج ۱،ص ۲۶۵ تا ۲۶۷)

ایک اور قصیدے میں پیغمبرؐ خدا کی یوں تعریف کی:

- وَقَالُوا لِاَحْمَدٍ: اَنْتَ اِمْرَءٌ خَلُوفُ اللِّسَانِ ضَعِیفُ السَّبَبِ

اَلَا اِنْ اَحْمَدُ قَدْ جَاءَهُمْ بِحَقٍ وَلَمْ یَأْتِهِم بِالْکِذْبِ

"کفار اور کج فکر لوگوں نے احمدِ مرسلؐ سے کہا: تُو جھوٹا ہے اور تیرے پاس اتنی طاقت و قوت نہیں ہے کہ تو کفر و شرک کا مقابلہ کر سکے۔ خبردار! جان لو! یہ حقیقت ہے۔ یہ احمدِ مرسل ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر آئے ہیں۔ ان کی ہر بات سچ ہے۔ اُن کا کوئی فرمان جھوٹا نہیں ہو سکتا"۔

آپ کے وہ اشعار، جو اسلام اور قرآن کی مدافعت میں ہیں اور اس صحیفہ کے متعلق ہیں جو پیغمبرؐ خدا کا معجزہ ہے۔

وَقَدْ كَانَ مِن اَمْرِ الصَّحِيفَةِ عِبْرَةً مَتٰى مَا يُخَبَّرُ وغَائِبِ الْقَوْمِ يُعْجِبِ

مَحَا اللهُ مِنْهَا كُفْرَهُمْ وَعُقُوْقُهُمْ وَمَا نَقَمُوْا مِنْ نَاطِقَ الْحَقِّ مُعْرَبِ

وَاَمسِ اِبْنَ عَبْدُ اللهِ فِيْنَا مُصَدَّقًا عَلٰى سُخْطِ مِنْ قَوْمِنَا غَيْرُ مُعْتَبِ

''صحیفہ والی خبر قوم کے لیے درسِ عبرت تھی۔ جب صحیفہ کے بارے میں خبر دی گئی، حالانکہ صحیفہ ایک مخفی اَمر تھا۔ اس نے صحیفہ کی حقیقت بتا دی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے کفر کی طاقت کو مٹا کر رکھ دیا اور جو لوگ حق و حقیقت سے بغض رکھتے تھے، اُن کا بھی خاتمہ کر دیا۔ طالبانِ حق و حقیقت نے اُنھیں تسلیم کر لیا۔ بدعقیدہ اور باطل پرست اُن کی دشمنی پر جان دیتے رہے''۔

ایک دفعہ آپؑ نے اپنے مُبارز و مجاہد بھائی حضرت حمزہؓ کو نصرتِ محمدیؐ کی ترغیب و تشویق کے لیے ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

صَبْرًا اَبَا يَعْلٰى عَلٰى دِيْنِ اَحْمَدِ وَكُنْ مُظْهِرًا لِلدِّيْنَ وُنِقْتَ صَابِرًا

فَقَدْ مرَّنِى اِذْ قُلتَ اَنَّكَ مُؤْمِنٌ فَكُنْ لِرَسُوْلِ اللهِ فِى اللهِ نَاصِرًا

''ہاں اے برادرِ عزیز حمزہ! احمدؐ کے آزادی بخش دین میں صبر و شکیبائی سے کام لے۔ اس دینِ حق کو پائیداری و پامردی کے ساتھ قبول کر۔ جب تو ان پر ایمان لے آئے گا تو میری مسرت کی انتہا ہو جائے گی، اللہ کی خوشنودی کی خاطر پیغمبر حُریت کا ناصر بن جا''۔

جب حضرت ابوطالبؑ نے بادشاہِ حبشہ نجاشی کو نبی اکرم ﷺ کی نصرت کی ترغیب دی تو آپؑ نے فرمایا:

تَعَلَّمْ مَلِيكِ الْحَبْشِ اَنَّ مُحَمَّدًا نَبِیٌّ كَمُوسٰى وَالْمَسِيحِ اِبْنِ مَرْيَمِ

أَتٰى يهدى مِثل الَّذِى اُتيابه وَكُلٌّ يَأمُرُ اللهِ يَهْدِىْ وَيَعْصَمُ

وَ اِنَّكُمْ تتلونه فِى كِتَابِكُمْ بِصِدْقِ حَدِيْثِ لَا حَدِيْثَ الْمُرَّجم

فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ نِدًا وَاَسْلِمُوا وَ اِنَّ طَرِيقَ الْحَقِّ لَيْسَ بِمُظْلِمِ

''اے حبش کے بادشاہ! بے شک حضرت محمدؐ اِس طرح اللہ کے نبی ہیں جس طرح حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ نبی تھے۔ اِن کا برنامہ بھی جنابِ موسیٰؑ اور جنابِ عیسیٰؑ کے برنامہ کی طرح ہے۔ یہ بھی ہدایت و راہبری کا وہی پیغام رکھتے ہیں جو اُن پیغمبروںؑ نے دیا تھا۔ تم اپنی کتابوں میں وہی پڑھتے ہو جو ابھی یہ لائے ہیں، وہی حق و صداقت کی باتیں جو تمھارے پاس

تھا۔ ان کی ہر بات سچ و حق پر مبنی ہے۔ قصہ کہانی نہیں ہے، اللہ کا شریک نہ بناؤ اور اسلام قبول کرلو۔ حق کا راستہ روشن ہے، تیرہ و تاریک نہیں ہے"۔

آپؑ کا وہ قصیدہ جس میں آپؑ نے پیغمبرؐ اسلام کے دفاع کی تعلیم دی تھی:

لَقَدْ اَكْرَمَ اللهُ النَّبِيَّ مُحَمَّدًا ۔۔۔ فَاَكْرَمُ خَلْقِ اللهِ فِي النَّاسِ اَحْمَدُ
وَشَقَّ لَهٗ مِنْ اِسْمِهٖ لِيَجُلَّهٗ ۔۔۔ فَذُوا الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَهٰذَا مُحَمَّدٌ

"اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمدؐ کو محترم و مکرم بنایا اور تمام لوگوں میں اللہ نے احمد مرسلؐ کو کرامت و بزرگواری عطا کی اور اُن کا نام اپنے نام سے رکھا تاکہ اُن کا نام عظمت حاصل کرے۔ پس جو صاحبِ عرش ہے وہ محمود ہے اور یہ محمدؐ ہیں"۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

كَذَبْتُمْ وَبَيْتِ اللهِ نُبْزِي مُحَمَّدًا ۔۔۔ وَلَمَّا نُطَاعِنْ دُوْنَهٗ وَنُنَاضِلُ
وَنُسْلِمُهٗ حَتّٰى نُصَرَّعَ حَوْلَهٗ ۔۔۔ وَنَذْهَلُ عَنْ اَبْنَائِنَا وَالْحَلَائِلِ
وَاَبْيَضُ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ۔۔۔ ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِلْاَرَامِلِ
يَلُوْذُ بِهِ الْهُلَّاكُ مِنْ آلِ هَاشِمٍ ۔۔۔ فَهُمْ عِنْدَهٗ فِيْ رَحْمَةٍ وَفَوَاضِلِ

"خدا کے گھر کی قسم! تم نے جھوٹ بولا ہے۔ کیا یہ جائز ہے کہ محمدؐ ظالموں کے ہجوم میں گھرا ہوا ہو اور وہ اس پر ظلم و ستم کر رہے ہوں اور ہم اپنے نیزوں اور تلواروں سے اُن کا دفاع نہ کریں۔ کیا یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے بچوں اور گھر والوں کو بھلا کر اُس کی مدد نہ کریں۔ اس کی ہمراہی میں درخشاں ہدف کے لیے خون میں غلطاں نہ ہوجائیں۔ اس کا چہرہ کس قدر نُورانی و درخشاں ہے کہ اس کے چہرے کی برکت سے بادلوں سے بارش مانگی جاتی ہے۔ وہ یتیموں کی فریاد پر لبیک کہنے والے ہیں اور بیوگان کے لیے ملجا و ماویٰ ہیں۔ بنوہاشم کے بے آسرا و بے سہارا لوگ اُن کے وسیع دامن میں پناہ لیتے ہیں۔ وہ اپنی رحمت اور عطایا سے اُنھیں مالا مال کر دیتے ہیں"۔

اَلَمْ تَعْلَمُوْا اَنَّ ابْنَنَا لَا مُكَذَّبٌ ۔۔۔ لَدَيْنَا وَلَا نَعْبَا بِقَوْلِ الْاَبَاطِلِ
فَاِنَّهٗ رَبُّ الْعِبَادِ بِنَصْرِهٖ ۔۔۔ وَاَظْهَرَ دِيْنًا حَقُّهٗ غَيْرُ بَاطِلِ
أُقِيْمُ عَلٰى نَصْرِ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ ۔۔۔ اُقَاتِلُ عَنْهُ بِالْقَنَا وَالْقَنَابِلِ

''اے گروہِ حق ستیز! کیا تمھیں معلوم نہیں ہے کہ ہمارا فرزند ہمارے نزدیک سچا اور بلند کردار کا مالک ہے؟ ہمارا ان پر ایمان ہے۔ ہم تمھاری بے ہودگیوں سے متاثر ہونے والے نہیں ہیں۔ خداوند تعالیٰ کے ہم شکر گزار ہیں کہ جو اپنے تمام بندوں کا پروردگار ہے۔ اس نے اپنے نبی کی اپنی نصرت کے ساتھ تائید کی ہے اور اس نے اپنے دینِ حق کو سرفرازی و فتح عطا کی ہے۔ میں محمدؐ نبی کی نصرت کے لیے جان فشانی کروں گا اور اس کے ہم رکاب ہو کر جری و جانباز سواروں کو ساتھ لے کر نیزوں اور تلواروں سے اُن کا دفاع کروں گا''۔

ایمانِ ابوطالبؑ پر درخشاں اَسناد

مزید برآں حضرت ابوطالبؑ نے اپنی زندگی کے ہر موڑ پر اسلام اور پیغمبرؐ اسلام کی نصرت فرمائی اور اپنے ایمان واسلام کا اظہار فرمایا۔ جب کبھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مشکل وقت آیا تو آپ نے بھرپور جرأت و بہادری کا مظاہرہ کیا۔ آپؑ نے اپنے اَقوال و کردار اور جہاد سے ثابت کیا کہ وہ ایمان کے آخری درجے پر فائز ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر یہ بزرگوار اسلام اور خدائے یکتا اور اس کے نبیؐ پر عمیق ایمان نہ رکھتے تو وہ اپنی جان اور نہ اپنے فرزندوں کی جان خطرے میں ڈالتے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ حضرتِ ابوطالبؑ نے رسولِ اکرمؐ کی حفاظت اور دفاع اس لیے کیا کہ وہ ان کے بھتیجے تھے۔ اس قرابت کی بنا پر اُنھوں نے یہ مصائب و آلام جھیلے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ حضرتِ ابوطالبؑ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اکلوتے چچا نہ تھے۔ آپؐ کے آٹھ اور چچا بھی موجود تھے تو پھر تاریخ ان کے بارے میں کیوں خاموش ہے؟ اللہ کے نبیؐ کے ساتھ قرابت وہ بھی رکھتے تھے۔ اُنھوں نے پیغمبرؐ اسلام کی قرابت کی بنا پر حمایت کیوں نہ کی؟ مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ اُنھوں نے پیغمبر اسلامؐ کی سخت مخالفت کی، جیسا کہ ابولہب کا کردار تھا۔ اُس نے اور اس کے گھر والوں نے رسولؐ اسلام کو بے پناہ اذیتیں دی تھیں۔

جی ہاں! اصل حقیقت یہ ہے کہ حضرتِ ابوطالبؑ مردِ ایمان و اسلام تھے اور حق و حریت کے مدافع تھے۔ رہی بات کہ ابولہب کون تھا؟ دینِ اسلام اور دشمن خدا تھا۔ اس کی پوری زندگی رسولؐ اسلام پر مظالم ڈھانے میں گزری۔ (الغدیر، ج ۷)

ملیکۃُ العرب کی رحلت

جوں جوں چرخِ روزگار اپنی گردش پر رواں دواں رہا۔ سال پہ سال گزرتے رہے۔ اس قدر پیغمبرِ گرامیؐ کی دختر

مصائب و آلام کے طوفانوں کے قریب ہوتی گئیں۔ آپؑ بچپن کے دور سے گزر کر زندگی کی بہاروں کی طرف قدم بڑھاتی رہیں۔ آپؑ ابھی سات یا آٹھ سال کی تھیں کہ اچانک آپؑ کو ایک ناقابلِ برداشت سانحہ سے ہمکنار ہونا پڑا۔ یہ وہ سانحہ تھا جس نے آپؑ کی زندگی پر غم کے سائے تن دیے۔ اس حادثہ کے ہموم و اَحزان آپؑ کے قلب و جگر میں خیمہ زن ہو کر رہ گئے۔ یہ حادثہ، یہ سانحہ، یہ غم و ہم کا طوفان آپؑ کی مہربان ماں حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰؑ کی وفات تھی۔ اُلفت و محبت سے معمور اور پیکرِ شائستہ کردار ماں اپنی صغیرہ عزیزہ بیٹی زہراؑ کو رنج و اندوہ سے سرشار نظروں سے دیکھ رہی تھی کہ بہت جلد "زہراؑ" اپنی مہربان ماں کے سوگ میں بیٹھنے والی ہے۔ بانوئے حجاز ملیکۃ العرب بسترِ رحلت پر اطمینان و ایمان کی چادر اوڑھے پڑی تھیں۔ موت کے سائے نے اُن پر اپنا خیمہ تن رکھا تھا۔ آپؑ اپنی زندگی کے آخری لحات میں تھیں کہ رسولِ اسلام اُن کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

اے ملیکۃ العرب! اے خدیجہؑ! آپؑ کی رحلت ہم پر آسان نہیں ہے۔ آپؑ کا فراق ہمارے لیے ناقابلِ برداشت ہے۔ ہاں جب ان برگزیدہ خواتین جہاں اپنی سوکنوں کے پاس جانا تو اُنھیں میرا سلام کہنا"۔

ملیکۃ العرب شہزادی نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! وہ کون ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: وہ مریم بنت عمرانؑ، کلثوم خواہر موسیٰؑ، آسیہ زوجہ فرعون۔

جنابِ خدیجہؑ نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! مَیں اُنھیں آپؐ کے سلام خوشی اور مبارک بادی کے ساتھ دوں گی۔ (بحار الانوار، ج۱۹، ص ۲۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اُمِرتُ اَنْ اُبَشِّرَ خَدِیجة بِبَیتٍ فِی الْجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ لَاصَخَبَ فِیهِ وَلَا نَصَبَ

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں حضرت خدیجہؑ کو اُس کے جنت کے عظیم الشان اور خوبصورت ترین گھر کی بشارت دوں جو مروارید سے بنا ہوا ہے، جو نہایت ہی پُرسکون ہے۔ نہ جس میں شور و غوغا ہے اور نہ رنج و غم ہے"۔ (مسند احمد)

ابن اثیر نے "نہایہ" میں لکھا ہے کہ مذکورہ حدیث میں "قصب" کا معنی ہے ایسا موتی جو جوف دار ہو، اور ایک بہت بڑے قصر کی مانند ہو۔

"الصخب" شور و غوغا، اضطراب اور جھگڑالو لوگوں کے آوازے۔

گریہ کیوں؟

وقت بڑی تیزی کے ساتھ گزر رہا تھا اور وقتِ رحلت قریب سے قریب تر ہو رہا تھا۔ عرب کی اس پیکرِ دانش و بینش خاتون کی مبارک آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آپؑ نے ایک سرد آہ کھینچی۔ جنابِ اسماء بنت عُمیس نے آپؑ سے کہا: آپؑ تو سیّدہ نساء العالمین کی ماں ہیں، پھر یہ رونا کیسا؟ آپؑ سرتاج انبیاء کی زوجہ ہیں، ابھی آپ کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔

آپؑ نے جواب میں فرمایا: مَیں اس لیے رو رہی ہوں کہ میں اپنی اس عظیم بیٹی سے جدا ہو رہی ہوں۔ وہ زمانہ بھی آنے والا ہے جب انھیں شبِ عروسی نصیب ہوگی۔ میں اس وقت اِن کے پاس نہیں ہوں گی۔ ہر دوشیزہ کو اس رات مجھ ایسی ماں یا ہمدرد و مونس و غم خوار کی ضرورت ہوتی ہے، جو اس کی معاون و مددگار ہوتی ہے۔ مجھے اس بات کا خوف ہے کہ شبِ عروسی اُن کے پاس کوئی مہربان، دل سوز، یاور و مشاور خاتون نہیں ہوگی۔

یہ سن کر جناب اسماء نے عرض کیا: اے میری آقازادی! میرا آپؑ سے عہد ہے کہ اگر میری زندگی باقی رہی تو ان ایام میں مَیں ان کے لیے اُمورِ مادری انجام دوں گی۔ جونہی جنابِ اسماء کے پُرسکون و پُراطمینان الفاظ ملیکۃُ العرب کے پردۂ سماعت سے ٹکرائے تو جان جانِ آفرین کے حوالے کی۔ اس محسنۂ اسلام نے ۶۳ سال کی عمر میں اس جہانِ فانی کو الوداع کیا۔

ملیکۃُ العرب کی رحلت نے پیغمبرؐ اسلام کو مغموم کر دیا

کائنات کی اس عظیم خاتون کی رحلت نے پیغمبرؐ اسلام کو تڑپا کر رکھ دیا۔ آپؐ کے قلب و جگر کو دکھوں اور دردوں کی دنیا میں تنہا چھوڑ دیا۔ ابھی آپؐ اپنی رفیقۂ حیات کے فراق کے درد میں مبتلا تھے کہ آپؐ پر ایک اور مصائب کا کوہِ گراں آن ٹوٹا۔ وہ آپؐ کے محسن حضرت ابوطالبؑ کی رحلت دردناک تھی۔ حضرت ابوطالبؑ کی رحلت حضرت خدیجہؑ کی رحلت کے چند دنوں یا چند مہینوں بعد ہوئی۔ چچا کی رحلت کے غم نے جنابِ خدیجہؑ کی فرقت کے غم کو اور بڑھا دیا۔ اس لیے آپؐ نے اس سال کا نام "عام الحزن" رکھا، کیونکہ آپؐ کو یہ دو عظیم مصائب برداشت کرنے پڑے جو پے درپے واقع ہوئے۔ یہ دونوں شخصیتیں تحریکِ اسلامی کی روحِ رواں تھیں۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ کا صدمہ رسولِؐ اسلام کے لیے ہر صدمہ سے بڑھ کر تھا۔ آپؑ کی ذات والاصفات نہ صرف رسولِ اکرمؐ کی ہمسر و زوجہ تھیں بلکہ آپؑ پورے عرب میں وہ واحد خاتون تھیں، جنھوں نے سب سے پہلے رسولؐ اللہ کی رسالت و نبوت کی تصدیق کی تھی اور اپنے پروردگار پر اپنے ایمان کا اظہار فرمایا تھا۔ آپؑ رسولِؐ اسلام کی زندگی

کے ہر نشیب و فراز میں سہارا اور پشتیبان تھیں۔ قدم قدم پر تحریکِ اسلامی پر اُٹھنے والے تمام اخراجات آپؑ نے اپنے ذمے لگا رکھے تھے۔ آپؑ نے اپنے شوہر نامدار کی وہ حمایت و نصرت کی، جس کی مثال نہ اوّلین پیش کر سکتے ہیں اور نہ آخرین۔ [1]

مدفن

جی ہاں! حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئیں۔ آپؑ کے مقدس جسم کو شہر مکہ کے نزدیک مقامِ حجون میں سپردِ خاک کیا گیا۔ جس وقت پیغمبرؐ اسلام اس پیکرِ ملکوتی کو دفن کر رہے تھے تو اس وقت آپؑ کی یادگار معصومہ بیٹی جن کی عمر شریف ابھی سات سال تھی اپنے بابا کے دامن سے چمٹی ہوئی تھیں اور اپنے بابا کی طرف رُخِ انور کر کے بار بار پوچھتی تھیں:

یَا رَسُوْلَ اللہِ! اَیْنَ اُمِّیْ

"اے بابا جان! اے اللہ کے رسولؐ! میری ماں کہاں ہے؟"

---

[1] اس گراں قدر رہبرؐ اسلام نے جب بھی کوئی بات کی تو قرآن مجید کی روشنی میں کی اور کبھی کسی کے بارے میں جانبداری سے کام نہیں لیا۔ آپؐ نے ہمیشہ حق اور سچ فرمایا۔ آپؐ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ کو اُن الٰہی خواتین کا سیدہ و سالار بتایا، جو پاک روش اور پاک منش تھیں اور تاریخ سازی میں اُن کا بڑا ہاتھ تھا۔ آپؐ کی مشہور حدیث ہے:

اَرْبَعُ سَیِّدَاتُ سَادَاتِ عَالَمِهِنَّ مَرْیَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ، وَ آسِیہ بِنْتُ مُزَاحِمٍ وَخَدِیجَۃُ بِنْتُ خُوَیْلَدٍ وَفَاطِمَۃُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ وَافْضَلُهُنَّ عَالِمًا فَاطِمَۃُ

"چار مجاہدہ و مبارزہ خواتین، جنھوں نے اپنی زندگی درایت و شہامت کے ساتھ بسر کی اور آسمانِ انسانیت پر درخشندہ ستاروں کی طرح دمکتی رہیں اور اپنے زمانے کی عورتوں کی سالار ہیں۔ وہ مریمؑ، آسیہؑ، خدیجہؑ اور حضرت فاطمہؑ ہیں"۔

ایک اور حدیث میں انھی کا تذکرہ ان خواتین میں کیا، جنھوں نے اپنے زمانے میں حریت و آزادی کے لیے کام کیا تھا اور معنویت کے کمال کے درجے پر پہنچیں۔

آپؐ نے فرمایا: سَادَاتُ نِسَاءِ الْعَالَمِیْنَ اَرْبَعَۃٌ: خَدِیجَۃُ بِنْتُ خُوَیْلَدٍ وَفَاطِمَۃُ بِنْتُ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

"ایک اور مقام پر جناب خدیجہؑ کا شمار جنت کی ان خواتین میں کیا جو سب سے افضل و اعلیٰ ہیں"۔

آپؐ نے فرمایا: اَفْضَلُ نِسَاءِ اَهْلِ الْجَنَّۃِ خَدِیجَۃُ بِنْتُ خُوَیْلَدٍ وَفَاطِمَۃُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ وَآسِیَہ بِنْتُ مُزَاحِمٍ وَمَرْیَمُ بِنْتُ عمران

"بہشت میں سب سے افضل ترین خواتین یہ ہیں: خدیجۃ الکبریٰ، فاطمہؑ بنت محمدؐ، آسیہؑ اور مریمؑ"۔ (مزید معلومات کے لیے کتاب فروغِ آسمانِ حجاز خدیجہؑ، مؤلفہ: استاذ کریمی فریدنی کا مطالعہ کیجیے۔ اس کتاب میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ کے مفصل حالات موجود ہیں۔

اس دردناک سوال کو سن کر پیغمبرؐ کوئی جواب نہیں دے رہے تھے۔ بی بی آپؐ کے اردگرد چکر لگاتی، پھر بھی سوال کرتیں، لیکن پیغمبرؐ اسلام ہر دفعہ خاموش رہے۔ جب اس معصومہ نے دیکھا کہ بابا جان! ان کے سوال کا جواب نہیں دے رہے تو آپؑ نے حاضرین میں سے ایک ایک فرد سے پوچھنا شروع کیا کہ بتاؤ میری ماں کہاں ہے؟

یہ دردناک منظر رب العالمین کے سامنے تھا۔ اس ذات سے اس معصومہ کی حالت دیکھی نہ گئی۔ فوراً آسمان سے جبرئیل امینؑ حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ کی قبر اقدس پر آئے اور رسولؐ اللہ کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا: خداوند تعالیٰ آپؐ کو سلام دے رہا ہے اور فرمارہا ہے کہ میرا سلام اپنی دختر حضرت فاطمہؑ تک پہنچا دیجیے اور اُن سے کہہ دیجیے۔

أُمّكِ فِي بيتٍ مِن قَصَبٍ كَعَابُهُ مِنْ ذَهَبٍ: وَأَعْمِدَتهُ مِن يَاقُوتٍ أَحْمَرٍ بَيْنَ آسِيَةٍ امرأةِ فرعون و مريم بنتُ عمران

"آپ کی مہربان ماں بہشت کے اعلیٰ درجات میں ہے، اُس محل میں ہے جو مروارید سے بنا ہوا ہے۔ جس کے کمرے سونے سے تیار شدہ ہیں۔ اور اُس کے ستون یاقوت سرخ کے بنے ہوئے ہیں۔ وہ جناب آسیہؑ اور جناب مریمؑ مادرِ عیسیٰؑ کے ہمراہ ہیں"۔

رسولؐ اسلام نے اپنی معصومہ بیٹی کو پیار و محبت کے ساتھ اپنی ملکوتی آغوش میں لیا اور انھیں اللہ تعالیٰ کا پیغام سنایا۔

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے الٰہی پیغام سن کر فرمایا:

اِنَّ اللهَ هُوَ السَّلَامُ وَمِنْهُ السَّلَامُ وَ اِلَيْهِ يَعُودُ السَّلَام

"بے شک اللہ، سلامتی و برکت و نعمت کا سرچشمہ ہے۔ چین و سکون کا مرکز وہی ہے۔ اُسی کی طرف سلام جاری ہوتا ہے اور اس کی طرف سلامتی لوٹتی ہے"۔

مدافعِ اسلام اور رسولؐ اسلام کا سوگ

ایک دوسری بڑی عظیم مصیبت جس نے پیغمبرؐ اسلام کے قلب مبارک کو محزون و مغموم کردیا۔ وہ مدافع اسلام، امیر آزادی و حریت حضرت ابوطالبؑ کی رحلت تھی۔ حضرت ابوطالبؑ اسلام کی وہ عظیم ہستی تھے کہ جب پیغمبرؐ اعظم آٹھ سال کے تھے۔ نہ سر پر باپ کا سایہ تھا، والدہ مہربان کافی عرصہ پہلے داغِ مفارقت دے کر عالمِ بالا میں جا بسیں تھیں۔ اس دُرِ یتیم کو دادا عبدالمطلبؑ نے اپنی آغوشِ محبت میں لیا تھا۔ اُن کی وفات کے بعد اُس محسنِ اسلام نے اس دُرِ یتیم کو

اپنی مہربان آغوش میں لیا۔ اپنی عمر شریف کے آخری لمحے تک آپ کی خدمت سے ذرہ برابر دریغ نہ کیا۔ ۴۳ سال کا طویل عرصہ پیغمبرؐ پر رحمت کا بادل بن کر برستے رہے۔ آپؑ کی کفالت و حمایت میں کبھی پس و پیش نہ کیا۔ اتنے طویل عرصہ میں سایہ کے مانند اُن سے کبھی جدا نہ ہوئے۔

اس عظیم بزرگوار نے اللہ کے دین پر اپنی پوری زندگی صرف کر دی۔ دینِ اسلام کی ترویج و تبلیغ میں آپؑ کی ان عظیم خدمات کو کبھی نہیں بھلایا جاسکتا۔ یہی خدمات آپؑ کے فضائل و فواضل کی امین ہیں۔ انھی خدمات سے آپؑ کے ایمان کی عظمت و رفعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ دعوتِ توحید کے آغاز میں اگر خداوند حضرت ابوطالبؑ کو پیغمبرؐ کی حفاظت کے لیے کھڑا نہ کرتے تو دینِ اسلام اپنے آغاز ہی میں ختم ہو کر رہ جاتا۔

وَلَوْلَا اَبُوطَالِبٍ وَ اِبْنِهٖ لَمَا مَثَلُ الدِينُ شَخْصًا فَقَامَا
فَهٰذَا بِمَكَّةَ آوىٰ وَحَامَا وَهٰذَا بِيَثْرِبَ جَسَّ الْحِمَامَا

"اگر سردارِ بطحاء حضرت ابوطالبؑ اور اُن کے بہادر و شجاع فرزند نہ ہوتے تو ہرگز دین خداوندی کائنات میں پروان نہ چڑھتا۔ اس بزرگوار نے دینِ اسلام اور پیغمبرؐ اسلام کو مکہ معظمہ میں پناہ دی اور بھرپور شائستگی اور مضبوطی کے ساتھ اسلام کی حمایت کی اور اس بزرگوار کے فرزند ارجمند نے مدینہ میں رہتے ہوئے اپنی شہادت تک اس دین کی خدمت کی اور دشمنوں نے پیغمبرؐ اسلام پر جس قدر جنگیں مسلط کیں، آپؑ نے ہر دفعہ اپنی جان پر کھیل کر پیغمبرؐ کا دفاع کیا"۔

وَلِلّٰهِ ذَا فَاتِحًا لِلْهُدٰى
وَلِلّٰهِ ذَا الْمَعَانِي خِتَامًا

"خداوند تعالیٰ اُس بزرگوار پر اپنی رحمت کا بادل برساتا رہے، کیونکہ اُس نے ہدایت کا راستہ کھولا اور ان کے بہادر بیٹے پر اپنی نعمات نازل فرمائیں جو مجسمۂ شرافت تھے اور عظمتیں اُن کے راستے پر بچھی ہوئی تھیں"۔

ان دو عظیم صدمات سے رسولِ اسلام کی زندگی بہت زیادہ متاثر ہوئی۔ ان دو میں سے ایک وہ تھے جو آپؑ کے لیے سائبان کا کام دے رہے تھے اور دوسری شخصیت محبت و حوصلہ بخشنے والی تھی۔ جب آپؐ گھر کے صحن میں قدم رکھتے اور ملیکۃ العرب بڑھ کر شیریں الفاظ سے استقبال کرتیں تو پیغمبرؐ اسلام سب غم بھول جاتے تھے۔ لیکن دونوں کی رحلت سے آپؐ کے پاؤں کے نیچے سے زمین کھسک گئی اور آپؐ کے سر سے آسمان دوسری طرف سرک گیا۔

حالات نے پلٹا کھایا۔ مشرکین کو میدان صاف نظر آیا۔ ان کی اذیتیں دگنی ہوگئیں۔ ان کے حوصلے بلند ہوگئے اور وہ بڑھ چڑھ کر حملے کرنے لگے۔ تمام مورخین نے لکھا ہے کہ اگر حضرتِ ابوطالبؑ کی رحلت نہ ہوتی تو رسولؐ اسلام مکہ معظمہ سے قطعاً ہجرت نہ کرتے۔ آپؐ نے ہجرت اس لیے فرمائی کہ مکہ میں آپؐ کا کوئی حامی و ناصر نہ رہا تھا۔ آپؐ کے چچاؤں میں سے صرف حضرت حمزہ آپؐ کا دفاع کرنے والے تھے، باقی تمام چچا دشمن تھے۔ حضرت حمزہؓ کا وہ مقام نہ تھا جو حضرتِ ابوطالبؑ کا تھا۔

حیدرِ کرار امام علی علیہ السلام نے اپنے والد گرامی پر جو مرثیہ کہا تھا وہ تاریخ میں محفوظ ہے:

أَبَا طَالِبٍ عِصْمَةُ الْمُسْتَجِيْرِ ۔۔۔ وَغَيْثُ الْمَحُوْلِ وَنُوْرُ الظُّلَمْ

لَقَدْ هَدَّ فَقْدَكَ أَهْلُ الْحَفَاظِ ۔۔۔ فَصَلَّى عَلَيْكَ وَلِيُّ النِّعَمِ

وَلَقَّاكَ رَبُّكَ رِضْوَانَهُ ۔۔۔ فَقَدْ كُنتَ لِلطُّهْرِ مِنْ خَيْرِ عَمِ

"جی ہاں! اے ابوطالبؑ! آپؑ غریبوں، مسکینوں، بیوگان اور یتیموں کے ملجا و ماویٰ تھے۔ قحط و خشک سالی کے زمانے میں بارانِ رحمت تھے اور تاریکی میں نورِ ہدایت تھے۔ آپؑ کی دل سوز رحلت سے حق و عدالت کے دفاع کرنے والے سے دنیا محروم ہوئی۔ اے بابا جانؑ! آپؑ پر خداوند تعالیٰ اور صاحبِ نعمت کے درود و سلام نازل ہوں۔ آپؑ پیغمبرؐ آزادی و حریت کے بہترین چچا تھے"۔ (کتاب الکنی والالقاب (قمی)۔ (دیوان ابوطالب: ص ۳۵، سیرت ابن ہشام: ج ۱، ص ۲۷۵)

آستانِ ہجرت

جب پیغمبرؐ اسلام کے مقدس سر سے ملیکۃُ العرب، سیّدہ خواتینِ حجاز اور پیکر حریت مجاہد و مبارزِ اسلام حضرت ابوطالبؑ کا سایہ اُٹھ گیا اور آپؐ کی مشکلات میں اضافہ ہوا تو خداوند متعال نے اپنے نبیؐ کو حکم دیا کہ آپؐ فوراً مکہ معظمہ کو چھوڑ دیں اور ہجرت کا ایک تاریخ ساز باب کھولیں۔

وہ شب جس شب میں آپؐ نے ہجرت فرمائی تھی تو اس شب کا نام لَیْلَۃُ الْمَبِیت مشہور ہوا۔ پیغمبرؐ اسلام نے شہسوارِ اسلام حیدرِ کرار کو حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ آپؑ آج شب میرے بستر پر سوئیں۔ اس مقدمۂ ہجرت کے بعد آپؐ نے ہجرت فرمائی۔ جس وقت پیغمبرؐ اسلام اپنے خانۂ اقدس سے ہجرت کی غرض سے نکل رہے تھے تو اُس وقت

چالیس سفاک ترین دشمنوں نے اپنی ننگی تلواروں کے ساتھ نبیؐ کے بیتِ اقدس کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ اُنھوں نے عزم بالجزم کر رکھا تھا کہ اس شب ہر حال برق آسا ہجوم بن کر پیغمبرؐ خدا پر ٹوٹ پڑیں گے اور اُنھیں ان کے بستر پر ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔ اِدھر فرزند حضرت ابوطالبؑ اللہ اور اُس کے رسولؐ کے حکم سے اُن کے بستر پر نہایت آرام وسکون کے ساتھ سو گئے تھے۔ اُدھر پیغمبرؐ اسلام اپنے درندہ صفت دشمنوں کا محاصرہ توڑ کر غارِ حرا کی طرف روانہ ہوئے تا کہ غارِ حرا سے مدینہ کی طرف ہجرت کی جا سکے۔ رسول اللہ ﷺ گھر سے جانے کے بعد ان کی بیٹی سیدہ فاطمہ زہراؑ گھر میں اکیلی رہ گئیں۔ وہ دیکھ رہی تھیں کہ دشمن کا ہجوم پیغمبرؐ کے گھر کو گھیرے میں لیے ہوئے ہے اور آپؑ ان کے کفریہ الفاظ سن رہی تھیں۔ رسولؐ اللہ کی شان میں ان کی گستاخیاں بھی سیدہؑ کے پردۂ سماعت سے ٹکرا رہی تھیں۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ پیغمبرؐ کی دختر نیک اختر پر یہ طویل ترین وحشت و دہشت سے بھرپور تیرہ و تاریک رات کیسے گزری؟ آپؑ پر مصائب و آلام کے سائے ساری رات چھائے رہے۔ ہر لحہ مختلف قسم کے احتمالات پیدا کرتے کہ یہ بدترین سفاک دشمن کچھ بھی کر سکتے ہیں کیونکہ وہ انسان تو نہ تھے بلکہ انسان کے لباس میں درندے تھے۔ ظلم و جبر کی آگ میں جل رہے تھے۔ آپ جوان تھیں۔ آپ کو ہر قسم کے خطرات کا احساس تھا لیکن آپؑ نے یہ تاریخ کی شدید ترین رات اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کرتے ہوئے گزاری۔

اِدھر رات نے اپنی دبیز سیاہ چادر کائنات سے اُٹھائی۔ وقتِ سحر نے اپنے نور اور اپنی سفیدی کے ساتھ انگڑائی لی۔ اُدھر بھوکے بھیڑیوں نے اپنی تلواریں نیام سے نکالیں اور نبیؐ کے گھر پر دھاوا بول دیا۔ ان خون کے بھوکے درندوں کا ہجوم اس بستر پر ٹوٹ پڑا، جو نبیؐ کا تھا، لیکن جب وہ بستر کے نزدیک آئے اور ان کی نظریں بستر پر پڑیں تو دیکھا کہ بستر پر سونے والا نبیؐ نہیں ہے، بلکہ یہ تو امیرِ حُریت، شجاعتِ عرب کے وارث، رسولؐ اللہ کی چادر اُوڑھے میٹھی نیند کے مزے لے رہے ہیں۔ جب اُنھوں نے یہ منظر دیکھا تو اُن کے پاؤں کے نیچے سے زمین کھسک گئی۔ ان کا بنا بنایا منصوبہ خاک میں مل گیا۔ شکست خوردگی کی صورت لیے ہوئے نبیؐ کے آستانِ مقدس سے نکلے۔ قریب تھا کہ وہ کینہ وغیظ وغضب سے پھٹ پڑیں، لیکن اُن کی ایک نہ بنی، اُنھوں نے پسپائی اختیار کی۔

جی ہاں! حقیقت میں یہ ساعات سخت ترین اور ہراس انگیز ترین ساعات تھیں جو حضرت فاطمہ زہراؑ پر گزریں۔ اے کاش! یہ مصیبت اسی مقام پر نابود ہو جاتی لیکن کفر و شرک کا کینہ اُن کے سینوں میں اس طرح چھپا ہوا تھا جس طرح خاکستر کے نیچے انگارے پڑے ہوتے ہیں۔

اِدھر حضرت امام علی علیہ السلام نے ہجرتِ مدینہ کے لیے اپنا کاروان تیار کیا۔ اس کاروان میں دختر فرزانہ پیغمبرؐ خدا

فاطمہ بنت اسد (مادرِ جناب امیر علیہ السلام) اور فاطمہ بنت زبیر بن عبدالمطلب تھیں۔ وہ دشمن جو ابھی اپنے زخموں کو چاٹ رہا تھا اور انتقام کی آگ میں جل رہا تھا۔ وہی بداندیش وخشونت کیش اس ملکوتی کاروان کے آگے آکر کھڑا ہو گیا کہ وہ انھیں مدینہ کی طرف نہیں جانے دیں گے۔ جب اس کاروان کی خواتین نے ان ستم پیشہ اور مجسم شر وشرارت دشمنوں کے عزائم دیکھے تو خوفزدہ ہو گئیں اور خوف ان پر غالب آجاتا۔ اگر اللہ کی طرف سے ان کے لیے نصرت کا پروگرام نہ بنتا۔ ادھر امام علی ابن ابی طالب پوری جرأت وشہامت کے ساتھ ڈٹ کر اُن کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ یہ لوگ حضرتِ ابوطالبؑ کے اس بہادر اور قوی بیٹے کو خوب جانتے تھے۔ اُنھوں نے جب اسداللہ کے تیور دیکھے تو گھبرا کر چلتے بنے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کاروان کی دشمن کے شر سے کفایت کی۔ امام علی علیہ السلام اور ان ہاشمی فاطمیات کو اللہ کی قدرت سے دشمن کے شر سے نجات ملی۔

آخرکار یہ فواطم مدینہ پہنچیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے باہر ان سب کے منتظر تھے، جب یہ کاروان رسولؐ اللہ کے ہمراہ مدینہ کے دروازے پر پہنچے تو مدینہ کی طرف روانہ ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر میں داخل ہوئے۔ آپؐ نے اپنی دختر نیک اختر کو ابوایوب انصاریؓ کی والدہ کے حوالے کیا۔

خاتونِ جنت سیّدہ نساء العالمین نے ان دردناک مصائب کی آندھیوں کو جھیل کر اپنی والدہ مہربان کی رحلت اور اپنے والد گرامی کی وطن سے ہجرت، اپنے گھر پر دشمن کا وحشیانہ ہجوم، مکہ سے مدینہ سفرِ ہجرت کے جاں سوز واقعات ان سب مصائب وآلام کی وادیوں اور گھاٹیوں کو عبور کر کے اپنے مہربان والد گرامی کے زیرِ سایہ مدینہ میں امن وسکون اور راحت وچین کی زندگی کا آغاز کیا۔

کیا اب رنج ومصائب کا دور جاتا رہا ہے؟

ہرگز نہیں، یہ گذشتہ مصائب وآلام کی اندھیاں مستقبل کے مصائب کا مقدمہ تھیں۔ اس مقدمہ کے بعد مصائب وآزمائش کا ایک سلسلہ شروع ہوا اور یہ وہ سلسلہ تھا جس کی کوئی حد نہ تھی۔ ہجرت کا پہلا سال ہی گزرا تھا کہ مشرکین مکہ نے مکہ میں ایک بہت بڑی میٹنگ کی۔ اس میٹنگ میں یہ فیصلہ ہوا کہ مسلح ہو کر مدینہ پر حملہ کیا جائے اور اسلام اور رسولؐ اسلام کا خاتمہ کر دیا جائے۔ ادھر مکہ میں جنگ کی تیاریاں ہو رہی تھیں اُدھر آسمان والے نے جنابِ جبرئیلؑ کو اپنے رسولؐ کی طرف بھیجا۔ جنابِ جبرئیل رسولؐ اسلام کے پاس آئے اور اُنھوں نے آپؐ کو خبر دی کہ آپؐ کے خلاف سازش ہو چکی ہے اور کفار ومشرکین جنگ کے لیے آپؐ کی طرف چلے آرہے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہلِ مدینہ اور مہاجرین پر مشتمل ایک لشکر تیار کیا اور فوراً مدینہ سے باہر آئے، تا کہ دشمن کو مدینے تک نہ پہنچنے دیا جائے اور دُور سے ایک فاصلے پر ان کا مقابلہ کیا جائے۔ اسلامی لشکر مدینہ اور مکہ کے درمیان "بدر" نامی جگہ پر پہنچا۔ وہاں مشرکین سے مڈبھیڑ ہوئی۔ مشرکین کی تعداد مسلمانوں کی تعداد سے تین گنا تھی۔ اللہ کی نصرت و مدد سے رسولِ اسلام کو فتح نصیب ہوئی اور دشمن کو ہزیمت و شکست اُٹھانا پڑی۔ رسولِ اسلام مظفر و منصور مدینہ میں داخل ہوئے۔

فاطمہ زہراؑ اور جنگِ اُحد

جنگِ بدر کی شکست کا بدلہ لینے کے لیے کفار ومشرکین بھرپور تیاری کے ساتھ جنگ کے لیے نکلے اور میدانِ اُحد میں پہنچے۔ جنگِ بدر کو ابھی ایک سال ایک ماہ گزرا تھا۔ اس جنگ میں ستر صحابہ کرام شہید ہوئے۔ یہ سب لوگ پیغمبرؐ اسلام کی فوج کے مجاہد و مبارز اور بہادر وشجاع لوگ تھے۔ ان تمام شہدا کے سیّد وسردار رسولؐ اسلام کے بہادر و مجاہد چچا سیّدالشہدا حضرت حمزہؓ تھے۔

اس جنگ میں رسولؐ اللہ کو ایک پتھر لگا جس سے آپؐ کی پیشانی مبارک زخمی ہوگئی تھی۔ دوسرا پتھر آپؐ کے دہنِ مبارک پر لگا، جس سے آپؐ کے دو دانت بھی شہید ہوئے تھے۔ آپؐ کی پیشانی اقدس سے خون بہا جس نے آپؐ کی ریش مبارک کو رنگین کر دیا۔

اس دوران ابلیس نے چیخ بلند کی جسے اُحد میں مسلمانوں نے سنا اور اہلِ مدینہ نے بھی سنا۔ اس نے کہا: قُتِلَ مُحَمَّدٌ ''محمدؐ قتل ہوگئے ہیں''۔ میدانِ جنگ میں تزلزل پیدا ہوا۔ ہر طرف سراسیمگی پھیل گئی۔ اس آواز کو سن کر بہت سے لوگ بھاگ نکلے، لیکن اہلِ ایمان ثابت قدم رہے۔ یہی چیخ مدینہ میں بھی پہنچی۔ فوراً حضرت عبدالمطلبؑ کی بیٹی صفیہ رسولؐ اللہ کی پھوپھی اور حضرت فاطمہ زہراؑ میدانِ اُحد کی طرف آئیں۔ حضرت فاطمہؑ کی چیخیں بلند ہوئیں۔ ان کی حالت یہ تھی کہ وہ اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھے ہوئے تھیں اور رو رہی تھیں۔ تمام ہاشمیات اور قریشی خواتین سبھی اسی صورت میں نکلیں کہ اُن کا ہاتھ سر پر تھا اور بلند آواز سے رو رہی تھیں۔ حضرت صفیہؓ اور حضرت فاطمہ زہراؑ میدانِ جنگ میں اس وقت پہنچیں جب جنگ ختم ہوچکی تھی۔ قتل ہونے والے قتل ہوچکے تھے اور زخمی ہونے والے زخمی حالت میں پڑے تھے۔ رسولِ اکرمؐ اپنے مقتولین کو تلاش کر رہے تھے۔ آپؐ اُن اصحاب کو تلاش کر رہے تھے جو میدان سے گم ہوگئے تھے۔ اس دوران آپؐ اس مقام پر پہنچے جہاں حضرت حمزہؓ شہادت کے بعد گرے تھے۔ جب پیغمبرؐ اسلام نے اُن کی حالت دیکھی تو آپؐ برداشت نہ کرسکے۔ کفار نے اُن کے جنازے کا مثلہ کرڈالا تھا۔ کفار نے آپؓ کے ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیاں کاٹ ڈالی تھیں۔ اس طرح آپؓ کا ناک اور آپؓ کے کان بھی کاٹ ڈالے تھے اور آپؓ کا پیٹ بھی پھاڑ ڈالا

تھا۔ انھوں نے آپ کا جگر نکالا اور باہر ڈال دیا۔ اس دردناک اور جان سوز منظر نے رسولِ اسلام کو ناقابلِ بیان حد تک محزون و مغموم کردیا۔ کیونکہ حضرت حمزہؑ رسولِ اسلام کے بہت بڑے ناصر اور مدافع تھے۔ مشرکین نے اپنا غصہ اس صورت میں نکالا کہ محسنِ اسلامؑ کے جنازے پر جتنے وہ مظالم کرسکتے تھے انھوں نے کیے۔ انھوں نے پیغمبرؐ اسلام کا غصہ اس صورت میں ان کے مظلوم چچا پر نکالا۔ پیغمبرؐ اسلام کے دل کو دشمن کی اس بزدلانہ اور ظالمانہ کارروائی نے زخموں سے چُور چُور کردیا تھا۔ ابھی آپؐ ان ناقابلِ برداشت مظالم میں کھوئے ہوئے تھے کہ اچانک آپؐ کی نگاہِ اقدس سیّدہ زہراسلام اللہ علیہا اور اپنی پھوپھی جنابِ صفیہؓ پر (جو نالہ و فریاد بلند کرتی ہوئی اُدھر آرہی تھیں) پڑی۔ پیغمبرؐ اسلام نے فوراً اپنی عبا سیّدالشہداء حضرت حمزہؑ کے خون میں غلطان جسم پر ڈالی، تاکہ اُن کی مظلومیت عبا کے اندر چھپ جائے اور یہ مخدرات نہ دیکھ سکیں کیونکہ آپؐ کو معلوم تھا کہ بہن اپنے بھائی کی اس مظلومیت، رقت انگیز اور دردناک منظر کو برداشت نہ کرسکیں گی۔

یہ دونوں بیبیاں دوڑتی ہوئی آئیں اور سیّدالشہداء حضرت حمزہؑ کے جنازہ پر پہنچیں اور دردناک بین کرنے لگیں۔ ان کی اس حالت کو دیکھ کر پیغمبرؐ اسلام بھی رونے لگے۔ ایک طویل عرصہ حضرت حمزہؑ کے لاش پر سوگواری رہی۔ اس دوران سیّدہ زہراسلام اللہ علیہا کی نگاہ اپنے بابا کے چہرے پر پڑی۔ آپؑ نے دیکھا تو بابا کا چہرہ زخمی ہے، پیشانی مبارک پھٹی ہوئی ہے اور اس سے خون بہہ رہا ہے جو محاسن شریف کو رنگین کر رہا ہے۔ تو چیخ بلند کی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ رو بھی رہی تھیں اور اپنے باباؐ کے چہرے کو دھو بھی رہی تھیں اور یہ بھی فرما رہی تھیں: "اللہ کے نبیؐ کے چہرے کو جس ظالم نے اس طرح زخمی کیا ہے اُس پر اللہ کا غضب نازل ہو"۔

پیغمبرؐ خدا کے دو ناصر پیغمبرؐ کی خدمت میں

سیّدہ نساء العالمینؑ اپنے باباؐ کے نورافشاں چہرے کو دھو رہی تھیں اُدھر جنابِ امیرالمومنینؑ ڈھال میں پانی لاکر پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ اقدس پر ڈال رہے تھے۔ جب حضرت زہرا علیہا السلام نے دیکھا کہ پیغمبرؐ کے زخموں پر پانی ڈالنے سے خون نہیں رُک رہا بلکہ مزید اس میں اضافہ ہو رہا ہے تو آپؑ نے چٹائی کا ٹکڑا لیا اور اُسے جلایا اور اس کی خاکستر پیغمبرؐ کے زخموں پر لگادی جس سے خون بہنا بند ہوگیا۔

آپ نے غور کیا ہوگا کہ ان لمحات میں حضرت سیّدہؑ کے قلب و جگر پر کیا گزری ہوگی؟ یہ بات روشن ہے کہ اس حادثہ سے آپ کے مہربان قلب و جگر پر گہرے زخم لگے۔ اس حزنِ عظیم اور خوفِ شدید نے اُنھیں لرزہ براندام کردیا تھا۔

یہ وہ ملکوتی بیٹی تھیں جو اپنے باباؐ کے بلند مرتبہ سے واقف تھیں اور اُن کے حقوق کی عارف تھیں۔

میدانِ اُحد کی سوزناک و اندوہ ناک جنگ ختم ہوئی۔ امیرالمومنین حضرت امام علی علیہ السلام اپنے خانۂ اقدس پر تشریف لائے اور اپنی تلوار شرربار سیّدہ زہراؑ کے حوالے کی اور فرمایا: آج کے دن نے میرے کارنامہ کی تصدیق کردی ہے۔ پھر آپؑ نے یہ شورانگیز وحماسہ سے بھرپور و درس آموز اشعار پڑھے:

أَفَاطِمُ هَاكِ السَّيْفَ غَيْرَ ذَمِيمِ   فَلَسْتُ بِرَ عْدِيدٍ وَلَا بِلَئِيمِ
لَعَمْرِي لَقَدْ اَعْذَرْتُ فِي نَصْرِ اَحْمَدَ   وَطَاعَةِ رَبٍّ بِالْعِبَادِ عَلِيمِ
اُرِيدُ ثَوَابَ اللهِ لَا شَيْءَ غَيْرَهُ   وَ رِضْوَانَهُ فِي جَنَّةٍ وَنَعِيمِ
وَكُنْتُ اِمْرأً يَسْمُو اِذِ الْحَرْبُ شَمَّرَتْ   وَقَامَتْ عَلَى سَاقٍ بِغَيْرِ مُلِيمِ
فَغَادَرْتُهُ بِالقَاعِ فَارْفَضَّ جَمْعُهُ   عِبَادٌ يَدَ مِنْ عَاتِقٍ وَصَمِيمِ
وَسَيْفِي بِكَفِّي كَالشِّهَابِ اَهُزُّهُ   اَحُزُّ بِهِ مِنْ عَاتِقٍ وَصَمِيمِ
فَمَا زِلْتُ حَتَّى فَضَّ رَبِّي جُمُوعَهُمْ   وَاَشْفَيْتُ مِنْهُمْ صَدْرَ كُلِّ حَلِيمِ
اَمِيطِي دِمَاءَ الْقَوْمِ عَنْهُ فَاِنَّهُ   سَقَى آلَ عَبْدَالدَّارِ كَأْسَ حَمِيمِ

"ہاں! اے فاطمہؑ جان! تشریف لایئے اس تلوار ستم سوز کو تھامیے، اس کے اُٹھانے میں آپؑ کے لیے کسر نفسی کا کوئی سامان نہیں ہے۔ اس تلوار شرربار کو پکڑیں۔ میں ہرگز متزلزل مجاہد نہیں ہوں۔ میری بہادری پہاڑوں سے بلند اور بھاری ہے۔

اے بانوئے من! مجھے اپنی قسم! میں نے پیغمبرؐ کے عشق میں اور اپنے رب کی اطاعت اور اپنے وظیفہ کو احسن انداز میں انجام دیا ہے۔ میں نے بہادری کے جوہر اس لیے دکھائے کہ مجھ پر میرا اللہ راضی ہوجائے اور اس جرأت کے عوض اپنی جنت میں گھر اور نعمات عطا فرمائے۔ اس کے علاوہ میری کوئی اور غرض نہ تھی۔

اے فاطمہ جانؑ! میں وہ جری جوان ہوں جب جنگ کا بازار شعلہ ور ہوتا ہے تو میں اس میں گھس جاتا ہوں۔ اس سے اعراض نہیں کرتا کہ ملامت گر کی ملامت میری طرف آئے۔

میں وہ منتقم مزاج ہوں کہ میں نے شرارت پیشہ عبدالدار کو اپنا ہدف بنایا۔ میں نے اُسے ایسی ضرب لگائی جو اس کے سر کی ہڈی توڑ کر اس کے مغز میں جا اُتری اور اسے زمین پر گرا دیا۔

مَیں نے بیابان کے جنگل میں اُسے چھوڑا جہاں اس کے ساتھی اور گھر والے جمع تھے۔ کچھ مایوسی کا شکار تھے اور کچھ زخمی تھے۔ یہ مَیں ہوں کہ مَیں نے اپنی تلوار شرربار کو اپنے ہاتھ میں پکڑا اور ان پر موت کی بجلیاں گرا دیں۔ ان کی گردن کی ہڈیوں اور ان کی پشت پر ضربیں چلائیں اور اُنھیں منتشر کر دیا۔

مَیں نے اس وقت جنگ جاری رکھی جب تک میرے رب نے ان کی جمعیت کو پراگندہ نہیں کر دیا اور اس سے بہادروں اور بُردباروں کے سینوں میں ٹھنڈک پہنچی۔

اے میری جان! مَیں نے اپنی اس تلوار سے ان ظالموں کا خون بہایا۔ جی ہاں! یہ وہی شمشیر ہے جس نے عبدالدار کے خاندان کو جہنم پہنچایا۔ اسی اثناء میں پیغمبرؐ اسلام اپنی بیٹی کے گھر میں تشریف لائے اور اُنھیں فرمایا: اے فاطمہؑ جان! اس بہادر اور جری جوان کی تلوار کو اپنے پاس رکھو۔ اے میری بیٹی! تیرے شوہر پر جو فرض عائد تھا اس نے اُسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ نے صنادید قریش کو اُن کے ہاتھوں قتل فرمایا۔

جھوٹ کا ازالہ

قارئین کرام! آپ نے ابھی پڑھا ہے کہ جونہی جنگِ اُحد اختتام پذیر ہوئی حضرت فاطمہ زہراؑ فوراً میدانِ جنگ میں پہنچیں۔ جونہی ان کی نگاہ اپنے والد گرامی کے نورافشاں چہرے پر پڑی کہ اُن کی پیشانی مبارک اور دہن مبارک زخمی ہے اپنے بابا کی اس حالت کو دیکھ کر آپؑ کے قلبِ مبارک کو زوردار دھچکا لگا۔ آپ سے اپنے والد مہربان کی یہ حالت دیکھی نہ جاتی تھی، لیکن آپؑ نے اپنے حوصلوں کو بلند رکھا، بھرپور جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے زخموں کو دھونے کی کوشش کی۔ اس کوشش بسیار کے باوجود جب پیغمبر اکرمؐ کا خون نہ رُکا تو چٹائی کا ٹکڑا جلایا اور اس کی خاکستر زخموں پر لگائی تو خون کا بہنا بند ہو گیا۔

اس واقعہ کو تمام مؤرخین نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے اور یہ واقعہ درست اور صحیح ہے لیکن ہمارے زمانے میں کچھ ایسے بدبخت لوگ بھی ہیں جو اپنے مفادات کی خاطر جھوٹی باتیں گھڑ کر ان ذواتِ مقدسہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور پھر ان کی زوردار طریقے سے ترویج کرتے ہیں۔

ان کا کہنا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی بیٹی حضرت فاطمہ زہراؑ جنگ میں شرکت کرتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی

کرتی تھیں۔ان لوگوں نے یہ بہتان وضع کر کے ان کی ترویج کیوں کی ہے اس میں ان کا کیا فائدہ ہے؟

کیا وہ لوگ اس طریقے سے پیغمبرؐ کی مقدس بیٹی کی تقدیس کو عیب دار مشہور کرنا چاہتے ہیں کہ وہ مردوں کے درمیان چلی جاتی تھیں اور ان کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ اُنھیں اپنی تقدیس وتحرم کا کوئی خیال نہ تھا۔

حضرت زہراؑ اپنی زندگی میں صرف ایک مرتبہ میدانِ اُحد میں تشریف لے گئی تھیں۔ جب جنگ ختم ہوگئی تھی اور اُنھوں نے اپنے بابا کی مرہم پٹی کی تو اس سے یہ ثابت نہیں ہے کہ بی بی ہر جنگ میں شرکت کرتی تھیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔

مَیں نہیں جانتا کہ ان جھوٹے لوگوں کے کیا اہداف ہیں؟ اس جھوٹ و افتراء سے اُنھیں کیا حاصل ہوتا ہے؟ کیا وہ یہ چاہتے ہیں کہ اس طریقے سے اُن کی قُدسیت اور نُواہت مجروح ہو؟ یا وہ یہ چاہتے ہیں کہ اس جھوٹ سے یہ استنباط کریں کہ عورت اور مرد کا اختلاط جائز ہے۔ یہ دونوں اجناس مخلوط ہو کر کام کر سکتے ہیں۔

اگر ہم اس روایت کو قبول کریں کہ نسیبہ بنت کعب میدانِ اُحد میں موجود تھیں اور اُنھوں نے زخمیوں کی مرہم پٹی کی تھی۔ تو اس واقعہ سے کوئی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ سیّدہ نساء العالمین نے ہر جنگ کے مجروحین کی مرہم پٹی کی ہے، کیونکہ سیّدہ زہراؑ عفت و پاک دامنی میں قداست وحیاء میں قیامت تک آنے والی خواتین کے لیے نمونہ عمل تھیں۔ ان لوگوں کے جھوٹ گھڑنے کا کیا فائدہ ہے؟ اگر ان کی روایت جھوٹی نہیں ہے تو پھر ان کے پاس اس امر کی دلیل کیا ہے۔ اگر دلیل ہے تو پیش کریں؟

مَیں نہیں جانتا شاید اُنھوں نے اپنے اس جھوٹ سے کوئی توجیہ تراشی ہو کہ جس سے ہم بے خبر ہیں۔

مشکلات در خانۂ پدر

جب حضرت فاطمہ زہراؑ اپنے باباؐ کے گھر میں تشریف فرما تھیں تو ان دنوں آپؑ شدید مشکلات سے دوچار تھیں جن کی وجہ سے آپؑ کے ضوفشاں چہرے پر پژمردگی چھا گئی تھی۔ ان مشکلات کا سبب پیغمبرؐ کی کچھ اَزواج تھیں جو آپؑ کے فضائل ومواھب کی وجہ سے آپؑ سے حسد کرتی تھیں۔ رسولُ اللہ اپنی بیٹی کو دل کی گہرائیوں سے چاہتے تھے، ان سے بہت زیادہ پیار ومحبت کرتے تھے اور آپؐ اپنی دختر پر عواطف کا بادل بن کر برستے تھے۔ رسولُ اللہ کی نگاہوں کا مرکز سیّدہ زہراؑ تھیں۔ آپؐ اُنھیں کبھی پریشان نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ جب کچھ اَزواج اس منظر کو دیکھتیں تو وہ حضرت زہراؑ سے حسد کرنے لگتیں۔

علامہ مجلسیؒ نے کتاب خصال سے روایت لی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے خانۂ اقدس میں تشریف لائے تو دیکھا کہ آپؐ کی ایک زوجہ حضرت فاطمہ زہراؑ پر زور زور سے آوازے کس رہی تھیں۔ کہہ رہی تھیں: اے بنتِ خدیجہؑ! کیا تُو یہ سمجھتی ہے کہ تیری ماں ہم پر برتری وفضیلت رکھتی تھی؟ وہ ہم پر کون سی فضیلت رکھتی تھی؟ وہ کیا تھیں؟ بس وہ ہماری ہی طرح تھیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زوجہ کی یہ ساری گفتگو سن لی تھی لیکن جب آپؐ کی نظرِ رحمت اپنی نازنین بیٹی پر پڑی تو وہ رونے لگیں۔

رسولؐ اللہ نے پوچھا: اے میری بیٹی! کیوں رو رہی ہے؟

آپؑ نے عرض کیا کہ انھوں نے میری والدہ کا تذکرہ کیا ہے اور ان کی تحقیر کی ہے۔

یہ سن کر رسولؐ اللہ غضب ناک ہوئے اور فرمایا:

مَهْ يَاحُمَيْرَاء فَإِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَىٰ بَارَكَ فِي الْوَدُوْدِ الْوَلُوْدِ وَان خديجه وَلَدَتْ مِنِّي طَاهِراً ﴿وَهُوَ عَبْدُ اللهِ﴾ وَهُوَ الْمُطَهَّرُ وَوَلَدَت مِنِّي الْقَاسِمَ..... وَاَنْتِ مِمَّنْ اَعْقَمَ اللهُ رِحْمَهَا، فَلَمْ تَلِدِيْ شَيْئاً

"آپؐ نے فرمایا: اے حمیرا! بس کر، اپنی اس روش کو چھوڑ دے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے خدیجۃ الکبریٰؑ سے اولاد عطا کی ہے۔ انھوں نے میرے لیے طاہر (عبداللہ) قاسم......کو جنم دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر برکت نازل فرمائی اور تجھے بانجھ قرار دیا ہے۔ تم نے میرے لیے کسی کو جنم نہیں دیا"۔

اس واقعہ نے رسولؐ اسلام کی اس زوجہ کو حضرت فاطمہ زہراؑ کے معاملے میں مزید سخت کر دیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوسری ازواج کا رویہ حضرت زہراؑ کے ساتھ پیار ومحبت کا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد جب فدک کا معاملہ چلا تو اسی بیوی نے گواہی دی کہ انبیاءؑ اپنی وراثت نہیں چھوڑتے، تاکہ اس طریقہ سے سیّدہ زہراؑ اپنے باباؐ کی جائیداد سے محروم کردی جائیں، ان مہربانیوں میں سے ایک اور مہربانی یہ بھی تھی کہ جس وقت رسولؐ اللہ کی بیٹی کی رحلت کی خبر اُن تک پہنچی تو اُنھوں نے تبسم فرمایا۔

آپ اس کتاب میں پڑھیں گے کہ دُخترِ نبیؐ نے حضرت اسماء بنت عمیسؓ کو وصیت کی تھی کہ وہ انھیں ان کے جنازے پر آنے کی اجازت نہ دے۔ یہ باتیں اس امر کی دلیل ہیں کہ رسولؐ اللہ کی دُختر ان پر کس قدر ناراض تھیں۔

رسول اکرمؐ کی معروف حدیث ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَغْضِبُ بِغَضَبِ فَاطِمَۃَ وَیَرْضٰی لِرِضَاھَا

"اللہ تعالیٰ فاطمہ (سلام اللہ علیہا) کے غضب سے غضب ناک ہوجاتا ہے اور اُن کی رضا سے راضی ہوجاتا ہے"۔

حضرت فاطمہ زہراؑ در آستانہ ازدواج

جب حضرت فاطمہ زہراؑ نے اپنی زندگی کی نو بہاروں کو مکمل کرلیا تو آپؑ ہر لحاظ سے کامل و اَکمل دکھائی دینے لگیں، چاہے وہ جسمانی کمال تھا یا معنوی کمال۔ آپؑ اپنے بچپن میں فکری پختگی اور دانش و بینش میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھیں۔ آفریدگار ہستی نے آپؑ کو صغر سنی میں کامل عقل اور ذکاوت و درایت عطا فرما دی تھی۔ الفاظ کے دامن کوتاہ ہیں کہ جسے بیان کیا جاسکے۔ ربِ جلیل نے اپنی شانِ کریمی سے سیدہ زہراؑ کو وہ جسم عطا کیا تھا کہ آپ حُسن و جمال و ملاحت میں آیت اللہ تھیں۔ آپؑ کو وراثت میں حُسن و خوبصورتی کی دل پذیر خوبیاں عطا ہوئی تھیں وہ اور تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو تمام انسانی خوبیاں فوق العادت عطا کر رکھی تھیں۔ یہ وہ امتیازات تھے جو آپؑ کو عطا ہوئے تھے۔ اُنھی کی بنا پر آپ جہان کی ہر خاتون اور ہر لڑکی پر فراواں برتری رکھتی تھیں۔

دانش گاہِ وحی و رسالت

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دختر فرزانہ کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے یا بیان کیا گیا ہے یہ ایسے ہے جیسے ایک بے کراں سمندر کے مقابلے میں قطرۂ آب۔ آپ اگلے صفحات میں پڑھیں گے آپ کی ذات والا صفات اپنی ملکوتی صفات کے اعتبار سے آفتاب بن کر اَذہان کو منور کردے گی اور یہ ثابت ہوجائے گا کہ آپؑ اس جہانِ ہستی کی تمام خواتین پر اپنے علم و دانش کے اعتبار سے اپنے حُسن و جمال اور اکتسابی کسبی کمالات کے لحاظ سے مکمل برتری رکھتی تھیں۔ تاریخ نے آپ کو کسی کالج و یونی ورسٹی میں آتے جاتے ہوئے نہیں دیکھا کہ یہ علم و فضل آپؑ نے وہاں سے حاصل کیا ہو۔ بس یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس فخرِ خواتینِ جہان نے اُس یونیورسٹی میں داخلہ لیا ہوا تھا جس پر آسمان سے وحی نازل ہوتی تھی اور جس پر وحی نازل ہوتی تھی وہ اللہ کے رسولؐ تھے اور وہ آپؑ کے جہاں مہربان والد گرامی تھے وہاں آپؑ کے مربی اور استاذ بھی تھے۔ جو علم جنابِ جبرئیلؑ وحی کے ذریعے پیغمبر تک پہنچاتے تھے رسولِ اسلام وہی علم اپنی اس دختر فرزانہ کو تعلیم فرمادیتے تھے۔

نبی کریم ﷺ کے مشاہیر اصحابؓ میں سے ہر ایک نے اس ملکوتی دختر فرزانہ کی خواستگاری کے لیے پیغمبرؐ خدا کے دروازۂ رحمت پر حاضری دی کہ یہ رشتہ اُسے دیا جائے لیکن پیغمبرؐ رحمت نے ان میں سے ہر ایک کو یہ کہہ کر لاجواب کر دیا تھا:

اَمْرُهَا اِلٰی رَبِّهَا اِنْ شَاءَ اَنْ تُیزَوِّجَهَا زَوَّجَهَا

"میری بیٹی کا معاملہ میرے رب کے ہاتھ میں ہے، اس میں مجھے کوئی اختیار نہیں ہے وہ جس سے ان کی تزویج چاہے گا کر دے گا"۔

شعیب بن سعد مصری نے اپنی کتاب "الروض الفائق" میں بڑی خوبصورت بات کی ہے:

فَلَمَّا اِسْتَنَارَتْ فِی السَّمَاءِ الرِّسَالَتِ شَمْسُ جَمَالِهَا وَتَمَّ فِیْ اُفُقِ الْجَلَالَةِ بَدْرُ کَمَالِهَا، اِمْتَدَّتْ اِلَیْهَا مَطَالِعَ الْاَفْکَارِ، وَتَمَنَّتَ النَّظْرُ اِلٰی حُسْنِهَا اَبْصَارِ الْاَخْیَارِ، وَخَطَبَهَا سَادَاتُ الْمُهَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارُ

"جب صاف و پاک آسمانِ رسالت پر خورشید جہان افروز سیدہ زہراؑ نے اپنی نورانی کرنیں بکھیرنے کا آغاز کیا اور اسی ماہِ کمال و جمال نے اپنی نور افشانی کے ساتھ "بدر الدجیٰ" کی منزل حاصل کر لی اور ان کے نور سے کائنات روشن و منور ہوئی اور اُن کے جمال و جلال نے آیتِ خداوندی بن کر اپنی چمک دمک سے جہانِ ہستی کو چکاچوند کر دیا تو آپؑ کی خواستگاری کے لیے مہاجرین و انصار کے بہت سے لوگوں نے بارگاہِ رسالت میں حاضری دی۔

ان میں سے ہر ایک کی تمنا و آرزو یہ تھی کہ وہ اُن کے سلسلہ ازدواج میں منسلک ہوجائے لیکن پیغمبرؐ اسلام کا قلب مبارک اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے ہاتھوں گروی تھا۔ ان تمام خواہشمندان کی خواہشوں پر آپؐ نے یہ لفظ کہہ کر پانی پھیر دیا:

اَنِّیْ اَنْتَظِرُ بِهَا الْقَضَاءِ

"میں اللہ کے فیصلے کے انتظار میں ہوں"۔

اس جنت کی بیٹی کی خواستگاری کے لیے حضرت عمر اور حضرت ابوبکر پیغمبرؐ اسلام کی بارگاہِ اقدس میں باری باری پہنچے۔ پیغمبرؐ اسلام نے اُنھیں فرمایا: "ابھی میری بیٹی کی وہ عمر ہی نہیں ہے جس کے تم لوگ خواستگار ہو"۔ (فضائل احمد بن حنبل و النسائی فی الخصائص: ص ۱۳۱، ابن خوارزمی فی التذکرۃ: ص ۳۱۶)

ان حضرات کے بعد عبدالرحمٰن بن عوف خواستگاری کے لیے آئے۔ آپؐ نے اپنا رُخِ انور دوسری طرف پھیر لیا اور اُسے کوئی جواب ہی نہ دیا۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان: اِنَّمَا صَغِیْرَۃٌ سازشی راویوں کی روایتوں کا بھانڈا پھوڑ دیتا ہے کہ جب روایت جھوٹی ہے تو راوی بطریق اولیٰ جھوٹا ہے۔ کیا پیغمبرؐ خدا کے فرمان سے یہ حقیقت و واقعیت روشن ہوجاتی ہے کہ حضرت فاطمہ زہراؑ بعثت سے پانچ سال قبل پیدا ہوئی تھیں۔

ان راویوں کی یہ ساخت و پرداخت سو فی صد جھوٹ اور سازش پر مبنی ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اِن دِنوں جناب زہراؑ کی عمر شریف اٹھارہ سال ہوتی کہ جس طرح بعض راویوں نے اس اَمر کی تصریح کی ہے۔ جب ایک بیٹی کی عمر اٹھارہ سال ہو وہ کیسے صغیرہ ہوسکتی ہے؟ حالانکہ جب رسولؐ اللہ نے حضرت عائشہؓ سے عقد کیا تھا تو اس وقت اُن کی عمر تقریباً دس سال تھی۔ رسولؐ اللہ نے ان کی اس عمر کو صغیرہ کے ساتھ تعبیر نہیں کیا تھا۔ وہی رسولؐ جو دس سال کی دُختر سے عقد کرسکتے ہیں اور اُسے صغیرہ نہیں کہتے تو اپنی جوان بیٹی کے بارے میں کیسے کہہ سکتے تھے کہ وہ ابھی اَزدواج کی صلاحیت نہیں رکھتی ہیں۔

فرض کریں کہ ان لوگوں کی روایت صحیح ہے اور وہ اپنے موقف میں سچے ہیں کہ سیّدہ زہراؑ بعثت سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں اور جب وہ مکہ میں پہنچیں تو اپنی پیدائش سے اور ہجرت سے قبل اُن کی عمر شریف سولہ اور سترہ سال کے درمیان ہونی چاہیے تھی۔ یہ عمر کی وہ حد ہے جو زواج کے اعتبار سے اَحسن ترین ہے تو پھر اہلِ مکہ میں سے کسی نے اُن سے خواستگاری کیوں نہیں کی تھی؟ مکہ کی رہائش پذیری کے دوران خواستگاری کے لیے نہ بنی ہاشم میں سے کوئی آیا اور نہ ہی کوئی اور ــــ اس بنا پر یہ مسئلہ جو زیرِ بحث ہے کسی کتاب میں نہیں دیکھا گیا اور نہ کسی سے سنا گیا؟ تو پھر یہ روایت کیسے سچ ثابت ہوسکتی ہے؟

انس بن مالک کی روایت

علی بن متقی نے اپنی کتاب کنزالعمال، ج ۲، ص ۹۹ میں انس بن مالک سے روایت نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابوبکرؓ بارگاہِ نبوت میں تشریف لائے اور آپؐ کے سامنے آکر بیٹھ گئے اور عرض کیا:

یارسولؐ اللہ! آپؐ بہتر جانتے ہیں کہ میں نے سب سے زیادہ آپؐ کی خیرخواہی کے لیے کام کیا ہے اور سب سے پہلے میں نے آپؐ کی تصدیق کی ہے...... کیا یہ اس طرح نہیں ہے؟

پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا: اس ساری گفتگو کا مقصد کیا ہے؟

انھوں نے کہا: میں آپؐ کی بیٹی فاطمہ زہراؑ سے عقد کرنا چاہتا ہوں۔

یہ سن کر پیغمبرؐ خدا خاموش رہے اور اپنا رُخِ انور دوسری طرف پھیر لیا۔ جناب ابوبکرؓ فوراً اُٹھے اور حضرت عمرؓ کے پاس چلے آئے اور کہا: میں تو خالی ہاتھ واپس آیا ہوں اور مجھے کچھ نہیں ملا۔

حضرت عمرؓ نے پوچھا: کیا ہوا؟ حضرت ابوبکرؓ نے کہا: میں بارگاہِ نبوت میں گیا اور اُن سے اُن کی بیٹی فاطمہ زہراؑ کا رشتہ مانگا۔ یہ سن کر پیغمبرؐ خدا نے مجھ سے اپنا رُخِ انور دوسری طرف پھیر لیا۔

حضرت عمرؓ نے کہا: تو یہاں بیٹھ، میں پیغمبرؐ خدا کے پاس جاتا ہوں اور اپنے لیے رشتہ مانگتا ہوں۔ حضرت عمرؓ فوراً پیغمبر اکرمؐ کے حضور آئے اور آپؐ کے برابر آکر بیٹھ گئے۔

جنابِ عمرؓ نے عرض کیا: میں نے آپؐ کی خدمت کی، آپؐ کی خیرخواہی و دل سوزی کے لیے کام کیا، اسلام قبول کیا، جب اُن کی بات اس مقام تک پہنچی تو پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا: اس لمبی چوڑی گفتگو کا کیا خلاصہ ہے؟

حضرت عمرؓ نے کہا: میں آپؐ کی بیٹی سے عقد کرنا چاہتا ہوں۔ پیغمبرؐ اسلام نے یہ سن کر دوسری طرف رُخ کر لیا۔ حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچے اور کہا: مجھے معلوم ہوتا ہے کہ رسولؐ اسلام اپنی دختر فاطمہ زہراؑ کے اَزدواج کے لیے اللہ کے حکم کے انتظار میں ہیں۔

علامہ ہیثمی نے اپنی کتاب "مجمع الزوائد" میں روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ دونوں پیغمبرؐ اسلام کے پاس حضرت فاطمہ زہراؑ کی خواستگاری کے لیے گئے تھے تو رسولؐ اللہ نے فرمایا: "میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے انتظار میں ہوں"۔

یہ دونوں حضرات بعد میں پشیمان ہوئے اور کہا: اے کاش! وہ پیغمبرؐ اسلام کے پاس اس غرض کے لیے نہ گئے ہوتے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ پیغمبرؐ اسلام یہ مناسب نہیں سمجھتے تھے کہ ان لوگوں کو کہیں کہ تم لوگ فاطمہ زہراؑ کے لیے ان کے ہم پلہ اور کفو نہیں ہو۔ آپؐ کو یہ پسند نہ تھا کہ وہ اُنھیں کہیں کہ تم لوگ اس کو کفو نہیں ہو یا یہ کہ آپؐ اُنھیں کہتے کہ اُن کی دختر فضائل و کمالات میں اُن سے کہیں زیادہ بالاتر ہے۔ ان کے لیے ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ لوگ اور ان کی دختر فرزانہ مشترک زندگی گزار سکیں۔ کیونکہ رسولؐ اسلام کا خیال تھا کہ اُن کی بیٹی کا یہ معاملہ عادی اور طبیعی صورت میں طے پائے۔

رازِ دل

ہجرت کے بعد حضرت امام علی علیہ السلام حضرت سعد بن معاذ کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ایک دن امام علی علیہ السلام

ایک باغ میں کام کر رہے تھے۔ حضرت سعد بن معاذؓ نے وہاں آپؑ کی زیارت کا شرف حاصل کیا اور وہیں آپؑ سے کہا: آپؑ رسولؐ اللہ کے پاس ان کی دختر نیک اختر کی خواستگاری کے لیے کیوں نہیں جاتے؟

کتاب منتخب العمال میں روایت ہے کہ حضرت عمرؓ حضرت امام علی علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا: دخترِ نبیؐ فاطمہؑ کی خواستگاری کے لیے آپؑ کے لیے کون سی چیز رکاوٹ بنی ہوئی ہے؟

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: اَخْشٰی اَنْ لَا یُزَوِّجَنِیْ "مجھے خوف ہے کہ کہیں مجھے مثبت جواب نہ ملے"۔

حضرت عمرؓ نے کہا: اگر پیغمبرؐ خدا اپنی بیٹی فاطمہؑ کا عقد آپؑ کے ساتھ نہیں کریں گے تو پھر کس کے ساتھ کریں گے؟ کیونکہ تمام لوگوں میں سے آپؑ اُن کے زیادہ قریب ہیں۔ آپؑ کا ظاہر و باطن ان کے سامنے ہے۔ آپؑ کا حسب و نسب وہی ہے جو اُن کا ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ امام علی علیہ السلام نے زندگی بھر کبھی کسی کے سامنے حضرت فاطمہؑ کا نام نہیں لیا تھا۔ رسولؐ اسلام سے حیا کی وجہ سے آپؑ نے کبھی اُن کی دختر کا ذکر تک ہی نہیں کیا تھا۔ ان کے لیے بارگاہ نبوت میں اپنے دل کی بات کرنا ممکن ہی نہ تھا۔

مزید براں آپؑ اقتصادی و معاشی طور پر کمزور تر تھے۔ اسلامی ہدف داری و فداکاری اور اسلامی جہاد کی ذمہ داری یہ وہ سب عوامل تھے، جنھوں نے آپؑ کے اقتصادی پہلو کو نہ ہونے کے برابر کر دیا تھا۔ آپؑ کے پاس مدینہ میں زندگی کے امکانات تھے نہ گھر تھا، نہ کوئی کاروبار اور نہ کھیت۔۔۔ پھر کس طرح آپؑ شادی کرتے؟ اور کہاں اَزدواج کرتے اور کہاں رہتے؟

سیّدہ زہرا سلام اللہ علیہا وہ خاتون نہ تھیں کہ اُن کی اَزدواجی زندگی کے آغاز میں اُن کی عزت و عظمت کے مطابق شادی کے اہتمامات نہ ہوں۔ ضروری تھا کہ ان کی رفعت و بلندی کے پیشِ نظر سامانِ زندگی مہیا کیا جائے۔

حضرت امیر علیہ السلام کے سامنے ایک اور پہلو بھی تھا کہ سیّدہ زہرا علیہا السلام ایک غیر معمولی خاتون ہیں۔ اُن سے اَزدواج نہایت درجہ کی سادگی کے ساتھ نہیں کیا جاسکتا۔ بہرحال وہ مقام جہاں پیوند خانوادگی کا ہدف ایک خانوادہ کے نظام کی تشکیل ہوتا ہے ان اہداف میں اوّلین ہدف جسمانی و جنسی نہیں ہوتا بلکہ یہ ہدف خاندانی نظام کا پہلو ہوتا ہے۔ اس زمانے کے اَزدواجی مراسم پر اسلام کی نظر تھی جنھوں نے اس پسندیدہ سنت کے آگے بند باندھ رکھے تھے اور جوانوں کو اس طبیعی و فطری واقعیت سے روک رکھا تھا۔

اسلام تو آیا ہی اس لیے تھا کہ ان خرافات اور اَوہام کی زنجیروں کو توڑ دے اور اَزدواجی زندگی کو اپنانے کی

راہوں کو آسان کر دے کیونکہ تشکیلِ خانوادہ اور اَزدواج اسلام کی نگاہ میں ضروریاتِ زندگی میں سے ہے اور یہ اَزدواجی زندگی بقائے نسلِ انسانی اور نظام خانوادگی و اجتماعی زندگی کے لوازمات میں سے ہے۔

اسلام نے اسی بات کی سفارش و تاکید کی ہے کہ اَزدواج سادہ اور آسان ہو اور وہ ہستی جس کو اللہ نے رہبرِ انسانیت بنایا ہو اور اُس پر وحی نازل فرمائی ہو اور وہ معاشرے کا حقیقی مقتدا ہو تو اس کا ہر قول اور ہر عمل نمونہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ رسولِؐ اسلام نے پہلے اپنی گفتار سے ان خرافات اور کفریہ عادات کا خاتمہ کیا۔ پھر اپنے کردار و عمل سے ان بے ہودہ نظام کو درہم برہم کیا۔

خواتین کے حقوق کی پاسداری

جب امام علی علیہ السلام بارگاہِ نبویؐ میں اُن کی دختر کی خواستگاری کے لیے حاضر ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مسلمانوں اور تمام مسلمان عورتوں کے ولی تھے حتیٰ کہ وہ اپنی بیٹی کے بھی ولی تھے۔ لیکن نبی کریمؐ نے اپنی بیٹی کی عزت وعظمت کے پیشِ نظر اور اُن کے حقوق کے تحفظ کے لیے اُن کی اجازت کے بغیر اُن کے عقد کا اعلان نہیں فرمایا۔ آپؐ نے اپنے اس عمل سے اپنی سنت کا اعلان کیا کہ جب بھی اپنی بیٹی کو رشتۂ ازدواج میں منسلک کرنا ہو اس سے مشاورت ضروری ہے۔ اُس نے اپنے شوہر کے ساتھ زندگی بسر کرنا ہے۔ اُس بیٹی نے اپنے شوہر کی شریکۂ حیات بننا ہے اور اُس کے شوہر نے اس کا شریکِ حیات بننا ہے۔ بیٹی کی تزویج اس کی مشاورت کے بغیر اس پر ظلم ہے اور اس کے لیے یہ سامانِ حقارت و نفرت ہے اور اُس کی شخصیت کی بے قدری ہے۔ یہ اس کے لیے عملی تصریح ہے کہ اُسے اپنے شوہر کے انتخاب میں کوئی حق حاصل نہیں ہے گویا کہ وہ گائے بھینس ہے جسے فروخت کیا جا رہا ہے یا اُس کی اجازت کے بغیر اُسے کسی کو ہبہ کیا جا رہا ہے۔

تاریخ ساز لمحہ

رسولِ ثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: اے علیؑ! آپؑ سے قبل کچھ لوگ اس غرض کے ساتھ میرے پاس آئے تھے۔ جب میں نے اپنی شہزادی فاطمہ زہراؑ کے سامنے ان کا ذکر کیا تو میں نے ان کے تابناک اور ضوفشاں چہرہ پر ناپسندیدگی کے آثار دیکھے۔ اب میں اُن کے پاس آپؑ کا پیغام لے کر جاتا ہوں۔

پیغمبرؐ اسلام حضرت علیؑ کو وہیں بٹھا کر حضرت فاطمہ زہراؑ کے پاس تشریف لے گئے اور انھیں پیغام دیا کہ علیؑ ابن ابی طالبؑ آپؑ کا رشتہ طلب کرنے کے لیے آئے ہیں۔

بعض اوقات والد جب اپنی بیٹی کے ہاں جاتا ہے اور اُسے آگاہ کرتا ہے کہ فلاں آدمی آپ کی خواستگاری کے لیے آیا ہے تو وہاں والد اس آدمی کے اوصاف کا ذکر کرتا ہے کہ وہ کون ہے، اس کی شخصیت کیسی ہے، اس کا کام کیا ہے، وہ روزی کیسے کماتا ہے۔ اس طرح کی باقی خصوصیات کی وضاحت کرتا ہے۔ اس طرح کا ذکر وہاں ہوتا ہے جب بیٹی اُس آدمی سے ناواقف ہوتی ہے تاکہ اُسے معلوم ہو جائے کہ وہ کون ہے اور کیا ہے؟

لیکن یہاں اس امر کی ضرورت نہ تھی۔ اُن کی شخصیت سیّدہ زہراؑ کے سامنے تھی۔ آپؑ امام علیؑ کی شخصیت اور اُن کے مواہب و فضائل کو خوب جانتی تھیں۔ امام علیہ السلام کی زندگی کا کوئی ایسا پہلو نہ تھا جس کا علم سیّدہ زہراؑ کو نہ ہو۔ اس لیے رسولؐ اسلام نے اپنی بیٹی سے کہا: اے فاطمہؑ! آپؑ علیؑ ابن ابی طالبؑ کو اچھی طرح سے جانتی ہیں۔ اُن کی قرابت، اُن کے فضائل اور اُن کے اسلام و ایمان کا اچھی طرح سے فہم رکھتی ہیں۔

وَ اِنِّی قَدْ سَأَلْتُ رَبِّی اَنْ یُزَوِّجَكِ خَیْرَ خَلْقِهٖ وَ اَحَبَّهُمْ اِلَیْهِ

”مَیں نے بارگاہِ ربوبیت میں دعا مانگی تھی کہ آپؑ کا رشتہ اُس جوان سے کرے جو اُس کی مخلوق میں سب سے بہتر و برتر ہو اور وہ اس کے نزدیک محبوب ہو“۔

اب (حضرت) علیؑ نے آپؑ کا ذکر کیا ہے، اب آپؑ کی کیا رائے ہے؟

جنابِ زہرا سلام اللہ علیہا اپنے بابا کی گفتگو سن کر خاموش رہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے ضوفشاں چہرے پر ناگواری و کراہت کے کوئی آثار نہ دیکھے۔ آپؐ کھڑے ہوئے اور فرمایا:

اَللّٰهُ اَكْبَرُ سُكُوْتُهَا اِقْرَارُهَا

”اُن کی خاموشی موافقت و رضا کا اقرار ہے“۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے سکوت سے اُن کے اقرار کا نتیجہ اَخذ کیا کہ وہ امام علی علیہ السلام کے ساتھ اَزدواج کرنے پر راضی ہیں، کیونکہ ایک جوان لڑکی سراپائے حیا و وقار ہوتی ہے، جیسے حضرت سیّدہ زہراؑ تھیں۔ اگر اُنھیں یہ رشتہ موافق نہ ہوتا تو وہ شائستہ اور مدبرانہ طریقے سے انکار کر دیتیں۔ اس مقام پر حیا مانع نہیں ہوتا۔ جہاں موافقت ہوتی ہے تو لڑکی کی خاموشی دلیل ہے کہ وہ اس رشتے پر راضی ہے۔

رسولِ ثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام علی علیہ السلام کے پاس تشریف لائے کیونکہ امامؑ اُن کی انتظار میں تھے۔ رسول اللہؐ نے آتے ہی خبر دی کہ اُنھیں آپؑ سے اَزدواج کرنا قبول ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام علی علیہ السلام سے پوچھا: اَزدواج و شادی کے کچھ مقدمات ہوتے ہیں۔ حق مہر شرعاً اور

ضرورتاً ضروری ہے۔ یہ شادی مثالی ہوگی، اور نمونۂ عمل ہوگی۔ قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے راہِ عمل ہوگی، اس لیے ضروری ہے کہ اس شادی میں تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھا جائے۔ ضروری ہے کہ یہ شادی نہایت سادگی، سہولت اور شائستگی کے ساتھ انجام پذیر ہو اور ہر قسم کے مہمل کاموں اور فضولیات سے اجتناب کیا جائے۔

صفا و راستی اور درس برائے اُمت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ضروری مقدمہ طے کرنے کے بعد حضرت امیر علیہ السلام سے پوچھا:

هَلْ مَعَكَ شَيْءٌ اُزَوِّجُكَ بِهٖ؟

"کیا آپؑ کے پاس ضروری اخراجات کی رقم ہے کہ جس سے آپؑ کی شادی کے مراحل طے کیے جائیں؟"

جناب امیر علیہ السلام نے عرض کیا:

فِدَاكَ اَبِيْ وَاُمِّيْ! وَاللّٰهِ لَا يَخْفٰى عَلَيْكَ مِنْ اَمْرِيْ شَيْءٌ، اَمْلِكُ سَيْفِيْ، وَدِرْعِيْ وَنَاضِحِيْ

"یارسولؐ اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں۔ اللہ کی قسم! آپؐ میرے تمام احوال سے واقف ہیں۔ میری کُل کائنات صرف ان تین چیزوں پر مشتمل ہے: ① میرے پاس ایک تلوار ② ایک زرہ ③ ایک اُونٹ ہے۔

جی ہاں! کائنات کے امام کی کل ثروت یہی تھی (دنیا پر مرنے والے دنیا کے ڈھیر لگاتے ہیں۔ ان ڈھیروں پر مزید ڈھیر لگاتے ہیں، لیکن جو اللہ کے دین پر جان ہتھیلی پر رکھ کر چلتے ہیں انھیں دنیا سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ انھیں صرف اللہ اور اُس کے رسولؐ کی خوشنودی کی ضرورت ہوتی ہے۔ صاحبانِ عقل کے لیے مقامِ فکر ہے۔ (اضافہ من المترجم)

جی ہاں! جناب امیرؑ کے پاس مالِ دنیا میں سے یہی کچھ تھا جس کے ذریعے آپؑ پیغمبرؐ اسلام کی دختر یگانہ سے پیمانِ زندگی باندھنا چاہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب امیر علیہ السلام کی صداقت و جوانمردی سے متاثر ہوئے فرمایا:

يَاعَلِيُّ! اَمَّا سَيْفُكَ فَلَا غِنٰى بِكَ عَنْهُ تُجَاهِدُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَتُقَاتِلُ بِهٖ اَعْدَاءَ اللّٰهِ، وَنَاضِحُكَ بِهٖ يَنْضِحُ بِهٖ عَلٰى نَخْلِكَ وَاَهْلِكَ وَتَحْمِلُ عَلَيْهِ رَحْلَكَ فِيْ سَفَرِكَ وَلٰكِنِّيْ زَوَّجْتُكَ بِالدِّرْعِ وَرَضِيْتُ بِهٖ مِنْكَ، بِعِ الدِّرْعَ وَائْتِنِيْ بِالثَّمَنِ

"یاعلیؑ! یہ تینوں چیزیں قیمتی اور کام کی ہیں جہاں تلوار کی بات ہے اس کے بغیر چارہ نہیں

ہے۔ آپؑ اس کے ساتھ اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں اور اس کے ذریعے اللہ کے دشمنوں کا مقابلہ کرتے ہیں۔ جہاں اونٹ کی بات ہے وہ بھی ضروری ہے یا اس کے ذریعے پانی اپنے گھر میں لاتے ہو، اس کے ذریعے اپنی کھجوروں کو پانی دیتے ہو، اسی پر سفر کرتے ہو اور اس سے بار برداری کا کام لیتے ہو۔ میں آپؑ کی شادی آپؑ کی زرہ کے ذریعے کرنا چاہتا ہوں اور اس کی قیمت پر میں راضی ہوں۔ جائیے اسے بازار میں بیچ کر اس کی قیمت میرے پاس لے آئیے"۔

یہ زرہ حضرت علی علیہ السلام کو میدانِ بدر کے مالِ غنیمت میں سے حاصل ہوئی تھی۔ عسقلانی نے اپنی کتاب الاصابہ، ج ۴، ص ۳۶۵ میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ نبی کریمؐ نے یہ تلوار جنابِ امیرؑ کو عطا کی تھی اور اس تلوار کا نام الحطیمہ تھا۔ یہ تلوار اتنی مضبوط تھی، جو دوسری تلواروں کو توڑ دیتی تھی۔ کتاب لسان العرب میں اس کا معنی بھی یہی ہے: یعنی "تلواروں کو توڑنے والی"۔

امام علی علیہ السلام نے اپنی زرہ چار سو اسی درہم یا پانچ سو درہم میں بیچی تھی۔ آپؑ نے یہ ساری رقم رسولؐ اسلام کے حوالے کر دی۔ ایک زرہ کی قیمت اُس ذات کا حق مہر مقرر ہوا۔ جو ملیکۃ العرب کی شہزادی تھی، جو سرتاج انبیاءؑ کا لختِ جگر تھی، جو سیدہ نساء العالمین تھی جسے اللہ نے خاتونِ جنت بنایا تھا، جس کے دونوں شہزادوں کو جوانانِ جنت کا سردار بنایا تھا۔

رسولؐ اسلام نے انتہا درجے کی سادگی کے ساتھ اپنی طاہرہ بیٹی کا عقد اپنے خلیفہ حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کے ساتھ کر دیا۔ اس طریقے سے آپؐ نے اپنی اُمت کے لیے نمونہ قائم کیا، تاکہ اس کی اُمت اُنھی کے نقشِ قدم پر چل کر کسی احمقانہ و جاہلی مراسم میں مبتلا ہو کر اپنی تباہی نہ کر بیٹھیں۔ آپؐ کی بیٹی سیدہ زہراؑ آیتِ خداوندی تھیں اور کائنات کی تمام خواتین سے شرف و منزلت میں کروڑوں گنا بلند و برتر تھیں، لیکن پیغمبرؐ اسلام نے ان کا حق مہر صرف ایک زرہ کی قیمت مقرر کی تاکہ اَوہام و خرافات کے بندھن ٹوٹ جائیں اور اُمت کی ہر بیٹی اپنے بلوغ کے وقت فوراً بیاہی جائے۔ کہیں وہ خرافات کی زنجیروں میں جکڑی نہ جائے۔ مربی انسانیت نے عملاً و فعلاً احمقانہ مراسم کا خاتمہ کر کے اُمت کے ہر فرد کو دعوت دی کہ وہ اُن کے نقشِ قدم پر چلے اور اپنی زندگی کو آسان بنائے اور ایک مسلم خاتون معمولی قیمت کے مہر پر ناک بھوں نہ چڑھائے۔ زمانے میں کون ہے جو مقام و منزلت علمی و معنوی میں اس عظیم الشان خاندان کا مقابلہ کرے؟ اس لیے ضروری ہے کہ اُنھی کی پیروی میں زندگی بسر کی جائے۔ ہر دور کی روشن فکر اور آزاد منش دوشیزگان کو

چاہیے کہ ان غلط رسوم و آداب اور کمر شکن اور سنگین ترین جہیز کی لعنت سے اپنے والدین اور رشتہ داروں کو نجات دلائیں اور اپنی اَزدواجی زندگی کو آسان اور خوش حال بنائیں۔ پیغمبرؐ خدا کے اس عمل میں اس کے علاوہ بے پناہ فوائد اور حکمتیں پوشیدہ ہیں، جو ہمارے لیے منارۂ نور ہیں۔ اس ملکوتی جوڑے کے اَزدواجی زندگی کے آغاز کے اَحوال جو ابھی پڑھے ہیں وہ زمین پر ہوئے اور جو مراسم آسمان پر ہوئے وہ اور ہیں۔

علیؑ و بتولؑ کی آسمانِ چہارم پر شادی خانہ آبادی

جی ہاں! ادھر یہ پُرشکوہ و پُرمعنویت اَزدواجی زندگی کا برنامہ شہرِ مدینہ اور منزلِ وحی میں نہایت سادگی و صفا کے ساتھ انجام پذیر ہوا لیکن اُدھر خدائے جہان آفرین کو سیدۃ نساء العالمین کی حرمت و کرامت کا پاس تھا۔ اس سے قبل کہ اُن کے والد گرامی ان کا عقد امام علی علیہ السلام سے کریں اللہ نے آسمانوں پر ان سے پہلے ہی اس امر کا انتظام کر دیا تھا۔

یہ کوئی تعجب کا مقام نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں علیؑ و بتولؑ کو ازدواجی بندھن میں باندھ دیا تھا۔ کیا اللہ تعالیٰ نے جنابِ زینب بنت جحش کی تزویج نبی کریمؐ کے ساتھ آسمان پر نہیں کی تھی۔

جیسا کہ قرآنِ مجید میں آیا ہے:

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا

کیا اللہ تعالیٰ نے اُس مومنہ عورت کی تزویج اپنے رسولؐ سے نہیں کر دی تھی جس نے اپنے آپ کو رسولؐ اللہ کے لیے ہبہ کر دیا تھا؟

یہاں اب کون سا مانع ہے کہ آسمان پر اللہ کے حکم سے علیؑ و بتولؑ کی تزویج کی محفل برپا نہ ہو یا آسمانوں کی بلندیوں پر اَزدواجی محفلیں منعقد نہ ہوں اور ملائکہ حاضر نہ ہوں، جس طرح کہ اس عنوان پر کثرت کے ساتھ احادیث موجود ہیں۔ یہ سب کچھ اس کی اور اُس کے والد گرامی، اس کے عظیم شوہر اور اُن کے شکمِ اَطہر سے پیدا ہونے والے دونوں شہزادوں کی عزت و کرامت کے لیے یہ بے مثال محفل سجائی گئی تھی کیونکہ یہ سب اللہ کی مخلوق پر حجتیں ہیں۔

یہ پُرشکوہ و پُرمعنویت محفل آسمانِ چہارم پر بیت المعمور میں قائم ہوئی۔ یہ وہ مثالی محفل تھی جو نہ کبھی زمین پر اور نہ آسمان پر منعقد کی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے تمام ملائکہ کو حکم دیا کہ وہ سب آسمانِ چہارم پر جمع ہوں، نورانی منبر کرامت لگایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بلند مرتبہ خوب صورت اور خوش آواز فرشتے راحیل کو حکم دیا کہ وہ اس عظیم الشان منبر پر بلند ہو، جب وہ فرشتہ منبر نور پر بیٹھا تو اُس نے خطبے کا آغاز کیا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ قَبْلَ اَوَّلِیَّۃِ الْاَوَّلِیْنَ ، اَلْبَاقِیْ بَعْدَ فَنَاءِ الْعٰلَمِیْنَ نَحْمَدُہٗ اِذْ جَعَلْنَا مَلَائِکَۃً رُوحَانِیِّیْنَ وَبِرُبُوْبِیَّتِہٖ مُذْعِنِیْنَ وَلَہٗ عَلٰی مَا اَنْعَمَ عَلَیْنَا شَاکِرِیْنَ وَحَجَبَ عَنَّا اَلنَّہَمَ لِلشَّھَوَاتِ ، وَجَعَلْنَا نِھْمَتَنَا وَشَھْوَتَنَا فِیْ تَقْدِیْسِہٖ وَتَسْبِیْحِہٖ ، اَلْبَاسِطُ رَحْمَتَہٗ اَلْوَاھِبُ نِعْمَتَہٗ ، جَلَّ عَنْ اِلْحَادِ اَھْلِ الْاَرْضِ عَنِ الْمُشْرِکِیْنَ وَتَعَالٰی بِعَظَمَتِہٖ عَنْ اِفْکِ الْمُلْحِدِیْنَ

”تمام حمد و ستائش اُس خدائے برتر کے لیے ہے جو تمام موجودات سے پہلے موجود تھا، اور تمام عالمین کے فنا و نابود ہونے کے بعد باقی ہے۔ یعنی وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ ہم اُسی ذات کی حمد وثنا کرتے ہیں کہ جس نے ہمیں روحانی ملائکہ بنایا اور اپنی ربوبیت سے اپنا اطاعت گزار بنایا اور اُس نے اپنے فضل وکرم سے جو نعمات ہمیں عطا کی ہیں، ہم اُس کے شکرگزار ہیں۔ ہم اُس ذات کی تقدیس و تسبیح بیان کرتے ہیں جس نے ہمیں حرص و ہوس اور حیوانی خواہشات سے دُور رکھا اور ہماری کوشش و کاوش کو اپنی بندگی و ستائش قرار دیا۔ اس نے اپنی محبت و رحمت کو اطرافِ عالم میں عام کردیا ہے۔ اس ذات کا شکر ہے کہ اُس نے اپنی نعمت کا باب کھول رکھا ہے اور ہر ایک کو بخشنے والا ہے۔ یہ وہ خدا ہے جو مشرکین و کفار کے کفر و شرک سے پاک و پاکیزہ ہے اور جھوٹوں کی جھوٹی داستانوں سے پاک ہے اور برتر و بالاتر ہے“۔

اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے اُس نے کہا:

اَخْتَارَہُ اللّٰہُ الْمَلِکُ الْجَبَّارُ صَفْوَۃَ کَرَمِہٖ ، وَعَبْدَ عَظَمَتِہٖ لِاَمَتِہٖ سَیِّدَۃِ نِسَاءِ بِنْتِ خَیْرِ النَّبِیِّیْنَ وَسَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِیْنَ مَوْصَلَ حَبْلَہٗ بِحَبْلِ رَجُلٍ مِنْ اَھْلِہٖ ، صَاحِبُہُ الْمُصَدِّقُ دَعْوَتَہُ الْمُبَادِرُ اِلٰی کَلِمَتِہٖ عَلَی الْوُصُوْلِ ، بِفَاطِمَۃَ الْبَتُوْلِ اِبْنَتِہِ الرَّسُوْلِ

”اے ملائکہ! اے آسمانی مخلوق! وہ خداوند جبار، جو اپنی پوری کائنات کا فرماں روا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے عظیم بندے کو اپنے کرم سے امام المتقین ، سیّدالمرسلین، خیر النبیین کی دختر سیّدۃ نساء العالمین کے لیے منتخب فرمایا۔ اپنی ریسمانِ رحمت سے اُسے اُن کے اپنے خاندان کے جوان سے جو ہمیشہ اُن کے یار و یاور رہے ہیں اور سب سے پہلے اُن کی تصدیق کرنے والے ہیں اور اُس کے دین و آئین میں خالص و مخلص ہیں وہ علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں جن سے فاطمہ

بتولؑ دخترِ رسولؐ کو متصل کر دیا"۔

فاطمہ بتولؑ کی محفلِ عقد میں پیامِ خدا

راحیل فرشتہ کے بعد جبرئیل امینؑ نے آفریدگار ہستی کی طرف سے اس ملکوتی محفلِ عقد سیدہ نساء العالمین میں خطاب کیا:

اَلْحَمْدُ رِدَائِی وَالْعَظْمَۃُ کِبْرِیَائِی، وَالْخَلْقُ کُلُّھُمْ عَبِیْدِی وَ اِمَائِی زَوَّجْتُ فَاطِمَۃَ أَمَتِی مِنْ عَلِی صَفْوَتِی اِشْھَدُوْا یَا مَلَائِکَتِی (بحارالانوار، ج ۴۳)

فرشتہ بزرگوار جنابِ راحیل کے بعد حضرت جبرئیل امینؑ نے اس ملکوتی محفلِ عقد فاطمہ زہراؑ میں آسمان چہارم میں آفریدگار ہستی کا عظیم الشان پیام اس صورت میں پڑھا:

"کائنات کی تمام تعریفوں کا میں ہی مالک ہوں، شانِ کبریائی صرف میں ہی رکھتا ہوں۔ اس بھری کائنات میں جتنے مرد ہیں اور جتنی عورتیں ہیں، میں ہی ان سب کا خالق ہوں۔ میں نے اپنی پیکر عزت و عظمت کنیز حضرت فاطمہ زہراؑ کا عقد اپنے برگزیدہ بندے علیؑ ابن ابی طالبؑ سے کر دیا ہے۔ اے میرے ملائکہ! اس امر پر گواہ رہنا"۔

اس روایت کو بہت سے علمائے اہلِ سنت نے بھی روایت کیا ہے۔ انھی میں سے ایک عبدالرحمٰن صفوری ہیں۔ اُنھوں نے اپنی کتاب نزھۃ المجالس، ج ۲، ص ۲۲۳ پر نقل کیا ہے۔ جناب جابر بن عبداللہ انصاریؓ فرماتے ہیں کہ جنابِ اُمِ ایمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور تشریف لائیں اور رونے لگیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے رونے کا سبب پوچھا تو اُنھوں نے کہا کہ ان دنوں میں ایک انصاری نے اپنی بیٹی کی شادی کی ہے اور اُس نے محفلِ عروسی میں اپنی دختر کے سر پر شکر اور بادام نچھاور کیے، لیکن آپؐ نے اپنی دختر کی محفلِ تزویج کے مراسم نہایت سادگی کے ساتھ انجام دیئے ہیں اور اُن کے سر پر کوئی چیز نچھاور نہیں فرمائی ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے اُس ذات کی قسم کہ جس نے مجھے اپنی رسالت عطا فرمائی:

اِنَّ اللّٰہَ زَوَّجَ عَلِیًّا فَاطِمَۃَ، اَمَرَ الْمَلَائِکَۃَ الْمُقَرَّبِیْنَ اَنْ یُحْدِقُوْا بِالْعَرْشِ، فِیْھِمْ جِبْرَئِیْلُ وَمِیْکَائِیْلُ وَاِسْرَافِیْلُ، وَاَمَرَ الطُّیُوْرَ اَنْ تُغَنِّیَ فَغَنَّتْ، ثُمَّ اَمَرَ شَجَرَۃَ طُوْبٰی اَنْ تَنْثُرَ عَلَیْھِمُ اللُّؤْلُؤَ الرَّطْبَ مَعَ الدُّرِّ الْاَبْیَضِ عِنْدَ سِدْرَۃِ الْمُنْتَھٰی وَاَوْحَی اللّٰہُ اِلَیْھَا اَنْ اَنْثُرِیْ مَا

عَلَيْكَ فَنَثَرَتُ اللهَ وَالْجَوْهَرَ وَالْمَرْجَانَ

''جس وقت خداوند تعالیٰ نے حضرت فاطمہ علیہا السلام کا عقد حضرت امام علی علیہ السلام کے ساتھ کیا تو اُس وقت تمام مقرب ملائکہ کو حکم دیا کہ وہ اُس کے عرش کے اردگرد جمع ہو جائیں اور اُنھیں ملائکہ میں سے جناب جبرئیلؑ، میکائیلؑ و اسرافیلؑ بھی تھے۔ جب تمام ملائکہ جمع ہو گئے تو بہشت کے تمام پرندوں کو حکم دیا کہ وہ نغمہ سرائی کریں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے شجر طوبیٰ کو حکم دیا کہ وہ تازہ مروارید، صاف و شفاف لؤلؤ، سفید دُر، زبرجد اور سرخ یاقوت ان سب پر نچھاور کریں۔

ایک دوسری روایت ہے کہ یہ محفل پرشکوہ کہ جس میں امام علی علیہ السلام اور سیّدہ زہرا سلام اللہ علیہا کا عقد ہوا تھا وہ شبِ معراج سدرۃ المنتہیٰ کے پاس برپا ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے شجر طوبیٰ کو حکم دیا کہ جو کچھ تیرے اُوپر ہے وہ نچھاور کر۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے شجر طوبیٰ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان کی تعمیل میں موتی، گوہر اور مرجان کی بارش برسا دی''۔

حافظ ابونعیم نے اپنی کتاب ''حلیۃ الاولیا''، ج ۵، ص ۵۹، عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس محفل کے لیے بہشت کے تمام اَشجار کو حکم دیا کہ وہ شان و شوکت سے بھرپور عالیشان زر و زیور اور لاثانی جواہرات اپنے اُوپر اکٹھا کریں اور پھر اس محفل میں شریک تمام ملائکہ پر نچھاور کریں، جب اس دن جنت کے اَشجار نے ملائکہ پر جواہرات کی بارش کی اور اُن میں سے جس کے حصّے میں یہ جواہر زیادہ آئے وہ قیامت کے دن تک ان جواہرات پر فخر و مباہات کرتے رہیں گے''۔

اسی روایت کو علما کی ایک جماعت نے اپنی اپنی کتب میں روایت کیا ہے جسے خوارزمی نے مقتل الحسینؑ میں اس طرح علامہ عسقلانی نے لسان المیزان میں اور تہذیب التہذیب میں اور قندوزی نے ینابیع المودۃ میں ذکر کیا ہے۔

عبدالرحمٰن الصفوری نے نزہۃ المجالس میں انس بن مالک سے روایت نقل کی ہے کہ میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھا کہ آپؐ نے امام علی علیہ السلام سے فرمایا:

هٰذَا جِبْرَئِيْلُ اَخْبَرَنِيْ اَنَّ اللهَ قَدْ زَوَّجَكَ فَاطِمَةَ وَاَشْهَدَ عَلٰى تَزْوِيْجِهَا اَرْبَعِيْنَ اَلْفَ مَلَكٍ وَاَوْحٰى اِلٰى شَجَرَةِ الطُّوْبٰى اَنْ اَنْثِرِيْ عَلَيْهِمُ الدُّرَّ وَالْيَاقُوْتَ وَالْحُلِيَّ وَالْحُلَلَ فَنَثَرَتْ عَلَيْهِمْ فَابْتَدَرَتِ الْحُوْرُ الْعِيْنُ يَلْتَقِطْنَ مِنْ اَطْبَاقِ الدُّرِّ وَالْيَاقُوْتِ وَالْحُلِيِّ وَالْحُلَلِ فَهُمْ يَتَهَادُوْنَهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

''یاعلیؑ! یہ جبرئیل امینؑ ہیں اس نے مجھے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کا عقد میری دختر

(حضرت) فاطمہؑ سے کردیا ہے۔ ان کے عقد پر چالیس ہزار ملائکہ کو گواہ بنایا ہے (اس تزویج) کی محفل کے دوران اللہ تعالیٰ نے شجرِ طوبیٰ کو حکم دیا کہ اِن فرشتوں پر دُر، یاقوت، زیور و جواہرات نچھاور کرے۔ ان جواہرات و زیورات کو حورالعین نے چننے میں جلدی کی اور اُنھوں نے کئی اَطباق ان دُروں اور جواہرات سے بھرے تھے، جو قیامت تک ایک دوسرے کو ہدیہ کرتی رہیں گی"۔

اسی روایت کو علامہ سیوطی نے اپنی کتاب "تحذیر الخواص" میں نقل کیا ہے۔

عقدِ نکاح اور حق مہر

جب تمام مقدمات طے پذیر ہوگئے تو راہبرِ توحید وارد مسجد ہوئے اور منبر پر تشریف لے گئے۔ آپؐ نے لوگوں کو اس پُرعزت و پُرعظمت عقد پر گواہ مقرر فرمایا۔ آپؐ نے صیغۂ عقد پڑھا۔ اس طریقے سے آپؐ نے حاضرین کو اور پوری اُمت کو درس دیا کہ عقدِ تزویج کس طرح پڑھا جاتا ہے اور حق مہر کو بھی واضح کیا کہ حق مہر کتنا اَدا کرنا چاہیے۔ آپؐ نے اس نکاح کے تمام مراحل کو صدق و صفا اور سادگی کے ساتھ انجام دیا۔ اس طرح آپ نے اَفراط وتفریط اور سنگین مراسم کے خاتمے کا اعلان فرمایا اور علاوہ ازیں یہ بھی فرمایا:

لَا تُغَالُوْا فِی الصِّدَاقِ فَتَكُوْنُ عَدَاوَةً

"عورتوں کے حق مہر میں سنگینی پیدا نہ کرو، پھر بھی مہنگا ترین مہر دشمنی کا سبب ہوجائے گا۔"[1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اُمت کے لیے یہ سنت جاری فرمائی کہ حق مہر پانچ صد درہم ہے۔ رسول کریمؐ نے جب بھی کسی خاتون سے عقد کیا تو اُس کا حق مہر پانچ صد درہم مقرر فرمایا۔ اسی طرح آئمہ اہلِ بیتؑ نے اسی سنت پر

---

[1] ملیکۂ العرب اور رسولِ عالمینؐ کی شہزادی کا جہیز تو ایک زرہ کی قیمت ہوسکتا ہے۔ کیا ہم اُن کے غلاموں کی بیٹیوں کا مہر اتنا نہیں ہوسکتا؟ تجربات و مشاہدات میں آیا ہے کہ بھاری جہیز بربادی اور طلاق اور دشمنی کا موجب بنتے ہیں۔ پیغمبرؐ اسلام کے ماننے والے اور اُن کی دختر اور اُن کی اولاد سے محبت کا دعویٰ کرنے والے جس بھاری جہیز کی لعنت میں گرفتار ہیں اس قدر ہنود و یہود بھی گرفتار نہیں ہیں۔ ایک لباس جسے لہنگا کہا جاتا ہے دلہن اُسے صرف شبِ زفاف کے لیے پہنتی ہے اور بس اس کی قیمت ہزاروں سے اُٹھتی ہے، لاکھوں پر جا کر ختم ہوتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں ناک کا مسئلہ بنا ہوا ہے چاہے والدین لُٹ جائیں، قرض اُٹھائیں۔ ہر صورت میں دلہن نے لہنگا پہننا ہے۔ اسی بھاری بھرکم جہیز کی لعنت کی وجہ سے ہزاروں نوجوان لڑکیاں والدین کے گھر میں بیٹھی ہیں۔ قیمتی جہیز نہ ہونے کی وجہ سے اُن کی جوانی بڑھاپے کی طرف مائل ہے۔ اگر پیغمبرؐ کے فرمان پر عمل کیا جائے تو اَزدواجی زندگی کے مسائل و مقدمات اتنے آسان ہوجائیں کہ جن کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ (مترجم)

عمل فرمایا۔ کسی امامؑ نے اس سنت سے تجاوز نہ کیا۔

ہم سیدہ فاطمۃ الزہراؑ کی تزویج کی طرف واپس لوٹتے ہیں۔ امیرالمومنین حضرت امام علی علیہ السلام نے اپنی زرہ کو پانچ صد درہم میں فروخت کیا اور وہ رقم پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک پر رکھ دی۔ رسول اکرمؐ نے اس رقم کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک تہائی سے جہیز کے عنوان سے وسائلِ زندگی خریدے اور دوسری تہائی سے عروسی کے عطریات خریدے اور تیسری تہائی حضرت امیر علیہ السلام کو واپس فرمائی تاکہ اس سے ولیمہ کا سامان خرید کر مہمانوں کو کھلایا جائے۔

روایات میں منقول ہے کہ جب امام علی علیہ السلام اور حضرت سیدہ زہراؑ کا آپس میں عقد ہوا تو بہت سے لوگوں پر یہ اَمر ناگوار گزرا، ان کے قلوب میں آتشِ حسد بھڑک اُٹھی، خصوصاً وہ لوگ جو خواستگاری کے لیے آئے تھے اور وہ اپنی مراد کو نہیں پہنچے تھے۔

یہ مقامِ تعجب نہیں ہے کہ قریش کے کچھ لوگ بارگاہِ نبوت میں آئے اور اُنھوں نے آپؐ سے کہا: آپؐ نے معمولی مہر کے ساتھ اپنی بیٹی کا عقد علیؑ سے کر دیا ہے۔

آپؐ نے فرمایا: میں نے علیؑ کا عقد اپنی دُختر فرزانہ کے ساتھ نہیں کیا، اللہ نے شبِ معراج فاطمہؑ کا عقد علیؑ کے ساتھ کر دیا تھا۔ (من لایحضرہ الفقیہ)

شادی کے ساز و سامان کی خریداری

آپؐ نے کچھ رقم حضرت ابوبکرؓ کے حوالے کی، تاکہ وہ شادی کے لیے سامان خرید کر لائیں۔ اُن کی مدد کے لیے حضرت بلالؓ اور حضرت سلمان فارسیؓ کو اُن کے ہمراہ روانہ کیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ آپؐ نے جنابِ عمارؓ اور کچھ دوسرے اصحابؓ کو اس کام کے لیے بھیجا تھا۔ آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا تھا: اُس رقم سے گھر کا ضروری سامان خریدیں"۔

حضرت ابوبکرؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے تریسٹھ درہم دیئے تھے جو سامان خریدا گیا اُس کی تفصیل درج ذیل ہے:

سیدالانبیاء اور ملیکۃ العرب کی بیٹی کا جہیز

① دو مصری بستر۔ ان دو بستروں میں سے ایک کھجور کے پتوں سے بھرا ہوا تھا اور دوسرا گوسفند کی پشم سے بھرا ہوا تھا۔

② چمڑے کے دو فرش۔

③ ایک چمڑے کا سرہانہ۔ وہ کھجور کے پتوں سے بھرا ہوا تھا۔
④ ایک خیبری عبا۔
⑤ ایک پانی کا مشکیزہ۔
⑥ چند پانی کے کوزے اور چند گھریلو استعمال کے برتن۔
⑦ ایک آفتابہ۔
⑧ ایک عدد نازک چمڑے کا پردہ۔
⑨ سات درہم کا پیراہن۔
⑩ چار درہم کا دوپٹہ۔
⑪ سیاہ رنگ کا تولیہ۔
⑫ بان کی بنی ہوئی چارپائی۔
⑬ چار عدد تکیے۔
⑭ ایک چٹائی۔
⑮ ہاتھ سے چلنے والی چکی۔
⑯ ایک عدد تانبے کا بڑا برتن۔
⑰ ایک دودھ کا برتن۔
⑱ ایک اور مشکیزہ برائے آب۔

یہ تمام سامان خرید کر کچھ حضرت ابوبکرؓ نے اور کچھ دوسرے صحابہ کرامؓ نے اُٹھایا اور حضرت اُم سلمہؓ کے حوالے کیا۔ رسول اکرم ﷺ نے سامان کو دیکھا اور فرمایا:

بَارَكَ اللّٰهُ لِاَهْلِ الْبَيْتِ

"یہ ساز و سامان اللہ اہل بیتؑ کے لیے بابرکت بنائے"۔

ایک دوسری روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے آسمان کی طرف رُخ انور کیا اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا: اے پروردگار! اس خاندان پر اپنی رحمت اور خیر و برکت نازل فرما جن کے عروسی کے برتن مٹی کے ہیں۔

جی ہاں، یہ تھا سیدالانبیاءؐ کی دختر فرزانہ کا جہیز۔ یہ وہ خاتون تھیں جو شرافت و بزرگواری میں کائنات کی تمام

عورتوں سے بہتر و برتر تھیں۔ عقل و دانش، روشن فکری اور حریت میں اپنی مثال آپ تھیں۔

پیغمبر گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طریقے سے اپنی اُمت کے ہر فرد کو درس دیا ہے کہ نیک بختی و سعادت خانوادگی اور اَزدواجی زندگی کا دارومدار زرق برق لباس اور اِسراف و تبذیر میں نہیں ہے۔ یہ قیمتی چمکیلے بھڑکیلے لباس، مہنگے ترین سامان فرنیچر، جواہرات و زیورات، سونے اور چاندی کے ظروف، قیمتی ترین بستر و بیڈ، گراں قیمت پردے، سر بفلک کوٹھیاں بنگلے، بھاری بھرکم جدید ترین ماڈل گاڑیاں، نقش و نگار سے آویزاں کمروں کی چھتیں، ایئر کنڈیشنڈ نظام، الیکٹرانک گرم کرنے والے آلات، حیران کن وسائلِ زندگی، یہ سب کے سب اَزدواجی سعادت کے اَسباب نہیں ہیں، حالانکہ بہت سے لوگوں نے انھی اَسباب کو سعادت اور خوش بختی شمار کیا ہے۔ کتنی خواتین ہیں، جو مہنگے ترین اور خوبصورت ترین لباس پہن کر خراماں خراماں بڑے ناز ونخروں کے ساتھ اُچھلتی مچلتی اور بننے سنورنے کی کوشش کرتی ہیں۔ وہ بیڈ استعمال کرتی ہیں جن کی قیمتیں آسمان سے جاٹکراتی ہیں، سونے کی مختلف اقسام کے زیورات سے اپنی گردنوں، کانوں اور کلائیوں کو سجاتی ہیں لیکن ان تمام وسائل و اَسباب کے باوجود اپنے آپ کو سکون وچین کی دنیا سے کوسوں میل دُور پاتی ہیں اور اپنے آپ کو جہنم کی عمیق ترین وادی میں جلتا ہوا محسوس کرتی ہیں۔ آرام وسکون نام کی چیز اُن کی دنیا سے مفقا ہوتی ہے۔ انھی خواتین جیسی وہ عورتیں بھی ہیں، جو جھونپڑیوں میں یا معمولی سے گھروندوں میں رہتی ہیں وہ اپنے سارے کام خود کرتی ہیں، گندم کو صاف کر کے اُسے اپنے گھر میں ہاتھ والی چکی میں پیس لیتی ہیں، پھر اسی آٹے کو اپنے ہاتھوں سے گوندھتی ہیں اور روٹی بناتی ہیں۔ اپنے گھر کی صفائی ستھرائی کرتی ہیں۔ اپنے بچے کو اپنا دودھ پلاتی ہیں، اس سے کھیلتی ہیں اور اپنے بچے کی پرورش کرتی ہیں۔ نہایت سادگی کے ساتھ زندگی بسر کرتی ہیں اور اسی سادہ زندگی کی موج مستی میں مَست رہتی ہیں۔ وہ سر اُٹھا کر اُن بلند وبالا بنگلوں، کوٹھیوں اور ان کی چکاچوند کی طرف ایک نظر بھی نہیں کرتیں۔ وہ اپنی جھونپڑیوں یا اپنے تنگ وتاریک گھروندوں کو پُرسکون بہشت سمجھتی ہیں۔

کچھ مردوں کا بھی یہی حال ہے۔ وہ بلند وبالا وسیع وعریض خوبصورت ترین وسائلِ زندگی سے مالا مال بنگلوں اور محلات میں رہتے ہیں۔ باوجود ان امکاناتِ زندگی کے اندر سے حیران و پریشان ہوتے ہیں۔ ایسے درد وکرب میں مبتلا ہوتے ہیں کہ جس کا علاج نہیں۔ وہ اُن کوٹھیوں کو زندان خیال کرتے ہیں۔ وہ ان سے نجات پانے کے لیے گھڑیاں گنتے رہتے ہیں کہ کون سی گھڑی آئے گی جو اُنھیں اس زندان سے نکالے گی اور اُنھیں سکون نصیب ہوگا۔

انھی لوگوں کے بالمقابل آپ کے سامنے چھوٹے چھوٹے معمولی گھر ہیں جن میں مرد زندگی بسر کر رہے ہوتے ہیں۔ انھی گھروں میں سکھ وسکون کی لازوال دولت نصیب ہوتی ہے۔ مکمل وکامل رضا ورغبت کے ساتھ اور نہایت ہی

شوق و ذوق کے ساتھ وہ رہ رہے ہوتے ہیں۔ اُنھیں ان گھروں سے اس قدر محبت ہوتی ہے کہ اُن کا دل اُنھیں چھوڑنے کو نہیں کرتا، کیونکہ وہ اُن گھروں کو اپنی جنت خیال کرتے ہیں اور اُنھیں ان گھروں میں سعادت و خیر دکھائی دیتی ہے۔

نہایت ہی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہزاروں نوجوان مرد اور ہزاروں نوجوان دوشیزائیں وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ اُن کی اَزدواجی سعادت اور حیاتی سعادت کا حصول ثروت و دولت میں ہے۔ سادگی اور پارسائی کو دقیانوسیت اور حماقت خیال کرتے ہیں تو یہ قابلِ رحم لوگ اپنی اَزدواجی زندگی سے محروم رہتے ہیں اور ساری زندگی اَزدواجی سعادت کی انتظار میں رہتے ہیں کہ کب یہ سعادت اُن کے دروازے پر دستک دے گی اور وہ اس سعادت سے ہمکنار ہوں گے۔

سیّدہ زہراؑ کا حقیقی مہر یا آسمانی سند

اگر حضرت فاطمۃ الزہراؑ نے معمولی سے مہر کے ساتھ امیر حریت امام علی علیہ السلام سے عقد کیا تھا تو اس میں اُن کے والد گرامی سیّد الانبیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا و رغبت کا دخل تھا تا کہ اُن کے پیروکار اُن کی سنت پر عمل کرتے ہوئے دانش و حکمت کے اَہداف حاصل کریں۔ اس معمولی سے مہر سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ اس دختر فرزانہ اور فخر بانوان جہان کو اپنی قدر و عظمت کا اندازہ نہیں تھا یا وہ اپنی مادی اور معنوی مقام سے نابلد تھیں، بلکہ آپؑ اپنے مقام پُرفراز اور لامتناہی فضائل سے آگاہ تھیں۔ آپؑ کو اپنی دینی دنیاوی شان و شوکت کا بھرپور علم تھا۔

احمد ابن یوسف دمشقی نے اپنی کتاب "اخبارُ الدوال وآثار الاول" میں ایک روایت نقل کی ہے کہ "جب فخر نساء العالمین نے سنا کہ اُن کا عقد کردیا گیا ہے اور کچھ درہم اُن کا مہر مقرر کیا گیا ہے، تو آپؑ نے اپنے والد گرامی سرتاج انبیاء حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ رسالت میں عرض کیا: یارسولؐ اللہ! لوگوں کی بیٹیوں کا عقد بھی درہموں پر مشتمل مہر پر کیا جائے اور اللہ کے رسولؐ کی بیٹی کا عقد بھی درہموں پر مشتمل مہر پر کیا جائے تو پھر میرے اور اُن کے درمیان کیا فرق باقی رہ جائے گا؟ آپؐ کی بارگاہ میں میری درخواست ہے کہ آپؐ وہ درہم واپس کردیں اور آپؐ بارگاہِ خداوندی میں دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ میرا مہر آپؐ کی اُمت کے گناہگاروں کی شفاعت مقرر فرمائے۔

اِدھر ابھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کی بات ختم نہیں ہوئی تھی کہ اُدھر جنابِ جبرئیل امینؑ نازل ہوئے۔ اُن کے پاس حریر کا کاغذ تھا جس میں یہ مکتوب تھا:

جَعَلَ اللّٰهُ مَهرَ فَاطِمَةَ الزَّهْرَاء شَفَاعَةَ المُذْنِبِينَ مِنْ أُمَّةِ أَبِيهَا

"اللہ تعالیٰ نے دخترِ فرزانہ فاطمہ زہراؑ کے مہر کو ان کے والد گرامی کی اُمت کے گناہگاروں کی شفاعت قرار دیا ہے"۔

آپؑ نے اس مکتوب ملکوتی کو اپنے پاس محفوظ رکھا۔ جب آپؑ کی رحلت کا وقت قریب آیا تو آپؑ نے وصیت فرمائی کہ اس ملکوتی مکتوب کو اُن کے کفن میں رکھ دیا جائے۔ آپؑ نے فرمایا: "جب قیامت کا دن ہوگا تو میں اس ملکوتی مکتوب کو اپنے ہاتھ میں لوں گی اور اُس کے ذریعے اپنے بابا کی اُمت کے گناہگاروں کی شفاعت کروں گی"۔

قارئین کرام! یہ حدیث آپ کے سامنے ہے، آپ نے اس میں غور وخوض کیا ہوگا اور آپؑ اس نتیجے پر پہنچے ہوں گے کہ حضرت فاطمہ زہراؑ کی شخصیت و روحانیت و معنویت عالمین کی ہر خاتون سے بلند وبرتر، خالص ومخلص، کامل و اکمل اور صفا تر تھی۔ آپؑ فضائل و خصائص کا بے کنار سمندر تھیں۔ آپؑ نے اپنی جلالتِ قدر کے پیشِ نظر اپنے والد گرامی رسولؐ اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ وہ بارگاہِ خداوندی میں دُعا فرمائیں کہ اللہ اُنھیں قیامت کے دن شفاعت کا حقِ عظیم عطا فرمائے۔

جب پیغمبر گرامیؐ نے دُعا فرمائی تو یہ دعا فوراً قبول ہوئی اور آسمانی سند نازل ہوئی۔ اس سند کی حقیقت خداوند تعالیٰ کے حکم سے قیامت کے دن منظرِ عام پر آئے گی۔ جیسا کہ علامہ صفوری نے نزہۃ المجالس میں یہ روایت نقل کی ہے اور اُس نے نسفی کے حوالے سے لکھا ہے:

سَأَلَتْ فَاطِمَةُ (رضی اللہ عنہا) النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَنْ يَكُوْنَ صِدَاقُهَا الشَّفَاعَةَ لِاُمَّتِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

"حضرت فاطمہ زہراؑ نے نبی اکرمؐ کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا: اُن کا مہر قیامت کے دن اُن کی اُمت کی شفاعت ہو"۔

قیامت کے دن جب وہ صراط پر ہوں گی تو اس دن اپنا مہر طلب کریں گی۔

اس عنوان پر ائمہ اہلِ بیتؑ کی طرف سے کثرت کے ساتھ روایات موجود ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت فاطمہ زہراؑ کا مہر قیامت کے دن اُمت کی شفاعت مقرر فرمایا ہے، اس بحث کو کتاب کے آخر میں پیش کریں گے۔

مراسمِ عروسی اور اُس کے مقدمات

دخترِ فرزانہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقد اور زفاف کے درمیان بغیر کسی معقول وجہ کے کچھ ہفتوں کا فاصلہ آ گیا۔

امیرِ حریت و شرافت امام علی علیہ السلام کو حیا مانع تھی کہ وہ کس طرح پیغمبرؐ کے حضور کہیں کہ اُن کی گراں قدر زوجہ اُن کے حوالے کی جائے۔ اِدھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اُن کی دختر کی کرامت و عظمت تھی کہ آپؐ کیسے اُن کے شوہر سے کہیں کہ وہ اپنی زوجہ کو اپنے گھر لے جانے کا اہتمام کریں۔

یہ فاصلہ ایک ماہ یا کئی مہینوں پر محیط رہا۔ دونوں طرف سکوت چھایا رہا۔ اس سکوت و قعود کو حضرت عقیلؓ نے توڑا۔ آپؓ حضرت امام علی علیہ السلام کے پاس آئے اور اس خاموشی کا سبب پوچھا۔ حضرت علی علیہ السلام نے انھیں جواب دیا کہ اُنھیں حیا مانع ہے، اس لیے وہ خاموش ہیں۔ جنابِ عقیلؓ نے اُنھیں تیار کیا۔ اس غرض سے دونوں بھائی رسولؐ اللہ کی بارگاہ کی طرف چلے، تاکہ اس موضوع پر گفتگو کی جائے۔

دونوں بھائی جنابِ اُمِ ایمنؓ کے پاس آئے۔ اُنھوں نے آمد کی غرض پوچھی۔ جنابِ عقیلؓ نے سبب بیان کیا۔ جنابِ اُمِ ایمنؓ نے بھی یہی مشورہ دیا کہ اب تزویج کے تمام مراسم کو ہر صورت طے ہو جانا چاہیے۔ بعدازیں یہ برادران حضرت اُمِ سلمہؓ کے پاس پہنچے، اُنھیں اپنا حال سنایا اور اُنھوں نے تمام اُمہات المومنینؓ کے سامنے یہ معاملہ رکھا۔ تمام اَزواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں اور اُنھوں نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! ہمارے والدین آپؐ پر قربان جائیں ہم اس معاملے کے لیے حاضر ہوئی ہیں۔ اگر حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ حیات ہوتیں تو آج ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں۔

جب رسولؐ اللہ نے جنابِ خدیجۃ الکبریٰؑ کا اسمِ گرامی سنا تو رونے لگے اور فرمایا:

خَدِیْجَۃُ! وَاَیْنَ مِثْلُ خَدِیْجَۃَ! صَدَّقَتْنِیْ حِیْنَ کَذَّبَنِی النَّاسُ ، آزَرَتْنِیْ عَلٰی دِیْنِ اللهِ وَاَعَانَتْنِیْ عَلَیْهِ بِمَالِهَا اِنَّ اللهَ ﴿عَزَّوَجَلَّ﴾ اَمَرَنِیْ اَنْ اُبَشِّرَ خَدِیْجَۃَ بِبَیْتٍ فِی الْجَنَّۃِ مِنْ قَصَبِ الزُّمُرُّدِ لَاصَخَبَ فِیْهِ وَلَا نَصَبَ

"جی ہاں! خدیجۃ الکبریٰؑ! اُن جیسا کون ہوسکتا ہے۔ آہ! وہ تو وہ تھیں جب لوگ مجھے جھٹلا رہے تھے اس وقت اس فخرِ عرب نے میری تصدیق کی تھی۔ اللہ کے دین کی ترویج و تبلیغ میں میری مدد کی تھی۔ اللہ کے دین کے پھیلانے میں اور اُسے مستحکم کرنے میں اپنے اَموال کے ساتھ میری نصرت کی تھی اور اپنے مال سے مجھے غنی کر دیا۔ اللہ عزوجل نے مجھے حکم دیا کہ میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ کو اس محل کی بشارت دوں کہ جسے اللہ نے خوبصورت ترین زمرد سے بنایا ہے۔ جس میں نہ شور و غوغا ہے اور نہ رنج و دُکھ ہے"۔

جنابِ اُمِ سلمہؓ نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! ہمارے والدین آپؐ پر قربان جائیں، آپؐ نے ملیکۃ العرب جنابِ خدیجہؑ کی تعریف وتوصیف میں جو کچھ فرمایا ہے وہ سچ ہے، لیکن وہ اپنے پروردگار کی طرف چلی گئی ہیں۔ اُن پر خداوند تعالیٰ کی ہزار ہزار نعمتیں نازل ہوں۔ خداوند تعالیٰ ہمیں اُن کے ساتھ جنت کے درجات اور اپنی رضوان ورحمت میں اکٹھا رکھے۔

یارسولؐ اللہ! یہ آپؐ کے اس دنیا کے بھائی ہیں اور نسب کے لحاظ سے بھی آپؐ کے چچازاد بھائی ہیں۔ ان کی آپؐ کی بارگاہ میں درخواست ہے کہ اُن کی زوجہ کو اُن کے خانۂ اقدس کی طرف روانہ کیا جائے، تاکہ محبت و اخلاص کی اساس پر وہ دونوں باہم اپنی مشترک زندگی کا آغاز کریں۔

ایک اور روایت ہے کہ اس موضوع پر گفتگو کرنے والی جنابِ اُمِ ایمنؓ تھیں۔ اُنھوں نے آپؐ کی بارگاہ میں عرض کیا تھا: یارسولؐ اللہ! اگر حضرت خدیجۃ الکبریٰ زندہ ہوتیں تو آج اُن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں لیکن یہ امام علی ابن ابی طالبؑ چاہتے ہیں کہ اُن کی اہلیہ کو اُن کے گھر بھیجا جائے، تاکہ سیدہ فاطمہ زہراؑ اپنے شوہر سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں اور اپنی صدق وصفا بھرپور نئی زندگی سے آغاز کریں اور اس طرح وہ اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: علیؑ کو کیا ہے کہ وہ مجھ سے یہ بات نہیں کرتے؟

جنابِ اُمِ ایمنؓ نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! آپؐ کی پُرہیبت بارگاہ میں وہ بات کیسے کرسکتے ہیں۔ انھیں حیا آتی ہے اس لیے خاموش ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جاؤ اور علیؑ کو میرے پاس لے آؤ۔

جنابِ اُمِ ایمنؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ سے باہر آئیں اِدھر امام علی علیہ السلام ان کے انتظار میں تھے۔ جنابِ اُمِ ایمنؓ انھیں بارگاہِ رسالت میں لے آئیں۔ جب امام علی علیہ السلام بارگاہِ نبوت میں آئے تو اپنی نگاہیں نیچی کرکے بیٹھ گئے۔

رسول ثقلینؐ نے فرمایا: کیا آپؑ اپنی دلہن کو اپنے گھر لے جانا چاہتے ہیں؟

جنابِ امیر علیہ السلام نے عرض کیا: میرے والدین آپؐ پر قربان جائیں۔ جی ہاں!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں بہت خوب ان شاء اللہ آج رات یا کل رات آپؑ کی دلہن آپؑ کے گھر میں ہوں گی۔ آپؑ کوئی گھر مہیا کریں تاکہ سیدہ فاطمہؑ کو اس گھر میں منتقل کیا جائے۔

جنابِ امیر علیہ السلام نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! مدینہ میں میرا اپنا گھر نہیں ہے، ہاں میں اس وقت حارثہ بن نعمان

کے گھر میں رہ رہا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہمیں شرم آتی ہے کہ ہم مزید حارثہ پر بوجھ بنیں۔ میں خود اور میرے تمام اقارب پہلے سے ہی اس کے مکانوں میں رہ رہے ہیں۔

ابھی بارگاہِ نبوت میں یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ یہی باتیں حارثہ تک جا پہنچیں۔

جنابِ حارثہ دوڑتے ہوئے بارگاہِ نبوت میں پہنچے اور عرض کیا: یارسولؐ اللہ! میں خود اور میرا تمام مال و متاع سب اللہ اور اُس کے رسولؐ کا ہے۔ خدا کی قسم! میرے نزدیک محبوب ترین چیز وہ ہے جو آپؐ مجھ سے لے کر اپنے استعمال میں لائیں۔ یہ مکانات میرا مال یہ سب کچھ آپؐ کا ہے، میرا گھر بھی آپؐ کا گھر ہے۔

یہ ہے حقیقی ایمان! اللہ اور اس کے رسولؐ پر۔۔۔ اور یہ کس قدر خوب صورت اور محبت و مودت سے لبریز عقیدہ ہے کہ اس کا اَجر ہر صورت میں قیامت کے دن ملنے والا ہے۔

جنابِ حارثہ بن نعمان نے اپنا ایک مکان حضرت امام علی علیہ السلام کے حوالے کر دیا۔ امام علیہ السلام نے گھریلو ساز وسامان وہیں منتقل کیا۔

ملیکۃ العرب اور رسولِ ثقلین کی بیٹی کا حجلۂ عروسی

آیئے دیکھتے ہیں کہ سیدہ نساء العالمینؑ اور امیر المومنین علی علیہ السلام کا حجلہ عروسی کیسا تھا؟

مؤرخین نے نقل کیا ہے کہ جب امیر المومنین امام علی علیہ السلام نے اپنے گھر کا اثاثہ منتقل کیا تو آپؑ نے حجلہ عروسی تیار کیا۔ مؤرخین نے اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے: آپؑ نے حجرے کے فرش پر نرم گھاس بچھایا۔ پانی کی مشک کو لٹکانے کے لیے مناسب لکڑی دیوار میں نصب فرمائی۔ پانی کا کوزہ فراہم کیا۔ آپؑ نے کپڑوں کی الماری کے بجائے ایک لکڑی کمرے کی دیوار سے دوسری دیوار تک نصب کی، تاکہ اُس پر کپڑے رکھے جائیں اور اپنے اس حجلہ عروسی میں گوسفند کا چمڑا بچھایا اور اس چمڑے کے اردگرد خوب صورتی کے لیے کھجور کے پتے بچھائے۔

جی ہاں! یہ تھے خلیفۃ المسلمین، امیر المومنینؑ مجاہد و مبارز اور شہسوارِ اسلام اور سیدِ بطحا کے فرزند امام علیؑ ابن ابی طالبؑ اور یہ تھی اُن کی کُل کائنات اور متاعِ حیاتِ دنیا جن سے آپؑ نے استفادہ کیا۔

گذشتہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے زرہ کی تمام قیمت حضرت اُمِ سلمہؓ کے حوالے کر دی تھی اور اُسے تین حصوں میں تقسیم فرمایا تھا: ایک حصے سے گھر کا ساز وسامان خریدا تھا، دوسری تہائی زفاف کے

لیے مختص فرمائی تھی اور تیسری تہائی جو حضرت اُم سلمہؓ کے پاس باقی تھی وہ آپؑ نے امام علیؑ کو سپرد کر دی تھی تا کہ اس مبلغ سے آپؑ اپنی نئی زندگی کا آغاز کریں۔ یہ امر مخفی نہیں ہے کہ ہر کام کے لیے مال نہایت ہی ضروری ہے۔

آپؐ نے امام علی علیہ السلام سے فرمایا: علیؑ جان! ولیمہ عروسی کے عنوان سے ضیافت ضروری ہے۔

يَالَشَرَفَ الْإِنْسَانِيَةِ۔۔۔ یہ شرفِ انسانی کس قدر قابلِ تعجب ہے؟

يَالَعَظَمَةَ الْأَخْلَاقِ۔۔۔ اس عظیم اخلاق کے کیا کہنے؟

يَالَصِدقِ الْمَحَبَّةِ۔۔۔ یہ حقیقی محبت وصدق وصفا اور عواطف کتنی قابلِ قدر ہے؟

آپؐ کے آستانہ عروسی پر کچھ صحابہ کرام ہدیے لے کر حاضر ہوئے۔

پیغمبر مہربانؐ نے اپنے صاحب عزت وعظمت داماد امام علی علیہ السلام سے فرمایا: یا علیؑ! آپؑ فوراً شائستہ و بائستہ دعوت کا اہتمام کریں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے گرانقدر داماد امام علی علیہ السلام سے فرمایا:

اَنَّ اللهَ تَعَالٰی يُحِبُّ اِطْعَامَ الطَّعَامِ، كَانَ الْوَلِيْمَةَ فِيْهَا خَيْرٌ كَثِيْرٌ، وَفَائِدَةٌ عَامَّةٌ وَمَنَافِعُ جَمَّةٌ فَهِيَ اِشْبَاعُ الْبُطُوْنِ الْجَائِعَةِ، وَغَرْسُ الْمَحَبَّةِ فِى الْقُلُوْبِ وَقَبْلَ كُلِّ شَيْءٍ فِيْهَا رِضَى اللهُ سُبْحَانَهُ۔

''خدائے جہان آفرین ضیافت اور مہمان نوازی کو بہت پسند فرماتا ہے۔ جب انسان خلوص کے ساتھ اُس کے بندوں کو کھانا کھلاتا ہے تو وہ بہت زیادہ خوش ہوتا ہے۔ ولیمہ میں بے پناہ فائدے ہیں، ولیمہ اپنے دامن میں خیر کثیر رکھتا ہے۔ جہاں عمومی فائدے ہیں وہاں بے شمار خصوصی فائدے بھی ہیں۔ اس ضیافت میں بھوکے لوگ سیر ہو کر کھانا کھاتے ہیں۔ اس سے لوگوں کے قلوب میں محبت کے باغ باغیچے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کے ثمرات صاحب ضیافت کو حاصل ہوتے ہیں۔ ان مادی اور معنوی اثرات کے علاوہ خالق کائنات کی خوشنودی اور رضا حاصل ہوتی ہے''۔

لیکن مقامِ افسوس ہے کہ ہمارے معاشرے میں جس ضیافت خالصانہ کو ہم ''ولیمہ'' کا نام دیتے ہیں، وہ جشن کی محافل میں تبدیل ہو گیا ہے۔ جہاں محروموں بھوکوں کو سیر ہو کر کھانا کھلانا تھا وہ مشروبات و بسکٹوں اور مٹھائیوں میں بدل

گیا ہے، جس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ [1]

بے نظیر ایثار

ایک نکتہ جو ناقابلِ فراموش ہے سیّدہ نساء العالمین شبِ عروسی میں اپنے بابا کے گھر میں ہی تھیں کہ اسی شب آپؑ نے ایثار و قربانی کا وہ باب رقم کیا کہ جس کی مثال نہ اوّلین میں ہے اور نہ آخرین پیش کر سکتے ہیں۔ خواتین کی تاریخ میں اللہ کی خوشنودی اور رضا کے لیے وہ عمل کیا کہ آپ اپنے اس عمل میں لاشریک ہیں۔ علامہ صفوری نے اپنی کتاب نزہۃ المجالس (ج۲،ص ۲۲۶) ابن جوزی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیٹی کی شبِ عروسی کے لیے ایک خوبصورت اور قیمتی لباس تیار کرایا تھا۔

سیّدہ زہراؑ نے شبِ زفاف کے لیے وہ لباس زیب تن فرمایا۔ اچانک آپؑ کے دروازے پر کسی سائلہ نے سوال کیا کہ وہ بے کس و بے نوا ہے، اس کے پاس تن ڈھانپنے کے لیے لباس تک نہیں ہے۔ اگر تمھارے پاس کوئی پرانا لباس ہے تو وہ مجھے اللہ کے نام پر دے دیجیے۔ فخرِ بانوانِ جہان کے پاس ایک پیوند لگا لباس تھا۔ آپؑ نے وہ لباس اُٹھایا کہ وہ لباس اُس سائلہ کے حوالے کریں تو فوراً ان کے مقدس کانوں میں فرمانِ خداوندی پہنچا:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (سورۂ آل عمران: آیت ۹۲)

"نیکی و نیکوکاری کو ہرگز نہیں پاسکتے، جب تک تم اپنی محبوب ترین چیز کو اللہ کے راستے میں خرچ نہ کر ڈالو"۔

آپؑ نے فوراً شبِ عروسی والا نیا لباس اُس سائلہ کے حوالے کر دیا اور خود پرانا لباس زیب تن فرمایا۔ جب وقتِ زفاف قریب آیا تو فوراً جبرئیل امینؑ نازل ہوئے اور بارگاہِ نبویؐ میں پہنچے اور کہا: اے محمدؐ! اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر درود و سلام بھیجا ہے اور اُس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپؐ کی دُخترِ فرزانہ حضرت فاطمہؑ کو سلام کروں اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے جنت سے دیبا سبز کا خوب صورت لباس بطور ہدیہ بھیجا ہے جو اُنھوں نے شبِ زفاف پہنا ہے۔

پُر برکت دست پر دُرود و سلام

اِدھر ولیمہ کا طعام تیار ہو چکا تھا، گوشت پک چکا تھا، روٹیاں بھی حاضر کردی گئی تھیں۔ کھجور اور گھی بھی مہمانوں کی

---

[1] علامہ مؤلف نے اپنے وطن کی بات کی ہے شاید وہاں ولیمہ اس طرح ہوتا ہو جس طرح انھوں نے فرمایا ہے۔ (مترجم)

خدمت کے لیے جمع ہو چکا تھا۔ پیغمبر گرامیؐ تشریف لائے۔ آپؐ نے اپنے ہاتھوں کی آستینیں اُلٹیں اور گھی اور کھجور کو آپس میں مخلوط کر دیا۔ یہ ایک قسم کا حلوہ بن گیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو بلایا اور فرمایا: وہ لوگوں کو اپنی شادی کے ولیمے پر بلائیں۔

حضرت علی علیہ السلام مسجد میں تشریف لائے۔ مسجد لوگوں سے بھری ہوئی تھی۔ اس ہجوم میں اصحاب صُفّہ بھی موجود تھے۔ مفلس و نادار مگر وفادار مہاجرین بھی موجود تھے۔ مدینہ میں وہ سراپائے محتاج اُن کے پاس زندگی گزارنے کا ساز و سامان نہ تھا۔ مسجد نبویؐ میں مدینہ کے اَنصار بھی تھے۔ یہ لوگ بھی محرومین میں سے تھے۔ اتنے بڑے ہجوم کو دیکھ کر جناب امیرالمومنینؑ نے دل میں خیال کیا کہ اس ہجوم کے مقابلے میں کھانا بہت کم ہے۔ اب کیا ہوگا؟ تعداد کثیر ہے اور طعام قلیل ہے۔ اس حال میں آپؐ کی بزرگواری اور عظمت کا تقاضا تو یہ تھا کہ ان سبھی لوگوں کو دعوت دی جائے۔ اِدھر یہ بات بھی تھی کہ ہر آدمی کی خواہش تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہزادی کی شادی کا ولیمہ ضرور کھائے۔ اُنھیں معلوم تھا کہ یہ ولیمہ کوئی عام ولیمہ نہیں ہے بلکہ پُربرکت ولیمہ ہے اور تاریخی ولیمہ ہے۔

اِدھر امام علی علیہ السلام کی شخصیت کوئی معمولی شخصیت نہیں تھی۔ وہ اپنے اللہ کی قدرت پر ایمانِ کامل رکھتے تھے اور ان کے ہاں رسولؐ کے دستِ مبارک کی برکات کا عقیدہ بھی مضبوط تھا۔ ان عوامل نے آپؑ کا کام آسان کر دیا۔ آپؑ ایک بلند مکان پر چڑھ گئے۔ آپؑ نے وہاں بلند آواز کے ساتھ فرمایا:

اے لوگو! فاطمہؑ بنت محمدؐ کی شادی کا ولیمہ تیار ہے۔ سب تشریف لے آؤ۔ جہاں حضرت علی علیہ السلام کی آواز اہلِ مدینہ تک پہنچی وہاں مدینہ کے اردگرد کی آبادیوں میں بھی پہنچی۔ باغات اور کھیتوں میں کام کرنے والے لوگوں تک بھی پہنچی۔ مردوں، عورتوں اور بچوں کا ایک سیلاب تھا، جو ولیمہ کے مقام پر اکٹھا ہو گیا تھا۔ اس ہجوم کے ہر فرد نے جی بھر کر کھانا کھایا اور ہر آدمی ولیمے کا کھانا اپنے ساتھ بھی لے گیا۔

دنیا نے دیکھا کہ دستِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کتنی بڑی برکت ہے کہ تمام اہلِ مدینہ اور مدینہ کے نواحی علاقوں کے لوگوں نے سیر ہو کر کھانا کھایا، لیکن کھانا کم نہ ہوا۔ پھر رسول اللہؐ نے برتن منگوائے اور ان برتنوں کو کھانے سے بھر کر حاضرین میں سے ہر ایک کو پیش کیے کہ وہ یہ کھانا اپنے گھر لے جائیں اور اپنی بیگمات اور گھر والوں کو کھلائیں۔ آپؐ نے ایک برتن منگوایا اور اس میں کھانا ڈلوا کر حضرت علی علیہ السلام اور حضرت سیدہ زہرا سلام اللہ علیہا کے لیے رکھوا دیا۔ اِدھر جب خورشید خاور مغرب کے سینہ میں ڈوبا اُدھر عروسِ بہشتی کا اپنے والد کے گھر سے شوہر کے گھر منتقل ہونے کا وقت قریب آ گیا تھا۔

پیغمبر گرامی قدر اپنی بیٹی کے شبِ عروسی کے تمام اُمور لازمہ مکمل کر چکے تھے۔ آپؐ چاہتے تھے کہ ان کی عزت

وعظمت ماب بیٹی کے مراسم ازدواج نہایت سادگی کے ساتھ طے پا جائیں اور اُن کے یہ مراسم ہر قسم کے تکلفات و تجملات سے بالاتر ہوں اور ہر قسم کی معنویت سے لبریز ہوں۔

جی ہاں! یہ حقیقت ہے کہ تاریخ انسانیت نے ایسے سادہ و باصفا و پرشکوہ اور معنویت سے لبریز مراسم کبھی نہیں دیکھے تھے۔ علامہ ہیثمی نے اپنی کتاب مجمع الزوائد میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے روایت نقل کی ہے کہ ہم علیؑ و فاطمہؑ کے مراسم عروسی میں موجود تھے کہ ہم نے اپنی زندگی میں ایسے بہتر و برتر اور پرکشش مراسم کبھی نہیں دیکھے تھے۔

پیغمبر گرامیؐ نے اپنی تمام ازواج کو حکم دیا کہ وہ حضرت فاطمہؑ کے مراسمِ عروسی تیار کریں۔ ان تمام اُمہات المومنینؓ نے حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کی ماں کی طرح آپؑ کو عطر آگین اور آراستہ و پیراستہ کیا، جو زیورات مہیا تھے وہ بھی پہنائے۔

تمام اُمہات المومنینؓ شہزادیٔ جنت کے پاس جمع تھیں۔ عجیب منظر تھا۔ ان میں سے ایک آپ کے بالوں کو بنا رہی تھی تو دوسری آپ کی تزئین و آرائش میں مصروف تھی۔ سیدہؑ کے بنانے سنوارنے میں سب اپنا اپنا کام کر رہی تھیں۔ اس دوران آپ کو عروسی کا وہ لباس پہنایا گیا، جو جنابِ جبرئیلؑ جنت سے لائے تھے۔ وہ جنتی لباس اتنا خوبصورت اور قیمتی تھا کہ جس کی قیمت بنی آدمؑ کے بس سے باہر ہے۔ یہ لباس اللہ کی طرف سے آپؑ کے لیے تحفہ تھا۔

یہ بات صاف ظاہر ہے کہ سیدہ زہراؑ بے پناہ فضائل سے متصف تھیں۔ آپؑ فکری اور اخلاقی اور معنوی اعتبار سے کائنات کی ہر دختر پر برتری رکھتی تھیں۔ آپؑ عزت وعظمت میں برتری اس لیے بھی رکھتی تھیں کہ آپؑ پیغمبرؐ اسلام کے چچا کے بیٹے کی زوجہ تھیں۔ آپؑ کے شوہر نامدار آپؑ کے والد گرامی کے وزیر، جانشین اور پرچم دار تھے۔

ان کے فضائل و مناقب آفتاب کے مانند درخشاں تھے۔ خاندانی طور پر وہ آپؑ کے والد سے قریبی رشتہ رکھتے تھے اور اُنھیں بارگاہِ نبوت میں ایک خاص منزلت حاصل تھی۔ رسولؐ اللہ اپنی بیٹی کے وہ فضائل بھی جانتے تھے جو اُنھیں زمانہ مستقبل میں حاصل ہونے والے تھے۔ آپؐ کو معلوم تھا کہ آنے والے مختلف اوقات میں آیت تطہیر، مباہلہ، مودت، اُن کے خاندان کی عزت وعظمت بڑھانے کے لیے نازل ہونے والی ہیں، اور اُن کی بیٹی سیدہ زہرا علیہا السلام ان تینوں آیات میں شامل ہیں۔ آپؐ جانتے تھے کہ قیامت تک آنے والے پاک و پاکیزہ امامؑ اُن ہی کی نسل سے پیدا ہوں گے اور اُمت کی رہبری کریں گے۔

دُخترِ بہشت کا کاروانِ عروسی

آخر کار وہ شبِ موعود آ ہی گئی اسی شب سیدہ زہراؑ کو اپنی مہربان ماں کی یاد نے ضرور ستایا ہوگا۔ انھیں احساسِ یتیمی بھی ہوا ہوگا۔ انھوں نے دل میں سوچا ہوگا: اے کاش! ان خوشی کے لمحات میں ان کی والدہ شامل ہوتیں۔ جب ایک بیٹی بیاہی جاتی ہے اور وہ اپنے والد کے گھر سے اپنے شوہر کے گھر کی طرف روانہ ہوتی ہے تو اس دوران ماں کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ ایک ماں پیار و محبت کے ساتھ بیٹی کو روانہ کرتی ہے۔ ان لمحات میں ماں کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ اس دُخترِ فرزانہ کو اپنی والدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ کی سخت ضرورت تھی، لیکن حضرت خدیجہؑ اس رات کہاں؟ اور ان کی جگر گوشہ کہاں؟

اس عظیم دن کے آفتاب نے جب غروب کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی طاہرہ دُختر کو بلایا اور ساتھ ہی اپنے عظیم المرتبت داماد امام علیؑ کو بھی بلایا، جب حضرت فاطمہ زہراؑ اپنے بابا کے پاس حاضر ہوئیں تو آپؑ لمبے لباس میں ملبوس تھیں۔ اُن کا دامن زمین پر خط کھینچ رہا تھا۔ آپؑ اس وقت حیا و وقار و عظمت کا مجسم نمونہ تھیں۔ اپنے بابا سیّدالانبیاءؐ سے حیا کی وجہ سے پسینے میں شرابور تھیں۔

خداوند تعالیٰ کی مشیت تھی کہ سیّدہ فاطمہ زہراؑ کے مراسم عروسی ہر جانب اور ہر زاویہ سے شانِ امتیازی لیے ہوئے ہوں۔ رسولؐ اللہ بھی یہی چاہتے تھے کہ ان کی دُخترِ عزیزہ کو ان لمحات میں اپنی یتیمی کا احساس نہ ہونے پائے۔

اس جہت سے اور دوسری جہات سے آپؐ نے حکم دیا کہ اُن کی اپنی خاص سواری لائی جائے۔ جب سواری لائی گئی تو اُس کی پشت پر خوب صورت کپڑا ڈالا گیا۔ آپؐ نے اپنی دُخترِ نیک اختر سے فرمایا: زہراؑ! آئیں اور اس سواری پر سوار ہوں۔

جب شہزادیِ جنت اپنی سواری پر سوار ہوئیں تو آپؐ نے حضرت سلمان فارسیؓ سے فرمایا کہ سواری کی لگام پکڑ کر آگے چلیں۔ جب سواری چلی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سواری کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ (بحار الانوار، ج ۴۳)

اے قاری محترم! آپ کو خدا کی قسم! ذرا سوچیے، غور و فکر کیجیے، اپنی زندگی میں کبھی آپ نے سنا ہے یا ایسا منظر دیکھا ہے یا تاریخ انسانیت کے عظیم لوگوں اور پیغمبرانِ گرامی اور سلاطینِ دنیا کے حالات پڑھے ہیں کہ ان میں سے کسی کی بیٹی کی شبِ عروسی ہو اور وہ سواری پر سوار ہو کر اپنے شوہر کے گھر کی طرف رواں دواں ہو اور ان کی سواری کی لگام تھامنے والے صحابی جنابِ سلمان فارسیؓ ہوں اور سواری کو پیچھے سے ہانکنے والے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ کے سلطان ہوں؟

جی ہاں! جہاں دنیا والے، حضرت فاطمہ زہراؑ کے پُر عظمت مراسمِ عروسی میں شریک تھے، وہاں آسمان والے بھی شرکت کر رہے تھے۔

خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد، ج ۵، ص ۷ میں، علامہ الجوینی نے فرائد السمطین میں، علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں علامہ عسقلانی نے لسان المیزان میں القرمانی نے اخبار الدول میں، علامہ قندوزی نے ینابیع المودۃ میں جنابِ عبداللہ ابن عباس سے روایت کی ہے:

جس وقت دخترِ فرزانہ پیغمبرؐ کو ان کے شوہر نامدار کے گھر کی طرف لے جایا جا رہا تھا۔

كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قُدَّامُهَا ، جِبْرَئِيلُ عَنْ يَمِينِهَا وَمِيكَائِيلُ عَنْ يَسَارِهَا ، سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ خَلْفَهَا يُسَبِّحُونَ اللهَ، وَيُقَدِّسُونَهُ حَتّٰى طَلَعَ الْفَجْرُ

"سیدہ زہراؑ کی سواری کے آگے آگے سید الانبیاءؐ چل رہے تھے۔ اُن کی سواری کے دائیں طرف حضرت جبرئیلؑ، بائیں طرف حضرت میکائیلؑ چل رہے تھے۔ اُن کے پیچھے ستر ہزار ملائکہ چل رہے تھے۔ اور وہ سبھی اللہ کی تسبیح و تقدیس بیان کر رہے تھے یہاں تک کہ صبح ہو گئی"۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ کی روایت ہے: جب وہ رات آئی کہ جس رات حضرت فاطمہ زہراؑ کو اُن کے شوہر کے گھر روانہ ہونا تھا تو نبی کریم اپنی "شہبا"[1] نامی سواری لے آئے اور اُس کے اُوپر خوب صورت کپڑا ڈالا اور اپنی شہزادی سے فرمایا: وہ اس سواری پر سوار ہوں۔ آپؐ نے حضرت سلمان فارسیؓ سے فرمایا کہ وہ سواری کی لگام اپنے ہاتھ میں لے کر آگے چلیں اور خود نبی کریم سواری کو پیچھے کی طرف سے ہانک رہے تھے۔ راستہ چلنے کے دوران آپؐ نے سنا کہ جنابِ جبرئیلؑ ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ اُترے اور اس کاروان میں شامل ہو گئے۔ انھی کے ساتھ جنابِ میکائیلؑ ستر ہزار ملائکہ کے ساتھ اُترے اور وہ بھی اس کاروان میں شریک ہو گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے اُن کی آمد کا سبب دریافت فرمایا تو اُنھوں نے کہا: ہم آپ کی دختر حضرت فاطمہ زہراؑ کے مراسمِ عروسی میں شرکت کے لیے آئے ہیں۔ اس وقت جنابِ جبرئیلؑ نے تکبیر بلند کی اور اس طرح جنابِ میکائیلؑ اور تمام فرشتوں نے صدائے تکبیر بلند کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنے رب کی تکبیر کا نعرہ بلند کیا۔ اس شب ان محافلِ عروسی میں اللہ اکبر کی دل پذیر صدائیں بلند ہوتی رہیں اور نورِ الٰہی سے فضائیں منور رہیں۔

[1] نبی کریمؐ کی ناقہ کا نام العضباء تھا، آپؐ کے خچر کا نام "شہباء" تھا۔ آپؐ کے عصا کا نام ممشوق تھا۔ آپؐ کے عمامہ کا نام سحاب تھا۔

خاندانِ بنوہاشم کے تمام مرد بھی اس کارروان میں شامل تھے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبدالمطلب کی خواتین اور مہاجرین و انصار کی خواتین سے فرمایا کہ وہ اس سفر میں حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے ہمراہ رہیں۔ رسولؐ اللہ کی تمام اَزواج بھی اسی کاروان میں شامل تھیں اور وہ رجز پڑھ رہی تھیں:

حضرت اُم سلمہؓ نے یہ اشعار پڑھے:

سِرْنَ بِعَوْنَ اللهِ جَارَاتِيْ وَاشْكُرْنَهُ فِيْ كُلِّ حَالَاتِ
وَاذْكُرْنَ مَا اَنْعَمَ رَبُّ الْعُلٰى مِنْ كَشْفِ مَكْرُوْهٍ وَاٰفَاتِ
فَقَدْ هَدَانَا بَعْدَ كُفْرٍ ، وَقَدْ أَنْعَشَنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ
وَسِرْنَ مَعَ خَيْرِ نِسَاءِ الْوَرٰى تُفْدٰى بِعَمَّاتٍ وَخَالَاتٍ،
يَابِنْتَ مِنْ فَضَّلَهُ ذُوْ الْعُلٰى بِالْوَحْيِ مِنْهُ وَالرِّسَالَاتِ

"اے میری ہمسائیو! اللہ کی نصرت کے ساتھ چلو اور ہر حال میں اپنے خدا کا شکر ادا کرو۔ اللہ بزرگ و برتر کی نعمات کو یاد کرو اور اُس نے جو تم سے مصائب و آلام اور ناپسندیدہ اُمور کو دُور کیا ہے اس کا شکریہ ادا کرو۔ اس ذات نے ہمیں کفر کے بعد ہدایت عطا کی اور آسمانوں کے رب نے ہمیں ایمان کی دولت عطا کردی۔ تم سبھی کائنات کی سب سے بہترین خاتون کے ساتھ چلو۔ اُن پر اُن کی پھوپھیاں اور خالائیں قربان ہوتی جارہی ہیں۔ ہاں اے دُختر بہشت! تم اس عظیم المرتبت باپ کی بیٹی ہو کہ جسے اللہ نے اپنی وحی کے ذریعے عظمت عطا کی"۔

ان کے بعد حضرت عائشہؓ نے یہ اشعار پڑھے:

يَانِسْوَةُ اِسْتَتِرْنَ بِالْمَعَاجِرِ وَاذْكُرْنَ مَا يَحْسُنُ فِي الْمَحَاضِرِ
وَاذْكُرْنَ رَبَّ النَّاسِ اِذْ يَخُصُّنَا بِدِيْنِهِ مَعَ كُلِّ عَبْدٍ شَاكِرٍ
وَالْحَمْدُ اللهِ عَلٰى أَفْضَالِهِ وَالشُّكْرُ لِلّٰهِ الْعَزِيْزِ الْقَادِرِ

"ہاں اے بانوانِ حق طلب! اپنی چادروں کو اپنے سر و بدن پر اُوڑھیے اور وہ باتیں جو شائستہ محافل میں کہی جاتی ہیں وہ کہیے۔ بندوں کے پروردگار کا ذکر کرو کہ جس نے ہم سب کو ہر شاکر عبد کے ساتھ اپنے دین کے ساتھ خاص کیا۔

اس ذات نے ہم پر جو اپنا فضل و کرم کیا ہے تو تمام تعریفیں اس کے لیے ہیں اور غالب اور قادر ذات کا شکر ہے۔ حضرت فاطمہؑ جو ہمارے محبوب پیغمبرؐ کی دختر ہیں، اس کے ساتھ چلو۔ اللہ نے اس کے نام اور ذکر کو بلندی عطا کی ہے اور اُسے پاک و پاکیزہ جوان علیؑ کے ساتھ خاص کر دیا ہے"۔

اُن کے بعد جنابِ حفصہؓ نے اشعار پڑھے:

فَاطِمَةُ خَيْرُ نِسَاءِ الْبَشَرِ وَمَنْ لَهَا وَجْهٌ كَوَجْهِ الْقَمَرِ
فَضَّلَكِ اللهُ عَلٰى كُلِّ الْوَرٰى بِفَضْلِ مَنْ خُصَّ بِآيِ الزُّمَرِ
زَوَّجَكِ اللهُ فَتًى فَاضِلًا أَعْنِيْ عَلِيًّا خَيْرَ مَنْ فِي الْحَضَرِ
فَسِرْنَ جَارَاتِي بِهَا إِنَّهَا كَرِيْمَةٌ بِنْتُ عَظِيْمِ الْخَطَرِ

"فاطمہؑ وہ ہیں، جو کائنات کی تمام عورتوں سے بہتر و برتر ہیں۔ وہ حُسن و جمال میں چودھویں کا چاند ہیں۔ اے نبیؐ کی بیٹی! اللہ نے تجھے پوری کائنات پر اس لیے فضیلت بخشی ہے کہ تو خود بے پناہ فضائل کی مالکہ ہے اور اس ذات کی وجہ سے جس پر اس نے اپنا قرآن نازل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی تزویج اس نوجوان سے کی ہے جو فضائل میں اپنی مثال آپ ہے۔ یعنی وہ وہ ہے جو بعد از نبیؐ ہر فرد سے بہتر و برتر ہے۔ ہاں اے میری ہمسائیو! دخترِ پیغمبرؐ کے ہمراہ اس کے جدید گھر تک چلیے۔ وہ کریم باپ کی کریمہ بیٹی ہیں"۔

ان کے بعد معاذہ اُمِ سعد بن معاذؓ نے اَشعار پڑھے:

أَقُوْلُ قَوْلًا فِيْهِ مَا فِيْهِ وَأَذْكُرُ الْخَيْرَ وَأُبْدِيْهِ
مُحَمَّدٌ خَيْرُ بَنِيْ آدَمِ مَا فِيْهِ كِبْرٌ وَلَاتِيْهِ
بِفَضْلِهِ عَرَّفَنَا رُشْدَنَا فَاللهُ بِالْخَيْرِ يُجَازِيْهِ
وَنَحْنُ مَعَ بِنْتِ نَبِيِّ الْهُدٰى ذِيْ شَرَفٍ قَدْ مَكَّنَتْ فِيْهِ
فِيْ ذِرْوَةٍ شَامِخَةٍ أَصْلُهَا فَمَا أَرٰى شَيْئًا يُدَانِيْهِ

"میں جو بات بھی کہوں گی وہی کہوں گی، جس میں حق و حقیقت ہوگی۔ میں نیکیوں کو اور بھلائیوں کو یاد کروں گی اور خوبیوں کو ظاہر و باہر کروں گی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنو آدمؑ کے سیّد و سردار

ہیں اور سب سے بہتر و برتر اور اَرفع و اعلیٰ ہیں۔ اتنی عظیم شخصیت کے باوجود ان میں نہ غرور و تکبر ہے اور نہ خود پسندی ہے، بلکہ اُن میں عاجزی اور انکساری ہے۔ اس کے فضل و فضائل سے ہم نے ہدایت کا راستہ دیکھا۔ خداوند تعالیٰ انھیں ان کی اس کوشش و کاوش کا اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ ہم ہادی و مہدی نبی کی دختر فرزانہ کے ہمراہ ہیں، جو مجسم شرافت ہے۔ ہم اس بیٹی کے ہمراہ ہیں جس کا تعلق و علاقہ عظیم سے عظیم تر ہے اور اتنا عظیم ہے کہ اس تک کسی کو رسائی حاصل نہیں ہو سکتی"۔

میری امانت تیرے حوالے

اسی صورت میں کاروانِ عروسی کی ہر خاتون اپنے اپنے اشعار کا تکرار کرتی ہوئی کاروان کے ساتھ چل رہی تھیں۔ آخرکار حضرت امیر علیہ السلام کے خانۂ اقدس میں وارد ہوئیں۔ جب یہ کاروانِ عروسی گھر میں پہنچا، پیغمبر گرامیؐ نے امیرالمومنینؑ کو بلایا، جب وہ تشریف لائے تو حضرت سیدہ زہراؑ کو اپنے پاس بلایا، ان کا ہاتھ پکڑ کر امام علی علیہ السلام کے ہاتھ پر رکھا اور فرمایا:

بَارَكَ اللهُ فِيْ اِبْنَةِ رَسُوْلِ اللهِ

"علیؑ جان! خداوند تعالیٰ دختر پیغمبرؐ آپؑ کو مبارک فرمائے"۔

پھر فرمایا:

يَا عَلِيُّ! هٰذِهِ فَاطِمَةُ وَدِيْعَتِيْ عِنْدَكَ يَا عَلِيُّ نِعْمَ الزَّوْجَةُ فَاطِمَةُ وَيَا فَاطِمَةُ نِعْمَ الْبَعْلُ عَلِيٌّ

"علیؑ جان! یہ فاطمہؑ ہیں۔ یہ میری امانت ہیں جو میں آپؑ کو سونپ رہا ہوں۔ یا علیؑ! فاطمہؑ آپؑ کی شائستہ ترین زوجہ ہیں"۔

پھر آپؐ نے اپنی دختر کی طرف رُخ کیا اور فرمایا: "فاطمہؑ جان! علیؑ آپؑ کے شائستہ ترین شوہر ہیں"۔

پیغمبرؐ اسلام نے اپنے دونوں مبارک ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کیا اور اللہ کی بارگاہ میں نیازمندانہ عرض کیا:

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيْهِمَا ، وَبَارِكْ عَلَيْهِمَا ، وَبَارِكْ لَهُمَا فِيْ شِبْلَيْهِمَا اِنَّهُمَا اَحَبُّ خَلْقِكَ اِلَيَّ فَاحِبَّهُمَا وَاجْعَلْ عَلَيْهِمَا مِنْكَ حَافِظًا وَاِنِّيْ اُعِيْذُهُمَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهُمَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

"خدایا! اپنی برکات اور نعمات ان دو نیک بختوں پر نازل فرما، اُن کے دونوں فرزندوں اور

اُن کی نسل پاک پر اپنی برکت نازل فرما۔ خدایا! یہ دونوں تمام انسانوں میں سب سے زیادہ محبوب ہیں تو بھی ان سے محبت فرما۔ اپنی طرف سے ان کی محافظت فرما۔ میرے اللہ! میں ان دونوں کو اور ان دونوں کی نسلِ پاک کو شیطانِ رجیم سے تیری پناہ میں دیتا ہوں"۔

بعدازیں آپؐ نے پانی طلب فرمایا اور اس پانی میں سے ایک گھونٹ لیا اور اُسے پانی کے برتن میں ڈالا، اُسی پانی کے قطرات حضرت فاطمہؑ کے سر اور اُن کے سینہ پر اور دونوں شانوں کے درمیان ڈالے۔ پھر امام علی علیہ السلام کو اپنے قریب بلایا اور اُن پر بھی اسی طرح پانی ڈالا جس طرح حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام پر ڈالا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام خواتین کو حکم دیا کہ اب سبھی حُجلہ عروسی سے چلی جائیں۔ پیغمبرؐ خدا کے حکم کی تعمیل میں تمام خواتین باہر چلی گئیں صرف اسماء بنت عمیس باقی رہ گئیں۔ جس وقت رسولؐ اللہ نے ارادہ فرمایا کہ وہ بھی باہر جائیں۔ اُنھوں نے جناب اسماء کو وہیں پایا۔

آپؐ نے پوچھا: وہ ابھی تک یہاں کیوں ٹھہری ہوئی ہیں؟

جنابِ اسماء نے جواب دیا: یارسولؐ اللہ! میں نے حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ سے عہد کیا تھا، اس لیے میں یہاں ٹھہر گئی ہوں۔ جنابِ اسماءؓ نے اس عہد کی توضیح کی، جسے سن کر رسولؐ اللہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ رونے کے بعد رسولؐ اللہ نے جنابِ اسماء کو دعا فرمائی۔

امام علیؑ اور حضرت فاطمہؑ کی تاریخِ تزویج

مؤرخین اور محدثین نے حضرت سیدہ زہراؑ کی تزویج میں مختلف اُقوال پیش کیے ہیں۔ سید ابن طاؤسؒ نے اپنی کتاب اقبال میں اپنی اسناد کے ساتھ شیخ مفیدؒ کا قول نقل کیا ہے۔

حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کی تزویج شب ۲۱ محرم ۳ ہجری کو ہوئی۔

"المصباح" میں ہے یکم ذی الحجہ یا ۶ ذی الحجہ ۳ ہجری۔

اسماء بنت عمیسؓ اور اُم سلمہؓ پر ایک تحقیقی بحث

حضرت اسماء بنت عمیس حضرت جعفر بن ابوطالبؑ کی زوجہ تھیں۔ جب حضرت جعفرؑ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی تو آپ بھی اُن کے ہمراہ تھیں۔ یہ وہ ہجرتِ اولیٰ تھی، جو مسلمانوں نے مکہ سے حبشہ کی طرف کی تھی۔ حضرت جعفرؑ پانچ ہجری کو حبشہ سے مدینہ فتح خیبر کے روز لوٹے تھے۔ اس امر پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے لیکن آپ نے ابھی یہ بھی

پڑھا ہے کہ جس دن حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ نے مکہ میں وفات پائی تھی اسماء بنت عمیس وفات کے وقت اُن کے پاس تھیں۔

کثرت کے ساتھ وہ احادیث بھی موجود ہیں کہ جن میں وضاحت ہے کہ جب حضرت فاطمہ زہراؑ کی تزویج حضرت امام علی علیہ السلام کے ساتھ ہوئی تو اس وقت بھی یہی اسماء بنت عمیس اپنے اسی نام اور ولدیت اور لقب کی وضاحت کے ساتھ موجود تھیں۔

اس طرح صاحبِ کشف الغمہ نے روایت کیا ہے کہ سیدہ فاطمہؑ کے تزویج کے دن اسماء بنت عمیس اُن کے پاس حاضر تھیں۔

الحضرمی نے رشفۃ الصادی، ص ۱۰ میں اور احمد بن حنبل نے المناقب میں، الہیثمی نے مجمع الزوائد میں اور محدث نسائی نے الخصائص، ص ۳۱ میں اور محب الدین طبری نے ذخائر العقبیٰ میں ابن عباسؓ سے روایت کی ہے اور علامہ الخوارزمی نے اپنی اسناد کے ساتھ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے اور سیّد جلال الدین عبدالحمید بن فخار الموسوی سے اور الدولانی سے اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے اور انھوں نے اپنے آباء سے علامہ مجلسیؒ نے بعض مورخین سے یہ روایت، بحار، ج ۴۳ میں نقل کی ہے۔

اس بات کا تو سبھی کو علم ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ زہراؑ کی تزویج جنگِ بدر کے بعد اور جنگِ اُحد سے پہلے ہوئی تھی اور یہ ہجرت کا پہلا یا دوسرا سال تھا۔ ان دو اُقوال کو کیسے جمع کیا جاسکتا ہے کہ وہ خاتون جس کا نام اسماء ہے وہ اِدھر مدینہ میں سیدہ زہراؑ کے عقد میں بھی حاضر ہو اور ملک حبشہ میں بھی ہو؟ یہ ایک ایسی تاریخی مشکل ہے کہ مؤرخین کے پاس اس کا کوئی صحیح اور مقبول حل موجود نہیں ہے۔

علامہ مجلسیؒ نے بحار، ج ۴۳ میں بعض تاویلات کا سہارا لینے کی کوشش کی ہے، لیکن جو کچھ اُنھوں نے فرمایا ہے اُن واضح آراء سے مطابقت نہیں رکھتا کہ جس سے اسماء بنت عمیس نام کی خاتون کی وضاحت اور تصریح ہو۔

اس موضوع سے عجیب تر محدث قمی کا بیان ہے جو اُنھوں نے "سفینۃ البحار" مادہ "ک ذ ب" میں مجاہد سے نقل کیا ہے کہ جناب اسماء بنت عمیس نے کہا کہ میں جنابِ عائشہؓ کے ہمراہ تھی۔ تین شب اُنھیں عروسی کے لیے تیار کیا گیا اور جب اُنھیں رسولؐ اللہ کے خانۂ اقدس میں لایا گیا میرے ساتھ کچھ اور خواتین بھی تھیں۔ جب ہم خانۂ اقدس پیغمبرؐ میں داخل ہوئے تو اُن کے گھر میں سوائے دودھ کے پیالے کے اور کچھ نہ تھا۔ پیغمبر گرامیؐ نے کچھ دودھ پیا اور دودھ والا پیالہ جنابِ عائشہؓ کی طرف بڑھایا، لیکن جنابِ عائشہؓ نے شرم کی وجہ سے اپنا ہاتھ اس پیالے کی طرف نہ بڑھایا۔

میں نے انھیں کہا کہ پیغمبرؐ کے دست مبارک کو واپس نہ کرو، کچھ نہ کچھ پی لو۔ انھوں نے وہ پیالہ شرم وحیا کے انداز میں لیا اور کچھ دودھ پیا اور باقی واپس کر دیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا: دودھ اپنے ہمراہ آنے والی خواتین کو دے دیجیے تاکہ وہ پی لیں۔

وہ خواتین جو میرے ہمراہ تھیں انھوں نے کہا: ہمیں اب دودھ کی طلب نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بھوک اور جھوٹ کو جمع نہ کیجیے۔

اسماء بنت عُمیس کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! اگر ہم میں سے کوئی کسی چیز کے بارے میں کہہ دے کہ ہمیں اس کی طلب نہیں ہے، حالانکہ دل کہہ رہا ہو کیا یہ جھوٹ میں شمار ہوگا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں! یہ جھوٹ شمار ہوگا، لیکن یہ چھوٹا جھوٹ ہے۔

اس روایت کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تزویج جناب عائشہؓ سے ہوئی تھی اس وقت جنابِ اسماء بنت عُمیس موجود تھیں کیونکہ حضرت عائشہؓ کی تزویج حضرت فاطمہ زہراؑ کی جناب امیرالمومنینؑ سے تزویج سے پہلے ہوئی تھی اور اس واقعہ میں جنابِ اسماء موجود تھیں۔

علاوہ ازیں ان تاریخی متواتر روایات کے مطابق جب چار ہجری یا پانچ ہجری میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو اس وقت بھی جنابِ اسماء مدینہ میں موجود تھیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سارے واقعات فتح خیبر سے پہلے اور جنابِ جعفر طیارؑ کی حبشہ سے واپسی سے پہلے وقوع پذیر ہوئے تھے۔

علامہ مجلسیؒ نے بحار، ج ۴۳ میں محمد بن یوسف الکنجی کی کتاب "کفایۃ الطالب" کے حوالے سے لکھا ہے کہ جنابِ اسماء بنت عُمیس حضرت سیدہ زہراؑ کی تزویج میں حاضر تھیں۔

محمد بن یوسف نے ابن بطہ سے روایت کی ہے اور وہ روایت درست اور خوب صورت ہے لیکن مولف کی نظر میں درست نہیں ہے۔ وہ خاتون جس کا نام اسماء ہے اور وہ سیدہ فاطمہ زہراؑ کی تزویج کے دوران حاضر تھیں وہ اسماء بنت عُمیس نہیں ہیں۔ وہ اسماء بنت یزید انصاری ہیں، جو دختر بہشت سیدہ زہراؑ کی تزویج میں حاضر تھیں، کیونکہ جنابِ اسماء بنت عُمیس اپنے شوہر حضرت جعفرؓ کے ہمراہ حبشہ میں تھیں اور وہ سات ہجری فتح خیبر کے دن حبشہ سے واپس مدینہ پہنچی تھیں، جبکہ ہمیں اچھی طرح سے معلوم ہے کہ ازدواج سیدہ فاطمہؑ جنگِ بدر کے چند روز بعد وقوع پذیر ہوا تھا۔ اس اعتبار سے یہ بات صحیح ہے کہ اس حدیث میں جس اسم کا ذکر ہے وہ اسماء بنت یزید ہے نہ کہ اسماء بنت عُمیس۔

بہترین راہِ حل

میرا نظریہ یہ ہے کہ اگر روایات میں اسم "اسماء" اور اس کے والد کے اسم اور اس کے لقب کی تصریح نہ ہوتی تو پھر یہ توجیح اور تاویل ممکن ہے کہ صحیح ہوتی۔ جب نص موجود ہے تو پھر توجیح و تاویل کی ضرورت کیا ہے؟ روایات میں واضح طور پر اسماء بنت عُمیس الخثعمیہ مذکور ہے جو حضرت فاطمہ زہراؑ کے مراسمِ عروسی میں موجود تھیں۔

جن مورخین و محدثین نے اسماء بنت یزید انصاری کی بات کی ہے ہمارا اُن سے سوال ہے کہ وہ مکہ معظمہ میں سیّدہ خدیجۃ الکبریٰؑ کی وفات کے وقت اُن کے پاس کیسے موجود تھیں، جبکہ ہمیں معلوم ہے کہ وہ انصاریہ تھیں۔ اُن کا مکہ سے کیا تعلق وہ تو اہلِ مدینہ سے تھیں۔

جی ہاں! وہ اسماء جو مکہ میں سیّدہ خدیجہؑ کے وقت وفات اُن کے پاس حاضر تھیں وہی مدینہ میں سیّدہ فاطمہ زہراؑ کے مراسمِ عروسی میں حاضر تھیں۔

جی ہاں! میرا خیال ہے کہ صرف علامہ اِلگجی نے یہ روایت کی ہے۔ جب ان کے سامنے ایک نام کی دو مسلمان خواتین کا ذکر آیا ہے تو وہ نام کی مشارکت کی وجہ سے حقیقت سے دُور رہ گئے، حالانکہ کسی مورخ نے حضرت خدیجہؑ کی وفات کے وقت اسماء بنت یزید کی موجودگی نقل نہیں کی۔ لیکن جو بات میرے نزدیک قوی ہے اور اس اَمر کا حل صحیح اور جواب معقول ہے۔ وہ یہ ہے کہ "اسماء" وہی اسماء بنت عُمیس الخثعمیہ زوجہ حضرت جعفر بن ابی طالبؑ ہیں، جنھوں نے اپنے شوہر کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ یہ اپنے شوہر کے ساتھ حبشہ کی ہجرت کے بعد دوبارہ مکہ لوٹ آئیں۔ پھر اُنھوں نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی۔ شاید اُنھوں نے حبشہ کے کئی سفر کیے ہوں، کیونکہ جدہ سے حبشہ کے درمیان کوئی لمبا چوڑا فاصلہ نہیں ہے۔ درمیان میں بحرِ احمر ہے۔ اس مسافت کا طے کرنا اور جدہ سے حبشہ اور حبشہ سے جدہ آمدورفت کوئی مشکل نہیں ہے۔

یہاں اعتراض بھی وارد ہوسکتا ہے کہ جب جناب اسماء نے کئی بار حبشہ کی ہجرت کی تو مورخین نے اُن کے بارے میں کیوں نہیں نقل کیا کہ وہ کئی بار مکہ سے حبشہ اور حبشہ سے مکہ اور مدینہ آتی جاتی رہی ہیں؟ اس قول کو کیسے قبول کیا جاسکتا ہے؟

جی ہاں! اس سوال کا جواب مشکل نہیں ہے۔ بہت سے مسلمانوں نے مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی، لیکن تاریخ نے سب کا تذکرہ نہیں کیا۔ بعض کا ذکر ہے اور بعض کا نہیں ہے۔ جس طرح حضرت ابوذر غفاریؓ نے حضرت

جعفر طیارؑ کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی، لیکن اُن کا ذکر نہیں آیا۔ یہی حال جناب اسماء کی ہجرت کا ہے۔

علامہ مجلسی نے "علل الشرائع" کے حوالے سے اس روایت کو بحارالانوار میں نقل کیا ہے۔ مزید برآں علامہ مجلسی کی وہ روایت جو بحار، ج ۴۳ میں باب تزویج سیّدہ فاطمہؑ میں موجود ہے۔ ابنِ بابویہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے جہاں حضرت عبدالمطلبؑ کی خواتین کو حکم دیا تھا کہ وہ سیّدہ فاطمہؑ کے کاروانِ عروسی میں شرکت کریں، وہاں آپ نے اپنے خاندان کے مردوں کو بھی شرکت کا حکم دیا تھا۔ اس کاروان میں حضرت حمزہؑ، حضرت عقیلؑ، حضرت جعفر طیارؑ وغیرہ سبھی شامل تھے۔ حضرت جعفرؑ کی اس کاروانِ عروسی میں شرکت اس تاریخی مشکل کو حل کر دیتی ہے۔

یہاں جو کلمہ باقی ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مکہ سے ہجرت سیّدہ خدیجۃ الکبریٰؑ کی وفات سے قبل ہوئی، لیکن تاریخ میں اختلاف ہے کہ اُن کی وفات ہجرت سے چند ماہ قبل ہوئی تھی یا اس سے زیادہ؟ لیکن مشہور قول یہ ہے کہ اُن کی وفات ہجرتِ مدینہ سے ایک سال سے کم عرصے میں ہوئی تھی۔

ایک اور حوالہ موجود ہے کہ حضرت جعفر بن ابی طالبؑ کی ہجرتِ حبشہ دو مرتبہ ہے۔ اُن کی دوسری ہجرت حضرت خدیجہؑ کی وفات کے بعد ہے اور رسولؐ اللہ کی ہجرتِ مدینہ سے قبل ہے۔ دلیل وہ خبر ہے کہ جن دنوں رسولؐ اللہ غارِ ثور میں تھے تو آپؐ نے فرمایا:

اِنِّیْ اَرٰی سَفِیْنَۃَ جَعْفَرٍ تَعُوْمُ فِی الْبَحْرِ

"میں یہاں پر حضرت جعفرؑ کی کشتی کو دیکھ رہا ہوں جو پانی پر تیر رہی ہے اور اپنے ہدف کی طرف رواں دواں ہے"۔

ان روایات سے ہماری مشکل حل ہو جاتی ہے کہ جناب اسماء بنت عمیس مکہ معظمہ میں خدیجۃ الکبریٰؑ کی وفات کے وقت اُن کے ہاں موجود تھیں۔ اُن سے ایک پیمان باندھا تھا، جسے ایفا کیا۔ ہماری نظر میں یہ روایت صحیح ہے۔

ایک سوال اور اُس کا جواب

ایک اور تاریخی مشکل بھی ہے اور وہ یہ ہے اُمِ سلمہؓ کی شخصیت، جب دخترِ رسالت کے مراسمِ عروسی طے ہو رہے تھے اور جب سیّدہ فاطمہؑ کا امیرالمومنین حضرت امام علی علیہ السلام سے اَزدواج ہوا۔ ہم نے گزشتہ صفحات میں پڑھا ہے اور ان صفحات میں حضرت اُمِ سلمہؓ کا نام بار بار آیا ہے۔ ہم نے یہ بھی پڑھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ زہرا کا مہر ان کے پاس بطورِ امانت رکھا تھا اور وہ سیّدہ فاطمہؑ کے اَزدواج کے معاملات میں تمام خواتین کی مرجع تھیں۔

ہم جانتے ہیں کہ تمام مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے حضرت اُم سلمہؓ نامی خاتون سے ہجرت کے چوتھے سال عقد کیا تھا اور سیدہ فاطمہ زہراؑ کا عقد ہجرت کے دوسرے سال جنگِ بدر کے بعد اور جنگِ اُحد سے قبل ہوا تھا۔ تو پھر ان مراحل میں حضرت اُم سلمہؓ کہاں سے آگئیں؟ حالانکہ ابھی تک وہ رسولؐ اللہ کے عقد میں نہیں آئی تھیں۔

اس سوال کا جواب یہ ہے:

1. پہلی بات تو یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو ہجرت کے پہلے سال کی ابتداء میں آپؐ نے جنابِ اُم سلمہؓ سے عقد کر لیا تھا اور سیدہ فاطمہ زہراؑ کا عقد شاید ہجرت کے چوتھے سال ہوا، لیکن یہ احتمال بعید ہے اور قول ضعیف ہے۔
2. دوسری بات یہ ہے کہ یہ سیدہ اُم سلمہؓ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی کی دختر تھیں۔ اُن کے اپنے خاندان کی قابلِ اعتماد خاتون تھیں، اس لیے آپؐ نے اپنی دختر کے عروسی کے تمام معاملات اُنھی کے ذمے لگا رکھے تھے۔ ان کے مہر کا مبلغ بھی اُنھیں ودیعت کر دیا تھا۔ اس نظریے سے یہ تاریخی مشکل حل ہو جاتی ہے۔

یہی صورت اَقویٰ نظر آتی ہے۔ تمام اُمور کی حقیقت اللہ ہی خوب جانتا ہے۔

خانۂ معنویت و رُوحانیت

آج کی یہ مہذب دنیا اور اُس کی تہذیب ضروری سمجھتی ہے کہ بعض ایسے مساکن، عمارات اور زمینیں بھی ہیں جو محترم ہیں، اُن کا اِکرام و اِحترام ضروری ہے اور ان سے جو لوگ مربوط ہیں وہ اپنے شرف، علم اور معنویت کے لحاظ سے بھی محترم ہیں۔

اسی اساس پر اس تہذیب نے ان مقدسات کی حفاظت کے لیے قوانین وضع کیے ہیں اور وہ مقدس و محترم مقامات درج ذیل ہیں، جنھیں عالمی سطح پر قانونی تحفظ حاصل ہے:

1. جیسے سفارتخانہ جات اور ان جیسے دوسرے مقامات ان کی حفاظت کے لیے عالمی سیاسی قوانین موجود ہیں، اُنھیں قوانین کے تحت ان مقامات کو سیاسی تحفظ حاصل ہے۔
2. اس طرح کہ وہ انتظامی اُمور پر مشتمل قوانین ہیں جن کے ذریعے یونیورسٹیاں، علمی و تحقیقی مراکز اور عالمی فلاحی انجمنیں اور تنظیمیں اور حقوقِ انسانی کے ادارے اپنے ترقی کے مدارج طے کرتے ہیں۔

۴ مساجد، معابد جو علم، دین اور ثقافت کا شعار ہیں، عالمی قوانین کے تحت ان کا احترام اور اکرام مقرر ہے۔

یہ وہ حقیقت ہے جو ازل سے اللہ تعالیٰ اور اس کے اولیاء کے نزدیک ثابت ہے۔ اسی تاریخ ساز واقعیت کی اساس پر اسلام نے تمام مساجد کو محترم و مقدس قرار دیا ہے، خصوصاً مسجد الحرام اور یہ مسجد مورد کمال توجہ ہے۔ اس کے اپنے قوانین اور احکام ہیں۔ اس مسجد میں بعض لوگوں کا داخل ممنوع ہے۔ جیسے مشرکین، مجنب آدمی، وہ عورت جو حائض ہو اور اس مسجد کا نجس کرنا بھی حرام ہے۔ اور ایسے اُمور کا بجالانا جو اس مسجد کے تقدس اور احترام کے منافی ہیں، حرام ہیں۔ اس مسجد الحرام کے حدود میں شکار کرنا مطلق حرام ہے۔ تفصیلات فقہ کی کتب میں مذکور ہیں۔

اس مقدمہ کے ذکر کرنے کے بعد آپ پر اس گھر کی عزت وعظمت اور اس کا اکرام واحترام سامنے آگیا ہوگا کہ جس گھر میں دخترِ بعثت سید الانبیاءؐ کی بیٹی قیام پذیر ہو، کیونکہ سیدہؑ کا گھر ایک خاص روحانیت ومعنویت سے آراستہ وپیراستہ تھا۔ آپ جس خانہ اقدس میں زندگی بسر کر رہی تھیں وہ اس نور سے منور تھا، جو آسمان سے ان گھروں پر نازل ہوتا ہے جو اس کے اہل ہوتے ہیں۔ اس خانہ اقدس کے حقوق کو وہ انسان جان اور پہچان سکتا ہے جو سیدہ نساء العالمین اور اُن کے والد سید الانبیاءؐ اور اُن کے شوہر سید الاولیاء اور اُن کے فرزندان کے حق کو جانتا ہے۔

علامہ مجلسی نے انس بن مالکؓ اور بریدہؓ سے روایت کی ہے کہ پیغمبر گرامیؐ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی:

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ..... (سورۂ نور: آیت ۳۶)

"ہدایت پانے والے ایسے گھروں میں ہیں جن کی تعظیم کا اللہ نے اذن دیا ہے اور ان میں اس کا نام لینے کا بھی، وہ ان گھروں میں صبح وشام اللہ کی تسبیح کرتے ہیں"۔

جس وقت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت فرمائی تو ایک آدمی کھڑا ہوگیا اور اُس نے کہا: یارسولؐ اللہ! وہ گھر کس کے ہیں؟

پیغمبر گرامیؐ نے فرمایا: وہ پیغمبروںؑ کے گھر ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہوئے اور حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام اور حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا: کیا یہ گھر بھی انبیاءؑ کے گھروں میں سے ہے؟

پیغمبرؐ خدا نے فرمایا: نَعَمْ مِنْ اَفْضَلِهَا "جی ہاں! یہ گھر انبیاءؑ کے گھروں سے برتر ہے"۔

جناب ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ہم مسجد نبویؐ میں تھے کہ حاضرین میں سے کسی نے اس آیت کی تلاوت

کی: فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللہ...... مَیں نے پیغمبرؐ خدا سے پوچھا: وہ کون سے گھر ہیں؟

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

بُیُوْتُ الْاَنْبِیَاءِ، وَاَوْمٰی بِیَدِہٖ اِلٰی مَنْزِلِ فَاطِمَۃَ

''پیغمبروںؑ کے گھر اس وقت آپؐ نے اپنے دست مبارک سے حضرت فاطمہؑ کے مقدس گھر کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ گھر''۔ (کشف الغمہ: ص ۳۱۹، تفسیر برہان: ج ۳، ص ۱۳۹)

اُصولِ کافی میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی دختر کے گھر کی طرف جارہے تھے کہ میں بھی اُن کے ہمراہ تھا۔ جب ہم حضرت فاطمہ زہراؑ کے خانۂ اقدس کے دروازے پر پہنچے تو رسولؐ اللہ نے ان کے گھر کے دروازے کو کھولا۔ آپؐ نے اپنے شیریں لہجے میں فرمایا: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ۔

حضرت فاطمہ زہراؑ نے جواب دیا:

عَلَیْکَ السَّلَامُ یَا رَسُوْلَ اللہ ''اے اللہ کے رسولؐ! آپؐ پر سلام ہو''۔

آپؐ نے فرمایا: اجازت ہے مَیں آپ کے گھر میں آجاؤں!

سیّدہؑ نے عرض کیا: تشریف لایئے اے پیغمبر خدا!

رسولؐ اللہ نے فرمایا: کیا میں اور میرا ساتھی ہم دونوں اندر آجائیں؟

سیّدہؑ نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! اجازت دیجیے میں چادر اُوڑھ لوں۔

پیغمبرؐ خدا نے فرمایا: اسی دوپٹے کے گوشے سے اپنے سر کو ڈھانپ لیجیے۔

جب حضرت زہراؑ نے اپنے سر کو کپڑے سے ڈھانپ لیا تو عرض کیا: آپؐ پر سلام۔

حالانکہ جناب زہراؑ نے اپنے والد گرامی کی بارگاہ میں خوش آمدید کہہ دیا تھا، لیکن پیغمبر گرامیؐ نے دوبارہ اجازت لی۔ پھر تیسری بار اجازت لی۔ بعدازیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احترام و اکرام کے ساتھ حضرت سیّدہ فاطمہؑ کے معنویت سے لبریز خانۂ اقدس میں قدم رنجہ فرمایا۔ (فروعِ کافی، ج ۵، باب دخول علی النساء، حدیث ۵)

اے قاری عزیز! پیغمبرؐ کے اس عمل سے سبق لینے کی کوشش کیجیے۔ پیغمبرؐ کے اس سلوک سے آپ نے کیا حاصل کیا؟ جی ہاں! دختر بہشت سیّدہ نساء العالمین کے خانۂ اَقدس کا احترام و اکرام اُمت پر واجب ہے۔ ان کا گھر انبیاءؑ کے گھروں سے افضل ہے۔

سیدہ زہراؑ کی اَزدواجی زندگی

آخرکار دُخترِ فرزانہ پیغمبر ﷺ اپنے شوہرِ نامدار کے خانہ اقدس میں منتقل ہوگئیں۔ آپؑ رسالت و نبوت اور آستانہ وحی سے امامت و وصایت اور خلافت و ولایت کے گھر پہنچ گئیں۔ آپؑ کی حیات کا ہر لمحہ نورِ سعادت سے منور رہا۔ جب آپؑ اپنے بابا کے آستانہ قدس میں تھیں تو اس وقت آپؑ کے جسمِ اقدس پر نبوت کی شعاعیں ضوفشاں تھیں۔ جب وہاں سے منتقل ہوئیں تو نورِ امامت نے آپؑ کو اپنی کرنوں میں سمیٹ لیا اور آپؑ ہمیشہ کے لیے امیرِ حریت و فضیلت کی قرین و ہم نشین بن گئیں۔

خاتونِ جنت کی اَزدواجی زندگی کا آغاز عظمت اور شان و شوکت سے ہم کنار تھا۔ آپؑ کی اَزدواجی زندگی کا ہر دن آپؑ کے لیے ملکوتی شرف و جمال کا اَرمغان لاکر آپؑ کی عزت و رفعت میں اضافہ کردیتا تھا۔ کیونکہ آپؑ نے جس فضا میں اپنی نئی زندگی کا آغاز کیا تھا وہ قداست و طہارت، دانش و عشق و علاقہ و خدا پرستی اور انسان دوستی سے لبریز تھی۔ اس فضا اور ماحول میں پارسائی و شائستگی اور خلوص و سادگی موجزن تھی۔

آپؑ اپنے رفیقِ حیات کی دینی و دنیاوی اور معاشی و اُخروی تمام اُمور میں معاون و مددگار تھیں۔ آپؑ اپنے شوہرِ نامدار کے مختلف اَقسام کی اسلامی و انسانی ذمہ داریوں کو نمٹانے کے لیے اُن کے شانہ بشانہ رہتی تھیں، حتیٰ کہ آپؑ اپنے شوہر کے ان کاموں میں ہمکاری و ہمراہی میں پیش پیش رہیں جو مشکل ترین ہوتے تھے۔

عشق و شناختِ متقابل

یہ حقیقت ہے کہ اگر خانوادگی زندگی میں اَفکار و عقیدہ اور ہدف میں ہم آہنگی ہو تو ایسی خانوادگی زندگی ہر زاویہ نظر سے مہر و محبت، عشق و علاقہ اور ہم سر کے حقوق کی پاسبانی و رعایت سے معمور ہوتی ہے تو ایسی زندگی کس قدر شیریں اور سعادت مندانہ ہوگی؟

یہ حقیقت ہے کہ ان دو گوہر گرانقدر کی مشترک زندگی ایسی ہی تھی۔ یہ کوئی مقامِ تعجب نہیں ہے کہ فخرِ خواتین جہاں اپنے رفیقِ حیات کی اس عظمت و منزلت و رفعت و سربلندی کو جانتی تھیں، جو اُنھیں بارگاہِ خداوندی میں حاصل تھی۔ آپؑ ان کا احترام و اکرام اس طرح کرتی تھیں جس طرح ایک مسلمان عورت اپنے امامؑ کا احترام کرتی ہے بلکہ وہ اپنے سچے راہبر و امام کا احترام بہتر و بیش تر کرتی تھیں۔ آپؑ اُن کے برابر ہمیشہ سراپا گوش و ہوش، اطاعت و انکساری کی صورت لیے ہوتی تھیں۔ آپؑ جنابِ امیر علیہ السلام کے حق کی عارفہ تھیں اور اُن کی منزلت کی بھرپور معرفت رکھتی تھیں۔ اُن کے

حقوق کی پاسبان تھیں کیونکہ وہ خوب جانتی تھیں کہ اللہ کے رسولؐ تمام انسانوں میں ان سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں اور وہ اُن کے محبوب ہیں۔

آپؑ بخوبی جانتی تھیں کہ جہاں امام علی علیہ السلام اُن کے رفیقِ حیات ہیں وہاں وہ ولایتِ عظمٰی، خلافتِ کبریٰ اور امامتِ مطلقہ کے مالک ہیں۔ وہ رسولؐ اللہ کے برادر ہیں اور اُن کے خلیفہ و جانشین ہیں اور وارث و وصی ہیں۔

آپؑ کو معلوم تھا کہ آپؑ کے شوہر فضائل و فضیلت میں، عزم و عزیمت میں بعد از رسولؐ پوری کائنات پر برتری رکھتے ہیں۔ دین کی سربلندی و ترویج کی خاطر پوری اُمت پر سبقت رکھتے ہیں۔

جی ہاں! دخترِ سرتاج انبیاءؑ مکمل و کامل شائستگی و بائستگی کے ساتھ آپؑ کے مقام کو جانتی تھیں اور اُن کی حرمت کی پاسداری کرتی تھیں۔

اب دوسرا پہلو دیکھتے ہیں: امام علی علیہ السلام سیدہ فاطمہ زہرا علیہا السلام کا اسی طرح احترام و اکرام کرتے تھے جس طرح وہ کرتی تھیں۔ آپؑ دخترِ رسولؐ کی تکریم و تعظیم اس قدر کرتے تھے کہ جس کی کائنات میں مثال نہیں ملتی۔ آپؑ اس لیے ان کا اکرام و احترام نہیں کرتے تھے کہ وہ ان کی رفیقۂ حیات ہیں بلکہ اس لیے ان کا احترام کرتے تھے کہ وہ اللہ کے رسولؐ کی محبتوں کا مرکز و محور ہیں۔ اللہ کی مخلوق میں رسولؐ اللہ کو سب سے بڑھ کر جس سے محبت تھی وہ ان کی بیٹی سیدہ فاطمہؑ تھیں۔

جنابِ امیر علیہ السلام اُن کی تعظیم اس لیے کرتے تھے کہ وہ عالمین کی خواتین کی سیدہ و سالار ہیں اور پرتوِ وجودِ پیغمبرؐ ہیں۔ اس لیے ان کی عظمت کو سلام کرتے تھے کہ اُن کا نور رسولؐ اللہ کے نور سے تھا۔ آپؑ وہ مقدس ذات تھیں اور اُن ہستیوں میں سے تھیں کہ جن کی وجہ سے اللہ نے کتابِ ایجاد و وجود کی نقاب کشائی فرمائی۔ آپؑ عزت و عظمت کا خزینہ تھیں۔

جی ہاں! یہ وہ اسباب تھے کہ جن کی بنا پر امیر علیہ السلام سیدہ فاطمہؑ کی بے پناہ تعظیم و تکریم کرتے تھے، کیونکہ آپؑ ملکوتی فضائل کا مجموعہ تھیں۔ اگر آپؑ کے ان بے پناہ فضائل میں سے دنیا کی کوئی ایک خاتون ایک فضیلت رکھتی ہوتی تو وہ بھی بے پناہ تعظیم کی مستحق ہوجاتی۔

عالمِ انسانیت کی یہ سربلند و سرفراز دختر جو اپنے فضائل و مناقب اور اَخلاقی و انسانی خصوصی امتیازات میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھیں۔ جنابِ آدمؑ سے آج تک کے تمام اَدوارِ زندگی میں اور تمام انسانی نسلوں میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی جو اس ذات کے بالمقابل نظر آئے۔ تو ایسا گوہرِ نایاب جنابِ امیرالمومنینؑ جیسے گوہر شناس کو کیسے عزیز نہ ہوگا؟

جب آپؑ کے نسب پر نگاہ کی جاتی ہے تو آپؑ اپنے نسب میں پوری کائنات پر برتری رکھتی ہیں۔ آپؑ اپنی آفرینش میں وہ امتیازات و کرامات رکھتی ہیں جو کسی دوسرے کو نصیب نہیں۔ معنویت و قداست میں اتنی بلند ہیں کہ کائنات کی بلندیاں آپ کو سلام کرتی ہیں۔ آپؑ جمال و کمال، عقل و دانش، عبادت و ایمان، پاکیزگی و پارسائی، وفا و صفا، امانت و صداقت اور شخصیت و عظمت میں اس قدر ضوفشاں ہیں کہ جس قدر آفتاب نصف النہار میں ہوتا ہے۔ آپؑ کے فضائل و خصائل زمین و آسمان پر بھاری ہیں۔ اس کتاب کے دامن میں اتنی گنجائش ہی نہیں ہے کہ آپؑ کی ہزاروں صفات کو بیان کیا جاسکے۔

اے قاریٔ عزیز! جو کچھ ابھی تک ہم نے بیان کیا ہے اس میں بخوبی غور کیجیے۔ آپ پر لازم ہے کہ اُن دو ہمسر سعادت مندوں نے جس سے عطر آگین معنوی و روحانی فضا میں اپنی مشترک زندگی کا آغاز کیا تو آپ کو ان دونوں کی یہ زندگی پیار و محبت، عشق و علاقہ، ہم آہنگی اور سعادت سے بھرپور نظر آئے گی۔ ان کی یہ زندگی اتنی مضبوط اور روشن تھی جسے نہ فقر و افلاس تیرہ و تار کرسکا نہ حوادثِ روزگار حیران و پریشان کرسکے، نہ نشیب و فراز زمانہ اُسے متاثر کرسکے۔

کیونکہ یہ وہ زندگی تھی جو بادِ نسیم کے روح پرور جھونکوں سے معمور تھی۔ وہ دونوں محبت و ہمکاری میں ایک دوسرے سے بڑھ کر تھے۔ پاک و پاکیزہ انسانی عواطف نے اپنے حُسن و جمال سے ان کی زندگی کے لمحے لمحے کو پُرسکون بنا دیا تھا۔ علامہ مجلسی نے مناقب کی ایک اور روایت نقل کی ہے۔

حضرت امام علی علیہ السلام کا فرمان ہے:

فَوَاللّٰهِ مَا اَغْضَبْتُهَا وَلَا اَكْرَهْتُهَا عَلٰى اَمْرٍ حَتّٰى قَبَضَهَا اللّٰهُ۔۔۔ وَلَا اَغْضَبَتْنِي وَلَا عَصَتْ لِي اَمْرًا لَقَدْ كُنْتُ اَنْظُرُ اِلَيْهَا فَتَنْكَشِفُ عَنِّي الْهُمُوْمُ وَالْاَحْزَانُ

"اللہ کی قسم! میں نے اُن کی زندگی میں کبھی اُن پر غصہ نہیں کیا اور نہ ہی میں نے کسی معاملے میں اُن سے ناراض ہوا، یہاں تک کہ وہ اس دنیا سے رحلت کر کے بارگاہِ خداوندی میں پہنچ گئیں۔ اور نہ وہ کبھی مجھ پر ناراض ہوئیں اور نہ کبھی میری کسی بات پر برہم ہوئیں اور نہ اُنھوں نے کبھی میری نافرمانی کی۔ جب میں ان پر اپنی نگاہ ڈالتا تو میرے ہموم و احزان ختم ہوجاتے اور مجھے سکون مل جاتا"۔ (بحار: ج ۴۳، ص ۱۴۳، عوالم العلوم: ج ۱۱، ص ۳۲۸، جلاء العیون: ج ۱، ص ۱۷۰)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام اپنے گھریلو اُمور سرانجام دیتی تھیں۔ آپؑ چکی سے آٹا خود بناتی تھیں۔ پھر اپنے پاکیزہ ہاتھوں سے روٹیاں بناتی تھیں۔ گھر سے باہر کے کام حضرت امام علی علیہ السلام کے ذمہ تھے۔ آپؑ کھانے پینے کی اشیاء لاتے، کھانا پکانے کے لیے لکڑیاں باہر سے لاتے تھے۔ ضروریاتِ زندگی کی ذمہ داری حضرت امام علی علیہ السلام پر تھی۔

ایک دن جناب امیر علیہ السلام نے اُن سے پوچھا: اے سیدہؑ! کیا گھر میں کوئی کھانے کی چیز ہے؟

آپؑ نے عرض کیا: اس ذات کی قسم جس نے آپؑ کا حق عظیم بنایا، تین دن سے ہمارے گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہیں ہے۔

آپؑ نے فرمایا: آپؑ نے مجھے کیوں نہیں بتایا تھا؟

سیدہؑ نے فرمایا: مجھے اپنے بابا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع کیا تھا کہ میں آپؑ سے کسی چیز کا سوال کروں۔

امام علی علیہ السلام نے فرمایا: اگر میں ضروریاتِ زندگی گھر میں لے آؤں تو پھر آپؑ کے سوال کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر گھر میں کسی چیز کی ضرورت ہو تو ضرور کہہ دیا کریں، تاکہ میں وہ ضرورت پوری کروں۔ (بحارالانوار، ج ۴۳)

حضرت امام علی علیہ السلام اور سیدہ فاطمہ زہرا علیہا السلام حارثہ بن نعمان کے گھر میں کتنا عرصہ مقیم رہے اس بارے میں تاریخ خاموش ہے۔ کچھ عرصہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد نبویؐ کے ساتھ سیدہ زہراؑ اور امام علی علیہ السلام کا گھر بنا دیا تھا۔ یہ گھر جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خانہ اقدس کے ساتھ تھا وہاں اللہ کے گھر کے ساتھ ملا ہوا تھا۔ رسولؐ اللہ نے اس گھر کا دروازہ مسجد نبویؐ میں رکھا تھا۔ اس گھر کی تعمیر کے بعد اللہ کے یہ دونوں محبوب اس گھر میں منتقل ہو گئے اور اپنی دینی اور دُنیاوی ذمہ داریوں کو نبھانے لگے۔

حاسدین اور اُن کا جھوٹ

ہم اس سے قبل گذشتہ صفحات میں پیش کر چکے ہیں کہ بعض جھوٹے اور حاسد مورخین نے مختلف مقامات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محترم و مکرم دختر نیک اختر کی شان میں اہانت کو جائز قرار دیا ہے۔ گذشتہ صفحات میں ہم لکھ چکے ہیں کہ جب سیدہ فاطمہ زہرا علیہا السلام اور امام علی علیہ السلام کی تزویج ہوئی تو دشمنوں کے دلوں میں کینہ بھڑک اُٹھا اور حاسدین کا حسد شعلہ ور ہوا۔ ان کی زندگی تیرہ و تاریک ہوگئی۔ اُن کا سکون جاتا رہا۔ اُنھوں نے ان دو گوہر گرانقدر کی سعادت مندانہ زندگی کو تیرہ و تار بنانے کے لیے مختلف قسم کے حربے استعمال کرنا شروع کر دیے، کیونکہ یہ تباہ حال لوگ اپنی زندگی میں بدترین شکست سے دوچار ہو چکے تھے۔ اس لیے اپنی خفت کو مٹانے کے لیے اور اپنی ناکامیوں کو چھپانے

کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیے تھے۔

ان لوگوں کی جملہ فتنہ انگیزیوں اور دروغ گوئیوں میں سے ایک جھوٹ یہ تھا کہ ان فتنہ پرور اور مفسد لوگوں نے یہ عام کر دیا تھا کہ امیر المومنین حضرت امام علیؑ ابوجہل کی بیٹی کی خواستگاری کے لیے اُن کے گھر تشریف لے گئے۔ جب اس بات کا علم سیدہ زہراؑ کو ہوا کہ اُن کا شوہر رئیس المشرکین اور قطب الکافرین کی بیٹی سے عقد کرنا چاہتے ہیں اُنھیں اس بات نے پریشان کیا۔ آپؑ اپنے والد گرامی کے گھر تشریف لے گئیں اور اُن تک یہ خبر پہنچائی۔

جی ہاں یہ وہ جھوٹ تھا جو امام علی علیہ السلام اور سیدہ فاطمہ زہرا علیہا السلام کے بارے میں گھڑا گیا تھا جس کی حقیقت بہت جلد کھل کر سامنے آ گئی تھی — یہ تھا اسی جھوٹ کا خلاصہ۔

اے قارئ عزیز! میرے ساتھ چلیے۔ بعض مولفین و مصنفین نے کس طرح یہ تہمت و الزام اپنے ظالمانہ و تعصبانہ انداز میں گھڑا اور امیر حریت و عدالت کی طرف منسوب کر دیا۔ شعور یا لاشعور میں ڈھول و طبل بجانے شروع کر دیے تا کہ ان کا جھوٹ اپنا کام کر جائے۔ ان جھوٹے اور مفسد مولفین میں سے ایک جھوٹی مولفہ بنت شاطی مصری ہے جس نے بغیر تحقیق و توجہ یا از روئے عمد و قصد جو دل میں آیا قلم کے حوالے کر دیا۔ اس نے اس جھوٹ کو ایسی حقیقت سمجھا کہ جس میں نہ کوئی شک ہے اور نہ کوئی ریب، حالانکہ یہ واقعہ اپنی اوّل سے لے کر آخر تک جھوٹ ہی جھوٹ ہے۔

اس مصری مولفہ نے جو کچھ اپنی کتاب میں لکھا ہے اس کی چند سطور بطورِ نمونہ یہاں پیش کر رہے ہیں۔ اس کی کتاب "بنات النبیؐ" ص ۱۶۷ کی چند سطور یہ ہیں:

"امام علی علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ حضرت فاطمہؑ کی موجودگی میں کسی دوسری عورت سے عقد کر کے اُسے گھر لے آئیں۔ علیؑ نے یہ بھی نہ سوچا کہ اُن کا یہ اِقدام حضرت فاطمہ قطعاً پسند نہیں کریں گی"۔

یہ حقیقت ہے کہ ایک انسان اس احمقانہ اور ضال و مُضل جھوٹ کا کیا جواب دے؟ کیا دنیا میں اس بات کو کون سا مرد ہے جو یہ نہ جانتا ہو کہ اس کی زوجہ اپنی سوکن کو کبھی برداشت نہیں کر سکتی؟ چاہے دنیا میں کوئی جتنا بھی کند ذہن و غبی ہو وہ اس حقیقت سے آگاہ ہے لیکن یہ مولفہ اپنی احمقانہ گفتگو کو یوں بیان کرتی ہے اور اس شخصیت کے بارے میں جو رسولؐ اللہ کے بعد اس کائنات کا سب سے بڑا عالم اور صاحبِ مقام و منزلت ہے کہ انھیں معلوم ہی نہ تھا کہ اُن کے اس عمل سے نبیؐ کی بیٹی کو دُکھ ہوگا۔

اس کے بعد لکھتی ہے: "اے کاش! علیؑ صرف ایک بیوی پر ہی اکتفا کرتے!

بعد ازیں اس نے ابوجہل کی مذمت میں اپنی کتاب کے کئی صفحات بھر ڈالے کہ وہ ضدِ اسلام تھا، انسانیت کا

دشمن تھا۔ اپنی درشتی اور خشونت کے اعتبار سے وہ ایک درندہ تھا۔ اس کے بعد اس ظالم کافر کی بیٹی کا رسولؐ اسلام کی بیٹی سے مقابلہ و مقائسہ شروع کر دیتی ہے۔ پھر اس مقارنت سے یہ قصد کرتی ہے کہ اس قصد ازواج سے امام علیؑ کی ذات والاصفات کے لیے کوئی ایسا باب کھلے، جس سے ان کی قدر و منزلت کو گھٹایا جا سکے۔

تعجب انگیز بات یہ ہے کہ یہ مؤلفہ بعض مسیحی مستشرقین کو سخت متعصب اور دشمن اسلام سمجھتی ہے، جیسے اُس نے لامانس کا حوالہ دیا ہے کہ وہ اسلام دشمنی میں سب سے آگے ہے کہ وہ تاریخ اسلام سے کھیلتا رہا ہے لیکن نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ انھیں اسلام کا دشمن کہنے کے باوجود انھی کے پھندوں میں پھنس کر رہ گئی۔ نہ غور کیا نہ فکر کیا۔ انھی کی خرافات کو حقیقت پر ترجیح کیا اور اس تاریخی خیانت کو وحی آسمانی خیال کیا اور اُس نے خود اپنی ذہنی خرافات سے کہ جس طرح افسانہ نویسوں کی عادت ہے مدد حاصل کی اور یہ جھوٹ اپنی کتاب میں لکھ دیا۔

ہم اس جگہ علامہ سیّد محسن امین کا وہ جواب پیش کرتے ہیں جو اُنھوں نے ان جھوٹے خرافاتی مؤلفین کے اس جھوٹ کی دھجیاں اُڑائی ہیں۔ اُنھوں نے اپنی کتاب "دائرۃ المعارف اسلامی شیعی" میں پیغمبرؐ و علیؑ و فاطمہؑ کے خلاف سازشیں کے عنوان سے تحریر کیا ہے۔

"ذخائر العقبیٰ" میں روایت ہے کہ امام علی علیہ السلام نے اپنی زوجہ حضرت فاطمہ علیہا السلام کے باوجود ابوجہل کی بیٹی کے ساتھ نکاح کرنا چاہا۔ اس امر نے پیغمبرؐ خدا کو رنجیدہ کر دیا۔ آپؐ غیظ و غضب کی حالت میں منبر پر تشریف لے گئے۔ اس جھوٹے انسان کی اس جھوٹ گھڑنے سے مراد یہ تھی کہ علیؑ پر طعن و تشنیع کی، اس کے علاوہ اُس نے کوشش کی کہ وہ پیغمبرؐ خدا پر طعن و طنز کرے کہ اُس نے پیغمبرؐ خدا کا یہ تعارف کرایا کہ اُنھوں نے شریعت کے مقررات سے اپنے آپ کو اور اپنے اَقارب کو مستثنیٰ قرار دیا اور دوسروں کو تاکید و وصیت کی کہ وہ ان قوانین پر سختی کے ساتھ عمل کریں۔

اس جھوٹے انسان نے پیغمبرؐ خدا کی عدالت کی تشریح اس صورت میں کی کہ وہ کیسے پیغمبرؐ عادل تھے کہ قانون و نظام خانوادہ کو اپنی بیٹی کی رضا کے لیے اپنے پاؤں کے نیچے رکھ دیا۔ اس کے داماد نے کوئی غیر شرعی کام نہیں کیا تھا۔ اس پر سخت ناراض ہوئے۔ یہ کتنا بدترین جھوٹ ہے کہ اس جھوٹے نے اس بزرگوار کی طرف اس کی نسبت دے دی۔ نبی کریمؐ کے ان دشمنوں نے بھرپور زور لگایا کہ وہ ان کی مخالفت اور توہین کریں۔ اس راہ میں اُن سے جس قدر بن آیا اُنھوں نے کر دکھایا۔ اُنھوں نے اپنی کتابوں میں اُنھی خرافات کو جمع کیا جن سے پیغمبرؐ کی توہین کا پہلو نکلتا ہو۔ دفاع کرنا تو اپنی جگہ پر رہا توہین کے دروازے کھولنے کی بھرپور کوشش کی۔

اس جھوٹ سے جناب امیر علیہ السلام کی توہین کرنے کی کوشش کی کہ اس دروغ پرداز نے اس گرامی قدر جہان ہستی

کا یہ تعارف کیا کہ اُنھوں نے نہ صرف سیدہ نساء العالمین دختر ہاشت کو ناراض کیا، بلکہ خود پیغمبرؐ خدا کو بھی ناراض کیا۔

اُس ظالم نے جناب سیدہ فاطمہ زہراؑ کی بھی اہانت کی۔ اُس نے اپنی اس تاریخی خیانت کے ساتھ آپؑ کی یہ معرّفی کرائی کہ آپؑ نے اس شریعت مقدسہ کا انکار کیا، جو شریعت آپؑ کے والد گرامی لائے تھے۔

ہم مزید اس دروغ رُسوا کی سند تلاش کرنے کی کوشش نہیں کرتے، کیونکہ اس جھوٹ کی اساس ہے ہی نہیں۔ اگر ہے تو وہ فساد و شرارت ہے۔ جی ہاں! ہم یہ تو سوال کر سکتے ہیں کہ ان دروغ سازوں کو جمال و کمال اور شرافت و جلالت میں صرف ابوجہل کی بیٹی ہی نظر آتی تھی۔ اس کے علاوہ اس جیسی پورے عرب میں کوئی عورت نہیں تھی......؟ کہ جس کی خواستگاری کے لیے جناب امیر علیہ السلام تشریف لے گئے۔

ان دروغ پردازوں نے ابوجہل کی بیٹی کی خواستگاری کی نسبت امام علی علیہ السلام کی طرف اس لیے دی، تا کہ ان کی منزلت کو طعن و تشنیع سے گرا دیا جائے۔ انھوں نے اپنے اس جھوٹ سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ امام علی علیہ السلام اس قماش کے آدمی تھے کہ وہ ابوجہل (جو پیغمبرؐ اسلام کا بدترین دشمن تھا۔ اُس نے ہمیشہ رسولؐ اللہ کو اپنی زندگی میں بے پناہ اذیتیں دینے کی کوشش کی تھی)۔ اُسی کی بیٹی سے خواستگاری کرنے چلے۔ اُنھیں نہ رسولؐ اللہ کی عظمت کا خیال آیا اور نہ ان کی بیٹی کے جذبات کا خیال، جو ان کی زوجہ تھیں۔ انھی الفاظ سے وہ خود اپنی سازش کے ہاتھوں پکڑے گئے اور وہ اپنے اختراع و ایجاد سمیت رُسوا ہوئے۔ اگر ان میں تھوڑی سی عقل ہوتی اور دینی شعور ہوتا تو ایسی لاف گزاف نہ کرتے اور اپنی مدح و توصیف نہ کرتے۔ پیغمبر گرامیؐ اور اُن کے برادر گرانقدر اور اُن کی پُرعظمت بیٹی کو یوں دشنام نہ دیتے۔

ان جھوٹے لوگوں نے اپنے جھوٹ کو مضبوط بنانے کے لیے یہ قصہ بھی گھڑا کہ پیغمبرؐ گرامی کا بنوعبدشمس میں سے ایک داماد تھا۔ آپؐ نے اُس کے بارے میں فرمایا تھا کہ اُس نے جب بھی مجھ سے کوئی بات کی سچ کی، جو وعدہ کیا اُسے پورا کیا۔ یعنی اس سے یہ مراد ہے کہ پیغمبر گرامیؐ اپنے اس داماد کی تعریف و توصیف کرتے تھے اور آپؐ کے داماد جو امام علیؑ تھے (نعوذ باللہ) وہ سچی بات نہیں کرتے تھے اور وعدہ وفا بھی نہیں تھے اس لیے رسولؐ اللہ ان کی دامادی کو اچھی طرح سے نہیں دیکھتے تھے۔

اس طرح کہ جس طرح ہم نے کہا ہے یہ سازش اپنے آپ ہی رُسوا ہوئی۔ اس سے قبل کہ ہم اس کا جواب دیں اہل خرد خوب جانتے ہیں کہ یہ واضح جھوٹ ہے، جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یہ بھی ہے کہ ان لوگوں نے پیغمبر گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت امام علی علیہ السلام اور سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی اہانت کے لیے ایک اور جھوٹ کی ساخت پرداخت کی ہے۔ اُنھوں نے بھرپور کوشش کی ہے کہ اس وسیلے سے لوگوں کی نظریں حقیقت سے دُور رہیں۔ اُنھوں نے سیدہ فاطمہؑ کو

غضب ناک صورت میں پیش کیا اور اس کا مقصود امام علی بن ابی طالبؑ کو بنایا۔ اُن لوگوں نے اس جھوٹی اور رُسوا خبر کو مختلف قسم کی نصوص سے گزار کر پیش کی، تاکہ ہر نص میں ایک مستقل غایت پیدا ہو جائے۔

برائے نمونہ جو چیز اُنھوں نے نقل کی ہے وہ یہ ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّی یُرِیْبُنِی مَا رَابَهَا وَیُؤْذِیْنِی مَا آذَاهَا

"فاطمہؑ میرے جسم کا پارہ ہے، جس نے اُنھیں رنجیدہ کیا اُس نے مجھے رنجیدہ کیا"۔

اُنھوں نے اس حدیث کی تفسیر یوں کی کہ اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امام علی علیہ السلام پر حضرت فاطمہؑ پر سوکن لانا حرام قرار دیا تھا، کیونکہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت ہوتی تھی۔

حضرت امام حسن علیہ السلام کی ولادت باسعادت

جب سیدہ نساء العالمینؑ کو ان کی زندگی کی بارھویں بہار نے خدا حافظی کہی تو آپؑ نے اپنے وجود میں اپنے پہلے گرانقدر فرزند کے نُور کو محسوس کیا، کیونکہ امام علی علیہ السلام کے نُور کا حصّہ اور اُن کی امامت اُن کے وجود سے حضرت زہراؑ کے وجودِ ذیجود میں منتقل ہوا۔ جس وقت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کا نُورِ وجود آپؑ کے پاکیزہ بدن میں منتقل ہوا تو اُن کے نُور کی تجلی سے آپؑ کے نُورافشاں چہرے کی درخشندگی دوبالا ہوئی۔ تو آپ کے اسم زہراؑ کی صداقت جلوہ گر ہوئی۔ جس روز آپؑ کے فرزند دلبند کی ولادت قریب ہوئی اُسی دن پیغمبرؐ اسلام کو ضروری کام کے لیے سفر پر جانا پڑا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا حافظی کے لیے اپنی دُختر حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے خانۂ اقدس میں تشریف لائے اور وہاں مولودِ منتظر کی ولادت کے بارے میں چند وصیتیں فرمائیں اور فرمایا کہ بہت جلد وہ اپنے نُورِ وجود سے کائنات میں نُور بارانی کریں گے۔ آپؑ نے فرمایا: جب وہ پیدا ہو جائیں تو اُنھیں زرد رنگ کے کپڑے میں نہ لپیٹنا۔

پیغمبرؐ اسلام کے سفر کے جانے کے بعد خانۂ نُور کے پہلے فرزند نے ۱۵ رمضان المبارک تین ہجری کو اس جہان میں مبارک آنکھیں کھولیں۔ جس دن اس مبارک نوزاد کی ولادت باسعادت ہوئی وہ دن عظیم تھا۔

جب اُفقِ امامت سے خورشید امامت نے طلوع کیا اور جہاں کو اپنے نُورِ وجود سے منور کیا تو اس وقت جنابِ اسماء بنت عُمیس دوسری خواتین کے ساتھ حاضر تھیں۔ اُنھوں نے مبارک نوزاد کو زرد رنگ کے پارچے میں لپیٹا۔ اُنھوں نے اس اَمر میں نہ تو جان بوجھ کر ایسا کیا اور نہ پیغمبرؐ کے فرمان کی مخالفت کی۔ پس ان کے ذہن میں یہی آیا اور خوب صورت زرد رنگ کے کپڑے میں نومولود کو لپیٹ لیا۔

جب پیغمبر اکرم ﷺ سفر سے واپس تشریف لائے تو فوراً اپنی بیٹی کے گھر میں آئے اور فرمایا: نومولود کو اُن کے ہاں لایا جائے، تاکہ میں اپنے فرزند کو دیکھوں اور یہ بتاؤ کہ بچے کا نام کیا رکھا ہے؟

حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام نے حضرت امام علی علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ آپ بچے کا نام رکھیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا تھا: میں بچے کے نام رکھنے میں رسولؐ اللہ پر سبقت نہیں کرسکتا۔

جب رسولؐ اللہ نے بچے کو دیکھا کہ اُسے زرد رنگ کے پارچے میں لپیٹا گیا ہے تو آپؐ نے فرمایا: کیا میں نے تمھیں ایسا کرنے سے روکا نہیں تھا؟ آپؐ نے وہ زرد رنگ کا کپڑا اُتار کر پھینک دیا اور سفید رنگ کا کپڑا لیا اور اُس میں نوزاد کو لپیٹا۔

آپؐ نے امام علی علیہ السلام سے پوچھا: یا علیؑ! بچے کا نام کیا رکھا ہے؟

امام علی علیہ السلام نے عرض کیا: میں نام رکھنے میں آپؐ پر کیسے سبقت حاصل کرسکتا تھا؟

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں بھی اپنے اللہ پر اس بچے کے نام رکھنے میں سبقت نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل امینؑ پر وحی فرمائی کہ میرے نبیؐ کے گھر میں بچہ پیدا ہوا ہے تو اُن کے پاس جا اور اُنھیں سلام پیش کر اور مبارک دے اور ان سے کہہ: یارسولؐ اللہ! علیؑ کی منزلت آپؐ کے ساتھ وہی ہے جو ہارونؑ کی موسیٰؑ کے ساتھ تھی۔ آپؐ اس بچے کا نام ہارونؑ کے فرزند کے نام پر رکھیں۔

جنابِ جبرئیلؑ نازل ہوئے اور اُنھوں نے رسولؐ امین کو اللہ کی طرف سے مبارک پیش کی۔ عرض کیا: اے اللہ کے نبیؐ! اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ اس فرزند کا اسم ہارونؑ کے فرزند کے نام پر رکھو۔

رسولؐ اللہ نے فرمایا: ہارونؑ کے بیٹے کا نام کیا تھا؟

جبرئیلؑ نے عرض کیا: ان کا نام شبر [1] تھا۔

نبی کریمؐ نے فرمایا: میری زبان عربی ہے۔

جبرئیلؑ نے عرض کیا: اس فرزند کا نام حسنؑ رکھیے۔ پس آپؑ کا نام حسنؑ رکھا گیا۔ رسولؐ اللہ نے ان کے دائیں کان میں اذان دی اور بائیں کان میں اقامت کہی۔

حضرت امام حسن علیہ السلام کے ساتویں روز ولادتِ عقیقہ کے لیے دو نیلگوں رنگ کے مینڈھے ذبح فرمائے۔ ان میں

---

[1] شبر عبرانی زبان کا لفظ ہے، عربی کا نہیں ہے۔

سے ہر ایک کی ایک ایک ران اور کچھ دینار دایہ کی طرف بھجائے۔ نوزاد کے سر مبارک کے بالوں کو اُتارا گیا۔ اُن بالوں کے وزن برابر چاندی فقرا اور مساکین میں تقسیم کر دی گئی۔ پھر نوزاد کے سر مبارک کو زعفران اور عطر وغیرہ کے مرکب سے عطر آگین کیا گیا۔ آپؐ نے اس وقت کی جاہلیت کی ایک رسم کو ختم فرما دیا۔

آپؐ نے فرمایا: زمانہ جاہلیت میں لوگ نومولود کے سر کو خون سے رنگین کرتے تھے، یہ ناپسندیدہ فعل ہے۔

آپؐ نے نوزاد کے سر پر بوسے دیے، انھیں اپنی محبت کا مرکز ٹھہرایا اور نومولود کے دہن مبارک میں اپنی زبان نبوت پیوست کی۔ مبارک مولود نے نبوت کی زبان سے روحانی غذا حاصل کی۔ آپؐ نے یہ تمام اہتمامات ولادت کے ساتویں دن فرمائے۔ (بحارالانوار، ج ۴۴)

ولادت حضرت امام حسین علیہ السلام

حضرت امام حسن علیہ السلام کی ولادت باسعادت کے کچھ عرصہ بعد حضرت فاطمہ زہراؑ نے اپنے بطن اقدس میں اپنے دوسرے فرزند کے وجود کو محسوس فرمایا۔ جس طرح رسول اکرمؐ نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ ان کے مطابق حضرت امام حسین علیہ السلام نے چھٹے ماہ اپنی والدہ گرامی کے بطن مبارک میں رہنے کے بعد اس جہان میں اپنی آنکھیں کھولیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا حضرت امام حسین علیہ السلام کی ولادت باسعادت کے بارے میں فرمان ہے کہ ایک دن حضرت اُمِ ایمنؓ کے کچھ ہمسائے بارگاہِ رسالت میں پہنچے اور کہا: یارسولؐ اللہ! آج ساری رات جنابِ اُمِ ایمنؓ صبح تک روتی رہیں۔ ان کی رنجیدگی کی وجہ سے ہم بھی ساری رات رنجیدہ خاطر رہے ہیں۔ پیغمبرؐ اکرم نے کسی کو ان کے گھر بھیجا۔ جنابِ اُمِ ایمنؓ تشریف لائیں۔ آنحضرتؐ نے انھیں فرمایا: خداوند آپؓ کو نہ رُلائے، آپؓ کے ہمسائیوں نے کہا ہے کہ آپ گذشتہ رات ناراحت اور روتی رہی ہیں، آخر کیوں؟

جنابِ اُمِ ایمنؓ نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! میں نے گذشتہ رات خوفناک خواب دیکھا جس کی وجہ سے میں سپیدۂ سحر تک روتی رہی۔

پیغمبر گرامیؐ نے فرمایا: اپنا خواب بیان کیجیے کیونکہ اللہ اور اس کے رسولؐ داناتر ہیں۔

جنابِ اُمِ ایمنؓ نے عرض کیا: مجھ میں ہمت نہیں ہے کہ میں اس خواب کو بیان کروں۔

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: جو کچھ تم نے سوچ رکھا ہے وہ بات نہیں ہے، اپنا خواب بیان کیجیے۔

جنابِ اُمِ ایمنؓ نے عرض کیا: میں نے آج شب خواب میں دیکھا کہ آپؐ کے مقدس جسم کا عضو میرے گھر

میں آن پڑا ہے۔

پیغمبر گرامیؐ نے فرمایا: آپؑ نے خوب صورت اور خیر وعافیت والا خواب دیکھا ہے۔آپؑ کے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ میری دختر حضرت فاطمہ زہراؑ کے ہاں فرزند پیدا ہونے والا ہے۔آپؑ نے اس نومولود کی پرورش و پرستاری کرنی ہے۔وہ بچہ میرے وجود کا حصّہ ہے جو آپؑ کے گھر میں پرورش پائے گا۔

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد شہزادہ حسینؑ نے اُفق سرائے امامت سے طلوع کیا۔جنابِ اُمِ ایمنؑ نے آپؑ کو اپنی آغوش میں لیا اور انھیں آپؑ کے جدِ بزرگوار کی بارگاہ میں پیش کیا۔آنحضرتؐ نے اپنے شہزادے حسینؑ کو اپنی گودِ نبوت میں لیا اور فرمایا: خوش آمدید اُٹھانے والے کے لیے اور اُٹھائے جانے والے کے لیے۔اے اُمِ ایمن! یہ ہے آپؑ کے خواب کی تعبیر!

حضرت عباس کی زوجہ اُمِ الفضل نے وہی خواب دیکھا تھا جو جنابِ اُمِ ایمن نے دیکھا تھا۔جس وقت اس آفتابِ امامت کی ولادت ہوئی تو بہت سی ہاشمیات سیّدہؑ کے گھر جمع ہوئیں۔اُن میں سے کچھ کے نام یہ ہیں۔جنابِ صفیہؑ دختر عبدالمطلب حضرت اسماء بنت عمیس، حضرت اُمِ سلمہؑ وغیرہ۔

اس خورشید جہان افروز کے طلوع کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

یَاعَمَّہ! ھَلُمِّیْ اِلَیَّ اِبْنِیْ

"پھوپھی جان! میرے فرزند کو میرے پاس لے آیئے"۔

جنابِ صفیہؑ نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! ابھی تک ہم نے نومولود کو تیار نہیں کیا ہے۔

رسولؐ اللہ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی نَظَّفَہٗ وَطَھَّرَہٗ

"اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُنھیں پاک و پاکیزہ بنایا ہے، اُنھیں میرے پاس لے آئیں"۔

اس دوران فرشتۂ وحی نازل ہوا اور اُس نے رسولؐ اللہ کو اللہ کا پیغام دیا: "اس نومولود کا اسمِ مبارک ہارونؑ کے دوسرے فرزند کے نام پر رکھیے۔ان کا نام عبرانی زبان میں شبیر ہے اور اس کا معنی عربی میں حسین بنتا ہے۔اس لیے ان کا نام حسینؑ رکھیے"۔

بعد ازیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ملائکہ فوج در فوج نازل ہونے لگے۔وہ پہلے اس خورشید امامت کے طلوع کی مبارک دیتے۔پھر اُن کی شہادت کی تعزیت پیش کرتے۔(حیات الحسینؑ: ج۱،ص ۴۷، جلاء العیون: ج۱۷،ص ۱۸)

پیغمبر گرامیؐ نے اپنے فرزند کو اپنی گودِ رسالت میں لیا اور اُن کے دہن اقدس میں اپنی زبانِ وحی داخل فرمائی تو شہزادہ حسینؑ نے زبانِ وحی کو چوسنا شروع کیا۔

رسول اللہ ﷺ روزانہ اپنی دختر کے خانۂ اقدس میں تشریف لاتے اور اپنے فرزند حسینؑ کے دہن مبارک میں اپنی زبانِ وحی داخل کرتے۔ شہزادہ اپنے نانا بزرگوار کی زبان کو چوستے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کا گوشت پوست رسولؐ اللہ کے لعاب سے پیدا ہوا اور آپؑ کے جسم مبارک کی ہڈیاں بھی لعابِ رسولؐ اللہ سے مضبوط ہوئیں۔

اس شہزادے نے نہ اپنی والدہ گرامی کا دودھ پیا اور نہ کسی اور خاتون کا دودھ نوش فرمایا۔

حضرت علامہ بحر العلوم نے اس واقعہ کو یوں منظوم فرمایا:

لِلّٰہِ مُرْتَضِعٌ لَمْ یَرْتَضِعْ اَبَدًا
مِنْ ثَدْیِ اُنْثٰی وَمِنْ طٰہٰ مَرَاضِعُہٗ
یُعْطِیْہِ اِبْھَامَہٗ آنًا فَاٰوِنَۃً
لِسَانَہٗ فَاسْتَوَتْ مِنْہُ طَبَائِعُہٗ

"اللہ کی قسم! اس نوزاد فرزند نے کسی خاتون کا دودھ نہیں پیا۔ اُنھیں دودھ پلانے والے اللہ کے نبیؐ تھے۔ وہ کبھی اُن کے دہنِ مبارک میں اپنی اُنگلی دیتے تھے اور کبھی اپنی لسانِ وحی، اسی طریقے سے اُن کا سازمانِ وجود اَوجِ کمال تک پہنچا۔

ابھی اِس اختر تابناک کو اُفقِ سرائے زہراؑ پر طلوع ہوئے ساتواں دن ہوا تھا کہ اُن کے سرِ مبارک کے بالوں کو صاف کیا گیا اور ان بالوں کے وزن کے برابر چاندی اللہ کے راستے میں خرچ کی گئی اور اُن کی سلامتی اور شکرِ خداوندی کے لیے قربانی کی گئی۔ (بحار الانوار: ج ۴۳، ص ۱۹۸، اصولِ کافی: ج ۱، ص ۲۶۵)

حضرت امام حسین علیہ السلام کی زندگی کی تمام تفصیلات ہماری کتاب "الامام الحسینؑ من المھد الی اللحد" میں موجود ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

سیدہ زینب الکبریٰؑ کی ولادت باسعادت

خاندانِ وحی کی تیسری اولاد دُخترِ ایمان و حریت حضرت زینب کبریٰؑ ہیں کہ جنھوں نے اپنے برادر امام حسین علیہ السلام

کے بعد اس جہان میں آنکھیں کھولیں۔ حضرت امیرالمومنینؑ کی دختر حضرت زینبؑ کی تاریخ ولادت بھی ہے جو ہم نے بیان کی ہے کہ آپ اپنے بھائی امام حسینؑ کے بعد پیدا ہوئیں۔ اکثر مورخین ومحدثین نے اسی نظریے کی تائید کی ہے لیکن بعض مفاد پرست مورخین نے حضرت زینبؑ کو حضرت فاطمہ زہراؑ کی چوتھی اولاد مشہور کیا ہے، تاکہ اپنی اس چال سے اس ظلم پر پردہ ڈال سکیں جو کچھ لوگوں نے سیّدہ زہراؑ کے دروازے پر ہجوم کیا تھا اور جب حضرت فاطمہؑ دروازے اور دیوار کے درمیان اس ہجوم کے ذریعے فشار میں آئی تھیں تو وہیں جناب محسنؑ شہید ہو گئے تھے۔

جی ہاں! ان مورخین نے اس دردناک جرم وجنایت کو چھپانے کے لیے یہ ظاہر کیا کہ سیّدہ نساء العالمین نے اپنے فرزند محسنؑ کے سقط ہونے کے بعد ایک اور بچے کو جنم دیا یعنی اُنھوں نے کوئی خاص صدمہ نہیں دیکھا۔ ان مورخین میں سے کہ جنھوں نے اس بے اساس نظریے کو قبول کیا ان میں سے ایک بنت الشاطی مصری ہے کہ وہ اس مورد میں لکھتی ہے کہ حضرت زہراؑ پیغمبر گرامیؐ کی گراں قدر بیٹی تھیں۔ انھوں نے رسول اللہؐ کی زندگی میں دو فرزندوں کو جنم دیا کہ جن سے پیغمبرؐ خدا کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔ آپؑ رسول اللہؐ کی زندگی میں کوئی تیسری اولاد کو جنم نہ دے سکیں سوائے جنابِ محسنؑ کے۔ یہ ان کے مقدر میں نہ تھا کہ وہ اس بلند وبالا گھر میں آکر اپنے نورِ وجود سے جہاں کو منور کرتے۔

یہاں مولف کوئی خاص ضرورت محسوس نہیں کرتے کہ وہ یہاں اس بے اساس نظریے کا جواب دیں۔ آگے میدان وسیع پڑا ہے جس میں سیر حاصل بحث کی جائے گی کہ حضرت محسنؑ کا واقعہ کس طرح پیش آیا۔ حضرت محسنؑ حضرت فاطمہ زہراؑ کے آخری بچے تھے۔ ان کی شہادتوں کا سبب ان کا سقط ہونا ہے۔ جس وقت حضرت فاطمہ زہراؑ اپنے گھر کے در ودیوار کے درمیان باہر کے ہجوم کے زور سے پھنس گئی تھیں تو حضرت محسنؑ کا سقط ہوا تھا اور وہ شہید ہو گئے تھے۔

ہم یہاں اپنی اس کتاب کے اُسلوب کے مطابق سیّدہ زینب کبریٰؑ کی زندگی کے مختصر حالات لکھ رہے ہیں۔ اگر خداوند تعالیٰ نے توفیق دی تو اُن کے مفصل اَحوال اپنی کتاب زینب الکبریٰ من المہد الی اللحد میں لکھیں گے۔ ان کی حیاتِ مشرفہ قابلِ بحث ہے کہ ان کی زندگی پر سیر حاصل بحث کی جائے۔

تاریخ ولادت

اس بانوئے بزرگوار صاحبِ خرد وایمان حضرت زینب عالیہؑ کی ولادت باسعادت پانچ ہجری کو ہوئی۔ آپؑ خاندانِ وحی ورسالت کی تیسری اُولاد ہیں۔

میں انھیں ہر قسم کی تعریف وتوصیف سے بے نیاز جانتا ہوں۔ آپؑ کی عظمت ومنزلت کائنات پر بھاری ہے۔

ان کی شان و شوکت کون بیان کرسکتا ہے جن کے بابا امام مرتضیٰ علیؑ ابن ابی طالبؑ ہوں۔ جن کی والدہ سیدہ نساء العالمین صدیقہ کبریٰ فاطمہ زہراؑ اور وہ پارہ جگرِ رسالت مآبؐ ہوں۔ جس کے برادران جوانانِ جنت کے سردار ہوں۔ دین و دنیا کے رہبر و امام ہوں۔ کیا ممکن ہے کہ ان کی کوئی فضیلت بیان کر سکے۔

یہ حقیقت ہے کہ وہ ثمرِ فضیلت ہیں اور شعارِ عزت و عظمت ہیں۔ شرافت و پاکیزگی کے ہالہ نے اُنھیں اپنے اندر گھیر رکھا تھا۔ آپؑ کی رفعت کا کیا کہنا؟ آپؑ کی کس کس صفت کو لیا جاسکتا ہے، اس ملکوتی سینے کا کیا کہنا جس سے آپؑ نے دودھ پیا۔ وہ گود کتنی پرعظمت ہے جس میں آپؑ نے تربیت پائی۔ وہ تربیت و پرورش جو آپؑ نے پائی اس کی مثال ناپید ہے۔ اس گھر کی روحانیت و معنویت کا کیا کہنا جس میں آپؑ نے آنکھیں کھولیں۔

اُن عوامل کے بارے میں نہیں پوچھا جاسکتا جو آپؑ کو ورثے میں ملے۔ جس انداز سے آپؑ کی تربیت ہوئی وہ خاندانی فضا جس میں آپؑ نے آنکھیں کھولیں اور بچپن گزارا اور پلی بڑھیں وہ نور کی ضوفشانیوں سے ضوفشاں تھا۔ آپؑ نے اس مقدس خانوادے میں ہر لحہ تقدس سے ہم کنار رہیں۔ آپؑ کو اس گھرانے میں تہذیب و اخلاق کے وہ دروس ملے جو وحیِ آسمانی کا جوہر تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ بات کس قدر دردناک ہے کہ تاریخ نے ان پر کس قدر مظالم کے پہاڑ ڈھائے بالکل اس طرح جس طرح تاریخ نے اُن کے والد گرامی اور والدہ معظمہ کے ساتھ اور اُن کے تمام خاندان کے ساتھ سلوک کیا۔ جس طرح عقیلہ قریش کی شخصیت تھی۔ اس طرح تاریخ نے آپ کو پیش نہیں کیا۔ جس طرح اُن کی شخصیت کا تقاضا تھا اس طرح تاریخ نے زینب الکبریٰ عقیلہ بنی ہاشم دختر فرزانہ پیغمبرؐ کے عظیم الشان کارناموں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی۔

آپؑ کے نانا بزرگوار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپؑ کا اسم گرامی زینبؑ رکھا یعنی زین اَب "باپ کی زینت"۔

الشیخ محمد جواد مغنیہ نے اپنی کتاب (الحسین وبطلۃ کربلا) میں مصر کے ایک رسالہ الجمہوریہ (۳۱/۱۰/۷۲) کا ایک مقالہ اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ ہم اس کے کچھ اقتباسات یہاں نقل کیے دیتے ہیں:

"حضرت زینبؑ شعبان پانچ ہجری کو پیدا ہوئیں۔ ولادت کے بعد ان کی والدہ ماجدہ امام علی علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ ان کا نام رکھیں۔

آپؑ نے فرمایا: میں رسولؐ اللہ پر سبقت حاصل نہیں کرسکتا۔ رسولؐ اللہ سفر پر تھے۔ جب رسولؐ اللہ گھر تشریف لائے تو ان سے اس مولود کا نام پوچھا گیا کہ ان کا اسم کیا رکھیں۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا: میں اپنے رب پر سبقت نہیں کرسکتا۔ اس وقت جبرئیل امینؑ نازل ہوئے اور اُنھوں نے آپؐ کو ربِ جلیل کے سلام عرض کیے اور عرض کیا: اس

مولودہ کا اسمِ گرامی زینبؑ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام بھی چنا ہے۔

پیکر پائیداری و استحکام

عقیلۂ قریش ایک درخشاں زندگی کی مالک تھیں۔ تاریخ ان کے فضائل و مواہب سے سرشار ہے۔ اُن کی الہام بخش زندگی کے تمام مراحل درس آموز، نمونۂ جرأت و شجاعت، حریت کے دفاع کے لیے حوادث دردناک سے بھرپور ہیں۔ ابھی آپؑ اپنے عہدِ طفولیت میں تھیں کہ آپؑ کو اپنے جدِ نامدار رسول اللہؐ کی وفات کا صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ کچھ عرصہ بعد آپؑ کے سر سے مہربان والدہ کا سایہ اُٹھ گیا۔ اپنی والدہ کی جاں سوز جدائی کے بعد آپؑ کو وہ دن بھی دیکھنے پڑے جب آپؑ کے والد نامدار کو گوشہ نشین کر دیا گیا۔ اُن سے تمام امکانات و اختیارات سلب کر لیے گئے۔

جب امیرِ حریت نے مدینہ سے کوفہ کی طرف ہجرت فرمائی تو آپؑ کو بھی اُن کے ساتھ جانا پڑا۔ خداوند تعالیٰ کی مشیت اس میں تھی کہ آپؑ کو وطن سے دُور پردیس میں ایک بہت بڑا صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ ایسا صدمہ جس سے آسمان لرز کر رہ گئے وہ آپؑ کے مہربان والد کی دردناک شہادت تھی۔

اپنے والد مہربان کی شہادت کے بعد حالات نے یک دم کروٹ بدلی کہ زمانے کے امام، امام حسن علیہ السلام کے خلاف اُموی سربراہ نے جنگ و حرب کا میدان شعلہ ور کر دیا۔ اس جنگ کے جو نتائج سامنے آئے وہ اہلِ بیتؑ رسولؐ کے حق میں نہ تھے۔ اُنھی حالات کے ہاتھوں اور ابلیسی کوششوں نے وہ کام کیا کہ فرزندِ رسولؐ کو سمِ خیانت سے منزلِ شہادت پر پہنچا دیا گیا۔ استبدادی سازشوں نے اپنے ضربِ زور اور فریب و خیانت سے عالمِ اسلام کی روح کو اس قدر خوف زدہ کیا اور حالات میں کچھ ایسی بگاڑ پیدا کر دی گئی کہ عوام پریشان ہو گئے کہ اب حق کا ساتھ دیتے ہیں تو جان جاتی ہے، باطل کا ساتھ دیتے ہیں تو ایمان جاتا ہے۔ ان حالات نے عقیلۂ قریش کی روح کو تڑپا کر رکھ دیا۔

ابھی چند سال گزرے تھے کہ عقیلۂ قریش کو ایک دردناک عظیم ترین سانحہ سے گزرنا پڑا۔ ایسا سانحہ جس نے زمین کو لرزا دیا۔ آسمان کانپ اُٹھا۔ کائنات میں ہلچل مچی۔ وہ تاریخی واقعہ کربلا تھا لیکن تعجب انگیز امر یہ ہے کہ اس دخترِ امیرِ حریت دانش منش خاتون نے ان شدید ترین حوادث کے سامنے استقلال و پائیداری کا مظاہرہ کیا۔ آپؑ نے ان بدترین حالات میں روحِ اسلامی اور حقوقِ بشر کا شجاعت و بہادری سے دفاع کیا۔ کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام تک اپنا وظیفۂ شرعی انجام دے کر واپس مدینہ تشریف لائیں۔

اس وقت استبدادی اُموی حکومت چار سو اپنے خونی پنجے گاڑھ چکی تھی۔ آپؑ نے ملکِ مصر کا رُخ کیا اور

خداوند تعالیٰ کی یہی مشیت تھی کہ وہاں آپؑ اس جہان کو الوداع کہیں، تاکہ آپؑ کی آرام گاہ قیامت تک ہزاروں، لاکھوں قلوب کے لیے نقطۂ اُمید بنے۔

جی ہاں! اے قاریٔ عزیز! اُمیر حریت کی مجاہدہ اور مبارزہ دختر فرزانہ کی زندگی کی یہ ایک جھلک ہے جو آپؑ نے مطالعہ کی ہے۔ ان پر اور ان کے جدِّ بزرگوار پر اور اُن کے والدین اور بھائیوں پر درود وسلام ہوں۔

حضرت اُم کلثوم علیہا السلام کی ولادت

اس عظیم مگر سادگی سے لبریز گھرانے میں ایک اور بچی نے جنم لیا۔ اس گھر میں پیدا ہونے والی یہ دوسری دختر تھی اور اُن کا نمبر چہارم تھا۔ اس بانو کا بھی اس گھر میں اس طرح استقبال کیا گیا جس طرح پہلے آنے والے فرزندوں کا استقبال کیا گیا تھا۔

حضرت اُم کلثوم اپنی بڑی بہن حضرت زینبؑ کی تمام صفات میں شریک تھیں۔ دونوں کا نسب ایک تھا جو تربیت وتہذیب اُنھیں ملی تھی آپؑ کو بھی وہی تربیت ملی۔ البتہ کچھ اَحوال کی بنا پر آپؑ کی زندگی جنابِ زینبؑ عالیہ کی زندگی سے مختلف تھی۔

جی ہاں! تاریخ نے اس خاندان پر جو مظالم ڈھائے آپؑ اپنی بڑی بہن کے ساتھ ان مظالم کو برداشت کرنے میں برابر کی شریک تھیں۔ خدا کی قسم! خاتون کی حیثیت سے جو مظالم آپؑ نے برداشت کیے مردوں میں طاقت نہیں کہ وہ اُنھیں برداشت کرتے۔ ہم ان شاء اللہ ان کے احوالِ زندگی زینب الکبریٰ من المہد الی اللحد میں پیش کریں گے۔

آئینہ قرآنی میں دخترِ بہشت کی تابناک جھلک

آیتِ قربیٰ وہ آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت فاطمہ زہراؑ کی شان ومنزلت بیان فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمانِ ذیشان ہے:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ○ (سورۂ شوریٰ: آیت ۲۳)

"کہہ دیجیے میں اس تبلیغ رسالت پر تم سے کوئی اَجر نہیں مانگتا سوائے قریب ترین رشتہ داروں کی محبت کے اور جو کوئی نیکی کمائے ہم اس کے لیے اس نیکی میں اچھا اضافہ کرتے ہیں اللہ یقیناً بڑا بخشنے والا، قدردان ہے"۔

جی ہاں! ہم نے اس آیت میں دیکھا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب فرمایا:

قُلْ (کہہ دیجیے اے محمدؐ اپنی اُمت کو) لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ (میں رسالت کی ادائگی پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا) اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (صرف میرے جو قریبی ہیں ان سے محبت و مودّت کیجیے)۔

ائمہ اہل بیت علیہم السلام اور اُن کے تمام اہل کتب اس اُمر پر متفق ہیں کہ الْقُرْبٰى سے مراد رسول اللہ کے قریبی ہیں۔

قربیٰ اور اہل قربیٰ کی تفسیر و تشریح میں احادیث متواترہ کثرت کے ساتھ کتب شیعہ اور کتب عامہ میں موجود ہیں۔ علمائے اہل سنت میں سے جن لوگوں نے اپنے صحاح اور تفاسیر میں اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ وہ یہ ہیں:

انھوں نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ جب یہ آیت قربیٰ نازل ہوئی تو صحابہ نے پوچھا:

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ قَرَابَتُكَ هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ وَجَبَتْ عَلَيْنَا مَوَدَّتُهُمْ؟

"یارسول اللہؐ! وہ کون ہستیاں ہیں جو آپؐ کے قریبی ہیں اور جن کی محبت ہم پر واجب ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: علیؑ و فاطمہؑ اور اُن کے دونوں بیٹے......

اس حدیث کو اہل سنت کے جن علماء نے ذکر کیا ہے وہ درج ذیل ہیں:

1. ابن حجر نے صواعق محرقہ میں۔
2. ثعلبی نے اپنی تفسیر میں۔
3. سیوطی نے الدر المنثور میں۔
4. ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں۔
5. الجوینی شافعی نے فرائد السمطین میں۔

ایک دوسری حدیث جو علامہ طبری اور ابن حجر نے پیش کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ اَجْرِيْ عَلَيْكُمُ الْمَوَدَّةَ فِيْ اَهْلِ بَيْتِيْ وَاِنِّيْ سَائِلُكُمْ غَدًا عَنْهُمْ

"خداوند تعالیٰ نے میرا اجر رسالت تم پر میرے قریبیوں سے مودت قرار دیا ہے خیال رکھنا کل قیامت کے روز میں تم سے ان کے بارے میں پوچھوں گا"۔

جی ہاں! یہ وہ محدثین ہیں، جنھوں نے اس حدیث کا ذکر اور نقل اجمالی طور پر کیا ہے۔

ائمہؑ اہلِ بیتؑ کی نظر میں "قربیٰ"

جی ہاں! ہمارے پاس وہ احادیث موجود ہیں کہ جنھیں ائمہ معصومینؑ نے اپنی کتبوں اور مناظروں میں پیش کیا ہے۔ انھوں نے مقصد و مراد قربیٰ پر کامل روشنی ڈالی ہے۔

① اَلصَّوَاعِق میں امیر المومنین حضرت امام علی علیہ السلام سے روایت ہے، سورۂ شوریٰ میں ہمارے خاندان کے بارے میں آیت ہے۔ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ہر باایمان شخص پر واجب ہے کہ وہ ہم سے محبت و مودت رکھے۔ پھر آپؑ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى

② صاحب الصواعق نے اپنی کتاب میں حوالہ دیا ہے کہ حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے ایک خطبے میں ارشاد فرمایا:

اَنَا مِنْ اَهْلِ الْبَيْتِ الَّذِيْنَ افْتَرَضَ اللّٰهُ مَوَدَّتَهُمْ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ، فَقَالَ: قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ وَاقْتِرَافُ الْحَسَنَةِ مَوَدَّتُنَا اَهْلِ الْبَيْتِ

"میں اس عظیم خاندان کا فرد ہوں کہ خداوند تعالیٰ نے ہر باایمان فرد پر ان کی محبت و مودّت واجب کی ہے۔ پھر آپؑ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا......

پھر آپؑ نے مزید فرمایا: آیت میں جس اجر رسالتؐ کی بات ہے وہ ہماری محبت ہے کہ ہم اہلِ بیتؑ رسولؐ سے محبت کرنا ہے۔

③ چوتھے امام نورؑ نے فرمایا: جب لوگوں نے انھیں مسجد اُموی کے دروازے پر حالتِ اسیری میں دیکھا تو ایک شامی نے ثواب سمجھتے ہوئے کہا: اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تم لوگوں کو نابود کیا اور امیر المومنین یزید (لعین) کو فتح عنایت کی۔

امامِ نورؑ نے صبر و تحمل کے ساتھ اور شیریں لہجے میں فرمایا: اے بندۂ خدا! کیا تُو نے اس آیت کو پڑھا ہے: قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى؟

اس آدمی نے کہا: ہاں پڑھی ہے۔

آپؑ نے فرمایا: ہم وہی خاندان ہیں کہ جن کے بارے میں اللہ نے اپنی یہ آیت اُتاری۔

④ صاحبِ دانش وبینش شاعر کمیت اسدی نے اس واقعہ کو یوں پیش کیا:

وَجَدْنَا لَکُمْ فِیْ آلِ حٰمٓ آیَۃً

تَاَوَّلَهَا مِنَّا تَقِیٌّ وَمُعْرِبُ

"ہم نے اے خاندانِ رسالت! تمھاری شان میں سورۂ شوریٰ کی آیت کو پایا ہے، چاہے ہم پرستارانِ حق ہوں یا کوئی دوسرے بھی اس آیت کی تاویل وتفسیر آپؑ کے حق میں کرتے ہیں"۔

⑤ جناب جابر انصاریؓ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوا۔ اُس نے عرض کیا: اے محمدؐ! مجھ پر اسلام پیش کیجیے۔

آپؐ نے فرمایا: گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور محمدؐ اُس کا بندہ اور رسولؐ ہے"۔

اس آدمی نے کہا: اس اسلام سکھانے کا مجھ سے کسی اجر کا سوال کرو گے؟

پیغمبرؐ خدا نے فرمایا: نہیں، میری رسالت کا اجر صرف یہ ہے کہ میرے قریبیوں سے محبت رکھنا۔

اُس نے پوچھا: آپؐ کے قریبی یا میرے قریبی؟

پیغمبرؐ خدا نے فرمایا: نہیں، میرے قریبی۔

اس آدمی نے کہا: آپؐ اپنا ہاتھ دیں، تاکہ میں آپؐ کی بیعت کروں۔ جو آپؐ سے محبت نہ کرے اور آپؐ کے قرابت داروں سے محبت نہ کرے اُس پر اللہ کی لعنت ہو"۔

پیغمبر گرامیؐ نے فرمایا: آمین!

اسی روایت کو گنجی نے کفایۃ الطالب، ص ۳۱ پر نقل کیا ہے۔

⑥ صاحب الصواعق المحرقہ نے ابن عربی کے دو شعر نقل کیے ہیں:

رَأَیْتُ وَلَائِیْ آلَ طٰهٰ فَرِیْضَۃً

عَلٰی رَغْمِ اَهْلِ الْبُعْدِ یُوْرِثُنِیْ الْقُرْبٰی

"میں خاندانِ پیغمبرؐ سے محبت کرنا واجب جانتا ہوں۔ ان لوگوں کے خلاف جو خاندانِ پیغمبرؐ سے دُوری اپناتے ہیں۔ آیتِ قربیٰ نے مجھے ان کے نزدیک کردیا ہے"۔

فَمَا طَلَبَ الْمَبْعُوْثُ اَجْرًا عَلَی الْهُدٰی

بِتَبْلِیْغِهٖ اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی

"پیغمبر گرامیؐ نے پیغامِ رسالت کی ترویج کے لیے اپنے قریبیوں سے مودّت کے علاوہ کچھ طلب نہیں فرمایا"۔

⑦ امام شافعی نے فرمایا:

یَا اَهْلَ بَیْتِ رَسُوْلِ اللهِ حُبُّكُمْ

فَرْضٌ مِنَ اللهِ فِی الْقُرْاٰنِ اَنْزَلَهٗ

"ہاں! اے عظیم الشان خاندانِ رسالتؐ! اللہ نے تمھاری محبت کا فریضہ اپنے قرآن میں نازل کر دیا ہے"۔

كَفَاكُمْ مِنْ عَظِیْمِ الشَّانِ اِنَّكُمْ

مَنْ لَمْ یُصَلِّ عَلَیْكُمْ لَا صَلَاةَ لَهٗ

"اور تمھاری عظمت اور شان و شوکت کے لیے اتنا کافی ہے کہ جو آدمی اپنی نماز میں تم پر درود نہیں پڑھتا اس کی نماز قبول نہیں ہوتی"۔

علامہ امینی نے الغدیر میں ۴۳ محدثین اور دانشوروں کے حوالے دیے جو سبھی اہلِ سنت سے تعلق رکھتے ہیں:

① امام احمد بن حنبل ② ابن منذر ③ ابن ابی حاتم

④ طبری ⑤ ابن مردویہ ⑥ ثعلبی

⑦ ابو عبداللہ ⑧ ابو الشیخ النسائی ⑨ واحدی

⑩ حافظ ابو نعیم ⑪ بغوی ⑫ البزار

⑬ ابن مغازلی ⑭ حاکم حسکانی ⑮ محب الدین

⑯ زمخشری ⑰ ابن عساکر ⑱ ابو الفرج اصفہانی

⑲ جوینی ⑳ نیشاپوری ㉑ ابن طلحہ

㉒ رازی ㉓ ابو السعود ㉔ ابو حیان

㉕ ابن ابی الحدید ㉖ بیضاوی ㉗ نسفی

۱۸ ہیثمی — ۱۹ ابن صباغ — ۲۰ گنجی

۲۱ مناوی — ۲۲ قسطلانی — ۲۳ زرندی

۲۴ خازن — ۲۵ زرقانی — ۲۶ ابن حجر

۲۷ سمہودی — ۲۸ سیوطی — ۲۹ صفوری

۳۰ صبان — ۳۱ شبلنجی — ۳۲ حضرمی

۳۳ نبہانی (الغدیر، ج ۳، ص ۱۰۹)

حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام آیت مباہلہ میں

خدائے جہان آفرین نے قرآن مجید میں فرمایا:

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ○ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ○ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ وَ مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (سورۂ آل عمران: آیات ۶۰-۶۲)

"حق آپؐ کے رب کی طرف سے ہے۔ پس آپؐ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔ آپؐ کے پاس علم آجانے کے بعد بھی اگر یہ لوگ (عیسیٰؑ کے بارے میں) آپؐ سے جھگڑا کریں تو آپؐ کہہ دیں: آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلاتے ہیں اور تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ، ہم اپنی عورتوں کو بلاتے ہیں اور تم اپنی عورتوں کو بلاؤ، ہم اپنے نفسوں کو بلاتے ہیں تم اپنے نفسوں کو بلاؤ۔ پھر دونوں فریق اللہ سے دعا کریں کہ جو جھوٹا ہے اس پر اللہ کی لعنت ہو"۔

یہ عظیم الشان واقعہ اسلام کے مشہور ترین واقعات میں سے ہے۔ جس دن یہ واقعہ ہوا اُس دن سے لے کر آج تک یہ معروف ترین واقعہ ہے۔ اس کے مصادر اور مدارک کے پیش کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے سوائے چند ایک مفسرین کے۔ تمام مفسرین و محدثین نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

تمام مفسرین و محدثین متفق ہیں کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس وقت نازل ہوئی جس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر رسول اللہ اور نصاریٰ کے درمیان مکالمہ ہو رہا تھا۔

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام نے مختصر صورت میں اس واقعہ کو کچھ اس طرح بیان کیا ہے:

نصاریٰ نجران ① کا وفد بارگاہِ نبوتؐ میں حاضر ہوا۔ اس وفد میں اُن کے تین بزرگوار بھی تھے: ① العاقب ② محسن ③ اُسقف۔ ان کے ہمراہ یہود کے دو مشہور عالم بھی تھے۔ یہ لوگ آپؐ کے پاس اس لیے آئے کہ دیکھیں کہ آپؐ واقعی اللہ کے رسولؐ ہیں۔

اس وفد کے راس ورئیس اُسقف نے آپؐ سے پوچھا: عالی جناب! حضرت موسیٰؑ کے والد کا نام کیا تھا؟

پیغمبر گرامیؐ نے فرمایا: عمرانؑ۔

اس نے پوچھا: حضرت یوسفؑ کے والد کا نام کیا تھا؟

آپؐ نے فرمایا: یعقوبؑ۔

پھر اس نے پوچھا: میرے والدین آپؐ پر قربان جائیں، آپؐ کے والد گرامی کا نام کیا ہے؟

آپؐ نے فرمایا: حضرت عبداللہ۔

اس دوران پیغمبرِ خدا خاموش ہو گئے۔ اس دوران جبرئیل امینؑ نازل ہوئے اور یہ پیغام لائے:

هُوَ رُوْحُ اللهِ وَكَلِمَتُهٗ

"عیسیٰؑ اللہ کی رُوح اور اس کا کلمہ ہوں"۔

اُسقف نے پوچھا: آپؐ کی گفتگو کا مفہوم یہ ہے کہ رُوح بغیر جسم کے ہوتی ہے؟

پیغمبرِ خدا خاموش ہو گئے کہ اس وقت اللہ نے وحی فرمائی:

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ

"حضرت عیسیٰؑ کی مثال اللہ کے نزدیک آدمؑ کی سی ہے۔ اللہ نے جب اُسے مٹی سے پیدا کیا تو فرمایا: وجود بن جا تو وہ وجود بن گئی"۔ (سورہ آل عمران: آیت ۵۹)

اُسقف یہ سن کر اپنی جگہ سے اُٹھا اور کہا: اے محمدؐ! ہم نے ایسی بات نہ تورات میں پڑھی ہے اور نہ انجیل و زبور میں۔

جب اُس نے یہ کہا تو اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

---

① نجران یمن اور حجاز کے درمیان کے ایک علاقہ کا نام ہے۔

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَ نَا وَ اَبْنَآءَ كُمْ وَ نِسَآءَ نَا وَ نِسَآءَ كُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ○ (سورۂ آل عمران: آیات ۶۱)

"آپ کہہ دیں: آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلاتے ہیں اور تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ، ہم اپنی عورتوں کو بلاتے ہیں اور تم اپنی عورتوں کو بلاؤ۔ ہم اپنے نفسوں کو بلاتے ہیں تم اپنے نفسوں کو بلاؤ۔ پھر دونوں فریق اللہ سے دُعا کریں کہ جو جھوٹا ہے اُس پر اللہ کی لعنت ہو"۔

یہ سن کر اس وفد کے سربراہوں نے کہا: عالی جناب! آپؐ کی یہ باتیں ہم پر بھاری ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ خاک سے پیدا ہوئے ہیں۔ آپؐ کی یہ دعوتِ مباہلہ کہ جس سے ہم دونوں میں سے کسی کی حقانیت واضح اور روشن ہو یہ منصفانہ اِقدام ہے۔ اس امر کے لیے آپؐ دن مقرر کریں۔

پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا: ان شاء اللہ کل صبح کی نماز کے بعد ہوگا۔

خدا کی قسم، وہ پیغمبرؐ ہیں

دوسرے دن صبح کی نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امام علی علیہ السلام کا ہاتھ پکڑا اور اُنھیں اپنے آگے اور حضرت فاطمہ زہراؑ کے ہاتھ پکڑا اور اُنھیں اپنے پیچھے رکھا اور اپنے دونوں شہزادوں حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کو اپنے دائیں بائیں رکھا اور یہ ملکوتی کاروان مقام مباہلہ کی طرف روانہ ہوا۔

جب یہ کاروان مقامِ مباہلہ پر پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنھیں فرمایا: جب میں بارگاہِ خداوندی میں اپنے ہاتھ بلند کروں اور دعا مانگوں تو آمین کہنا۔ آپؐ نے اپنے زانو مبارک زمین پر رکھے اور مباہلہ کے لیے تیار ہوئے۔

نجران کے عیسائیوں نے ان نُورانی چہروں پر نگاہ کی کہ اُن میں سے ہر ایک کے چہرے پر روحانیت اور معنویت کے آثار نمایاں تھے۔ سبھی حیران و پریشان اور نادم ہو کر رہ گئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے: خدا کی قسم! یہ نبی ہے۔ اگر انھوں نے بارگاہِ خداوندی میں دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے تو خداوند تعالیٰ ہر صورت ان کی دعا قبول فرمائے گا اور ہم تباہ ہو کر رہ جائیں گے۔ ہماری نجات صرف اس چیز میں ہے کہ ہم اُنھیں قبول کر لیں۔

علامہ رازی نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ نجران کے اُسقف نے کہا: اے عیسیٰؑ کے پیروکارو! ہوش سے کام لیجیے۔ میں جن چہروں کو پیغمبرؐ کے ساتھ دیکھ رہا ہوں اگر وہ خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کریں تو یہ پہاڑ بھی فضاؤں میں اُڑتے ہوئے نظر آئیں۔ ان بزرگواروں اور پاک و پاکیزہ لوگوں سے مباہلہ نہ کرو، ورنہ اَبدی ہلاکت تمہارا مقدر

بن جائے گا اور قیامت تک نصرانی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مٹ جائیں گے۔ ان کی نسل بھی باقی نہ رہے گی۔

آخرکار یہ نجران کے عالی مرتبت لوگ نہایت ہی تواضع اور انکساری کے ساتھ رہبر توحید و حریت کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھ گئے۔ درخواست پیش کی کہ مباہلہ نہ کیا جائے۔

پیغمبر گرامی نے اپنی بزرگواری سے اُن کی درخواست کو قبول فرمایا، لیکن آپؐ نے فرمایا: اس ذات کی قسم! جس نے مجھے حق پر مبعوث فرمایا۔ اگر مباہلہ ہوتا تو اللہ روئے زمین کے تمام نصرانیوں کو ہلاک کر دیتا اور کوئی بھی باقی نہ بچتا، سبھی ہلاک ہو جاتے۔

ہم نے اس واقعہ کو یہاں اختصار سے ذکر کیا ہے۔ ہم نے اس واقعہ کو آیت مباہلہ کے ضمن میں عَلِیٌ مِنَ المَهدِ اِلَی اللَّحدِ میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

بحث کا مرکزی نکتہ

ہم اس مقام پر صرف ایک اہم نکتہ کی طرف اشارہ کریں گے اور وہ یہ ہے کہ تمام محدثین اور مفسرین نے نقل کیا ہے کہ پیغمبرؐ اسلام مردوں میں سے صرف امام علی علیہ السلام کو اپنے ساتھ لائے تھے اور عورتوں میں سے صرف ایک خاتون اپنی دختر فرزانہ حضرت فاطمہ زہراؑ کو ساتھ لائے تھے اور بچوں میں سے صرف دو بچوں کو جو آپؐ کے نور دیدہ تھے وہ حسن و حسین علیہما السلام تھے۔ آپؐ اُن کے علاوہ کسی کو اس ملکوتی کاروانِ مباہلہ میں نہیں لائے تھے، نہ اپنی بیویوں میں سے کسی بیوی کو ہمراہ لائے تھے، حالانکہ آپؐ کی پھوپھیاں موجود تھیں جیسے حضرت صفیہ یا حضرت ابوطالبؑ کی دختر کمال حضرت ہانی، یا ہاشمیات یا اہلِ انصار میں سے کوئی خاتون جسے آپؐ نے مباہلہ میں شریک کیا ہو۔

یہ مدینہ تھا اور اس میں ہر طرف مسلمان خواتین تھیں لیکن ان تمام خواتین میں آپؐ صرف اور صرف اپنی دختر فرزانہ کو اپنے ہمراہ لے گئے تھے اور پیغمبرؐ خدا کی یہ دختر عورتوں میں صرف اکیلی تھیں۔ آپؑ کے تنہا ہونے کے باوجود آیت کے الفاظ یہ ہیں: وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ۔

تمام مسلمان خواتین میں سے فقط زہرا بتولؑ کو یہ عظمت و جلالت و قداست و نزاہت حاصل تھی۔ اللہ کے رسولؐ نے انھیں اس مباہلہ میں شریک فرمایا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا تھا کہ وہ اپنی عورتوں کو دعوت دیں۔ لفظ نِسَآءَنَا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مباہلہ کے لائق صرف حضرت زہراؑ کو ہی سمجھا۔ اس لیے انھیں اس کاروان کے لیے انتخاب فرمایا۔

علامہ قندوزی حنفی نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَوْ عَلِمَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَنَّ فِی الْاَرْضِ عِبَادًا اَکْرَمَ مِنْ عَلِیٍّ وَفَاطِمَةَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ لَاَمَرَنِی اَنْ اُبَاهِلَ بِهِمْ وَلٰكِنْ اَمَرَنِی بِالْمُبَاهَلَةِ بِهٰؤُلَاءِ وَهُمْ اَفْضَلُ الْخَلْقِ

"اگر خداوند تعالیٰ کے علم میں ہوتا کہ روئے زمین پر علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ سے کوئی زیادہ فضیلت کا مالک ہے تو وہ مجھے حکم دیتا کہ میں اُنھیں اس کاروانِ ملکوتی میں لے جاؤں۔ اللہ کے نزدیک تمام انسانوں سے یہی لوگ بلند و برتر ہیں"۔ (ینابیع المودۃ، ص ۲۴۴)

یہ درخشندہ آیات رسولِ اعظمؐ کے قلبِ مصفا پر اُس وقت نازل ہوئیں کہ جب دخترِ ایمان و اسلام حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام اور اُن کے گرانقدر شوہر حضرت امام علی علیہ السلام اور اُن کے دونوں فرزندانِ ارجمندان (حسن و حسین علیہما السلام) نے بارگاہِ خداوندی میں اُس کی رضا کے لیے خالصانہ ومخلصانہ اِنفاق کیا تھا۔

تمام شیعہ اور سُنّی محدثین نے اس واقعہ کو اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے۔ اُن میں سے علامہ واحدی نے "الوسیط" میں، علامہ ثعلبی نے "تفسیر کبیر" میں، ابوالموید موفق نے "الفضائل" میں کہ یہ آیات امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام، حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام، حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئیں۔

اہلِ سنت کے نامور مفسر علامہ زمخشری نے اپنی تفسیر کشاف میں جو کچھ بیان کیا ہے ہم اُسے کافی سمجھتے ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے دونوں فرزند امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام علیل ہوئے۔ رسول اللہؐ اپنے کچھ اصحاب کے ہمراہ حضرت زہرا علیہا السلام کے خانۂ اقدس پر بچوں کی عیادت کے لیے تشریف لائے اور آپؐ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا:

علیؑ جان! بہتر ہے کہ آپؑ اپنے فرزندوں کی شفایابی کے لیے نذر مانیں۔

علیؑ مولا، سیّدہ نساء العالمین اور اُن کی شاگردہ حضرت فضہؓ سبھی نے نذر مانی کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس بیتِ رسالتؐ کے بچوں کو شفا دے دی تو وہ تین روزے رکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے کچھ دنوں بعد بچوں کو شفا دے دی۔

امام علی علیہ السلام کے مالی حالات اُن دنوں اچھے نہ تھے۔ آپ شمعون خیبری یہودی سے تین صاع جو بطورِ قرض لے کر آئے۔ خاتونِ جنت نے ایک صاع جو کو چکی میں پیسا۔ اگلے روز صاحبانِ بیت رسالتؐ نے روزہ رکھا۔ جب وقتِ افطار ہوا اور اُنھوں نے اپنا روزہ اِفطار کرنا چاہا تو اُن کے دروازے پر ایک فقیر و بے نوا نے صدا دی:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَهْلَ بَیْتِ مُحَمَّدٍ! مِسْکِیْنٌ مِنْ مَسَاکِیْنِ الْمُسْلِمِیْنَ اَطْعِمُوْنِیْ اَطْعَمَکُمْ

اللّٰہُ مِنْ مَوَائِدِ الْجَنَّۃِ۔

"اے سرتاجِ انبیاءؐ کے گھر والو! میرا تم پر سلام ہو، مَیں ایک مسکین ہوں اور اللہ کے نبیؐ کا اُمتی ہوں، بھوکا ہوں، کھانا کھلاؤ۔ اللہ آپ سب کو جنت کی نعمات عطا فرمائے گا"۔

ان میں سے ہر ایک نے ایثار کا مظاہرہ کیا، سارا کھانا اُس مسکین کو دے دیا، اور خود کچھ نہ کھایا اور پانی سے روزہ اِفطار کیا۔ دوسرے دن پھر ان سب نے روزہ رکھا۔ دن گزرا۔ وقتِ افطار قریب تھا۔ سامانِ افطاری اپنے سامنے رکھا ہی تھا کہ دروازے پر آواز آئی: "مَیں یتیم ہوں، بھوک نے مجھے ستا رکھا ہے"۔

اہلِ بیتؑ کے ہر فرد نے اپنا اپنا کھانا اُس یتیم کے حوالے کر دیا اور خود پانی سے روزہ اِفطار کیا۔ پھر تیسرے روز روزہ رکھا، اِفطار کے لیے کھانا پکایا گیا۔ جونہی اِفطار کرنا چاہا تو اَسیر نے آواز دی: اے اہلِ بیتؑ! بھوکا ہوں مجھے کھانا کھلایا جائے۔ ان الٰہی لوگوں نے پہلے کی طرح سارا کھانا اُسے دے دیا اور خود بھوکے رہے۔ خوشنودیِ خدا کو اپنی ذات سے مقدم جانا کہ وہ راضی رہے۔

جب نذر پوری ہوگئی اور تینوں روزے مکمل ہوگئے تو جناب امیر علیہ السلام صبح کے وقت اپنے دونوں شہزادوں سمیت بارگاہِ نبوت میں پہنچے۔ جب اچانک رسولِ عالمین کی نگاہ اپنے دونوں شہزادوں پر پڑی تو آپؐ نے اُنھیں بہت کمزور دیکھا اور بہت بھوکا محسوس کیا۔

آپؐ نے امام علیؑ سے فرمایا: اے علیؑ جان! میں آپؑ کی بے حالی کو اچھی طرح سے بھانپ رہا ہوں۔ آپؐ اپنی جگہ سے اُٹھے اور امام علی علیہ السلام کے ہمراہ اُن کے خانۂ اقدس کی طرف چل دیے۔ جب آپؐ اپنی دختر کے گھر تشریف لائے تو اپنی دخترِ فرزانہ کو محراب میں بندگیِ خدا میں مصروف پایا۔ حضرت زہرا جب آپؐ کے حضور آئیں تو آپ نے دیکھا کہ سخت بھوک کی وجہ سے اُن کی مبارک آنکھیں اندر کو دھنس چکی ہیں اور اُن کا بطنِ مبارک پشت سے جالگا ہے۔ آپؐ سے اپنی بیٹی کی یہ حالت دیکھی نہ گئی۔ آپؐ سخت آزردہ خاطر ہوئے۔ ابھی آپؐ اسی حال میں تھے کہ فرشتۂ وحی نازل ہوا اور کہا: اے محمدؐ! یہ آسمانی تحفہ ہے، اسے قبول کیجیے اور اپنے انسان دوست اور پاک و پاکیزہ خاندان پر فخر کیجیے۔ خداوند تعالیٰ اُن کے اس ایثار کو دیکھ کر آپؐ کو تہنیت پیش کر رہا ہے۔ پھر جناب جبرئیلؑ نے آپؐ پر یہ سورۂ نازل فرمائی:

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ○ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ○ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا

كَفُوْرًا ○ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۟ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ○ اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ○

"کیا زمانے میں انسان پر وقت آیا ہے جب وہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہ تھا؟ ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا کہ اُسے آزمائیں۔ پس ہم نے اُسے سننے والا، دیکھنے والا بنایا ہے۔ ہم نے اُسے راستے کی ہدایت کردی خواہ شکرگزار بنے اور خواہ ناشکرا۔ ہم نے کفار کے لیے زنجیریں، طوق اور بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ نیکی کے مرتبے پر فائز لوگ ایسا مشروب پئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی"۔

اب ہم اس مقام پر ان آیات کی اختصار کے ساتھ تفسیر کرتے ہیں اور آیات کے پیغامات کا مطالعہ کرتے ہیں:

اِنَّ الْاَبْرَارَ، الابرار، بارٌ، یا بِرٌّ کی جمع ہے۔ آیت میں ابرار سے مراد شائستہ ترین لوگ ہیں اور وہ حضرت امام علی علیہ السلام، حضرت فاطمہ علیہا السلام اور حضرت امام حسن و حضرت امام حسین علیہما السلام ہیں۔

يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ "کاسٌ" کا معنی گلاس یا جام ہے کہ جس سے مشروبات پیئے جاتے ہیں۔ یا "کاس" سے مراد مشروب ہو نہ کہ جام"۔

كَانَ مِزَاجُهَا، یہ آیت اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ وہ شراب جنت ہے، جو جنت کے اس چشمے کے ساتھ مخلوط ہے، جس چشمے کا نام کافور ہے، کیونکہ اس چشمے کی ٹھنڈک اور سفیدی کو کافور کی ٹھنڈک اور سفیدی سے تشبیہ دی گئی ہے، لیکن وہ چشمہ اپنے خواص اور اثرات میں اپنی حیثیت رکھتا ہے، کیونکہ وہ جنت کا چشمہ ہے۔ اُسے دنیا کی کسی چیز سے اگر تشبیہ دی گئی ہے تو وہ صرف سمجھانے کے لیے ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جنت میں ایک چشمہ کا نام کافور ہو، اللہ تعالیٰ کے اس قول سے سمجھا جاسکتا ہے، کیونکہ عینا کا عطف ہے "کافور"۔ پر یا پھر وہ "کافور" سے بدل ہے یا یہ اُس کی تفسیر ہے۔

عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ

"چشمہ کہ جس سے اللہ کے شائستہ و بائستہ آدمی پئیں گے"۔

یعنی وہ بندگانِ خدا جو اپنی عبادت میں کمال رکھتے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کا ذکر اپنی کتاب میں فرمایا ہے: يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا "وہ بندگانِ خدا جہاں چاہیں گے وہ آسانی اور سہولت کے ساتھ اس اُبلتے ہوئے میٹھے و شیریں آبِ زُلال سے استفادہ کریں گے"۔

جی ہاں! اللہ نے اپنے ان بندوں کی توصیف و تعریف میں فرمایا ہے:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ○ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ○ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ○ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ○ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ○ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ (سورۂ فرقان: آیت ۶۳-۶۸)

"اور رحمن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر انکساری سے دبے پاؤں چلتے ہیں اور جب جاہل اُن سے گفتگو کریں تو کہتے ہیں: سلام۔ اور جو اپنے پروردگار کے حضور سجدے اور قیام کی حالت میں رات گزارتے ہیں اور جو یوں التجا کرتے ہیں ہمارے رب! ہمیں عذابِ جہنم سے بچا، بے شک اُس کا عذاب تو بڑی تباہی ہے۔ بے شک جہنم تو بدترین ٹھکانہ ہے۔ اور یہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں بلکہ اُن کے درمیان اعتدال رکھتے ہیں۔ اور یہ لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود بنا کر نہیں پکارتے اور جس جان کو اللہ نے حرام کیا ہے اُسے قتل نہیں کرتے، مگر جائز طریقہ سے زنا کا ارتکاب بھی نہیں کرتے"۔

يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ

یہ ملکوتی انسان اپنی "نذر" کی ایفا کے سبب اس جزا و انعام کا استحقاق رکھتے ہیں، کیونکہ جب آدمی اُس کی بارگاہ میں نذر مانتا ہے تو اُس کا بجالانا، اُس نذر کا پورا کرنا اُس پر واجب ہو جاتا ہے۔ جب بندہ اپنا عہد پورا کرتا ہے تو وہ ذات (جو اس کائنات کی خالق ہے) وہ اپنے اُوپر واجب جانتی ہے کہ وہ اپنے بندے کو جزا دے، جس کا وہ استحقاق رکھتا ہے۔ وہ اس معاملے میں اپنے بندوں سے زیادہ اور بیش تر وفادار ہے۔

وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا

"اور اُس دن سے ڈرتے ہیں جس کی برائی ہر طرف پھیلی ہوئی ہوگی"۔

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا

"اور اپنی خواہش کے باوجود مسکین، یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں"۔

کیونکہ وہ بھی روزہ سے تھے۔ اُن کی اپنی طلب بھی تھی۔ اُنھیں سخت بھوک نے تنگ کر رکھا تھا باوجود اس کے

اُنھوں نے اللہ کی خوشنودی کو حاصل کرنے کے لیے یہ ایثار کیا۔

ایک قول ہے کہ عَلٰی حُبِّہٖ سے اللہ کی محبت اور اس کا تقرب مراد ہے۔ اُنھوں نے یہ سب کچھ خیر کی محبت اور ایثار کے لیے کیا۔ اُنھوں نے مسکین پر شفقت فرمائی اور یتیم کی مدد، رأفت و رحمت کی بنیاد پر کی اور اسیر کی خدمت، پیار و عاطفت کی بنا پر کی۔

اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا (سورۂ دھر: آیت ۹)

"وہ ان سے کہتے ہیں کہ تمھیں صرف اللہ کی رضا کے لیے کھلا رہے ہیں، ہم تم سے نہ کوئی معاوضہ چاہتے ہیں اور نہ ہی شکرگزاری"۔

مجاہد نے کہا ہے کہ جب ان انسان دوست لوگوں نے بھوکوں کو کھانا پیش کیا تو اُن سے کچھ بھی نہ کہا، بلکہ خاموشی اور احسان جتلائے بغیر اُن کی بھوک کا سامان کیا، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اللہ کی اُن کے اس عمل پر نظر ہے۔ وہ دیکھ رہا ہے اور وہ صرف اُس کی محبت میں خدمت کر رہے ہیں۔ اس لیے اللہ نے اُن کے خالصانہ ایثار کی تعریف و توصیف یوں فرمائی:

اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا (سورۂ دھر: آیت ۱۰)

"ہمیں اپنے رب سے اُس دن کا خوف ہے جو شدید اور بدمنظر ہوگا"۔

قرآنِ مجید نے قیامت کے دن کی ہراس انگیزی اور شدت کو غضب ناک شیر سے یا مُند خو حاکم سے تشبیہ دی ہے۔

فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ (سورۂ دھر: آیت ۱۱)

"پس اللہ اُنھیں اس دن کے شر سے محفوظ رکھے گا"۔

وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا (سورۂ دھر: آیت ۱۱)

"اور اُنھیں شادابی اور مسرت عنایت فرمائے گا"۔

وَجَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا (سورۂ دھر: آیت ۱۲)

"اور اُن کے صبر کے عوض اُنھیں جنت اور ریشمی لباس عنایت فرمائے گا"۔

خداوند تعالیٰ کی خوب صورت بہشت

اس مقام پر خدائے جہان آفرین نے ان ہستیوں کے معنوی اور انسانی احوال کا تذکرہ فرمایا ہے:

مُتَّكِـِٔيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ (سورۂ دھر: آیت ۱۳)

"وہ اس جنت میں مسندوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے"۔

لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا (سورۂ دھر: آیت ۱۳)

"اور نہ جس میں دھوپ کی گرمی دیکھنے کا اتفاق ہوگا اور نہ سردی کی شدت"۔

وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا (سورۂ دھر: آیت ۱۴)

"اور درخت اُن پر سایہ فگن ہوں گے اور پھلوں کے گچھے ان کی دسترس میں ہوں گے"۔

وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا۠ (سورۂ دھر: آیت ۱۵)

"اور اُن کے لیے چاندی کے برتنوں اور بلوریں پیالوں کے دور چلیں گے"۔

قَوَارِيْرَا۠ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا (سورۂ دھر: آیت ۱۶)

"شیشے بھی چاندی کے ہوں گے جنھیں (ساقی) نے ایک مناسب مقدار میں بھرا ہوگا"۔

وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا (سورۂ دھر: آیت ۱۷)

"اور وہاں اُنھیں ایک ایسا جام پلایا جائے گا جس میں زنجبیل (سونٹھ) کی آمیزش ہوگی"۔

عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا (سورۂ دھر: آیت ۱۸)

"جنت میں ایک ایسے چشمے سے جسے سلسبیل کہا جاتا ہے"۔

وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا (سورۂ دھر: آیت ۱۹)

"اور خدمت کے لیے اُن کے گرد ایسے لڑکے طواف کر رہے ہوں گے جو ہمیشہ رہنے والے ہیں۔تم اُنھیں دیکھو گے تو انھیں بکھرے ہوئے موتی خیال کریں گے"۔

وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا (سورۂ دھر: آیت ۲۰)

"اور تم جہاں بھی نگاہ ڈالو گے بڑی نعمت اور عظیم سلطنت نظر آئے گی"۔

عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا (سورۂ دھر: آیت ۲۱)

"اور اُن کے اُوپر سبز دیباج اور اطلس کے کپڑے ہوں گے۔اُنھیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور اُن کا پروردگار اُنھیں پاکیزہ مشروب پلائے گا"۔

اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً (سورۂ دہر: آیت ۲۲)

"یقیناً یہ تمھارے لیے جزا ہے"۔

وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا (سورۂ دہر: آیت ۲۲)

"اور تمھاری یہ سعی قابلِ قدر ہے"۔

اس سورہ میں تعجب خیز بات یہ ہے کہ جہاں خداوند تعالٰی نے اپنی بہشت کا تذکرہ فرمایا ہے تو وہاں بہشت کی انواع و اقسام نعمات کا ذکر بھی فرمایا ہے، لیکن سیّدہ نساء العالمین کی عزت و عظمت کو سامنے رکھتے ہوئے حورانِ بہشت کا ذکر نہیں فرمایا، کیونکہ یہ آیات امیر المومنین حضرت امام علی علیہ السلام اور خاتونِ جنت دخترِ پیغمبر حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کی شان میں نازل ہوئیں کیونکہ آپ کی ذات والاصفات کائنات کی تمام خواتین کی سیّدہ و سالار ہیں اور آپ کی منزلت جنت کی حوروں سے برتر اور بلند و بالا ہے۔

سیّدہ فاطمہ زہراؑ اور آیاتِ سورۂ نور

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (سورۂ نور: آیت ۳۵)

"اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اُس کے نور کی مثال ایسی ہے گویا کہ ایک طاق ہے۔ اس میں ایک چراغ رکھا ہوا ہے۔ چراغ شیشے کے فانوس میں ہے۔ فانوس گویا موتی کا چمکتا ہوا تارا ہے، جو زیتون کے مبارک درخت سے روشن کیا جاتا ہے۔ جو شرقی ہے اور نہ غربی۔ اس کا تیل روشنی دیتا ہے خواہ آگ اُسے نہ چھوئے۔ یہ نور بالائے نور ہے۔ اللہ جسے چاہے اپنے نور کی راہ دکھاتا ہے اور اللہ کے لیے مثالیں بھی بیان فرماتا ہے اور اللہ ہر چیز کا خوب علم رکھتا ہے"۔

یہ چراغ روشن اور روشن گر گھروں میں ہے کہ اللہ نے اجازت دے رکھی ہے کہ ان کی موقعیت و مقام بلند ہو اور اُس کا بلند و برتر نام اُن میں عظمت و یکتائی کے ساتھ لیا جائے۔

ابن مغازلی شافعی نے اپنی کتاب "مناقب" میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی روایت نقل کی ہے۔ راوی کہتا

ہے کہ میں نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے پوچھا: فرزند رسولؐ! کَمِشْكٰوةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ..... الخ اس آیت میں کون سا پیام ومفہوم ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: مشکوٰۃ سے مراد حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام ہیں اور "مصباح" سے مراد اُن کے نورِ دیدہ حسنؑ و حسینؑ ہیں"۔

كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ کے بارے میں معصومؑ نے فرمایا:

كَانَتْ فَاطِمَةُ كَوْكَبًا دُرِّيًّا بَيْنَ نِسَاءِ الْعَالَمِيْنَ

"حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام عالمین کی تمام عورتوں کے درمیان کوکب ضوفشاں ہیں"۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ کی تفسیر پوچھی تو امام علیہ السلام نے فرمایا: يَكَادُ الْعِلْمُ اَنْ يَّنْطِقَ مِنْهَا "وہ دانش وبینش کا مرکز ہیں"۔ تمام علوم اور تمام حکمتیں اُنھی کے سرچشمۂ علم سے جاری وساری ہیں۔(المناقب: ص ۳۱۷)

جی ہاں! آپ نے بہت سی احادیث پڑھی ہیں کہ حضرت سیّدہ زہرا علیہا السلام درخشاں نور سے بات کرتی تھیں۔ آپؑ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

نُوْرُ اِبْنَتِيْ فَاطِمَةُ مِنْ نُوْرِ اللهِ

"میری بیٹی فاطمہؑ کا نور اللہ کے نور کا حصہ ہے"۔(بحارالانوار، ج ۱۵، ص ۱۰)

خاتونِ جنت کی عظمت اپنے والد رسولؐ اللہ کی نگاہ میں

یہ مشکل ترین اور پیچیدہ ترین مرحلہ ہے کہ یہ دختر فرزانہ اپنے والد گرامی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک کس قدر مقام ومنزلت رکھتی تھیں؟ یہ کام نہ صرف دشوار ہے، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ یہ عنوان قلم و بیان کی قلمرو سے وسیع تر وفراتر ہے۔اس لیے ہم یہاں نہایت ہی اختصار کے ساتھ عرض کریں گے:

حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کو اپنے والد گرامی کے قلبِ مُصفا و پُرشکوہ میں وسیع ترین مقام حاصل تھا اور آپؑ ان کے روحِ مبارک کے مرکز میں رہتی تھیں۔ اس کیفیت کو زبان بیان کرسکتی ہے اور نہ قلم اُسے احاطۂ تحریر میں لاسکتا ہے۔

جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی دختر سے محبت کرتے تھے اس طرح آج تک نہ کسی والد نے اپنی کسی بیٹی سے محبت کی ہے اور نہ کوئی کرسکتا ہے۔ آپؑ کا اپنی دختر کے ساتھ جو پیار ومحبت تھا وہ محبت احترام و اکرام اور تعظیم و

تکریم کا ایک امتزاج تھا۔

جب رسولِ عالمینؐ جیسی عظیم شخصیت کا اپنی بیٹی کے ساتھ ایسا والہانہ سلوک دیکھا جاتا ہے تو اس سے یہ پیغام ملتا ہے کہ روزِ اوّل سے آج تک کسی عصر اور کسی نسل میں ایسی مثال نہیں ملتی کہ کسی باپ نے اپنی بیٹی کی تجلیل و تکریم اس طرح کی ہو جس طرح رسولِ اعظمؐ نے حضرت سیدہ زہراؑ کا احترام و اکرام فرمایا تھا۔

یہ تفکر انگیز دوستی و محبت اور حرمت گزاری اُس عطوفتِ پدری کا تقاضا نہیں تھا کہ جس طرح ایک والد اپنی بیٹی کے ساتھ سلوک کرتا ہے، بلکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی دختر ارجمند کو عزت و تعظیم کی نگاہ سے دیکھتے تھے کیونکہ یہ بانوئے اسلام و ایمان بھی وہ خصائل و فضائل اور امتیازات رکھتی تھیں، جنھوں نے آپؑ کو کائنات کی تمام خواتین پر برتری عطا کردی تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ رہبر حریت اُس امر پر مامور ہوں کہ وہ اپنی اس دختر فرزانہ کا غیر معمولی احترام کریں۔

جب بھی پیغمبرؐ اسلام کو موقع ملتا یا آپ کو فرصت ملتی آپؐ کوئی بھی لحہ ایسے جانے نہ دیتے کہ جس میں فاطمہ زہراؑ کی تعظیم نہ کرتے۔ حضورؐ آپؑ کو آپؑ کے اُن فضائل و مواہب کے ساتھ یاد فرماتے تھے جو اللہ کے نزدیک اور خود اُن کی رسالت کے نزدیک تھے۔

اس امر میں کوئی شک و ریب نہیں ہے کہ اس معظمہ کی تعریف و ستائش اور تجلیل و تکریم جو پیغمبرؐ اسلام کے نزدیک تھی وہ پدری پاکیزہ عواطف کی بنیاد پر نہ تھی۔ اگر بارگاہِ خداوندی میں حضرت زہراؑ یہ عظیم فضائل نہ رکھتیں ہوتیں تو پیغمبرؐ اسلام کبھی ایسا نہ کرتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اولاد اپنے والدین کی عزت و تعظیم کرے۔ حضرت زہراؑ آپؐ کی دختر تھیں اور آپؑ پر واجب تھا کہ آپؑ اپنے والد کی تعظیم کریں۔ رسولؐ اللہ کے لیے یہ جائز نہیں تھا کہ آپؐ اپنی بیٹی کا حد سے زیادہ احترام کریں، کیونکہ آپؐ نے اللہ کا جو حکم اپنی اُمت کو دیا تھا آپ کا یہ عمل اس اُمر کی ضد ہوتا۔

عزت و احترام اور بے پناہ محبت کے اسباب

اِس بے پناہ اِحترام و تجلیل کی اہم ترین دلیل یہ تھی کہ رہبر بزرگ توحید چاہتے تھے کہ یہ حقیقت و واقعیت اُمت پر روشن تر ہوجائے کہ حضرت فاطمہ زہراؑ کو بارگاہِ خداوندی اور بارگاہِ رسالت میں وہ مقام و منزلت حاصل ہے، جو کائنات کی کسی دوسری خاتون کو حاصل نہیں ہے۔

رسولؐ اعظم بخوبی جانتے تھے کہ اُن کی رحلت کے بعد اِس اُمت نے خاتونِ جنت پر کس قدر مظالم ڈھائے ہیں اور اُن کی کس قدر دل آزاری کرنی ہے، اور اُن کی حرمت کی کس قدر ہتک کرنی ہے؟ پیغمبرؐ اسلام کی یہی کاوش و

کوشش تھی کہ اس طریقے سے اتمام حجت ہو جائے اور ظالموں اور ستم کاروں کے پاس کوئی عذر اور بہانہ باقی نہ رہے۔

اَب ہم آپ کے حضور وہ چند احادیث پیش کرتے ہیں، جن سے واضح ہو جاتا ہے کہ کائنات کے پاک و پاکیزہ قلب و مبارک میں حضرت فاطمہؑ کا کتنا بڑا مقام تھا۔

① حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے آباؤ اجداد سے روایت کی ہے کہ حضرت فاطمہ زہراؑ کا بیان ہے کہ جب یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی:

وَلَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا (سورۂ نور: آیت ۶۳)

''تمھارے درمیان رسولؐ کو پکارنے کو اس طرح نہ سمجھو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو''۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو سن کر میں نے بھی اپنے بابا کو ''یارسولؐ اللہ'' سے خطاب کرنا شروع کر دیا۔ یَا اَبَۃِ ''اے میرے بابا جان!'' کا خطاب چھوڑ دیا۔

آپؐ میری طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا:

يَا فَاطِمَةُ إِنَّهَا لَمْ تَنْزِلْ فِيكِ وَلَا فِي أَهْلِكِ وَلَا فِي نَسْلِكِ، أَنْتِ مِنِّي وَأَنَا مِنْكِ، إِنَّمَا نَزَلَتْ أَهْلَ الْجَفَاءِ، وَالْغِلْظَةِ مِنْ قُرَيْشٍ وَلٰكِنْ قَوْلِي يَا أَبَةِ فَإِنَّهَا أَحْيَا لِلْقَلْبِ وَأَرْضَى لِلرَّبِّ ثُمَّ قَبَّلَ جَبْهَتِي

''فاطمہؑ جان! یہ آیت کریمہ نہ آپؑ کے لیے ہے اور نہ آپؑ کے خاندان اور آپؑ کی نسل کے لیے ہے۔ آپؑ مجھ سے ہیں اور میں آپؑ سے ہوں۔ یہ آیت کریمہ اُن لوگوں سے مخاطب ہے، جو قریش کے بے ادب اور گستاخ لوگ ہیں کہ جو لوگ حق و عدالت کے سامنے تکبر و غرور کرتے ہیں۔ جب آپؑ کو مجھ سے بات کرنی ہو تو مجھے ''باباجانی'' کے شیریں الفاظ سے خطاب کیا کرو۔

فاطمہؑ جان! جب آپؑ مجھے ''باباجانی'' کی دل نواز اور رُوح پرور آواز دیتی ہیں تو میرے دل کی دنیا میں سکون و چین کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ میرے قلب کو نئی زندگی مل جاتی ہے اور تمہاری یہ آواز میرے رب کو خوش نود تر کر دیتی ہے۔ پھر آپؐ نے میری پیشانی کو چوم لیا''۔(المناقب ابن غزالی شافعی، ص ۳۶۴)

۲ اس طرح کی ایک حدیث ہے جسے عائشہ بنت طلحہ نے حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے کہا:
مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَشْبَهَ كَلَامًا وَحَدِيثًا بِرَسُولِ اللهِ ﷺ مِنْ فَاطِمَةَ، كَانَتْ إِذَا دَخَلَتْ عَلَيْهِ رَحَّبَ بِهَا وَقَبَّلَ يَدَيْهَا وَأَجْلَسَهَا فِي مَجْلِسِهِ فَإِذَا دَخَلَ عَلَيْهَا قَامَتْ إِلَيْهِ فَرَحَّبَتْ بِهِ وَقَبَّلَتْ يَدَيْهِ...... إِلَى آخِرِهِ
"میں نے رسولؐ اللہ سے مشابہ گفتار و کلام میں اور شکل و شمائل میں فاطمہؑ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا، جب آپؑ رسولؐ اللہ کے پاس آتیں تو آپؐ کے والد گرامی پیار و محبت سے لبریز لہجے میں اُنھیں خوش آمدید کہتے۔ اُن کے ہاتھوں کو بوسے دیتے اور اُنھیں اپنی جگہ پر بٹھاتے۔ اور جب پیغمبر گرامیؐ اپنی بیٹی کے پاس جاتے تو حضرت فاطمہ زہراؑ ایک اُدب کی دنیا کے ساتھ کھڑی ہوتیں اور اپنے شیریں لہجے میں اُنھیں خوش آمدید کہتیں اور اپنے بابا کے ہاتھوں کو چومتیں"۔

۳ ایک دفعہ بزل الھروی نے حسین بن روح سے پوچھا کہ حضرت فاطمہ زہراؑ فضائل میں سب سے زیادہ برتر کیوں تھیں؟

حسین بن روح نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ نے اُنھیں دو ایسی صفات عطا کر رکھی تھیں جو کسی دوسرے کو حاصل نہیں تھیں۔

اُس نے پوچھا: وہ دو صفتیں کون سی تھیں؟

① حضرت فاطمہؑ میں ایک صفت یہ تھی کہ وہ ہر جانب سے رسولؐ اللہ کی وارث تھیں۔

② آپؑ میں دوسری صفت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کی نسل کا سلسلہ اُنھی سے جاری فرمایا اور اُن کے وسیلہ سے رسولؐ اللہ کے اسم مبارک اور اُن کی نسل کو ہمیشگی ملی۔

اللہ تعالیٰ نے اُنھیں یہ دو امتیازات اس لیے عطا فرمائے تھے کہ اُن کا قلب مبارک خلوص سے بھرپور تھا۔

۴ حذیفہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تک اپنی دختر فرزانہ کے تابناک چہرہ کے بوسے نہیں لے لیتے تھے اس وقت تک نہیں سوتے تھے۔ (خوارزمی)

۵ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی دختر کے سر مبارک پر بوسے دیتے اور فرماتے:

فِدَاکِ اَبُوْکِ کَمَا کُنْتِ فَکُوْنِی

"آپؑ پر تمھارا باپ قربان ہو جائے، آپؑ ازل سے جس طرح طیّب و طاہر اور باعظمت تھیں ہمیشہ اسی طرح رہو"۔ (مقتل خوارزمی، ص ۴۴)

ایک روایت ہے کہ آپؐ فرماتے تھے:

فِدَاکِ اَبِی وَ اُمِّیْ (حاکم نیشاپوری شافعی، مستدرک الصحیحین، ج ۳، ص ۱۶۵)

"فاطمہؑ جان! آپؑ پر میرے ماں باپ قربان ہو جائیں"۔

◈ ۶ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ زہراؑ کے گلوئے مبارک پر بوسے دیئے۔ اس دوران میں نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! جس طرح آپؐ اپنی بیٹی فاطمہؑ پر قربان ہوئے جاتے ہیں اور ان سے پیار و محبت کرتے ہیں ایسا انداز محبت میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ آپؐ اس طرح کیوں کرتے ہیں؟

آپؐ نے ارشاد فرمایا:

فَاطِمَۃُ حَوْرَاءُ اِنْسِیَّۃٌ فَکُلَّمَا اِشْتَقْتُ رَائِحَۃَ الْجَنَّۃِ شَمَمْتُ رَائِحَۃَ اِبْنَتِیْ فَاطِمَۃَ

"اے عائشہؓ! جب مجھے بہشت کی خوشبو کا شوق و اشتیاق دامن گیر ہوتا ہے تو میں فاطمہ زہراؑ کے گلوئے مبارک کے بوسے لیتا ہوں"۔ (امالی صدوق، ص ۳۷۷)

◈ ۷ محدثین نے بیان کیا ہے کہ جب پیغمبرؐ خدا سفر سے واپس آتے تھے تو حضرت فاطمہ زہراؑ کے گلوئے مبارک پر بوسے دیتے تھے اور فرماتے تھے: میں اپنی دختر سے جنت کی خوشبو سونگھتا ہوں۔ (ذخائر العقبیٰ)

◈ ۸ بعض محدثین نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

رَائِحَۃُ الْاَنْبِیَاءِ رَائِحَۃُ السَّفَرْجَلِ، وَرَائِحَۃُ الْحُوْرُ الْعِیْنِ، رَائِحَۃُ الْآسِ، وَ رَائِحَۃُ الْمَلَائِکَۃِ رَائِحَۃُ الْوَرْدِ، وَ رَائِحَۃُ اِبْنَتِی فَاطِمَۃُ الزھراء، رَائِحَۃُ السَّفَرْجَلِ وَالْآسِ وَالْوَرْدِ

"پیغمبرانِ گرامیؑ کی خوشبو بوئے گلاب ہے۔ جنت کی حوروں کی خوشبو بوئے ریحان ہے۔ ملائکہ آسمانی کی خوشبو بوئے گل و لالہ ہے اور میری دختر ارجمند کی دل انگیز خوشبو گلاب و ریحان و گل ہے"۔ (ینابیع المودۃ، ص ۲۶)

◈ ۹ آپؐ نے فرمایا:

وَلَوْ كَانَ الْحُسْنُ شَخْصًا لَكَانَ فَاطِمَةُ بَلْ هِيَ اَعْظَمُ ، اِنَّ اِبْنَتِيْ خَيْرُ اَهْلِ الْاَرْضِ عُنْصُرًا وَشَرَفًا وَكَرَمًا

"اگر حسن و زیبائی و کمال ایک انسان کی صورت میں مجسم ہو کر ظاہر ہوتا تو وہ میری دختر فاطمہ زہراؑ کی صورت میں ظاہر ہو جاتا، یعنی وہ مجسم حسن و جمال ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: میری دختر فاطمہؑ حسن و جمال، زیبائی و کمال میں اس سے بھی فراتر و برتر ہیں۔ وہ شرافت و کرامت کے اعتبار سے اس بھری کائنات میں اپنی مثال نہیں رکھتیں"۔ (بحارالانوار)

⑩ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

فَاطِمَةُ بَهْجَةُ قَلْبِيْ ، وَ اِبْنَاهَا ثَمَرَةُ فُؤَادِيْ وَبَعْلُهَا نُوْرُ بَصَرِيْ ، وَالْاَئِمَّةُ مِنْ وُلْدِهَا اُمَنَاءُ رَبِّيْ وَحَبْلُهُ الْمَمْدُوْدُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ خَلْقِهِ مَنِ اعْتَصَمَ بِهِ نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهُ هَوٰى

"حضرت فاطمہؑ میرے دل کی خوشی و شادمانی ہے۔ اُن کے دونوں فرزند میرے دل کا میوہ و ثمر ہیں۔ اُن کے شوہر ارجمند میری آنکھوں کا نور ہیں۔ میری اُمت کے گیارہ رہبر اُنھی کی اولاد میں سے ہیں اور وہ میرے پروردگار کے امین ہیں اور وہ اللہ اور اُس کی مخلوق کے درمیان رابطہ اور وسیلہ ہیں۔ جس نے اُن سے رشتۂ محبت و مودت رکھا تو وہ نجات و حیات پا گیا اور جس نے اُن سے تعلق و علاقہ نہ رکھا وہ ہلاکتوں کے سمندر میں نابود ہو گیا"۔ (فرائد السمطین، ج۲، ص ۴۴)

⑪ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ اپنی دختر فرزانہ حضرت زہراؑ کو پانی کا جام دیا۔ آپؑ نے اُسی پانی کو نوش فرمایا تو رسولؐ اللہ نے فرمایا:

هَنِيْئًا مَرِيْئًا يَا اُمَّ الْاَبْرَارِ الطَّاهِرِيْنَ.....

"اے طیب و طاہر اور صالح و اَبرار ہستیوں کی والدہ گرامی! یہ مشروب آپؑ کے لیے مسرت و شادمانی کے ساتھ بابرکت اور خوش گوار ہو"۔ (بحارالانوار، ج ۷۶، ص ۵۷)

⑫ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے روایت ہے کہ ایک دن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

اَلَا اُبَشِّرُكِ؟ اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يُتْحِفَ زَوْجَةَ وَلِيِّهِ فِي الْجَنَّةِ ، بَعَثَ اِلَيْكِ تَبْعَثِيْنَ اِلَيْهَا مِنْ حُلِيِّكِ

"کیا میں آپؑ کو خوشخبری دوں؟ جب اللہ تعالیٰ ارادہ فرمائے گا کہ وہ اپنے ولی کو جنت میں زوجہ کا ارمغان عطا فرمائے تو اُسے آپ کی طرف بھیجے گا کہ اُسے آپؑ کچھ زیورات عطا کریں"۔ (دلائل الامامت، ص ۲)

مندرجہ بالا تمام احادیث فریقین کے ہاں صحیح احادیث ہیں، ممکن ہے کہ ہم ان احادیث کے ذریعے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی قداست وعظمت وجلالت کے مزید اسباب وعلل پاسکیں۔

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَفْضَلُ نِسَاءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ: خَدِيْجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ وَ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ وَ آسِيَه بِنْتُ مَزَاحِمٍ (اِمْرَاةُ فِرْعَوْنَ) وَمَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: برترین خواتین یہ ہیں: ① حضرت خدیجہؑ ② حضرت فاطمہ زہراؑ ③ حضرت آسیہ (زوجہ فرعون) ④ حضرت مریمؑ بنت عمران۔ [1]

قَالَ اَيْضًا، خَيْرُ نِسَاءِ الْعَالَمِيْنَ اَرْبَعٌ، مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَ آسِيَةُ بِنْتُ مُزَاحِمٍ وَخَدِيْجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ وَفَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ

"آپؐ نے فرمایا: بہترین خواتین جہان چار ہیں: ① مریمؑ ② آسیہؑ ③ خدیجہؑ ④ فاطمہ زہراؑ"۔ [2]

رسول ثقلینؐ نے فرمایا: اے فاطمہؑ جان! آپؑ کے لیے صرف یہی افتخار ہی کافی ہے کہ آپؑ کا شمار کائنات کی سب سے بہترین خواتین میں سے ہے، یعنی مریمؑ، خدیجہؑ، آسیہؑ تھیں"۔

یہ مذکورہ تین احادیث ان چار سیّدات کی فضیلت پر روشنی ڈالتی ہیں کہ یہ چار خواتین کائنات کی تمام عورتوں سے افضل واعلیٰ ہیں۔

ان احادیث کے علاوہ وہ متواتر اور معتبر احادیث موجود ہیں جو اس امر پر روشنی ڈالتی ہیں کہ حضرت فاطمہ زہراؑ ان مذکورہ سیّدات پر اور اُن کے علاوہ تمام خواتین عالم پر فضیلت رکھتی ہیں۔

---

① مسند احمد حنبل: ج۱، ص ۲۹۳، الاستیعاب ابن عبدالبر اندلسی: ج۲، ص ۷۵۰، مستدرک الصحیحین حاکم: ج۳، ص ۱۶۰، الاعتقاد حافظ البیہقی: ص ۱۶۵۔

② تاریخ الاسلام ذہبی: ج ۳، ص ۹۲، اسد الغابہ ابن اثیر جزری: ج۵، ص ۴۳۷، الاستیعاب: ج۲، ص ۷۵۰، مشکل الآثار الطحاوی: ج۱، ص ۴۸، مستدرک الصحیحین حاکم: ج ۳، ص ۱۵۷، معالم التنزیل: ج۱، ص ۲۹۱ وغیرہ۔

ہمارے نزدیک یہ امر لاریب ہے کہ حضرت فاطمہ زہراؑ کائنات کی افضل ترین خاتون ہیں۔ اس عنوان پر شیعہ اور سُنّی تمام محدثین متفق ہیں، کیونکہ آپؑ رسولؐ اللہ کے پیکرِ اقدس کا حصّہ تھیں۔ ہم کسی اور کو آپؑ پر فضیلت نہیں دے سکتے۔

اس حقیقت میں ہم اکیلے نہیں ہیں، بلکہ کثرت کے ساتھ علماء اور عادل و منصف محدثین چاہے وہ متقدمین میں سے ہیں یا متاخرین میں سے ہیں، یا ہمارے ہم عصر ہیں۔ سبھی نے اس امر میں یہی کچھ بیان کیا ہے کہ دخترِ رسولؐ حضرت فاطمہ زہراؑ کائنات کی افضل ترین خاتون ہیں۔

انھی علمائے اَعلام سے منقول چند احادیث آپ کے حضور پیش کیے دیتے ہیں:

① حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ہم سبھی اَزواجِ رسولؐ اللہ کے محضر میں تھیں کہ حضرت فاطمہؑ ہمارے ہاں وارد ہوئیں۔ خدا کی قسم! اُن کی چال و رفتار بالکل رسولؐ اللہ جیسی تھی۔ جونہی پیغمبرؐ کی نگاہ اُن پر پڑی تو اُنھوں نے بھرپور شفقت و محبت کے ساتھ اُنھیں خوش آمدید کہا اور پھر فرمایا: اے میری دخترِ ارجمند! خوشی کے ساتھ تشریف لایئے۔ آپؐ نے اُنھیں اپنے دائیں یا بائیں طرف بٹھایا اور اُن سے نہایت ہی آہستگی کے ساتھ کوئی بات کی جسے سن کر حضرت فاطمہ نہایت ہی شدت کے ساتھ رونے لگیں۔ جب پیغمبر گرامیؐ نے اُنھیں حزن و اندوہ میں دیکھا تو آپؐ نے اُن کے کان میں بات کی جسے سن کر آپؑ نے تبسم فرمایا۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں: مَیں نے بعد میں حضرت فاطمہؑ سے پوچھا: ہماری موجودگی میں رسولؐ اللہ نے آپؑ سے راز کی بات کی جسے سن کر آپؑ نے گریہ کیا۔ رسولؐ اللہ نے آپؑ سے کیا فرمایا تھا؟

حضرت فاطمہ زہراؑ نے فرمایا: یہ رسولؐ اللہ کا راز ہے، میں اس راز کو فاش نہیں کر سکتی۔

جب رسولؐ اللہ اس دنیا سے انتقال فرما گئے تو مَیں نے حضرت فاطمہؑ سے پوچھا: وہ راز کی بات کیا تھی؟

حضرت فاطمہؑ نے فرمایا: اُس دن میرے باباؐ نے مجھے فرمایا تھا: اے فاطمہؑ! پہلے فرشتۂ وحی ہمیشہ سال میں ایک مرتبہ مجھ پر قرآنِ مجید پیش کرتا تھا اس سال اُس نے مجھ پر دو مرتبہ قرآنِ مجید پیش کیا ہے۔ اس سے مجھے معلوم ہوتا ہے کہ فراق کی گھڑی قریب ہے۔ صبر سے کام لینا اور تقویٰ اختیار کرنا۔

آپ نے اسی وقت دیکھا تھا کہ میں حزن و اندوہ میں ڈوب گئی تھی اور شدت سے رونا شروع کر دیا تھا۔ جب اُنھوں نے میرے غم و اندوہ کو دیکھا تو دوسری مرتبہ میرے کان میں بات کی تھی اور وہ یہ تھی:

يَا فَاطِمَةُ اَلَا تَرْضِيْنَ اَنْ تَكُوْنِيْ سَيِّدَةَ نِسَاءِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَوْ سَيِّدَةَ نِسَاءِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ

''فاطمہؑ! کیا آپؑ اس اعزاز سے خوش نہیں ہیں کہ آپؑ مومنین کی عورتوں کی سیّدہ و سالار ہیں''۔ ①

① البغوی نے مصابیح السنۃ میں جو روایت نقل کی ہے اُس کے الفاظ یہ ہیں:

اَلَا تَرْضِیْنَ اَنْ تَکُوْنِیْ سَیِّدَۃَ نِسَاءِ الْعَالَمِیْنَ وَسَیِّدَۃَ نِسَاءِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَسَیِّدَۃَ نِسَاءِ الْمُؤْمِنِیْنَ

''فاطمہؑ! کیا آپؑ خوش نہیں ہیں کہ آپؑ تمام عورتوں کی سیّدہ و سالار ہیں اور آپؑ اس اُمت کی تمام خواتین کی اور تمام اہلِ ایمان کی عورتوں کی پیشوا اور سیّدہ ہیں''۔

کثرت کے ساتھ احادیث موجود ہیں جن میں آپؑ کی سیادت اور فضائل و تفضیل کی تصریح ہے کہ آپؑ ہی سیّدہ نساء العالمین ہیں۔

یہ احادیث، حضرت عائشہؓ، عمران بن حصین، جابر بن سُمرہ، ابن عباسؓ اور ابوبُریدہ اسلمی وغیرہ سے مروی ہیں۔

② بخاری نے بھی حدیث اپنی صحیح میں ج ۴، ص ۲۰۳ پر نقل کی ہے۔ اہلِ سنت کے کثیر علماء نے اسی حدیث کو نقل کیا ہے جیسے قسطلانی، قندوزی، الحنفی، الہیثمی، النسائی، الطحاوی وغیرہم اگر تمام کا ذکر کرتے ہیں تو کلام طولانی ہو جائے گا۔ لیکن یہ حدیث مختلف طریقوں سے منقول ہے۔ حضرت سیّدہ زہراؑ کے تبسم فرمانے کا سبب بعض محدثین نے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اُن کے اہلِ بیتؑ میں سے سب سے پہلے اُن سے لاحق ہونے والی آپؑ ہیں تو آپؑ نے تبسم فرمایا، لیکن بعض نے روایت کی ہے کہ جب رسولؐ خدا نے انھیں فرمایا: ''اے فاطمہؑ! آپؑ ہی سیّدہ نساء العالمین ہیں''۔ لیکن جو حدیث احمد ابن حنبل نے نقل کی ہے وہ اُن دونوں گروہوں کے درمیان ایک منطقی پیوند ہے، جو اِن تمام کے مفاہیم کو ایک جگہ جمع کر دیتا ہے۔

③ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک دن حضرت فاطمہ زہراؑ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئیں۔ آپؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مانند چل رہی تھیں۔ جونہی رسولؐ اللہ کی نگاہ آپؑ پر پڑی تو آپؐ نے ان کا استقبال فرمایا اور خوش آمدید کہا اور انھیں اپنے پہلو میں جگہ دی اور اُن کے کان میں کچھ فرمایا جسے سن کر حضرت زہراؑ رونے لگیں۔ رسولؐ اللہ نے دوبارہ ان کے کان میں کوئی بات کہی جسے سن کر آپؑ نے تبسم فرمایا۔ میں نے اپنے دل میں کہا: عجیب۔ جس

---

① طبقات ابن سعد: ج ۲، ص ۱۲۵، صحیح مسلم: ج ۷، ص ۱۲۲، انساب الاشراف: ص ۵۵۲، الاعتقاد حافظ بیہقی: ص ۱۲۵، ذخائر العقبیٰ: ص ۳۹، تذکرۃ الخواص: ص ۳۱۹۔

طرح آج میں نے خوشی و مسرت اور غم و حزن کو ایک ساتھ دیکھا ایسا کبھی نہیں دیکھا۔ آخر ماجرا کیا ہے؟

جب پیغمبر اکرم ﷺ تشریف لے گئے تو میں نے حضرت سیدہ ؑ سے پوچھا کہ پیغمبر اکرم ؐ نے آپ ؑ سے کیا فرمایا تھا؟

حضرت فاطمہ ؑ نے فرمایا: راز ہے، جسے افشا نہیں کرسکتی۔ ہاں! جب پیغمبر ؐ اس دنیا سے رحلت فرما گئے۔ پھر میں نے آپ ؑ سے پوچھا کہ وہ راز کیا تھا؟

فاطمہ زہرا ؑ نے فرمایا: پیغمبر اکرم ﷺ نے مجھے آہستہ سے فرمایا: اے فاطمہ ؑ فرشتۂ وحی ہر سال مجھ پر ایک مرتبہ قرآن مجید پیش کرتا تھا، اس سال اُس نے دو مرتبہ مجھ پر قرآن پیش کیا ہے۔ یہ میری پیشین گوئی ہے کہ میں اپنی عمر کے آخری ایام میں ہوں اور تم میری اہلِ بیت ؑ میں سے مجھ سے لاحق ہونے والی پہلی ہستی ہو۔

جب میں نے یہ سنا تو میں نے بے اختیار رونا شروع کر دیا۔ اس وقت پیغمبر ؐ خدا نے فرمایا:

يَا فَاطِمَةُ اَلَا تَرْضِيْنَ اَنْ تَكُوْنِيْ سَيِّدَةَ نِسَاءِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَوْ سَيِّدَةُ نِسَاءِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ

"فاطمہ ؑ کیا آپ ؑ اس اعزاز سے خوش نہیں ہو کہ آپ ؑ اہلِ ایمان کی سیدہ و سالار ہیں یا اُس اُمت کی خواتین کی رہبر و سالار ہیں"۔

جب میں نے یہ سنا تو میرے دل کو سکون ملا اور میں نے تبسم کیا۔ (مسند احمد، ج ۶، ص ۲۸۲)

۴ بخاری نے اس مورد میں یہ حدیث نقل کی ہے:

فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّيْ يُغْضِبُنِيْ مَا اَغْضَبَهَا

"فاطمہ ؑ میرے وجود کا ٹکڑا ہے جس کسی نے انھیں ناراض کیا اُس نے مجھے ناراض کیا"۔ (صحیح بخاری: ج ۵، ص ۲۱، فضائلِ خمسہ: ج ۳، ص ۱۳۲)

ایک اور حدیث بھی بخاری نے نقل کی ہے:

فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّيْ مَنْ اٰذَاهَا فَقَدْ اٰذَانِيْ

"فاطمہ ؑ میرے جسم کا حصہ ہیں جس نے انھیں اذیت دی اُس نے مجھے اذیت دی"۔

ایک اور حدیث موجود ہے جس کے الفاظ تو مختلف ہیں، لیکن سب کا معنی و مفہوم ایک ہے۔

پیغمبر گرامی ؐ نے فرمایا:

فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّيْ يُؤْذِيْنِيْ مَا اٰذَاهَا يُغْضِبُنِيْ مَا اَغْضَبَهَا

"فاطمہؑ میرے جسم کا ٹکڑا ہیں جس نے اُنھیں اذیت دی اُس نے مجھے اذیت دی۔ جس نے اُنھیں ناراض کیا اُس نے مجھے ناراض کیا"۔ (مستدرک الصحیحین، ج ۳، ص ۱۵۴)

آپؐ نے فرمایا:

فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّیْ یَقْبِضُنِیْ مَا یَقْبِضُهَا وَیَبْسُطُنِیْ مَا یَبْسُطُهَا

"فاطمہؑ میرے وجود کا پارہ ہیں، جس نے اُنھیں آزردہ خاطر کیا اُس نے مجھے آزردہ خاطر کیا"۔ (صحیح ترمذی، ج ۲، ص ۳۱۹)

آپؐ نے فرمایا:

فَاطِمَةُ شَجْنَةٌ مِنِّیْ.... فَمَنْ اٰذَاهَا فَقَدْ اٰذَانِیْ

"فاطمہؑ میرے وجود کا حصّہ ہیں، جس کسی نے اُنھیں اذیت دی اُس نے مجھے اذیت دی"۔

آپؐ نے فرمایا:

فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّیْ یَسُرُّنِیْ مَا یَسُرُّهَا (فضائل الخمسہ، ج ۳، ص ۱۳۲)

"فاطمہؑ میرے جسم کا حصّہ ہیں، جس نے اُنھیں خوش کیا اُس نے مجھے خوش کیا"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنھیں اپنی محبت کا مرکز ومحور قرار دیا اور ارشاد فرمایا:

یَا فَاطِمَةُ اِنَّ اللّٰهَ یَغْضَبُ بِغَضَبِكِ وَیَرْضٰی لِرِضَاكِ

"فاطمہؑ! خداوند تعالیٰ آپؑ کے خشم ہونے سے خشمگین ہوتا ہے اور آپؑ کی خوشنودی سے خوشنود ہوتا ہے"۔

اور پھر فرمایا:

فَمَنْ عَرَفَ هٰذِهٖ فَقَدْ عَرَفَهَا وَمَنْ لَمْ یَعْرِفْهَا فَهِیَ بَضْعَةٌ مِنِّیْ، هِیَ قَلْبِیْ وَرُوْحِیَ الَّتِیْ بَیْنَ جَنْبَیَّ فَمَنْ اٰذَاهَا فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰهَ

"ہاں اے لوگو! جس نے فاطمہ علیہا السلام کو پہچانا ہے تو اُن کے حقوق کو پہچان لیا ہے اور جس نے نہیں پہچانا ہوشیار باش! وہ میرے وجود کا حصّہ ہیں، وہ میرا قلب ہیں، وہ میری روح ہیں۔ جس نے اُنھیں اذیت دی اُس نے مجھے اذیت دی"۔

آپؐ نے یہ بھی فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ يَغْضِبُ لِغَضَبِ فَاطِمَةَ وَيَرْضَى لِرِضَاهَا

"خداوند تعالیٰ حضرت فاطمہ علیہا السلام کے غضب ہونے سے غضب ناک ہوجاتا ہے اور اُن کی خوشنودی سے خوشنود ہوجاتا ہے"۔

مندرجہ بالا روایات کو پچاس سے زیادہ محدثین دانش وروں نے اپنی کتب میں نقل کیا ہے۔ اُن میں سے چند ایک کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

① احمد ابن حنبل	② بخاری	③ ابن ماجہ
④ ترمذی	⑤ سجستانی	⑥ محدث نسائی
⑦ ابوالفرج	⑧ علامہ نیشاپوری	⑨ ابونعیم
⑩ محدث بیہقی	⑪ خوارزمی	⑫ ابن عساکر
⑬ ابن جوزی	⑭ ابن اثیر	⑮ ابن ابی الحدید
⑯ سیوطی	⑰ ابن حجر	⑱ بلاذری

ہم اگر ان تمام محدثین کا ذکر کرتے ہیں تو بحث طولانی ہوجائے گی۔

جالبِ نظر یہ ہے کہ یہ سبھی احادیث متواتر اور ازراہِ سند صحیح ہیں۔ تمام اسلامی مکاتب کے درمیان یہ احادیث مشہور ہیں۔ ان احادیث کو تمام صحابہ کرام اور تابعین عظام نے قبول فرمایا ہے۔

اس کتاب کے آنے والے صفحات میں کافی گنجائش ہے کہ جس میں ہم صحابہ کا ذکر کریں گے جنھوں نے ان احادیث کی صحت کا اعتراف کیا ہے اور اُنھوں نے اُنھی احادیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے۔ اب تابعین میں سے ابوالفرج کا حوالہ دیتے ہیں۔ اُنھوں نے اپنی کتاب الاغانی، ج ۸، ص ۳۰۷ میں روایت کی ہے:

عبداللہ بن حسن (جن دنوں وہ نوجوان تھے) عمر بن عبدالعزیز کی مجلس میں آئے۔ خلیفہ نے اُن کا احترام کیا اور اپنی مجلس کی صدارت میں جگہ دی۔ اُن کے تمام مسائل سنے اور اُن کی حوائج کو پورا کیا اور آخر میں اُن کے شکم کی ایک شکن کو پکڑا اور اُسے دبایا۔ جناب عبداللہ نے درد کا احساس کیا۔ عمر بن عبدالعزیز نے اُنھیں کہا: میں نے ایسا اس لیے کیا ہے تاکہ کل تم قیامت کے دن بارگاہِ خداوندی میں میری شفاعت کرنا۔

جس وقت وہ چلے گئے تو عمر بن عبدالعزیز پر اُن کے ساتھیوں نے اعتراض کیا کہ آپ نے یہ کیا کیا؟ ایک نوجوان لڑکے کی اتنی قدر و عزت کی؟ جناب عمر بن عبدالعزیز نے کہا: مجھے ایک ثقہ راوی نے بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا:

اِنَّمَا فَاطِمَۃُ بِضْعَۃٌ مِنِّی یَسُرُّنِی مَا یَسُرُّھَا ۔

"فاطمہؑ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جس نے اُنھیں خوش کیا اُس نے مجھے خوش کیا"۔

میں بخوبی جانتا ہوں کہ اگر پیغمبرؐ خدا کی بیٹی حضرت فاطمہ علیہا السلام آج زندہ ہوتیں تو وہ اپنے فرزند کے اس احترام سے خوش ہوتیں۔

حاضرین نے پوچھا: آپ نے ان کے شکم کو کیوں دبایا؟

جناب عمر نے جواب دیا: بنوہاشم کا کوئی ایسا فرد نہیں ہے جو حقِ شفاعت نہ رکھتا ہو۔ میں نے اُمید کی ہے کہ میں ان کی شفاعت کے دائرہ میں آجاؤں۔

سمہودی اس حدیث فَاطِمَۃُ بِضْعَۃٌ مِنِّی...... کے بعد کہتا ہے: اس حدیث سے یہ درس ملتا ہے کہ جس کسی نے اولادِ فاطمہ زہراؑ میں سے کسی کو تکلیف دی اُس نے اُنھیں تکلیف دی اور جس کسی نے اُن کی اولاد میں سے کسی کو شادمان کیا اور اس کا احترام کیا تو اُس نے حضرت زہرا علیہا السلام کا احترام کیا۔

سُہیلی لکھتے ہیں کہ یہ حدیث اس حقیقت پر دلالت کرتی ہے کہ جس کسی نے حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کی توہین کی تو اُس نے کفر کیا۔ جس نے اُن پر درود وسلام بھیجا اُس نے اُن کے والد گرامی پر درود وسلام بھیجا۔

اس حدیث سے یہ استنباط ہوتا ہے کہ حضرت زہرا علیہا السلام کی اولاد اُنھی کی مثل ہے، کیونکہ وہ اُن کے وجود کا حصّہ ہیں۔ ایک شاخ کا تنے سے جدا کرنا اُس تنے کے جدا کرنے کے مترادف ہے۔ اور یہ اَمر غیر ممکن ومحال ہے۔ تنا ہو یا شاخ، ان کی اصل (جڑ) ایک ہی ہوتی ہے۔ شاخ وتنا وہی خواص وشرائط رکھتے ہیں جو جڑ رکھتی ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ سمہودی کا اس حدیث سے اور اس کی توضیح سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس نے اولادِ فاطمہ زہرا علیہا السلام میں سے کسی کو اذیت دی تو اس نے اپنے آپ کو ہلاکت اَبدی میں ڈالا۔ اور ممکن ہے کہ اُس کا اشارہ اس آیت کریمہ کی طرف ہو (اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّلَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًا....) "بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کو اذیت دیتے ہیں......"۔ (سورۂ احزاب: آیت ۵۷)

نیز ممکن ہے کہ اس کا اشارہ اس آیت کی طرف ہو: وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰہِ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ "جو لوگ رسولؐ اللہ کو اذیت دیتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے"۔ (سورۂ توبہ: آیت ۶۱)

اُن کا بابا اُن پر قربان

دوبارہ ہم اصل بحث کی طرف لوٹتے ہیں، یعنی ان احادیث کی طرف جن سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر گرامیؐ کو اپنی بیٹی سے کس قدر محبت تھی۔ تمام کاموں میں سے ایک دشوار ترین کام یہ ہے کہ اُن احادیث کو شمار کیا جائے جو اس حقیقت و واقعیت پر مشتمل ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ سفر کا رادہ فرماتے تھے سب سے آخر میں جسے وداع فرماتے تھے وہ آپؐ کی دختر فرزانہ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام ہوتی تھیں۔ درحقیقت انھی کے خانۂ اقدس سے اپنے سفر کا آغاز فرماتے تھے اور جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے اپنی بیٹی کے گھر میں تشریف لاتے، پھر اپنی ازواج کے گھروں کی طرف جاتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس دختر فرزانہ کو ازواج رسولؐ اور کائنات کی تمام عورتوں پر فضیلت عطا کر رکھی تھی۔

ایک دفعہ پیغمبر اسلام ﷺ نے سفر کیا۔ آپؐ کی بیٹی نے اس مالِ غنیمت سے (جو امام علیؑ گھر میں لائے تھے) ایک پردہ خریدا اور اُسے اپنے کمرے کے دروازے پر نصب فرمایا اور چاندی کے دو کنگن خریدے جو اپنے دونوں فرزندوں کے ہاتھوں میں پہنائے۔ جب پیغمبر گرامیؐ سفر سے واپس ہوئے تو معمول کے مطابق اپنی بیٹی کے گھر میں تشریف لائے۔ آپؐ کی دختر فرزانہ نے بڑھ کر اپنے بابا کا استقبال کیا، لیکن رہبر بزرگِ توحید نے جونہی اپنی بیٹی کے گھر میں قدم رکھے آپؐ کی نگاہ پردے پر پڑی اور حسنین شریفینؑ کے ہاتھوں کے کنگنوں پر پڑی اور اپنے ان عزیزوں کا دیدار کر کے دروازے ہی سے واپس چلے گئے۔ حضرت سیّدہ زہرا علیہا السلام پریشان ہوئیں اور رونے لگیں اور بارگاہِ توحید میں عرض کیا: خدایا! تیرے رسولؐ نے اس سے قبل تو کبھی ایسا انداز نہیں اپنایا تھا۔ اُنھوں نے آج ایسا انداز کیوں اپنایا ہے؟ آپؑ نے فوراً اپنے بچوں کے ہاتھوں سے کنگن اُتارے اور بعدازیں وہ پردہ بھی اُتار دیا اور وہ پردہ اور کنگن اپنے بچوں کو دیئے کہ وہ یہ سب کچھ اپنے نانا حضورؐ کے پاس لے جائیں اور اُن کے حضور اپنی ماں کا سلام بھی پہنچائیں۔ دونوں شہزادے بارگاہِ پیغمبرؐ میں روتے ہوئے پہنچے اور اپنی والدہ کا سلام بھی پہنچایا۔ پیغمبر اکرمؐ نے اپنے شہزادوں کو اپنی گود میں لیا اور بوسے دینے شروع کر دیے۔ آپؐ نے حکم دیا کہ اس پردہ اور کنگنوں کو مساکین میں تقسیم کر دیا جائے۔

یہ روایت تمام شیعہ اور سُنّی محدثین کے درمیان خاصی مشہور ہے۔ اس حدیث کو مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ہے، لیکن اس حدیث کی مزید وضاحت کی ضرورت ہے۔

اس حدیث میں جس پردے کا ذکر ہے وہ گھر کے دروازے کا پردہ نہیں تھا۔ ایسا پردہ جو گھر کے ستر اور پردہ داری کے لیے ہوتا ہے اس میں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کا ہونا تو بہتر ہے، لیکن دختر پیغمبرؐ کا یہ وہ پردہ تھا جو انھوں نے اپنے کمرہ کے دروازے پر زینت کے لیے نصب کیا تھا۔ یہ بات روشن ہے کہ ایسا پردہ حضرت فاطمہ زہرا ؑ کے خانۂ اقدس کے لیے کوئی ناپسندیدہ کام نہیں تھا، لیکن ایسا پردہ خاندانِ رسالتؐ کی پارسائی و فداکاری اور ایثار کے لیے مناسب نہیں تھا اور وہ کنگن بھی ان کے زُہد سے مناسبت نہیں رکھتے تھے۔ اگر یہ حدیث صحیح ہے حضرت فاطمہ زہرا ؑ کے لیے بہتر تھا کہ وہ اپنے اس پردہ کو اللہ کے راستے میں خرچ کر دیتیں کیونکہ ہر طرف بھوک و افلاس نے ڈیرے ڈال رکھے تھے، ضرورت مند اور مساکین کثرت کے ساتھ تھے۔

ابن شاہین نے (مناقب فاطمہؑ) میں ابوہریرہ اور ثوبان سے یہ حدیث تھوڑے سے فرق کے ساتھ نقل کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اپنی بیٹی کی طرف معمولی قیمت کا پردہ اور تھوڑی قیمت کے کنگن بھیج چکے تو تین مرتبہ اپنی بیٹی سے فرمایا:

فَعَلَتْ فِدَاهَا اَبُوْهَا، مَا لِآلِ مُحَمَّدٍ وَلِلدُّنْيَا فَاِنَّهُمْ خُلِقُوْا لِلْآخِرَةِ وَخُلِقَتِ الدُّنْيَا لَهُمْ

"فاطمہ زہراؑ نے ایسا کیا اُن کا باپ اُن پر قربان، خاندانِ محمدؐ کو اس دنیا سے کیا کام وہ تو سرائے جاودانہ کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ یہ دنیا تو انھی کے لیے تخلیق کی گئی ہے"۔

احمد ابن حنبل کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ میرے اہل بیتؑ میں مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ وہ اپنی اس دنیاوی زندگی میں لذیذ کھانے کھائیں۔

اس بیان سے یہ خوبصورت حقیقت سامنے آتی ہے کہ پیغمبرؐ اسلام کو پسند نہیں تھا کہ اُن کی بیٹی کے اُخروی اجر و ثواب میں ذرہ برابر کمی پیدا ہو، کیونکہ اس دنیا کی تلخیوں اور رنج و سختیوں کا عوض وہ اُخروی دنیا ہے جو ہمیشہ باقی رہنی ہے۔

یہ درج ذیل حدیث ہماری اس گفتگو کی مزید وضاحت کرتی ہے۔ تفسیر ثعلبی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی کو اس حال میں دیکھا کہ انھوں نے اپنے جسم پر چادر اوڑھ رکھی تھی اور ایک ہاتھ سے آٹا پیسنے کے لیے چکی چلا رہی تھیں اور دوسرے ہاتھ پر اپنے فرزند کو لیے ہوئے دودھ پلا رہی تھیں۔ رسولؐ اللہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا:

يَا بِنْتَاهُ تَعَجَّلِيْ مَرَارَةَ الدُّنْيَا بِحَلَاوَةِ الْآخِرَةِ

"اے میری دختر! دنیا کی سختیوں اور تلخیوں کو برداشت کرو تاکہ آخرت کی جاودانہ شیریں نعمات

کو حاصل کرو"۔

حضرت فاطمہ زہرا ؑ نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! میں ہر حال میں اللہ کی بے کراں نعمات پر اُس کا شکر ادا کرتی ہوں تو اسی وقت قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی (سورۂ ضحیٰ: آیت ۵)

"بہت جلد تیرا پروردگار تجھے اس قدر بے پناہ نعمات عطا فرمائے گا کہ آپ خوشنود و شادمان ہوجائیں گی"۔

فاطمہ زہرا ؑ کی اخلاقی اور انسانی خصوصیات

زُہد و انفاق۔

حضرت فاطمہ زہرا ؑ اللہ کی راہ میں زُہد و پارسائی اور انفاق فی سبیل اللہ میں اَرفع و اعلیٰ مقام رکھتی تھیں۔ زُہد و پارسائی کا مفہوم و مطلب یہ ہے کہ دنیا کی ہر چیز کو چھوڑ چھاڑ دینا اور اپنے دل کو دنیا کو اس دنیا کی ہر چیز سے الگ تھلگ کرلینا۔ یہ بات روشن ہے کہ جس قدر ایک انسان کی اُخروی جہان سے دل بستگی اور عشق و علاقہ بیشتر سے بیشتر ہوتا ہے تو اس قدر اس دنیائے فانی اور اس کی عارضی لذات سے دل اُچاٹ ہونے لگتا ہے اور انسانی روح و جان میں سرائے آخرت کی محبت پختہ تر ہونے لگتی ہے اور فکر و افکار کی دنیا میں اس دنیا اور اس کے لوازمات سے حقارت اور دُوری کے جذبات پیدا ہونے لگتے ہیں جس قدر انسان خرد و آگاہی میں اور اللہ ایمان کے سلسلے میں مضبوط ہونے لگتا ہے اس قدر اس جہان فانی کی لذت اور اس سراب نما زندگی کی اس کی نظروں میں کوئی قیمت وقعت باقی نہیں رہتی۔

اے قاریٔ عزیز! کیا آپ نے بچوں کے کھیل کود میں کبھی غور کیا ہے۔ بچوں کو اس کھیل کود میں جو لذت کے سامان ملتے ہیں اُن کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا۔ اُنھیں کھانا بھول جاتا ہے، اُنھیں سونا بھول جاتا ہے۔ اس دوران خوش بھی ہوتے ہیں۔ کھیل کود کے سامان پر لڑتے جھگڑتے بھی ہیں۔ ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرتے ہیں۔ اس لاحاصل اور بے فائدہ کام میں افسردگی بھی اُٹھاتے ہیں۔

جی ہاں! جب ان کی عقل پختہ ہوتی ہے اور ان کا شعور کامل اور بلند ہوتا ہے تو وہ ان کو دکانہ کھیلوں سے فرار کرنا شروع کردیتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو ان مُہمل میلوں ٹھیلوں سے بلند و بالا خیال کرنے لگتے ہیں اور اس کام کو اپنی شخصیت کے لیے کوچک اور نقصان دہ اور اپنی عزت و وقار کے منافی قرار دیتے ہیں۔ اُن میں یہ تبدیلی اس لیے آئی

ہے کہ اُن کے مدارک نے پختگی حاصل کرلی ہے۔ وہ اب اپنے بچپن کے دور سے عبور حاصل کر چکے ہیں۔ اب اُنھوں نے بندگی کی دہلیز پر قدم رکھ لیے ہیں۔

جی ہاں! اللہ کے برگزیدہ اور اُس کے ولی اس طرح ہوتے ہیں وہ دنیا اور اس کی لذتوں، لوازمات اور ٹھاٹھ باٹھ کو چشمِ حقارت سے دیکھتے ہیں۔ اُن کے قلوب دنیا کی محبت سے بہت دُور رہتے ہیں۔ اُنھیں مادی جاہ و جبروت سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ وہ دنیا کو دنیا کے لیے نہیں چاہتے بلکہ وہ اس دنیا کو رُشدِ معنوی، سرمایہ رُستگاری اور اُخروی جہان کی آبادکاری کے لیے چاہتے ہیں۔ اُنھیں اس دنیا سے پیار و محبت اس لیے ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کرنا چاہتے ہیں۔ وہ مال و ثروت چاہتے ہیں، لیکن اس سے اُن کی غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ اُسے اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں اور اپنے لیے آخرت میں جنتِ جاودانہ حاصل کریں۔ وہ مالِ دنیا سے بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ بے لباس لوگوں کو لباس عطا کرتے ہیں۔ درماندہ اور بے سہارا لوگوں کو تکالیف سے نجات دلاتے ہیں اور ستم زدہ لوگوں کو آزادی و حریت اور اُن کے حقوق دلاتے ہیں۔

امیرالمومنین علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

إِنَّ الدُّنْيَا دَارُ صِدْقٍ لِمَنْ صَدَقَهَا وَدَارُ عَافِيَةٍ لِمَنْ فَهِمَ عَنْهَا ، وَدَارُ غِنًى لِمَنْ تَزَوَّدَ مِنْهَا وَدَارُ مَوْعِظَةٍ لِمَنِ اتَّعَظَ بِهَا ، مَسْجِدُ أَحِبَّاءِ اللهِ ، وَمُصَلَّى مَلَائِكَةِ اللهِ وَمَهْبَطُ وَحْيِ اللهِ ، وَمَتْجَرُ أَوْلِيَاءِ اللهِ ، اِكْتَسَبُوْا فِيْهَا الرَّحْمَةَ وَرَبِحُوْا فِيْهَا الْجَنَّةَ

"بلاشبہ دنیا اس شخص کے لیے جو باور کرے سچائی کا گھر ہے اور جو اس کی ان باتوں کو سمجھے اُس کے لیے امن و عافیت کی منزل ہے اور اُس سے زادِ راہ حاصل کرے۔ اس کے لیے دولت مندی کی منزل ہے اور جو اس سے نصیحت حاصل کرے اس کے لیے وعظ و نصیحت کا محل ہے۔ وہ دوستانِ خدا کے لیے عبادت کی جگہ اللہ کے فرشتوں کے لیے نماز پڑھنے کا مقام، وحیِ الٰہی کی منزل اور اولیاء اللہ کی تجارت گاہ ہے۔ اُنھوں نے اس میں فضل و رحمت کا سودا اور اس میں رہتے ہوئے جنت کو فائدہ میں حاصل کیا"۔ (نہج البلاغہ، قصار ۱۳۱)

زُہد و پارسائی

اے قاریٔ عزیز! اس بیان سے آپ پر یہ بات آسان ہو گئی ہے اور آپ حضرت سیدہ فاطمہ علیہا السلام کے زُہد و

پارسائی کی اساس کو آسانی کے ساتھ ادراک کر سکتے ہیں۔ انھوں نے اس دنیا کو اچھی طرح سے پہچانا اور انھیں اُخروی حیات کا حقیقی ادراک تھا۔ اب کوئی تعجب کی بات باقی نہیں رہ جاتی کہ آپؑ نے اپنی زندگی میں کم سے کم اس دنیا اور اس کی ضروریات سے استفادہ کیا۔ آپؑ نے اپنی زندگی میں مواسات اور ایثار کی فضیلت کو اپنایا۔ آپؑ کی نظر اس دنیا کی ثروت و رزق و برق کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔

یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، کیونکہ آپؑ کائنات کے پارسا ترین انسان کی دختر تھیں۔ ان کی عقیدتی زندگی زُہد کے ساتھ مربوط تھی اور ان کی اجتماعی زندگی پوری کائنات کے لیے نمونہ عمل ہے۔

آپؑ اپنے والد گرامی (جو کائنات کے سب سے بڑے زاہد انسان تھے) کی سیرت پر چلنے کے اعتبار سے تمام انسانوں میں اُولویت رکھتی ہیں۔

حضرت فاطمہ زہراؑ کی امیر المومنین حضرت امام علی علیہ السلام کے ساتھ اَزدواجی زندگی، پارسائی، سادگی اور معنوی شان و شوکت سے معمور تھی، کیونکہ آپؑ کے شوہر نامدار تمام انسانوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زُہد و پارسائی کی اتباع کرنے کے اعتبار سے اوّلین حیثیت رکھتے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ تاریخ اسلام نے حضرت امام علی علیہ السلام سے بڑھ کر کوئی زاہد و پارسا انسان نہیں دیکھا۔ کیونکہ امام علی علیہ السلام تو وہ تھے کہ جنھوں نے زَر و زیور، سونے اور چاندی سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا:

يَا صَفْرَاءُ وَيَا بَيْضَاءُ غُرِّيْ غَيْرِيْ

"ہاں، اے سونا اور چاندی مجھ سے دُور ہو جاؤ۔ میرے علاوہ کسی اور کو دھوکا نہ دو"۔

حضرت امام علی علیہ السلام کی شخصیت تو وہ تھی کہ آپؑ نے جب ایک بے نوا اَعرابی کے لیے حکم جاری فرمایا تھا کہ اُسے ایک ہزار دے دیے جائیں تو آپؑ کے وکیل نے پوچھا تھا: سالارِ مَن! ایک ہزار چاندی یا سونا؟

آپؑ نے فرمایا تھا: اُسے جو بھی دے دو میری نظر میں دونوں سنگ و خار ہیں۔ جس میں اس کا زیادہ فائدہ ہو وہی اُسے دے دیجیے۔

ہم نے اپنی کتاب (علی من المهد الی اللحد) میں سے اس موضوع کے متعلق چند واقعات حضرت فاطمہ زہراؑ کے زُہد کی مناسبت سے یہاں نقل کیے ہیں۔ حالانکہ آپ نے اس کتاب کے گزشتہ صفحات میں آپؑ کے انفاق فی سبیل اللہ پر مشتمل احادیث پڑھی ہیں۔ ہم نے ان کا ذکر بابِ اَزواج اور سورۂ ھَل اَتٰی کے نزول کے ضمن میں کیا ہے۔

ہم یہاں چند احادیث پیش کرتے ہیں جن میں نفسِ موضوع پیش کیا گیا ہے۔ کتاب "بشارت المصطفیٰ" میں

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نمازِ عصر پڑھی۔ جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو محراب میں بیٹھ گئے اور لوگ آپ کے اردگرد بیٹھ گئے۔ اچانک ایک غریب، بوڑھا مسافر مسجد میں وارد ہوا۔ وہ پھٹے پرانے لباس میں ملبوس تھا۔ پیری و ناتوانی نے اُسے کچھ اس طرح گھیر رکھا تھا کہ اُس میں چلنے پھرنے کی طاقت نہ تھی۔

مہربان پیغمبرؐ نے اس کی طرف رُخِ انور فرمایا اور اس کا حال پوچھا۔

اس نے کہا: میں سخت بھوکا ہوں، کھانا نہیں ہے کہ جسے کھاؤں اور اپنی بھوک مٹاؤں۔ لباس نہیں ہے کہ جسے پہنوں۔ ایک فقیر ہوں، میری حاجت پوری فرمایئے۔

پیغمبر گرامی نے فرمایا: اے میرے دوست! اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے کہ جس سے آپ کی مدد کروں۔ بہرحال جو شخص اچھائی و بھلائی کی طرف رہبری کرے وہ اچھائی کرنے والے کی مثل ہے۔ میں تجھے حضرت فاطمہ زہراؑ کے خانۂ اقدس کی طرف رہنمائی کرتا ہوں۔ اللہ اور اس کا رسولؐ اُن سے محبت کرتے ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتے ہیں۔ وہ ہمیشہ اللہ کی خوشنودی کے لیے، اس کی ذات کو اپنے اُوپر مقدم سمجھتی ہیں۔ ان کے دروازے پر جاؤ وہ ضرور تمھاری مدد کریں گی۔ حضرت زہراؑ کا گھر رسول اللہؐ کے گھر کے ساتھ متصل تھا۔ آپؐ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ اس فقیر کو اُن کی بیٹی کے گھر کے دروازے پر لے جاؤ۔ جب وہ اعرابی حضرت بلالؓ کے ہمراہ سیّدہ کے دروازے پر آیا تو اُس نے بلند آواز سے کہا: اے اہلِ بیتؑ نبوت! اے منزلِ آمد و رفتِ ملائکہ! اے جبرئیل امینؑ کے اُترنے کی جگہ! میری مدد کیجیے۔

حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام نے اس سے پوچھا: تُو کون ہے؟

اس نے جواب دیا: اے دخترِ پیغمبرؐ! میں ایک بوڑھا آدمی ہوں۔ دُور دراز سے آیا ہوں۔ بھوکا، بے لباس و بے نوا و بے کس ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپؑ پر اپنا لُطف و کرم نازل فرمائے۔ میری مدد کیجیے حالانکہ یہ عظیم گھر تین روز سے فاقے سے تھا۔ خود پیغمبرؐ خدا حضرت امام علی علیہ السلام اور حضرت سیّدہ فاطمہ زہراؑ بھی تین دن سے بھوکے تھے۔

حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام نے گوسفند کا رنگین چمڑا اُٹھایا اور اُس سائل کو پیش کیا۔ اسی چمڑے پر آپؑ کے دونوں شہزادے حسنین شریفینؑ سویا کرتے تھے۔ آپؑ نے اُس سے فرمایا: اسے لے جایئے مجھے خداوند مہربان پر اُمید ہے کہ وہ تجھے اِس سے بہتر عطا فرمائے گا۔ اس بوڑھے نے کہا: اے دخترِ پیغمبرؐ! میں نے آپؑ سے بھوک کی شکایت کی ہے۔ آپؑ مجھے یہ چمڑا دے رہی ہیں۔ میں بھوکا آدمی اسے کیا کروں گا؟

اس دوران حضرت فاطمہ زہرا نے اپنے گلے سے گلوبند اُتارا (آپ کو یہ گلوبند حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کی بیٹی نے ہدیہ کیا تھا)۔ آپؑ نے اُسے سائل کے حوالے کیا اور فرمایا: اسے لے جا اور فروخت کر دے۔ خداوند تعالیٰ آپؑ کو اس سے بہتر عطا فرمائے گا۔ اس بوڑھے نے خوشی خوشی اس گلوبند کو لیا اور مسجد میں واپس آیا۔

پیغمبر گرامیؐ ابھی اپنے اصحابِ کرام کے حلقہ میں موجود تھے۔ اس آدمی نے کہا: یارسول اللہ! آپؐ کی بیٹی نے مجھے یہ گلوبند عنایت کیا ہے اور انھوں نے مجھے کہا ہے کہ اسے فروخت کروں اور اسی کی قیمت سے اپنی حوائج پوری کروں اور انھوں نے میری محرومیت کے خاتمے کی دعا بھی کی ہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روئے اور فرمایا: اے بندۂ خدا! خداوند تعالیٰ کیسے تیری زندگی کے مسائل حل نہ فرماتا، حالانکہ حضرت فاطمہ بنت محمدؐ سیدہ نساء العالمین نے تجھے اپنا گلوبند دے دیا۔

حضرت عمارؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اجازت فرمائیے کہ میں اسی گلوبند کو خرید لوں؟

رسول اللہ نے فرمایا: کیوں نہیں آپ ہی خرید لیں۔ اگر تمام جن و انس اس گلوبند کو تمہارے ساتھ خریدنے کے لیے تیار ہو جائیں تو خداوند تعالیٰ انھیں جہنم میں نہیں ڈالے گا۔

حضرت عمارؓ نے اس بوڑھے سے پوچھا: اس گلوبند کو کتنے میں فروخت کریں گے؟ اس بوڑھے نے جواب دیا کہ اس کی قیمت کچھ گوشت روٹی ہو جائے۔ اس کے ساتھ یمنی چادر کہ جسے اپنے اُوپر ڈال سکوں اور اس پر نماز پڑھ سکوں اور چند دینار کہ جن کے ذریعے اپنے خاندان کی طرف واپس جا سکوں۔

حضرت عمارؓ کو جنگ خیبر سے کچھ مالِ غنیمت ملا تھا آپ نے اُسے بیچ کر اس سے اپنی ضروریات پوری کی تھیں اور اس مال میں آپ کے پاس کچھ باقی نہیں رہا تھا لیکن باوجود اس کے ان کے پاس کچھ رقم اور سامان تھا۔ آپ نے اس بوڑھے سے کہا: میں تجھے اس گلوبند کے عوض بیس دینار اور دو سو درہم اور یمنی چادر اور ایک سواری دیتا ہوں، جو تجھے اپنے اہل و عیال تک پہنچا دے گی۔ علاوہ ازیں تجھے گندم کی روٹی اور گوشت سے بھی سیر کراتا ہوں۔ اب یہ گلوبند میرے حوالے کر دیجیے۔

اُس بوڑھے نے ازراہِ تعجب کہا کہ تم ایک سخی انسان ہو، میں حاضر ہوں۔

حضرت عمارؓ اُسے اپنے گھر لے گئے۔ اُسے کھانا کھلایا اور جن چیزوں کا وعدہ کیا تھا وہ بھی اُسے پیش کر دیں۔

وہ بوڑھا واپس آیا۔ پیغمبرؐ اسلام نے اُس سے پوچھا: کیا تمھیں لباس مل گیا ہے اور کھانا کھا لیا ہے؟

اُس نے جواب دیا: جی ہاں! سب کچھ مل گیا ہے۔

پیغمبرِ اسلام نے فرمایا: میری بیٹی کے حق میں دُعا کرنا۔

اُس نے اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کیا اور کہا: خدایا! تو وہ خدا نہیں ہے کہ جس نے ہمیں پیدا کیا ہے؟ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ تو ہی ہمیں ہر طرف سے روزی رزق دینے والا ہے۔ اے اللہ! حضرت فاطمہ زہراؑ کو اتنا عطا فرما کہ جسے کسی آنکھ نے دیکھا ہو اور نہ کسی کان نے سنا ہو۔

جناب عمارؓ نے وہ گلوبند اُس بوڑھے سے لیا اور اُسے مشک سے معطر کیا اور یمنی چادر میں لپیٹا اور اپنے غلام "سہم" کے حوالے کیا۔ آپ نے یہ غلام اُس مالِ غنیمت کی قیمت سے خریدا تھا جو آپ کو جنگِ خیبر سے ملا تھا۔ جناب عمارؓ نے اُسے کہا کہ یہ سامان رسول اللہؐ کی خدمتِ اقدس میں لے جاؤ اور تم بھی انہی کی ملکیت ہو۔ وہ غلام بارگاہِ نبوت میں پہنچا۔ وہ چادر یمنی جس میں گلوبند تھا حضورؐ کے حوالے کیا اور حضرت عمارؓ کا پیغام بھی دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ سب کچھ فاطمہ زہراؑ کے پاس لے جاؤ اور اُن کے حوالے کردو۔ اب تم انہی کے غلام ہو۔

غلام بارگاہِ مرکزِ عترت و طہارت میں پہنچا اور اُس نے وہ گلوبند حضرت زہراؑ کے حوالے کیا اور پیغمبرِ گرامیؐ کا پیغام بھی دیا۔ حضرت سیّدہ نساء العالمین نے وہ گلوبند لیا اور غلام کو اللہ کے راستے میں آزاد کر دیا۔ غلام ہنسنے لگا۔ حضرت زہراؑ نے ہنسنے کی وجہ پوچھی تو اُس نے جواب دیا: اس گلوبند کی برکت نے مجھے ہنسا دیا ہے۔ کیونکہ میں خود گواہ ہوں کہ اس نے ایک بھوکے کی بھوک ختم کی ہے۔ ایک بے لباس کو لباس پہنایا ہے۔ ایک حاجت مند کی حاجت روائی کی اور ایک غلام کو آزاد کیا اور پھر اپنے مالک کے پاس واپس آ گیا۔

یہ ہے میری داستان

علامہ مجلسی نے "تفسیر فرات کوفی" سے اور اُس نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے۔ ایک دن امیر المومنین حضرت امام علی علیہ السلام کو سخت بھوک لگی ہوئی تھی۔ آپؑ نے سیّدہ کائنات حضرت زہراؑ سے پوچھا: کیا گھر میں کوئی کھانے کا سامان ہے؟

حضرت فاطمہ زہراؑ نے عرض کیا: نہیں، جس خدا نے میرے والد کو اپنا رسولؐ بنایا اور آپؑ کو اُن کا جانشین بنایا، گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہیں ہے۔ دو دن سے میں خود بھوکی ہوں جو کچھ گھر میں ہوتا تھا وہ میں آپ کو اور اپنے دونوں شہزادوں کو کھلا دیتی تھی اور خود فاقے سے رہتی تھی۔

حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا: آپ نے مجھے تو نہیں بتایا کہ گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ہے، ورنہ میں بازار جاتا اور گھر میں کھانے کا سامان لے آتا۔

حضرت زہرا علیہا السلام نے عرض کیا: مجھے اپنے رب سے حیا آتی ہے کہ میں آپ کو وہ بات کیسے کہوں، جس کی قدرت آپ کے پاس نہیں تھی۔

حضرت امیر علیہ السلام اپنے رب رحیم کے رحم و کرم پر گھر سے باہر تشریف لائے اور چند دینار قرض لیے اور اپنے گھر کی غذائی ضروریات لینے کے لیے بازار کی طرف چل پڑے۔ اس دوران آپ کی نگاہ حضرت مقداد پر پڑی کہ جو سخت گرمی میں گھر سے باہر نکلے ہوئے ہیں۔ حرارتِ خورشید نے جن کے چہرے کے رنگ کو دگرگوں کر رکھا تھا اور سورج سے جلتی ہوئی زمین نے اُن کے پاؤں کو جھلسا رکھا تھا۔

جناب امیر علیہ السلام نے تعجب کے انداز میں اُن سے پوچھا: کیا وجہ ہے کہ اس وقت آپ گھر سے باہر ہیں؟

جنابِ مقداد نے جواب دیا: اے میرے امیر! آپ تشریف لے جائیے۔ میری درخواست ہے کہ آپ مجھ سے کسی قسم کی بات نہ پوچھیں۔

حضرت امام علی علیہ السلام نے فرمایا: یہ تو ممکن ہی نہیں ہے کہ میں تجھے پریشان حال چھوڑ کر چلا جاؤں۔

حضرت مقداد نے عرض کیا: اے میرے سید و سالار! آپ کو خدا کا واسطہ آپ تشریف لے جائیں، مجھے اپنے حال پر رہنے دیں، میرا حال مت پوچھیں۔

حضرت امیرالمومنین نے فرمایا: اے برادرِ عزیز! آپ کے لیے ممکن ہی نہیں ہے کہ آپ مجھے اپنی مشکل نہ بتائیں۔ اپنا حال دیجیے شاید میں آپ کے لیے کچھ کرسکوں۔

جنابِ مقداد نے عرض کیا: آپ کے مسلسل اِصرار نے مجھے اپنی حقیقتِ حال کے اظہار پر مجبور کردیا ہے۔

اُس خدا کی قسم، جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسالت عطا فرمائی ہے اور آپ کو اُن کا جانشین و خلیفہ مقرر کیا ہے۔ افلاس و ناداری نے میرا یہ حال کردیا ہے کہ میرے گھر میں افلاس نے اپنے سایے جما رکھے ہیں۔ میرے گھر میں کھانے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ گھر کا ہر فرد بھوک سے تڑپ رہا ہے۔ اُن کی حالت مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔

بیوی اور بچوں کے گریہ و زاری نے میرا بُرا حال کر رکھا ہے۔ اس لیے گھر سے باہر نکل آیا ہوں۔ اب آپ کے سامنے حیران و پریشان گلی کوچوں میں سرگرداں ہوں۔

اے میرے امیر! یہ میری درد بھری داستان ہے۔

جب امیرالمومنین حضرت امام علی علیہ السلام نے جناب مقدادؓ کا حال سنا تو آپؑ بے اختیار رونے لگے، حتیٰ کہ آپؑ کی ریشِ مقدس آنسوؤں سے بھیگ گئی۔ آپؑ نے روتے ہوئے فرمایا: اے مقدادؓ! جس خدا کی تو نے قسم کھائی ہے میں بھی اُسی کی قسم کھاتا ہوں۔ میرا حال بھی وہی ہے جو آپ کا ہے۔ میں بھی آپ کی طرح اس وقت سخت گرمی میں اپنے گھر سے باہر ہوں۔ یہ چند دینار قرض لیے ہیں، تاکہ گھر کے لیے غذائی سامان خرید سکوں، لیکن اب آپ کی یہ حالت مجھ سے دیکھی نہیں جاتی، اس لیے آپ کو اپنی ذات پر مقدم سمجھتا ہوں۔

آپؑ نے ایثار اور بے پناہ اخلاص کی بنا پر وہ دینار جناب مقدادؓ کے حوالے کردیے اور نماز پڑھنے کے لیے مسجد نبویؐ تشریف لے گئے۔ وہاں آپؑ نے نمازِ ظہر اور عصر پڑھی۔ بعدازیں نمازِ مغرب پڑھی۔ جونہی نمازِ مغرب اختتام پذیر ہوئی۔ پیغمبرؐ خدا اُٹھے کہ اپنے گھر کی طرف چلیں۔ جونہی آپؐ نے پہلی صف عبور فرمائی آپؐ کی نگاہِ مبارک حضرت امام علی علیہ السلام پر پڑی۔ آپؐ نے جناب امیر علیہ السلام کا پاؤں اپنے پاؤں سے دبایا۔ آپؐ کا اشارہ تھا کہ وہ ان کے ہمراہ چلیں۔ جب دونوں مسجد کے دروازے پر اکٹھے ہوئے تو حضرت امیر علیہ السلام نے آپؐ کو سلام کیا۔ رسولؐ اللہ نے سلام کے جواب کے بعد فرمایا: علیؑ جان! کیا یہ ممکن ہے کہ آج شام میں آپؑ کا مہمان بنوں؟

جناب امیر علیہ السلام نے خاموشی سے کام لیا، کیونکہ آپؑ اپنے گھر کے حالات خوب جانتے تھے۔ مہمان داری اُن کے لیے مشکل تھی، لیکن آپؑ کے لیے یہ بھی ناممکن تھا کہ پیغمبر اعظمؐ کی فرمائش ہو کہ مَیں مہمان بننا چاہتا ہوں اور امام اس سعادت کی نفی کریں، لیکن حال یہ تھا کہ امام کیا کہیں اور کیا نہ کہیں؟

حیرانی و پریشانی کے عالم میں حیا مانع تھی اسی لیے آپؑ نے سکوت اختیار فرمایا۔ آپؑ کو اس اَمر کی خبر نہ تھی کہ پیغمبرؐ خدا اُن کے اقتصادی حالات اور دینار و ایثار والی داستان سے آگاہ ہیں اور خداوند تعالیٰ نے اُن کی طرف پیغام بھیجا ہے کہ اُنھوں نے آج رات کا کھانا امام علی علیہ السلام کے خانۂ اقدس پر تناول فرمانا ہے۔

بہرحال! جب پیغمبر گرامیؐ نے امام علیؑ کو مسلسل خاموش دیکھا تو آپؐ نے فرمایا: علیؑ جان! سکوت کو توڑیے، جواب دیجیے، مَیں شام کو آپؑ کے گھر آسکتا ہوں یا نہیں؟

اِدھر امام علی علیہ السلام حیا کے سمندر میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اسی حالت میں بارگاہِ نبوت میں عرض کیا۔ جی ہاں! تشریف لے آیئے۔

پیغمبر گرامیؐ نے امام علی علیہ السلام کا ہاتھ پکڑا اور اسی حالت میں دونوں گھر میں داخل ہوئے۔ اُنھوں نے دیکھا کہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نماز میں مصروف ہیں۔ جب ان کی نماز ختم ہوئی اور وہ ابھی اپنی تعقیبات سے فارغ نہیں ہوئی

تھیں کہ اُن کے پیچھے ایک برتن رکھا ہوا ہے جو غذا سے بھرا ہوا تھا اور اُس سے بخارات نکل رہے تھے۔ جونہی حضرت زہراؑ نے رسولؐ اللہ کی آواز سنی تو اپنے تعقیبات ختم کیے اور فوراً رہبر توحید کو سلام کیا اور پیغمبر اکرمؐ نے اُن کے سلام کا جواب دیا۔ حضرت زہراؑ آپؐ کی نگاہ میں کائنات کی محترم شخصیت تھیں۔ آپؐ نے اپنی بیٹی کے سرمبارک پر پدرانہ شفقت سے بھرپور ہاتھ پھیرا اور اُن سے پوچھا: اے میری بیٹی! گذشتہ شب کیسے گزری؟

حضرت زہراؑ نے عرض کیا: خیریت کے ساتھ گزری۔ اس وقت حضرت سیّدہ نساء العالمین نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی۔ پیغمبر گرامیؐ نے اُن کے حق میں دعا فرمائی اور فرمایا: جائیں اور کھانا اُٹھا لائیں۔ حضرت زہراؑ نے کھانا اُٹھایا اور پیغمبر خدا کی خدمت میں پیش کیا۔

امام علی علیہ السلام نے پوچھا: آپؑ یہ کھانا کہاں سے لائی ہیں۔ میں نے ایسا کھانا جو اس قدر خوش رنگ ہو، اس قدر خوشبودار اور خوش ذائقہ ہو، زندگی بھر نہ دیکھا ہے اور نہ کھایا ہے۔

اس دوران پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام علیہ السلام کے شانے پر اپنا مبارک ہاتھ رکھا اور فرمایا: علیؑ جان! یہ آپؑ کے دینار وایثار کا عوض ہے کہ جو آپؑ نے اللہ کی خوشنودی کے لیے خرچ کیا تھا۔ اللہ نے اُس کا عوض آپؑ کو عطا کیا ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ

"اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے"۔

اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک آنکھوں میں خوشی کے آنسو آگئے۔

آپؐ نے فرمایا: خداوند مہربان کو یہ پسند ہی نہیں ہے کہ آپ دونوں کو اس دنیا سے رخصت ہوں اور آپ کو اجر وجزا نہ ملے۔

علیؑ جان! خداوند تعالیٰ نے آپؑ پر وہ احسان ولطف کیا ہے جس طرح کا لطف حضرت زکریا پر فرمایا تھا اور میری دختر حضرت فاطمہؑ پر وہی لطف وکرم کیا ہے جو حضرت مریمؑ پر کیا تھا۔ جب حضرت زکریا حضرت مریمؑ کے پاس گئے تھے تو ان کے ہاں خداوند تعالیٰ کی طرف سے رزق و روزی اور نعمات کو دیکھا تھا۔ پھر آپؐ نے اِن آیات کی تلاوت فرمائی:

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ (سورۂ آل عمران: آیت ۳۷)

"چنانچہ اس کے رب نے اس کی نذر (لڑکی) کو بوجہ احسن قبول فرمایا اور اس کی بہترین نشوونما کا اہتمام کیا اور زکریاؑ اس کے حجرۂ عبادت میں جاتے تو اس کے پاس طعام موجود پاتے۔ پوچھا: اے مریمؑ! یہ کھانا تمہارے پاس کہاں سے آتا ہے؟ وہ کہتی ہے اللہ کے پاس سے۔ بے شک خدا جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے"۔

فاطمہ زہراؑ اور عبادتِ خالصانہ

عبادت کی دو قسمیں ہیں: ① عبادتِ عام ② عبادتِ خاص۔

① عبادتِ عام:

نیت شائستہ ہو، گفتار و رفتار نیک ہو، ہر کام پسندیدہ ہو، اَخلاقِ حسنہ ہوں، یعنی انسان جو کام بھی کرے وہ اللہ کی خوشنودی، رضا و تقرب کے لیے کرے۔ اعمال کو عبادتِ عام میں شمار کیا گیا ہے۔

② عبادتِ خاص:

نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ یہ وہ عبادات ہیں جو خاص ہیں ان سے ہر مسلمان بخوبی آگاہ ہے۔

یہ دونوں عبادات اپنے کامل خلوص اور مفہوم کامل کے ساتھ حضرت فاطمہ زہراؑ کی پُرافتخار زندگی میں جلوہ گر تھیں۔ حضرت زہراؑ اللہ تعالیٰ کی بندگی و عبادت کے لحاظ سے ہر زمانے کے لیے نمونۂ عمل ہیں۔

اُن کی زندگی آغاز سے لے کر آخری لحات تک عبادت ہی عبادت تھی۔ آپؑ کمزوروں اور بے کس لوگوں کے گھروں میں پانی پہنچاتی تھیں، بھوکوں کو کھانا کھلاتی تھیں، اپنی ذات پر دوسرے لوگوں کو ترجیح دیتی تھیں۔ آپؑ لوگوں کو آدابِ زندگی اور شرعی اَحکام کی تعلیم دیتی تھیں۔ آپؑ اپنے گھر اور خانوادہ کے اندرونی تمام کاموں کو اپنے ہاتھوں سے سرانجام دیتی تھیں۔ زُہد و پارسائی کا پیکر تھیں۔ آپؑ کی زندگی نہایت ہی سادہ تھی۔ محرومین کا احساس اس قدر تھا کہ آپؑ کی ساری زندگی حرمان پر مشتمل تھی۔ آپؑ اپنے شوہر نامدار کی خدمت و اطاعت و وفا میں اپنی مثال آپ تھیں۔ آپؑ نے امامت و ولایت کا بھرپور دفاع کیا۔ جب آپؑ کے والد گرامی رسولؐ اللہ نے رحلت فرمائی اور آپؑ پر مصائب و آلام کا ہجوم ہوا تو آپؑ نے اُنھیں برداشت کیا۔ آپؑ نے گزشتہ صفحات میں اُن کی حیات کے بارے میں پڑھا ہے یا جو کچھ آئندہ صفحات میں پڑھیں گے۔

یہ سب کچھ آپؑ کی بندگی و عبادت ہے، جو آپؑ نے بھرپور خلوص و عقیدت کے ساتھ سرانجام دی۔ خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے خالص اور مخلص عبادت گزار بندوں کے بارے میں فرمایا ہے:

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ○ اٰخِذِیْنَ مَآ اٰتٰھُمْ رَبُّھُمْ اِنَّھُمْ کَانُوْا قَبْلَ ذٰلِکَ مُحْسِنِیْنَ ○ کَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَھْجَعُوْنَ ○ وَبِالْاَسْحَارِ ھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ○ وَفِیْٓ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ○ (سورۂ ذاریات، آیت ۱۵ تا ۱۹)

"اُس روز اہلِ تقویٰ یقیناً جنتوں اور چشموں میں ہوں گے اُن کے رب نے جو کچھ انھوں نے دیا ہے اُسے وصول کر رہے ہوں گے۔ وہ یقیناً اُس دن سے پہلے نیکی کرنے والے تھے۔ وہ رات کو کم سویا کرتے تھے اور سحر کے اوقات میں استغفار کرتے تھے اور اُن کے اموال میں سائل اور محروم کے لیے حق ہوتا تھا"۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہ آیات حضرت امام علی بن ابی طالبؑ، حضرت فاطمہ زہراؑ، حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کی شان میں نازل ہوئیں۔ (شواہد التنزیل حسکانی حنفی، ج ۲، ص ۱۹۴)

ایک نظر روایات پر

ہم اس مورد میں چند احادیث بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں:

① حضرت امام حسین علیہ السلام سے روایت ہے:

رَأَیْتُ اُمِّیْ فَاطِمَۃَ عَلَیْھَا السَّلَام قَامَتْ فِیْ مِحْرَابِھَا لَیْلَۃَ جُمُعَتِھَا، فَلَمْ تَزَلْ رَاکِعَۃً سَاجِدَۃً حَتّٰی اِتَّضَحَ عَمُوْدُ الصُّبْحِ وَسَمِعْتُھَا تَدْعُوْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَتُسَمِّیْھِمْ وَتُکْثِرُ الدُّعَاءَ لَھُمْ وَلَا تَدْعُوْ لِنَفْسِھَا بِشَیْءٍ فَقُلْتُ یَا اُمَّاہُ لِمَ لَا تَدْعِیْنَ لِنَفْسِکَ کَمَا تَدْعِیْنَ لِغَیْرِکَ فَقَالَتْ یَا بُنَیَّ اَلْجَارُ ثُمَّ الدَّارِ۔

"میری اماں! حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا ہر شبِ جمعہ محرابِ عبادت میں کھڑی ہوتیں اور صبح تک اللہ کی عبادت و بندگی میں معروف رہتیں تھیں۔ کبھی قیام میں ہوتیں اور کبھی رکوع میں اور کبھی سجود میں۔ میں اس بات کا شاہد ہوں۔ آپؑ مومنین و مومنات کے لیے دُعائیں مانگتیں اور بہت سے لوگوں کے نام لے کر کثرت کے ساتھ دعائیں کرتیں اور اپنے لیے کوئی دعا نہ

مانگتیں۔ مَیں نے عرض کیا: اے اماں جان! جس طرح آپؑ دوسرے لوگوں کے لیے دُعائیں کرتی ہیں اپنے لیے دُعا نہیں کرتیں؟

آپؑ نے فرمایا: اے میری جان حسنؑ! پہلے ہمسائے پھر اپنے گھر والے"۔

اس طریقے سے آپؑ نے پوری انسانیت کو انسان دوستی اور محرومین سے محبت کا درس دیا ہے۔

② حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

فَاَمَّا اِبْنَتِیْ فَاطِمَةُ فَاِنَّهَا سَیِّدَةُ نِسَاءِ الْعٰلَمِیْنَ مِنَ الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ، وَهِیَ بِضْعَةٌ مِنِّیْ وَهِیَ نُوْرُ عَیْنِیْ وَهِیَ ثَمَرَةُ فُؤَادِیْ وَهِیَ رُوْحِیَ الَّتِیْ جَنْبَیَّ وَهِیَ الْحَوْرَاءُ الْاِنْسِیَّةُ۔

"میری دختر فرزانہ فاطمہؑ اوّلین و آخرین تمام عالمین کی عورتوں کی سیّدہ وسالار ہیں۔ وہ میرے جسم کا حصّہ ہیں۔ وہ میری آنکھوں کا نُور ہیں۔ وہ میرے دل کا میوہ و سرور ہیں۔ وہ میری روح ہیں اور وہ انسان کی شکل میں حور ہیں۔ جب وہ محرابِ عبادت میں اپنے رب کی بندگی کے لیے کھڑی ہوتی ہیں تو ان کا نُور آسمان کے ملائکہ کے لیے اس طرح ضوفشاں ہوتا ہے جس طرح ستاروں کا نُور اہلِ زمین کے لیے ضوفشاں ہوتا ہے۔ خداوند تعالیٰ اپنے ملائکہ سے فرماتا ہے: اے میرے ملائکہ! میری کنیز حضرت فاطمہؑ کی طرف دیکھیے وہ میری تمام کنیزوں کی سیّدہ وسالار ہیں۔ وہ میری بارگاہ میں محوِ عبادت ہیں۔ میرے خوف سے اُن کا جسم کانپ رہا ہے اور وہ اپنے تمام وجود کے ساتھ میری عبادت میں مصروف ہے۔ میں تمھیں گواہ بنا رہا ہوں۔ میں نے اُن کے پیروکاروں کو جہنم سے نجات دے دی ہے"۔ (بحارالانوار، ج ۴۳)

③ ابن فہد حلی نے اپنی کتاب "عدۃ الداعی" میں نقل کیا ہے: حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام جب نماز پڑھتی تھیں تو اُن پر خوفِ الٰہی اس قدر طاری ہوجاتا تھا کہ آپؑ کی سانس گھٹنے لگتی تھی۔ آپؑ ہانپنے کی کیفیت میں دکھائی دیتی تھیں۔

④ حسن بصری سے روایت ہے کہ اس اُمت میں حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام سے بندگی و عبادت میں کوئی بڑھ کر نہیں ہے۔ جب وہ عبادتِ خداوندی کے لیے کھڑی ہوتی تھیں تو اُن کے پاؤں مبارک پر ورم آجاتے تھے۔ (ربیع الابرار زمخشری، ص ۱۹۵)

⑤ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جو شخص نماز حضرت فاطمہ زہراؑ پڑھنا چاہتا ہے اور یہی نماز اَوَّابِیْنَ کی نماز ہے، اس کا طریقہ یہ ہے: یہ نماز چار رکعت ہے۔ (سورۂ حمد کے بعد) ہر رکعت میں پچاس مرتبہ سورۂ

توحید (قُلْ هُوَ اللهُ اَحَدٌ) پڑھے۔ (من لایحضرہ الفقیہ)

⑥ آپؑ نے یہ بھی فرمایا: یہ نماز حضرت جبرئیلؑ نے میری ماں حضرت فاطمہ زہراؑ کو تعلیم کی تھی جسے نماز فاطمہؑ کہا جاتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے: یہ نماز دو رکعت پر مشتمل ہے، جو عام طور پر پڑھی جاتی ہے۔ اس نماز کے سلام کے بعد تسبیح حضرت فاطمہ زہراؑ پڑھی جاتی ہے اس کے بعد یہ دُعا پڑھی جائے:

سُبْحَانَ ذِي الْعِزِّ الشَّامِخِ الْمُنِيفِ، سُبْحَانَ ذِي الْجَلَالِ الْبَاذِخِ الْعَظِيمِ سُبْحَانَ ذِي الْمُلْكِ الْفَاخِرِ الْقَدِيمِ، سُبْحَانَ مَنْ لَبِسَ الْبَهْجَةَ وَالْجَمَالَ، سُبْحَانَ مَنْ تَرَدَّى بِالنُّوْرِ وَالْوَقَارِ، سُبْحَانَ مَنْ يَرىٰ اَثَرَ النَّمْلِ عَلَى الصَّفَا، سُبْحَانَ مَنْ يَرىٰ وَقْعَ الطَّيْرِ فِي الْهَوَاءِ، سُبْحَانَ مَنْ هُوَ هٰكَذَا؟ لَا هٰكَذَا غَيْرُهُ۔

"وہ خدا پاک و منزہ ہے، جو ہمیشہ غالب ہے اور بلند مرتبہ ہے۔ وہ خدا پاک و منزہ ہے جو عظیم شان و شوکت والا اور رفیع و برتر ہے۔ وہ خدا پاک و منزہ ہے، جو قدیم سے اپنی سلطنت میں فرمانروا ہے۔ وہ خدا پاک و منزہ ہے جو حُسن و جمال کے معنوی لباس سے آراستہ و پیراستہ ہے۔ وہ خدا پاک و منزہ ہے جو نُور و وقار کا معنوی لباس رکھتا ہے۔ وہ خدا پاک و منزہ ہے، جو چیونٹی کے قدموں کے نشان سخت و سیاہ چٹانوں پر دیکھتا ہے۔ وہ خدا پاک و منزہ ہے جو فضاؤں میں پرندوں کی پرواز کے اثرات کو دیکھتا ہے۔ وہ خدا پاک و منزہ ہے جو صرف وہ ہی ایسے کمال و جمال کے ساتھ متصف ہے اس کا غیر یہ جمال و کمال رکھ ہی نہیں سکتا"۔ (بحارالانوار: ج۹۸، ص ۲۱۸، مصباح المتہجد: ص ۲۶۵)

⑦ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امام علی علیہ السلام اور حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام سے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ آپ دونوں کو خیر و برکت کا عمل بتاؤں جو مجھے میرے اللہ نے تعلیم فرمایا ہے۔ تم دونوں اُسے یاد کر لیں۔

ان دونوں ہستیوں نے عرض کیا: جی ہاں، یا رسولؐ اللہ! وہ کون سا عمل ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک دو رکعت نماز ادا کرے۔ ہر رکعت میں سورۂ حمد کے بعد تین مرتبہ آیت الکرسی پڑھے، پھر تین مرتبہ سورۂ قُلْ هُوَ اللهُ اَحَدٌ پڑھے۔ پھر آخر میں سورۂ حشر کی آخری آیت تین بار پڑھے: لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ...... جب تشہد میں بیٹھے تو تشہد پڑھے اور جتنا ممکن ہو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کیجیے۔ پھر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجے اور مومنین و مومنات کے حق میں دُعا کرے اور آخر میں یہ دُعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسْأَلُکَ بِحَقِّ کُلِّ اِسْمٍ ھُوَ لَکَ، بِحَقٍّ عَلَیْکَ فِیْهِ اِجَابَۃُ الدُّعَاءِ اِذَا دُعِیتَ بِهٖ، وَاَسْأَلُکَ بِحَقِّ کُلِّ ذِیْ حَقٍّ عَلَیْکَ، وَاَسْأَلُکَ بِحَقِّکَ عَلٰی جَمِیْعِ مَا ھُوَ دُوْنَکَ اَنْ تَفْعَلَ بِیۡ کَذَا وَکَذَا۔

"خدایا! میں تجھے تیرے ہر نام کا واسطہ دے کر تجھے تیری بارگاہ میں سوال کرتا ہوں کہ جس وقت کہ تیرا وہ نام پڑھا جائے اور تجھے اُس نام سے پکارا جائے تو تُو اُس نام کی حرمت و برکت سے دعاؤں کو قبول فرماتا ہے۔ میں تیری بارگاہ میں ہر صاحب حق کے اُس حق کے ساتھ سوال کرتا ہوں، جو تیری ذات پر ہے۔ میں صرف تجھے تیرے حق کا ہی واسطہ دیتا ہوں اور صرف تجھ ہی سے مانگتا ہوں۔ میری یہ دُعا قبول فرما"۔ (بحارالانوار: ج ۸۹، ص ۳۶۵)

⑧ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے: عظیم خطرہ کو دفع کرنے کے لیے دو رکعت نماز پڑھی جائے جس طرح کہ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام پڑھتی تھیں۔ سلام پڑھنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجا جائے اور اپنے ہاتھوں کو بلند کر کے یہ دعا تلاوت کریں:

اَللّٰھُمَّ اَتَوَجَّهُ اِلَیْکَ بِھِمْ، وَاَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِحَقِّهِمُ الْعَظِیْمِ الَّذِیْ لَایَعْلَمُ کُنْھَهٗ سِوَاکَ وَبِحَقِّ مَنْ حَقُّهٗ عِنْدَکَ عَظِیْمٌ، وَبِاَسْمَائِکَ الْحُسْنٰی وَکَلِمَاتِکَ التَّامَّاتِ الَّتِیْ اَمَرْتَنِیْ اَنْ اَدْعُوَکَ بِھَا، وَاَسْأَلُکَ بِاسْمِکَ الْعَظِیْمِ الَّذِیْ اَمَرْتَ اِبْرَاھِیْمَ علیہ السلام اَنْ یَدْعُوَ بِهِ الطَّیْرَ فَاَجَابَتْهُ، وَبِاسْمِکَ الْعَظِیْمِ الَّذِیْ قُلْتَ لِلنَّارِ: ﴿کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ﴾ فَکَانَتْ، وَبِاَحَبِّ اَسْمَائِکَ اِلَیْکَ وَاَشْرَفِهَا عِنْدَکَ، وَاَعْظَمِھَا لَدَیْکَ، وَاَسْرَعِهَا اِجَابَۃً، وَاَنْجَحِھَا طَلِبَۃً، وَبِمَا اَنْتَ اَھْلُهٗ وَمُسْتَحِقُّهٗ وَمُسْتَوْجِبُهٗ، وَاَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ، وَاَرْغَبُ اِلَیْکَ، وَاَتَصَدَّقُ مِنْکَ، وَاَسْتَغْفِرُکَ، وَاَسْتَمْنِحُکَ، وَاَتَضَرَّعُ اِلَیْکَ، وَاَخْضَعُ بَیْنَ یَدَیْکَ، وَاَخْشَعُ لَکَ، وَاُقِرُّ لَکَ بِسُوْءِ صَنِیْعَتِیْ، وَاَتَمَلَّقُ وَاُلِحُّ عَلَیْکَ وَاَسْأَلُکَ بِکُتُبِکَ الَّتِیْ اَنْزَلْتَھَا عَلٰی اَنْبِیَائِکَ وَرُسُلِکَ صَلَوَاتُکَ عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ مِنَ التَّوْرَاۃِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ مِنْ اَوَّلِھَا اِلٰی آخِرِھَا، فَاِنَّ فِیْھَا اسْمَکَ الْاَعْظَمَ، وَبِمَا فِیْھَا مِنْ اَسْمَائِکَ الْعُظْمٰی، اَتَقَرَّبُ اِلَیْکَ، وَاَسْأَلُکَ اَنْ تُصَلِّیَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ، وَاَنْ تُفَرِّجَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ، وَتَجْعَلَ فَرَجِیْ مَقْرُوْنًا بِفَرَجِھِمْ، وَتَبْدَأَ بِھِمْ فِیْهِ، وَتَفْتَحَ اَبْوَابَ السَّمَاءِ لِدُعَائِیْ فِیْ ھٰذَا الْیَوْمِ، وَتَأْذَنَ فِیْ ھٰذَا

الْيَوْمِ وَهٰذِهِ اللَّيْلَةِ بِفَرَجِي وَ اِعْطَاءِ سُؤْلِي وَأَمَلِي فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ، فَقَدْ مَسَّنِي الْفَقْرُ وَنَالَنِي الضُّرُّ وَشَمَلَتْنِي الْخَصَاصَةُ وَالْجَأَتْنِي الْحَاجَةُ ، وَتَوَسَّمْتُ بِالذِّلَّةِ وَغَلَبَتْنِي الْمَسْكَنَةُ وَحَقَّتْ عَلَيَّ الْكَلِمَةُ ، وَأَحَاطَتْ بِيَ الْخَطِيئَةُ وَهٰذَا الْوَقْتُ الَّذِي وَعَدْتَ أَوْلِيَاءَكَ فِيهِ الْإِجَابَةَ ، فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ ، وَامْسَحْ مَا بِيَمِينِكَ الشَّافِيَةِ ، وَانْظُرْ إِلَيَّ بِعَيْنِكَ الرَّاحِمَةِ وَأَدْخِلْنِي فِي رَحْمَتِكَ الْوَاسِعَةِ ، وَأَقْبِلْ إِلَيَّ بِوَجْهِكَ الَّذِي إِذَا أَقْبَلْتَ بِهِ عَلٰى أَسِيرٍ فَكَكْتَهُ ، وَعَلٰى ضَالٍّ هَدَيْتَهُ وَعَلٰى حَائِرٍ آوَيْتَهُ وَعَلٰى فَقِيرٍ أَغْنَيْتَهُ وَعَلٰى ضَعِيفٍ قَوَّيْتَهُ وَعَلٰى خَائِفٍ آمَنْتَهُ ، وَلَا تُخَلِّنِي لِقَاءَ عَدُوِّكَ وَعَدُوِّي ، يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔

يَا مَنْ لَا يَعْلَمُ كَيْفَ هُوَ وَحَيْثُ هُوَ ، وَقُدْرَتَهُ إِلَّا هُوَ ، يَا مَنْ سَدَّ الْهَوَاءَ بِالسَّمَاءِ ، وَكَبَسَ الْأَرْضَ عَلَى الْمَاءِ ، وَاخْتَارَ لِنَفْسِهِ أَحْسَنَ الْأَسْمَاءِ ، يَا مَنْ سَمّٰى نَفْسَهُ بِالْاِسْمِ الَّذِي بِهِ يَقْضِي حَاجَةَ كُلِّ طَالِبٍ يَدْعُوهُ بِهِ ، أَسْأَلُكَ بِذٰلِكَ الْاِسْمِ ، فَلَا شَفِيعَ أَقْوٰى لِي مِنْهُ ، وَبِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ أَنْ تُصَلِّيَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَأَنْ تَقْضِيَ لِي حَوَائِجِي وَتَسْمَعَ مُحَمَّدًا وَعَلِيًّا وَفَاطِمَةَ وَالْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ وَعَلِيًّا وَمُحَمَّدًا وَجَعْفَرًا وَمُوسٰى وَعَلِيًّا وَمُحَمَّدًا وَعَلِيًّا وَالْحَسَنَ وَالْحُجَّةَ ـ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَبَرَكَاتُهُ وَرَحْمَتُهُ ـ صَوْتِي فَيَشْفَعُوا لِي إِلَيْكَ ، وَتُشَفِّعَهُمْ فِيَّ ، وَلَا تَرُدَّنِي خَائِبًا ، بِحَقِّ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ وَبِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ ، وَافْعَلْ بِي كَذَا وَكَذَا يَا كَرِيمُ۔

"خدایا! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کے اہلِ بیتؑ کے توسّل سے تیری بارگاہ میں حاضر ہوں اور اُن کے عظیم حق کے وسیلہ سے تجھ سے توسّل کر رہا ہوں۔ اُس حق کی کنہ، معرفت تیری ذات والاصفات کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور اُس حق کے ساتھ کہ جس کا حق تیری بارگاہ میں عظمت رکھتا ہے اور میں تجھے تیرے پاک و پاکیزہ اسماء کے ساتھ، اور تیرے کامل و اکمل کلمات کے ساتھ جن کے بارے میں تُو نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اُن کے ساتھ تجھے پکاروں، اور میں تجھے تیرے اُس عزت وعظمت والے نام کے ساتھ پکاروں کہ جس کا حکم تُو نے حضرت ابراہیمؑ کو دیا تھا کہ وہ پرندوں کو آواز دے اور اُن پرندوں نے حضرت ابراہیمؑ کی آواز پر انھیں لبیک کہا تھا، اور میں تجھے اس نام کے ساتھ پکار رہا ہوں کہ تُو نے آگ کو حکم دیا تھا کہ

حضرت ابراہیمؑ پر سرد و سلامت ہو جا، تو وہ سرد و سلامت ہو گئی تھی اور تیرے اُس نام کے ساتھ جو تجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اور اُس نام کے ساتھ جو تیرے نزدیک اشرف ترین ہے اور اُس نام کے ساتھ جو تیرے نزدیک بزرگ و برتر ہے اور اُس اسم کے ساتھ جو دعا کو سریع ترین قبولیت عطا کرتا ہے اور اُس نام کے ساتھ جو دعا کو اور طلب کو بہتر سے بہتر بنا دیتا ہے اور اُس نام کے ساتھ جو ہے ہی تیرے نام اور تو اُسی کا ہی استحقاق رکھتا ہے۔ اُسی کے ذریعے تیری بارگاہ میں اُسی سے توسّل کرتا ہوں۔ تیری طرف ہی رغبت رکھتا ہوں۔ اور تیری ہی عطا و بخشش کا طالب ہوں اور تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں اور تجھ سے تیری عطا کا تقاضا کرتا ہوں اور تیری بارگاہ میں تضرع و زاری کرتا ہوں اور تیرے سامنے تواضع و انکساری کرتا ہوں۔ اور تیری بارگاہ میں خشوع و خضوع اپناتا ہوں اور میں اپنے بُرے اعمال کا تیری بارگاہ میں اقرار کرتا ہوں اور تیرے سامنے اصرار کرتا ہوں اور میں تجھے تیری اُن کتابوں کا واسطہ دیتا ہوں جو تُو نے اوّل سے لے کر آخر تک اپنے نبیوں پر نازل کی ہیں۔ تورات، انجیل، قرآن مجید ان سب پر تیرا درود و سلام ہو۔ انھی کتابوں میں تیرا عظیم و اعظم اسم موجود ہے اور ان تیرے اسماء کے وسیلہ سے جو ان کتابوں میں ہیں، اُن کے ذریعے تیرا قرب چاہتا ہوں۔ میں تیری بارگاہ میں سوال کرتا ہوں کہ تو محمدؐ و آلِ محمدؐ پر اپنی رحمت اور سلام ارسال فرما اور اُن کی مشکل کشائی فرما اور میری مشکل کشائی کو اُن کی مشکل کشائی کے ساتھ مقرون فرما اور تُو نے ان کے ہر نیک کام کو اوّلیت دی ہے اور اُنھی سے ہی آغاز کرتا ہے۔

تیری بارگاہ میں میرا یہ سوال ہے کہ تو آج کے دن میری دعا کے لیے اپنے آسمان کے دروازوں کو کھول دے۔ آج دن کو اور آج رات جو کچھ میں نے تجھ سے مانگا ہے چاہے ان کا تعلق دنیا میں سے ہے یا آخرت سے تو اُن کی قبولیت کی اجازت عطا فرما، کیونکہ فقر و احتیاج نے مجھے ہر طرف سے گھیر رکھا ہے۔

مجھے احتیاج و فقر نے تیری بارگاہ میں جھکا دیا ہے اور تیری بارگاہ میں پناہ حاصل کرنے کے لیے لے آئی ہے۔ میں ذلیل و خوار ہو چکا ہوں۔ بے چارگی میرے دامن گیر ہو چکی ہے۔ میں عذاب ہونے کے لائق ہو چکا ہوں۔ نافرمانی نے مجھے ہر طرف سے گھیر لیا ہے۔

یہ وہ وقت ہے کہ تُو نے اس میں اپنے ولیوں سے دعا کی قبولیت کا وعدہ کیا ہے۔ اے میرے اللہ! تو محمدؐ و آلِ محمدؐ پر اپنی رحمت نازل فرما۔ اپنی شفاء بخش قدرت سے مجھے اندرونی و بیرونی بیماریوں سے نجات عطا فرما اور مجھ پر اپنی نظرِ رحمت فرما اور مجھے اپنی واسع رحمت میں داخل فرما اور مجھ پر اپنی وہ نظرِ محبت ڈال، جب وہ تیری نظر ایک قیدی پر جاتی ہے تو تُو اُسے قید سے نجات دے دیتا ہے۔ اور جب تو وہی نظر ایک گمراہ پر کرتا ہے تو اُسے ہدایت عطا کر دیتا ہے اور جب تو ایک حیران و پریشان پر وہ نظر ڈالتا ہے تو اُسے منزلِ مقصود اور اس کے معشوق تک پہنچا دیتا ہے اور جب تُو ایک نیازمند پر نظر ڈالتا ہے تو وہ بے نیاز ہو جاتا ہے اور جب ایک ناتواں پر نظر ڈالتا ہے تو اُسے توانا کر دیتا ہے۔ اور جب ایک خوف زدہ پر نظر کرتا ہے تو اُسے امان مل جاتی ہے۔

اے ذوالجلال والاکرام بادشاہ! جب میرا تیرے دشمن سے یا اپنے دشمن سے سامنا ہو تو مجھے اکیلا نہ چھوڑنا۔ اے وہ عظیم ذات! کسی کو علم نہیں کہ وہ کیسے ہے اور اس کی قدرت و حیثیت کتنی ہے۔ وہ اپنی قدرت کو خود جانتا ہے کوئی اور نہیں جانتا۔ اے وہ ذات! کہ جس نے آسمان کے وسیلہ سے ہوا کو مسدود کر رکھا ہے اور زمین کو اپنی قدرتِ کاملہ کے ساتھ پانی پر بچھا رکھا ہے اور اپنی ذات کے لیے خوب صورت اسماء انتخاب کیے ہیں۔

اے وہ ذات! کہ جس نے اپنے لیے وہ اسم تجویز کیا کہ جب اس کے ذریعے کوئی دُعا کرتا ہے تو اس کی دُعا اور حاجت قبول ہوتی ہے۔ میں تیری بارگاہ میں اُسی اسم کے ساتھ دُعا مانگتا ہوں۔ میرے لیے اُس سے بڑھ کر طاقت ور کوئی شفیع نہیں ہے۔ تجھے محمدؐ و آلِ محمدؐ کا واسطہ! محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود و سلام ارسال فرما اور میری حوائج کو پورا فرما اور تو حضرت محمدؐ، حضرت امام علیؑ، حضرت فاطمہؑ، حضرت امام حسنؑ، حضرت امام حسینؑ، حضرت امام زین العابدینؑ، حضرت امام محمد باقرؑ، حضرت امام جعفر صادقؑ، حضرت امام موسیٰ کاظمؑ، حضرت امام علی نقیؑ، حضرت امام محمد تقیؑ، حضرت امام حسن عسکریؑ اور حضرت امام مہدیؑ، ان سب پر اللہ کی رحمت کا نزول ہو اور اس کی برکات نازل ہوں۔

میرے ان سرداروں کو میری آواز سننے والا بنا، تاکہ وہ بھی تیری بارگاہ میں میری شفاعت

کریں اور تو میرے بارے میں اُن کی شفاعت قبول فرما۔ مجھے خائب و خاسر نہ فرما۔ اس حق کا واسطہ کہ تیرے بغیر کوئی معبود نہیں، تو ہی معبود برحق ہے۔اے کریم! اے میرے اللہ! محمدؐ و آلِ محمدؑ کا واسطہ میری ان حاجات کو پورا فرما"۔ (مصباح المتہجد: ص ۲۶۶)

⑨ جنابِ سیّد ابن طاؤس نے صفوان سے روایت کی ہے کہ محمد بن علی حلبی جمعہ کے دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور ان کی خدمت میں عرض کیا: اے میرے آقا! اس دن کا سب سے بہترین عمل کون سا ہے؟ وہ مجھے تعلیم کیجیے۔

آنحضرتؑ نے فرمایا: میں نہیں جانتا کہ وہ شخصیت جو بارگاہِ نبوت میں حضرت فاطمہ علیہا السلام سے بڑھ کر ہو اور یہ میں نہیں جانتا کہ جو کچھ آنحضرتؐ نے اس دن کے لیے اپنی بیٹی کو تعلیم کیا ہو، اس سے کوئی عمل بڑھ کر ہو۔

آنحضرتؐ نے اپنی بیٹی سے فرمایا: جو شخص جمعہ کے دن کو پائے تو وہ غسل کرے اور بارگاہِ خداوندی میں کھڑا ہوجائے اور چار رکعت نماز دو دو کر کے پڑھے۔ پہلی رکعت میں الحمد کے بعد پچاس مرتبہ سورۂ توحید پڑھے اور دوسری رکعت میں الحمد کے بعد سورۂ العادیات پچاس مرتبہ پڑھے اور ان دو رکعتوں کو مکمل کرے۔ باقی دو رکعتوں میں سے پہلی رکعت میں الحمد کے بعد اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ پچاس مرتبہ پڑھے اور دوسری رکعت میں بعد از الحمد سورۂ نصر پچاس بار پڑھے، سورۂ نصر وہ آخری سورہ ہے جو پیغمبرؐ پر نازل ہوا ہے۔ پھر یہ دعا پڑھے:

اِلٰهِي وَسَيِّدِي مَنْ تَهَيَّأَ اَوْ تَعَبَّأَ اَوْ اَعَدَّ اَوِ اسْتَعَدَّ لِوِفَادَةِ مَخْلُوقٍ رَجَاءَ رِفْدِهٖ وَفَوَائِدِهٖ وَنَائِلِهٖ وَفَوَاضِلِهٖ وَجَوَائِزِهٖ فَاِلَيْكَ يَا اِلٰهِي كَانَتْ تَهْيِئَتِي وَتَعْبِئَتِي وَ اِعْدَادِي وَاسْتِعْدَادِي رَجَاءَ فَوَائِدِكَ وَمَعْرُوفِكَ وَنَائِلِكَ وَجَوَائِزِكَ فَلَا تُخَيِّبْنِي مِنْ ذٰلِكَ، يَا مَنْ لَا تَخِيبُ عَلَيْهِ مَسْأَلَةُ السَّائِلِ وَلَا تَنْقُصُهُ عَطِيَّةُ نَائِلٍ فَاِنِّي لَمْ آتِكَ بِعَمَلٍ صَالِحٍ قَدَّمْتُهُ وَلَا شَفَاعَةِ مَخْلُوقٍ رَجَوْتُهُ أَتَقَرَّبُ اِلَيْكَ أَرْجُو عَظِيمَ عَفْوِكَ الَّذِي عُدْتَ بِهٖ عَلَى الْخَطَّائِينَ عِنْدَ عُكُوفِهِمْ عَلَى الْمَحَارِمِ فَلَمْ يَمْنَعْكَ طُولُ عُكُوفِهِمْ عَلَى الْمَحَارِمِ أَنْ عُدْتَ عَلَيْهِمْ بِالْمَغْفِرَةِ، وَأَنْتَ سَيِّدِي الْعَوَّادُ بِالنَّعْمَاءِ وَأَنَا الْعَوَّادُ بِالْخَطَاءِ، أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ الطَّاهِرِينَ أَنْ تَغْفِرَ لِي ذَنْبِيَ الْعَظِيمَ فَاِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الْعَظِيمَ اِلَّا الْعَظِيمُ، يَا عَظِيمُ! يَا عَظِيمُ! يَا عَظِيمُ! يَا عَظِيمُ! يَا عَظِيمُ! يَا عَظِيمُ!

"اے میرے خدا اور اے میرے سردار! جو کوئی آمادہ و تیار ہو یا کمر بستہ ہو، یا اُٹھ کھڑا ہو،

کسی مخلوق کی طرف انعام کی اُمید، فوائد و بخشش کی طلب اور عطا و سخاوت کے حصول کے لیے جاسکے تو بھی اے میرے معبود! میری آمادگی، میری تیاری، میری کمربستگی اور میرا اُٹھنا تیری نعمتوں اور تیری بخشش و عطا اور تیرے انعام کی اُمید پر ہے۔ تو اے خدا! مجھے اس میں ناکام نہ کر، اے وہ جو مانگنے والوں سے تنگ نہیں ہوتا اور جس کے ہاں عطا و سخا میں کوئی کمی نہیں آتی۔ میں تیرے حضور اپنے عملِ خیر کی وجہ سے نہیں آیا کہ جو میں نے آگے بھیجا نہ کسی مخلوق کی سفارش لایا ہوں کہ اُس کے ذریعے تیرا تقرب حاصل کروں، ہاں محمدؐ و آلِ محمدؐ کہ اُن پر تیری رحمتیں ہوں اُن کی سفارش کے ساتھ تیرے پاس تیرے عظیم عفو کی اُمید لے کر آیا ہوں جس کے ذریعے تو نے خطا کاروں کو معاف فرمایا جب کہ وہ گناہوں میں غلطاں تھے اور ان کا ایک عرصے تک گناہوں میں پڑے رہنا اُن پر تیرے کرم اور بخشش میں مانع نہیں ہوسکا اور اے میرے سردار! تو بار بار نعمتیں دینے والا اور میں بار بار خطا کرنے والا ہوں۔ میں حضرت محمدؐ اور اُن کی آلِ پاک کے حق کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ میرے بڑے گناہ کو معاف فرما، عظیم گناہ کو عظیم ہستی ہی معاف کرسکتی ہے۔ یَاعَظِیْمُ! یَاعَظِیْمُ! یَاعَظِیْمُ! یَاعَظِیْمُ! یَاعَظِیْمُ! یَاعَظِیْمُ! یَاعَظِیْمُ! (اعمال الاسبوع، ص ۱۳۲، ۱۳۳)

حضرت فاطمہ زہراؑ کی عبادت کے بارے میں احادیث کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے، بالخصوص وہ دعائیں اور مناجات جو آپؑ بارگاہِ ربوبیت میں عرض کرتی تھیں۔ آپؑ کی عبادت پر مزید گفتگو کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ کتاب میں اس سے زیادہ گنجائش ہی نہیں ہے۔ آپؑ کی شخصیت ایک غیر معمولی شخصیت تھی۔ آپؑ اُن کی دختر تھیں جو عابدین کی صف میں اوّلیت رکھتے تھے۔ آپؑ کے والد گرامی جب رات کو عبادتِ خداوندی کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو آپؐ کے پاؤں متورم ہوجاتے تھے اور کئی کئی گھنٹوں تک اس کی بندگی میں مصروف رہتے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کو کہنا پڑا:

طٰهٰ مَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقٰى

"اے طٰہٰ! ہم نے آپؐ پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپؐ مشقت اُٹھائیں"۔

آپؑ وہ ہستی تھیں کہ آپؑ عبادت کے مفہوم کو بخوبی جانتی تھیں۔ آپؑ کو عبادت کی قیمت معلوم تھی کہ جتنی اللہ کی معرفت ہوتی ہے اس مقدار میں اللہ کی بندگی ہوتی ہے۔ آپؑ معرفتِ پروردگار میں آسمانوں سے بلند مقام رکھتی تھیں۔

آپؑ کی عبادت و بندگی میں تعجب نہیں کیا جاسکتا۔ آپؑ کو عبادت سے خوشی و مسرت حاصل ہوتی تھی۔ آپؑ کو عبادتِ خداوندی میں وہ لذت حاصل ہوتی تھی کہ جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ آپؑ کو اپنے رب کی بارگاہ میں کھڑے ہونے سے راحت و سکون حاصل ہوتا تھا۔ وہ اس قدر قیام و رکوع و سجود میں رہتی تھیں گویا کہ اُنھیں تھکاوٹ کا احساس تک نہیں ہوتا تھا۔

معنوی و روحانی ارمغان

① حضرت امام علی بن ابی طالب علیہ السلام سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آپؑ نے بنی سعد کے ایک آدمی سے فرمایا: کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں تجھے اپنی اور حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کی مشترک زندگی کے بارے میں کچھ بتاؤں؟

آپؑ نے فرمایا: حقیقت میں حضرت فاطمہ زہراؑ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبوب ترین دختر تھیں۔ آپؑ اُن دنوں جب میرے گھر میں تھیں حالانکہ وہ علم و معنویت و روحانیت اور انسانی تہذیب و اَخلاق کے اعتبار سے اپنی مثال آپؑ تھیں، باوجود اس عظمت و منزلت کے وہ اپنے گھر کے تمام اُمور خود سرانجام دیتی تھیں۔ پانی کی مشک اُٹھاتے اُٹھاتے آپؑ کے سینۂ اقدس پر داغ پڑ گئے تھے۔ چکی پیستے پیستے آپؑ کے مبارک ہاتھوں پر گٹھے پڑ گئے تھے۔ اپنے گھر میں جھاڑو دینے کی وجہ سے آپؑ کا لباس غبار آلود ہو جاتا تھا۔ کھانا پکانے کی وجہ سے دھوئیں کے اثرات آپؑ کے لباس پر دیکھے جاسکتے تھے۔

سیّدہ نساء العالمین اپنے گھریلو کاموں میں سخت مشقت اُٹھاتی تھیں۔ ایک دن مَیں نے اُن سے کہا: بانوئے مَن! آپؑ اپنے والد گرامی کی بارگاہ میں تشریف لے جائیں اور ایک کنیز کی درخواست کریں، تاکہ آپؑ رنج و زحمت سے بچ جائیں اور اپنے علمی و معنوی و تربیتی اُمور کی طرف زیادہ متوجہ ہوں۔

حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام بارگاہِ نبوت میں تشریف لے گئیں، لیکن اُن کے والد گرامی ہاں کثرت کے ساتھ لوگ جمع تھے، اس لیے بغیر کسی بات کے واپس تشریف لے آئیں۔ جب پیغمبر گرامیؐ کو معلوم ہوا کہ اُن کی دختر فرزانہ اُن کے پاس کام کے لیے آئی تھیں، آپ دوسرے دن ہمارے ہاں تشریف لے آئے۔ اُس وقت ہم سوئے ہوئے تھے۔ سلام کرنے کے بعد ہمارے پاس بیٹھ گئے اور فرمایا: فاطمہ جانؑ! کل آپؑ کسی کام کے لیے آئی تھیں اور بغیر کہے واپس چلی گئیں۔ آپؑ نے بات کیوں نہیں کی تھی؟

امام علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے کہ سیّدہ بات کرتیں میں نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! حقیقت یہ ہے کہ

حضرت فاطمہؑ کے اپنے دوش پر مشکِ آب اٹھانے کی وجہ سے داغ پڑ گئے ہیں، چکی پیستے پیستے اُن کے نازنین ہاتھوں پر گٹھے پڑ گئے ہیں۔ گھر کی صفائی کرتے کرتے اُن کا لباس غبار آلود ہو جاتا ہے۔ کھانا پکانے کی وجہ سے اُن کے لباس میں دھوئیں کے آثار دیکھے جاسکتے ہیں۔ میں نے اُن سے کہا تھا کہ وہ اپنے والد گرامی کے پاس جائیں اور ایک کنیز کی درخواست کریں۔

یہ سن کر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں ایک عمل کی تعلیم نہ دوں کہ وہ تم دونوں کے لیے ہر قسم کے خادم سے بہتر ہے۔

میں نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! وہ کیا عمل ہے؟

آپؐ نے فرمایا: جب تم سونے لگو تو مکمل اخلاص اور حضورِ قلب کے ساتھ ۳۳ مرتبہ سُبْحَانَ اللہِ، ۳۳ مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور ۳۴ مرتبہ اَللہُ اَکْبَرُ پڑھیے۔ یہ عمل تمہارے لیے ہر قسم کے خدمت گار سے بہتر و برتر ہے۔

سیّدہ نساء العالمینؑ نے اپنا سر بلند کیا اور تین مرتبہ فرمایا: میں کنیز و خادم کے بجائے اس معنوی ارمغان ملنے پر اللہ اور اس کے رسولؐ سے راضی ہوں۔ (بحار الانوار: ج ۴۳، ص ۸۲، عوالم: ج ۱۱، ص ۲۱۵، ۲۷۸)

۲ بعض محدثین نے بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ کسی عجمی بادشاہ نے بارگاہِ نبوت میں بطور ہدیہ غلام بھیجے۔ حضرت امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں: میں نے حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام سے کہا کہ وہ اپنے بابا کے پاس جائیں اور اپنے گھر کے کاموں کے لیے خدمت گار کا مطالبہ کریں۔ جب حضرت فاطمہؑ اپنے بابا کے پاس گئیں اور اپنی درخواست پیش کی تو رسولؐ اللہ نے فرمایا: فاطمہؑ جان! میں چاہتا ہوں کہ آپؑ کو وہ عمل ہدیہ کروں جو ہر خدمت گزار اور دنیا و مافیہا سے بہتر و برتر ہے۔

یہ سن کر حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام خوش ہوئیں۔ پیغمبرؐ خدا نے فرمایا: اے میری بیٹی! ہر نماز کے بعد حضورِ قلب کے ساتھ ۳۴ مرتبہ اَللہُ اَکْبَرُ، ۳۳ مرتبہ الحمد للہِ، ۳۳ مرتبہ سُبْحَانَ اللہ اور آخر میں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ پڑھیے۔

یہ برنامہ معنوی اور عبادی نہ صرف آپؑ کے مطالبے سے بہتر ہے بلکہ دنیا اور جو کچھ اس کے اندر ہے اس سے بہتر ہے۔

اُس روز کے بعد حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام نے اس روحانی عمل کو اپنی ہر نماز کے بعد بے پناہ شور و شوق کے ساتھ پڑھنا شروع کر دیا۔ اس وجہ سے اس عمل نے "تسبیحاتِ فاطمہؑ" کے نام سے شہرت پائی۔ (بحار الانوار: ج ۴۳، ص ۸۲)

۳ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ابوہارون سے فرمایا: ہم اپنے بچوں کو حکم دیتے ہیں کہ وہ اپنی نمازوں کے

بعد "تسبیحاتِ حضرت فاطمہؑ" پڑھیں اور وہ اس معنوی برنامہ کو ترک نہ کریں۔ جو شخص اس عمل کو اپنی زندگی میں جاری رکھتا ہے وہ بدبختی کا شکار نہیں ہوتا۔

④ مکارم الاخلاق میں ہے کہ حضرت فاطمہ زہراؑ نے دھاگے کی تسبیح بنائی تھی۔ تکبیرات کو شمار کرنے کے لیے انھوں نے تسبیح میں ۳۴ گرہیں بنائی تھیں۔ آپؑ جب اللہ کی حمد و تعریف کرنے لگتیں تو اس تسبیح کو اپنے ہاتھ میں گھماتی تھیں۔ جب سیدالشہدا حضرت حمزہؓ کی شہادت ہوئی تو آپؑ نے اُن کی قبر مبارک کی مٹی سے تسبیح کے دانے بنائے۔ لوگوں نے بھی آپؑ کی پیروی میں اس طرح کی تسبیحیں بنائیں۔

جب حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت ہوئی تو پھر اُن کی تُربت پاک کی خاک سے تسبیحان بنائی گئیں کیونکہ آپؑ کی تُربت کو ہر اعتبار سے امتیازات و فضائل حاصل ہیں۔ (مکارم اخلاق، ص ۲۲۸)

⑤ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت فاطمہ زہراؑ کی تسبیح سیاہ رنگ کے دھاگے سے بنی ہوئی تھی کہ جس میں ۳۴ دانے تھے۔ جب حضرت حمزہؓ کی شہادت ہوئی تو آپؑ اُن کی قبر مبارک پر آئیں اور ان کی قبر کی مٹی سے ایک خاص تسبیح بنائی۔ ہر نماز کے بعد وہ اس تسبیح کے وسیلہ سے خدا کو یاد کرتی تھیں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا فرمان ہے:

مَا عُبِدَ اللهُ بِشَيءٍ مِنَ التَّمْجِيْدِ اَفْضَلُ مِنْ تَسْبِيْحِ فَاطِمَةَ وَلَوْ كَانَ شَيْءٌ اَفْضَلُ مِنْهُ لَنَحَلَهُ رَسُوْلُ اللهِ فَاطِمَةَ

"خداوند تعالیٰ کی تعریف و توصیف اور عبادت حضرت فاطمہ زہراؑ کی تسبیحات سے بڑھ کر کسی چیز سے نہیں کی گئی۔ اگر اِن تسبیحات سے کوئی اور چیز افضل ہوتی تو پیغمبر گرامیؐ اپنی دختر کو اُسی چیز کا تحفہ عطا فرماتے"۔ (بحارالانوار: ج ۴۳، ص ۶۴، سفینۃ البحار: ج ۱، ص ۵۹۳)

⑥ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے: جس کسی نے حضرت فاطمہ زہراؑ کی تسبیحات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بندگی و ستائش کی تو اس نے اپنے پروردگار کو فراوانی کے ساتھ یاد کیا۔

حضرت فاطمہ زہراؑ کی "تسبیح" کے بارے میں کثرت کے ساتھ احادیث موجود ہیں اور ان کے فضائل بھی مختلف اقسام کے ہیں۔ بعض روایات میں سب سے پہلے اللہ اکبر، اس کے بعد سبحان اللہ اور آخر میں الحمد للہ مذکور ہے۔ یہی روایت ہمارے فقہا کے نزدیک مشہور و معروف ہے۔

علامہ مجلسیؒ نے اس ترتیب کے بارے میں مختلف آراء کا مفصل ذکر کیا ہے۔ (بحارالانوار: ج ۸۵، ص ۳۳۹،

الجواہر: ج۱۰،ص ۳۹۶)

دو شان دار نکات

ہم نے جو روایات بیان کی ہیں ان میں سے ایک نکتہ یہ سامنے آیا ہے کہ حضرت سیّدہ نساء العالمین اپنے روحانی ومعنوی فضائل ومناقب اور خاندانی شرافت وعزت کے باوجود اُمورِ خانہ داری اور بچوں کی دیکھ بھال، ان کی پرورش وتربیت خود فرماتی تھیں اور آپ نے اپنے گھریلو مختلف اُمور اور اَزدواجی زندگی کو نہایت ہی مہارت کے ساتھ انجام دیا تھا۔

امیرالمومنین حضرت امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں: ایک دن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے تو اُس وقت اُن کی دختر فرزانہ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام چولہے پر کھانا پکا رہی تھیں اور مَیں "دال" کو صاف کر رہا تھا، یعنی اُس سے تنکے اور کنکریاں نکال رہا تھا۔

پیغمبر گرامیؐ نے فرمایا: علیؑ جان! میری طرف توجہ کیجیے، تاکہ میں آپؑ کو ایک بات بتاؤں۔ آپؑ بخوبی جانتے ہیں کہ میں اللہ کے فرمان کے علاوہ بات ہی نہیں کرتا۔

آپؐ نے فرمایا: جو آدمی اپنے گھر کے اُمور میں اپنی زوجہ کا پیار ومحبت سے ہاتھ بٹائے تو اُس کے نامۂ اعمال میں اُس کے جسم کے بالوں کے برابر ایک سال کی عبادات لکھی جاتی ہیں کہ اس کے تمام دن روزہ دار کی حیثیت سے اور اس کی راتیں عبادتِ خداوندی میں مصروف لکھی جاتی ہیں۔ (جامع الاخبار اور بحارالانوار، ج ۴۳)

حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام اور علم و دانش

اسی مورد میں احادیث کا ایک مجموعہ بیان ہوا ہے۔ اے قاریٔ عزیز! آپ نے معلوم کرلیا ہوگا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک جس ہستی کی تمام انسانوں میں سب سے بڑھ کر عزت ومنزلت تھی وہ اُن کی دختر فرزانہ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام تھیں۔ جس قدر آپؑ اپنے بابا کے قریب تھیں اس قدر قربت کسی دوسرے کو حاصل نہ تھی۔ آپؑ پیغمبر اکرمؐ سے اس طرح مربوط تھیں جس طرح ایک جُزو کُل کے ساتھ مربوط ہوتا ہے۔ یا ایک جُزو اپنے نظام اور سسٹم کے ساتھ رابطے میں ہوتا ہے۔

یہ وہ دلیل ہے کہ جس کی بنیاد پر بیٹی اور عظیم والد کے درمیان، مہر ومحبت، ربط و رابطہ، عشق وعلاقہ، ہم آہنگی اس قدر مضبوط اور بلند وبرتر تھی کہ جس کی مثال نہیں ملتی اور یہ کوئی قابلِ تعجب بات بھی نہیں ہے، کیونکہ آپ کے استاد آسمانی اُستاد تھے۔ وہ وحی کے شاگرد تھے، جو وحی اُن پر ہوتی تھی وہ فوراً اپنی دختر فرزانہ کو تعلیم فرما دیتے تھے۔ اس طرح

اُنھیں بہترین وشائستہ ترین علمی خزانہ مل جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اپنی بیٹی کو تہذیب انسانی و اسلامی کے خوبصورت ترین اُصولوں کی اور آسمانی مفاہیم و معارف کی تعلیم دیتے تھے۔

جی ہاں! سیّدہ نساء العالمینؑ نے حکمت و دانش اور علومِ ربانی اُس چشمۂ شیریں سے نوشِ جان فرمائے تھے، جو منبع وحی سے مربوط تھا۔ آپؑ نے اپنے وسیع و عریض اور بیدار قلب کو مختلف اَقسام کی حکمتوں سے لبریز کیا۔ اس معاملے میں آپ کے ملکوتی عقل اور واضح ذکاوت نے بلند و بالا مفاہیم اور معارفِ آسمانی کے حصول میں بے پناہ معاونت کی۔ آپ اپنے والد گرامی قدر سے زیادہ سے زیادہ علوم حاصل کرتی تھیں اور اُنھیں اپنے قلبِ مبارک میں جگہ دیتی تھیں۔

جی ہاں! حضرت فاطمہ زہراؑ نے اَحکام، اَدعیہ، اَخلاق اور بے پناہ دانش و حکمت اور یہ تمام علوم اپنے والد مہربان سے سیکھے۔ اس بے پناہ حکمت و دانش اور علوم کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے سیّدہ بتولؑ کو اپنے الہام کے ذریعے سے علم و معرفت بھی عطا کیے تھے۔

آپ گزشتہ صفحات میں حضرت فاطمہ زہراؑ کے اسم کی بحث میں پڑھ چکے ہیں کہ آپؑ کے اسماء میں سے ایک اسم "محدثہ" بھی ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپؐ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ عَلِيًّا وَزَوْجَتَهٗ وَاَبْنَاءَهٗ حُجَجُ اللّٰهِ عَلٰى خَلْقِهٖ، وَهُمْ اَبْوَابُ الْعِلْمِ فِيْ اُمَّتِيْ، مَنِ اهْتَدٰى بِهِمْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

"اللہ تعالیٰ نے حضرت امام علی علیہ السلام اور اُن کی زوجہ محترمہ اور اُن کے فرزندوں کو اپنے بندوں پر حجتیں ٹھہرایا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: وہ میری اُمت میں علم و دانش کے دروازے ہیں۔ جو شخص اُن کے ذریعے سعادت و ہدایت و نجات پانے کے لیے کوشاں ہوگا تو ضرور اللہ کی طرف سے اُسے صراطِ مستقیم کی ہدایت ہوگی"۔

لیکن نہایت ہی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ وہ علم و دانش کا بحرِ بیکراں تھیں، لیکن اُن سے احادیث بہت ہی کم لی گئی ہیں۔ عنقریب اس امر کی وضاحت آپ کے سامنے آجائے گی۔

اگر سیّدہ نساء العالمین کی زندگی لمبی ہوتی اور ایک طولانی عرصہ اس دنیا میں زندگی بسر کرتیں، آپؑ کے پاس فرصت و آزادی بھی ہوتی، ماحول بھی میسر ہوتا تو آپؑ اس دنیا کو علم و عرفان، دانش و حکمت سے لبریز کردیتیں۔ یہ صرف دعویٰ ہی نہیں ہے، بلکہ حقیقت ہے جو لاریب ہے۔

ساری زندگی میں دختر پیغمبرؐ کو اپنے علم و دانش کے اظہار کے دو مواقع میسر آئے۔ ایک دفعہ جب آپؑ نے مسجد نبویؐ میں پر شکوہ آتشیں اور تاریخ ساز خطبہ دیا تھا، جو ہر زمانے اور ہر نسل کے لیے ایک تاریخی یادگار کی حیثیت رکھتا ہے۔

آپؑ کو دوسرا وہ موقع ملا تھا جب آپؑ صاحبِ فراش تھیں۔ مدینہ کی خواتین آپؑ کے پاس عیادت کے لیے آئیں۔ آپؑ نے ان لمحات سے فائدہ اُٹھایا اور اس دوران اُنھیں علم و دانش کے کچھ ابواب سکھلائے تھے۔

اے قاریٔ عزیز! اے متلاشیٔ حق و حقیقت! آپ آئندہ صفحات میں پڑھیں گے کہ حضرت فاطمہ زہراؑ کس قدر دانش و حکمت رکھتی تھیں اور آپؑ کو خطابت و آگاہی پر کس قدر کمال حاصل تھا۔

حضرت فاطمہ زہراؑ کے بارے میں نہایت ہی تاسف و افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آپؑ کی ملکوتی زندگی بہت ہی کم تھی۔ آپ نے حضرت فاطمہ زہراؑ کی تاریخ ولادت پڑھی ہے، آئندہ صفحات میں اُن کی تاریخ شہادت پڑھیں گے۔ آپ کو بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ حضرت فاطمہ زہراؑ نے اپنی زندگی کے پورے بیس سال بھی نہیں گزارے تھے کہ اس سے پہلے اس دنیا سے رحلت فرما گئیں۔

اے قاریٔ عزیز! ان اوصاف کے ساتھ آپ کا کیا خیال ہے اگر حضرت فاطمہ زہراؑ اس دنیا میں پچاس ساٹھ سال زندگی بسر کرتیں تو وہ اُمت اسلامیہ کو فکری اور علمی ثروت سے مالا مال کر دیتیں اور وہ سرمایہ علمی قیامت تک ہر نسل کے لیے کافی ہوتا لیکن ...... کیا ہوا؟ جو کچھ ہوا وہ آپ کے سامنے ہے!

سلسلۂ احادیث

اے قاریٔ محترم! اب ہم چند وہ احادیث جو سیّدہ نساء العالمین سے روایت کی گئی ہیں وہ آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں:

① تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام میں نقل ہے کہ ایک دفعہ صدیقہ طاہرہ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کی بارگاہ میں ایک عورت حاضر ہوئی۔ اس نے عرض کیا: میری والدہ اس وقت کمزور و ضعیفہ ہیں۔ اُنھیں نماز کے دوران فلاں اَمر میں اشتباہ ہوا ہے۔ انھوں نے مجھے آپؑ کی بارگاہ میں بھیجا ہے کہ میں آپؑ سے یہ مسئلہ دریافت کروں۔ صدیقہ طاہرہؑ نے اُس عورت کو مسئلہ بتایا اور وہ چلی گئیں۔ پھر وہ دوسری مرتبہ آپؑ کے پاس وہی مسئلہ لے کر آئی۔ آپؑ نے اُسے جواب دیا اور وہ چلی گئی، حتیٰ کہ وہ اس طرح دس مرتبہ آپؑ کے پاس آئی اور آپؑ نے ہر بار بغیر کسی تھکاوٹ اور اُلجھن کے

اُسے جواب دیا۔ آخرکار وہ عورت اپنی اس آمدورفت اور ایجادِ زحمت سے شرمندہ ہوئی اور اُس نے آپؑ کی خدمت میں عرض کیا: اے رسولؐ اللہ کی دختر! میں آپؑ کے لیے زحمت و مشقت کا باعث بنی ہوں۔ مجھے معاف کر دیجیے۔

آپؑ نے فرمایا: اے میری دوست! تو دیکھ ایک شخص کو مزدوری کے لیے کہا گیا کہ وہ فلاں بھاری چیز چھت پر لے جائے اور اُس کی اُجرت ایک لاکھ دینار مقرر کی گئی ہے۔ کیا یہ کام اُس آدمی پر سنگین و بھاری ہوگا؟

اس عورت نے جواب دیا: نہیں۔

آپؑ نے فرمایا: ہر مسئلہ میں میری جو اُجرت مقرر ہے وہ تحت الثریٰ سے لے کر عرشِ اولیٰ تک موتیوں سے لبریز فضا ہے۔ اب تیرا کیا خیال ہے؟ کیا تیرا بار بار مجھ سے سوال کرنا مجھ پر بھاری ہوگا؟

آپؑ نے اُسے فرمایا: میں نے اپنے بابا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ اُنھوں نے فرمایا:

ہمارے مکتب کے علماء و دانشور اس حال میں میدانِ محشر میں وارد ہوں گے تو اُن کے علم و دانش اور اس راہ میں جدوجہد کے مطابق اُنھیں خلعت ہائے کرامت پہنائی جائیں گی اور اُن میں کچھ ایسے بھی ہوں گے کہ جنھوں نے اس دنیا میں علم کے حصول میں اور علم و دانش کی ترویج و تبلیغ میں بہت زیادہ زحمات اُٹھائی ہوں گی تو اُنھیں ہزار ہزار نُور کے خلعے پہنائے جائیں گے۔

میدانِ محشر میں خداوند تعالیٰ کی طرف سے ندا بلند ہوگی، کہ ہاں اے وہ صاحبانِ علم و دانش کہ تم نے یتیمانِ آلِ محمدؐ کی علمی و دینی و فکری سرپرستی کی تھی۔ ان کے حقیقی آباء کی آئمہ طاہرینؑ کی رحلت کے بعد تم نے بھرپور شائستگی کے ساتھ اُن کی محافظت و مراقبت و کفالت کی تھی۔ تم نے اُنھیں دانش و بینش سے لبریز اور شاداب کر دیا تھا۔ جس قدر تم نے اُنھیں علوم سکھلائے اُسی مقدار میں اس طرح اب بھی اُنھیں جنت کی نُورانی خلعتوں سے آراستہ و پیراستہ کرو۔ اُس وقت یہ علماء ان یتیموں اور اپنے شاگردوں کو ان کے حصولِ علم کے مطابق اور حسبِ مراتب خلعت پہنائیں گے، یہاں تک کہ بعض یتیم لاکھ لاکھ خلعت پا جائیں گے۔ اس طرح یہ یتیم اپنے شاگردوں کو خلعت تقسیم کریں گے۔ بعدازاں اللہ پھر حکم فرمائے گا کہ ان یتیموں کی کفالت کرنے والے علماء کو پھر خلعت دیجیے پھر اُنھیں وہ خلعت ملیں گے، یہاں تک کہ اُنھیں دُگنا کر دیا جائے گا اور اُن شاگردوں میں تقسیم سے قبل جس قدر خلعت اُن کے پاس ہوں گے اسی قدر اُنھیں دُگنا کر دیا جائے گا۔ اس طرح حسبِ مراتب اُن کے خلعت یافتہ شاگردوں کا حال ہوگا۔

پھر حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام نے اُس عورت سے فرمایا: اے کنیزِ خدا! ان بہشتی خلعتوں کا ایک دھاگہ ان تمام اشیاء جن پر آفتاب چمکتا ہے لاکھ مرتبہ افضل اور اعلیٰ ہے۔ (بحارالانوار: ج ۲، ص ۳، ریاحین الشریعۃ: ج ۲، ص ۱۳۰)

سیّدہ نساء العالمین کے لیے معنوی ہدیہ

کتاب "دعوت راوندی" میں سوید بن غفلہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ امیر عدالت حضرت امام علی علیہ السلام کو مالی مشکل پیش آ گئی۔ حضرت فاطمہ زہراؑ اس مشکل کو حل کرنے کے لیے اپنے والد گرامی رسولؐ اللہ کے خانۂ اقدس کے دروازے پر آئیں تو پیغمبر اکرمؐ نے کسی کو آواز دی کہ شاید دروازے پر میری بیٹی آئی ہیں۔ اٹھیے اور دیکھیے اور اُنھیں میرے پاس لے آیئے۔

جنابِ اُمِ ایمنؓ نے دروازہ کھولا۔ حضرت زہرا علیہا السلام اندر داخل ہوئیں۔ پیغمبرؐ خدا کو سلام کیا اور پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: اے فاطمہؑ جان! اس وقت آنے کا کیا مقصد ہے؟ اس سے قبل آپؑ کبھی اس وقت میرے پاس حاضر نہیں ہوئیں۔ کیا بات ہے؟

حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام نے عرض کیا: بابا جان! فرشتوں کی غذا کیا ہے؟

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اُس کا شکر۔

آپؑ نے پوچھا: انسانوں کی غذا کیا ہے؟

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: مجھے اُس خدا کی قسم کہ جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، ایک ماہ ہو گیا ہے میرے گھر میں کھانا پکانے کے لیے آگ روشن نہیں کی گئی۔ اے فاطمہؑ جان! فرشتۂ وحی ہمارے لیے روحانی و معنوی رزق و روزی لے آیا ہے۔ میں اسی میں سے آپؑ کو ہدیہ کرنا چاہتا ہوں، لے لیجیے۔

حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام نے بھرپور شوق و ذوق سے عرض کیا: وہ معنوی ہدیہ کیا ہے؟

پیغمبرؐ اسلام نے پڑھنا شروع کیا:

يَا رَبَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ وَيَا خَيْرَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ وَيَا ذَا الْقُوَّةِ الْمَتِيْنَ! يَا رَاحِمَ الْمَسَاكِيْنَ وَيَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

سیّدہ نساء العالمین نے اس معنوی ارمغان کو سنا اور اُسے حفظ کر کے واپس امیر المومنین حضرت امام علی علیہ السلام کے پاس آ گئیں۔ حضرت امیر المومنینؑ اُن کے انتظار میں تھے۔ جب آپؑ کی نگاہ اُن پر پڑی تو پوچھا: میرے ماں باپ آپؑ پر قربان جائیں، کیا خبر ہے؟

حضرتِ فاطمہ علیہا السلام نے عرض کیا: میں دنیا کے لیے گئی تھی آخرت کا معنوی اور اَخلاقی توشہ لے کر واپس آئی ہوں۔

امام علی علیہ السلام نے فرمایا: خوشیاں آپؑ کا استقبال کریں، خوشیاں آپؑ کا استقبال کریں۔ جو کچھ آپؑ لے آئی ہیں وہ ہی بہتر ہے۔

تین جاودانہ درس

اُصولِ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک دفعہ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام بارگاہِ پیغمبر میں حاضر ہوئیں اور آپؐ کے حضور زندگی کے نشیب و فراز کی شکایت کی۔ رسولؐ اللہ نے کھجور کی چھڑی کی موٹی جڑ اُٹھائی اور اُسے اپنی دُختر فرزانہ کے حوالے کیا اور فرمایا: اس پر جو کلمات لکھے ہوئے ہیں اُنھیں وقت کے ساتھ پڑھیئے اور انھیں دل میں جگہ دیجیے۔ اس دختر فرزانہ کا قلبِ مبارک معنویت و روحانیت کے ہاتھوں گروی تھا۔ آپؑ نے اس تحریر کو دیکھا اور وہ تحریر یہ تھی:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَمَّا يُؤْذِ جَارَهُ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ يَسْكُتْ۔

"جو شخص اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو اذیت نہیں دیتا۔ جو شخص اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو اُسے چاہیے کہ وہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔ اور جو شخص اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو اُسے چاہیے کہ اگر بات کرے تو عدالت کی اساس پر کرے، ورنہ خاموش رہے"۔

سرفرازی اور نجات کا راز

حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام نے فرمایا:

مَنْ أَصْعَدَ إِلَى اللّٰهِ خَالِصَ عِبَادَتِهِ، أَهْبَطَ اللّٰهُ إِلَيْهِ أَفْضَلَ مَصْلَحَتِهِ

"جو بارگاہِ خداوندی میں خالص عبادات بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کی طرف بہترین سے بہترین مصلحت بھیجتا ہے"۔

دو بھاری امانتیں

حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام سے مروی ہے کہ جب میرے والد گرامی صاحبِ فراش تھے اور اسی مرض میں اُن کی

رحلت ہوئی تھی۔ میں نے اپنے کانوں سے سنا کہ آپؐ اپنے صحابہؓ سے فرما رہے تھے۔ اُس وقت ان کا حجرہ صحابہ کرامؓ سے بھرا ہوا تھا:

اَلَا اِنِّیْ مَخْلِفٌ فِیْکُمْ کِتَابَ رَبِّیْ وَعِتْرَتِیْ اَھْلَ بَیْتِیْ ثُمَّ اَخَذَ بِیَدِ عَلِیٍّ فَقَالَ ھٰذَا عَلِیٌّ مَعَ الْقُرْآنِ وَالْقُرْآنَ مَعَ عَلِیٍّ، لَا یَفْتَرِقَانِ حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضِ فَاسْأَلُکُمْ مَا تَخْلِفُوْنِیْ فِیْھِمَا....

"اے لوگو! آگاہ رہو میں اپنی رحلت کو بہت قریب دیکھ رہا ہوں۔ جو ضروری باتیں ہیں وہ میں تمھیں بتا رہا ہوں۔ ہوش سے کام لیجیے میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں: ایک اپنے رب کی کتاب قرآنِ مجید ہے اور دوسری میری عترت میرے اہلِ بیتؑ ہیں"۔ اُس وقت آپؐ نے امام علیؑ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: یہ علیؑ ہیں جو قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن اُن کے ساتھ ہے۔ یہ دونوں کبھی جدا نہیں ہوں گے حتیٰ کہ میرے پاس حوضِ کوثر پر پہنچیں گے، اُس وقت میں تم سے پوچھوں گا کہ میری رحلت کے بعد میری ان دو امانتوں کے ساتھ تم نے کیا سلوک کیا تھا؟"

علامہ قندوزی حنفی نے بیان کیا ہے کہ اس حدیث کو تیس صحابہ کرام نے روایت کیا ہے۔ ان میں سے اکثر صحیح اور حسن ہیں۔ (ینابیع المودۃ القندوزی حنفی، ص ۴۰)

آراستگی ظاہر و باطن

حضرت فاطمہ زہراؑ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے:

مَنْ تَخَتَّمَ بِالْعَقِیْقِ لَمْ یَزَلْ یَرٰی خَیْرًا

"جس کسی نے عقیق کی انگوٹھی پہنی وہ ہمیشہ اچھائی کو پاتا ہے"۔ (امالی طوسی، ج ۱، ص ۳۱۸)

حقیقی روزہ

آپؑ نے فرمایا:

مَا یَصْنَعُ الصَّائِمُ، بِصِیَامِہٖ اِذَا لَمْ یَصُنْ لِسَانَہٗ وَسَمْعَہٗ وَبَصَرَہٗ وَجَوَارِحَہٗ

"اگر روزہ دار اپنی زبان، کان، آنکھ اور ہاتھ پاؤں کو گناہوں سے نہیں روک سکتا تو پھر اُس کا

روزے سے کیا کام، وہ ایسے روزہ کو کیا کرے گا؟"

بہترین وقتِ دُعا

حضرت زید شہید نے روایت کی ہے کہ حضرت فاطمہ زہراؑ نے فرمایا کہ مَیں نے نبی کریم ﷺ سے سنا، آپؐ نے فرمایا:

إِنَّ فِي الْجُمُعَةِ لَسَاعَةً لَا يُوَافِقُهَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ يَسْأَلُ اللهَ عَزَّوَجَلَّ فِيهَا خَيْرًا إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ (مستدرک الوسائل، کتاب الصوم)

"جمعہ کے دن ایسی ساعت ہے جب اُس ساعت میں ایک مسلمان بارگاہِ خداوندی میں دُعا کرتا ہے تو خداوند تعالیٰ اُس کی دعا کو قبول کرتا ہے"۔

سیّدہ کائنات سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں: میں نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا وہ کون سی گھڑی ہے؟

آپؐ نے فرمایا: جب سورج کا نصف حصّہ مغرب میں غروب ہو چکا ہو اور ابھی اس کا نصف حصّہ باقی ہو۔

سیّدہ کائنات جمعہ کی عصر کو اپنی کسی شاگردہ سے فرماتیں کہ وہ چھت پر چڑھ جائے۔ جب سورج مغرب کے قریب ہو تو اس کی مجھے اطلاع دینا، میں اُس وقت اپنے پروردگار کے ہاں دعا مانگ سکوں، تاکہ وہ بے نیاز بادشاہ میری نیازمندی اور حاجات کو قبول فرمائے"۔

درسِ نظافت

حضرت حسن بن حسن نے اپنی والدہ گرامی حضرت فاطمہ بنت الحسینؑ سے سنا، اُنھوں نے فرمایا کہ حضرت فاطمہ زہراؑ کا فرمان ہے:

لَا يَلُومَنَّ إِلَّا نَفْسَهُ مَنْ بَاتَ وَفِي يَدِهِ غَمَرٌ (کشف الغمہ، ج۱، ص ۵۵۴)

"ہر وہ شخص جو رات کو میلے اور آلودہ ہاتھوں کے ساتھ بستر پر سو جاتا ہے۔ اگر وہ کسی بیماری و تکلیف میں مبتلا ہو جائے تو اپنے آپ کو ملامت کرے"۔

ظلم سے ہوشیاری

عبداللہ بن حسن نے اپنے والد سے سنا اور اُنھوں نے حضرت فاطمہؑ سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَا الْتَقَى الجُنْدَانِ ظَالِمَانِ اِلَّا تَخَلَّى اللهُ مِنْهُمَا ، فَلَمْ يُبَالِ اَيُّهَا غَلَبَ وَمَا الْتَقَى جُنْدَانِ ظَالِمَانِ اِلَّا كَانَتِ الدَّائِرَةُ عَلَى اِعْتَاهُمَا

"دو ظالم گروہ جب آپس میں لڑتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔ اس کے نزدیک یہ بات اہم نہیں ہے کہ اُن دونوں میں سے کون دوسرے پر غالب آتا ہے اور اس طرح وہ دو گروہ جو دونوں ستم کار ہوں وہ آپس میں جنگ کریں تو وہ دونوں ذلت و ہلاکت سے ہمکنار ہونے والے ہوتے ہیں"۔ (کشف الغمہ: ج۱،ص ۵۵۳، دلائل الامامۃ: ص ۵، مسند فاطمۃ الزہراؑ: ص ۲۲، معانی الاخبار: ص ۳۹۹)

دفاع از اولادِ سرفرازِ پیغمبرؐ

حضرت فاطمہ بنت الحسین علیہا السلام سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا:

كُلُّ بَنِىْ اُمٍّ يَنْتَمُوْنَ اِلَى عَصَبَتِهِمْ اِلَّا وُلْدَ فَاطِمَةَ فَاِنِّىْ اَنَا اَبُوْهُمْ وَعَصَبَتُهُمْ (بحار الانوار: ج ۲۳، ص ۲۲۸، فرائد السمطین، ج ۲، ص ۷۸)

ہر ماں کا بیٹا اپنے خاندان اور باپ کی طرف منسوب ہوتا ہے سوائے میری بیٹی حضرت فاطمہؑ کی اولاد کے۔ کیونکہ میں ان کا باپ ہوں اور وہ میرا خاندان ہیں"۔

میں کہتا ہوں کہ عَصَبَۃٌ، عَاصِبٌ کی جمع ہے، جس طرح طَلَبَۃٌ طَالِبٌ کی جمع ہے، جیسے عَصَبَۃُ الرَّجُلِ یعنی باپ کی اولاد، اس لیے انھیں عَصَبَۃٌ کہا گیا ہے، کیونکہ وہ انسان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہوتے ہیں۔

حدیثِ لوح

اُصولِ کافی میں ہے کہ ابوبصیرؒ نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے، امام علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میرے والد گرامی نے جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے فرمایا: آپ سے مجھے ایک کام ہے۔ جب آپ کو فرصت ملے تو خلوت میں میں آپ کو وہ کام بتاؤں گا۔

حضرت جابرؓ نے کہا: جس وقت آپ مناسب سمجھیں میں حاضر ہوں۔

جب فرصت کا دن آیا اور خلوت ہوئی تو حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے جنابِ جابرؓ سے فرمایا: آپ نے وہ لوح جو میری ماں حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے دستِ مبارک میں دیکھی تھی۔ میری ماں نے آپ کو اس لوح کے بارے میں کیا

فرمایا تھا اور اُس میں کیا لکھا ہوا تھا؟

حضرت جابرؓ نے کہا: خدا کی قسم! میں پیغمبر خدا ﷺ کے زمانے میں آپ کی ماں حضرت فاطمہ زہرا؊ کے خانہ اقدس میں حاضر ہوا اور میں نے انھیں حضرت امام حسین علیہ السلام کی ولادت باسعادت کی مبارکباد دی۔ اُس وقت اُن کے ہاتھ میں سبز رنگ کی ایک لوح تھی۔ مجھے وہ زمرد دکھائی دیتی تھی۔ اس لوح میں جو تحریر تھی اس کا رنگ سفید تھا وہ تحریر اپنی درخشندگی میں آفتاب تھی۔

جناب جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے اُن کی خدمت میں عرض کیا: میرے والدین آپؑ پر قربان ہو جائیں اس لوح کی کیا حقیقت ہے؟

سیدہ زہرا؊ نے فرمایا: یہ وہ لوح ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو ہدیہ کی تھی۔ اس میں میرے والد عالی قدر کا اسم ہے۔ میرے شوہر نامدار امام علی علیہ السلام اور میرے دونوں فرزندوں اور میری اولاد میں سے جو اوصیاء ہیں اُن کے اسماء ہیں۔ یہ مجھے میرے والد نے عطا کی ہے اور یہ میرے لیے مژدہ ہے۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ مَیں نے وہ لوح آپؑ کی والدہ حضرت فاطمہ زہرا؊ سے لی اور اس میں نظر کی اور تحریر کو پڑھا اور اس تحریر کو اپنے ہاں لکھ لیا تھا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: میرے والد گرامیؑ نے جناب جابرؓ سے فرمایا: وہ نسخہ تمہارے پاس ہے تو وہ مجھے پیش کریں۔

جناب جابرؓ نے کہا: جی ہاں! وہ نسخہ موجود ہے۔ پس میرے والد گرامی جناب جابرؓ کے ہمراہ اُن کے گھر تشریف لے گئے۔ جناب جابرؓ چمڑے کا ایک صحیفہ لے آئے۔

امام علیہ السلام نے جناب جابرؓ سے فرمایا: آپ اپنے اس صحیفہ میں نظر کریں، تاکہ میں آپ کو اس کی تحریر سناؤں۔

جناب جابرؓ نے اپنے نسخہ کو اپنے سامنے رکھا اور ادھر میرے والد امام محمد باقر علیہ السلام نے حرف بہ حرف وہ تحریر زبانی سنا دی۔ آخر میں فرمایا: اے جابرؓ! تجھے خدا کی قسم! جس طرح مَیں نے اس لوح کی تحریر پڑھی ہے بالکل وہی ہے یا نہیں؟

جناب جابرؓ نے کہا: جی ہاں! بالکل اسی طرح یہ تحریر ہے جس طرح آپ نے پڑھی ہے۔

وہ تحریر یہ تھی:

کروں گا۔ وہ تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں۔
ان کے وجود گرانمایہ میں حضرت موسیٰؑ کا کمال، حضرت عیسیٰؑ کا حسن و جمال اور حضرت ایوبؑ کا صبر و تحمل ہوگا۔ اسی کے زمانہ غیبت میں میرے دوست حیران و پریشان اور سرگردان رہیں گے۔ اُن کے سرحق و عدالت کے دفاع کی خاطر ستم پیشہ بادشاہوں کے ہاں بطورِ تحفہ و ہدیہ اس طرح پیش کیے جائیں گے جس طرح ترک و دیلم (مشرکین) کے لوگوں کے سر بطور ہدیہ بھیجے جاتے ہیں۔ زمین اُن کے خون سے رنگین کی جائے گی۔ اُن کے گھروں کو جلایا جائے گا۔ وہ خوف زدہ رہیں گے۔ اُن کے بچوں اور عورتوں کی فریادیں بلند ہوں گی۔ یہ لوگ ہی میرے حقیقی اولیاء ہوں گے اور یہی لوگ ہی دین اور انسانیت کا دفاع کرنے والے ہوں گے۔
جی ہاں! ہم انھیں راہبرانِ نور کے ذریعے تیرہ و تاریکی کے ہر فتنے کی بساط کو اُلٹ دیں گے اور ہر عقیدتی تزلزل کو برطرف کریں گے۔ اور اپنے بندوں کے ہاتھ اور پاؤں سے استبداد اور دجال گری کی زنجیروں کو کاٹ دیں گے۔ انھیں لوگوں پر اُن کے رب کے درود و سلام ہوں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں اور لوگوں کے حقیقی رہبر ہیں''۔

تاریخی خیانت

عبدالرحمن بن سالم کہتے ہیں کہ ابوبصیرؒ اس روایت کے نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ اگر آپ نے اپنی پوری زندگی میں صرف اسی روایت کو پڑھ یا سن لیا تو یہی درس آموز بیان آپ کی ہدایت کے لیے کافی ہے۔ اس لیے اس حدیث کو دوستانِ اہلِ بیتؑ کے علاوہ دوسرے لوگوں سے محفوظ رکھیے۔
اے قاریٔ کریم! ان مذکورہ احادیث کو پڑھنے کے بعد آپ کو حضرت فاطمہ زہراؑ کے علم و دانش کی معرفت حاصل ہوئی ہوگی۔ آپ نے یہ بھی معلوم کرلیا ہوگا کہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ عالیہ کا تقرب کثرت کے ساتھ حاصل تھا۔
اب میرے ساتھ چلیے جو کچھ ''العقاد'' نے کہا ہے اُسے بھی سنیے پھر اس تاریخی خیانت پر ہنسیے یا تاسف کیجیے۔ عقاد نے اپنی کتاب ''فاطمہ والفاطمیون'' میں خودساختہ اور سقیم احادیث نقل کی ہیں۔ اس کی بناوٹ و خودساختگی پر ہنسی آتی ہے۔ اس نے ان احادیث کو درست سمجھا ہے۔ لمحہ بھر کے لیے اس تاریخی خیانت و خرافات پر نظر کیجیے۔

فرمایا تھا اور اُس میں کیا لکھا ہوا تھا؟

حضرت جابرؓ نے کہا: خدا کی قسم! میں پیغمبر خدا ﷺ کے زمانے میں آپ کی ماں حضرت فاطمہ زہرا ؑ کے خانۂ اقدس میں حاضر ہوا اور میں نے انھیں حضرت امام حسین علیہ السلام کی ولادت باسعادت کی مبارکباد دی۔ اُس وقت اُن کے ہاتھ میں سبز رنگ کی ایک لوح تھی۔ مجھے وہ زمرد دکھائی دیتی تھی۔ اس لوح میں جو تحریر تھی اس کا رنگ سفید تھا وہ تحریر اپنی درخشندگی میں آفتاب تھی۔

جنابِ جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے اُن کی خدمت میں عرض کیا: میرے والدین آپؑ پر قربان ہو جائیں اس لوح کی کیا حقیقت ہے؟

سیّدہ زہرا ؑ نے فرمایا: یہ وہ لوح ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو ہدیہ کی تھی۔ اس میں میرے والد عالی قدر کا اسم ہے۔ میرے شوہر نامدار امام علی علیہ السلام اور میرے دونوں فرزندوں اور میری اولاد میں سے جو اوصیاء ہیں اُن کے اسماء ہیں۔ یہ مجھے میرے والد نے عطا کی ہے اور یہ میرے لیے مژدہ ہے۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے وہ لوح آپؑ کی والدہ حضرت فاطمہ زہرا ؑ سے لی اور اس میں نظر کی اور تحریر کو پڑھا اور اس تحریر کو اپنے ہاں لکھ لیا تھا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: میرے والد گرامیؑ نے جنابِ جابرؓ سے فرمایا: وہ نسخہ تمہارے پاس ہے تو وہ مجھے پیش کریں۔

جنابِ جابرؓ نے کہا: جی ہاں! وہ نسخہ موجود ہے۔ پس میرے والد گرامی جنابِ جابرؓ کے ہمراہ اُن کے گھر تشریف لے گئے۔ جنابِ جابرؓ چمڑے کا ایک صحیفہ لے آئے۔

امام علیہ السلام نے جنابِ جابرؓ سے فرمایا: آپ اپنے اس صحیفہ میں نظر کریں، تاکہ میں آپ کو اس کی تحریر سناؤں۔

جنابِ جابرؓ نے اپنے نسخہ کو اپنے سامنے رکھا اور ادھر میرے والد امام محمد باقر علیہ السلام نے حرف بہ حرف وہ تحریر زبانی سنا دی۔ آخر میں فرمایا: اے جابرؓ! تجھے خدا کی قسم! جس طرح میں نے اس لوح کی تحریر پڑھی ہے بالکل وہی ہے یا نہیں؟

جنابِ جابرؓ نے کہا: جی ہاں! بالکل اسی طرح یہ تحریر ہے جس طرح آپ نے پڑھی ہے۔

وہ تحریر یہ تھی:

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو رحمٰن و رحیم ہے

"یہ خط اس معبودِ برحق کی طرف سے ہے، جو غالب اور حکیم ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس کے نبیؐ اور اُس کے نُور ہیں۔ ان پر عالمین کے رب کی طرف سے فرشتۂ وحی نازل ہوا۔

اے محمدؐ! میرے اسماء کو بلند و بالا کیجیے، میری نعمات کا شکر ادا کیجیے اور ان کا انکار مت کیجیے۔ میں ہی معبودِ برحق ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ جباروں کی دنیا کو نیست و نابود کرنے والا ہے۔ مظلوموں کا بدلہ لینے والا ہے، اور قیامت کے دن جزا دینے والا ہے۔ میں ہی معبودِ برحق ہوں۔ جس نے میرے فضل و کرم کے علاوہ کسی اور فضل و کریم کی اُمید رکھی یا میری عدالت کے علاوہ کسی اور عدالت سے خوف زدہ ہوا تو میں اُسے وہ عذاب دوں گا کہ میں نے عالمین میں کسی کو اس طرح معذب نہیں کیا۔ پس تم میری ہی عبادت کرو، اور صرف مجھ پر توکل کرو۔ میں نے کوئی نبیؐ نہیں بھیجا مگر اس کے رسالت کے دور کو کامل نہ کیا۔ اور اس کی مدت بعثت ختم نہ کی۔ جب تک اس کا وصی نہ بنایا۔ میں نے آپؐ کو تمام انبیاءؑ پر فضیلت بخشی ہے اور آپؐ کے وصی کو تمام اوصیاء پر برتری عطا کی ہے۔ میں نے آپؐ کو دو سبط حسنؑ و حسینؑ دے کر برگزیدہ کیا ہے۔

میں نے حسینؑ کو اُن کے والد گرامیؑ کے بعد اپنے علم کا معدن بنایا ہے۔ میں نے حسینؑ کو اپنی وحی کا خازن بنایا ہے اور اُنھیں شہادت سے مکرم کیا ہے اور اُن کی زندگی کو سعادت کے ساتھ اختتام پذیر کیا ہے۔ وہ تمام شہیدانِ راہِ حق سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ اور وہ سیّد الشہداءؑ ہیں، میں نے اپنے کامل کلمہ کو اُن کے ہمراہ قرار دیا ہے اور اپنی حجتِ بالغہ کو ان کے نزدیک کر دیا ہے۔ میں اُن کے خاندان کی ولایت کی برکت سے جزا عطا کروں گا اور جس نے اُن سے اجنبیت رکھی اُنھیں سزا دوں گا۔

اُن کی اولاد میں سے پہلے علی سیّد العابدینؑ ہیں اور گزشتہ اَدوار کے اولیاء کی زینت ہیں اور اُن کے بیٹے اپنے جدِ نامدار کی شکل و شمائل رکھنے والے ہیں۔ وہ محمدؑ ہیں اور وہ میری حکمت و دانش کے سرچشمہ کو جاری کرنے والے ہیں اور میری حکمت کے معدن ہیں۔ اُن کے بعد اُن کے فرزند حضرت جعفرؑ ہیں۔ اُن کی امامت کی تردید کرنے والے نابود ہوں گے جس نے اُن کی

امامت کو تسلیم نہ کیا، اُس نے مجھے تسلیم نہیں کیا۔ میرا فرمان ہی حق ہے۔ میرا وعدہ ہے کہ میں اُنھیں عزت و عظمت بخشوں گا اور اُن کے پیروکاروں اور دوستوں کو شادمان کروں گا۔
اُن کے بعد میں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو ایک تاریک ترین دور میں اپنے بندوں کی نجات اور ان کی رہنمائی کے لیے منتخب فرمایا، کیونکہ میرے مقررات کا رشتہ کبھی منقطع نہ ہوگا اور میری روشن حجت پر کبھی تاریکی کے پردے نہیں پڑ سکتے۔ میرے دوست مہر و محبت کے جام سے سیراب ہوں گے۔ ان میں سے کسی نے اُن کا انکار کیا تو اُس نے میری نعمت عظمیٰ کا انکار کیا۔ جس کسی نے ان کی کتاب کے کسی مفہوم کو تبدیل کیا تو اُس نے مجھ پر فریب باندھا، افترا پردازوں اور منکرین کے لیے ہلاکت و بربادی ہے۔
اُن کی امامت کے اختتام پر مَیں نے امامت کے لیے امام علی رضاؑ کو منتخب کیا ہے، جو میرا عظیم عبد، میرا حبیب اور میری خیر و بھلائی کا منبع ہے۔ میرا ولی ہے، میرا ناصر ہے۔ میں نے اپنے پیغام کی نگہبانی اُن کے دوش پر ڈال دی ہے۔ مَیں نے اُنھیں اس مسئولیت میں بار بار آزمایا ہے۔ اُنھیں ایک عفریت، متکبر شہید کر دے گا۔ وہ اس شہر میں دفن ہوں گے کہ جس شہر کی بنیاد ہمارے ایک صالح عبد نے رکھی ہوگی اور اُن کے پہلو میں ایک بدترین آدمی دفن ہوگا۔
میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں اُنھیں صاحبِ دانش و حکمت فرزند عطا کر کے شادمان کروں جن کا نام محمد تقیؑ ہے جو ان کا نائب ہے۔ وہ میرے علم کا معدن ہیں۔ میرے اَسرار کی منزل ہیں۔ میری تمام مخلوق پر حجت ہیں۔ وہ اپنے والد گرامی کی شہادت کے بعد امامت کے عہدہ کو سنبھالیں گے۔ جو آدمی ان کی امامت کو تسلیم کرلے گا میں اُس کا ٹھکانا جنت میں بناؤں گا۔ ایسا آدمی اپنے خاندان کے اُن ستر آدمیوں کی شفاعت کرے گا جن پر جہنم واجب ہو چکی ہوگی۔
میں ان کے فرزند علی نقی علیہ السلام سے جو اُمت کے دسویں رہبر ہوں گے اپنی سعادت کو کامل و اَکمل کروں گا۔ وہ میرے ولی اور ناصرِ دین ہیں۔ وہ میری مخلوق کے درمیان گواہ ہیں۔ وہ وحی کے اور میری کتاب قرآن مجید کے امین ہیں۔ میں اُنھیں وہ فرزند عطا کروں گا جو میرے راستے کی طرف دعوت دینے والا ہوگا وہ میرے علم و رُشد کا خازن ہے۔ ان کا بلند و بالا اسم ''حسن عسکری'' ہے۔ میں امامت کو اُن کے فرزند جن کا اسم محمد مہدیؑ ہے، کے ساتھ کامل

کروں گا۔ وہ تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں۔
ان کے وجودِ گرانمایہ میں حضرت موسیٰؑ کا کمال، حضرت عیسیٰؑ کا حُسن و جمال اور حضرت ایوبؑ کا صبر و تحمل ہوگا۔ اسی کے زمانۂ غیبت میں میرے دوست حیران و پریشان اور سرگردان رہیں گے۔ اُن کے سرِ حق و صداقت کے دفاع کی خاطر ستم پیشہ بادشاہوں کے ہاں بطورِ تحفہ و ہدیہ اس طرح پیش کیے جائیں گے جس طرح ترک و دیلم (مشرکین) کے لوگوں کے سر بطورِ ہدیہ بھیجے جاتے ہیں۔ زمین اُن کے خون سے رنگین کی جائے گی۔ اُن کے گھروں کو جلایا جائے گا۔ وہ خوف زدہ رہیں گے۔ اُن کے بچوں اور عورتوں کی فریادیں بلند ہوں گی۔ یہ لوگ ہی میرے حقیقی اولیاء ہوں گے اور یہی لوگ ہی دین اور انسانیت کا دفاع کرنے والے ہوں گے۔
جی ہاں! ہم انھیں راہبرانِ نور کے ذریعے تیرہ و تاریکی کے ہر فتنے کی بساط کو اُلٹ دیں گے اور ہر عقیدتی تزلزل کو برطرف کریں گے۔ اور اپنے بندوں کے ہاتھ اور پاؤں سے استبداد اور دجال گری کی زنجیروں کو کاٹ دیں گے۔ انھیں لوگوں پر اُن کے رب کے درود و سلام ہوں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں اور لوگوں کے حقیقی رہبر ہیں"۔

تاریخی خیانت

عبدالرحمٰن بن سالم کہتے ہیں کہ ابوبصیرؒ اس روایت کے نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ اگر آپ نے اپنی پوری زندگی میں صرف اسی روایت کو پڑھ یا سن لیا تو یہی درس آموز بیان آپ کی ہدایت کے لیے کافی ہے۔ اس لیے اس حدیث کو دوستانِ اہلِ بیتؑ کے علاوہ دوسرے لوگوں سے محفوظ رکھیے۔

اے قارئ کریم! ان مذکورہ احادیث کو پڑھنے کے بعد آپ کو حضرت فاطمہ زہراؑ کے علم و دانش کی معرفت حاصل ہوئی ہوگی۔ آپ نے یہ بھی معلوم کرلیا ہوگا کہ آپ کو رسول اللہ ﷺ کی بارگاہِ عالیہ کا تقرب کثرت کے ساتھ حاصل تھا۔

اب میرے ساتھ چلیے جو کچھ "العقاد" نے کہا ہے اُسے بھی سنیے پھر اس تاریخی خیانت پر ہنسیے یا تاسف کیجیے۔
عقاد نے اپنی کتاب "فاطمہ والفاطمیون" میں خودساختہ اور سقیم احادیث نقل کی ہیں۔ اس کی بناوٹ و خودساختگی پر ہنسی آتی ہے۔ اُس نے ان احادیث کو درست سمجھا ہے۔ لمحہ بھر کے لیے اس تاریخی خیانت و خرافات پر نظر کیجیے۔

وہ لکھتا ہے:

دین باوری کی فطرت اور مذہبی تعصب دختر پیغمبرؐ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ یہ چیزیں آپؑ میں اس قدر راسخ ہو چکی تھیں کہ وہ جن دینی اَحکام پر یقین رکھتی تھیں وہ اُن کی سختی کے ساتھ پابندی کرتی تھیں اور وہ اپنے اس عمل کو تقویٰ اور پرہیزگاری خیال کرتی تھیں۔ اُن کا خیال تھا کہ آگ پر پختہ غذا تجدید وضو کا باعث ہے۔

یہ سب کچھ حسن بن حسن کی حدیث سے ظاہر ہے کہ اُس نے حضرت فاطمہؑ سے روایت کی ہے۔ حضرت فاطمہ زہراؑ فرماتی ہیں: ایک دفعہ میرے بابا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر تشریف لائے اور اُنھوں نے پختہ گوشت ہڈی سے جدا کر کے تناول فرمایا۔ اس دوران حضرت بلالؓ نے اَذان دینا شروع کی۔ میرے بابا کھڑے ہوئے، تا کہ نماز ادا کریں۔ میں نے اُن کے دامن کو پکڑ لیا اور عرض کیا: بابا جان! کیا آپ وضو نہیں فرمائیں گے؟

پیغمبرؐ خدا نے فرمایا: فاطمہؑ جان! میں باوضو ہوں، پھر کیا وضو کرنا ہے؟

میں نے عرض کیا: اس لیے کہ آپؐ نے آگ سے پختہ کھانا تناول فرمایا ہے۔

پیغمبرؐ خدا نے فرمایا: کیا آپؑ کا کھانا جو آگ پر تیار ہوا تھا پاکیزہ نہیں تھا؟

اس مقام پر عقاد لکھتا ہے: حضرت فاطمہ زہراؑ اکثر مسائل میں آگاہی نہیں رکھتی تھیں، اس لیے مشقت اُٹھاتی تھیں اور بہت زیادہ احتیاط سے کام لیتی تھیں۔ اِفراط اور شدت کو اپنی زندگی میں ترجیح دیتی تھیں۔ مَیں نہیں جانتا اس کا یہ جھوٹ کس قدر اس کے لیے رُسوائی کا باعث ہے، جو اُس نے اپنے نفس کی خواہش پر تخلیق کیا ہے؟

ضرورت ہی نہیں ہے کہ عقاد سے پوچھا جائے کہ اس افسانہ کی سند اور اس کا مدرک کہاں ہے؟ اس نے کس معتبر کتاب سے اس افسانہ کو نقل کیا ہے؟ کیا یہ روایت صحیح اور قابلِ قبول ہے؟ کیا اس جعلی روایت کے شواہد اس روایت کو بے اساس آشکار نہیں کرتے کہ اس روایت کا نہ کوئی مصدر ہے اور نہ مدرک۔ لیکن میرا سوال یہ ہے کہ حضرت فاطمہ زہراؑ دین کا علم کس سے حاصل کرتی تھیں؟ وہ اَحکامِ اسلام کس سے سیکھتی تھیں؟ کیا اُن کے علوم کا اوّلین مصدر اُن کے والدِ گرامی رسول اللہؐ نہیں تھے اور ان کے دوسرے مصدر اُن کے شوہر نامدار بابِ مدینۃ العلم نہیں تھے؟

ان دونوں مصادر سے قبل اُن کا مصدر قرآنِ مجید نہیں تھا؟ وہ قرآن جو اُن کے گھر میں ان کے بابا رسول اللہؐ پر نازل ہوا تھا؟ تو پھر یہ توہم کہاں سے آگیا؟ کیا قرآنِ مجید سے؟ کیا اُن کے والد رسول اللہؐ سے؟ یا اُن کے شوہر امام علیؑ سے؟

سیّدہ نساء العالمین کسی صورت میں اس حکم سے لاعلم رہ سکتی تھیں؟ یہ تو روزمرہ کے مسائل ہیں کیا اُنھیں ان کا علم

نہیں تھا۔ وہ ان مسائل میں افراط وتفریط کا شکار تھیں؟ کیا دختر پیغمبر احکامِ دین ان جھوٹے افتراپردازوں سے حاصل کرتی تھیں؟ اس لیے انھوں نے اپنے والد کے کپڑے کو پکڑا اور انھیں نماز سے روکا کہ اُن کی ذات وضو سے نہیں ہے؟

یہ تمام باتیں میں نہیں جانتا، ہاں شاید عقاد جانتا ہو۔ جی ہاں! یہ ہے مقامِ تاسف اور کوتاہ بینی۔ میں نہیں جانتا، عقاد نے یہ افسانہ کیوں گھڑا ہے؟ اسے وہ بخوبی جانتے ہیں۔

حضرت فاطمہ زہراؑ اور حجاب

حضرت فاطمہ زہراؑ نے اپنی مختصر زندگی میں جس قدر اسلامی تعلیمات کی ترویج وتبلیغ فرمائی ان تعلیمات میں سے آپؑ نے سب سے زیادہ اہتمام عورت کی شرافت اور اس کی حیثیت و کرامت کی حفاظت پر زور دیا۔ آپؑ نے اپنی تبلیغ و ابلاغ اور درس و دروس میں اس امر پر زور دیا کہ عورت کے لیے حجاب لازمی ہے۔ حجاب ہی میں اس کی عفت، اس کی حیثیت، اس کی منزلت کی بقا ہے، کیونکہ سیدہ نساء العالمین اپنی اجتماعی دانش کی اساس پر جامعہ شناسی میں مہارتِ تامہ رکھتی تھیں۔ جی ہاں! ہر زمانے میں یا اس زمانے میں یہ لاکھوں جرائم اور گناہ جو ہو رہے ہیں وہ بے پردگی اور جسم کی نمود و نمائش، بے حیائی اور مردوں کے ساتھ مخلوط طرزِ زندگی کی بنیاد پر ہو رہے ہیں۔ ہمارے زمانے میں اسے روشن فکری اور آزادیٔ نسواں اور ماڈریٹ کا نام دیا گیا ہے۔

اگر آپ کو ہماری اس بات میں شک ہے تو اسلامی اور غیر اسلامی دنیا میں جاری ہونے والے یومیہ اور ہفتہ وار جرائد و مجلات پر ایک نظر کر لیجیے تو اس پُرفریب پیش رفت و تہذیب و تمدن اور آزادیٔ خواتین کے ہاتھوں آپ کو ہزاروں انسانی قربانیاں نظر آئیں گی۔ یہ جنسی تجاوزات سقطِ جنین کے جرائم، ازدواجی خیانت، خاندانی انتشار اور دوسری تباہ کاریاں اسی بے حجابی اور عورت کی جسمانی نمود و نمائش کے تحائف ہیں۔ [1]

یاد رکھیے کہ جس دن ایک مسلمان عورت حجاب کے دانش مندانہ مفہوم سے آگاہ ہو جائے گی وہ اپنی سیرت کو پاک و پاکیزہ بنا لے گی۔ عفت وحیا کو اپنا گوارا بنا لے گی تو دنیا میں یہ نافرمان اور جرائم عشرِ عشیر بھی باقی رہیں گے اور عورت کو حلال وحرام کی تمیز بھی آجائے گی۔

اور وہ اپنی شرعی اخلاقی حیثیت کو سنبھال لے گی کہ اس پر کسی ایک اجنبی مرد کی نگاہ بھی نہ پڑے۔ ایک عورت

---

[1] ۱۹۷۲ء میں لبنان کے روزنامہ میں ایک تقریر شائع ہوئی کہ لندن میں ۱۹۶۹ء میں پچاس ہزار اسقاطِ جنین عمل میں آئے۔ ۱۹۷۰ء میں ۸۳ ہزار، ۱۹۷۱ء میں تقریباً دو لاکھ۔ فرانس میں اعداد وشمار اس سے بھی بڑھ کر ہیں۔

اپنے دین کی مخالفت کرتے ہوئے اور اپنی نفسانی خواہشات کی اتباع کرتے ہوئے وہ اپنے جسم، اپنے سر اور چہرے کو سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں مردوں کے لیے بے حجاب چھوڑتی ہے تو اس سے اس کی اپنی تباہی ہوتی ہے۔

جب ایک مسلمان عورت اپنے حقیقی مفاہیم اور اپنی قیمت اور حیثیت کو ضائع کرتی ہے تو ایسے ہے کہ جیسے اُس نے اپنی کرامت کو خطرات کے سپرد کیا ہے۔ پھر اس کا کام وہیں پر پہنچا جہاں پہنچنا چاہیے تھا۔

ان درج ذیل دو حدیثوں میں غور و فکر کیجیے کہ کس طرح سیّدہ نساء العالمین کی ملکوتی گفتگو نے سیّدالانبیاءؐ کو تعجب میں ڈال دیا تھا کہ جب اُنھوں نے ایک مسلمان خاتون کی تعریف کی کہ ایک مسلمان عورت کو کس طرح ہونا چاہیے؟

ابونعیم نے اپنی کتاب "حلیۃ الاولیاء" ج ۲، ص ۴۰ میں نقل کیا ہے کہ انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ مسجد نبویؐ میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے پوچھا: آپ لوگوں کی نظر میں ایک آزاد اور دانش مند عورت کے نزدیک بہترین و شائستہ ترین چیز کیا ہے؟

جنابِ انسؓ کہتے ہیں کہ ہم سب نے خوب غور و فکر کیا، لیکن ہم سے اس سوال کا جواب نہ بن سکا۔

- اس دوران امام علی علیہ السلام اُٹھے اور اپنے گھر تشریف لے گئے اور پیغمبر اکرم ﷺ کا یہی سوال حضرت فاطمہ علیہا السلام کے سامنے پیش کیا۔

آپؑ نے فرمایا: ایک نیک و شائستہ عورت کے لیے بہترین چیز یہ ہے کہ اُسے کوئی بیگانہ مرد نہ دیکھے اور وہ بھی کسی اجنبی مرد کو نہ دیکھے۔

حضرت امیرالمومنینؑ بارگاہِ نبوت میں واپس آئے اور سیّدہ نساء العالمینؑ کا جواب پیش کیا۔ پیغمبر ﷺ نے سن کر ارشاد فرمایا: جو کچھ حضرت فاطمہؑ نے فرمایا وہ سچ ہے۔ ان کا جواب درست کیوں نہ ہو کیونکہ وہ تو میرے جسم کا حصّہ ہیں۔ (حلیۃ الاولیاء، ج ۲، ص ۴۰)

یہ حدیث ایک دوسرے طریقے سے بھی نقل کی گئی ہے۔ حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام نے حضرت سیّدہ زہرا علیہا السلام سے پوچھا: مَا خَيْرٌ لِلنِّسَاءِ "عورتوں کے لیے سب سے بہترین چیز کیا ہے؟"

دخترِ فرزانہ پیغمبرؐ نے فرمایا: خَيْرٌ لَهُنَّ اَنْ لَا يَرَيْنَ الرِّجَالَ وَلَا يَرَوْنَهُنَّ "اُن کے لیے بہترین چیز یہ ہے کہ اجنبی مرد اُسے نہ دیکھیں اور وہ اُنھیں نہ دیکھے"۔

حضرت امیرالمومنینؑ نے اس جواب کو بارگاہِ نبوت میں بیان کیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: حضرت فاطمہؑ نے عالیشان جواب دیا ہے۔ اَنَّهَا بَضْعَةٌ مِنِّي "کیونکہ وہ میرے جسم کا پارہ ہیں"۔

◈ ابن مغازلی نے اپنی کتاب "مناقب" میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ ایک نابینے آدمی نے حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کی بارگاہ میں درخواست کی کہ وہ ان کے حضور حاضر ہونا چاہتا ہے۔ حضرت فاطمہ زہراؑ نے پہلے پردہ کیا اور پھر اُسے اجازت دی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ زہراؑ سے پوچھا: فاطمہؑ جان! یہ مرد نابینا ہے، یہ آپؑ کو نہیں دیکھ سکتا۔ پھر آپؑ نے پردہ کیوں کیا ہے؟

آپؑ نے جواب دیا: جی ہاں بابا جان! ٹھیک ہے وہ مجھے نہیں دیکھ سکتا لیکن تو اُسے دیکھ سکتی ہوں۔ میں اپنی کرامت اور وقار کی بنا پر یہ سمجھتی ہوں۔ وہ قوتِ شامہ تو رکھتا ہے میں نہیں چاہتی کہ میرے جسم کی خوشبو ایک بیگانے کے مشام میں جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اَنَّكِ بَضْعَةٌ مِنِّی "آپؑ میرے جسم کا ٹکڑا ہیں"۔

حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام اور دُعا

اس بات میں کوئی شک ہی نہیں ہے کہ انسان کی زندگی میں دُعا کی بہت بڑی اہمیت ہے اور اس کے بے پناہ اثرات ہیں۔ اسی دُعا میں ہی اُس کی دینی و دنیاوی سعادت کا راز ہے۔ اسی سے اس کے حوائج پورے ہوتے ہیں اور اُس کی اُمیدیں برلاتی ہیں۔ خصوصاً دُعا کی حقیقت کا علم اُس زمانے میں ہوتا ہے جب ایک انسان پر تمام راستے مسدود ہوجاتے ہیں اور مادی وسائل شکست پذیر ہوجاتے ہیں اور وہ ہر طرف سے بے اُمید ہوکر رہ جاتا ہے تو وہ بارگاہِ خداوندی میں دُعا اور مناجات کے ساتھ حاضر ہوتا ہے اور وہ ذات ہر چیز پر قدرت رکھتی ہے۔ جس طرح اُس نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ○ (سورۃ غافر: آیت ۶۰)

"تمہارے پروردگار نے فرمایا: ہاں اے لوگو! مجھے پکاریے، میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا اور وہ لوگ جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں اور وہ بارگاہِ خداوندی میں دستِ دعا بلند نہیں کرتے وہ بہت جلد ذلت کے ساتھ جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے"۔

مزید برآں دُعا صرف ضرورت کے وقت نہیں بلکہ انسان اپنی زندگی کے ہر دن میں ایک خاص وقت مقرر

کر لے اور اُس میں بارگاہِ خداوندی میں مناجات کرے اور اُس کی بارگاہ میں اپنی حوائج کی تکمیل کے لیے دُعا مانگے۔ یہی یومیہ برنامہ اُسے اپنے پروردگار کے ساتھ مربوط کر دیتا ہے اور اُس کا اپنے رب کے ساتھ مضبوط تعلق و علاقہ بن جاتا ہے۔ دُعا پر مداومت انسان کو معنویت اور نورانیت عطا کرتی ہے۔ وہ اسی طریقے سے وہ انسانی کمالات کی بلندیوں پر پہنچ جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اولیائے اللہ کے ہاں دُعا و مناجات بلند و بالا درجہ رکھتے ہیں۔ وہ دُعا سے مانوس ہوتے ہیں۔ وہ اپنا سرمایہ دُعا کو ہی سمجھتے ہیں اور اُنھیں دُعا سے آرام و سکون ملتا ہے۔

اسی مقام پر میں نے حضرت فاطمہ زہراؑ کی کئی دُعائیں روایت کی ہیں۔ وہ بارگاہِ ربوبیت میں انھی دعاؤں کے ساتھ رابطہ فرماتی تھیں۔ نمونہ کے لیے یہاں چند دعائیں نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

مصائب و آلام کے خاتمے کی دُعا

سید ابن طاؤس کی اپنی کتاب میں ہماری ماں سیدہ نساء العالمین ؑ کی دعاؤں کا ذکر ہے۔ انھی دعاؤں میں سے ایک دُعا یہ ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے اُنھی کی تعلیم کی تھی۔

حضرت امام حسن علیہ السلام نے فرمایا: رسولؐ اللہ نے ہماری والدہ گرامی سے فرمایا تھا: کیا آپؑ نہیں چاہتیں کہ میں آپؑ کو وہ دعا تعلیم کروں کہ جب کوئی آدمی اُسے اخلاص و ایمان کے ساتھ پڑھے گا تو اُس کی دعا ضرور قبول ہوگی۔ اگر آپؑ اُسے پڑھیں تو آپؑ پر جادو اور زہر اثر نہیں کرے گا اور نہ آپؑ شماتت اعداء کا شکار ہوں گی اور نہ شیطان آپؑ کے قریب آسکے گا اور نہ خداوند تعالیٰ آپؑ سے رُوگرداں ہوگا۔

حضرت سیدہ عالم علیہا السلام نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! مجھے ایسی دُعا دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے۔

آپؐ نے فرمایا: وہ دعا یہ ہے اور اسے پڑھیے:

يَا أَعَزَّ مَذْكُورٍ وَأَقْدَمَهُ قِدَمًا فِي الْعِزَّةِ وَالْجَبَرُوْتِ ، يَا رَحِيْمَ كُلِّ مُسْتَرْحِمٍ، وَمَفْزَعَ كُلِّ مَلْهُوفٍ! يَا اللهُ! يَا رَاحِمَ كُلِّ حَزِينٍ يَشْكُو بَثَّهُ وَحُزْنَهُ إِلَيْهِ، يَا خَيْرَ مَنْ سُئِلَ الْمَعْرُوْفَ مِنْهُ وَأَسْرَعَ فِي الْعَطَاءِ! يَا مَنْ يَخَافُ الْمَلَائِكَةُ - الْمُتَوَقِّدَةُ بِالنُّورِ مِنْهُ، أَسْأَلُكَ بِالْأَسْمَاءِ الَّتِي يَدْعُوكَ بِهَا حَمَلَةُ عَرْشِكَ، وَمَنْ حَوْلَ عَرْشِكَ بِنُورِكَ يُسَبِّحُوْنَ بِهَا شَفَقَةً مِنْ خَوْفِ عِقَابِكَ ، وَبِالْأَسْمَاءِ الَّتِي يَدْعُوكَ بِهَا جَبْرَئِيْلُ وَمِيْكَائِيلُ وَ إِسْرَافِيْلُ إِلَّا أَجَبْتَنِي

وَكَشَفْتَ - يَا إِلٰهِي - كُرْبَتِي ، وَسَتَرْتَ ذُنُوبِي يَا مَنْ أَمَرَ بِالصَّيْحَةِ فِي خَلْقِهِ فَإِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ يُحْشَرُونَ ، وَبِذٰلِكَ الْإِسْمِ الَّذِي أَحْيَيْتَ بِهِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ، أَحْيِ قَلْبِي، وَاشْرَحْ صَدْرِي ، وَأَصْلِحْ شَأْنِي ، يَا مَنْ خَصَّ نَفْسَهُ بِالْبَقَاءِ ، وَخَلَقَ لِبَرِيَّتِهِ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ وَالْفَنَاءَ يَا مَنْ فِعْلُهُ قَوْلٌ وَقَوْلُهُ أَمْرٌ، وَأَمْرُهُ مَاضٍ عَلٰى مَا يَشَاءُ ، أَسْأَلُكَ بِالْإِسْمِ الَّذِي دَعَاكَ بِهِ خَلِيلُكَ حِينَ أُلْقِيَ فِي النَّارِ ، فَدَعَاكَ بِهِ فَاسْتَجَبْتَ لَهُ ، وَقُلْتَ: يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلٰى إِبْرَاهِيمَ - وَبِالْإِسْمِ الَّذِي دَعَاكَ بِهِ مُوسٰى مِنْ جَانِبِ الطُّورِ الْأَيْمَنِ فَاسْتَجَبْتَ لَهُ، وَبِالْإِسْمِ الَّذِي خَلَقْتَ بِهِ عِيسٰى مِنْ رُوحِ الْقُدُسِ، وَبِالْإِسْمِ الَّذِي تُبْتَ عَلٰى دَاوُدَ ، وَبِالْإِسْمِ الَّذِي وَهَبْتَ لِزَكَرِيَّا يَحْيٰى ، وَبِالْإِسْمِ الَّذِي كَشَفْتَ بِهِ عَنْ أَيُّوبَ الضُّرَّ، وَتُبْتَ بِهِ عَلٰى دَاوُدَ وَسَخَّرْتَ بِهِ لِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ، وَالشَّيَاطِينَ وَعَلَّمْتَهُ مَنْطِقَ الطَّيْرِ، وَبِالْإِسْمِ الَّذِي خَلَقْتَ بِهِ الْعَرْشَ، وَبِالْإِسْمِ الَّذِي خَلَقْتَ بِهِ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ، وَبِالْإِسْمِ الَّذِي خَلَقْتَ بِهِ جَمِيعَ خَلْقِكَ، وَبِالْإِسْمِ الَّذِي خَلَقْتَ بِهِ جَمِيعَ مَا أَرَدْتَ مِنْ شَيْءٍ وَبِالْإِسْمِ الَّذِي قَدَرْتَ بِهِ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ ، أَسْأَلُكَ بِهٰذِهِ الْأَسْمَاءِ إِلَّا مَا أَعْطَيْتَنِي سُؤْلِي، وَقَضَيْتَ حَوَائِجِي يَا كَرِيمُ۔

"اے وہ بادشاہ! جو ہر زمانے میں عزت و غلبہ کے ساتھ مذکور ہے۔ اے وہ بادشاہ جو عزت اور جبروت سے سب پر سبقت رکھنے والا ہے۔ ہر طالب رحم پر رحم کرنے والا! ہر طالب بخشش و مغفرت کو بخشنے والا! اے ہر دل سوختہ کا دادرس! اے اللہ! اے قلب محزون پر رحم کرنے والے! کہ جس نے تیری بارگاہ میں اپنے غم و حزن کی شکایت کی۔ خدایا! اے خیر! تم ہی سے احسانات کا سوال کیا جاتا ہے۔ تُو اپنی عطا میں بہت جلدی کرنے والا ہے۔

خدایا! تو وہ ہے کہ نُورانی فرشتے جس سے خوف زدہ ہیں۔ خدایا! میں تجھے اُن اسماء کے ساتھ پکارتا ہوں کہ جن سے تیرے عرش کے اُٹھانے والے فرشتے پکارتے ہیں۔ اور وہ فرشتے جو تیرے عرش اور نُور کے اردگرد ہیں تیری ہی تسبیح کرتے ہیں اور تیرے عذاب سے خوف زدہ ہیں۔ اور اُن اسماء کے ساتھ کہ جن کے ذریعے حضرت جبرئیلؑ و حضرت میکائیلؑ و حضرت اسرافیلؑ تجھے پکارتے ہیں۔ تُو تو اُن کی دعا کو قبول کرتا ہے، میں بھی انہی اسماء کے ساتھ تجھے

پکارتا ہوں۔ اے میرے اللہ! میری دعا کو قبول فرما، میری پریشانی دُور فرما اور میرے گناہوں پر پردہ ڈال دے۔

اے وہ خدا کہ تُو نے اپنی مخلوق میں قیامت کی چیخ کا حکم جاری فرمایا، وہ سب جو اچانک گہری نیند سے بیدار ہوں گے اور میدانِ محشر میں جمع ہو جائیں گے۔ خدایا! اس اسم کے ساتھ میں تجھے پکارتا ہوں کہ جس سے بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ کر دیتا ہے، میرے قلب کو زندہ فرما، میرے سینہ کی گرہوں کو کھول دے اور میرا کام آسان کر دے۔

اے وہ ذات کہ جس نے اپنے آپ کو ہمیشگی کے ساتھ خاص کر دیا ہے۔ اے وہ ذات کہ جس نے اپنی مخلوق کے لیے موت و حیات، اور فنا کو خلق فرمایا۔ اے وہ ذات کہ جس کا کام قول و فرمان ہے اور تیرا فرمان امر ہے اور تو جو وہ چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔

خدایا! میں تجھے اس نام کے ساتھ پکارتا ہوں کہ جس نام کے ساتھ تیرے خلیل نے تجھے پکارا تھا۔ جب اُنھیں آگ میں ڈال دیا گیا تھا، تُو نے اس کی دعا کو قبول فرمایا تھا اور فرمایا تھا:

يَا نَارُ كُوْنِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ

"اے آگ! ابراہیمؑ پر سرد و سلامت ہو جا"۔

خدایا! میں تجھے اس نام کے ساتھ پکارتا ہوں جس نام کے ساتھ تجھے حضرت موسیٰؑ نے کوہِ طور کے دائیں طرف پکارا تھا۔ تُو نے اُن کی دعا قبول کی تھی۔

اُس اسم کے ساتھ کہ جس سے تُو نے حضرت عیسیٰؑ کو خلق فرمایا تھا۔ اُس اسم سے کہ جس کے ذریعے تُو نے حضرت داؤدؑ کی توبہ قبول کی تھی۔ اس اسم کے ساتھ کہ جس کے ذریعے تُو نے حضرت زکریاؑ کو حضرت یحییٰؑ عطا فرمایا تھا۔

اُس اسم کے ساتھ کہ جس کے ذریعے حضرت ایوبؑ کی بیماری دُور فرمائی تھی۔ اُس اسم کے ذریعے کہ جس سے جناب سلیمانؑ کے لیے ہوا کو مسخر فرمایا تھا اور ہوا اُن کے حکم سے چلتی تھی اور شیاطین اُن کے اشارے پر کام کرتے تھے۔ اور تُو نے اُنھیں پرندوں کی بولیوں کا علم عطا کیا تھا۔

اُس اسم کے ساتھ کہ جس کے ذریعے تُو نے عرش کو خلق فرمایا ہے۔ اُس اسم کے ذریعے کہ جس

کے ذریعے تُو نے کرسی کو خلق فرمایا ہے۔ اس اسم کا واسطہ دیتا ہوں کہ جس کے ذریعے تُو نے دو روح پیدا فرمائے۔ اُس اسم کے ذریعے کہ جس کے ذریعے تُو نے جن و انس کو خلق فرمایا۔ اور اُس اسم کے ذریعے کہ جس سے تُو نے تمام مخلوق کو پیدا فرمایا۔ اور اُس اسم کے ساتھ کہ تُو نے ہر اُس شے کو پیدا فرمایا کہ جس کا ارادہ کیا اور اُس اسم کے ساتھ کہ جس کے ذریعے تو ہر چیز پر قادر ہے۔

اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں ان اسماء سے سوال کرتا ہوں تو میری حوائج پوری فرما اور مسائل حل فرما۔۔۔ اے کریم!"

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے فاطمہؑ جان! جب تم اس دعا کو پڑھو گی تو بارگاہِ خداوندی سے آپؑ کی طرف جواب آئے گا: جی ہاں! جی ہاں! آپؑ کی دعائیں قبول ہیں۔

حاجات کی قبولیت کی دُعا

آپؑ کی دعاؤں میں سے ایک مؤثر دُعا یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ قَنِّعْنِي بِمَا رَزَقْتَنِي، وَاسْتُرْنِي وَعَافِنِي أَبَدًا مَا أَبْقَيْتَنِي وَاغْفِرْلِي وَارْحَمْنِي إِذَا تَوَفَّيْتَنِي۔ اَللّٰهُمَّ لَا تُعْيِنِي فِي طَلَبِ مَا لَا تُقَدِّرُهُ، وَمَا قَدَّرْتَهُ عَلَيَّ فَاجْعَلْهُ مُيَسَّرًا سَهْلًا، اَللّٰهُمَّ! كَافِ عَنِّي وَالِدَيَّ وَكُلَّ مَنْ لَهُ نِعْمَةٌ عَلَيَّ۔ خَيْرَ مُكَافَاةٍ، اَللّٰهُمَّ فَرِّغْنِي لِمَا خَلَقْتَنِي لَهُ، وَلَا تَشْغَلْنِي بِمَا تَكَفَّلْتَ لِي بِهِ۔

"اے میرے اللہ! جو مجھے رزق عطا فرما اس میں مجھے قناعت عطا فرما۔ میرے گناہوں پر پردہ ڈال، جب تک مجھے باقی رکھے ہمیشہ عافیت سے رکھ۔ جب مجھے اِس دنیا سے رخصت کرے تو اس وقت مجھ پر اپنی رحمت نازل فرما اور میرے گناہوں کو معاف فرما۔

اے میرے اللہ! جو تُو نے میرا مقدر نہیں بنایا اس کے طلب میں میری مدد نہ فرما، اور جو تُو نے میرا مقدر بنایا ہے اُس کا حصول میرے لیے آسان فرما۔ اے میرے اللہ! میرے ماں باپ اور ہر وہ جس کی کفالت اور حاجت روائی میرے ذمہ رکھی ہے تُو میری کفایت فرما۔

اے میرے اللہ! تُو نے مجھے جس چیز کے لیے پیدا فرمایا ہے آسودہ خاطر فرما، جس چیز کی تُو

نے مجھے ضمانت دی ہے اس میں مجھے مصروف نہ رکھ۔ میں تجھ سے مغفرت مانگتا ہوں تو مجھے
اپنے عذاب سے محفوظ رکھ۔ میں تجھ ہی سے مانگتا ہوں تو مجھے محروم نہ رکھ۔
اے اللہ! مجھے انکساری و عاجزی عطا فرما اور میرے دل میں اپنی عظمت و تعظیم میں اضافہ فرما۔
مجھے اپنی اطاعت کا الہام فرما اور اُس عمل کا الہام فرما، جس سے تُو راضی ہو اور اپنی ناراضی
سے مجھے محفوظ فرما۔ اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے"۔ (مہج الدعوات، ص ۱۴۱)

بیماریوں سے نجات کی دُعا

حضرت فاطمہ زہراؑ کی یہ وہ دُعا ہے جو ہر قسم کے بخار اور ہر قسم کی بیماری سے نجات کی دُعا ہے۔ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی دختر فرزانہ حضرت زہراؑ کے خانۂ اقدس میں تشریف لے گئے تو وہاں آپؐ نے اپنے شہزادے حسنؑ کو بخار کے ساتھ پایا۔ اُن کی حالت سے آپؐ کو تکلیف ہوئی۔ اسی وقت حضرت جبرئیل امینؑ نازل ہوئے اور عرض کیا: یارسولؐ اللہ! میں آپؐ کی خدمت میں وہ دعا کیوں نہ پیش کروں جس کے پڑھنے سے آپؐ کے شہزادے کا بخار ختم ہو جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں!
جنابِ جبرئیلؑ نے عرض کیا: یہ فرمایئے!

اَللّٰهُمَّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ، ذُو السُّلْطَانِ الْقَدِيْمِ، وَالْمَنِّ الْعَظِيْمِ، وَالْوَجْهِ الْكَرِيْمِ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ، وَلِيُّ الْكَلِمٰتِ التَّامَّاتِ وَالدَّعَوَاتِ الْمُسْتَجَابَاتِ، حُلَّ مَا اَصْبَحَ بِفُلَانٍ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا پڑھی اور حضرت امام حسن علیہ السلام پر اپنا مبارک ہاتھ رکھا۔ اللہ کی مدد سے اُنھیں بخار سے شفا مل گئی۔ (مہج الدعوات، ص ۱۴۱)

دُعا برائے برطرف شدن رنج وتپ

یہ دُعا مکتب اہلِ بیتؑ کے فرزندوں کے ہاں کافی شہرت رکھتی ہے۔ یہ دُعا ہر دور کے اہلِ علم کے ہاں حضرت فاطمہ زہراؑ کے نام سے مشہور ہے۔ تپ و بخار کے لیے یہ ایک مجرب دُعا ہے۔ ہر زمانے کے لوگوں نے اِسے خوب آزمایا ہے۔ اپنے اثر کے اعتبار سے تیر بہدف ہے۔ بخار سے شفا کے لیے اس دعا میں ایک خاص اثر ہے۔ ہمارے

بہت سے علماء نے اپنی دعاؤں اور احادیث کی کتب میں اس دُعا کا ذکر کیا ہے۔

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے: حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام نے یہ حدیث حضرت سلمان فارسیؓ کو سکھلائی۔ جنابِ سلمانؓ نے کہا کہ آپؑ نے مجھ سے فرمایا: اگر آپ چاہتے ہیں کہ اپنی زندگی میں تپ و بخار سے دوچار نہ ہوں تو اس دعا کو صبح و شام ہمیشہ پڑھتے رہیے۔ میں خود اس دعا کو صبح و شام پڑھتی رہتی ہوں۔ یہ دعا مجھے میرے بابا رسولؐ اللہ نے تعلیم کی تھی اور وہ دُعا یہ ہے:

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، بِسْمِ اللهِ النُّوْرِ، بِسْمِ اللهِ النُّوْرِ، بِسْمِ اللهِ نُوْرٍ عَلٰى نُوْرٍ، بِسْمِ اللهِ الَّذِىْ هُوَ مُدَبِّرُ الْاُمُوْرِ، بِسْمِ اللهِ الَّذِىْ خَلَقَ النُّوْرَ مِنَ النُّوْرِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ خَلَقَ النُّوْرَ مِنَ النُّوْرِ، وَاَنْزَلَ النُّوْرَ عَلَى الطُّوْرِ فِىْ كِتَابٍ مَسْطُوْرٍ، فِىْ رَقٍّ مَنْشُوْرٍ، بِقَدَرٍ مَقْدُوْرٍ، عَلٰى نَبِيٍّ مَحْبُوْرٍ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔

"اُس خدا کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے۔ اُس معبودِ برحق کے نام سے جو نُور ہے، اُس معبودِ برحق کے نام سے جو نُور کا نُور ہے۔ اس معبودِ برحق کے نام کے ساتھ جو تمام اُمور کا تدبیر گر ہے۔ اُس ذات کے نام کے ساتھ جس نے نُور کو نُور سے پیدا فرمایا اور نُور کو طور پر کتابِ مسطور میں نازل کیا۔ کھلے صفحات ہیں، مقرر اندازے کے ساتھ، اُس نبی پر جنھیں نعمات دی گئی ہیں۔ تعریف و توصیف اُس خدا کی جس کا ذکر عزت و غلبہ کے ساتھ ہے۔ فخر و افتخار میں مشہور ہے۔ لوگوں کی آسائش و رنج میں اُسی ذات کا شکر ادا کیا جاتا ہے۔ ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی آلؑ پر اللہ کی رحمت اور اس کا سلام ہو"۔

جنابِ سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں: خدا کی قسم! میں نے مکہ اور مدینہ کے ایک ہزار سے زیادہ لوگوں کو اس دعا کی تعلیم دی جو بخار و تپ میں مبتلا تھے۔ اُنھوں نے اللہ کی نصرت سے مرض سے نجات پائی۔

خانہ خدا میں وُرود کی دُعا

حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام سے روایت ہے کہ جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں داخل ہوتے تھے تو آپؐ اس دُعا کو پڑھتے تھے:

بِسْمِ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَصَلَّى اللهُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِىْ ذُنُوْبِىْ وَسَهِّلْ لِىْ رَحْمَتَكَ

جب آپؑ مسجد سے باہر تشریف لے جاتے تو یہ دعا پڑھتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَسَھِّلْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَفَضْلِكَ۔ (کشف الغمہ، ج ۱، ص ۵۵۲)

برائے دفع خطر و بلا

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس دن میرے والد گراں قدر شہید ہوئے اُس دن اُنھوں نے مجھے اپنے سینہ سے چسپاں کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ مجھے میری والدہ سیدہ نساء العالمینؑ نے ایک دُعا تعلیم کی تھی۔ آپ اس دعا کو حفظ کرلیں، اُنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم کی تھی اور اُن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے جناب جبرئیلؑ یہ دعا لائے تھے۔ جب غم و حزن نے ہر طرف گھیر رکھا ہو، مسائل و مشکلات سے تمام راہیں مسدود ہوچکی ہوں تو اس دعا کے پڑھنے سے اللہ کی نصرت نازل ہوتی ہے اور انسان کو ہر قسم کی مشکلات سے نجات مل جاتی ہے۔ وہ دعا یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ بِحَقِّ یٰسٓ وَالْقُرْآنِ الْحَکِیْمِ، وَبِحَقِّ طٰهٰ، وَالْقُرْآنِ الْعَظِیْمِ، یَامَنْ یَقْدِرُ عَلٰی حَوَائِجِ السَّائِلِیْنَ، یَامَنْ یَعْلَمُ مَا فِی الضَّمِیْرِ، یَا مُنَفِّسَ عَنِ الْمَکْرُوْبِیْنَ یَامُفَرِّجَ عَنِ الْمَغْمُوْمِیْنَ یَا رَاحِمَ الشَّیْخِ الْکَبِیْرِ یَارَازِقَ الطِّفْلِ الصَّغِیْرِ، یَامَنْ لَا یَحْتَاجُ اِلَی التَّفْسِیْرِ، صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ، وَافْعَلْ بِیْ.....

"خدایا! یٰسین کے حق و حقیقت کا واسطہ، قرآن حکیم کی عزت و عظمت کا واسطہ، طٰہٰ کی حقیقت کا واسطہ اور قرآنِ عظیم کا واسطہ! اے وہ ذات! جو سائلین کی حاجات کو پورا کرنے پر قادر ہے۔ اے وہ ذات جو انسان کے اَعماقِ روح کا علم رکھتا ہے۔ بار خدایا! اے وہ ذات جو مصائب زدہ لوگوں کے مصائب کو دُور کرنے والا ہے۔ اے وہ ذات جو غم زدہ لوگوں کے غم و ہم کو دُور کرنے والا ہے۔ اے پیر کہن سال پر رحم کرنے والے! اے کودکِ خردسال کو روزی دینے والے! اے وہ ذات جسے تفسیر و توضیح کی ضرورت ہی نہیں ہے، تو محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود و سلام بھیج اور میری یہ حاجت پوری فرما"۔

علاجِ دندان

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں تشریف لائیں اور اپنے دانتوں کے درد کی شکایت کی۔ پیغمبرؐ اسلام نے اپنی شفا بخش اُنگشت درد کے مقام پر رکھی اور یہ دعا پڑھی:

بِسْمِ اللهِ وَبِاللهِ، أَسْأَلُكَ بِعِزَّتِكَ وَجَلَالِكَ وَقُدْرَتِكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ، اَنَّ مَرْيَمَ لَمْ تَلِدْ غَيْرَ عِيْسٰى رُوحِكَ وَكَلِمَتِكَ، أَنْ تَكْشِفَ مَا تَلْقٰى فَاطِمَةُ بِنْتُ خَدِيْجَةَ مِنَ الضُّرِّ كُلِّهِ۔

"اللہ کے نام سے اور اُس کی قدرت کے ساتھ مَیں تیری بارگاہ میں تیری عزت و جلالت اور اُس قدرت کے ساتھ سوال کرتا ہوں جس سے تو ہر چیز پر قادر ہے۔ حضرت مریمؑ نے ترے رُوح اور تیرے کلمہ عیسیٰؑ کے بغیر کسی اور کو جنم نہیں دیا تھا۔ حضرت فاطمہؑ بنت خدیجہؑ کو جو تکلیف ہے وہ دُور فرما"۔

اس دعا کے بعد آپؑ کو فوراً شفا ملی۔

تنگدستی سے نجات کی دُعا

ایک دفعہ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے میری دُختر! کیا آپؑ کو پسند نہیں ہے کہ میں آپؑ کو آسمانی تحفہ دوں؟

حضرت زہرا علیہا السلام نے فرمایا: کیوں نہیں؟

آپؐ نے فرمایا: وہ دُعا یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ مُنَزِّلَ التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيْلِ وَالْفُرْقَانِ، وَفَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰى، أَعُوذُبِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ دَابَّةٍ أَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا، أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَيْءٌ، صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى أَهْلِ بَيْتِهِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ، وَاقْضِ عَنِّي الدَّيْنَ، وَأَغْنِنِي مِنَ الْفَقْرِ، وَيَسِّرْ لِي كُلَّ الْأَمْرِ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

"خدایا! اے ہمارے پروردگار اور ہر چیز کے پروردگار! اے تورات و انجیل اور فرقان کے نازل کرنے والے! اے دانے کو شگافتہ کرنے والے! تُو ہی سب سے پہلے ہے۔ تجھ سے پہلے کوئی بھی نہیں ہے۔ تُو ہی آخر ہے اور تیرے بعد کوئی نہیں ہے۔ تُو ہی غالب ہے اور ظاہر ہے تجھ سے برتر کوئی نہیں ہے۔ تُو ہی باطن ہے۔ تیری قدرت کے بغیر کوئی چیز نہیں ہے۔ تُو محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود و سلام بھیج۔ مجھ سے میرا قرض ادا فرما۔ مجھے فقر سے نجات والا اور تمام اُمور مجھ پر آسان فرما۔ اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے!"

رُوح کی تسکین کے لیے

حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ دُختر پیغمبر حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام نے بارگاہِ نبوت میں بے چینی و بے خوابی کی شکایت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے میری دُختر! جب بے چینی اور بے خوابی ہو تو یہ دُعا پڑھیں:

یَامُشْبِعَ الْبُطُوْنِ الْجَائِعَةِ، وَیَاکَاسِیَ الْجُسُوْمِ الْعَارِیَةِ وَیَاسَاکِنَ الْعُرُوْقِ الضَّارِبَةِ، وَیَامُنَوِّمَ الْعُیُوْنِ السَّاهِرَةِ، سَکِّنْ عُرُوْقِیَ الضَّارِبَةِ، وَأْذَنْ لِعَیْنِیْ نَوْمًا عَاجِلًا۔

"اے بھوکوں کو سیر کرنے والے! اے بے لباسوں کو لباس پہنانے والے! اے بے خوابی کی شکار آنکھوں کی بے خوابی کو دُور کرنے والے! میری آنکھوں کو جلد نیند عطا فرما۔ اے پھڑکتی رگوں کو سکون بخشنے والے میری پھڑکتی رگوں کو سکون عطا فرما"۔

حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب سیّدہ نساء العالمینؑ نے یہ دُعا پڑھی تو اُن کی بے خوابی دُور ہو گئی۔

(بحارالانوار، ج ۷۶، ص ۲۱۳)

طلبِ سعادت

حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ بھی ہے:

اَللّٰهُمَّ بِعِلْمِكَ الْغَیْبِ، وَقُدْرَتِكَ عَلَی الْخَلْقِ، اَحْیِنِیْ مَا عَلِمْتَ الْحَیَاةَ خَیْرًا لِیْ، وَتَوَفَّنِیْ اِذَا کَانَتِ الْوَفَاةُ خَیْرًا لِیْ، اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ کَلِمَةَ الْاِخْلَاصِ وَخَشْیَتَكَ فِی الرِّضَا وَالْغَضَبِ، وَالْقَصْدَ فِی الْغِنٰی وَالْفَقْرِ، وَأَسْأَلُكَ نَعِیْمًا، لَایَنْفَدُ، وَأَسْأَلُكَ قُرَّةَ عَیْنٍ لَا تَنْقَطِعُ وَأَسْأَلُكَ الرِّضَا بِالْقَضَاءِ، وَأَسْأَلُكَ بَرْدَ الْعَیْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ، وَأَسْأَلُكَ النَّظَرَ اِلٰی وَجْهِكَ وَالشَّوْقَ اِلٰی لِقَائِكَ مِنْ غَیْرِ ضَرَّاءَ مُضِرَّةٍ، وَلَا فِتْنَةٍ مُظْلِمَةٍ، اَللّٰهُمَّ زَیِّنَّا بِزِیْنَةِ الْاِیْمَانِ، وَاجْعَلْنَا هُدَاةً مَهْدِیِّیْنَ یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ۔

"خدایا! تجھے تیرے علمِ غیب اور اپنی مخلوق پر قدرت و توانائی کا واسطہ! تو میری تمام زندگی کو جانتا ہے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک میرے لیے اچھائی ہو، اور مجھے اس وقت موت دے، جب موت میرے لیے افتخار آمیز ہو۔

اے میرے اللہ! میں تجھ سے کلمۂ اخلاص کا سوال کرتا ہوں۔ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میں

تیری رضا و غضب میں تجھ سے ڈرتا رہوں۔ میری نگاہ تونگری اور فقیری کے دور میں تجھ پر ہو۔
تیری بارگاہ میں میرا سوال ہے کہ تو وہ مجھے نعمتیں عطا فرما، جو نہ ختم ہونے والی ہوں۔ میں تجھ سے سعادتِ اَبدی کا سوال کرتا ہوں۔

اے میرے اللہ! میں تیرے حکم کے ساتھ تیری رضا چاہتا ہوں۔ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میری زندگی موت کے بعد سعادت مندانہ ہو۔ میں تجھ سے تیرے دیدار [1] کا سوال کرتا ہوں۔ تیری ملاقات کا شوق ہے۔ وہ عطا فرما بغیر اس کے کہ اس دیدار کو تاریک فتنے نقصان نہ پہنچائیں۔

خدایا! ہمیں زینتِ ایمان سے آراستہ و پیراستہ فرما اور ہمیں ہدایت یافتہ لوگوں میں سے بنا۔ اے عالمین کے پروردگار!" (بحار الانوار، ج ۹۴، ص ۲۲۵)

نبی کریم نے اپنی دختر کو مستقبل کے حالات بتا دیئے تھے

یہ ایک فطری امر ہے کہ جہاں حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام اپنے والد گرامی قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت زیادہ قریب تھیں اور اُن کے ہاں ایک اَرفع و اعلیٰ مقام و منزلت رکھتی تھیں، وہاں رسولؐ اللہ اُنھیں مستقبل میں پیش آنے والے عام و خاص مسائل و مشکلات سے بھی آگاہ کرتے رہتے تھے۔

پیغمبر آخر و اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو مستقبل میں پیش آنے والے واقعات و حوادث سے آگاہ فرماتے رہتے تھے۔ آپؐ اکثر صعود و سقوط کے راز و رُموز سے لوگوں کو باخبر کرتے رہتے تھے۔ آپؐ آخری زمانہ اور قیامت کی علامتوں کی نشان دہی فرماتے تھے۔

آپ کا کیا خیال ہے کہ کیا آپؐ اُن حوادث سے بے خبر تھے؟ جو آپؐ کے اہلِ بیتؑ اور آپؐ کی دختر فرزانہ کو پیش آنے والے تھے۔ یا پھر یہ ہے کہ آپؐ مستقبل کے انقلابات و حوادثات سے آگاہ تو تھے لیکن آپؐ نے اپنے اہلِ بیتؑ کو ان کی خبر نہیں دی تھی؟

---

[1] یہ بات عقلاً ثابت ہے کہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار محال ہے، کیونکہ اَجسام کو دیکھا جاسکتا ہے اور اللہ تعالیٰ نہ جسم ہے اور نہ مرکب ہے۔ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے یہ الفاظ: أَسْأَلُكَ النَّظَرَ إِلَى وَجْهِكَ اس کا معنی ہے اس کی رحمت کا دیدار، اس کے لطف و کاریگری کا دیدار۔

جی ہاں! رسول اللہ ﷺ نے اپنے اہلِ بیتؑ کو اُن کی رحلت کے فوراً بعد درپیش مصائب و آلام سے آگاہ کر دیا تھا۔ علاوہ ازیں طولِ تاریخ میں اُن کی اُمت کی طرف سے جو اُن پر ستم ہونے والے تھے آپؐ نے اپنے خاندان کے ہر ہر فرد کو اُن کی خبر دے دی تھی۔

نبی کریم ﷺ نے اپنی اَزواج اور اپنے اصحابؓ کو کئی مرتبہ بتایا تھا کہ اُن کی رحلت کے ایک عرصے بعد اُن کے فرزندِ عزیز حضرت امام حسین علیہ السلام کو بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا جائے گا۔

یہ حقیقت ہے کہ رسولؐ اللہ نے اپنی دُختر کو اپنی رحلت کے بعد پیش آنے والے تمام مصائب و آلام سے تفصیل کے ساتھ آگاہ کر دیا تھا۔ آپؐ نے خصوصاً اپنی زندگی کے آخری ایام میں اور اپنی زندگی کی آخری شب اور آخری دن (یہ وہ لمحات تھے جو آپؐ کی زندگی کے آخری لمحات تھے، جن لمحات میں آپؐ کو فرصت حاصل نہیں تھی)۔ آپؐ نے اپنی بیٹی کے سامنے تمام پردے اُلٹ دیئے تھے اور اُنھیں سب کچھ دکھلا دیا تھا کہ اُن کی رحلت کے فوراً بعد اُمت کے لوگوں سے کیا کیا زخم کھانے ہیں۔ ان مصائب کے ساتھ ساتھ ایک خوشخبری بھی دی تھی کہ وہ اُن کی رحلت کے بعد اس دنیا میں زیادہ عرصہ نہیں رہیں گی۔ وہ بہت جلد اپنے بابا رسول اللہ ﷺ سے ملحق ہوں گی اور اُن کے ہمراہ بہشت بریں میں اپنے مہربان رب کی اَبدی نعمات سے لطف اندوز ہوں گی۔ رسولؐ اللہ نے جن تمام مصائب و آلام کی خبر دی تھی وہ زنجیر کی کڑیوں کے مانند سامنے آئے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا آخری وقت آیا تو آپؐ نے اس قدر گریہ فرمایا کہ آپؐ کے محاسن شریف اَشک آلود ہو گئے۔ جب آپؐ سے پوچھا گیا کہ آپؐ کیوں غمزدہ ہیں اور کیوں گریہ فرما رہے ہیں؟

آپؐ نے فرمایا: اپنے اہلِ بیتؑ کے لیے گریہ کر رہا ہوں کہ میرے بعد میری اُمت کے لوگوں نے اُن کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے؟ گویا کہ میں اپنی شہزادی حضرت فاطمہؑ کو دیکھ رہا ہوں کہ میرے بعد اُن پر مظالم ڈھائے جا رہے ہیں اور وہ مجھے بابا بابا کہہ کر بلند آواز کے ساتھ پکار رہی ہیں، لیکن میری اُمت میں سے کوئی بھی اُن کی مدد کرنے والا نہیں ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ کی یہ بات حضرت فاطمہ علیہا السلام نے سنی تو آپؑ رونے لگیں۔

رسولؐ اللہ نے فرمایا: فاطمہؑ جان! میرے سامنے مت روئیں۔

حضرت زہراؑ نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! میں آپؐ کے بعد اپنے اُوپر آنے والے مصائب کے لیے نہیں رو رہی

ہوں۔ مجھے آپؐ کا فراق رُلا رہا ہے۔

رسولؐ اللہ نے فرمایا: آپؑ کے لیے خوشخبری ہے کہ میرے اہلِ بیتؑ میں سے سب سے پہلے مجھ سے ملحق ہونے والی شخصیت آپؑ ہیں۔ (بحارالانوار، ج ۴۳، ص ۱۵۶)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وقتِ رحلت قریب تھا کہ آپؐ نے فرمایا:

جب میں فاطمہ زہراؑ کو دیکھتا ہوں تو مجھے اُن پر ہونے والے مظالم یاد آجاتے ہیں۔ گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ اُن کے گھر پر مصائب و آلام ٹوٹ پڑے ہیں۔ اُن کے گھر کی حُرمت اور عظمت کو ضائع کردیا گیا ہے۔ اُن کے حق کو غصب کردیا گیا ہے، اُن کی میراث اُن سے روک دی گئی ہے، اُن کے پہلو کو شکستہ کردیا گیا ہے۔ اُن کے جنین کو سقط کردیا گیا ہے۔ انھی مظالم کے دوران وہ وا محمداہ کی دردناک صدائیں بلند کررہی ہیں، لیکن انھیں کوئی جواب دینے والا نہیں ہے اور نہ کوئی اُن کی مدد کرنے والا ہے۔

گویا کہ مَیں دیکھ رہا ہوں کہ میری بیٹی میرے بعد غم واندوہ کا شکار ہے۔ وہ حیران وسرگرداں ہیں۔ کبھی وہ اس بات کو یاد کرکے پریشان ہیں کہ اب فرشتۂ وحی کی آمدورفت اُن کے گھر سے منقطع ہوگئی ہے۔ کبھی وہ اپنے بابا کی جدائی کو یاد کرتی ہے کہ جب رات چھا جائے گی اور وہ اپنے بابا کے قرآن کی تلاوت نہ سن پائیں گی تو وہ اندوہ گین اور وحشت زدہ ہوں گی۔ آج جب وہ اپنے بابا کی زندگی میں عزت وعظمت کی مالک ہیں اور اپنے بابا کی رحلت کے بعد تنہا رہ جائیں گی تو اس وقت وہ گزشتہ ایام کو یاد کرکے حیران وپریشان ہوں گی۔ (بحارالانوار، ج ۴۳ ص ۱۷۲)

جی ہاں! رسولِ اکرمؐ کی طرف سے اس مورد میں کثرت کے ساتھ احادیث نقل ہوئی ہیں کہ جن میں آپؐ نے اہلبیتؑ کو اُن پر ہونے والے مظالم سے آگاہ فرمایا تھا۔ آپؐ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اپنے اہل بیت اطہار (حضرت امام علیؑ، حضرت فاطمہ زہراؑ اور حسنین شریفینؑ) کو آگاہ فرمایا تھا۔

حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مرض کی حالت میں اپنی بیٹی فاطمہ زہراؑ سے فرمایا: زہراؑ! میرے ماں باپ آپؑ پر قربان ہوں، اپنے شوہر کو میرے پاس بلائیں۔

حضرت فاطمہ زہراؑ نے اپنے شہزادہ امام حسنؑ یا امام حسینؑ سے فرمایا: اپنے والدگرامی کے پاس جائیں اور ان سے کہیں کہ آپؑ کو نانا جان بلا رہے ہیں۔

شہزادہ حسینؑ اپنے بابا کے پاس گئے اور انھیں پیغام دیا۔ حضرت امام علی علیہ السلام رسولؐ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ اس وقت حضرت فاطمہ زہراؑ اپنے بابا رسولؐ اللہ کے پاس موجود تھیں اور فرما رہی تھیں: باباجان! آپؐ کے

کرب سے میں کس قدر کربناک ہوں!

رسولؐ اللہ نے فرمایا: اے فاطمہؑ! آج کے بعد آپؑ کے بابا کی ہر مصیبت ختم ہو جائے گی۔ اے اپنے بابا کی جان! جو کچھ میں نے اپنے فرزند ابراہیم کی وفات کے وقت کہا تھا آپؑ بھی وہی کچھ کہیں۔ آپؑ کہیں آنکھیں رو رہی ہیں اور روح کربناک ہے۔ جو چیز ہمارے رب کو پسند نہیں ہے ہمیں چاہیے کہ اُسے اپنی زبان پر نہ لائیں۔ اے ابراہیم! ہم تیری وجہ سے محزون ہیں۔

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں حضرت امام علی علیہ السلام، حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام اور حسنین شریفین علیہما السلام کو اپنے پاس بلایا۔ آپؐ نے حکم دیا کہ باقی جو لوگ حجرے میں موجود ہیں وہ باہر چلے جائیں۔ آپؐ نے حضرت اُم سلمہؓ سے فرمایا کہ آپ دروازے پر ٹھہریں اور کسی کو اندر نہ آنے دیں۔ آپؐ نے امام علیؑ کو اپنے پاس بلایا کہ آپؑ اُن کے قریب آجائیں۔ آپؐ نے حضرت فاطمہؑ کا ہاتھ پکڑا اور کافی دیر تک اپنے سینے پر رکھا۔ اس دوران آپؐ نے امام علیؑ کا دوسرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ جب رسولؐ اللہ نے گفتگو کرنا چاہی تو آپؐ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ جب حضرت فاطمہؑ اور حضرت علیؑ، حضرت حسنؑ اور حضرت حسین علیہما السلام نے اس دردناک منظر کو دیکھا تو سبھی بے اختیار رونے لگے۔

حضرت فاطمہ زہراؑ نے عرض کیا: اے پیغمبر گرامیؐ! اے سیّد الانبیاؐ! اے امین پروردگار! اے سفیر خدا! اے محبوبِ خدا! آپؐ کے گریہ نے میرے قلب کو توڑ کر رکھ دیا ہے۔ میرے جگر کو آگ لگا دی ہے۔

بابا جانؐ! آپؐ کے بعد میرے بیٹوں کو سہارا دینے والا اور اُن سے پیار کرنے والا کون ہوگا؟ کل جب آپؐ کی رحلت کے بعد ظلم و استبداد کے پیکر میرے گھر پر حملہ آور ہوں گے۔ اس وقت میرا کون دفاع کرے گا؟ آپؐ کے برادر ارجمند جو آپؐ کی عدالت وحریت و انسانیت پر مبنی آئین کے یار و یاور ہیں اُن کی کون نصرت کرے گا؟ وحی و فرمانِ خداوندی کا کون پاسبان وحامی اور ناصر ہوگا؟

یہ کہہ کر حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں اور اپنا چہرۂ مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر رکھ دیا اور اُن کے چہرۂ نبوت پر بوسوں کی بارش برسا دی۔ اس طرح امام علی علیہ السلام اور حسنین شریفین علیہما السلام نے اپنے آپ کو رسولؐ اللہ کے جسمِ اطہر پر ڈال دیا اور بوسے دینے شروع کر دیے۔

پیغمبر گرامیؐ نے اپنا مبارک سر اُن کی طرف بلند کیا حالانکہ اس وقت حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کا مبارک ہاتھ آپؐ کے دستِ نبوت میں تھا۔ اُن کا ہاتھ پکڑ کر امام علی علیہ السلام کے دستِ امامت پر رکھ دیا اور فرمایا: اے ابوالحسنؑ! یہ اللہ اور

اُن کے رسولؐ کی امانت ہے۔ یہ آپؑ کے سپرد کر رہا ہوں۔ علیؑ جان! اللہ اور اُس کے رسولؐ کی خوب محافظت کرنا۔ میں اچھی طرح سے جانتا ہوں کہ آپؑ اُن کے حقوق اور حرمت کی اچھی طرح سے محافظت کرو گے۔

آپؐ نے مزید فرمایا: علیؑ جان! خدا کی قسم! یہ خاتونِ جنت ہیں اور جنت کی تمام عورتوں کی سیّد وسالار ہیں۔ اللہ کی قسم! یہ ہی مریمِ کبریٰ ہیں (مشابہت اور منزلت کے اعتبار سے)۔

خدا کی قسم! میں اس اَرفع و اعلیٰ منزل پر نہیں پہنچا تھا کہ میں نے حضرت فاطمہؑ اور آپؑ کے لیے بارگاہِ خداوندی میں فضائل ومواہب کی درخواست کی تھی۔ خداوند تعالیٰ نے میری ساری دُعائیں قبول فرمائیں۔

علیؑ جان! میں آپؑ کو جو حکم حضرت فاطمہؑ کے لیے دوں اُسے بجا لایئے، کیونکہ فرشتۂ وحی میرے پاس جو پیام لایا تھا میں نے حضرت فاطمہؑ کو اُس آسمانی پیام کے بارے میں آگاہ کر دیا ہے۔ آپؑ کو معلوم ہونا چاہئے کہ جس کسی سے فاطمہؑ خوش ہے اُس سے مَیں بھی خوش ہوں۔ اس طرح میرا رب اور اُس کے ملائکہ خوش ہیں۔

علیؑ جان! وائے وتباہی ہے اس کے لیے جس نے میری دُختر حضرت فاطمہ علیہا السلام پر ظلم وستم کیا، اس کے لیے بھی وائے وتباہی ہے کہ جس نے اُن کا حق غصب کیا۔

وائے وتباہی ہے اس کے لیے کہ جس نے ان کی حرمت کی ہتک کی۔ آپؐ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ زہراؑ کو گلے لگایا اور اُن کے سرِ اقدس کے بوسے لیے اور فرمایا: فاطمہؑ جان! آپؑ کا باپ آپؑ پر قربان۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وقتِ رحلت قریب آیا تو آپؐ نے اپنی دُخترِ گرامی سے فرمایا: کیا آپؑ اس بات سے خوشنود نہیں ہیں کہ تمام آسمانوں کے ملائکہ آپؑ کی طرف دیکھتے ہیں اور آپؑ کے فرمان کے لیے آپؑ کی طرف متوجہ رہتے ہیں کہ آپؑ کیا فرماتی ہیں؟

تمام ملائکہ آپؑ کے شوہرِ نامدار کی طرف دیکھتے ہیں۔ جب قیامت کا دن ہوگا اور آپؑ کے دشمن اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے تو یہ ملائکہ بارگاہِ خداوندی میں اُن کے رُوبرو ہو کر اُن سے گفتگو کریں گے اور آپؑ اور آپؑ کے شوہر کو فتح ونصرت دلائیں گے۔ کیا آپؑ یہ نہیں چاہتیں کہ اس اَمر کو آپؑ اپنی آنکھوں سے دیکھیں کہ اللہ آپؑ اور آپؑ کے شوہر اور آپؑ کے فرزندوں کے قاتلوں کے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟ اس بیان کے ساتھ پیغمبر اسلامؐ نے اپنی شہزادی کو اُن کی شہادت کی خبر دی اور اس طرح اُن کے شوہرِ نامدار اور اُن کے شہزادوں کی شہادت کی خبر دی۔

اے قاریٔ عزیز! آپ اگلی فصل میں سیّدہ نساء العالمینؑ پر ہونے والے مظالم اور ان کی شہادت اور انجام کا مطالعہ کریں گے۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے روایت ہے کہ میں نے والد گرامی سے پوچھا: کیا امیر المومنین حضرت امام علی علیہ السلام پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت کو لکھنے والے نہیں تھے؟ اور خود پیغمبرؐ، جبرئیلؑ اور میکائیلؑ اس تحریر پر گواہ نہیں تھے؟

پانچویں نورِ ولایت فرماتے ہیں: میرے باباؑ نے کچھ لحات کے لیے اپنے سر مبارک کو جھکا لیا۔ پھر آپؑ نے فرمایا: اے فرزند! بالکل اسی طرح تھا جس طرح آپؑ نے کہا ہے، جس وقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وقتِ رحلت قریب آیا تو اُس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبرئیلؑ ایک محکم وصیت نامہ لے کر پیغمبرؐ اسلام کے حضور پہنچے تھے۔ جبرئیلؑ کے ہمراہ فرشتوں کی ایک کثیر تعداد بھی تھی۔

آپؐ سے فرشتۂ وحی نے عرض کیا تھا: یارسول اللہؐ! اس وقت جو لوگ آپؐ کے پاس ہیں سوائے اپنے جانشین و وحی کے باقی سب کو باہر جانے کا حکم دیجیے۔ آپؐ صرف اکیلے باقی رہ جائیں، تا کہ آپؐ کے جانشین وہ وصیت نامہ ہم سے وصول کریں اور ہم آپؐ کو اس پر گواہ بنائیں کہ وہ آپؐ کے جانشین ہیں اور ہم اُنھیں آپؐ کے عمل کا مسئول جان سکیں۔

پیغمبرؐ اسلام نے حکم دیا کہ سوائے علیؑ اور فاطمہؑ کے باقی سب حجرہ سے باہر چلے جائیں۔ جب تمام لوگ باہر چلے گئے تو جنابِ جبرئیلؑ نے آپؐ سے کہا: خداوند تعالیٰ آپؐ پر درود و سلام بھیج رہا ہے اور اُس نے فرمایا ہے کہ یہ وہ وصیت نامہ ہے۔ میں آپؐ سے عہد لیتا ہوں اور اس پر ہر صورت میں عمل کرنا ہے اور میں نے آپؐ کو اس پر گواہ بنایا ہے اور اس مورد پر فرشتوں کو آپؐ کے لیے گواہ بنایا ہے۔ میں بھی اس پر گواہ ہوں اور میری گواہی کافی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ایک دفعہ رسول اللہؐ کا جسمِ مبارک لرز اُٹھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے جبرئیلؑ! میرا پروردگار کو سلام ہے اور اُسی سے ہی سلامتی ہے اور اُسی کی طرف سلامتی کی بازگشت ہے۔ اُس ذات نے سچ فرمایا اور بہترین عمل کیا۔ وہ کتاب میرے حوالے کیجیے۔ جنابِ جبرئیلؑ نے وہ وصیت نامہ رسول اللہؐ کے حوالے کیا اور رسول اللہؐ نے امیر المومنین حضرت امام علی علیہ السلام کے حوالے کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ اس وصیت نامہ کو پڑھیں۔ حضرت علیؑ نے اُس وصیت نامہ کو حرف بہ حرف پڑھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام علی علیہ السلام سے فرمایا: علیؑ جان! یہ میری طرف میرے رب کا عہد ہے اور یہ اُس کی شرط اور امانت ہے جو میں آپؑ کے حوالے کر رہا ہوں اور اس ذات کا پیغام آپؑ کو پہنچا رہا ہوں اور اپنی اُمت کے لیے خیر و فلاح کو اَرفع و اَعلیٰ کر رہا ہوں۔

حضرت امام علی علیہ السلام نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہو جائیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ نے مجھ تک اپنا پیغام پہنچا دیا ہے اور آپؐ نے خیر و فلاح کا مظاہرہ فرمایا ہے۔ جو کچھ آپؐ نے فرمایا ہے میں

اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ اس امر پر میرے کان، آنکھیں، گوشت، خون سب ان حقائق پر گواہ ہیں۔ اس دوران جنابِ جبرئیلؑ نے فرمایا: میں بھی اس مطلب پر گواہ ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: علیؑ جان! آپؑ نے میری وصیت لے لی ہے اور اس پر آگاہی حاصل کر لی ہے اور اُسے پورا کرنے کی ضمانت دے دی ہے؟

حضرت علی علیہ السلام نے عرض کیا: جی ہاں! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہو جائیں۔ میں اس وصیت پر عمل کرنے کی ضمانت دیتا ہوں۔ خداوند تعالیٰ میرا یار و یاور ہے۔ وہ مجھے اس پر عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے گا۔

پیغمبرِ اسلام نے فرمایا: اس وقت جبرئیلؑ و میکائیلؑ میرے اور آپؑ کے درمیان گواہ ہیں اور ان دونوں کے ساتھ جتنے ملائکہ ہیں اس مورد میں مَیں اُنھیں گواہ بناتا ہوں۔

حضرت علی علیہ السلام نے جواب دیا: جی ہاں! یہ بھی گواہ ہیں اور مَیں بھی اُنھیں گواہ بناتا ہوں۔

اس وقت رسول اللہؐ نے حضرت جبرئیلؑ کی طرف اشارہ فرمایا کہ امام علی علیہ السلام خداوند تعالیٰ کے ان تمام احکامات پر عمل پیرا ہوں گے۔ آپؐ نے امام علیؑ سے فرمایا: علیؑ جان! کیا آپؑ اس عہد پر کامل شرائط کے ساتھ عمل کریں گے اور اس عہد کے اندر جو کچھ ہے اس کی تعمیل کریں گے؟

کیا آپ اللہ اور اُس کے رسولؐ سے دوستی اور اُن کے دشمنوں سے دشمنی رکھو گے۔ اپنے حق کے غصب ہونے پر صبر کرو گے اور دشمن کی دشمنی کے مقابلے میں غصے کو ضبط کرو گے اور اپنی حرمت کی پامالی کو برداشت کرو گے۔ خدا آپ سے اُن تمام اُمور کا عہد لینا چاہتا ہے۔

حضرت امام علی علیہ السلام نے عرض کیا: جی ہاں، یا رسولؐ اللہ!

حضرت امام علی علیہ السلام کا بیان ہے: اُس ذات کی قسم جس نے دانے کو شگافتہ کیا اور انسان کو پیدا فرمایا۔ جب جنابِ جبرئیلؑ رسولؐ اللہ سے بات کر رہے تھے تو میں اُس وقت اُن کی باتیں سن رہا تھا۔ جنابِ جبرئیلؑ نے پیغمبرِ اسلام کی بارگاہ میں عرض کیا: اے محمدؐ! امیر المومنین امام علی علیہ السلام پر واضح کر دیجیے کہ ان کی ہتکِ حرمت کی جائے گی۔ اُن کی حرمت اللہ اور اُس کے رسولؐ کی حرمت ہے۔

علیؑ جان! تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ حق و عدالت کے راستے میں آپؑ کے محاسن شریف آپؑ کے سر کے خون سے خضاب ہوں گے۔

حضرت امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں: جب میں نے جبرئیلؑ سے مصائب و آلام اور انقلاباتِ زمانہ کی دردناک

باتیں سنیں تو میں نے بے اختیار فریاد بلند کی اور بے ہوش ہو کر زمین پر گرا اور پھر فوراً جواب دیا کہ یہ سب مصائب و آلام اللہ اور اُس کے دین کی سربلندی کے لیے قبول ہیں۔

اگر لوگ میری حرمت کو ضائع کریں گے اور وہ پیغمبرؐ کی سیرت کو معطل کریں گے، مقرراتِ دین کو پارہ پارہ کریں گے، کعبہ کو ویران کریں گے اور میرے محاسن کو میرے سر کے خون سے رنگین کریں گے۔ میں فرمانِ خداوندی اور اُس کی خوشنودی اور دین اور انسانیت کے مصالح کے لیے اپنی جان تک بھی دے دوں گا اور صبر و تحمل کا مظاہرہ کروں گا۔

اس وقت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہؑ اور حسنین شریفین علیہم السلام کو اپنے حجرہ میں واپس بلایا اور اُنھیں بھی پیش آنے والے انقلابات و حوادثات سے آگاہ فرمایا۔ اُنھوں نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت امام علیؑ نے دیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ وصیت نامہ، جو آسمان سے ملائکہ لائے تھے جو مُہر شدہ تھا، امیر المومنین حضرت امام علی علیہ السلام کے حوالے کیا۔ راوی نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا: میرے ماں باپ آپؑ پر قربان ہو جائیں۔ اس وصیت نامہ میں کیا لکھا ہوا تھا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اس میں اللہ تعالیٰ کے فرامین اور رسولؐ اللہ کی سیرت اور سنتیں لکھی ہوئی تھیں۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے معصوم سے پوچھا: کیا اس وصیت نامہ میں حضرت امام علی علیہ السلام کے حق کا غصب ہونا اور اُن پر ہونے والے مظالم کی تفصیلات تھیں؟

معصومؑ نے فرمایا: جی ہاں! اللہ کی قسم! اس میں تمام واقعات تفصیل کے ساتھ درج تھے۔ کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا:

اِنَّا نَحْنُ نُحْیِ الْمَوْتٰی وَ نَکْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَ اٰثَارَهُمْ وَ کُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ فِیْٓ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ

''ہم ہی مُردوں کو زندہ کرتے ہیں اور وہ جو کچھ آگے بھیج چکے ہیں اور جو آثار پیچھے چھوڑے جاتے ہیں سب کو ہم لکھتے ہیں اور ہر چیز کو ایک امامِ مبین میں جمع کر دیا ہے''۔ (سورۂ یٰسین: آیت ۱۲)

اللہ کی قسم! رسولؐ اللہ نے اپنی رحلت کے آخری لمحے میں حضرت امام علی علیہ السلام اور حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام سے فرمایا: کیا میں تمھیں اُن اَحوال سے مطلع نہ کر دوں جو تم دونوں کو پیش آنے والے ہیں؟

دونوں نے عرض کیا: جی ہاں، یارسولؐ اللہ! خدا کی قسم! اپنے دشمن کی دشمنی اور اس کی بدسلوکی پر صبر کرنا ہوگا۔ ہمیں جو شرعی تکلیف دی گئی ہے ہم اس پر عمل پیرا ہوں گے اور اُمت کی نجات اور اُن کی فلاح کے لیے کام کریں گے۔

اُس وقت رسولِؐ اسلام کا سرِ مقدس امیرِ حریت کی جھولی میں تھا۔ حضورؐ کو اُس وقت تک چین نہیں آتا تھا جب تک آپ اپنی دخترِ فرزانہ کے سر کے بوسے نہیں لیتے تھے۔ اس دوران آپؐ نے اپنی بیٹی کو گلے لگایا اور اُن کی پیشانی کو چوما۔ آپ اُنھیں بوسے بھی دے رہے تھے اور گریہ بھی فرما رہے تھے۔ اس وقت آپؐ اتنا روئے کہ آنسوؤں کے سیلاب سے آپؐ کے محاسن شریف بھیگ گئے۔ اُدھر حسنینِ شریفینؑ آپؐ کے پاؤں مبارک کو بوسے بھی دے رہے تھے اور زاروقطار رو بھی رہے تھے۔

حضرت امیر علیہ السلام نے چاہا کہ اپنے فرزندوں کو حجرۂ پیغمبرؐ سے باہر لے جائیں تو رسولؐ اللہ نے اُنھیں روک دیا اور فرمایا: علیؑ جان! انھیں میرے پاس رہنے دیجیے، تاکہ وہ سیر ہو کر میری خوشبو سونگھ لیں اور میں اُن کی خوشبو سیر ہو کر سونگھ لوں۔ میرے بعد بہت جلد اُنھوں نے انقلاباتِ زمانہ کے ہاتھوں حیران و پریشان ہونا ہے۔ اُنھوں نے ناقابلِ برداشت رنج و دُکھ اُٹھانے ہیں، خداوند تعالیٰ اُن لوگوں پر لعنت کرے جو ان دونوں پر مظالم ڈھائیں، پھر آپؐ نے بارگاہِ خداوندی میں دعا فرمائی: خدایا! میں اپنے ان دونوں شہزادوں کو ان کے والد گرانقدر سمیت تیرے حوالے کرتا ہوں۔

کیا آپؐ مجھ سے گفتگو نہیں کریں گے

اے قاریٔ عزیز! حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا حال مت پوچھیے۔ بتولؑ اپنے سامنے اپنے مہربان بابا کو دیکھ رہی ہیں کہ وہ آستانۂ رحلت پر ہیں۔ اُن کے قلب و جگر پر جو بیت رہی ہے وہ ناقابلِ بیان ہے۔ اپنے مہربان بابا کی یہ حالت اُن سے دیکھی نہیں جاسکتی۔ اُن کی آنکھیں ساون کے بادلوں کی طرح برس رہی ہیں۔ وہ دیکھ رہی ہیں کہ رسولؐ اللہ کا آخری وقت ہے اور کچھ دیر کے بعد وہ اپنے رفیقِ اعلیٰ کے پاس پہنچ جائیں گے۔ اُن پر جو رحمت کا بادل ہمیشہ برستا رہا ہے اُن کا برسنا چھوٹ جائے گا۔

وہ رو بھی رہی تھیں اور اپنے بابا سے باتیں بھی کر رہی تھیں۔ وہ عرض کر رہی تھیں:

نَفْسِي لِنَفْسِكَ الْفِدَاءُ وَوَجْهِيْ لِوَجْهِكَ الْوِقَاءُ

"میں آپؐ پر قربان جاؤں، میرا سر اور میرے جسم و جان آپؐ پر فدا ہوں"۔

يَا اَبَتَاهُ اَلَا تُكَلِّمُنِيْ كَلِمَةً فَاِنِّي اَنْظُرُ اِلَيْكَ وَاَرَاكَ مُفَارِقَ الدُّنْيَا، وَاَرىٰ عَسَاكِرَ الْمَوْتِ تَغْشَاكَ شَدِيْدًا

"اے بابا جان! میری نگاہیں آپؐ کے چہرۂ نبوت پر لگی ہوئی ہیں۔ آپؐ اس وقت آستانۂ

فراق و فرقت میں ہیں۔ میں آپؐ کے وصال و رحلت کے لمحات کو دیکھ رہی ہوں۔ اُنھوں نے آپؐ کا طواف کرنا شروع کر دیا ہے۔ بابا! کیا آپؐ مجھ سے کلام نہیں کریں گے؟"

پیغمبر گرامیؐ نے فرمایا: جی ہاں! اے میری بیٹی! میں آپؑ سے جدا ہو رہا ہوں، میرا آپؑ پر سلام ہو۔

کتاب "کشف الغمہ" میں ہے کہ پیغمبرؐ اسلام نے اپنی بیٹی سے فرمایا: اے میری پیاری بیٹی! میرے بعد آپؑ نے انقلاباتِ زمانہ کو دیکھنا ہے۔ میرے بعد آپؑ پر مظالم ڈھائے جائیں گے۔ کچھ لوگ بڑی بے دردی کے ساتھ آپؑ کے حقوق آپؑ سے چھین لیں گے۔ آپؑ کو مستضعف کر دیا جائے گا۔ جس کسی نے آپؑ کو آزردہ خاطر کیا اُس نے مجھے آزردہ خاطر کیا۔ جس نے آپؑ پر مظالم ڈھائے اُس نے مجھ پر مظالم ڈھائے۔ جس نے آپؑ پر جور و جفا کیا اُس نے مجھ پر جور و جفا کیا۔ جس نے آپؑ سے اچھا سلوک نہ کیا اُس نے مجھ سے قطع رحمی کی۔ جس نے آپؑ سے عدل و انصاف کیا اُس نے مجھ سے عدل و انصاف کیا، کیونکہ آپؑ مجھ سے ہیں اور میں آپؑ سے ہوں۔ آپ میرے جسم کا حصّہ ہیں اور آپؑ ہی میری روح ہیں۔

پھر آپؐ نے فرمایا: میں بارگاہِ خداوندی میں اپنی اُمت کے اُس ظالم کی شکایت کرتا ہوں کہ جو آپؑ پر ظلم کرے گا۔

کچھ لمحات کے بعد امیر المومنین حضرت امام علی علیہ السلام کھڑے ہوئے اور فرمایا: مہربان اللہ تعالیٰ آپؑ کے نبیؐ کے سوگ میں آپؑ کے اَجر وجزا میں اضافہ فرمائے، کیونکہ اللہ نے اُنھیں اپنی طرف واپس بلا لیا ہے۔

بس پھر کیا تھا کہ صدائے گریہ وشیون بلند ہوئیں، جو آسمان تک جا پہنچیں۔ وہ دن تاریخ انسانیت کا تلخ ترین دن تھا۔ اس دن اہلِ ایمان کے قلوب پر دردناک ترین ضربات لگیں۔ یہ اتنا عظیم صدمہ تھا جس سے ہر دل درد سے ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا تھا۔ جس طرح اس دن گریہ ہوا تاریخ بشر اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔

جی ہاں! پیغمبرؐ کی رحلت سے جہاں پوری کائنات غم میں ڈوبی ہوئی تھی وہاں سب سے زیادہ غم زدہ، مصیبت زدہ، حیران و پریشان نبیؐ کی بیٹی تھیں۔ خدا جانتا ہے کہ ان لمحات میں خاتونِ جنت پر کیا گزری ہوگی؟

وہ دل کس حال میں تھا جسے اپنے بابا سے اپنی جان سے زیادہ محبت تھی۔ وہ اپنے بابا پر ہر وقت قربان رہتی تھیں۔

آپؑ دیکھ رہی تھیں کہ اُن کے مہربان بابا نہایت ہی سکون کی حالت میں ہیں۔ اب ان کے ملکوتی جسم میں کوئی حرکت باقی نہیں رہی۔ ان کی بلند و بالا روح کو ملائکہ آسمان کی طرف لے گئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اب وہ آرام پذیر

ہیں۔ اب یتیم دختر سے برداشت نہ ہوسکا۔ اُنھوں نے نالہ وفریاد بلند کرتے ہوئے فرمایا:

یَا اَبَتَاهُ مِنْ رَبِّهٖ مَا اَدْنَاهُ ..... وَاَبَتَاهُ جَنَّةِ الْفِرْدَوْسِ مَاْوَاهُ ..... وَاَبَتَاهُ اِلٰى جِبْرَائِيْلَ نَنْعَاهُ..... وَاَبَتَاهُ اَجَابَ رَبًّا دَعَاهُ

"جانِ جاناں! آپؐ بارگاہِ خداوندی میں پہنچ گئے ہیں...... جانِ جاناں! آپؐ پروردگار کے قریب ہوچکے ہیں...... جانِ جاناں! آپؐ کا ٹھکانہ جنت الفردوس ہے۔ جانِ جاناں! اے بزرگوار ہستی کہ آپؐ کی رحلت کی خبر میں نے جبرئیلؑ امین کو دی ہے...... جانِ جاناں! آپؐ وہ سیّد وسالار ہیں کہ آپؐ نے اپنے رب کی دعوت پر لبیک کہا ہے۔ آپؐ پر اللہ اور اُس کے ملائکہ کا درود وسلام ہو"۔

اس وقت امام علی علیہ السلام نے فرمایا: حالانکہ آپؑ کی آنکھیں ساون کے بادلوں کی طرح برس رہی تھیں۔ یارسولؐ اللہ! شہزادے حسنین شریفینؑ بلند آواز کے ساتھ گریہ فرما رہے تھے۔ وہ نانا رسولؐ اللہ، نانا رسولؐ اللہ کی صدائیں بلند کر رہے تھے۔ ایک کہرام بپا تھا۔ ہر طرف صدائے گریہ وشیون کا شور تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔

آخرکار حضرت امام علی علیہ السلام پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز وتکفین کے لیے اُٹھے۔ آپؑ نے رسولؐ اللہ کو غسل دیا، کفن دیا، حنوط کیا۔ آخرکار وہ وقت آگیا کہ اب رسولِ عالمینؐ پر نماز پڑھی جائے۔ پیغمبر اکرمؐ کے نمازِ جنازہ میں دوسرے لوگوں کے ساتھ نبیؐ کی بیٹی نے بھی شرکت فرمائی۔

جب رسولؐ اللہ کے نازنین جسم کو دفن کیا جارہا تھا تو اُس وقت نبی اعظمؐ کی بیٹی کی مبارک آنکھیں آنسو برسارہی تھیں۔ جب تدفین ہوگئی تو اپنے گھر واپس آگئیں۔ مدینہ کی خواتین نے آنا شروع کیا۔ نبی اعظمؐ کی بیٹی کے خانہ اقدس میں خواتین کا جمِ غفیر تھا۔

آپؑ نے فرمایا: اب آسمانی پیغام ووحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا ہے اور پھر فرمایا: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ

آپؑ نے اپنے بابا پر مرثیے پڑھے جن کا ذکر آنے والا ہے۔ آپؑ نے حضرت انس بن مالکؓ سے رُو کر فرمایا:

اَطَابَتْ نُفُوْسُكُمْ اَنْ تَحْثُوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ التُّرَابَ

"تم لوگوں کے لیے کیسے ممکن ہوا کہ اللہ کے رسولؐ کے جسمِ اقدس پر مٹی ڈالیں"۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو کسی نے اُن کی زندگی میں شاداں وخنداں نہیں دیکھا۔ (مناقب ابن شہر آشوب، ج ۳، ص ۳۴۲)

عمران بن دینار سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام پیغمبر اکرمؐ کی رحلت کے بعد اپنی زندگی کے آخری دن تک سوگوار رہیں اور اسی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوئیں۔

حضرت فاطمہ زہراؑ رحلتِ پیغمبرؐ کے بعد

یہ دنیا چل چلاؤ کی دنیا ہے۔ یہاں ٹھہراؤ ہے ہی نہیں۔ کتنے باپ ہیں کہ روزانہ اُن کے جنازے اُٹھتے ہیں اور اُن کی بیٹیاں اُن کے سوگ میں بیٹھتی ہیں۔ اُنھیں یاد کر کے اُن پر آنسو بہاتی ہیں۔ جی ہاں! بیٹیوں کا اپنے آباء کے لیے رونا، اُن پر آنسو بہانا، اُن کی یاد میں فریادیں بلند کرنا، سوگوار رہنا ـــــ یہ سب مختلف اقسام کے دوستانہ روابط اور مہر و محبت اور عشق و علاقہ کی بنا پر ہوتا ہے۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ بہت سی بیٹیاں ایسی ہوتی ہیں کہ اُن کے اور اُن کے آباء کے درمیان صرف پدری اور دختری رابطہ ہوتا ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی اور رشتہ نہیں ہوتا۔ جب ایسی بیٹیوں کے آباء فوت ہوتے ہیں تو اُن کی سوگواری صرف اُس پدری اور دختری تعلق کی بنا پر ہوتی ہے۔ اُس سے زیادہ نہیں ہوتی۔

جی ہاں! اس معاشرہ میں کثرت کے ساتھ ایسی بیٹیاں بھی ہیں کہ اُنھیں اپنے آباء کی طرف سے اپنے باپ سے صرف اُنھیں پدری تعلق ملتا ہے۔ اس تعلق کے علاوہ اُنھیں نہ محبت و عاطفت ملتی ہے اور نہ کوئی اور علاقہ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے درمیان نہ کوئی جان پہچان ہے اور نہ کوئی تعلق ہے۔ لیکن بہت سی ایسی بیٹیاں بھی موجود ہیں کہ اُن کے اور اُن کے آباء کے درمیان مہر و محبت، عشق و خلوص کا تعلق ہوتا ہے۔ یہ آباء وہ ہیں جو اپنی بیٹیوں کے دل و دماغ میں مہر و صفا کاشت کرتے ہیں۔ اُن کا احترام و اکرام کرتے ہیں۔ اُن کی ہر وقت نگاہ ہوتی ہے کہ اُن کی اولاد کے عواطف ان کے سلوک سے مجروح نہ ہوں۔ ان کی شخصیت کی ہر طرح سے حفاظت کرتے ہیں اور ان کی ذہنی و قلبی بزرگواری کو مخدوش نہیں ہونے دیتے۔ وہ چاہتے ہیں کہ اُن کی بیٹیاں رُشد حاصل کریں اور ترقی کی راہ اختیار کریں۔ یہ امر روشن ہے کہ ایسے آباء اپنی بیٹیوں کے ہاں مقام و منزلت رکھتے ہیں۔ وہ اپنے آباء کی عزت و تکریم کرتی ہیں۔ یہ وہ مقام ہے کہ جہاں آباء اور بیٹیاں تعلق کا ایک اور پہلو رکھتی ہیں۔ ایسے آباء اور بیٹیوں کے درمیان اگر فراق پیدا ہو جائے تو اس فراق و فصال کا بیٹیوں پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ اُن کے قلوب پر مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹنے لگتے ہیں کہ جن کی مثال ناپید ہے۔

گذشتہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ رہبر بزرگِ توحید اپنی بیٹی کے ساتھ کس قدر محبت رکھتے تھے۔ اب

اس بات کا سمجھنا آپ کے لیے آسان ہے کہ حضرت فاطمہ علیہا السلام کا اپنے والد گرامی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ تعلق و علاقہ صرف وہ نہ تھا جو ایک بیٹی کا اپنے والد سے ہوتا ہے، بلکہ آپؑ کا تعلق اپنے والد رسولؐ اللہ کے ساتھ معنوی، علمی اور انسانی تھا۔ آپؑ اپنے والد گرامقدر کو صرف ایک والد کی حیثیت سے نہیں دیکھتی تھیں۔ جہاں آپؑ انھیں ایک والد کی جگہ پر پاتی تھیں تو اُن کے ساتھ محبت، عطوفت، شفقت کو بھی پاتی تھیں۔

حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام جہاں اپنے والد گرامی کو محبت و پیار کرنے والا باپ سمجھتی تھیں وہاں ایک مسلمان خاتون کے مانند انھیں اللہ کا رسولؐ اور سیدالانبیاءؐ سمجھتی تھیں اور اُن کی تجلیل و تکریم کرتی تھیں۔ سیدہ نساء العالمینؑ کائنات کی تمام خواتین میں سب سے زیادہ حکمت و دانش رکھتی تھیں، اسی لیے وہ سب سے زیادہ پیغمبرؐ اسلام کی عزت و عظمت کا اِدراک رکھتی تھیں۔

اس مقدمہ کے بعد ہم پر واضح ہوجاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رحلت نے اُن کی بیٹی سے ہر قسم کا چین و سکون اور قرار و استقرار چھین لیا تھا۔ حضرت سیدہ زہرا علیہا السلام کے لیے یہ ایک بہت بڑا دکھ تھا۔ ایک عظیم مصیبت تھی جو ہر مصیبت سے بڑھ کر تھی۔ آپؑ خوب جانتی تھیں کہ اس فاجعہ نے پوری کائنات کو مشرق سے مغرب تک اور زمین سے آسمان تک تمام موجودات کو متاثر کر دیا ہے۔

بہت ہی مناسب ہے کہ اس مقام پر حضرت فضہؓ، جو حضرت سیدہ زہرا علیہا السلام کی شاگردہ تھیں، اُن کی وہ جاں سوز روایت نقل کریں کہ جس میں آپ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت سیدہ زہرا علیہا السلام اپنے بابا کے سوگ میں بہت زیادہ مغموم و محزون تھیں۔ وہ فرماتی ہیں:

"جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس دنیا سے رخصت ہوئے تو ہر کوچک و بزرگ کو صدمہ پہنچا اور سبھی اس صدمے سے حیران و سرگردان ہوئے۔ آپؐ کی رحلت نے جہاں آپؐ کے خاندان و اصحاب کو غمزدہ کیا وہاں بیگانے بھی آپؐ کے درد و دُکھ کا شکار ہوئے۔ آپؐ کی جدائی و فرقت سے مرد و زن گریاں و نالہ کی کیفیت سے دوچار ہوئے لیکن اپنے اور بیگانوں میں سے اصحاب و انصار میں سے آپؐ کی دختر سے زیادہ کوئی گریاں تر و نالہ تر نہیں تھا۔ آپؑ کا حُزن روزانہ تازہ ہوتا اور پہلے سے بڑھ کر ہوتا۔ جوں جوں پیغمبرؐ کی رحلت کے ایام گزرتے رہے اس قدر آپؑ کا گریہ بڑھتا رہا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رحلت کا ساتواں دن تھا لیکن آپؐ کی دختر فرزانہ کے نالوں میں کمی آئی اور نہ آپؑ کا گریہ کم ہوا۔ ہر آنے والے دن میں آپؑ کے غم میں اضافہ ہوتا۔ جب آٹھواں دن ہوا آپؑ کے صبر کے تمام بندھن ٹوٹ گئے۔ آپؑ نے اپنے غم و حزن کو ضبط کرنے کی کوشش کی لیکن آپؑ سے ضبط نہ ہوسکا۔ آپؑ کی فریادیں اپنے بابا کے فراق

میں بلند ہوئیں۔آپؑ کے رونے سے لوگوں نے رونا شروع کر دیا۔آپ اپنے خانۂ اقدس سے باہر آئیں۔عورتوں نے فوراً اپنے گھروں کے چراغ بجھائے کہ دختر نبیؐ کی قدوقامت آشکار نہ ہو۔تمام عورتیں آپؑ کے ہمراہ روضۂ رسولؐ کی طرف رواں دواں ہوئیں۔حضرت سیدہؑ غم واندوہ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔آنکھیں برس رہی تھیں اور اپنے بابا کو ان الفاظ کے ساتھ یاد کر رہی تھیں:

وَاَبَتَاهُ! .... وَاصَفِيَّاهُ! .... وَامُحَمَّدَاهُ! .... وَاَبَا الْقَاسِمَاهُ! .... وَارَبِيعَ الْاَرَامِلِ وَالْيَتَامٰى! .... مَنْ لِلْقِبْلَةِ وَالْمُصَلّٰى؟.... وَمَنْ لِابْنَتِكَ الْوَالِهَةِ الثَّكْلٰى....؟

"آہ اے مہربان بابا! ...... آہ اے برگزیدہ خدا! ...... آہ اے محمدؐ! ...... آہ اے ابوالقاسم! ...... آہ! اے بیوہ و بے سہارا عورتوں کی بہار زندگی! ...... اے یتیموں کے ملجا و ماویٰ! آپؐ کے بعد کون ہے جو محرابِ مسجد میں نماز پڑھے گا؟ کون ہے وہ جو آپؐ کی غم زدہ بیٹی کو تسلی دے؟!"

آپؑ اُس وقت غم سے نڈھال تھیں، آپؑ کے لباس کا دامن آپؑ کے پاؤں میں اُلجھ کر رہ جاتا تھا، کیونکہ آپؑ کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔آپؑ کو کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔آخرکار آپؑ اپنے بابا کی قبر پر تشریف لائیں۔جب آپؑ کی نگاہ آپؐ کے حجرے پر پڑی اور آپؐ کے گل دستۂ اذان پر پڑی تو آپؑ غش میں آکر زمین پر گر پڑیں۔مدینہ کی عورتوں نے آپؑ کو گھیر لیا۔جلدی سے پانی لائیں۔اُنھوں نے زمینی حور کے چہرہ پر پانی کے چھینٹے دیئے۔آپؑ اُٹھ کر بیٹھ گئیں اور فرمایا: جانِ جاناں! آپؐ کی رحلت سے میرے جسم کی طاقت وتوانائی جاتی رہی ہے۔ میرا دشمن خوش ہوا ہے۔درد وغم نے مجھے جان سے مار ڈالا ہے۔

جانِ جاناں! اپنی بیٹی کی طرف دیکھیے۔آپؐ کے فراق کے دکھوں اور دردوں میں تن تنہا ہو کر رہ گئی ہے۔آپؐ کی جدائی نے اُسے سرگردان کر دیا ہے۔

جانِ جاناں! آپؐ کی جدائی میں مسلسل رونے سے میری آواز دب گئی ہے۔میری پشت ٹوٹ گئی ہے۔میری زندگی تلخ ہو کر رہ گئی ہے۔میرے ایامِ حیات تیرہ وتاریک ہو کر رہ گئے ہیں۔

جانِ جاناں! آپؐ کے بعد اس تنہائی وحشت میں میرا کوئی انیس ومونس نہیں رہا۔کوئی چیز ایسی نہیں ہے کہ جو میری آنکھوں کے سیلابِ اشک کو روک سکے اور نہ کوئی مونس وغم خوار ہے جو میری اس ناتوانی میں میری اعانت کرے۔

جانِ جاناں! آپؐ کے بعد جبرئیلؑ و میکائیلؑ کی آمدورفت کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے۔باباجان! آپؐ کے بعد انقلابِ زمانہ نے ہر چیز کو منقلب کر کے رکھ دیا ہے۔اب مجھ پر اُمید و آرزو کے تمام دروازے مسدود ہو کر رہ گئے

تھا۔ بابا جانؐ! آپؐ کے بعد میرے لیے اس دنیا میں کوئی خوشی باقی نہیں رہی ہے۔ سانس اس لیے لیتی ہوں کہ آپؐ پر گریہ کروں۔ بابا جانؐ! مجھے جو آپؐ سے محبت تھی وہ ختم ہونے والی نہیں ہے، اور اب تیرے فراق میں جو غم وحزن ملا ہے وہ بھی ختم ہونے والا نہیں ہے"۔

پھر آپؑ نے یہ مرثیہ کہا:

إِنَّ حُزْنِي عَلَيْكَ حُزْنٌ جَدِيدٌ وَفُؤَادِي وَاللّٰهِ صَبٌّ عَنِيدُ
كُلَّ يَوْمٍ يَزِيدُ فِيهِ شَجُوْنِي وَاكْتِيَابِي عَلَيْكَ يَبِيدُ
جَلَّ خَطْبِي ، فَبَانَ عَنِّي عَزَائِي فَبُكَائِي فِي كُلِّ وَقْتٍ جَدِيدُ
إِنَّ قَلْبًا عَلَيْكَ يَأْلَفُ صَبْرًا أَوْ عَزَاءٍ فَإِنَّهُ لَجَلِيدُ

"بابا جانؐ! آپؐ کے جانے کے بعد میرا غم لحہ بہ لحہ جدید سے جدید تر ہوا چاہتا ہے۔ اللہ کی قسم! میرا دل آپؐ کی محبت سے سرشار ہے۔ اب آپؐ میرے سامنے نہیں ہیں۔ میں آپؐ کے فراق ووِصال کو برداشت نہیں کرسکتی۔ بابا جانؐ! مجھے آپؐ سے وہ عشق وعلاقہ تھا جو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ جب رات گزرتی ہے نئے دن کی آمد ہوتی ہے ممکن ہی نہیں ہے کہ آپؐ کا غم پرانا ہو۔نہیں نہیں آپؐ کے غم میں تازگی پیدا ہوتی ہے۔ ہر غم پہلے سے بڑھ جاتا ہے۔ آپؐ کی جدائی کے رنج ودرد ختم نہیں ہوتے، بلکہ اُن کی شدت میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

بابا جانؐ! آپؐ کے سوگ کا فاجعہ جو مجھے پیش آیا ہے وہ پہاڑوں پر بھاری ہے۔ میں صبروتحمل کرنے کی پرزور کوشش کرتی ہوں، لیکن جوں جوں لحات گزرتے ہیں اس قدر میرے گریہ میں تجدید ہوتی ہے اور پہلے سے بھی بڑھ کر آنسو بہاتی ہوں۔ بابا جان! وہ دل جو آپؐ کے سوگ میں صبروسکون میں رہے وہ دل نہیں ہے بلکہ وہ سختی میں پتھر سے کم نہیں ہے"۔

پھر آپؑ نے اپنے دل کی گہرائیوں سے دردناک فریادیں بلند کرنا شروع کردیں:

ثُمَّ نَادَتْ : يَا أَبَتَاهُ! اِنْقَطَعَتْ بِكَ الدُّنْيَا بِأَنْوَارِهَا ، وَذَوَتْ زُهْرَتُهَا۔ وَكَانَتْ بِبَهْجَتِكَ زَاهِرَةً۔ يَا أَبَتَاهُ! لَازِلْتُ آسِفَةً عَلَيْكَ إِلَى التَّلَاقِ۔ يَا أَبَتَاهُ! زَالَ غَمْضِي مُنْذُ حَقَّ الْفِرَاقِ ، يَا أَبَتَاهُ! مَنْ لِلْأَرَامِلِ وَالْمَسَاكِيْنِ؟ وَمَنْ لِلْأُمَّةِ إِلَى يَوْمِ الدِّيْنِ؟ يَا أَبَتَاهُ! أَمْسَيْنَا بَعْدَكَ مِنَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ! يَا أَبَتَاهُ! أَصْبَحَتِ النَّاسُ عَنَّا مُعْرِضِيْنَ! وَلَقَدْ كُنَّا بِكَ

مُعَظَّمِيْنَ فِي النَّاسِ غَيْرَ مُسْتَضْعَفِيْنَ! فَأَيُّ دَمْعَةٍ لِفِرَاقِكَ لَاتَنْهَمِلُ! وَأَيُّ حُزْنٍ بَعْدَكَ لَا يَتَّصِلُ؟ وَأَيُّ جُفْنٍ بَعْدَكَ بِالنَّوْمِ يَكْتَحِلُ؟ وَأَنْتَ رَبِيْعُ الدِّيْنِ، وَنُوْرُ النَّبِيِّيْنَ فَكَيْفَ بِالْجِبَالِ لَاتَمُوْرُ؟ وَلِلْبِحَارِ بَعْدَكَ لَاتَغُوْرُ؟ وَالْاَرْضِ كَيْفَ لَمْ تَتَزَلْزَلْ؟ رُمِيْتُ يَا اَبَتَاهُ، بِالْخَطْبِ الْجَلِيْلِ وَلَمْ تَكُنِ الرَّزِيَّةُ بِالْقَلِيْلِ وَطُرِقْتُ - يَا اَبَتَاهُ بِالْمُصَابِ الْعَظِيْمِ، وَبِالْفَادِحِ الْمَهُوْلِ بِكَتْكَ، يَا اَبَتَاهُ الْاَمْلَاكَ وَوَقَفَتِ الْاَفْلَاكَ فَمِنْبَرُكَ بَعْدَكَ مُسْتَوْحِشٌ وَمِحْرَابُكَ خَالٍ مِنْ مُنَاجَاتِكَ وَقَبْرُكَ فَرِحٌ بِمُوَارَاتِكَ وَالْجَنَّةُ مُشْتَاقَةٌ اِلَيْكَ وَاِلَى دُعَائِكَ وَصَلَاتِكَ يَا اَبَتَاهُ مَا أَعْظَمُ ظُلْمَةُ مَجَالِسِكَ!! فَوَاأَسَفَاهُ عَلَيْكَ اِلَى اَنْ أُقْدِمَ عَاجِلًا عَلَيْكَ وَأُثْكِلَ أَبُو الْحَسَنِ الْمُؤْتَمَنُ، أَبُو وَلَدَيْكَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ - وَأَخُوْكَ وَوَلِيُّكَ، وَحَبِيْبُكَ، وَمَنْ رَبَّيْتَهُ صَغِيْرًا وَاخَيْتَهُ كَبِيْرًا - وَأَحْلَى أَحْبَابِكَ وَأَصْحَابِكَ اِلَيْكَ مَنْ كَانَ مِنْهُمْ سَابِقًا وَمُهَاجِرًا وَنَاصِرًا وَالثُّكْلُ شَامِلُنَا! وَالْبُكَاءُ قَاتِلُنَا! وَالْاَسٰى لَازِمُنَا ثُمَّ زَفَرَتْ، وَأَنَّتْ أَنِيْنًا يَخْدِشُ الْقُلُوْبَ ثُمَّ قَالَتْ:

قَلَّ صَبْرِيْ وَبَانَ عَنِّيْ عَزَائِيْ ... بَعْدَ فَقْدِيْ لَخَاتِمِ الْاَنْبِيَاءِ
عَيْنُ يَاعَيْنُ أَسْكِبِيْ الدَّمْعَ سَحًّا ... وَيْكِ لَا تَبْخُلِيْ بِفَيْضِ الدِّمَاءِ
يَارَسُوْلَ الْاِلٰهِ يَاخِيْرَةَ اللهِ ... وَكَهْفَ الْاَيْتَامِ وَالضُّعَفَاءِ
قَدْ بَكَتْكَ الْجِبَالُ وَالْوَحْشُ جَمْعًا ... وَالطَّيْرُ وَالْاَرْضُ بَعْدَ بَكَى السَّمَاءِ
وَبَكَاكَ الْمِحْرَابُ . وَالدَّرْسُ ... لِلْقُرْآنِ فِي الصُّبْحِ مُعْلِنًا وَالْمَسَاءِ
وَبَكَاكَ الْاِسْلَامُ اِذْ صَارَ فِي النَّاسِ ... غَرِيْبًا مِنْ سَائِرِ الْغُرَبَاءِ
لَوْ تَرَى الْمِنْبَرَ الَّذِيْ كُنْتَ تَعْلُوْهُ ... عَلَاهُ الظَّلَامُ بَعْدَ الضِّيَاءِ
يَا اِلٰهِيْ عَجِّلْ وَفَاتِيْ سَرِيْعًا ... فَلَقَدْ عِفْتُ الْحَيَاةَ يَامَوْلَائِيْ

"اے پدر بزرگوار! آپؐ کی جان سوز رحلت سے یہ دنیا تیرہ و تاریک ہو کر رہ گئی ہے۔ نور و روشنی معدوم ہو کر رہ گئی ہے۔ آپؐ کے دردناک سوگ سے اس دنیا کی ہریالی و تازگی، اس کے باغ و بہاریں اور گلشن سب مرجھا کر رہ گئے ہیں، کیونکہ آپؐ کے وجودِ مقدس ہی سے اس کی چاندنیاں اور اُس کی بہاریں عروج پر تھیں۔

اے جانِ جاناں! جب تک آپ کا دیدار نہیں کروں گی اس وقت افسردہ و پژمردہ رہوں گی۔
بابا جان! آپؐ کی رحلت سے میری آنکھوں سے نیند اُڑ گئی ہے۔
بابا جان! اب آپؐ کے بعد بیوگان اور یتامٰی کا پاسبان و پشتیبان کون ہوگا؟
بابا جان! آج سے لے کر قیامت تک اس اُمت کا یارو یاور کون ہوگا؟
بابا جان! آپؐ کے بعد لوگوں نے مجھے ہر زاویہ سے بے بس و بے کس کر دیا ہے اور مجھ پر ظلم و ستم کرنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی گئی۔
بابا جان! جب کل میں آپؐ کے وجود کی برکت سے اُمت میں بلند ترین مقام و منزلت رکھتی تھی آج کسمپرسی کا شکار ہوں۔ حیران و پریشان و سرگردان ہوں۔
اے پدرِ جان! وہ کون سا آنسو ہے جو آپؐ کے جان سوز فراق میں جاری نہ ہوا ہو اور وہ کون سا غم ہے جو آپؐ کے بعد میرے قلب میں پیدا نہ ہوا ہو؟ وہ کون سی آنکھ کی پلک ہے کہ آپؐ کی رحلت کے بعد نیند اس کا سرمہ بنی ہو؟
بابا جان! آپؐ ہی دین کی بہار تھے اور پیغمبرانِ خداوندی کا ضوفشاں نُور تھے۔
بابا جان! یہ کیسے ممکن ہے کہ آپؐ کی جاں سوز سوگ میں پہاڑ ریزہ ریزہ نہ ہوں؟
بابا جان! یہ کیسے ممکن ہے کہ آپؐ کے دردناک فراق میں دریا خشک نہ ہوں؟
بابا جان! یہ کیسے ممکن ہے کہ آپؐ کے سوگ کے حزن و اَلم میں زمین لرزہ براندام نہ ہو؟
اے میرے پیارے بابا! آپؐ کی رحلت سے میں سوگِ عظیم اور مصیبت سہم گین میں گرفتار ہو چکی ہوں۔

بابا جان! آپؐ کی فرقت ایک بھاری مصیبت ہے۔ اے میرے پیارے بابا! اب آپؐ کے بعد کون ہے جو آپؐ کی غم زدہ اور محزون بیٹی کی حوصلہ افزائی کرے اور تسلیاں دے؟
بابا جان! تمام ملائکہ آپؐ کے سوگ میں گریہ کناں ہیں اور آسمانوں کی حرکت رُک گئی ہے۔
بابا جان! آپؐ کے جانے کے بعد آپ کا منبر بے کس و تنہا ہے۔ آپؐ کی عبادت گاہ اور محراب، شبانہ راز و نیاز سے خالی ہے۔
بابا جان! آپؐ کی تُربت اور آرام گاہ آپؐ کے جسمِ اَطہر کی وجہ سے شادمان ہے اور بہشت

خداوندی آپؐ کی مناجات اور نماز سے بے پناہ عشق رکھتی ہے اور آپؐ کی مشتاق ہے۔

اے میرے پیارے بابا! آپؐ کی مجالس و محافل لپیٹ دی گئی ہیں۔ میں آپؐ کے سوگ و فراق میں اندوہ زدہ ہوں۔ یہ میرے مصائب اس وقت تک رہیں گے جب تک آپؐ سے میری ملاقات نہیں ہوتی۔

بابا جان! ابوالحسنؑ جو آپؐ کے شہزادوں کے والد گرانقدر ہیں، جو آپؐ کے اطمینان و اعتماد کے محل ہیں آپؐ کے وصی و جانشین ہیں، وہ سوگ نشین ہیں، وہ آپؐ کے فراق کے غم میں پریشان حال ہیں۔

آپؐ نے ہی اُن کی اُن کے بچپن میں تربیت فرمائی تھی۔ جب وہ بڑے ہوئے تو اُنھیں اپنی اُخوت کا اعزاز بخشا تھا۔ اب آپؐ کے احباب میں سے کون ہے جو اُن سے دوستی اور بھائی چارے کے ساتھ پیش آئے؟ وہ سابق الایمان ہیں۔ وہ اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے ہجرت کرنے والے ہیں۔ وہ ناصرِ دینِ خداوندی ہیں۔

اے بابا جان! جانِ جاناں کی رحلت کی مصیبت ایک درد ہے، ایک حُزن ہے، جو ہر وقت ہمارے ساتھ ہے۔ آپؐ کے لیے گریہ وزاری نے ہمیں نڈھال کر دیا ہے اور ہمیں جان سے مار دیا ہے اور یہ مصائب و آلام ہمارے لیے لازم ہو چکے ہیں"۔

بعدازیں دخترِ پیغمبرؐ نے دردناک فریاد اور نالۂ جاں سوز بلند کیا۔ آپؑ کے نالوں نے سننے والوں کے قلوب کو چھلنی چھلنی کر دیا۔

آپؑ نے بارگاہِ رسالت میں ہدیۂ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا:

قَلَّ صَبْرِیْ وَبَانَ عَنِّیْ عَزَائِیْ	بَعْدَ فَقْدِیْ لِخَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ
عَیْنُ یَاعَیْنُ اَسْکِبِیْ الدَّمْعَ سَحًّا	وَیْكَ لَا تَبْخَلِیْ بِفَیْضِ الدِّمَاءِ
یَارَسُوْلَ الْاِلٰهِ یَاخِیْرَةَ اللهِ	وَکَهْفَ الْاَیْتَامِ وَالضُّعَفَاءِ
قَدْ بَكَتْكَ الْجِبَالُ وَالْوَحْشُ جَمْعًا	وَالطَّیْرُ وَالْاَرْضُ بَعْدَ بَكَی السَّمَاءِ
وَبَكَاكَ الْمِحْرَابُ وَالدَّرْسُ	لِلْقُرْآنِ فِی الصُّبْحِ مُعْلِنًا وَالْمَسَاءِ
وَبَكَاكَ الْاِسْلَامُ اِذْ صَارَ فِی النَّاسِ	غَرِیْبًا مِنْ سَائِرِ الْغُرَبَاءِ

لَوْ تَرَى الْمِنْبَرَ الَّذِي كُنْتَ تَعْلُوْهُ　　　عَلَاهُ الظَّلَامُ بَعْدَ الضِّيَاءِ

يَا إِلٰهِي عَجِّلْ وَفَاتِيْ سَرِيْعًا　　　فَلَقَدْ عِفْتُ الْحَيَاةَ يَامَوْلَائِيْ

"اے خاتم الانبیاؐ! آپؐ کی جاں سوز رحلت سے میرا صبر جاتا رہا ہے اور میرا آرام و چین ختم ہو کر رہ گیا ہے۔ اے میری آنکھ! آنسوؤں کی برسات کردے، تجھ پر افسوس اگر تو نے خون کے آنسو جاری نہ کیے۔

جی ہاں! اے پیغمبرؐ خدا! اے صاحب عزت وعظمت! اے اللہ کے بہتر و برتر انسان! اے یتیموں اور بے نواؤں کے ملجا و ماویٰ! آپؐ کے سوگ میں بیابان وصحرا، جنگل و پہاڑ، چرند و پرند سبھی حیوانات نے گریہ کیا۔ زمین و آسمان نے آپؐ کے سوگ میں گریہ کیا۔

اے میرے سیّد و سالار! رُکن ومقام، مشعر و حجون سبھی نے آپؐ پر گریہ کیا۔ وادیٔ بطحا کے تمام موجودات نے آپؐ پر آنسو نچھاور کیے۔

محراب و منبر وہ صبح و شام آپؐ کی قرآن کی تلاوتیں اور درس و دروس نے آپؐ کے حضور اپنے آنسوؤں کا نذرانہ پیش کیا ہے۔ وہ اسلام جس کی تعلیم آپؐ نے دی تھی جو انسانیت دوست تھا وہ تنہا رہ گیا ہے۔ اُسے غربت نے گھیر لیا ہے۔ اُس نے بھی آپؐ کی رحلت پر سوگ منایا ہے۔

بابا جان! اے کاش میں آپؐ کو اس منبر پر دیکھتی جس پر آپؐ بلند ہو کر حکمت و دانش کی بارش برساتے تھے۔ آپؐ کے نور سے وہ ضوفشاں ہوتا تھا۔ اب ظلمت و تاریکی نے اس پر سایہ فگن ہو چکی ہے۔

خدایا! مجھے اس دنیا سے جلدی اُٹھا لے، میں اس کی زندگی سے بے زار ہو چکی ہوں"۔

بعدازیں حضرت فاطمہ علیہا السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس تربت سے خاک اُٹھائی، اُسے بوسہ دیا اور اُسے سونگھا اور فرمایا:

مَاذَا عَلَى مَنْ شَمَّ تُرْبَةَ أَحْمَدَ　　　اِنْ لَا يُشَمَّ مَدَى الزَّمَانِ غَوَالِيَا

قُلْ لِلْمُغَيَّبِ تَحْتَ أَطْبَاقِ الثَّرٰى　　　اِنْ كُنْتَ تَسْمَعُ صَرْخَتِيْ وَنِدَائِيَا

صُبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبٌ لَوْ أَنَّهَا　　　صُبَّتْ عَلَى الْأَيَّامِ صِرْنَ لَيَالِيَا

قَدْ كُنْتُ حَيَّ بِظِلِّ مُحَمَّدٍ　　　لَا اَخْشَ مِنْ ضَيْمٍ وَكَانَ حَيً لِيَا

فَالْيَوْمَ اُخْضَعُ لِلذَّلِيْلِ وَأَتَّقِيْ　　　ضَيْمِيْ، وَأُدْفَعُ ظَالِمِيْ بِرِدَائِيَا

''جس شخص نے احمد مرسل ﷺ کے روضۂ اطہر کی مٹی کی خوشبو سونگھ لی اب اُس کے بعد اُسے زندگی بھر کسی خوشبو کی ضرورت نہیں ہے۔ اے بادِ صبا! وہ کائنات کا بہترین انسان، جو زمین کے اندر نہاں ہے، اُن کی روح پُرفتوح حاضر ہے۔ اُن سے کہہ دے: کیا وہ میرے نالہ شیون کی آوازوں کو سن رہے ہیں۔

اے بابا جان! آپؐ کے بعد مجھ پر مصائب کے طوفان اس قدر آئے ہیں اگر دنوں پر آتے تو وہ تیرہ و تاریک راتوں میں بدل جاتے۔ خدایا! جب تک میں تیرے نبیؐ کی حمایت کے سائے میں تھی وہ میرے معاون و مددگار تھے۔ اُن دنوں مجھے کسی دشمن کی دشمنی اور کینہ توز کے کینہ سے کوئی خوف نہ تھا۔

لیکن اب آپؐ کے جانے کے بعد میرے حقوق غصب کیے گئے۔ اب میں سطحی لوگوں کے سامنے انکساری و عاجزی اپنائے ہوئے ہوں۔ مجھے اپنے دشمن سے خوف ہے، اور میں اپنے اُوپر ظلم کرنے والے کو اپنی چادر سے دفع کرتی ہوں۔

زینی دحلان نے اپنی کتاب ''السیرۃ النبویہ'' میں آپ کے یہ اشعار ذکر کیے ہیں:

اِغْبَرَّ آفَاقَ السَّمَاءُ وَكَوِّرَتْ   شَمْسُ النَّهَارِ وَأَظْلَمَ الْعَصْرَانِ

وَالْاَرْضُ مِنْ بَعْدَ النَّبِی كَئِيبَةٌ   أَسَفًا عَلَيْهِ كَثِيرَةُ الرَّجْفَانِ

فَلْيَبْكَهُ شَرْقُ الْبِلَادِ وَغَرْبِهَا   وَلْيَبْكَهُ مُضَرٌ وَكُلِّ يَمَانِ

وَلَيَبْكَهُ الطَّوْدُ الْمُعْظَمُ جَوَّهُ   وَالْبَيْتُ ذُو الْاَسْتَارِ وَالْاَرْكَانِ

يَاخَاتِمَ الرُّسُلِ الْمُبَارَكِ ضَوْؤُهُ   صَلَّى عَلَيْكَ مُنَزِّلُ الْقُرْآنِ

''جب رسول اللہ ﷺ کی رحلت ہوئی تو آسمان کو گرد و غبار نے ڈھانپ لیا۔ خورشید تیرہ و تار ہو کر رہ گیا۔ شب و روز نے سیاہی کا لبادہ اُوڑھ لیا۔ زمین آپؐ کی رحلت سے سوگوار ہوئی اور لرزنے لگی۔

اُن کے سوگ میں مشرق سے مغرب تک پوری کائنات گریہ و نالاں ہوئی۔ ہر قبیلے نے آپؐ کے فراق میں آنسو بہائے۔ اُن پہاڑوں نے اور اللہ کے گھر نے آپؐ پر گریہ کیا۔ جی ہاں! اے خاتم النبیینؐ! آپؐ کے نُور کا پَرتو پُر برکت ہے۔ قرآن نازل کرنے والی ہستی آپؐ پر

درود وسلام بھیجتی ہے"۔

اس کے بعد دختر پیغمبرؐ دامن کشاں صورت میں خانۂ اقدس تشریف لائیں اور اپنے والد گرامی پر رونا شروع کیا۔ آپؑ کے بارے میں کہا گیا ہے:

كَانَتْ سَلَامُ اللهِ عَلَيْهَا، مُعَصَّبَةُ الرَّاسِ، نَاحِلَةُ الْجِسْمِ مُنْهَدَّةُ الرُّكْنِ، بَاكِيَةُ الْعَيْنِ، مُحْتَرِقَةُ الْقَلْبِ، يُغْشٰى عَلَيْهَا سَاعَةً بَعْدَ سَاعَةٍ۔

"جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحلت فرمائی تو خاتونِ جنت حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام نے تعزیت کی۔ چادر اپنے سر مبارک پر باندھ لی۔ دن بہ دن آپؑ جسمانی طور پر کمزور ہونے لگی۔ پہلو کی شکستگی کی وجہ سے آپؑ کا قد وقامت جھکنے لگا۔ ہر وقت آپؑ کی آنکھیں اشک بار تھیں۔ ہر لحہ آپ غش میں چلی جاتی تھیں"۔

آپؑ اپنے دونوں شہزادوں سے فرماتی تھیں:

اَيْنَ اَبُوكُمَا الَّذِيْ يُكْرِمُكُمَا وَيَحْمِلُكُمَا مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ

"اے میرے شہزادو! تمہارے بابا کہاں گئے ہیں؟ جو تمہارا احترام کرتے تھے۔ کبھی تمہیں اپنے دوش پر اُٹھاتے تھے اور کبھی اپنی آغوش میں لے کر تم سے پیار کرتے تھے"۔

آپؑ فرماتی تھیں:

اَيْنَ اَبُوكُمَا الَّذِيْ كَانَ اَشَدُّ النَّاسِ شَفَقَةً عَلَيْكُمَا فَلَا يَدَعُكُمَا تَمْشِيَانِ عَلَى الْاَرْضِ

"کہاں ہیں تمہارے پدر گرامی جو تمام لوگوں میں سب سے زیادہ تم سے محبت کرتے تھے اور تمہیں زمین پر نہیں چلنے دیتے تھے۔ اے میرے شہزادو! اب تم اُنھیں کبھی دروازہ کھولتے ہوئے نہیں دیکھو گے اور نہ وہ تمہیں اپنے شانوں پر اُٹھائیں گے۔ وہ ہمیشہ تمہیں اپنے شانوں پر اُٹھاتے تھے"۔

اذانِ ناتمام

جس دن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحلت فرمائی اُس دن سے حضرت بلالؓ نے اذان دینا چھوڑ دی تھی۔ ایک دن حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام نے فرمایا: میں اپنے بابا کی اذان سننا چاہتی ہوں۔ مسجد نبوی میں اذان دی جائے، تاکہ

وہ اپنے بابا کی اذان سنیں۔

یہ خبر حضرت بلالؓ تک پہنچی۔ انہوں نے نبیؐ کی دختر کے احترام میں اذان دینا شروع کی۔ جونہی حضرت بلالؓ نے اللہ اکبر کی صدا بلند کی تو دختر نبیؐ کو امیر عدالت سیدالبشر کا وہ زمانہ یاد آ گیا، جب ہر طرف سعادت ہی سعادت تھی، زمین و زمن شکو وسکون سے معمور تھے۔ بہاروں نے ہر طرف ہریالی کا سماں باندھ رکھا تھا۔ معنوی باغ و بَن پھولوں اور ثمرات سے لبریز تھے۔ بتولؑ کا چمن آباد تھا۔ خوشیوں اور سعادتوں نے ان کے خانۂ صحن کو مزین کر رکھا تھا۔ آپؑ کی مبارک آنکھوں سے آنسو ساون کے بادل کی طرح برسنے لگے۔

جس وقت حضرت بلالؓ نے کہا: اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ۔

حضرت فاطمہ زہراؑ اپنے بابا کے نام کو سن کر برداشت نہ کر سکیں۔ غش کھا کر زمین پر آ رہیں۔ لوگ حضرت بلالؓ کی طرف دوڑے کہ وہ اذان روک دے کہ نبیؐ کی بیٹی کی روح پرواز کر گئی ہے۔

بلالؓ نے اذان دینا بند کر دی۔ ادھر حضرت زہراؑ کی غشی ختم ہوئی آپ اٹھ بیٹھیں۔ حضرت زہراؑ نے حضرت بلالؓ کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ حضرت بلالؓ سے کہیں کہ وہ اپنی اذان مکمل کرے۔ حضرت بلالؓ نے عرض کیا کہ میں نے اذان آپؑ کی جان کے خوف سے چھوڑ دی ہے۔ اب مجھے معاف کیجیے میں اذان نہیں دے سکتا۔

حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں: میں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیراہن میں غسل دیا تھا۔ ایک دفعہ اُن کی دختر نیک اختر نے مجھے فرمایا: مجھے اپنے بابا کے اُس پیراہن کے بارے میں بتایئے کہ جس میں آپؑ نے اُنھیں غسل دیا تھا وہ کہاں ہے؟ میں نے وہ پیراہن اُن کے حوالے کیا۔ اُنھوں نے اس پیراہن کو سونگھا تو غش کھا کر زمین پر گر گئیں۔ اس لیے میں نے وہ پیراہن اپنے پاس چھپا کر رکھ دیا۔۔۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: خاتونِ جنت اپنے بابا کی رحلت کے ۷۵ روز بعد اس دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ اس دوران کسی نے اُنھیں خوش نہیں دیکھا۔

خاتونِ جنت ہر ہفتہ میں دو روز سوموار اور جمعرات کو میدانِ اُحد میں آتیں، شہدا کی قبور پر جاتیں اور حضرت حمزہؓ کی قبر شریف پر آتیں تو وہاں گریہ فرماتیں۔

محمود بن لُبید سے روایت ہے کہ رحلتِ پیغمبرؐ کے بعد ایک دن حضرت فاطمہ علیہا السلام میدانِ اُحد تشریف لائیں۔ شہدا کی قبور پر آئیں۔ جب حضرت حمزہؓ کی قبر اطہر پر آئیں تو آپؑ نے شدت کے ساتھ گریہ فرمایا۔ میں اُن کے حضور پہنچا اور عرض کیا: اے دُخترِ رسولِ خدا! اب رونے سے بس کریں۔

جب اُنھوں نے گریہ بند کیا تو مَیں نے سلام کیا اور عرض کیا: خدا کی قسم! آپؑ کے گریہ سے میرا قلب پارہ پارہ ہوگیا ہے۔

آپؑ نے فرمایا: اے ابوعمر! مجھے ہی گریہ سزاوار ہے، کیونکہ کائنات کے تمام آباء سے بہتر و برتر باپ کو رخصت کیے بیٹھی ہوں۔ اس وقت میرا دل اپنے بابا کے دیدار کے شوق میں دھڑک رہا ہے۔ پھر آپؑ نے فرمایا:

اِذَا مَاتَ يَوْمًا مَيِّتٌ قَلَّ ذِكْرُهٗ

وَذِكْرُ اَبِي مُذْ مَاتَ وَاللهِ اَكْثَرُ

"جب کوئی اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو آہستہ آہستہ اس کا ذکر کم ہونے لگتا ہے لیکن جس دن سے میرے بابا (رسولؐ اللہ) اس دنیا سے رخصت ہوئے ہیں خدا کی قسم اُن کا ذکر بڑھتا چلا جا رہا ہے"۔ (بیت الاحزان، ص ۱۴۱)

جی ہاں! جو کچھ احادیث و تاریخ سے ملا ہے وہ یہی ہے۔ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام اپنے بابا کو دن رات روتی تھیں۔ جب لوگوں نے روکا تو آپؑ میدانِ اُحد کی طرف چلی جاتی تھیں اور وہاں جی بھر کر گریہ کرتی تھیں۔ جب آپؑ مریضہ ہوگئیں اور آپؑ میں میدانِ اُحد کی طرف جانے کی طاقت نہ رہی تو پھر آپؑ بیت الحزن اور جنت البقیع کی طرف چلی جاتیں اور وہاں گریہ فرماتیں۔

خاتونِ جنت تیز و تند ہواؤں کے تھپیڑوں میں

اے طالبِ حق و حقیقت! آپ کے ہمراہ ہم اپنی بحث کو جاری رکھتے ہوئے آخرکار اُس تاریخی و مذہبی حساس نکتے پر آپہنچے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ وہ جملے جو آئندہ صفحات میں بیان ہونے والے ہیں اُن کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ جب ان کلمات کا مطالعہ کیا جائے گا تو مطالعہ کے بعد کیا ردِعمل ہوگا؟

مَیں یہ بھی نہیں جانتا کہ قاری مجھ پر کس قسم کا حکم لگائے گا اور میری طرف کون سی تہمتوں کی نسبت دے گا۔ فرقہ پرستی کی تہمت؟ تفرقہ و انتشار کی تہمت؟ فتنہ پروری کی تہمت؟ یا کچھ اور تہمتیں؟ جنھیں میں صاحبانِ مطالعہ کے حضور پیش کرنے والا ہوں۔

اے قاریٔ عزیز! شاید کہ آپ ان حقائق کو پسند ہی نہ کریں اور ان حقائق کی طرف ظن، کذب اور اِفتراء کی نسبت دیں اور مجھ پر حکم لگائیں کہ مؤلف نے خواہشاتِ نفس کی اتباع میں اپنے قلم و لسان سے کام لیا ہے۔ اس کی باتوں

میں حقیقت نام کی کوئی شے نہیں ہے۔ بہر حال یہ باتیں مؤلف کے لیے کوئی اہمیت کی حامل نہیں ہیں۔ جو چیز اہم ہے وہ یہ ہے کہ میں آپ کے حضور شیعہ مصادر اور کتب امامیہ سے کوئی حدیث، کوئی تاریخی واقعہ پیش نہیں کروں گا، جن قضایا کا میں ذکر کرنے والا ہوں وہ اہلِ سنت والجماعت کی معتبر کتب سے لے کر آپ کے حضور پیش کرنے والا ہوں۔

اگر یہ حقائق صحیح اور صادق ہوں تو یہ ہے سعادت و نیک بختی ـــ اگر یہ واقعات صحیح اور حقیقت سے دُور ہیں تو پھر ان تمام قضایا کی مسئولیت اُن کے اسناد و مدارک پر اور اہلِ سنت والجماعت کے محدثین و مورخین پر ہوگی۔ مؤلف آزاد ہے۔ اُس پر کوئی ذمہ داری نہیں عائد ہوتی۔ دوسرے لفظوں میں، مَیں یہ کہوں گا: جو کچھ مَیں بیان کرنے والا ہوں یہ میرا گناہ نہیں ہے، یہ تاریخ کا گناہ ہے کہ جس نے ان واقعات کو اپنے دامن میں جگہ دی اور ان واقعات کا تذکرہ کیا ہے۔

اگر ان واقعات کا ثبوت اہلِ سنت کے متقدمین علماء اور دانشوروں کے ہاں نہ ہوتا تو وہ انھیں اپنے معتبر صحاح میں ذکر ہی نہ کرتے۔ اے قاریِٔ عزیز! اب مجھے اجازت دیجیے تاکہ میں اس عنوان کی آخری بات کروں اور اپنی اصل بحث میں داخل ہو جاؤں۔

منزلِ وحی پر یورش

آخری بات یہ ہے کہ میں آپ کے حضور اہلِ سنت کے اسناد و مدارک سے یہ تاریخی حقائق پیش کروں گا۔ کیا خوب ہے کہ آپ انھیں کتب کی طرف رجوع کریں اور اطمینان کی منزل پر جا پہنچیں۔

اس کتاب کی اس فصل کے مطالعہ کے بعد آپ آزاد ہیں۔ آپ کو اختیار حاصل ہے۔ آپ جو موقف بھی اپنائیں یہ سب کچھ آپ کے زندہ ضمیر و وجدان پر ہے اور اس کا دار و مدار اُس حق طلبی و حق پرستی پر ہے، جو آپ اپنے دل کی گہرائیوں میں پاتے ہیں۔

آپ ان حقائق کو اس ایمان کی اساس پر پرکھیں، جس ایمان کے ساتھ آپ نے قیامت کے دن اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔ ہمیشہ ایک حقیقت و واقعیت، ذاتی محبتوں، خود ساختہ میلانات اور تقالید پر فوقیت رکھتی ہے۔ حقیقت حقیقت ہوتی ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ایک مؤلف کی حیثیت سے مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ قلم و بیان آزاد نہیں ہیں۔ بیان و قلم کی آزادی و حریت پر پہرے لگے ہوئے ہیں۔ میرے لیے ممکن نہیں ہے کہ میں کتاب کے ان صفحات پر اُس دردناک داستان کو بیان کروں یا اُن تیز و تند طوفانوں کو قلم بند کروں کہ جن کا رُخ خاندانِ وحی کی طرف تھا۔

ابھی رحمۃ للعالمینؐ سیدالانبیاءؐ پیغمبر آخر و اعظم کی رحلت کو ایک ہفتہ نہیں گزرا تھا کہ زمین کے اُوپر آسمان کے نیچے ہر شخص آزاد تھا۔ ہر گروہ و جماعت، ہر خاندان و قبیلہ کو آزادی حاصل تھی۔ اگر آزادی سلب ہوئی تو صرف خاندانِ وحی کی، پابندیاں لگیں تو صرف نبیؐ کے گھرانے پر، مصائب و طوفان کی آندھیاں چلیں تو اہلِ بیتِ رسولؐ پر۔

جی ہاں! ہمارے دور میں صحافت کو آزادی حاصل ہے وہ جو لکھیں جو بیان کریں اس پر کوئی قدغن نہیں ہے۔ اس دنیا میں ہر ملک و حکومت میں اُن کے ہر شہری کو اپنے دفاع کا حق حاصل ہے۔ ہر آدمی کو فکر و رائے کے اظہار کی اجازت حاصل ہے۔ یہ کثیر آزادیاں اپنی مختلف انواع کے ساتھ موجود ہیں۔

لیکن آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مصائب کو بیان کرنا، اُن کے حقوق کے غصب کی بات کرنا اُن پر ہونے والی زیادتیوں پر قلم کاری کرنا ایسا گناہ ہے کہ جس کی معافی نہیں ہے۔

اب ان درج ذیل واقعات کو پڑھیے جو آلِ محمدؐ کو پیش آئے تاکہ حقیقت روشن ہو جائے۔ ریب و گمان کے بادل چھٹ جائیں اور فضا صاف ہو جائے۔

اُستاذ یگانہ عبدالفتاح عبدالمقصود نے اپنی کتاب "الامام علی بن ابی طالب" کے ص ۲۲۵ میں نقل کیا ہے کہ کچھ گروہ جوق حق و عدالت کے طرفدار تھے اُن میں سے کچھ ظاہر باہر اور کچھ خفیہ صورت میں ایک مقام پر جمع ہوئے اور اُنھوں نے لوگوں کو امیرالمومنین حضرت امام علی علیہ السلام کی طرف بلایا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اُمت کی رہبری و راہنمائی کے لیے وہ تمام لوگوں میں سے برترین اور شائستہ ترین ہیں۔ وہ سبھی لوگ حضرت امام علی علیہ السلام کے گھر کے دروازے پر جمع ہوئے اور اُن کا نام لے کر اُنھیں پکارا کہ وہ اپنے گھر سے باہر آئیں تاکہ وہ اُن کی غصب شدہ میراث اُنھیں واپس دلائیں۔

اس واقعہ پر مدینہ کے مسلمان دو حصوں میں بٹ گئے تھے۔ کچھ لوگوں نے حق و عدالت کے طرفداروں کا ساتھ دیا اور کچھ لوگوں نے مخالفت کی۔ اسلامی وحدت و جمعیت اِفتراق و اِنتشار کی صورت اختیار کرتی ہوئی نظر آنے لگی۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس صورتِ حال کا نتیجہ کیا نکلنے والا ہے؟

اس بیان کے ساتھ کیا ایک حزب کے سالار کی نظر میں ابن عبادہ کی طرح امام علی علیہ السلام کا قتل ضروری نہ تھا؟ تاکہ کوئی فتنہ باقی رہے اور نہ اسلامی جمعیت تقسیم ہو؟

یہ بات روشن ہے کہ اُس سالار کی اِفراط گری و تُند خوئی اور سختی بظاہر وحدتِ اسلام کے لیے سازگار تھی، لیکن لوگ اس مورد میں حقائق کی تلاش میں تھے اور اُن لوگوں نے اپنی عقل، اپنی آرزوؤں کے مطابق گفتگو بھی کی۔ آخرکار

اُن کے خیالات اور سوچ و بچار نے تدریجاً قطعی صورت اپنائی۔ اُن کا کوئی آدمی بھی اس سالار کے دل کی بات سے واقف نہ تھا۔ تمام لوگ اپنے اپنے اندازوں اور خیالوں کے مطابق چل رہے تھے۔ لیکن تمام لوگ اسی سالار کی سختیوں اور زیادتیوں کو اچھی طرح سے جانتے تھے۔ شاید ان لوگوں میں کسی نے اپنے دل میں خیال کیا ہو کہ جب اس سالار نے امام علی علیہ السلام پر جبر و اکراہ کیا تو ضرور امام علی علیہ السلام اپنا دفاع کریں گے۔ اگر اس سالار نے ایسا کیا تو پھر اس کی عدالت جاتی رہے گی۔ آخرکار اس دن اس سالار کے اس اقدام پر افواہوں نے سبقت اختیار کی۔ وہ اپنے معاونین سمیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دختر فرزانہ کے خانۂ اقدس کی طرف آیا۔ وہ اس خیال میں تھا کہ وہ ہر صورت میں امیر المومنین امام علی علیہ السلام سے وہ امر تسلیم کرا کر رہے گا جس سے وہ انکار کر چکے ہیں، چاہے جو کچھ بھی ہو جائے۔

بعض لوگوں کا خیال تھا کہ مسلمانوں کی وحدت کے لیے اور اپنے مطلوب کے لیے آگ ہی کافی ہے۔ نبیؐ کی بیٹی کے گھر کو جلا کر راکھ کر دیا جائے۔ ہر ہر آدمی اپنی بات کر رہا تھا۔ کیا لوگوں کی زبانیں بند تھیں یا ان کی زبانوں پر تالے لگا دیئے گئے تھے کہ وہ سالار کے اُس حکم کی تشہیر نہ کریں کہ ابھی جس نے حکم دیا ہے کہ ایندھن اکٹھا کرو اور حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے خانۂ اقدس کے اردگرد رکھ دو۔ اُس کے حکم پر اس کے ساتھیوں نے لکڑیاں جمع کر دی تھیں، کیونکہ اس گھر میں حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام اور حضرت علی علیہ السلام اور صحابہ کرام رضوان اللہ کی ایک جماعت بھی تھی۔ اُنھوں نے کہہ دیا اگر وہ باہر نہیں نکلیں گے اور حکومت کو تسلیم نہیں کریں گے تو گھر کو آگ لگا دی جائے گی۔ اُن کا یہ خیال تھا کہ وہ ان دھمکیوں سے متاثر ہو کر اُنھیں تسلیم کر لیں گے یا پھر وہ مقابلہ کریں گے۔ اگر اُنھوں نے مقابلہ کیا تو اُنھیں ختم کر دیا جائے گا۔ آخرکار اُنھوں نے اپنے بنے بنائے منصوبے کے مطابق اس طرح یورش کی اور اپنے اس عمل میں اس طرح تیزی دکھائی جیسے جھاگ موج آب پر رواں دواں ہوتا ہے یا اُنھوں نے اس سے بھی زیادہ پھرتی اور سرعت دکھائی۔

وہ سالار سب سے آگے تھا اور اُس کے معاونین اس کے ہمراہ تھے۔ آتے ہی اُس نے بھرپور تیزی و تندی کے ساتھ اپنے حملے کا آغاز کیا کہ اچانک شبیہ چہرہ پیغمبرؐ جس پر رنج و غم کے آثار آشکار تھے۔ قطرات اشک اُن کی مبارک آنکھوں میں درخشاں تھے اور وہ اپنی پیشانی کو شدید درد کی وجہ سے باندھے ہوئے اپنے دروازے پر نمودار ہوئیں۔

جونہی حکومتی گروہ کے سالار کی اُن پر نظر پڑی تو وہ اُن کے خوف سے ٹھٹھک کر رہ گیا۔ دفعتاً اس کے آتشیں حملہ کے بھڑکتے ہوئے شعلے بیٹھنے لگے۔ جب اس کے ساتھیوں نے اپنے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کو دیکھا تو وہ بھی مبہوت ہو کر رہ گئے۔ احساسِ شرمندگی نے اُن کے سروں کو جھکا دیا اور اپنی آنکھوں کو بند کر لیا اور اپنے اندرونی

اہداف پر پشیمان ہو کر رہ گئے۔ اور انھوں نے پیغمبر اکرم ﷺ کی دختر فرزانہ کو غم و اندوہ میں ڈوبا ہوا پایا کیونکر وہ سایہ کے مانند چل رہی تھیں اور وہ اپنے والد مہربان کی آرام گاہ کے قریب ہو رہی تھیں۔ ابھی آپؑ اپنے بابا کی قبر سے چند قدموں کے فاصلہ پر تھیں کہ آپ نے اپنی اندوہ بار و جاں سوز اور روشن گر اور نحیف و نزار آواز کے ساتھ کہا:

یَا اَبَتَاهُ رَسُوْلَ اللّٰهِ..... یَا اَبَتَاهُ رَسُوْلَ اللّٰهِ!

"اے بابا رسولؐ اللہ! اے بابا رسولؐ اللہ!"

اس دردناک آواز سے اس گروہ کے پاؤں تلے زمین لرز کر رہ گئی۔ اس وقت دختر یگانہ پیغمبرؐ اپنے بابا رسولؐ اللہ کی آرام گاہ کے بالکل قریب آ کر اس غائب سے جو ایک حاضر کے مانند تھے اور وہ جو اس گروہ کو دیکھ رہے تھے اُن سے اپنے لیے نصرت طلب کی اور عرض کیا:

یَا اَبَتَاهُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَاذَا لَقِیْنَا بَعْدَكَ مِنْ اِبْنِ.....

"اے بابا جان! اے اللہ کے رسولؐ! ہم آپؐ کی رحلت کے بعد فلاں فلاں کا اپنے ساتھ یہ کون سا رویہ اور سلوک دیکھ رہے ہیں؟"

رسول اللہ ﷺ کی دختر فرزانہ کی ان باتوں سے اس گروہ کے شرکا کے قلوب محزون و اندوہ کی تیز و تند موجوں سے ریزہ ریزہ ہو کر رہ گئے۔ ان کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے۔ جو لوگ وہاں موجود تھے انھوں نے موت کی آرزو کی اور کہنے لگے: زمین پھٹ پڑے اور وہ زمین میں غائب ہو جائیں۔

ہم نے یہ جملات معاصر اُستاذ عبدالفتاح الکاتب مصری کی کتاب سے حاصل کیے ہیں۔ بہرحال جن متقدمین، مورخین اور محدثین نے اس موضوع پر قلم اُٹھایا ہے اُن میں سے چند کا یہاں ذکر کرتے ہیں:

① ان تین کتب "عقد الفرید، تاریخ ابوالفداء، أعلام النساء" میں اس موضوع پر یوں گفتگو موجود ہے۔ "صاحب" نے اپنے گروہ کے سالار کو امیر المومنین حضرت امام علی علیہ السلام کے خانۂ اقدس کی طرف بھیجا اور کہا: اگر وہ حکم کی تعمیل نہ کریں تو پھر اُن سے جنگ لازمی ہے۔

اُس سالار نے آگ کا شعلہ اُٹھایا تا کہ وہ خاندانِ وحی کے خانۂ اقدس کو جلا دے۔ اس گیر و دار میں رسولؐ اللہ کی دختر فرزانہ حضرت فاطمہ علیہا السلام اچانک اس کے سامنے نمودار ہوئیں۔ انھوں نے فرمایا: ہاں! اے سالار! کیا تو اس لیے آیا ہے، تا کہ ہمارے گھر کو جلا ڈالے؟

سالار نے جواب دیا: ہاں! جس اَمر کے سامنے اُمت سرنگوں ہو چکی ہے، تم بھی اُسے تسلیم کر لو۔ جسے ہم نے اپنا امیر

چن لیا ہے تم سب لوگ اس کی بیعت کرو۔ (عقد الفرید: ج ۲، ص ۲۵۵، تاریخ ابوالفداء: ج ۱، ص ۱۵۶، أعلام النساء: ج ۳، ص ۲۰۷)

۲ تاریخ طبری، الامامت والسیاست، شرح ابن ابی الحدید میں اس موضوع پر یوں بحث کی گئی ہے کہ اُس سالار نے حضرت امام علی علیہ السلام کے خانۂ اقدس کو محاصرے میں لے کر آواز بلند کی: خدا کی قسم! میں اس گھر کو آگ سے جلا دوں گا یا وہ لوگ جو اس گھر میں ہیں وہ گھر سے باہر آئیں اور اُن کے امیر کی بیعت کریں۔

یا اُس نے غضب ناک ہو کر آواز بلند کی کہ تم سبھی لوگ اس گھر سے باہر آ کر اُس کے امیر کی بیعت کرو ورنہ جو لوگ گھر کے اندر ہیں سبھی کو جلا دوں گا۔ اُسے کسی نے کہا کہ نبیؐ کی دختر فرزانہ اس گھر کے اندر ہیں۔

اُس نے جواب دیا: تو پھر کیا ہے ہمیں کسی کی پرواہ نہیں ہے۔ (تاریخ طبری: ج ۳، ص ۹۸، الامامت والسیاست، ج ۱، ص ۱۳، شرح ابن ابی الحدید: ج ۱، ص ۱۳۲)

۳ کتاب "الامامت والسیاست" کے مولف نے امام علی علیہ السلام کی بیعت کے واقعے کو اس طرح بیان کیا ہے۔
جب امیر نے کچھ لوگوں کو اپنی بیعت پر انکاری پایا اور وہ لوگ امام علی علیہ السلام کے خانۂ اقدس میں تھے اُس نے حکم دیا کہ انھیں بیعت کے لیے اس کے پاس لے آیئے۔ سالار فوراً امام علی علیہ السلام کے خانۂ اقدس پر پہنچا۔ اُس نے اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ وہ لکڑیاں جمع کریں اور اُس نے آواز بلند کی۔ اُس خدا کی قسم کہ جس کے قبضۂ قدرت میں "سالار" کی جان ہے سبھی لوگ گھر سے باہر آ جائیں یا میں پھر گھر کے اندر تمام لوگوں کو جلا کر رکھ دوں گا۔

کسی نے سالار سے کہا: اس گھر میں رسول اللہؐ کی دختر فرزانہ بھی ہیں؟

اُس نے کہا: کوئی بات نہیں! ہونے دو!

آخرکار وہ لوگ جو امام علی علیہ السلام کے خانۂ اقدس میں تھے وہ باہر آئے۔ انھوں نے "امیر" کی بیعت کی، لیکن امام علی علیہ السلام نے اُن سے فرمایا:

حَلَفْتُ اَنْ لَا اَخْرُجَ وَ اَضَعَ ثَوْبِی عَلٰی عَاتِقِی حَتّٰی اَجْمَعَ الْقُرْآنَ

"میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ میں جب تک قرآنِ مجید کو جمع نہیں کرلوں گا گھر سے باہر آؤں گا اور نہ عبا اپنے کندھوں پر رکھوں گا"۔

اسی دوران رسول اللہؐ کی دختر فرزانہ اپنے گھر کے دروازہ پر تشریف لائیں اور اس گروہ سے فرمایا: میں نے آج تک تم جیسا شدید ترین اور پتھر دل گروہ نہیں دیکھا۔ پیغمبر گرانقدر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت ہوئی تو تم لوگ ان کا جنازہ

ہمارے ہاں چھوڑ چھاڑ کر اپنی حکومت بنانے کے لیے چل پڑے، جو اس حکومت کے حقیقی وارث تھے۔ اُن کے اِذن کے بغیر دوسروں سے مشورہ کرنے لگے اور تم نے ہمارا حق ہی واپس نہ کیا؟

④ محمد حافظ ابراہیم (شاعر نیل) نے اپنے مشہور قصیدہ میں کہا تھا کہ اس کے چند اشعار یہاں پیش کرتے ہیں:

وَقَوْلَةٌ لِعَلِيٍّ قَالَهَا عُمَرُ　　　أَكْرِمْ بِسَامِعِهَا أَعْظِمْ مُلْقِيَهَا

حَرَّقْتُ دَارَكَ لَا أُبْقِي عَلَيْكَ بِهَا　　　إِنْ لَمْ تُبَايِعْ وَبِنْتُ الْمُصْطَفٰى فِيهَا

مَا كَانَ أَبُو حَفْصٍ يَقُولُهَا　　　أَمَامَ فَارِسِ عَدْنَانٍ وَحَامِيهَا

"اُس دن عمرؓ نے جو بات امام علیہ السلام سے کہی اس کے سننے والے کا اِکرام کر اور اُس کے کہنے والے کو بزرگ شمار کر۔ وہ بات یہ تھی: اگر آپ نے اس کے امیر کی بیعت نہ کی تو اس کے گھر کو جلا دوں گا اور گھر کے اندر جو کوئی ہے کسی کو نہیں چھوڑوں گا۔ اگرچہ پیغمبرؐ کی بیٹی بھی اس گھر میں ہے۔ کیا سالار کے سوا کس میں یہ جرأت و جسارت تھی کہ وہ خاندانِ عدنان کے بہادر اور اُن کے معاونین کے سامنے ایسی بات کرے"۔

⑤ مصطفیٰ لک دمیاطی اس قصیدہ کی تشریح میں لکھتے ہیں: ابن جریر طبری نے روایت کی ہے کہ ہمیں جریر نے کہا: اُس نے مغیرہ سے، مغیرہ نے زیاد بن کلیب سے سنا، اُس نے کہا کہ سالار نے امام علی علیہ السلام کے خانۂ اقدس کا رُخ کیا۔ اُس وقت امام علی علیہ السلام کے خانۂ اقدس میں حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور دوسرے مہاجرین بھی تھے۔ اُس نے دھمکی دیتے ہوئے کہا: میں تم سب کو جلا کر رکھ دوں گا یا پھر تم گھر سے باہر آؤ اور بیعت کرو۔ حضرت زبیر اپنی تلوار ننگی کر کے اُن کی طرف چلے لیکن اچانک اس گیرودار میں اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔ سالار کے ساتھیوں نے اُسے فوراً گرفتار کر لیا۔

⑥ علامہ الشہرستانی ① نے "نظام" سے سنا، اُس نے کہا کہ "سالار" نے بیعت کے دن دُخترِ فرزانہ رسول اللہ کے بطنِ اقدس پر ضرب ماری کہ اُن کے جنین "محسن" کا سقط ہوا اور وہ اس وقت چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا: فاطمہ زہراؑ کے گھر کو اور جو لوگ اُن کے گھر کے اندر موجود ہیں جلا دو"۔ حالانکہ اُن کے گھر میں امام علیؑ، حضرت فاطمہؑ اور حسنینِ شریفینؑ کے علاوہ کوئی نہ تھا۔ (الملل والنحل، الباب الاول، الفرقۃ النظامیہ، ص ۸۳)

---

① وہ امام فقیہہ محمد بن عبدالکریم الشہرستانی ہیں۔ وہ شافعی تھے، ان کا تعلق چھٹی ہجری کے علماء میں سے ہے۔ اُن کی کتابیں کثرت کے ساتھ ہیں۔ آپ کی مشہور کتاب "الملل والنحل" ہے۔ یہ کتاب کئی مرتبہ مصر، لبنان، عراق وغیرہ میں طبع ہوئی۔

⑦ البلاذری نے اپنی کتاب "انساب الاشراف" ج۱،ص ۴۰۴ میں اور الصفدی الشافعی نے اپنی کتاب "الوافی بالوفیات"، ج۵،ص ۳۴۷، ابن حجر عسقلانی نے "لسان المیزان" ج۱،ص ۲۶۸ میں حافظ الذہبی نے "میزان الاعتدال" ج۱،ص ۱۳۹ میں اس واقعہ کو علامہ شہرستانی کی طرح نقل کیا ہے۔

⑧ ابن جذابہ یا ابن خرذاذبہ نے روایت کی ہے کہ میں نے زید بن اسلم سے سنا: میں اُن لوگوں میں سے تھا جو لوگ "سالار" کے ساتھ لکڑیاں اُٹھا کر دختر رسولؐ کے خانۂ اقدس پر جمع تھے۔ "سالار" نے حضرت فاطمہ ؑ سے کہا: جو لوگ تیرے گھر میں ہیں اُنھیں باہر لے آ، ورنہ میں گھر کو اور جو اُس کے اندر ہیں جلا کر رکھ دوں گا، حالانکہ ہم سب جانتے تھے کہ گھر میں امام علیؑ، حضرت فاطمہؑ، حسنین شریفینؑ اور صحابہ کرام کی ایک جماعت موجود ہے۔

حضرت فاطمہ ؑ نے "سالار" سے کہا کہ گھر میں امام علیؑ، مَیں خود اور میرے دونوں فرزند حسنین شریفینؑ موجود ہیں کیا تو اُنھیں جلا دے گا؟

سالار نے جواب دیا: خدا کی قسم! جی ہاں! یہ سب لوگ باہر آئیں اور اُس کے امیر کی بیعت کریں۔ (انساب الاشراف: ج۱،ص ۴۰۴، لسان المیزان: ص ۲۶۸، میزان الاعتدال: ج۱،ص ۱۳۹)

ابھی جو کچھ میں نے بیان کیا ہے یہ سب میں نے اہلِ سنت والجماعت کی معتبر کتب سے حاصل کیا ہے۔ ممکن ہے کہ بعض محققین ان مصادر سے زیادہ مصادر بھی حاصل کر سکتے ہیں۔

ان تاریخی حقائق و نصوص کے بیان کے بعد جو نکات ہم پر روشن ہوئے ہیں وہ یہ ہیں:

رسولِ اسلام ﷺ کی رحلت کے بعد لوگوں نے اُن کی اہلِ بیتؑ کے ساتھ جو سلوک کیا وہ نہایت ہی دردناک، جاں سوز اور افسوس ناک ہے۔ ان لوگوں نے رسولؐ اللہ کی دختر فرزانہ کی حرمت کا پاس کیا اور نہ ان کے خانۂ اقدس کا حیا کیا۔ جس خانۂ اقدس میں جب رسولؐ اسلام داخل ہونا چاہتے تو آپؐ اپنی بیٹی سے اجازت لیتے تھے۔ نہ ان لوگوں نے اُن کے شوہر نامدار امام علی علیہ السلام کی عزت و عظمت کا لحاظ کیا اور نہ اُن کے شہزادوں حسنین شریفینؑ کی کرامت و منزلت کا خیال کیا اور نہ ان لوگوں نے خود رسولِ عالمین ﷺ کی حرمت کو مدِ نظر رکھا کہ وہ جس گھر پر حملہ آور ہیں وہ گھر کس کا ہے اور اس گھر کا مقام کیا ہے؟

ان نصوص سے ہمیں علم ہوا کہ "سالار" حضرت فاطمہ زہرا ؑ کے خانۂ اقدس پر اپنے گروہ کے ہمراہ اس لیے آیا کہ وہ امام علی علیہ السلام کو گھر سے نکال کر بیعت کے لیے اپنے امیر کے پاس لے جائے۔ ان نصوص کے ذریعے ہم نے یہ بھی سنا کہ وہ اس گھر کو گھر والوں سمیت جلا کر رکھ دے گا۔ حالانکہ اُنھیں معلوم تھا کہ اس گھر میں رسول اللہ ﷺ

کے اہلِ بیتؑ ہیں۔

جی ہاں! سیدہ نساء العالمین حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ وہ اپنی زندگی میں ایسا دن بھی دیکھیں گی اور وہ اس قدر درد و مصائب کا سامنا کریں گی۔

اس حقیقت سے انکار نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیٹی حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کو اُن کی زندگی میں پیش آنے والے تمام حوادثات اِجمالاً یا تفصیلاً بتا دیے تھے لیکن سماعت اور چیز ہے اور رُؤیت اور چیز ہے۔

شُنیدہ کَے بود مانند دیدہ ۔۔۔ "مصیبت کا اثر اُس کے سماع اور رُؤیت سے مختلف ہوتا ہے"۔

اگرچہ حضرت سیّدہ زہرا سلام اللہ علیہا نے اپنے والد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا تھا کہ اُن کی رحلت کے بعد حالات پلٹا کھائیں گے اور اُن کی رحلت کے فوراً بعد حاسدین کا حسد شعلہ وَر ہوگا۔ حضرت سیّدہ طاہرہؑ نے اپنے بابا کی رحلت کے فوراً بعد اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا کہ لوگوں نے اُن کے خانۂ اقدس کا گھیراؤ کرلیا تا کہ اُن کے شوہر نامدار کو اُن کے گھر سے باہر نکالیں، حالانکہ اِس گروہ کا ہر فرد جانتا تھا کہ یہ گھر کوئی معمولی گھر نہیں ہے۔ خود رحمتِ عالمؐ جب اس گھر کے دروازے پر تشریف لاتے تھے تو اپنی بیٹی سے اجازت لیتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی اتنی بڑی مصیبت پر کس طرح خاموش رہ سکتی تھیں اور آنکھیں بند کر کے بیٹھ سکتی تھیں۔ آخر وہ کون سا گھرانہ ہے کہ وہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں کہ ایک گروہ نے اُن کے گھرانہ کے حریم پر یورش کردی ہو اور اُن کے خانوادہ کے سربراہ کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہوں اور وہ لب کشائی نہ کریں۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ جب ایک گھرانے کو خوف و اضطراب اپنی لپیٹ میں لے لے اور اُس کے سکون و چین کو چھین لے۔ اُمن و امان کو خطرات سے ہمکنار کردے، خوف و ہراس سے ان کے بچوں کی چیخیں بلند ہوں تو اُن پر جو گزر رہی ہوتی ہے وہ خود جانتے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کے دروازے پر ہجوم تھا۔ گھیراؤ اور جلاؤ کا ماحول تھا۔ وہ اپنے گھر کے دروازے کے پیچھے کھڑی تھیں۔ آپؑ کے سرِ اقدس پر چادر تھی۔ جب اس گروہ نے آپؑ کے خانۂ اقدس کے حریم پر یورش کردی تو آپؑ نے اپنے دروازے کے پیچھے دیوار کے ساتھ کھڑے ہو کر پناہ لینے کی کوشش کی کہ گھر میں داخل ہونے والے مردوں کی نگاہیں اُن پر نہ پڑیں۔ اس وقت چھے ماہ کا بچہ آپؑ کے شکمِ اقدس میں تھا۔ ان حملہ آوروں نے دروازے کو اس قدر دیوار کی طرف دھکا دیا کہ شدتِ درد و رنج سے آپؑ کی فریاد بلند ہوئی اور حضرت محسن شہید ہوگئے، کیونکہ سیّدہؑ دَر و دیوار میں پھنس کر رہ گئی تھیں۔ اس فشار سے آپؑ کا جنین سقط ہو کر رہ گیا تھا۔

اے قاریٔ عزیز! جب رسولؐ اللہ کی دخترِ فرزانہ درو دیوار کے درمیان پھنس کر رہ گئی تھی اِس فشار سے آپؑ کا محسن شہید ہو گیا تھا اور دروازے میں پیوست میخ جس کا نوک والا حصّہ بڑھا ہوا تھا وہ بھی نبیؐ کی بیٹی کے جسمِ اُطہر میں پیوست ہو کر رہ گئی تھی۔ درد کی ٹیسیں تھیں جو اُن کے جسم میں اُٹھ رہی تھیں۔

اے قاریٔ عزیز! ان کے بارے میں مت پوچھو اور اس بارے میں کوئی بات نہ کرو۔ اِدھر آپؑ کے خانۂ اقدس میں ہجوم داخل ہو چکا تھا۔ اُنھوں نے آپؑ کے شوہرِ نامدار کو گرفتار کر لیا تھا۔ اُن کی کوشش تھی کہ وہ امام علی علیہ السلام کو باہر لے جائیں۔ اِدھر خاتونِ جنت سیّدہ نساء العالمینؑ شدید درد میں مبتلا تھیں۔ اُدھر اُن کی نگاہیں جناب امیر علیہ السلام کے مصائب پر تھیں۔ آپؑ نے اپنی تکلیف کے باوجود اپنے "جنین" کو زمین پر رکھا، اپنے شوہر کے دفاع کے لیے جرأت و بہادری کے ساتھ ہجوم کی طرف بڑھیں اور اِس جبر واستبداد کے سامنے جرأت مندانہ مقاومت کا مظاہرہ فرمایا لیکن اس ہجوم نے رسولؐ اللہ کی عزیزہ و حبیبہ کا کوئی حیا نہ کیا۔ اُن سے جو جور و استبداد ہو سکا وہ کر گزرے۔ حبیبۂ رسولؐ اللہ پہلے دَرونی درد میں مبتلا تھیں۔ اب بیرونی طور پر بھی زخمی ہو گئی تھیں۔ فرزندانِ حریت کی اس ملکوتی ماں پر اپنے خانۂ اقدس میں ڈھائے جانے والے مظالم پر خود ان کی اولاد ناظر اور شاہد تھی۔

ان واقعات کی منظر کشی حضرت امام حسنؑ نے امیرِ شام کی مجلس میں فرمائی تھی۔ آپؑ نے مغیرہ بن شعبہ سے فرمایا:

أَنْتَ ضَرَبْتَ فَاطِمَةَ بِنْتَ رَسُوْلِ اللهِ حَتّٰى اَدْمَيْتَهَا وَاَلْقَتْ مَا فِيْ بَطْنِهَا ۔۔۔

"تُو تو وہ ہے کہ تُو نے رسولؐ اللہ کی دخترِ گرامایہ کو مارا تھا اور اُن کے پیکرِ نازنین کو اُن کے خون سے رنگین کیا تھا۔ اس وجہ سے اُن کے بطنِ اَقدس میں جو فرزند ارجمند تھا وہ سقط ہو گیا تھا۔ تیرے اِس اندیشۂ شوم میں تھا کہ اس جنایت و خشونت سے تو پیغمبرؐ اسلام کی تحقیر و توہین کرے اور اُن کے عظیم الشان فرمان کی ہتک کرے، کیونکہ پیغمبرؐ اسلام نے اپنی دخترِ گرامایہ کی شان میں فرمایا تھا:

اَنْتِ سَيِّدَةُ نِسَاءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ

"آپؑ جنت کی تمام خواتین کی سیّدہ و سالار ہیں"۔

اے مغیرہ! ہوش کے ناخن لے، تیرا انجام جہنم کے بلند و بالا شعلے ہیں۔ (احتجاج طبرسی: ج ۱، ص ۴۱۲، بحارالانوار: ج ۴۳، ص ۱۹۷، سفینۃ البحار: ص ۳۳۹)

جناب سلیم بن قیس نے اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے: حضرت امام علی علیہ السلام کے دروازے پر "سالار" آیا اور

اُس نے دروازے کو کھٹکھٹایا اور بلند آواز سے کہا: ابن ابی طالب! دروازہ کھولو۔

حضرت فاطمہ زہراؑ نے دروازے کے قریب جا کر فرمایا: ہمارا تجھ سے کیا واسطہ؟ تو ہمیں اپنے حال پر کیوں نہیں رہنے دیتا؟

اُس نے کہا: گھر کا دروازہ کھولو ورنہ تم سب کو جلا کر رکھ دوں گا۔

رسولؐ اللہ کی دختر حضرت سیدہ زہراؑ نے فرمایا: ارے! خدا سے ڈر، تو ہمارے دروازے پر ہجوم لے آیا ہے اور ہماری اجازت کے بغیر ہمارے گھر میں داخل ہونا چاہتا ہے؟

اس نے خاتونِ جنت کے دروازے سے جانے سے انکار کر دیا اور اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ آگ لائی جائے۔ اُس نے دروازے کو آگ لگا دی۔ جب دروازہ جل گیا تو اس نے دروازے کو دھکا دیا۔ رسولؐ عالمین کی دختر اس ہجوم کے سامنے آئیں اور فریاد بلند کی: یَا اَبَتَاہُ یَا رَسُوْلَ اللہ!

"ثانی" نے اپنی تلوار جو نیام میں تھی اُسے بلند کیا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دختر فرزانہ کے پہلو میں دے ماری۔ اِدھر بتولِ معظمہ کی فریادیں بلند ہوئیں۔ پھر اس ثانی نے تازیانہ لے کر خاتونِ جنت کے بازو پر مارنا شروع کر دیا۔ اِدھر رسولؐ اللہ کی بیٹی کو تازیانے لگ رہے تھے اُدھر بی بیؑ درد سے آہ و فغاں بلند کر رہی تھیں:

یَا اَبَتَاہُ لَبِئْسَ مَا خَلَفَكَ.....

"بابا! تیری رحلت کے بعد ان دونوں نے میرے ساتھ کیسا سلوک کیا ہے؟"

اِدھر جب امیر المومنین حضرت امام علی علیہ السلام نے "سالار" کے اِس سلوک کو دیکھا تو آپؑ غضب ناک ہوئے۔ بڑی تیزی کے ساتھ اُس پر جھپٹے۔ اُسے اس کے کمربند سے پکڑ کر زمین پر دے مارا۔ اس کی ناک کو رگڑ دیا۔ آپؑ نے چاہا کہ اُسے قتل کر ڈالے کہ آپؑ کو رسولؐ اللہ کا عہد و پیمان یاد آ گیا کہ اے علیؑ! درپیش مصائب پر صبر کرنا۔ آپؑ نے سالار کو چھوڑ دیا اور فرمایا:

اے پسرِ فلان! اگر اللہ کی کتاب کا فیصلہ نہ ہوتا اور رسولؐ اللہ کی وصیت نہ ہوتی تجھے پتا چل جاتا کہ تو کیسے میرے گھر میں داخل ہوا ہے؟ تجھے کیسے جرأت ہوئی کہ میرے گھر میں داخل ہو اور میرے گھر والوں کے ساتھ ایسا سلوک کرے۔

اُس نے اپنے ہمراہیوں کو آواز دی کہ فوراً اس کی مدد کو پہنچیں۔ لوگوں کا ایک ہجوم بتولِ معظمہ کے گھر داخل ہوا اور اسلام کے عظیم مجاہد و مبارز کو اپنے محاصرے میں لے لیا۔ تندی اور دُرشتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُن کے گلے میں

رسی ڈال کر اُنھیں گرفتار کرنے کی کوشش کی تاکہ مسجد میں لے جائیں اور اُنھیں بیعت پر مجبور کریں، لیکن اس دوران پیغمبرؐ کی بیٹی اس ہجوم کے سامنے سینہ سپر رہیں اور اپنے شوہر اور خلیفہ رسولؐ اللہ کا مکمل دفاع کرتی رہیں۔ اس دوران قنفذ نے آپؑ پر تازیانے برسانے شروع کر دیے۔ یہ وہ ضربات تھیں جو بعد میں آپؑ کی شہادت کا سبب بنیں، کیونکہ ان تازیانوں کی ضربات سے آپؑ کے بازو اور پہلو زخمی ہو کر رہ گئے تھے۔

آپؑ کا محسنؑ شہید ہوا۔ اس واقعہ نے آپؑ کو صاحبِ فراش کر دیا۔ آخر ان زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے شہادت کی منزل پر پہنچیں اور اس دنیا سے رخصت ہو گئیں۔

صاحبِ ارشاد القلوب نے اپنی کتاب میں اس واقعہ کو یوں نقل کیا ہے:

حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام خود بیان فرماتی ہیں کہ ان لوگوں نے میرے دروازے پر لکڑیاں جمع کیں اور ان لکڑیوں کو آگ لگا دی، تاکہ ہم اس آگ سے جل جائیں۔ میں اپنے گھر کے دروازے کے قریب کھڑی تھی اور میں اُنھیں خدا اور اُس کے رسولؐ کے واسطے دے رہی تھی کہ وہ ہمارے ساتھ یہ ستم و عداوت پر مبنی سلوک نہ کریں۔ اُس وقت سالار نے قنفذ سے تازیانہ لیا اور میرے بازو اور پہلو پر تازیانے مارنے شروع کر دیئے کہ میرا پہلو زخمی ہو گیا۔ اس وقت میں اپنے فرزند محسنؑ کے حمل کے ساتھ تھی۔ میں دَر و دیوار کے درمیان پھنس کر رہ گئی تھی۔ میں اس دوران زمین پر گری۔ اس وقت میرے گھر کے دروازے سے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ پھر اُس نے میرے سر اور منہ پر اس قدر طمانچے مارے کہ میرے کانوں سے گوشوارے دُور جا پڑے۔ آخر کار میرا محسن شہید ہو گیا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

وَكَانَ سَبَبُ وَفَاتِهَا اَنَّ قُنْفُذًا مَوْلٰی .... لَكَزَهَا بِنَعْلِ السَّيْفِ بِاَمْرِهٖ فَاَسْقَطَتْ مُحْسِنًا وَمَرِضَتْ مِنْ ذٰلِكَ مَرَضًا شَدِيْدًا۔

"حضرت فاطمہ زہراؑ کے مرض کا سبب یہ تھا کہ قنفذ نے اپنے آقا کے حکم سے تلوار کی لوہے کی نیام دُخترِ پیغمبرؐ کے جسمِ نازنین پر اس طرح ماری کہ جنابِ محسن شہید ہو گئے اور آپؑ صاحبِ فراش ہو کر رہ گئیں اور اِن ضربات کے اثر سے شہادت پا کر اس دنیا سے رخصت ہو گئیں"۔

مذکورہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس ضربت سے حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کا جنین سقط ہوا وہ تازیانوں کی ضربات سے یا تلوار کی فولادی نیام سے۔ اِن ضربات نے جہاں سیّدۂ کائنات کو زخمی کیا تھا وہاں حضرت محسنؑ کو بھی منزلِ شہادت پر پہنچا دیا تھا۔

شعراء اور مصیبت آلِ محمدؐ

جب درد دل رکھنے والے شعراء نے آلِ محمدؐ کی اس مصیبت کو سنا یا پڑھا تو اس سے متاثر ہوکر اس دردناک واقعہ کو اپنے اشعار میں بیان کیا۔ اُن میں سے ایک شاعر نے اِس واقعہ کو یوں نظم کیا ہے ؎

فاسقطت بنتُ الهدیٰ واحزنا　　جنینها ذاك المسمّیٰ مُحسنًا

"اے اندوہ و دردا کہ دُختر فرزانہ ہدایت سے اُن کا فرزند "محسن" سقط ہوگیا"۔

ایک دوسرے شاعر نے کہا:

وَالدَّاخِلِيْنَ عَلَى الْبَتُوْلَةِ بَيْتَهَا　　وَالْمُسْقِطِيْنَ لَهَا اَعَزَّ جَنِيْنِ

"تجاوز کاروں نے حبیبۂ پیغمبرؐ کے خانۂ اقدس پر یورش کردی اور انھوں نے اپنی اس جنایت سے عزیز ترین جنین کو سقط کر دیا۔ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ اور تاریخ انسانی کو کیا جواب دیں گے؟"

ایک اور شاعر نے اپنا درد اس صورت میں نظم کیا ؎

أَوْ تدری ما صدر فاطم ما المسبا　　وما حال ضلعها المکسور

مَا سُقُوْطُ الْجَنِيْنِ؟ مَا حُمْرَةُ　　العَيْنِ وَمَا بَالَ قُرْطُهَا الْمَنْثُوْرِ

"آپ کو کیا معلوم ہے کہ حضرت فاطمہ زہراؑ کے ملکوتی سینہ پر جوگزری اس کی درد بھری داستان کیا ہے؟ اور میخ والی داستان کیا ہے؟ کیا آپ کو معلوم ہے؟ جنین کے سقط کی داستان کیا ہے؟ آنکھوں کی سرخی، نیلاہٹ اور گوشواروں کا کانوں سے اُتر کر دُور جا گرنے کی داستان کیا ہے؟"

ایک اور شاعر کہتا ہے:

وَلَسْتُ اَدْرِیْ خَبَرَ الْمِسْمَارِ　　سَلْ صَدْرَهَا خَزَانَةَ الْاَسْرَارِ

میں نہیں جانتا کہ گھر میں میخ کی کہانی کیا ہے؟ آپ سیدہ نساء العالمین حضرت فاطمہ زہراؑ کے اُس مبارک سینہ سے پوچھیں جو سینہ اَسرارِ حق کا خزینہ ہے"۔

حضرت سیدہ طاہرہ صدیقہ ؑ کے گھر میں داخل ہونے والا ہجوم اپنا کام کر کے واپس چلا گیا۔ اِدھر رسولؐ اللہ

کی دختر درد و مصائب میں مبتلا تھیں۔ اسی حالت میں آپؑ نے حضرت فضہؓ کو آواز دی۔ حدیث میں جو الفاظ ہیں وہ یہ تھا:

صَاحَتْ یَافِضَّةُ اِلَیْكِ فَخُذِیْنِی۔۔۔۔ وَاللّٰهِ لَقَدْ قَتَلُوْا مَا فِیْ اَحْشَائِی

''حضرت زہراؑ نے فریاد بلند کی: اے فضہؓ! میرے پاس آیئے اور مجھے سنبھالیے۔ خدا کی قسم! جو بچہ میرے شکم میں تھا ان لوگوں نے اُسے قتل کر ڈالا ہے''۔

حضرت فضہؓ دوڑ کر دختر رسولؐ کے پاس آئیں اور اُنھیں اپنی آغوش میں لیا اور کوشش کی کہ اُنھیں حجرہ میں لے جائیں۔ اس سے قبل کہ دختر رسولؐ حجرہ میں جاتیں اُن کا ''جنین'' شہید ہو گیا تھا۔

مشہور ہے کہ سقط جنین کا درد طبعی ولادت سے شدید تر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بنت پیغمبرؐ نے آہ و فغان بلند کی تو ہر دل کو غم زدہ اور محزون کر دیا اور ہر آنکھ کو گریاں و اشک بار کر دیا، کیونکہ اُن کا ''محسنؑ'' شہید ہو چکا تھا اور مصیبت زدہ ماں کی درد بھری نگاہیں اُن پر مرکوز تھیں۔ دختر پیغمبرؐ کو مصیبتوں نے ہر طرف سے گھیر لیا تھا۔ ایک طرف تازیانوں کی ضربات تھیں تو دوسری طرف تلوار کی فولادی نیام کی کاری ضرب تھی، جس نے پہلو کو زخمی کر دیا تھا اور ان تمام مصائب پر بھاری مصیبت حضرت محسنؑ کی شہادت کا جاں سوز صدمہ تھا۔

جن لوگوں نے دختر نبیؐ پر یہ غم کے پہاڑ توڑے تھے اُنھوں نے پھر پیچھے مڑ کر نہ دیکھا کہ اہل بیتؑ پر کیا گزری ہے؟ اور اُن کا کیا حال ہے؟ بلکہ اُنھوں نے اُن کے شوہر نامدار کو گرفتار کر لیا۔ اُن کا اسلحہ اُن سے چھین لیا اور اُنھیں کشاں کشاں مسجد نبویؐ کی طرف لے گئے، تاکہ وہ اُن کے امیر کی بیعت کریں۔ [1]

---

[1] نہایت ہی تعجب کا مقام ہے کہ اُموی امیر (معاویہ) نے امیر حریت و عدالت حضرت امام علی علیہ السلام پر طعن و تشنیع کرتے ہوئے اُن کی طرف خط لکھا اور آپؑ نے اُس کے جواب میں لکھا:

وَقُلْتَ اِنِّیْ كُنْتُ اُقَادُ كَمَا یُقَادُ الْجَمَلُ الْمَخْشُوْشُ حَتّٰی اُبَایِعَ وَلَعَمْرُ اللّٰهِ لَقَدْ اَرَدْتَ اَنْ تَذُمَّ فَمَدَحْتَ وَاَنْ تَفْضَحَ فَافْتَضَحْتَ وَمَا عَلَی الْمُسْلِمِ مِنْ غَضَاضَةٍ فِیْ اَنْ یَكُوْنَ مَظْلُوْمًا مَا لَمْ یَكُنْ شَاكًّا فِیْ دِیْنِهٖ وَلَا مُرْتَابًا بِیَقِیْنِهٖ، وَهٰذِهٖ حُجَّتِیْ اِلٰی غَیْرِكَ قَصْدُهَا، وَلٰكِنِّیْ اَطْلَقْتُ لَكَ مِنْهَا بِقَدْرِ مَا سَنَحَ مِنْ ذِكْرِهَا۔۔۔۔

''اور تم نے لکھا ہے کہ مجھے بیعت کے لیے یوں کھینچ کر لایا جاتا تھا کہ جس طرح نکیل پڑے اُونٹ کو کھینچا جاتا ہے۔ خالق ہستی کی قسم! تم اُترے تو برائی کرنے پر تھے کہ تعریف کرنے لگے۔ چاہا تو یہ تھا کہ مجھے رُسوا کرو کہ خود ہی رُسوا ہو گئے۔ بھلا مسلمان آدمی کے لیے اس میں کون سی عیب کی بات ہے کہ وہ مظلوم ہو جب کہ وہ نہ اپنے دین میں شک کرتا ہو اور نہ اُس کا یقین ڈانواں ڈول ہو اور میری دوسری اس دلیل کا تعلق اگرچہ دوسروں سے ہے مگر جتنا بیان یہاں مناسب تھا تم سے کر دیا۔۔۔۔''۔ (نہج البلاغہ، مکتوب ۲۸)

حقیقت یہ ہے کہ اس مقام پر قلم میں جرأت نہیں کہ وہ مزید کچھ لکھ سکے اور لسان اپنی گردش و گفتار چھوڑ چکی ہے۔ اس میں اظہار کی جرأت باقی نہیں رہی کہ وہ اس حادثہ و فاجعہ کی کس طرح تشریح و توضیح کرے؟ کسی کے لیے ممکن ہی نہیں ہے کہ ان لمحات میں اِس مجاہد و مبارز پر جو گزری اس کی تفصیل پیش کر سکے۔

اِس دنیا دھرتی کے یہ وہ عظیم انسان تھے وہ صرف غیور نہ تھے بلکہ غیرت گر تھے۔ وہ اسلام کے بطلِ جلیل اور مجاہد عظیم تھے۔

حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کی نظر میں امام علی علیہ السلام بعد از رسولؐ اللہ کائنات کی ہر چیز سے بہتر و برتر تھے اور کائنات کے تمام انسانوں سے اَرفع و اعلیٰ انسان تھے۔ اس دوران اس جاں سوز و دردناک منظر پر جب حضرت سلمان فارسیؓ کی نگاہ پڑی تو فرمایا:

أَيُصْنَعُ ذَا بِهٰذَا وَاللّٰهِ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَانْطَبَقَتْ ذِهٖ عَلٰى ذِهٖ

"تم لوگ اس عظیم انسان کے ساتھ یہ کیا کر رہے ہو؟ خدا کی قسم! اگر وہ تم پر بددعا کرے تو آسمان زمین پر گر پڑے"۔

آہ میرا جعفر کہاں ہے؟

اے متلاشیِ حق و حقیقت! اے قاریٔ عزیز! اِس مقام پر ذرا ٹھہریئے تا کہ ہم مل کر شجاعت و شہامت کے پیکر امام علی علیہ السلام پر آنسو بہالیں اور اُن کی مظلومیت پر گریہ کرلیں۔ یہ رہبرِ اسلام ایک طرف اپنی ہمسر کے درد آلود نالے سُن رہے تھے تو دوسری طرف اپنے خردسال چار بچوں کے گریہ کی جاں سوز آوازیں سن رہے تھے۔ وہ بچے کبھی اپنی مظلومہ ماں کی طرف دیکھتے اُن کی مظلومیت اُنھیں اپنی طرف کھینچ لیتی تھی۔ وہ دوڑ کر اُن کے پاس جاتے۔ اور کبھی اُن کی نگاہیں اپنے بابا کی تنہائی و کسمپرسی اور بے کسی اور گرفتاری پر پڑتی۔ وہ صغیرانِ بتولؑ وہ خردسال علیؑ نہیں جانتے تھے کہ وہ کدھر جائیں؟ اپنی مصیبت زدہ ماں کی طرف جائیں اور اُن کی مظلومیت پر آہ و فغاں بلند کریں یا پھر اپنے بابا مظلوم پر آنسو بہائیں کہ لوگوں نے اُن پر اژدہام کیا ہوا ہے اور اُنھیں اپنے قبضے میں لے رکھا ہے۔

خدایا! یہ کیا دردناک حیرت و سرگردانی ہے؟

امیرالمومنین حضرت امام علی علیہ السلام کو یہ درد ستائے جا رہا تھا کہ ان کی زوجۂ فرزانہ کو اُن کی نصرت کی ضرورت ہے لیکن رسی آپؑ کی گردن میں تھی اور لوگوں نے آپؑ کو ہر طرف سے گھیر رکھا تھا اور وہ آپؑ کو کشاں کشاں لیے جا

رہے تھے۔ اُدھر خردسال بچوں کی درد بھری گریہ کی صدائیں آپؑ کے مبارک کانوں میں آرہی تھیں۔ جس کی وجہ سے آپؑ کا آرام وسکون دُکھ و درد کی ٹیسوں میں بدل گیا تھا۔

جب آپؑ نے اپنے ہر طرف اپنے دشمنوں کو پایا اور آپؑ کو کوئی یار و یاور نظر نہ آیا تو آپؑ نے اپنے مجاہد و مبارز اور سالارِ شہیدانِ اُحد کو آواز دی:

وَاحَمْزَتَاهُ، وَلَا حَمْزَةَ لِيَ الْيَوْمَ وَاجَعْفَرَاهُ وَلَا جَعْفَرَ لِيَ الْيَوْمَ

"ہاں! اے حمزہ! مجاہد و مبارز! جہاں! کہاں ہو؟ پھر آپؑ نے بائیں طرف رُخ کر کے فرمایا: اے جعفر طیارؑ! کہاں ہو؟ پھر اپنے آپ سے کہا: آج نہ حمزہؑ ہیں جو مدد کے لیے آئیں اور نہ جعفر طیارؑ ہیں، جو اس بے کسی میں میری مدد فرمائیں۔ بس اب تنہا ہوں اور کوئی معاون و ناصر نہیں ہے"۔

وہ خواتین جو گلیوں کے بیچ میں تھیں جب اُنھوں نے آلِ محمدؐ کی مظلومیت دیکھی تو اُن کی بے اختیار چیخیں نکل گئیں، لیکن ایک طاقت کے سامنے عورتوں کے گریہ کی صداؤں کی کیا حیثیت تھی؟ کیا اس ہجوم کے لوگوں کے قلوب ان غم زدہ خواتین کی دردناک چیخوں سے نرم ہو سکتے تھے؟

یہ بات روشن ہے کہ ہرگز نہیں...... ابھی ہم نے ذکر کیا ہے کہ خاتونِ جنت سیدہ طاہرہ تازیانوں کی ضربات اور سقطِ جنین کی وجہ سے جنابِ فضہؓ کی آغوش میں غشی کے عالم میں تھیں اِدھر وحشت زدہ خردسال بچوں کے رونے کی آوازیں اُن کے کانوں میں پہنچیں تو اُن کی آنکھیں کھلیں اور اپنے گھر پر نظر کرتے ہوئے فرمایا:

يَا فِضَّةُ أَيْنَ عَلِيٌّ؟

"اے فِضّہؓ! علیؑ کہاں ہیں؟"

حضرت فضہؓ نے روتے ہوئے عرض کیا: لوگ اُنھیں مسجد میں لے گئے ہیں جونہی دخترِ نبیؐ نے یہ سنا کہ لوگ علیؑ کو مسجد کی طرف لے گئے ہیں آپ تڑپ کر اُٹھیں۔ اپنے غم و آلام بھول گئیں حالانکہ اُن کے جسم میں درد کی ایک لہر اُٹھتی۔ ابھی وہ ختم نہ ہوتی تھی تو دوسری اُٹھتی جس سے رسولؐ اللہ کی بیٹی تڑپ کر رہ جاتیں۔ فوراً اپنے آہنی ارادے اور شہامت و شجاعت کے ساتھ مسجد کا رُخ کیا، تاکہ امیرِ حریت و عدالت کی نصرت کریں۔

میں اُس کی بیعت نہیں کروں گا

سیّدہ نساء العالمین حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام نے مسجد کا رُخ کیا، تا کہ وہاں کے ماحول و حالات کو دیکھیں اور جو کچھ اُن کے شوہر نامدار پر گزر رہی ہے اس کا تدارک کریں۔ ہم انھیں یہیں پر چھوڑتے ہیں اور مسجد نبویؐ کی طرف چلتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ امام علی علیہ السلام پر کیا گزر رہی ہے؟

ہم سب سے پہلے کتاب "الامامت والسیاست" کے مؤلف ابن قتیبہ کی روایت کی طرف جاتے ہیں۔ اُس نے لکھا ہے کہ محدثین اور مورخین نے بیان کیا ہے کہ امام علی علیہ السلام کو پیش کیا گیا وہ اُس وقت فرما رہے تھے:

اَنَا عَبْدُ اللّٰہِ وَاَخُوْ رَسُوْلِہٖ

"کہ وہ اللہ کا بندہ ہے اور اُس کے رسولؐ کا بھائی ہے"۔

اُنھیں کہا گیا کہ امیر کی بیعت کرو۔

اُنھوں نے جواب دیا:

اَنَا اَحَقُّ بِھٰذَا الْاَمْرِ مِنْکُمْ لَا اُبَایِعُکُمْ، وَاَنْتُمْ اَوْلٰی بِالْبَیْعَۃِ لِیْ

"میں تم سے اس امر کا سب سے زیادہ حق دار ہوں۔ میں تمھاری بیعت نہیں کروں گا۔ تمھیں میری بیعت کرنی چاہیے"۔

تم نے انصار سے یہ امر حاصل کرتے وقت اُنھیں یہ دلیل دی تھی کہ وہ رسولؐ اللہ سے قرابت رکھتے ہیں، اس لیے وہ خلافت کے حق دار ہیں۔ تم لوگوں نے اہل بیتِ رسولؐ سے اُن کا حق کیوں غصب کیا ہے؟ ہمارے حق کو اپنے لیے خاص کر لیا ہے۔ کیا تم نے انصار کے سامنے یہ استدلال پیش نہیں کیا ہے کہ تمھارا گروہ رسولؐ اللہ سے قرابت رکھتا ہے، اس لیے وہ جانشینی پیغمبرؐ کا استحقاق رکھتے ہیں۔

میں تم پر تمھاری وہی دلیل لاتا ہوں جو تم نے انصار پر پیش کر کے انھیں لاجواب کیا ہے۔ میں تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت زیادہ قریب ہوں۔ ہم ہر حال میں رسولؐ اللہ سے زیادہ قرابت رکھتے ہیں۔ اگر تمھیں اللہ کا خوف ہے تو پھر انصاف سے کام لیجیے۔

ثانی نے کہا: جب تک آپؑ بیعت نہیں کریں گے میں آپؑ کو نہیں چھوڑوں گا۔

امام علی علیہ السلام نے فرمایا: تم دودھ دوہ لو، اس میں تمھارا حصّہ ہے۔ آج اپنے امیر کے لیے اس امر کو مضبوط کر لے،

تا کہ کل وہ تمھیں واپس کر دے۔

اے سالار! خدا کی قسم! میں تیری بات قطعاً تسلیم نہیں کروں گا اور نہ بیعت کروں گا۔

اس وقت اُن کے امیر نے کہا: اے علیؑ! اگر آپؑ میری بیعت نہیں کرنا چاہتے تو میں آپؑ کو مجبور نہیں کروں گا۔

اس وقت امام علی علیہ السلام نے فرمایا:

يَا مَعْشَرَ الْمُهَاجِرِيْنَ اَللهَ! اَللهَ! لَا تُخْرِجُوْا سُلْطَانَ مُحَمَّدٍ فِي الْعَرَبِ مِنْ وَلِدِهٖ وَقَعْرِ بَيْتِهٖ اِلٰى دَوْرِكُمْ وَقَعُوْرِ بُيُوْتِكُمْ وَتَدْفَعُوْا اَهْلَهٗ عَنْ مَقَامِهٖ فِي النَّاسِ وَحَقِّهٖ فَوَاللهِ يَا مَعْشَرَ الْمُهَاجِرِيْنَ! لَنَحْنُ اَهْلُ الْبَيْتِ اَحَقُّ بِهٰذَا الْاَمْرِ مِنْكُمْ مَا كَانَ فِيْنَا الْقَارِئُ لِلْكِتَابِ اللهِ، الْفَقِيْهُ فِيْ دِيْنِ اللهِ، الْعَالِمُ بِسُنَنِ رَسُوْلِ اللهِ.....

"ہاں! اے گروہِ مہاجرین! اپنے اللہ کو اللہ سمجھ کر فیصلہ کیجیے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آسمانی عادلانہ حکومت و مدیریت کو اُن کے خانۂ اقدس اور اُن کے اہلِ بیتؑ سے لے کر اپنے گھروں کی طرف منتقل نہ کیجیے۔ اُن کے اہلِ بیتؑ جو اِس اسلامی معاشرہ میں حق و حقیقت رکھتے ہیں اُنھیں ایک طرف نہ رکھیے۔

ہاں! اے گروہِ مہاجرین! خدا کی قسم! ہم اہلِ بیتؑ ہی اس حکومت و رہبری کے تم سے زیادہ اہل اور حق دار ہیں۔ اسی خاندان میں وہ شخص ہے جس طرح قرآنِ مجید کی قرأت کرنی چاہیے۔ وہ ہی کرسکتا ہے اور اللہ کے دینی مقررات و اَحکام کا وہ سب سے بڑا عالم ہے۔ ہم خاندانِ پیغمبرؐ تدبیر اُمورِ دین اور معاشرتی قوانین کو اور رسولؐ اللہ کی سنت کو سب سے بہتر جانتے ہیں۔ حکومت ہمارا ہی حق ہے"۔ (الامامت والسیاست: ص ۱۱، الاحتجاج: ص ۷۳)

یہ وہ واقعہ ہے جسے ابن قتیبہ نے اپنی کتاب الامامت والسیاست میں نقل کیا ہے۔

عیاشی نے اپنی تفسیر میں اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے: جب یہ لوگ امیرالمومنین حضرت امام علی علیہ السلام کو اُن کے گھر سے کشاں کشاں مسجد نبویؐ کی طرف لے جا رہے تھے جب اُن کا گزر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک سے ہوا تو آپؑ نے قرآنِ مجید کی اس آیت کی تلاوت فرمائی:

يَا بْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ.....

"اے میری ماں کے بیٹے! یقیناً قوم نے مجھے کمزور بنا دیا تھا اور وہ مجھے قتل کرنے والے تھے"۔

امام علی علیہ السلام نے فرمایا: اگر میں بیعت نہ کروں تو تم کیا کرو گے؟
سالار نے کہا: خدا کی قسم! میں تلوار سے تمھاری گردن مار دوں گا۔
آپؑ نے فرمایا: خدا کی قسم! تو پھر میں اللہ کا شہید عبد بن جاؤں گا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھائی ہوں گا۔
ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اللہ کی قسم! تو تم اس صورت میں اللہ کے عبد اور رسولؐ اللہ کے برادر کو شہید کرو گے؟
سالار نے کہا: ہم آپؑ کو اللہ کا عبد تو تسلیم کرتے ہیں لیکن رسولؐ اللہ کا بھائی تسلیم نہیں کرتے۔
حضرت امام علی علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم اس بات سے انکار کرتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے صیغۂ اُخوت پڑھا تھا۔ اُنھوں نے مجھے ہی اپنے برادر بنایا تھا۔
سالار نے کہا: جی ہاں، آپؑ رسولؐ اللہ کے برادر ہیں۔
اس گروہ اور حضرت امام علی علیہ السلام خلیفہ رسولؐ اللہ کے درمیان سخت اور تند و تیز اور طویل باتیں ہوئیں۔

شجاعت و شہامت اور رفعتِ ایمانی

اسی دوران سیدہ نساء العالمین حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اپنے دونوں شہزادوں حسنین شریفین علیہما السلام کے ہاتھ پکڑے ہوئے مسجد نبویؐ کی طرف روانہ ہوئیں۔ ہاشمی خواتین بھی آپؑ کے ہمراہ تھیں۔ جونہی آپ مسجد میں وارد ہوئیں تو آپؑ کی نگاہ امیر حریت و عدالت امام علی علیہ السلام پر پڑی کہ اُنھیں قتل کی دھمکی دی جارہی ہے کہ اگر اُنھوں نے اُن کے امیر کی بیعت نہ کی تو اُنھیں قتل کر دیا جائے گا۔ آپؑ سے یہ جاں سوز اور دردناک منظر دیکھا نہ گیا۔ آپؑ نے بھرپور جرأت و شہامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بلند آواز سے کہا:

خَلُّوْا عَنْ اِبْنِ عَمِّیْ، خَلُّوْا عَنْ بَعْلِیْ وَاللّٰهِ لَاَکْشُفَنَّ عَنْ رَأْسِیْ وَلَاَضَعَنَّ قَمِیْصَ اَبِیْ عَلٰی رَأْسِیْ وَلَاَدْعُوَنَّ عَلَیْکُمْ

"میرے چچا کے فرزند سے اپنے ہاتھ اُٹھا لیجیے۔ میرے شوہر نامدار کو رہا کیجیے۔ خدا کی قسم! اگر تم نے اُن سے یہ جبر و استبداد سے بھرپور ہاتھ نہ اُٹھائے تو میں اپنے سر سے اپنی چادر اُتار کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قمیص اپنے سر پر رکھ کر تمھیں بددعا کروں گی......"

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے فرمایا: اگر تم لوگوں نے امام علی ابن ابی طالب علیہ السلام

کو نہ چھوڑا تو میں اپنے بال پریشان کروں گی اور رسول اللہ ﷺ کی قمیص اپنے سر پر رکھ کر تمھارے مظالم کے خلاف بارگاہِ خداوندی میں فریاد بلند کروں گی۔ جان لیجیے کہ نہ حضرت صالحؑ کی ناقہ کی عزت و عظمت مجھ سے بڑھ کر ہے اور نہ اس کے بچے کی عزت و عظمت میرے ان دونوں شہزادوں سے بڑھ کر ہے"۔ (الاحتجاج طبرسی، ص ۸۶)

عیاشی نے جو روایت کی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت فاطمہ زہراؑ نے فرمایا: اے فلاں ابن فلاں! تمھارا کیا خیال ہے؟ کیا تم میرے بچوں کو یتیم کرنا چاہتے ہو، اللہ کی قسم! اگر تم نے امام علی علیہ السلام کو اپنی گرفت سے آزاد نہ کیا تو میں اپنے بال پریشان کردوں گی اور اپنے گریبان کو چاک کردوں گی اور اپنے والد گرامی رسول اللہ ﷺ کی مبارک قبر پر جاؤں گی اور تمھارے ظلم و زیادتی کی بارگاہِ خداوندی میں فریاد بلند کروں گی۔

آپؑ نے اپنے دونوں شہزادوں کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لیا اور رسول اللہ ﷺ کی مرقد منور کی طرف رُخ کیا۔

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ حضرت فاطمہ زہراؑ نے اُسے مخاطب ہوکر فرمایا: اے فلاں ابن فلاں! تیرا مجھ سے کیا کام ہے؟ کیا تو میرے بچوں کو یتیم کرنا چاہتا ہے اور مجھے اپنے شوہر نامدار کے جاں سوز سوگ میں بٹھانا چاہتا ہے؟ خدا کی قسم! اگر مناسب ہوتا تو میں اپنے سر کے بال کھول دیتی اور اپنے پروردگار کی بارگاہ میں فریاد کرتی۔

ان لوگوں میں سے کسی نے سالار سے کہا: اپنی اس کارکردگی سے کیا چاہتے ہیں؟ کیا تمھارا ارادہ یہی ہے کہ اس اُمت پر اللہ کا عذاب نازل ہو اور وہ برباد ہوجائے؟

جب امیرالمومنین امام علی علیہ السلام نے پیغمبر ﷺ کی بیٹی کو اُن کی مرقد منور کی طرف جاتے دیکھا تو فوراً آپؑ نے سلمان فارسیؓ سے کہا: اے سلمانؓ! جلدی کیجیے دُخترِ پیغمبرؐ کو اُن کی مبارک قبر پر نہ جانے دیجیے۔

جنابِ سلمانؓ فوراً رسولؐ اللہ کی دُختر فرزانہ کے قریب آئے اور عرض کیا: اے حضرت محمدؐ کی دُختر! اللہ نے اُنھیں اپنی رحمت بنا کر بھیجا تھا۔ آپؑ واپس گھر تشریف لے جائیں۔

آپؑ نے فرمایا: اے سلمانؓ! یہ لوگ امام علی علیہ السلام کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہوچکا ہے، مجھ سے مزید صبر نہیں ہوسکتا۔ مجھے جانے دیجیے میں اپنے بابا کی مرقد منور پر جانا چاہتی ہوں اور وہاں ان کی قبر مبارک پر اپنے بال پریشان کروں گی اور اپنا گریبان چاک کر کے بارگاہِ خداوندی میں فریاد کروں گی۔

جنابِ سلمانؓ نے عرض کیا: مجھے خوف ہے کہ اگر آپؑ نے بددعا کی تو مدینہ زمین میں دھنس جائے گا۔ حضرت امیر علیہ السلام نے مجھے آپؑ کی طرف بھیجا ہے کہ اُن کا فرمان ہے کہ آپؑ واپس اپنے خانہ اقدس کی طرف تشریف لے جائیں۔

یہ سن کر پیغمبر ﷺ کی بیٹی نے فرمایا:

اِذَنْ اَرْجِعُ وَاَصْبِرُ وَاَسْمَعُ وَاُطِیْعُ

"اگر ایسی بات ہے تو میں واپس جاتی ہوں اور صبر سے کام لوں گی۔ میں اُن کے فرمان کی دل و جان سے تعمیل کرتی ہوں"۔ (بیت الاحزان، ص ۸۷)

ایک اور روایت ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام فوراً اپنے خانہ اقدس میں پہنچے اور سیدہ طاہرہ، صدیقہ کے پاس تشریف لائے۔ دختر پیغمبرؐ نے حضرت امیر علیہ السلام کے شانوں کے بوسے لینے شروع کیے اور اشک بار آنکھوں سے فرمایا: فاطمہؑ کی جان! آپؑ پر قربان جائے! میری روح آپؑ پر فدا ہو۔ میری جان آپؑ کی جان پر قربان ہو۔ اگر آپؑ خیر و عافیت کے ساتھ ہیں تو میں بھی خیریت کے ساتھ ہوں۔ اگر آپؑ رنج و فشار میں ہیں تو میں بھی رنج و فشار میں رہوں گی۔

المختصر! اگر سیدہ نساء العالمین، خاتونِ جنت یہ کوشش و کاوش نہ فرماتیں اور اُنھیں اِن لوگوں سے نجات نہ دلاتیں تو وہ ضرور حضرت امیر علیہ السلام کو بیعت پر مجبور کر دیتے۔

ماجرائے فدک

ہم اس بحث کو احسن ترین کلام سے شروع کرتے ہیں، وہ احسن کلام، اللہ تعالیٰ کا ہے۔ قول و حدیث کے اعتبار سے کون ہے جو اللہ تعالیٰ سے صادق و اصدق ہو؟

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ ذٰلِكَ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (سورۂ روم: آیت ۳۸)

"پس تم قریبی رشتہ داروں کو اور مسکین اور مسافر کو اُن کا حق دے دو۔ یہ اُن لوگوں کے لیے بہتر ہے جو اللہ کی رضامندی چاہتے ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں"۔

آپ نے اس آیت شریفہ میں غور کیا ہے کہ خداوند تعالیٰ اپنے پیغمبر گرامیؐ کو حکم دے رہا ہے کہ اپنے قریبیوں کو اُن کا حق عطا فرمایئے۔ اب سوال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے قریبی کون ہیں اور اُن کا حق کیا ہے؟

ہم نے اس سے قبل آیتِ قربیٰ اور آیتِ مودت کے ضمن میں ذکر کیا ہے کہ قربیٰ سے مراد رسول اللہ ﷺ کے قریبی ہیں اور وہ حضرت امام علیؑ، حضرت فاطمہ زہراؑ اور حسنین شریفین علیہم السلام ہیں۔

قرآنِ مجید کے اس روشن اور صریح پیغام کا مفہوم یہ ہے کہ "اے رسولؐ! یہ وہ ارجمند شخصیات ہیں جو آپؐ کے قریبی ہیں ان کے حقوق ان کے حوالے کیجیے۔

ابوسعید خُدری اور دوسرے راویوں نے بیان کیا ہے کہ جس وقت یہ آیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی تو آپؐ نے فدک حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے حوالے کر دیا تھا۔ یہی روایت حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ اور یہ ہی ہمارے علماء کے ہاں مشہور ہے۔

علمائے اہلِ سنت نے اس روایت کو مختلف طریقوں سے نقل کیا ہے اُن میں سے چند ایک روایات یہ ہیں:

① کتاب کنزالعمال اور مختصر کنزالعمال جو مسند احمد بن حنبل کے حاشیے میں طبع شدہ ہے جو کہ کتاب اَخلاق کی فصل صلۂ رحم کے ضمن میں موجود ہے۔ ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ جس وقت یہ آیت فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى...... نازل ہوئی تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دُختر فرزانہ سے فرمایا: یَا فَاطِمَةُ لَكِ فَدَكَ "فاطمہ جان"! اب فدک آپؑ کی ملکیت ہے"۔

② حاکم نے اپنی تاریخ میں، علامہ سیوطی نے اپنی تفسیر دُرمنثور میں ابوسعید خدری کی روایت نقل کرتے ہوئے کہا ہے: جب یہ آیت فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ...... نازل ہوئی تو رہبر توحید نے اپنی دُختر فرزانہ سے فرمایا: قرآنِ مجید کے مطابق فدک آپؑ کی ملکیت ہے"۔

③ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں نقل کیا ہے کہ یہ روایت جہاں ابوسعید خدری کے طریقے سے نقل کیا ہے وہاں مختلف دوسرے طریقوں سے بھی روایت نقل ہوئی ہے کہ جس وقت یہ آیت: فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ...... پیغمبر اکرمؐ کے قلبِ مبارک پر نازل ہوئی تو آپؐ نے حضرت فاطمہ علیہا السلام کو اپنے ہاں بلایا اور فدک ان کے حوالے کر دیا۔

فدک ہے کیا؟

اس آیت مبارکہ میں غور و خوض کے بعد اور اس پیغام کو سمجھنے کے بعد یہ دیکھنا چاہیے کہ فدک کیا ہے؟ اور کہاں پر واقع ہے؟ فدک کی بحث میں چند یہ نکات حاضر ہیں۔ اچھی طرح سے غور فرمائیں تا کہ حقیقت و واقعیت روشن ہو جائے:

① فدک کیا ہے؟

② کیا فدک رسولؐ اللہ کا مالِ خاص تھا یا تمام مسلمانوں کی ملکیت تھا؟

۳ کیا رسولؐ اللہ نے فدک اپنی دختر فرزانہ کو اپنی زندگی میں بخش دیا تھا یا نہیں؟
۴ کیا رسولؐ اللہ نے اپنی بیٹی کو فدک کا وارث بنا دیا تھا یا نہیں؟
کیا حضرت فاطمہ زہراؑ نے اپنے والد گرامی رسولؐ اللہ کی زندگی میں فدک اپنے قبضہ وتصرف میں لے لیا تھا یا نہیں؟

اب ہم ان تمام سوالات کے جوابات عرض کرتے ہیں:

۱ فدک کی خصوصیات

اہلِ لغت کی فدک کے بارے میں مختلف روایات ہیں، نمونہ کے لیے چند درج ذیل ہیں:

(ا) قاموس میں ہے کہ فدک خیبر کا ایک گاؤں ہے۔

(ب) مصباح میں ہے کہ فدک حجاز میں ایک شہر ہے۔ مدینہ سے فدک کے درمیان دو دن کی مسافت ہے اور فدک اور خیبر کے درمیان ایک دن سے کم کی مسافت ہے۔ یہ گاؤں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو عطا کر دیا تھا۔

(ج) حموی نے معجم البلدان میں نقل کیا ہے کہ فدک حجاز کا ایک گاؤں ہے۔ مدینہ اور فدک کا درمیانی فاصلہ دو یا تین دنوں پر مشتمل ہے۔ ہجرت کے ساتویں سال اللہ تعالیٰ نے یہ قریہ اپنے نبیؐ کو عطا فرمایا تھا۔

فدک کا قصہ یہ ہے کہ جب پیغمبر گرامی خیبر کے علاقہ پر وارد ہوئے تو ابتدا میں آپؐ کو یہودیوں کے تین قلعوں کے علاوہ باقی تمام قلعوں پر فتح حاصل ہوگئی تھی۔ آپؐ نے اُن کا محاصرہ تنگ کر دیا۔ اُنھوں نے آپؐ کی طرف اپنا آدمی بھیجا کہ وہ اپنے اس علاقے سے کوچ کر کے نکل جاتے ہیں لیکن اُنھیں اس ترکِ وطن کے عوض جان کی امان دے دی جائے۔ پیغمبرؐ نے اُن کی درخواست قبول کر لی لیکن پھر اُنھوں نے آپؐ کی طرف دوسرا پیغام بھیجا کہ ہم لوگ آپؐ کی خدمت میں اپنے تمام باغات اور اَموال کا نصف پیش کرتے ہیں۔ آپؐ ہمارے ساتھ صلح کر لیں۔ پیغمبرؐ نے انسان دوستی کی اساس پر اُن لوگوں سے صلح کر لی۔

اس بیان کے مطابق فدک وہ زمین اور علاقہ ہے جو رسولؐ اللہ کو بغیر کسی جنگ کے حاصل ہوا تھا۔ قرآنِ مجید کی رُو سے یہ اُن کی ذاتی ملکیت تھی۔

۲ کیا فدک پیغمبرؐ خدا کی ذاتی ملکیت تھی؟

یہ دوسرا سوال ہے کہ فدک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتی ملکیت تھی۔ اگر ذاتی ملکیت تھی تو اس ذاتی ملکیت کی

دلیل کیا ہے؟ اس مورد کی دلیل قرآنِ مجید کی یہ آیت ہے:

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَىْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○ (سورۂ حشر: آیت ۶-۷)

اور اُن کے جس مال (غنیمت) کو اللہ نے اپنے رسولؐ کی آمدنی قرار دیا ہے (اس میں تمھارا کوئی حق نہیں) کیونکہ اس کے لیے نہ تو تم نے گھوڑے دوڑائے اور نہ اُونٹ، لیکن اللہ نے اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا غالب کر دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔ اللہ نے اُن بستی والوں کے مال سے جو بھی اپنے رسولؐ کی آمدنی قرار دیا ہے وہ اللہ اور رسولؐ اور قریب ترین رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے تاکہ وہ مال تمھارے دولت مندوں کے درمیان گردش نہ کرتا رہے اور رسولؐ جو تمھیں دے دیں وہ لے لو اور جس سے روک دیں رُک جاؤ، اور اللہ کا خوف کرو، اللہ یقیناً شدید عذاب دینے والا ہے"۔

اس آیت کریمہ کا پیغام ہے کہ جب اہلِ یہود نے رسولِؐ اسلام سے معاہدہ توڑا اور تجاوز کیا تو رسولِؐ اسلام نے اُن کا محاصرہ تنگ کر دیا۔ اہلِ یہود نے خود اپنے باغات و کھلیان اور اَموال رسولؐ اللہ کے حضور پیش کر دیے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے یہ تمام اَموال اور زمینیں اپنے رسولؐ کی ملکیت میں دے دیے تھے۔ کیونکہ ان املاک و ثروت کے حصول کے لیے مسلمانوں نے جنگ کے لیے اپنے گھوڑے نہیں دوڑائے تھے اور نہ کوئی جہاد کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے قلوب پر رسولِؐ اسلام کی ہیبت طاری کر دی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اکرمؐ کو فتح عنایت فرمائی اور ان کے باغات اور اَموال اپنے نبیؐ کے لیے خاص کر دیے تھے، تاکہ آپ ان اَموال کو دینِ خداوندی کے مصالح پر خرچ کریں۔ اس لحاظ سے یہ تمام مال و اَملاک مالِ غنیمت سے تعلق نہیں رکھتے تھے کہ اسے مجاہدین میں تقسیم کر دیا جاتا۔

علامہ طبرسی نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ...... گاؤں کے کفار کے اَموال کے بارے میں نازل ہوا۔ اس سے مراد بنو قریظہ و بنو نضیر ہیں۔ یہ لوگ مدینہ میں رہتے تھے۔ فدک سے مدینہ کا فاصلہ تین دنوں کی مسافت پر مشتمل تھا۔ خیبر، عرینہ اور ینبع یہ تمام گاؤں اللہ نے اپنے رسولؐ کی خصوصی ملکیت میں دے دیے تھے۔ آپؐ سے کہہ دیا گیا تھا کہ آپ جس طرح مصلحت دیکھیں اس کے مطابق عمل کریں۔

بعض لوگوں کا سوال تھا کہ رسولؐ اسلام نے ان املاک کو مجاہدین میں تقسیم کیوں نہیں کر دیا تھا؟ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں آیت اُتاری کہ یہ املاک صرف رسولؐ اللہ کی ملکیت ہیں۔ ان میں کسی اور کا حصّہ نہیں ہے۔

1 کیا رسولؐ اسلام نے فدک حضرت فاطمہ زہراؑ کو ہبہ کر دیا تھا؟

اس سے قبل حموی نے معجم البلدان میں فدک کے بارے میں جو کچھ نقل کیا ہے وہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ جاگیرِ فدک وہ اَملاک و ثروت اور مال و متاع تھی جو مسلح جدوجہد سے حاصل نہیں ہوئی تھی، بلکہ یہ صلح و مصالحت سے پیغمبرؐ اسلام کو حاصل ہوئی تھی اور یہ اُن کی خالص ملکیت تھی۔ اس میں کسی اور کا حصّہ نہیں تھا۔

قارئین کرام! آپ نے محدثین و مفسرین کی آراء کا مطالعہ بھی کیا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ......نازل ہوئی تھی تو رسولؐ اسلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے اپنی دختر فاطمہ زہراؑ کو اپنے ہاں بلایا تھا اور اُنھیں فدک ہبہ کر دیا تھا۔

اس عنوان کی تاکید کے لیے اَزراہِ دلیل دو دقیق ترین نکات پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ابن حجر نے "صواعق محرقہ" میں اور سمہودی نے "تاریخ مدینہ" میں بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے آیت کریمہ: مَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ..... کے بارے میں کہا: اس آیت کریمہ کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے نبیؐ کے خصوصی حق کے بارے میں گفتگو کی ہے۔

اس مال میں کسی اور کا حق نہیں ہے اور وہ حق یہ ہے اور اُس نے اس حق کو اپنے قرآن میں نازل فرمایا:

وَمَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَاۤ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (سورۂ حشر: آیت ۶)

"اور اُن کے جس مال (غنیمت) کو اللہ نے اپنے رسولؐ کی آمدنی قرار دیا ہے اس میں تمھارا کوئی حق نہیں ہے کیونکہ اس کے لیے نہ تو تم نے گھوڑے دوڑائے اور نہ اُونٹ، لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے غالب کر دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے"۔

اس بیان کے مطابق یہ تمام اَملاک اور زمینیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت ہیں۔ آپؐ اِن اَملاک اور اَموال کو دین اور معاشرہ کی ترویج و ترقی کے لیے اپنے مصالح کے مطابق خرچ کریں گے۔

2 کیا رسولؐ اسلام نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ زہراؑ کو فدک کا وارث بنایا تھا؟

ان تمام آیات اور روایات سے یہ بات روشن ہے کہ فدک رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خالص اور کامل ملکیت تھی۔ رسولِ اسلام نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ ...... کی تعمیل میں فدک اپنی بیٹی سیدہ نساء العالمین حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کو ہبہ کر دیا تھا اور فدک رسولؐ اللہ کی حیاتِ مبارکہ میں حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے تصرف و ملکیت ہی میں تھا۔ اس چوتھے سوال کا جواب آئندہ صفحات میں آنے والا ہے۔

۵ ہم یہاں مورخین و محدثین کی تصریحات سے استفادہ کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام نے فدک اپنے قبضے میں لے لیا تھا اور فدک آپ کی ہی ملکیت میں تھا۔

جب حضرت امیر علیہ السلام نے اپنی حکومت کے زمانے میں بصرہ کے عامل عثمان بن حنیف کو ایک خط جاری کیا تھا تو اس خط میں فدک کی وضاحت فرمائی تھی اور وہ توضیح یہ ہے:

بَلٰى كَانَتْ فِيْ اَيْدِيْنَا فَدَكٌ مِنْ كُلِّ مَا اَظَلَّتْهُ السَّمَاءُ، فَشَحَّتْ عَلَيْهَا نُفُوْسُ قَوْمٍ وَسَخَتْ عَنْهَا نُفُوْسُ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ، وَنِعْمَ الْحَكَمُ اللّٰهُ وَمَا اَصْنَعُ بِفَدَكٍ وَغَيْرِ فَدَكٍ وَالنَّفْسُ مَظَانُّهَا فِيْ غَدٍ جَدَثٌ، تَنْقَطِعُ فِيْ ظُلْمَتِهٖ يَدًا حَافِرِهَا لَاَضْغَطَهَا الْحَجَرُ وَالْمَدَرُ، وَسَدَّ فُرَجَهَا التُّرَابُ الْمُتَرَاكِمُ وَ اِنَّمَا هِيَ نَفْسِيْ اَرُوْضُهَا بِالتَّقْوٰى لِتَاْتِيَ اٰمِنَةً يَوْمَ الْخَوْفِ الْاَكْبَرِ وَتَثْبُتَ عَلٰى جَوَانِبِ الْمَزْلَقِ۔ (نہج البلاغہ، خط نمبر ۴۵)

”بے شک اس آسمان کے نیچے لے دے کر ایک فدک ہمارے ہاتھوں میں تھا اس پر بھی کچھ لوگوں کے منہ سے رال ٹپکنے لگی۔ اور دوسرے فریق نے اس کے جانے کی پرواہ نہ کی اور بہترین فیصلہ کرنے والا اللہ ہے۔ بھلا میں فدک یا فدک کے علاوہ کسی اور چیز کو لے کر کروں ہی گا کیا، جب کہ نفس کی منزل کل برقرار پانے والی ہے کہ جس کی اندھیاریوں میں اس کے نشانات مٹ جائیں گے اور اُس کی خبریں ناپید ہوجائیں گی وہ ایک ایسا گڑھا ہے اگر اس کا پھیلاؤ بڑھا بھی دیا جائے وہ گورکن کے ہاتھ اُسے کشادہ بھی رکھیں پھر بھی پتھر اور کنکر اُسے تنگ کردیں گے۔ مسلسل مٹی کے ڈالے جانے سے اس کی دراڑیں بند ہوجائیں گی میری توجہ تو صرف اس طرف ہے کہ میں تقویٰ الٰہی کے ذریعے اپنے نفس کو بے قابو نہ ہونے دوں تاکہ اُس دن کہ جب خوف حد سے بڑھ جائے گا وہ مطمئن رہے اور پھسلنے کی جگہوں پر مضبوطی سے جما رہے“۔

ابن حجر نے صواعق محرقہ کے دوسرے باب میں ذکر کیا ہے کہ حکومت نے حضرت فاطمۃ زہراؑ سے فدک چھین لیا تھا۔

ابن حجر کے اس جملے کا معنی و مفہوم یہ ہے کہ فدک رسولؐ کے زمانے میں حضرت فاطمہ زہراؑ کی ملکیت میں تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد حکومت نے فدک حضرت فاطمہ زہراؑ سے چھین لیا تھا۔

علامہ مجلسیؒ نے "کتاب الخرائج" میں روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو فدک پر غلبہ حاصل ہو گیا تھا تو آپؐ اس غلبے کے بعد مدینہ منورہ میں تشریف لائے اور اپنی بیٹی کے خانۂ اقدس میں تشریف لائے اور فرمایا: اے میری بیٹی! مجھے اللہ تعالیٰ نے فدک عطا کیا ہے اور وہ میری ہی ملکیت ہے، اس میں کسی اور کا حق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق میں جس طرح چاہوں اس میں تصرف کر سکتا ہوں۔ آپؑ کی والدہ گرامی کا حق مہر آپؑ کے والد گرامی کے ذمہ باقی تھا۔ اسی اساس پر میں آج فدک آپؑ اور آپؑ کی اولاد کی ملکیت میں دے رہا ہوں"۔

اس وقت رسولؐ اللہ نے چمڑے کا ایک ٹکڑا لیا اور حضرت امام علی علیہ السلام سے فرمایا کہ اس پر یہ تحریر لکھ دیجیے۔ فدک جو الٰہی ہدیہ ہے وہ اب حضرت فاطمہ علیہا السلام کی ملکیت ہے۔

اس تحریر کے بعد رسولؐ اسلام نے حضرت امیر علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ خود اور رسولؐ اسلام کے غلام اور حضرت اُمِ ایمنؓ اس پر بطورِ گواہ دستخط کریں۔ ان تینوں شخصیات نے اس سند پر دستخط کیے اور یہ تینوں رسولؐ اسلام کی طرف سے گواہ مقرر ہوئے۔

جب رسولؐ اکرم نے رحلت فرمائی تو آپؐ کی رحلت کے دسویں روز حکومت نے جاگیر فدک کی طرف اپنا آدمی بھیجا اور رسولؐ اللہ کی دختر فاطمہ زہرا علیہا السلام کے وکیل کو فدک سے بے دخل کر دیا اور فدک پر قبضہ کر لیا۔

تین دلائل اور فدک کی ملکیت

① ملکیت

فدک حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے تصرف و ملکیت میں تھا۔ بغیر دلیل اور گواہوں کے آپؑ سے چھیننا کسی صورت میں جائز نہیں تھا۔ جس طرح کہ رسولؐ اللہ کا فرمان ہے:

اَلْبَیِّنَۃُ عَلَی الْمُدَّعِیْ وَالْیَمِیْنُ عَلٰی مَنْ اَنْکَرَ

"مدعی پر لازم ہے کہ وہ گواہ پیش کرے اور جو مدعی کے دعویٰ کا انکار کرے تو وہ قسم اٹھائے"۔

اس بیان کی رُو سے فدک کی حقیقت روشن ہو جاتی ہے۔ فدک حضرت فاطمہ زہراؑ کی ملکیت اور تصرف میں تھا۔ اُنھیں گواہوں کی اقامت کی ضرورت نہ تھی، کیونکہ آپؑ فدک کی مالکہ تھیں۔ گواہوں کی ضرورت حکومت کو تھی۔

۲ ہدیہ و بخشش پیغمبرؐ

دوسری حقیقت یہ ہے کہ فدک رسول اللہؐ کی دختر بتولؑ کی ملکیت تھا۔ پیغمبر اکرمؐ نے فدک اپنی بیٹی کو عطیہ کیا تھا۔ حضرت فاطمہ زہراؑ ازراہِ ہدیہ وعطیہ فدک کی مالکہ تھیں۔

۳ ازراہِ ارث

حضرت فاطمہ زہراؑ اپنے والد رسول اللہؐ کی وارث تھیں۔ اس لحاظ سے ازراہِ ارث آپؑ اپنے والد کی میراث کی مالکہ تھیں۔ لیکن حکومت نے ان تینوں وجوہات کی مخالفت کی۔ حکومت نے گواہ طلب کیے۔ حکومت نے ہدیہ وعطیہ کے گواہ مانگے، حکومت نے انبیاءؑ کی وراثت کا انکار کیا۔ یہ بات روشن ہے کہ حضرت فاطمہ زہراؑ ان تینوں جہتوں سے اپنے حق کا مطالبہ کرسکتی تھیں۔

رسول اللہؐ کی دختر حضرت فاطمہ زہراؑ نے سب سے پہلے اپنا حق اَزراہِ عطیہ و ہدیہ طلب کیا۔ بعدازیں اپنا حق اَزراہِ ارث طلب کیا کہ جس طرح حلبی نے اپنی سیرت ج ۳، ص ۳۹ میں اس امر کی تصریح کی ہے کہ حضرت فاطمہ زہراؑ اپنے والد گرامی رسولؐ اللہ کی رحلت کے بعد اپنے سیاسی حریفوں کے پاس آئیں اور فرمایا کہ فدک میرے والد گرامی کا عطیہ اور ہدیہ ہے کہ اُنھوں نے مجھے اپنی زندگی میں عطا فرمایا تھا، لیکن اُنھوں نے انکار کیا اور کہا کہ وہ اپنے دعویٰ کے لیے گواہ لے کر آئیں۔ حضرت فاطمہ زہراؑ نے امام علیؑ کو بطور گواہ پیش کیا۔ حکومت نے دوسرا گواہ طلب کیا۔ حضرت اُمِ ایمنؓ آئیں اور اُنھوں نے گواہی دی۔

حکومت نے آپؑ کو جواب دیا۔ آپؑ کا کیا خیال ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی سے آپؑ کا حقِ فدک ثابت ہو جائے گا؟ اور ہم فدک آپؑ کو واپس کر دیں گے؟

علامہ طبری نے اس طرح نقل کیا ہے کہ حضرت فاطمہ زہراؑ حکومت کے پاس تشریف لے گئیں اور فرمایا:

لِمَ تَمْنَعُنِیْ مِیْرَاثِیْ مِنْ اَبِیْ رَسُوْلِ اللهِ ؟ وَاَخْرَجْتَ وَكِيْلِیْ مِنْ فَدَكٍ وَقَدْ جَعَلَهَا لِیْ رَسُوْلُ اللهِ بِاَمْرِ اللهِ تَعَالٰى؟

"تم نے میرے باپ رسولؐ اللہ کی میراث مجھ سے کیوں چھین لی ہے اور تم نے فدک سے میرا

وکیل بے دخل کیا ہے حالانکہ اللہ کے رسولؐ نے فدک اللہ کے حکم سے میری ملکیت میں دیا تھا"۔

حکومت نے کہا: اپنے گواہ پیش کیجیے، تاکہ ہمیں حقیقت کا پتا چل جائے اور فدک آپؑ کو واپس کر دیا جائے۔
حضرت اُمِ ایمنؓ تشریف لائیں اور کہا کہ میں آپ کے سامنے گواہی نہیں دینا چاہتی بلکہ میں آپ کے سامنے رسولؐ اللہ کا فرمان بطورِ حجت پیش کرنا چاہتی ہوں۔ میں آپ کو خدا کی قسم دیتی ہوں کیا آپ کو رسولؐ اللہ کے اس فرمان کا علم نہیں ہے کہ حضرت فاطمہ زہراؑ خاتونِ جنت ہیں؟

حکومت نے جواب دیا: ہاں، ہمیں معلوم ہے کہ وہ خاتونِ جنت ہیں۔ حضرت اُمِ ایمن نے کہا: میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کی طرف وحی فرمائی: وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ...... پیغمبر گرامیؐ نے اللہ کے فرمان کی تعمیل میں فدک حضرت فاطمہ زہراؑ کو بطور عطیہ و ہدیہ دے دیا تھا۔

حضرت اُمِ ایمنؓ کے بعد حضرت امام علی علیہ السلام تشریف لائے اور اُمِ ایمنؓ کی مثل گواہی دی۔ حکومت نے اُن کے لیے ایک وثیقہ لکھا اور اُن کے حوالے کر دیا۔ اس دوران حضرت عمرؓ آئے اور کہا: یہ وثیقہ کیا ہے؟
حکومت نے کہا: حضرت فاطمہؑ نے فدک کا دعویٰ کیا ہے کہ فدک اُن کی ملکیت ہے، میں نے اُن سے گواہ طلب کیے تو اُن کے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے اُمِ ایمنؓ اور امام علیؑ نے اُن کے حق میں گواہی دی ہے تو میں نے اُنھیں یہ وثیقہ لکھ دیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے حضرت فاطمہؑ سے وہ وثیقہ لیا اور اپنے آبِ دہن سے اس کی تحریر کو مٹایا اور اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ یہ سلوک دیکھ کر حضرت فاطمہ زہراؑ گریہ کناں صورت میں مسجد نبویؐ سے باہر آئیں۔
سیرۃ حلبی، ج ۳، ص ۳۹۱ میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے وہ وثیقہ آپ سے لے کر اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔
حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے: حضرت فاطمہ زہراؑ حضرت علی علیہ السلام کے فرمان کی تعمیل میں مسجد نبویؐ میں تشریف لائیں اور حکومتی افراد سے فرمایا: آپ لوگوں نے میرے والد گرامی کی مجلس کو اپنے اختیار میں لے لیا ہے اور ان کی جانشینی اختیار کر لی ہے۔ اگر فدک تمہاری ملکیت ہے اور میں نے تم سے طلب کیا ہے تو اس صورت میں فدک کا میرے حوالے کرنا تم پر ضروری ہے۔

حکومت (حضرت ابوبکرؓ) نے جواب دیا: آپؑ نے درست کہا ہے۔ اس وقت فدک کی واپسی کا حکم نامہ لکھ دیا گیا۔ حضرت فاطمہؑ نے وہ تحریر اپنے ہاتھ میں لی کہ اپنے گھر کی طرف روانہ ہوں کہ راستے میں اُن کا حضرت عمرؓ سے

آمنا سامنا ہوا اور اُس نے اُس تحریر کے بارے میں سوال کیا۔

حضرت فاطمہ زہراؑ نے فرمایا: حکومت نے فدک کی واپسی کا پروانہ لکھ دیا ہے اور یہ وہی پروانہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ وہ تحریر نامہ اُسے دکھائیں لیکن حضرت فاطمہ زہراؑ نے اُسے تحریر دکھانے سے اعراض کیا۔ آپؑ سے وہ تحریر لے کر پارہ پارہ کردی۔ (الشافی: ص ۲۳۶، لسان المیزان: ج۱، ص ۲۶۸، میزان الاعتدال: ج۱، ص ۱۳۹)

دخترِ نبیؐ نے اُس کے اِس سلوک کو دیکھ کر اس کے حق میں ایک خاص دُعا کی۔ آخرکار وہ قبول ہوئی۔ تفصیل کے لیے کتب تاریخ کا مطالعہ فرمائیں۔ (وفاۃ الصدیقۃ الطاہرہ، ص ۷۸)

حضرت امام علی علیہ السلام اور اُن کے سیاسی حریف کے درمیان مکالمہ

ہم دوبارہ اس روایت کی طرف لوٹتے ہیں کہ جسے علامہ طبرسی نے روایت کیا ہے۔ حضرت امام علی علیہ السلام مسجد نبوی میں تشریف لائے اور حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچے۔ وہ اُس وقت مہاجرین اور انصار کے اجتماع میں تھے۔ آپؑ نے اُنھیں خطاب کیا کہ آپ نے حضرت فاطمہ زہراؑ کی وہ میراث کیوں اپنے قبضے میں لے لی ہے جو میراث اُنھیں اپنے والد گرامی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ملی تھی اور اُنھیں اپنے والد ماجد رسولؐ اللہ کی زندگی ہی میں اس میراث پر تصرف حاصل تھا؟ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ فدک اسلامی غنائم میں سے ہے۔ اگر حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے پاس گواہ ہیں کہ فدک رسولؐ اللہ نے اُنھیں دیا تھا تو پیش کریں بصورتِ دیگر اِس میں اُن کا کوئی حق نہیں ہے۔

امام علی علیہ السلام نے فرمایا:

تَحْكُمُ بَيْنَنَا بِخِلَافِ حُكْمِ اللهِ فِي الْمُسْلِمِيْنَ

"کیا آپ ہم اہلِ بیتؑ رسولؐ اللہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم اور معاشرتی مقررات کے خلاف اپنا حکم نافذ کریں گے؟"

حضرت ابوبکرؓ نے کہا: نہیں ایسی بات نہیں ہے۔

جنابِ امیر علیہ السلام نے فرمایا: اگر کسی مسلمان کے پاس کوئی چیز ہو اور میں دعویٰ کروں کہ وہ چیز میری ہے کیا آپ مجھ سے گواہ طلب کریں گے؟

اُس نے جواب دیا: جی ہاں، گواہ طلب کروں گا۔

حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا: اس میں حضرت فاطمہ زہراؑ کا کیا جرم ہے کہ جو چیز اُن کی ملکیت تھی آپ نے اس

پر گواہ طلب کیے۔ وہ رسولؐ اللہ کی زندگی میں فدک کی مالکہ تھیں اور آج تک فدک اُن کی ملکیت میں رہا ہے۔ اب آپؓ نے اس پر قبضہ کرلیا ہے۔ اب آپ اُن سے تو اُن کی ملکیت پر گواہ طلب کرتے ہیں اور باقی لوگوں سے اُن کی ملکیت پر گواہ طلب نہیں کرتے؟

امام علیہ السلام کا جواب سن کر حضرت ابوبکرؓ کچھ دیر تک خاموش رہے اور پھر کہا: اے علیؑ! اپنی منطقی گفتگو سے ہمیں دُور رکھیے۔ آپؑ کے دلائل و براہین کا ہمارے پاس جواب نہیں ہے۔ اگر آپؑ کے پاس عادل گواہ ہیں تو پیش کیجیے۔ بصورتِ دیگر یہ فدک مسلمانوں کی ملکیت ہے۔ نہ اس میں آپؑ کا حق ہے اور نہ فاطمہؑ کا ہے۔

امام علی علیہ السلام نے فرمایا: کیا آپ نے اللہ کی کتاب پڑھی ہے؟

جواب دیا: جی ہاں پڑھی ہے۔

امام علی علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کس کی شان میں نازل ہوا:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا

یہ آیت ہماری شان میں نازل ہوئی ہے یا ہمارے غیر کی شان میں نازل ہوئی ہے؟

حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا: آپؑ لوگوں کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا: اگر حضرت فاطمہ زہراؑ کے بارے میں کچھ لوگ کسی ناپسندیدہ اَمر کی گواہی دیں تو اُس وقت آپ کیا کریں گے؟

حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا: میں اُن پر عام مسلمان عورتوں کی طرح حد جاری کروں گا۔

یہ سن کر امام علی علیہ السلام نے فرمایا: ایسا کر کے کیا آپ اللہ کی مخالفت کریں گے؟

حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا: وہ کیسے؟

امام علیہ السلام نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ نے اُن کی طہارت و پاکیزگی کی اپنے قرآن میں گواہی دی ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کی شہادت کو رد کریں گے اور لوگوں کی شہادت کو قبول کریں گے؟ اس طرح جیسے کہ آپ نے فدک کے بارے میں اللہ اور اُس کے رسولؐ کے حکم کی مخالفت کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ مسلمانوں کا مال ہے حالانکہ رسولؐ اللہ کا فرمان ہے:

اَلْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِیْ وَالْيَمِيْنُ مَنِ ادَّعٰی عَلَيْهِ

"مدعی گواہ پیش کرے اور جو منکر ہے وہ قسم اُٹھائے"۔

اس مقام پر حاضرین حیران و سرگردان ہوکر رہ گئے اور ایک دوسرے کی سرزنش کرنے لگے اور کہنے لگے: خدا

کی قسم! امیر المومنین امام علی علیہ السلام نے سچ فرمایا ہے۔

علامہ حلیؒ نے اپنے کشکول میں نقل کیا ہے کہ اُنھوں نے مفضل بن عمر سے اور اُنھوں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا، یہ روایت فائدہ سے خالی نہیں ہے۔ یہاں ہم اختصار کی صورت میں بیان کرتے ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے جب اپنی حکومت بنالی تو اعلان کیا: رسول اللہ نے جس کا قرض دینا تھا یا آپؐ نے کسی سے کوئی وعدہ کیا تھا وہ میرے پاس آئے، تا کہ میں رسول اللہ کا قرض اُتاروں یا اُن کا وعدہ پورا کروں۔

جابر بن عبداللہ انصاریؓ اور جریر بن عبداللہ البجلیؓ مسجد نبویؐ میں آئے اور اُن دونوں نے دعویٰ پیش کیا کہ رسول اللہ نے اُن سے مال کا وعدہ فرمایا تھا۔ حکومت نے اُن دونوں کو ادائگی کر کے رسول اللہ کا وعدہ پورا کر دیا۔ اس دوران حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام دختر پیغمبرؐ مسجد نبویؐ میں تشریف لائیں اور فدک وخمس اور مالِ غنیمت کا مطالبہ کیا۔ حکومت نے آپؑ سے کہا: اے رسول اللہ کی دختر! اپنے دعویٰ کے لیے گواہ پیش کیجیے۔

حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام نے قرآنی آیات پیش کیں اور فرمایا: آپ نے جابر بن عبداللہ اور جریر بن عبداللہ بجلی کو تو نہیں جھٹلایا، اُنھیں صادق تسلیم کیا اور اُن سے گواہ بھی طلب نہیں کیے حالانکہ میں نے اللہ کی کتاب میں سے دلائل دیے ہیں۔ آپ اُنھیں قبول نہیں کرتے اس کی کیا وجہ ہے؟

اس گفتگو کے بعد حکومت نے گواہ طلب کیے اور حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام نے بطور گواہ امام علی علیہ السلام، حسنین شریفینؑ اور اُمِ ایمنؓ اور اسماء بنت عمیسؓ کو پیش کیا۔ اُن دنوں اسماء بنت عمیس حضرت ابوبکرؓ کے عقد میں تھیں۔ ان تمام شخصیات نے حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے حق میں گواہی دی۔

اہلِ بیت رسول اللہ کے سیاسی حریفوں نے کہا: جہاں تک امام علی علیہ السلام ہیں وہ تو حضرت فاطمہؑ کے شوہر ہیں۔ حسنین شریفینؑ تو ان کے بیٹے ہیں اور اُمِ ایمنؓ اُن کے گھر کی کنیز ہے۔ جہاں تک اسماء بنت عمیس کی بات ہے وہ حضرت جعفر بن ابی طالبؑ کی زوجہ رہ چکی ہیں۔ اُس نے ہر صورت بنوہاشم کے حق میں گواہی دینی ہے۔ علاوہ ازیں یہ دونوں خواتین حضرت فاطمہؑ کی عقیدت مند اور شاگردہ ہیں۔ ان میں سے ہر ایک اپنے نفع کی تلاش میں ہے۔

حضرت امام علی علیہ السلام نے اپنے سیاسی حریفوں کے جواب میں فرمایا: حضرت فاطمہؑ رسول اللہ کے مبارک جسم کا حصہ ہیں، جس نے اُنھیں اذیت دی اُس نے رسول اللہ کو اذیت دی اور جس نے اُن کی تکذیب کی اُس نے رسول اللہ کی تکذیب کی۔ حسنین شریفینؑ دونوں رسول اللہ کے فرزند ہیں اور جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔ جس نے ان دونوں کو جھٹلایا اُس نے رسول اللہ کو جھٹلایا جب کہ اہلِ جنت سب سچے ہیں تو ان کے سردار کیسے سچے نہ ہوں گے؟

جہاں تک میری بات ہے تو رسولؐ اللہ نے میرے بارے میں فرمایا تھا: "اے علیؑ! آپؑ مجھ سے ہیں اور میں آپؑ سے ہوں۔ اور آپؑ میرے دین و دنیا کے بھائی ہیں۔ جس نے آپؑ کو قبول نہ کیا اُس نے مجھے قبول نہ کیا اور جس نے آپؑ کی اطاعت کی اُس نے میری اطاعت کی اور جس نے آپؑ کی معصیت کی اُس نے میری معصیت کی۔ رسولؐ اللہ نے حضرت اُمِ ایمنؓ کے بارے میں فرمایا تھا کہ وہ اہلِ جنت میں سے ہیں۔ رسولؐ اللہ نے اسماء بنت عمیس اور ان کی اولاد کے حق میں دُعائے خیر کی تھی"۔

حکومت نے وہی جواب دیا جس طرح پہلے کہا تھا کہ آپؑ نے جو کچھ اپنے بارے میں کہا ہے ٹھیک ہے لیکن اُن لوگوں کی گواہی جو اپنے فائدہ کے لیے دے رہے ہو قبول نہیں ہے۔

حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا: جب تم لوگ ہماری منزلت و مقام کو جانتے ہو اور ہمارے فضائل سے انکار بھی نہیں کرتے ہو۔ ہماری گواہی اور رسولؐ اللہ کی گواہی کو بھی قبول نہیں کرتے تو پھر میں کہوں گا: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

جب ہم نے اپنی ملکیت کا دعویٰ کیا تو آپ لوگوں نے ہم سے گواہ طلب کیے۔ کون ہے جو ہماری مدد و نصرت کرے؟ آپ لوگوں نے اللہ اور اُس کے رسولؐ کی حکومت پر ہجوم کیا اور اُس حکومت کو رسولؐ اللہ کے خانۂ اقدس سے نکال کر اس کے غیر کے گھر میں لے گئے ہو اور اس امر پر نہ تو تم نے گواہ طلب کیے اور نہ کوئی دلیل طلب کی۔

وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ

"اور جن لوگوں نے ظلم کیا ہے اُنھیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس جگہ لوٹائے جائیں گے"۔ (سورۂ شعراء: آیت ۲۲۷)

بعدازیں حضرت امام علی علیہ السلام نے حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام سے فرمایا: اب آپؑ واپس اپنے گھر کی طرف لوٹ جائیں۔ خداوند تعالیٰ ہی فیصلہ فرمائے گا، کیونکہ وہ ہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

جب سیّدہ نساء العالمین حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام نے دیکھا کہ اُن کے والد گرامی نے اپنی زندگی میں اللہ کے حکم سے اُنھیں فدک کی جاگیر ہدیہ کی تھی۔ رسولؐ اللہ کی رحلت کے بعد حکومت نے اُن کی ملکیت پر قبضہ کر لیا۔ اُنھوں نے اپنی ملکیت پر گواہ پیش کیے لیکن حکومتِ وقت نے اُن کے پیش کردہ گواہوں کو قبول نہ کیا اور اُنھیں اُن کا حق نہ ملا۔

پیغمبرؐ کی دُختر فرزانہ نے اپنے حق کی بازیابی کے لیے ایک دوسرا راستہ اختیار کیا اور آپؑ کے نزدیک یہ دوسرا راستہ میراث کا راستہ تھا کہ جو چیز اُن کے والد رسولؐ اللہ کی ملکیت تھی اُن کی رحلت کے بعد وہ ہی وارث ہیں، کیونکہ جاگیر فدک قرآنِ مجید کی رُو سے رسولِ اکرمؐ کی ملکیت تھی۔ اگر حکومت کو انکار ہے کہ رسولؐ اللہ نے اپنی زندگی میں جاگیر

فدک اپنی بیٹی کو ہدیہ نہیں کیا تھا۔ اب اُن کی رحلت کے بعد اُن کے پاس کوئی دلیل باقی نہیں رہے گی۔ جب وہ اپنی میراث کا دعویٰ کریں گے تو اُن کے اِس دعویٰ کو کسی صورت میں ٹھکرایا نہیں جاسکے گا، کیونکہ وہ اپنے والد کی واحد وارثہ ہیں۔ دنیا کے ہر قانون کے مطابق والد کی میراث اولاد کی طرف منتقل ہوتی ہے۔

سیّدہ نساء العالمین نے یہی تجاویز اختیار کیں کہ اب وہ اپنا حق فکری و دینی اور معاشرتی قوانین کے ذریعے حاصل کریں۔ خاتونِ جنت بخوبی جانتی تھیں کہ اُن کے اِن قطعی اور آشکار دلائل کو ہرگز پذیرائی نہیں ملے گی۔ اُن کے سیاسی حریف حق وعدالت کو قطعاً اختیار نہیں کریں گے۔ جس طرح کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

آيَةُ السَّيْفِ تَمْحُوْ آيَةَ الْقَلَمِ

"تیز وتند شمشیر ایک لمبے عرصے تک قلم وبیان کے آثار کو مٹا کر رکھ دیتی ہے"۔

جی ہاں! یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حکومت کے سامنے منطق و برہان کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ وہ اپنے مفاد کی ہی بات کرتی ہے اس لیے خاتونِ جنت نے یہ دوسرا راستہ اختیار کیا کہ اگر اُن کے دعویٰ کو تسلیم نہ کیا گیا تو وہ اپنے اِس اقدام سے اپنی مظلومیت کو تاریخ کی عدالت میں ثابت کرسکیں گی اور حکومت نے اپنے چہرے پر جو نقاب تان رکھی ہے اُسے اُتار سکیں گی۔ اس لیے آپؑ نے فیصلہ فرمایا کہ وہ مسجد نبویؐ میں جا کر لوگوں کے مجمع میں ایک تاریخی خطبہ دیں اور اپنے حکیمانہ اَہداف کو ثابت کریں۔

مطالبہ فدک میں چند راز

ممکن ہے کہ بعض لوگ یہ خیال کریں کہ سیّدہ نساء العالمین کائنات کی پارسا ترین خاتون تھیں۔ اُنھیں دُنیاوی زرق و برق سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اُن کا قلبِ مبارک اِس فانی دنیا اور اُس کے جلووں سے دُور بہت دُور تھا۔ کیا وجوہات تھیں کہ جن کی بنا پر خاتونِ جنت نے اپنے حقوق کی بازیابی کے لیے یہ تاریخی اِقدام اُٹھایا۔ آپؑ نے جاگیر فدک کے حصول کے لیے اس قدر متابعت اور اِصرار کیوں فرمایا؟ جب کہ آپؑ کا نفس اِن مادی اشیاء یعنی کھیت و کھلیان اور باغ و بوستان کی حدود و قیود اور اُن کی مِلک وملکیت سے آزاد تھا۔

خاتونِ جنت اور اُن کے خاندان کی دیدگاہ میں یہ دُنیا اور اُس کی قیمت خنزیر کی ہڈی کے ٹکڑے سے جو ایک مجذوم کے منہ میں ہو، حقیر تر تھی اور مچھر کے پَر سے پست تر تھی۔ آپؑ کے ہاں وہ کون سا عامل تھا جس کی بنیاد پر آپؑ نے جاگیر فدک کا مطالبہ فرمایا۔

حضرت فاطمہ زہرا عالمین کی عورتوں کی سیدہ وسالار تھیں۔ آپؑ انسانیت ومعنویت میں بلند وبالا مقام رکھتی تھیں۔ آپؑ بخوبی جانتی تھیں کہ وہ اپنے حق کے حصول کے لیے جس قدر شدید سے شدید تر جدوجہد کریں اُنھیں اپنا حق ملنے والا نہیں ہے۔ یہاں کچھ سوالات پیدا ہوتے ہیں کہ جب حالات یہ تھے تو پھر سیدہ طاہرہ صدیقہؑ نے یہ تاریخی قدام کیوں اُٹھایا؟

ان سوالات کے جوابات ممکنہ حد تک جو اذہان میں آتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

① پہلا جواب یہ ہے کہ حکومت نے فوراً حضرت سیدہ زہرا کی ملکیت ومیراث کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ اس اقدام سے حکومت کا مقصد یہ تھا کہ اہلِ بیتِ رسولؐ کو اقتصادی و مالی طور پر کمزور کر دیا جائے تاکہ امام علیؑ فقروتہی دستی سے دوچار ہو جائیں اور اُن کی مرکزیت ختم ہو جائے اور جو لوگ اُن سے مالی استفادہ کرتے ہیں وہ اُن سے منتشر ہو جائیں۔ اس طرح اُن کی مادی و دُنیاوی جاہ ومنزلت باقی نہ رہے۔ کیونکہ رسولؐ اللہ کی زندگی میں جب کچھ لوگوں نے رسولؐ اللہ کو اقتصادی طور پر کمزور کرنے کی کوشش کی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان سے اُن کی سازش کو بے نقاب کر دیا تھا۔

لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا (سورۂ منافقون: آیت ۷)

"جو لوگ رسولؐ اللہ کے اردگرد موجود ہوں تو کوئی چیز خرچ نہ کیجیے تاکہ وہ پراگندہ ہو جائیں"۔

② فدک کی زمینوں اور باغات کا سالانہ محصول کوئی معمولی محصول نہیں تھا۔ ابن ابی الحدید نے اپنے زمانے کی بات کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فدک کے کھجور کے باغات کوفہ کے کھجور کے باغات کے برابر تھے۔

علامہ مجلسیؒ نے بیان کیا ہے کہ جاگیر فدک کی سالانہ آمدنی چوبیس ہزار دینار تھی۔ ایک دوسری روایت کے مطابق ستر ہزار دینار سالانہ آمدنی تھی۔ شاید سالانہ محصول کا اختلاف سالوں کے اختلاف کی بنیاد پر ہو۔

فدک اور اس کی زمینوں کی سالانہ آمدنی ایک بہت بڑی مالی ثروت تھی کہ جس سے چشم پوشی کسی صورت میں بھی صحیح نہیں تھی۔

③ حکومت کا خیال تھا کہ اگر حضرت فاطمہ زہرا کا جاگیر فدک والا مطالبہ تسلیم کرتے ہیں تو اس مطالبے کے تسلیم ہونے کے بعد وہ اپنے شوہر نامدار کے لیے خلافت وحکومت کا مطالبہ کریں گی۔ کیونکہ جس طرح فدک اور دوسری زمینیں اُن کے والد گرامی رسولؐ اللہ کی ملکیت تھیں اس طرح ولایت وحکومت بھی رسولؐ اللہ کی ملکیت تھی تو اُنھیں اُن کا یہ مطالبہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔

اس بارے ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ میں نے بغداد کے مدرسہ غربیہ کے اُستاد علی فارقی سے پوچھا کہ "کیا حضرت فاطمہ زہراؑ اپنے مطالبہ جاگیر فدک میں حق پر تھیں؟"

اُس نے کہا: جی ہاں، وہ حق پر تھیں۔

میں نے سوال کیا پھر کیا وجہ تھی کہ جب نبی اکرمؐ کی دختر اپنے مطالبہ میں حق پر تھیں تو حکومت نے اُن کا حق اُن کے حوالے کیوں نہ کیا؟ استاد علی فارقی صاحب دانش و بینش آدمی تھے، اُنھوں نے تبسم کے ساتھ کہا اور نہایت ہی حکیمانہ وظریفانہ گفتگو کی۔

اگر حکومت حضرت فاطمہ زہراؑ کا جاگیر فدک کا مطالبہ تسلیم کر لیتی تو وہ دوسرے دن اُن کے پاس آتیں اور اپنے شوہر نامدار کے لیے حکومت و خلافت کا مطالبہ کرتیں کہ حکومت و خلافت اُن کے شوہر کا حق ہے، وہ واپس کیجیے۔ پھر حکومت کے پاس کوئی عذر باقی نہ رہتا کیونکہ جب وہ اپنے پہلے مطالبہ میں حق پر تھیں تو اپنے دوسرے مطالبہ میں بھی حق پر ہوتیں، اُنھیں کسی گواہ کی ضرورت بھی نہ ہوتی۔

④ ہمیشہ حق طلب کیا جاتا ہے، حق بغیر مطالبے کے نہیں ملتا۔ جس انسان کا حق غصب کیا گیا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے حق کو طلب کرے کیونکہ وہ اس کا حق ہے۔ زُہد و زہادت کے ہوتے ہوئے بھی حق طلبی ضروری ہے۔ اِس سے زُہد کی نفی نہیں ہوتی۔ اپنے حق پر خاموشی جائز نہیں ہے بلکہ ظلم پروری ہے۔

⑤ اگر انسان زاہد ہو، تارک الدنیا ہو اور آخرت کی طرف متوجہ ہو پھر بھی اُسے دنیاوی مال کی ضرورت ہوتی ہے۔ اپنے ذاتی اخراجات، اپنی شخصیت و آبرو کی حفاظت کے لیے مالِ دنیا کی احتیاج ہوتی ہے کیونکہ انسان اِسی مالِ دنیا سے صلۂ رحمی کرسکتا ہے اور اُسے اللہ کی راہ میں خرچ کر کے اپنی آخرت بنا سکتا ہے۔ کیا آپ نے رسولؐ اللہ کی سیرت نہیں پڑھی؟ آپؐ کائنات کے زاہد ترین انسان تھے۔ جب حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ کا مال آپؐ کے پاس آیا تھا تو آپؐ نے اُس مال سے اسلام کو تقویت دی تھی۔ گذشتہ صفحات میں یہ بحث آپ پڑھ چکے ہیں۔ خاندانِ اہلِ بیتؑ کی یہی غرض تھی کہ وہ اپنی میراث وملکیت سے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کر کے اپنے رب کی خوشنودی حاصل کریں۔

⑥ کبھی حکمت و دانش کا تقاضا ہوتا ہے کہ انسان اپنے غصب شدہ حق کا مطالبہ کرے جب وہ اپنے حق کو طلب کرتا ہے تو دو صورتوں میں سے ایک صورت کے ساتھ ضرور ہمکنار ہوتا ہے۔ یا تو وہ اپنی حق طلبی میں کامیاب ہو جاتا ہے اور اپنا ضائع شدہ حق پا لیتا ہے یا وہ کامیاب نہیں ہو پاتا، لیکن اس صورت میں اُس پر ہونے والا ظلم

ظاہر ہو جاتا ہے اور اُس کی مظلومیت دنیا کے سامنے آجاتی ہے۔ ماحول و معاشرہ میں اس کی مظلومیت واضح ہو جاتی ہے۔ ایک مظلوم اپنی مظلومیت سے ہر عصر اور ہر نسل کو پیغام دیتا ہے کہ اُس پر ظلم ہوا ہے اور فلاں نے اُس پر ظلم کیا ہے۔ وہ ظالم اپنے دعویٰ میں صادق نہیں ہے۔

◇ صاحبانِ فکر کی کوشش و کاوش ہوتی ہے کہ لوگوں کے قلوب کو اپنی طرف متوجہ کریں تو وہ اس اَمر میں مال و ثروت کو استعمال کرتے ہیں، وعدے کر کے اُن کا ایفا کرتے ہیں۔ خوش اخلاقی اپناتے ہیں۔ ان طریقوں سے وہ قلوب کو منفعل کرتے ہیں، لیکن تمام وسائل میں افضل ترین وسیلہ جو قلوب کو اپنی طرف کھینچتا ہے وہ اظہارِ مظلومیت ہے، کیونکہ قلوب مظلوم سے متاثر ہوتے ہیں اُس کے لیے محبت پیدا ہوتی ہے اور اُس پر ظلم کرنے والے کے لیے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ یہ طریقہ اور وسیلہ سب سے زیادہ موثر اور کامیاب ہے۔

ان کے علاوہ اور اسباب و عوامل بھی ہیں، جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ یہی وجوہات تھیں کہ جن کی بنا پر حضرت فاطمہ زہراؑ نے اپنے حق کے لیے قیام فرمایا اور رسولؐ اللہ کی مسجد کا رُخ کیا۔

آغازِ کار کے لیے شائستہ تدابیر

رسول اللہؐ کی دختر فرزانہ نے اپنے حق کے لیے مسجد نبویؐ کا رُخ کیا۔ حاکم کے گھر کا رُخ نہ کیا۔ آپؑ نہیں چاہتی تھیں کہ صرف حاکم کے ساتھ گفتگو ہو بلکہ آپؑ چاہتی تھیں کہ اسلامی مرکز میں جائیں اور مسلمانوں کے انبوہ کثیر میں اپنے حق کا مطالبہ کریں۔ اس لیے آپ نے مسجد نبویؐ کا رُخ کیا اور وقت کا بھی تعین فرمایا۔ آپؑ اُس وقت مسجد نبویؐ میں تشریف لائیں جب مسجد لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ مہاجرین و انصار سبھی موجود تھے۔ جب آپؑ مسجد کی طرف تشریف لے گئیں تو خواتین کی ایک جماعت آپؑ کے ہمراہ تھی۔ خواتین نے آپؑ کو ہر طرف سے گھیر رکھا تھا۔ مسجد میں پردے کا اہتمام کیا گیا، کیونکہ آپؑ حبیبہ رسولؐ خدا تھیں اور فخرِ مخدرات اور سیدۂ محجبات تھیں۔

خاتونِ جنت پیکرِ دانش و بینش

جب حکومت نے دیکھا کہ پردے کے پیچھے رسولؐ اللہ کی دختر فرزانہ اپنے خاندان کی خواتین کے ہمراہ تشریف فرما ہیں۔ حکومت کو معلوم تھا کہ وہ کائنات کے فصیح ترین انسان کی دختر ہیں اور خود اُن کی اپنی ذات اس جہان کی تمام خواتین سے فصیح تر ہے۔ اب حکمرانوں کے لیے اُن کا پُر فصاحت احتجاج سننا ناگزیر ہو گیا تھا۔

دخترِ پیغمبرؐ کا خطاب ہر لحاظ سے منظم و دقیق و عمیق تھا۔ ہر قسم کے تزلزل و اضطراب سے پاک تھا۔ اس میں نہ

کہیں مغالطہ تھا اور نہ ہذلہ گوئی تھی اور نہ آپؑ نے اپنے خطاب میں تندوتیز طعن و تشنیع سے کام لیا۔ آپؑ نے اپنی عزت وعظمت اور مقام ومنزلت اور اپنی اَرفع و اعلیٰ شخصیت کو سامنے رکھ کر خطاب فرمایا کہ مبادا کل اُن کی شخصیت پر کسی قسم کا حرف نہ آئے۔ سیّدہ طاہرہ صدیقہ کبریٰؑ کا خطبہ ایسا معجزہ ہے جو کائنات پر بھاری اور جس نے قیامت کے سورج کے طلوع ہونے تک باقی رہنا ہے۔ یہ خطبہ اسلامی ثقافت کا خورشیدِ خاور ہے۔

آپ نے اپنا یہ خطبہ بھرپور مہارت اور توانائی سے شروع کیا اور اِس کا اختتام بھی عہد ساز و تاریخ ساز طریقے سے کیا کہ جس کا اثر ہر عصر اور ہر نسل تک باقی رہے گا۔

آپؑ کا یہ جاودانہ خطاب فصاحت و بلاغت، حلاوتِ بیان، دل نشین منطق، استدلالی قوت، متانت و دلیل اور ترتیب و تنظیم سخن کا حسین مرقع ہے۔ آپؑ نے اپنے خطاب میں اَنواع و اقسام کے استعاروں اور کنایوں کا استعمال بھرپور ہنرمندی سے فرمایا۔

آپؑ کا خطبہ جہاں مختلف بحثوں کا حسین امتزاج ہے وہاں آپؑ نے اپنے اَہداف کو بھی مرکوز رکھا۔ قلم میں وہ طاقت ہی نہیں ہے کہ جو اس ملکوتی خطاب کی منظر نگاری کر سکے۔

حضرت سیّدہ طاہرہؑ روشن دلائل و قاطع براہین و استدلال سے مسلح تھیں۔ صحابہ کرامؓ مسجد نبویؐ میں جمع تھے۔ سبھی آپؑ کی ملکوتی گفتگو سننے کے لیے بے چین و بے قرار تھے کہ اس گفت وشنید کے بعد نتیجہ کیا سامنے آئے گا۔ اُنھوں نے آج تک ایسا بے نظیر دن نہیں دیکھا تھا۔ وہ انتہائی بے صبری کے ساتھ لحہ لحہ شمار کر رہے تھے کہ نبیؐ کی بیٹی کس لحہ اپنے خطبے کا آغاز فرماتی ہیں۔

خاتونِ جنت اُس مقام پر تشریف فرما ہوئیں جو آپؑ کے لیے پسِ پردہ بنائی گئی تھی۔ شاید کہ آپؑ اپنے بابا (رسول اللہ ﷺ) کی رحلت کے بعد پہلی دفعہ اِس صورت میں مسجد میں آئی تھیں۔

یہ کوئی مقامِ تعجب نہیں ہے کہ جب آپ مسجد میں تشریف لائیں تو آپ کو اپنے والد مہربان کی یاد نے ایک دفعہ تڑپا کر رکھ دیا۔ آپؑ نے ایک پُردرد آہ بھری! میرے قلم میں وہ طاقت وتوانائی نہیں ہے جو اِس جاں سوز نالے کے اثر کو احاطۂ تحریر میں لاسکے کہ اُس نے حاضرین کے قلوب کو کس قدر متاثر کیا۔ جی ہاں! صرف ایک نالہ وفریاد جو کلام سے خالی تھا اُس نے کس طرح لوگوں کے عواطف و احساسات کو برانگیختہ کیا۔ حاضرین کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آگئے اور اُن کی آنکھوں سے سیلابِ اَشک رواں دواں ہو گئے۔

میں نہیں جانتا کہ اس جاں سوز نالہ کا مفہوم کیا تھا؟ خاتونِ جنت کی ایک آہ سے اَشکوں کی موج کیوں جاری

ہوئی؟ اور لوگوں کو کس طرح گریہ پر مجبور کردیا؟ کیا یہ حقیقت ہے کہ ایک نالۂ جاں سوز آنکھوں کو گریاں کُناں کرسکتا ہے؟ اور آنکھوں کو ساون کے بادل کی طرح برسا سکتا ہے اور قلوب کو حیران و سرگردان کرکے اُن میں نہ بجھنے والی آگ لگا سکتا ہے؟

یہ ایک راز ہے، یہ ایک معمہ ہے۔ مؤلف کا ذہن اتنی توانائی نہیں رکھتا کہ راز کو منکشف کرے شاید کہ کچھ اور لوگ آئیں اور اس راز سے پردہ اُٹھائیں۔

تاریخ ساز خطبہ کے مصادر

اس سے قبل کہ ہم معصومہ عالمؑ کے اس عہد ساز خطبہ کو پیش کریں بہتر ہے کہ پہلے اس خطبہ کے مصادر و رُواۃ کو بیان کریں جسے شیعہ اور سُنّی اکثر محدثین و مؤرخین نے روایت کیا ہے تاکہ ہم معلوم کرسکیں کہ اس ملکوتی خطبہ کی خاندانِ وحی کے ہاں کتنی اہمیت ہے۔ یہ خطبہ ایک علمی، عبادی، سیاسی، قضائی اور دینی خطبہ ہے۔ ایک طرف یہ خطبہ خاندانِ نبوت و رسالت کی حقانیت و مظلومیت اور شہامت کو ظاہر کرتا ہے تو دوسری طرف حکومتی خشونت و قساوت سے پردہ اُٹھاتا ہے۔

میرا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ میں نے تمام مصادر و مدارک کو یہاں بیان کردیا ہے۔ جی ہاں! جو مصادر میری دسترس میں آئے صرف میں نے اُنھی کا ذکر کیا ہے۔ اُن مصادر میں سے چند ایک یہ ہیں:

① السید مرتضیٰ علم الہدیٰ، المتوفی ۴۳۶ھ نے اپنی کتاب "الشافی" اپنے اسناد کے ساتھ اس خطبہ کو عُروہ سے نقل کیا ہے اور عُروہ نے حضرت بی بی عائشہؓ سے سنا تھا۔

② سیّد ابن طاؤس نے اپنی کتاب "الطرائف" میں اپنی سند سے زُہری سے اور اُس نے حضرت بی بی عائشہؓ سے روایت کیا ہے۔

③ علامہ شیخ صدوقؒ نے اپنی اسناد کے ساتھ حضرت زینبؑ بنت امام علی علیہ السلام سے روایت کیا ہے۔

④ شیخ صدوقؒ نے اپنے دوسرے اسناد سے حضرت زید شہید فرزند حضرت امام سجاد علیہ السلام سے، اُنھوں نے اپنی پھوپھی عقیلہ قریش حضرت زینب علیہا السلام سے اور اُنھوں نے اپنی والدہ گرامی خاتونِ قیامت حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام سے سنا۔

⑤ نیز اُنھوں نے اپنے اسناد سے احمد بن محمد بن جابر سے اور اُس نے بھی شریکۃ الحسینؑ حضرت زینب عالیہ علیہا السلام سے سنا۔

۶ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں احمد بن عبدالعزیز جوہری کی کتاب "السقیفہ" سے یہ روایت چار طریقوں سے نقل کی:

الف: اپنے اسناد سے خاندانِ نبوت سے اور اُنھوں نے حضرت زینب علیہا السلام سے۔

ب: اپنے اسناد سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے۔

ج: اپنے اسناد سے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے حاصل کیا۔

د: اپنے اسناد سے حضرت امام حسن علیہ السلام کے پوتے حضرت عبداللہ بن حسنؒ سے حاصل کیا۔

۷ علی بن عیسٰی اُربلی نے اپنی کتاب کشف الغمہ میں اور اُس نے اس خطبہ کو جوہری کی کتاب "السقیفہ" سے لیا۔

۸ مسعودی نے اِس خطبہ کو اپنی کتاب "مروج الذہب" میں نقل کیا۔

۹ علامہ طبرسی نے اِس کا ذکر "الاحتجاج" میں کیا۔

۱۰ احمد بن ابی طاہر نے اپنی کتاب "بلاغات النساء" میں۔ ان کے علاوہ محدثین اور مورخین کی ایک کثیر تعداد ہے جنھوں نے اپنے ہاں اِس تاریخی خطبہ کو نقل کیا ہے۔

ابن ابی الحدید نے اپنی کتاب شرح نہج البلاغہ میں حضرت سید مرتضٰی علم الہدٰی کے حوالے سے نقل کیا ہے، اُنھوں نے کہا کہ ہمیں ابوعبیدہ محمد بن عمران المرزبانی نے، اُس نے علی بن ہارون سے، اُس نے عبیداللہ بن احمد سے، اُس نے اپنے والد سے سنا۔ ابوطاہر نے بیان کیا کہ میں نے ابوالحسین زید بن علی بن الحسین بن علی ابن ابی طالبؑ کے سامنے اُم الائمہ، صدیقہ طاہرہؑ کا وہ کلام پیش کیا جو حکومت کے فدک نہ دینے کے وقت شفیعہ روزِ محشر دُخترِ نبیؐ نے بیان فرمایا تھا اور میں نے حضرت زید بن علی علیہما السلام سے بیان کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ بنائی ہوئی بات ہے اور یہ خطبہ ابوالعیناء کا کلام ہے، کیونکہ وہ ایک بلیغ انسان تھا۔ اُس نے اِسے وضع کیا تھا۔

حضرت زید بن علی علیہما السلام نے جواب دیا کہ میں نے آلِ ابوطالبؑ کے بزرگواروں کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے آباؤاجداد سے اس خطبہ کی روایت کرتے ہیں اور اِس کی اپنی اولاد کو تعلیم دیتے ہیں اور خود میرے پدر بزرگوار نے میرے دادا سے اس خطبہ کی روایت کو حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام تک پہنچایا اور مشائخ شیعہ نے اس خطبہ کی روایت اُس وقت کی ہے جب ابوالعیناء کا دادا پیدا بھی نہیں ہوا تھا۔

خاندانِ وحی نے اس خطبہ کی تعلیم ہمیشہ اپنے افراد میں جاری رکھی۔ حسین بن علوان نے عطیہ عوفی سے روایت کی ہے کہ اُنھوں نے عبداللہ بن حسین بن حسن کو اپنے باپ سے اِس خطبہ کو روایت کرتے ہوئے سنا ہے۔ پھر ابوالحسن زید

کہتے ہیں کہ لوگ اس خطبہ کو کلامِ سیدہ کہنے سے کیوں انکار کرتے ہیں حالانکہ وہ لوگ حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے وقت حضرت عائشہؓ کا وہ کلام نقل کرتے ہیں جو حضرت فاطمہ ﷥ کے اس کلام سے بھی عجیب تر ہے اور اس کا ذکر بہ عنوان تحقیق کرتے ہیں کہ معصومہ عالمؑ کے اس خطبہ کے متعلق قوم کی یہ روش صرف ہم اہلِ بیتؑ کی عداوت کی بنا پر ہے۔ پھر سید مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ یہ خطبہ اسی عنوان سے مختلف طریقوں اور کثیر جہتوں سے ذکر کیا گیا ہے جو شخص تمام طریقوں کو معلوم کرنا چاہتا ہے تو وہ اُن تمام کتب کی طرف رجوع فرمائے جن کتب میں یہ واقعہ مذکور ہے۔

کتاب ''بلاغات النساء'' کے مؤلف ابوالفضل احمد بن ابی طاہر نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے کہ مجھ سے دیارِ مصر کے رہنے والے ایک شخص جعفر بن محمد نے جن کی مجھ سے رافقہ میں ملاقات ہوئی تھی، بیان کیا کہ اُس سے اُس کے والد نے اور اُس سے موسیٰ بن عیسیٰ نے اور اُس سے عبداللہ بن یونس نے اور اُس سے جعفر بن احمد نے اور اُس سے زید ابن علیؑ نے اور اُن سے ان کی پھوپھی حضرت زینب بنت امام علی علیہ السلام نے بیان کیا ہے۔

حضرت زینب بنت علی علیہ السلام فرماتی ہیں کہ جب حضرت سیدہؑ کو حکومت کے فدک نہ دینے کے فیصلے کا علم ہوا تو آپؑ نے مقنعہ اُوڑھا اور اپنے خاندان کی خواتین کی ایک جماعت کے ساتھ گھر سے برآمد ہوئیں۔ صاحب بلاغات النساء نے اس روایت کے آغاز کرنے سے پہلے یہ عبارت لکھی ہے کہ میں نے ابوالحسین زید بن علی ابن الحسین ابن ابی طالبؑ کے سامنے بنت سیدالبشرؐ کا وہ کلام جو اُنھوں نے جاگیرِ فدک پر حکومتی قبضے کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا، ذکر کیا اور اُن سے عرض کیا کہ یہ قوم گمان کرتی ہے.....الخ۔ اس کے بعد وہ عبارت مذکور ہے جو سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے مرزبانی سے نقل کی ہے اور یہ لکھا ہے کہ جب حکومت نے سیدہ عالم کو جاگیر نہ دینے کا حتمی فیصلہ کر لیا تو بتول عذراء نے ایک چادر اُوڑھی اور اپنی کنیزوں کے گروہ میں مسجد نبویؐ تشریف لائیں۔

اس تاریخ ساز خطبہ کے جو مصادر ہمارے ہاتھ لگے وہ ہم نے یہاں نقل کر دیے ہیں شاید کچھ دوسرے محققین ہوں جو ان مصادر پر مزید مصادر کا اضافہ کر سکیں۔

ملکوتی خطبہ کے نکات

سیدہ عالمؑ نے اپنے خطاب میں ابتداء سے لے کر انتہا تک صرف اپنے مطالبے کو مرکوز نہیں رکھا بلکہ آپؑ نے مختلف موضوعات پر بحث فرمائی۔ جب آپؑ نے ماحول کو مناسب پایا تو لوگوں پر معارفِ الٰہی کے چشمے جاری کر دیے اور نہایت ہی خوبصورت انداز میں آسانی جاودانہ آئیں، فلسفۂ شریعت اور مقررات الٰہی پیش فرمائے۔

ہم نے اس تاریخ ساز جاودانہ خطبہ کو مختلف نکات کے اعتبار سے تقسیم کیا ہے اور وہ نکات درج ذیل ہیں:

١ شائستہ انداز میں حمد و توصیف خدا
٢ توحید استدلالی
٣ اصل نبوت و پیغمبر شناسی
۴ زمانہ جاہلیت پر ایک نظر
۵ پیغمبر گرامیؐ کے انسان ساز کارنامے
٦ حاضرین سے خطاب
٧ خصوصیاتِ قرآنی پر گفتگو
٨ اسلامی قوانین پر گفتگو
٩ اصل بحث میں ورُود
١٠ دورانِ رسالت کے واقعات پر گفتگو
١١ عصر رسالت میں امیرِ حریت کی قربانیاں
١٢ آلِ رسولؐ کے خلاف انقلاب
١٣ خاندانِ رسالت کو تنہا کر دینا
١۴ مسئلہ ارث پر استدلالی بحث
١۵ اقامت دلائل و براہین
١٦ سرزنش گروہ انصار
١٧ حکومت کا جواب
١٨ حکومت کی معذرت
١٩ حکومتی موقف
٢٠ حاضرین سے خطاب
٢١ بارگاہِ رسالت میں شکوہ و شکایت

اس تاریخی اور جاودانہ خطبہ کے مندرجہ بالا نکات ہیں۔ اب ہم عنوان وار ترجمہ اور تشریح پیش کرنے کی

سعادت حاصل کرتے ہیں۔

سیّدۂ عالم کا تاریخی و جاودانہ خطبہ

حضرت عبداللہ بن حسن علیہ السلام نے اپنے آباء و اجداد سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد حکومت نے بتول عذرا کی جاگیرِ فدک پر قبضہ کیا اور اُن کے حقوق کو غصب کیا اور جب اس امر کی آپؑ کو خبر ہوئی تو آپؑ نے اپنے مبارک سر پر مقنعہ ڈالا اور سر سے پاؤں تک بڑی چادر اُوڑھی اور اپنی کنیزوں کے گروہ میں مسجد نبویؐ میں تشریف لائیں۔ آپؑ پُروقار انداز میں چل رہی تھیں کیونکہ آپ شکل و شمائل میں اپنے والد مہربان رسولؐ اللہ کے مشابہ تھیں۔ آپؑ کی چال و رفتار رسولؐ اللہ جیسی تھی۔ ایک دفعہ لوگوں کی نگاہوں میں رسولؐ اللہ کی یاد تازہ ہوگئی تھی۔

بتول عذرا اپنے بابا کی شجاعت و ہیبت کے لیے مسجد نبویؐ میں وارد ہوئیں۔ اس وقت مسجد مہاجرین و انصار سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ آپؑ کے لیے پردے کا انتظام کیا گیا۔ آپؑ نے اپنے مقام پر پہنچ کر دردوغم سے لبریز ایسی آہ کھینچی کہ قریب تھا کہ حاضرین گریہ و بکا سے جان کھو دیں۔ مجلس میں ایک اضطراب پیدا ہوا۔ آپؑ نے حاضرین کو تھوڑی سی مہلت دی، تاکہ اُن کا اضطراب رُک جائے۔ جب لوگوں کی حیرانی و سرگردانی رُکی اور اُن کے اُمنڈتے ہوئے قلوب نے ٹھہراؤ حاصل کیا تو آپؑ نے اپنی گفتگو کا آغاز کیا۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی تعریف و توصیف کی، پھر رسولؐ اللہ پر درود و سلام بھیجا۔ جب لوگوں نے خاتونِ جنت کا کلام سنا تو اُن کی گریہ کی صدائیں بلند ہوئیں جس سے مسجد لرزنے لگی۔ جب لوگوں کی رونے کی آوازیں تھمیں تو آپؑ نے اپنے خطاب کا آغاز کیا:

فَقَالَتْ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى مَا أَنْعَمَ، وَلَهُ الشُّكْرُ عَلٰى مَا أَلْهَمَ، وَالثَّنَاءُ بِمَا قَدَّمَ، مِنْ عُمُومِ نِعَمٍ ابْتَدَأَهَا، وَسُبُوغِ آلاءٍ أَسْدَاهَا، وَتَمَامِ مِنَنٍ وَالاهَا! جَمَّ عَنِ الْإِحْصَاءِ عَدَدُهَا، وَنَأىٰ عَنِ الْجَزَاءِ أَمَدُهَا، وَتَفَاوَتَ عَنِ الْإِدْرَاكِ أَبَدُهَا، وَنَدَبَهُمْ لِاسْتِزَادَتِهَا بِالشُّكْرِ لِاتِّصَالِهَا، وَاسْتَحْمَدَ إِلَى الْخَلَائِقِ بِإِجْزَالِهَا، وَثَنّٰى بِالنَّدْبِ إِلٰى أَمْثَالِهَا۔

وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَاشَرِيكَ لَهُ، كَلِمَةٌ جَعَلَ الْإِخْلَاصَ تَأْوِيلَهَا، وَضَمَّنَ الْقُلُوبَ مَوْصُولَهَا، وَأَنَارَ فِي الْفِكْرِ مَعْقُولَهَا۔

اَلْمُمْتَنِعُ مِنَ الْأَبْصَارِ رُؤْيَتُهُ، وَمِنَ الْأَلْسُنِ صِفَتُهُ، وَمِنَ الْأَوْهَامِ كَيْفِيَّتُهُ۔ اِبْتَدَعَ الْأَشْيَاءَ لَامِنْ شَيْءٍ كَانَ قَبْلَهَا، وَأَنْشَأَهَا بِلَا احْتِذَاءِ أَمْثِلَةٍ امْتَثَلَهَا كَوَّنَهَا بِقُدْرَتِهِ،

وَذَرَأَهَا بِمَشِيَّتِهِ، مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ مِنْهُ إِلَى تَكْوِينِهَا، وَلَا فَائِدَةٍ لَهُ فِي تَصْوِيرِهَا إِلَّا تَثْبِيتًا لِحِكْمَتِهِ، وَتَنْبِيهًا عَلَى طَاعَتِهِ، وَإِظْهَارًا لِقُدْرَتِهِ، وَتَعَبُّدًا لِبَرِيَّتِهِ، وَإِعْزَازًا لِدَعْوَتِهِ، ثُمَّ جَعَلَ الثَّوَابَ عَلَى طَاعَتِهِ، وَإِعْزَازًا لِدَعْوَتِهِ، وَوَضَعَ الْعِقَابَ عَلَى مَعْصِيَتِهِ، زِيَادَةً لِعِبَادِهِ عَنْ نِقْمَتِهِ، وَحِيَاشَةً مِنْهُ إِلَى جَنَّتِهِ۔

وَأَشْهَدُ أَنَّ أَبِي مُحَمَّدًا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، اِخْتَارَهُ وَانْتَجَبَهُ قَبْلَ أَنْ أَرْسَلَهُ، وَسَمَّاهُ قَبْلَ أَنِ اجْتَبَلَهُ، وَاصْطَفَاهُ قَبْلَ أَنِ ابْتَعَثَهُ إِذِ الْخَلَائِقُ بِالْغَيْبِ مَكْنُونَةٌ، وَبِسَتْرِ الْأَهَاوِيلِ مَصُونَةٌ وَبِنِهَايَةِ الْعَدَمِ مَقْرُونَةٌ۔ عِلْمًا مِنَ اللهِ تَعَالَى بِمَآئِلِ الْأُمُورِ، وَإِحَاطَةً بِحَوَادِثِ الدُّهُورِ، وَمَعْرِفَةً بِمَوَاقِعِ الْمَقْدُورِ۔

اِبْتَعَثَهُ اللهُ تَعَالَى: إِتْمَامًا لِأَمْرِهِ وَعَزِيمَةً عَلَى إِمْضَاءِ حُكْمِهِ، وَإِنْفَاذًا لِمَقَادِيرِ حَتْمِهِ۔ فَرَأَى الْأُمَمَ فِرَقًا فِي أَدْيَانِهَا، عُكَّفًا عَلَى نِيرَانِهَا، عَابِدَةً لِأَوْثَانِهَا، مُنْكِرَةً لِلّٰهِ مَعَ عِرْفَانِهَا۔

فَأَنَارَ اللهُ بِمُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظُلَمَهَا، وَكَشَفَ عَنِ الْقُلُوبِ بُهَمَهَا، وَجَلَّى عَنِ الْأَبْصَارِ غُمَمَهَا۔ وَقَامَ فِي النَّاسِ بِالْهِدَايَةِ، وَأَنْقَذَهُمْ مِنَ الْغَوَايَةِ، وَبَصَّرَهُمْ مِنَ الْعَمَايَةِ وَهَدَاهُمْ إِلَى الدِّينِ الْقَوِيمِ، وَدَعَاهُمْ إِلَى الطَّرِيقِ الْمُسْتَقِيمِ۔

ثُمَّ قَبَضَهُ اللهُ إِلَيْهِ قَبْضَ رَأْفَةٍ وَاخْتِيَارٍ وَرَغْبَةٍ وَإِيْثَارٍ فَمُحَمَّدٌ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مِنْ تَعَبِ هٰذِهِ الدَّارِ فِي رَاحَةٍ قَدْ حُفَّ بِالْمَلَائِكَةِ الْأَبْرَارِ، وَرِضْوَانِ الرَّبِّ الْغَفَّارِ، وَمُجَاوَرَةِ الْمَلِكِ الْجَبَّارِ۔

صَلَّى اللهُ عَلَى أَبِي نَبِيِّهِ وَأَمِينِهِ عَلَى الْوَحْيِ، وَصَفِيِّهِ وَخِيَرَتِهِ مِنَ الْخَلْقِ وَرَضِيِّهِ، وَالسَّلَامُ عَلَيْهِ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ۔

"اللہ تعالیٰ کے انعامات پر اُس کی حمد وثنا ہے۔ اُس کے الہام پر اُس کا شکر ہے۔ وہ ہی قابلِ تعریف وتوصیف ہے کہ اُس نے بغیر طلب و درخواست کے نعمتیں عطا کیں اور کامل و اکمل نعمتیں عطا کیں اور مسلسل احسانات کیے جو ہر شمار سے بالاتر، ہر معاوضہ سے بعید تر اور ہر ادراک سے بلند وبالا ہیں۔ اُس نے اپنے بندوں کو دعوت دی کہ شکر کے ذریعے اپنی نعمات

میں اضافہ کرائیں۔ پھر ان نعمتوں کو مکمل کر کے مزید حمد و ثنا کا مطالبہ کیا اور اُنھیں دُہرایا۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور اُس کا کوئی شریک نہیں اور اس کلمہ کی اصل اخلاص ہے اور اس کے معانی قلوب سے پیوست ہیں۔ اس کا مفہوم فکر کو جلا بخشتا ہے۔ اللہ وہ ہے جس کی آنکھوں سے رؤیت، زبان سے تعریف اور خیال سے کیفیت محال ہے۔ اُس نے اشیاء کو بلا کسی مادہ اور نمونہ کے خلق فرمایا ہے۔ اُس نے تمام مخلوقات کو اپنی قدرتِ کاملہ اور مشیت کے ذریعے پیدا کیا۔ اُسے تخلیق کے لیے کسی نمونہ کی ضرورت تھی نہ تصویر میں کوئی فائدہ تھا سوائے اس کے کہ اپنی حکمت کو مستحکم کر دے اور لوگ اُس کی اطاعت کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ اُس کی قدرت کا اظہار ہو اور بندے کی بندگی و عبودیت کا اقرار ہو۔ وہ عبادت کا تقاضا کرے تو اپنی دعوت کو تقویت دے۔ چنانچہ اُس نے اطاعت پر ثواب رکھا اور معصیت پر عذاب رکھا، تا کہ لوگ اُس کے غضب سے دُور ہوں اور جنت کی طرف کھنچتے چلے آئیں۔

میں گواہی دیتی ہوں کہ میرے والد ماجد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے عبد اور وہ رسولؐ ہیں کہ جنھیں اس دنیا میں بھیجنے سے پہلے چُنا گیا اور بعثت سے قبل منتخب کیا گیا۔ اُس وقت جب مخلوقات پردۂ غیب میں پوشیدہ اور حجابِ عدم میں محفوظ اور انتہائے عدم سے مقرون تھیں۔ آپؐ مسائلِ اُمور اور حوادثِ زمانہ اور مقدراتِ دنیا کی مکمل معرفت رکھتے تھے۔

اللہ نے آپؐ کو بھیجا، تا کہ اُس کے امر کی تکمیل کریں۔ اُس کی حکمت و دانش کو جاری و ساری کریں اور حتمی مقدرات کو نافذ کریں، مگر آپؐ نے دیکھا کہ اُمتیں مختلف اَدیان میں تقسیم ہیں۔ آگ کی پوجا، بتوں کی پرستش اور جانتے ہوئے اللہ کے انکار میں مبتلا ہیں۔ آپؐ نے ظلمتوں کو روشن کیا، دل کی تاریکیوں کو محو کیا، آنکھوں سے پردے اُٹھائے، ہدایت کو قائم کیا، لوگوں کو گمراہی و ضلالت سے نکالا۔ اندھے پن سے نجات دلا کر بصیرت کی منزل عطا کی۔ مستحکم دین اور صراطِ مستقیم کی دعوت دی۔ اُس کے بعد مہربان اللہ نے اُنھیں انتہائی شفقت و مہربانی اور رغبت کے ساتھ اپنے پاس بلا لیا۔ اب وہ اس دنیا کے مصائب و آلام سے چین و راحت میں ہیں اور ملائکہ اَبرار اور رضائے پروردگار اُن کے اردگرد ہے اور اُن کے مبارک سر پر رحمتِ خداوندی کا جاودانی سایہ ہے۔

اللہ میرے والد گرانقدر پر اپنی رحمت نازل کرے جو اُس کے نبیؐ اور اُس کی وحی کے امین و ترجمان تھے اور اُس کی مخلوق میں مصطفیٰ اور مرتضیٰ تھے۔ اُن پر اللہ تعالیٰ کی برکت و رحمت اور سلام ہوں"۔

تشریح وتوضیح

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی مَا اَنْعَمَ

"تعریف و ستائش ہے اُس خدا کی کہ جس نے بیکراں نعمات عطا فرمائیں"۔

مُنعمِ حقیقی کا شکر شرعاً، عقلاً اور عرفاً واجب ہے۔ اُس نے جو ظاہری نعمات عطا کی ہیں جیسے زندگی، صحت اور اَمن و امان وغیرہ۔ وہ حق رکھتا ہے کہ اُس کے بندے اُس کی حمد و ثنا بیان کریں۔

وَلَہُ الشُّکْرُ عَلٰی مَا اَلْھَمَ

"اُس کے الہام پر اُس کا شکر ہے"۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو باطنی نعمتیں عطا کی ہیں جیسے علم و معرفت ہے۔ علاوہ ازیں اُس کے قلب میں علوم و فنون کی مختلف اَنواع کاشت کیں۔ اسی الہامی قوت سے انسان نے اِرتقاء کی منازل طے کیں اور طے کر رہا ہے۔ انسان کے ساتھ ساتھ اپنی دوسری مخلوقات کو بھی الہام فرمایا۔ وہ بھی الٰہی الہام کے ذریعے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ الہام وہ خدائی عطیہ ہے جو قلب میں اُترتا ہے۔ اُسی کی روشنی میں ہر موجود اپنے دائرۂ حیات میں زندگی کا سفر طے کرتا ہے۔

وَالثَّنَاءُ بِمَا قَدَّمَ

"اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں ہیں جو اُس نے اپنے بندے کے لیے آخرت میں رکھ دی ہیں وہ جنت اور اُس کی نعمتیں ہیں"۔

علاوہ ازیں اُس نے اِس جہان میں بھی انسان کے لیے بے شمار نعمتیں مخزون کر رکھی ہیں۔ ضرورت کے مطابق اُسے ملتی رہتی ہیں۔

مِنْ عُمُوْمِ نِعَمٍ اِبْتَدَاھَا

"وہ بے پناہ نعمتیں جنھیں اللہ نے سب سے پہلے آفرینش کا لباس پہنایا"۔

جیسے پانی، زمین، آگ، آفریدگار ہستی نے ان نعمتوں کو نعمتِ حیات سے قبل پیدا کیا۔ اِس طرح اُس نے زمین

میں قوتِ جاذبہ پیدا فرمائی۔ زمین، چاند اور آفتاب کے درمیان فاصلے مقرر فرمائے۔ کرۂ ارضی کو ہوا کا غلاف پہنایا جسے نائٹروجن کہا جاتا ہے۔ جو نعمتیں اس کے سامنے جنہیں وہ استعمال کر رہا ہے وہ اُن سے بخوبی واقف ہے۔

غار کا انسان آج کے ترقی یافتہ انسان کی سہولیات سے واقف نہ تھا۔ جس قدر انسان نے اگلے اَدوار میں ترقی کرنی ہے اُن سے آج کا انسان واقف نہیں ہے۔ انھیں الٰہی نعمات کی بنا پر آج کے انسان کی دُنیا ایک بستی میں بدل گئی ہے۔ وہ نیٹ استعمال کر رہا ہے۔ ساری دنیا سمٹ کر اس کی مٹھی میں آگئی ہے۔ صدیوں کے فاصلے منٹوں سیکنڈوں میں طے ہو رہے ہیں۔

وَسُبُوغِ اٰلَآءٍ أَسْدَاهَا

"اُس نے بے پناہ نعمتیں تمام موجودات کو عطا فرمائیں"۔

جیسے اعضاء و جوارح میں، شعور و شناخت و دریافت کی نعمات اُس ذات نے جسے وجود دیا تو اُس کے ساتھ ساتھ اُسے دید و شہود کی نعمت بھی عطا کی۔

وَتَمَامِ مِنَنٍ وَالَاهَا

"کامل و اکمل نعمات جنہیں تسلسل کے ساتھ نازل فرمایا"۔

اَلْمِنَنُ، مِنَّۃٌ کی جمع ہے، اِس کا معنی ہے نعمت، عطیہ، احسان۔ یہاں مقصود احسان کا شمار کرنا نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے کہ احسان مت جتلاؤ جیسے:

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (سورۂ مدثر: آیت ۶)

"اور احسان نہ جتلا کہ اپنے عمل کو بہت سمجھنے لگ جائیں"۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰى (سورۂ بقرہ: آیت ۲۶۴)

"احسان جتانے اور سائل کو ایذا دینے سے اپنے صدقات کو باطل نہ کرو"۔

وَالَاهَا کا معنی ہے موالات یعنی ایسی نعمتیں جو پے در پے ہوں۔ ایک نعمت کے بعد دوسری نعمت، اللہ تعالیٰ کی نعمات متواصلہ اور متواترہ ہیں۔

وَجَمَّ عَنِ الْاِحْصَاءِ عَدَدُهَا

"اُس کی نعتیں کثرت کے ساتھ ہیں۔ انسان کی قدرت نہیں ہے کہ انھیں کس حساب و کتاب

میں لائے"۔

جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے:

وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللهِ لَا تُحْصُوهَا

"اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو شمار نہیں کر سکو گے"۔

وَنَأَىٰ عَنِ الْجَزَاءِ أَمَدُهَا

"اُس کی نعمتیں ہر معاوضہ سے بالاتر ہیں"۔

کسی انسان کے بس میں نہیں ہے کہ جس قدر وہ اس کی نعمتوں سے استفادہ کر رہا ہے اُس قدر اپنی بندگی و عبادت سے اُس کا حق ادا کرے۔ انسان کے لیے ممکن ہی نہیں ہے۔

وَتَفَاوَتَ عَنِ الْإِدْرَاكِ أَبَدُهَا

"انسانی ادراک و دریافت اس کی قلمرو سے دُور بہت دُور ہے کہ وہ الٰہی نعمات کے آغاز و انجام تک رسائی حاصل کر سکے"۔

وَنَدَبَهُمْ لِاسْتِزَادَتِهَا بِالشُّكْرِ لِاتِّصَالِهَا

"خداوند تعالیٰ کا شکر اس کی نعمات کی زیادتی کا موجب ہے۔ جس قدر انسان اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس پر اپنی نعمات کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری کر دیتا ہے"۔

جس طرح قرآن مجید میں ہے:

وَلَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ

"جس قدر تم شکر ادا کرو گے میں اس قدر تمھاری نعمات میں اضافہ کروں گا"۔

وَاسْتَحْمَدَ إِلَى الْخَلَائِقِ بِإِجْزَالِهَا

"خداوند تعالیٰ کی حمد و ثنا اُس کی برکات و سعادت میں کثرت پیدا کر دیتی ہے"۔

اس لیے اُس نے دعوت دی کہ میری حمد و ثنا کرو، تاکہ میں تم پر بے شمار نعمتیں نازل کروں۔

وَثَنَّىٰ بِالنَّدْبِ إِلَىٰ أَمْثَالِهَا

"اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دعوت دی ہے کہ وہ خیر و رحمت کے اسباب میں کثرت پیدا کریں"۔

جیسے اُس کے راستے میں خرچ و انفاق کرنا اور اُس کے بندوں پر رحم کرنا ہے۔

توحید اور سیّدۂ عالم

وَاَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ كَلِمَةٌ جَعَلَ الْاِخْلَاصَ تَأْوِيْلَهَا

"اور میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے"۔

اس کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی اصل اخلاص ہے۔ یعنی اس کا معنی و مفہوم اخلاص ہے۔ جس طرح کہ امیر حریت نے فرمایا:

اَوَّلُ الدِّيْنِ مَعْرِفَتُهٗ وَكَمَالُ مَعْرِفَتِهِ التَّصْدِيْقُ بِهٖ وَكَمَالُ التَّصْدِيْقِ بِهٖ تَوْحِيْدُهٗ الْاِخْلَاصُ لَهٗ وَكَمَالُ الْاِخْلَاصِ لَهٗ نَفْيُ الصِّفَاتِ عَنْهُ لِشَهَادَةِ كُلِّ صِفَةٍ اَنَّهَا غَيْرُ الْمَوْصُوْفِ وَشَهَادَةِ كُلِّ مَوْصُوْفٍ اَنَّهٗ غَيْرُ الصِّفَةِ فَمَنْ وَصَفَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ فَقَدْ قَرَنَهٗ وَمَنْ قَرَنَهٗ فَقَدْ ثَنَّاهُ وَمَنْ ثَنَّاهُ فَقَدْ جَزَّاهُ وَمَنْ جَزَّاهُ فَقَدْ جَهِلَهٗ وَمَنْ جَهِلَهٗ فَقَدْ اَشَارَ اِلَيْهِ وَمَنْ اَشَارَ اِلَيْهِ فَقَدْ حَدَّهٗ وَمَنْ حَدَّهٗ فَقَدْ عَدَّهٗ وَمَنْ قَالَ فِيْمَ فَقَدْ ضَمَّنَهٗ وَمَنْ قَالَ عَلَامَ فَقَدْ اَخْلٰى مِنْهُ۔

"دین کی ابتدا اُس کی معرفت ہے، کمالِ معرفت اس کی تصدیق ہے، کمالِ تصدیق توحید ہے، کمالِ توحید تنزیہ و اخلاص ہے اور کمالِ تنزیہ و اخلاص یہ ہے کہ اُس سے صفتوں کی نفی کی جائے، کیونکہ ہر صفت شاہد ہے کہ وہ اپنے موصوف کی غیر ہے اور ہر موصوف شاہد ہے کہ وہ صفت کے علاوہ کوئی چیز ہے، لہٰذا جس نے ذاتِ الٰہی کے علاوہ صفات مانے گویا اس نے ذات کا ایک دوسرا ساتھی مان لیا اور جس نے اس کی ذات کا کوئی اور ساتھی مانا اُس نے دوئی پیدا کی، جس نے دوئی پیدا کی اس نے اس کے لیے جز بنا ڈالا اور جو اُس کے لیے اجزا کا قائل ہوا وہ اس سے بے خبر رہا۔ اُس نے اُسے قابلِ اشارہ سمجھ لیا اور جس نے اُسے قابلِ اشارہ سمجھا تو اس نے اس کی حد بندی کر دی"۔

حضرت امیر علیہ السلام کی نگاہ میں توحید کا اُوج کمال اخلاص ہے۔ حقیقی اخلاص کا معنٰی یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ ہر قسم کے نقائص سے پاک و پاکیزہ ہے۔ وہ جسم و عرض وغیرہ سے منزہ ہے۔ اُس کا کمال اخلاص یہ ہے کہ اُس کی صفات اُس

کی ذات سے زائد نہیں ہیں، جو اُس کی ذات ہے اُس کی صفات اُس کی غیر نہیں ہیں۔ جس طرح انسان اور ہے اور اُس کی دانش اور ہے۔ دانش انسان کی صفت ہے جو اُس کی غیر ہے اور انسان اُس کا غیر ہے۔ لیکن خداوند تعالیٰ کی دانش اُس کی عین ذات ہے اور اُس کی باقی صفات بھی اُس کی عین ذات ہیں۔

علمِ کلام کی کتب میں علمائے کرام نے مفصل بحثیں کی ہیں۔

وَضَمَّنَ الْقُلُوْبَ مَوْصُوْلَهَا

"اور اُس کے معانی قلوب سے پیوست ہیں"۔

اِس کلام کا معنی و مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قلوب کو کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے معنی کے ہمراہ پیدا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے قلوب کو توحید اور یکتا پرستی کی فطرت پر خلق فرمایا۔ توحید فطری کا معنی یہی ہے کہ آفریدگار انسان نے اپنی کتاب میں اسی اَمر کی تصریح فرمائی ہے:

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا

فطرت کا مفہوم ہے "ملّت"۔ یعنی دین، اسلام اور توحید۔ اللہ تعالیٰ نے اسی اساس پر انسانی تخلیق فرمائی ہے۔ آیتِ مبارکہ کا معنی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو اس صورت میں خلق فرمایا۔ اُنھیں مرکب کیا اور اُنھیں یہ صورت بخشی کہ وہ ہی اُن کا صانع اور قادر ہے اور وہ ہی عالم وحی اور قدیم ہے۔ وہ کسی کے مشابہ نہیں ہے اور کوئی چیز اُس کے مشابہ نہیں ہے۔

وَاَنَارَ فِي الْفِكْرِ مَعْقُوْلَهَا

"اور اُس کا مفہوم فکر کو جلا بخشتا ہے"۔

جب انسان تفکر و تعقل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس پر توحید کے معنی واضح کر دیتا ہے، کیونکہ توحید اپنے مفہوم میں دو معانی پر مشتمل ہے: ① توحید فطری ② توحید نظری۔

یہاں توحید نظری مقصود ہے۔ توحید نظری کا معنی ہے کہ دلائل و بینات میں تفکر کیا جائے۔ انسان آفاق و اَنفس میں اپنی فکر کو جولان دے، تا کہ اُسے اپنے خالق تک رسائی حاصل ہو جائے۔

اَلْمُمْتَنِعُ مِنَ الْاَبْصَارِ رُؤْيَتُهٗ

"آنکھوں کے لیے ممکن نہیں ہے کہ اُسے دیکھیں"۔

کیونکہ خداوند تعالیٰ نہ جسم ہے اور نہ جوہر ہے اور نہ وہ عرض ہے۔ انسانی آنکھ اُسے نہیں دیکھ سکتی، کیونکہ یہ بات

روشن ہے کہ اعراض اُمور ہیں جیسے رنگ، طول وغیرہ جو انسانی جسم کو عارض ہیں اور جسم کے خواص میں سے ہیں۔ انسانی آنکھ اُس چیز کو دیکھ سکتی ہے جو دکھائی جانے والی ہوتی ہے۔ جب آنکھ کسی چیز کو دیکھتی ہے تو اُس سے شعاعیں خارج ہوکر اسی چیز سے ٹکرا کر واپس آنکھ کے عدسہ میں آتی ہیں تو وہ چیز انسان کو نظر آتی ہے کیونکہ آفریدگار ہستی کا جسم ہے ہی نہیں، اس لیے اُسے دیکھا نہیں جاسکتا۔ نیز کوئی موجود ہے ہی نہیں جو اللہ تعالیٰ کی ہستی کو دیکھ سکے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ (سورۂ انعام: آیت ۱۰۳)

"نگاہیں اُسے پا نہیں سکتیں جبکہ وہ نگاہوں کو پالیتا ہے اور وہ نہایت باریک بین، بڑا باخبر ہے"۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَنْ تَرَانِیْ "تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکے گا"۔

حرفِ لَنْ ابدی نفی کے لیے آتا ہے، یعنی تمام ظاہری حواس سے اُسے دیکھا اور پرکھا نہیں جاسکتا، جیسے قوتِ سامعہ، قوتِ شامہ، قوتِ ذائقہ، قوتِ لامسہ ہیں۔ نہایت ہی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ کچھ لوگوں کا عقیدہ ہے کہ خدا جسم رکھتا ہے۔

وہ ببانگِ دہل کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ گدھے پر سوار ہوکر آسمان سے زمین کی طرف نازل ہوتا ہے۔ اِن لوگوں نے اپنے دین کے اُصول اور فروع کو ایک ایسے آدمی کے کندھے پر رکھ دیا ہے جس کی طرف خود جھوٹ اور خرافات کی نسبت دیتے ہیں اور پھر ایسی جھوٹی روایات کی نسبت رسولؐ اللہ اور دوسرے لوگوں کی طرف دے دیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے ایک آدمی پر تازیانے برسائے تھے اور اُسے دروغ سازی، دروغ پردازی اور حدیث تراشی سے روک دیا تھا۔ [1]

میں نے ریڈیو پر اور اُن کے بعض علماء سے سنا ہے کہ جب رسولؐ اللہ معراج پر گئے تو انھوں نے اللہ تعالیٰ کو

---

[1] اس روایت سے مراد جناب ابوہریرہ ہیں۔ محققین نے انھیں دین و مذہب کا سوداگر اور حدیث کا تاجر خیال کیا ہے۔ وہ ہمیشہ صاف ستھری اور خوبصورت بلی اپنے ساتھ رکھتے تھے چونکہ عرب بلی کو "ہرہ" بولتے ہیں۔ اسی وجہ سے انھوں نے "ابوہریرہ" کے نام سے شہرت پائی۔ اُن کا بیان ہے کہ میں فقر و افلاس کا ستایا ہوا تھا۔ یہی چیز مجھے رسولِؐ اسلام اور اُن کے اصحابؓ کے پاس لے آئی۔ پھر وہ پیغمبرؐ کی رحلت تک اُن کے ہمراہ رہے۔ وہ فتح خیبر کے وقت ایمان لائے تھے اور خیبر ۷ ہجری میں فتح ہوا تھا۔ پیغمبرِؐ اسلام کی رحلت ۱۱ ہجری کو ہے۔ جنابِ ابوہریرہ کو پیغمبرِؐ خدا کی صحبت تقریباً چار سال نصیب ہوئی۔ اُن کا اپنا بیان ہے کہ جتنی احادیث میں نے روایت کی ہیں اتنی احادیث کسی صحابی نے روایت نہیں کیں۔ مزید آگاہی کے لیے علامہ محمود ابوریہ کی کتاب "بازرگانِ حدیث" کا مطالعہ فرمایئے۔ اس کتاب کا فارسی ترجمہ وحید گلپایگانی نے کیا ہے۔

اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ تعجب ہے اس جاہلانہ و احمقانہ نظریے پر!

اللہ کا قرآن تو یہ فرمائے: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ......اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ انسانی آنکھیں اللہ کو دیکھتی ہیں یا دیکھیں گی۔

یہ لوگ اللہ کے کلام کو کسی صورت میں باطل نہیں کر سکتے لیکن پھر بھی جعلی روایات کو اپناتے ہیں اور انھیں اپنا عقیدہ سمجھتے ہیں۔ اگر ہم یہ کہیں کہ یہ لوگ دروغ ساز و دروغ پرداز نہیں ہیں بلکہ یہ کہنا پڑے گا کہ یہ لوگ نادان و جاہل ہیں یا انھیں اشتباہ ہے۔

جی ہاں جب ان لوگوں کی توحید کا یہ حال ہے جو اصل دین ہے تو پھر ان لوگوں کا نبوت و امامت اور معاد کے بارے میں کیا عقیدہ ہوگا؟ خدارا سوچیے اور سمجھیے ان لوگوں نے دین، فقہ اور دوسرے اسلامی موضوعات کی ترویج و تبلیغ کس طرح کی ہوگی؟

وَمِنَ الْاَلْسُنِ صِفَتُهٗ "اس کی تعریف و توصیف زبان سے ناممکن ہے"۔

جی ہاں! زبان اللہ کی مخلوق ہے۔ مخلوق میں طاقت نہیں ہے کہ وہ اس کی کماحقہ تعریف و توصیف کرے۔ جس طرح آنکھ اُس کے دیدار سے قاصر ہے اسی طرح زبان اُس کی توصیف سے حاسر ہے، کیونکہ انسان جب کسی چیز کی حقیقت و واقعات تک رسائی نہیں رکھتا تو اُس ذات کا عقل سے احاطہ بھی نہیں کرسکتا۔ جس طرح امیرِ حریت کا پیغام و فرمان ہے:

لَيْسَ لِصِفَتِهٖ حَدٌّ مَحْدُوْدٌ وَّلَا نَعْتٌ مَوْجُوْدٌ

"اللہ تعالیٰ کی صفات کا نہ ساحل ہے اور نہ سرحد ہے کہ جس تک پہنچا جاسکے، کیونکہ اُس کی صفات عینِ ذات ہیں۔ جس طرح اُس کی ذات کو درک و دریافت نہیں کیا جاسکتا اُسی طرح اُس کی صفات کو بھی محدود نہیں کیا جاسکتا"۔

وَمِنَ الْاَوْهَامِ كَيْفِيَّتُهٗ

"اوہام کی قدرت سے باہر ہے کہ اُس کی کیفیت کیا ہے؟"

خداوند تعالیٰ نے انسان کے لیے باطنی طاقتیں تخلیق فرمائی ہیں جنھیں باطنی حواس کا نام دیا گیا ہے جیسے قوتِ ذاکرہ، قوتِ حافظہ، قوتِ مفکرہ، قوتِ واہمہ اور حسِ مشترک۔

قوتِ واہمہ وہ قوت ہے کہ جس کے ذریعے انسان اشیاء کی جزئیات کا ادراک کرتا ہے۔ انسان اس قوت کے

ساتھ ایک خوبصورت عورت، بلند و بالا محل اور ایک وسیع و عریض خوب صورت باغ کے تصورات اپنے ذہن کی اسکرین پر بنا سکتا ہے۔ انسان جس چیز کا تصور کرتا ہے یا اُسے قوت وہم کے ذریعے اپناتا ہے وہ مخلوق ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ خالق ہے، وہم مخلوق ہے۔ مخلوق کی کیا جرأت کہ وہ اپنے خالق کا صحیح اور حقیقی تصور کرے یعنی انسان کی قدرت کے دائرہ سے باہر ہے کہ وہ جان سکے کہ وہ کیا ہے؟ اور کس طرح ہے؟ کیونکہ خداوند تعالیٰ ہر تصور و توہم سے فراتر اور برتر ہے اور کیف و کیفیت سے اَرفع و اَعلیٰ ہے۔

وَابْتَدَعَ الْاَشْيَاءَ لَا مِنْ شَيْءٍ كَانَ قَبْلَهَا

"اور اُس نے اشیاء کو بلا کسی مادہ اور نمونہ کے خلق فرمایا ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے اِس کائنات کو مادہ سے پیدا نہیں فرمایا۔ مادہ گروں کا عقیدہ ہے کہ کوئی چیز بغیر مادہ کے پیدا نہیں کی جاسکتی۔ پہلے مادہ موجود ہو تو پھر اُس سے کسی چیز کی تخلیق ہوتی ہے۔ مادہ اشیاء کی اصل ہے۔ اگر اِن مادہ پرستوں سے پوچھا جائے کہ مادہ کس چیز سے بنا ہے؟ اور کہاں موجود تھا؟ اور کس قدرت نے اُسے پیدا کیا؟ ان سوالات کے اُن کے پاس جوابات نہیں ہیں، سوائے خاموشی کے اُن کے پاس کچھ نہیں ہے۔ اگر وہ کہیں کہ مادہ ایک اور مادہ سے پیدا ہوا ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ تو پھر کیا مانع ہے کہ یہ دوسرے موجودات مادہ کے بغیر پیدا ہوں؟

اگر وہ کہیں کہ یہ مادہ ایک دوسرے مادہ سے پیدا ہوا ہے تو ہم اُن سے پوچھ سکتے ہیں کہ وہ مادہ کس چیز سے پیدا ہوا اور کہاں پیدا ہوا اور کس طرح وجود میں آیا؟ اس طرح سوالات کا سلسلہ جاری رہ سکتا ہے اور مادہ پرستوں کے لیے ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ کوئی تسلی بخش جواب دے سکیں۔

اسلامی عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِس کائنات کی مختلف اشیاء کو عدم سے وجود عطا فرمایا اور یہ نظریہ مادہ پرستوں کے نظریات سے اَفضل و اَسلم ہے۔

وَاَنْشَاَهَا بِلَا احْتِذَاءِ اَمْثِلَةٍ امْتَثَلَهَا

"اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کو کسی مادہ سے اور نہ کسی چیز سے خلق فرمایا"۔

اشیاء کے نمونے میں اُس نے کسی کی پیروی و تقلید نہیں کی۔ یہ کائنات اور اُس کی تمام موجودات الٰہی ایجادات ہیں۔ اُس ذات نے کسی کی اتباع و پیروی میں اَشیاء کو خلق نہیں کیا۔

اے قاریٔ عزیز! آپ اس جدید دور کی جدید ترین ایجادات و اختراعات کو دیکھ سکتے ہیں کہ لوگوں نے تقلید و پیروی میں یہ اختراعات کی ہیں۔ انھوں نے کچھ دیکھا پھر اسی طرز پر کوئی مشین و آلہ بنایا جیسے ہوائی جہاز ہے۔ ہوائی جہاز

کے موجدوں نے فضا میں پرندوں کو اُڑتے ہوئے اور بیٹھتے ہوئے دیکھا۔ جب پرندہ اُڑتا ہے تو وہ اپنی ٹانگوں کو اپنے پیٹ سے ملا دیتا ہے۔ جب وہ زمین کی طرف اترتا ہے تو آہستہ آہستہ اپنی ٹانگوں کو چھوڑ دیتا ہے اور زمین پر اتر کر انھی پر چلنے لگتا ہے۔ اس طرح غواص ہیں اُنھوں نے دریاؤں اور سمندروں میں مچھلیوں کے تیرنے اور غوطہ لگانے میں غوروخوض کیا ہے۔ انھی غواصوں نے مچھلیوں کی تقلید کی اور انھی کی طرز پر وہ پانی کی سطح پر پیرا کی کرتے ہیں اور پانی میں غوطے لگاتے ہیں اور پھر پانی کی سطح پر واپس آجاتے ہیں۔ اسی تقلید و پیروی میں صنعتیں وجود میں آئیں اور اُن میں پیش رفت ہوئی۔ یہ سب کچھ تقلید کا اعجاز ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات بغیر کسی کی تقلید و اتباع کے خلق فرمائی ہے۔

وَكَوَّنَهَا بِقُدْرَتِهِ

''آفریدگار ہستی نے اپنی مختلف قسم کی مخلوق کو اپنی قدرتِ کاملہ سے پیدا فرمایا''۔

آفرینش موجودات میں اُس نے کسی سے مشاورت کی اور نہ کسی سے معاونت حاصل کی اور نہ کائنات کی تخلیق میں آلات و اَدوات کا استعمال کیا بلکہ اُس نے اپنی بیکراں قدرت سے اس جہان ہستی کو آفرینش کا لبادہ پہنایا۔

وَذَرَأَهَا بِمَشِيَّتِهِ

''اللہ تعالیٰ نے اپنے ارادہ سے ہی اِس دھرتی کو خلق فرمایا''۔

اُس نے اپنی مشیت کے مطابق اُن کی کیفیت، صورت، شکل، عدد اور ہیئت مقرر فرمائی اور اُن کی باقی خصوصیات کو پیدا فرمایا۔ آپؑ نے اس کائنات اور موجودات کو بغیر جبر و اکراہ کے پیدا فرمایا۔

قرآنِ مجید میں آیا ہے:

اِذَا اَرَادَ شَيْـئًا يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنَ (سورۂ یٰسین: آیت ۸۲)

''جب وہ چاہتا ہے کہ کسی چیز کو پیدا کرے تو فرماتا ہے ''ہوجا'' تو پس وہ ہوجاتی ہے''۔

جس طرح حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی دُعا ہے:

''تیرے ارادہ ہی سے اشیاء تخلیق ہوجاتی ہیں یعنی صرف تیری مشیت سے تیرے بغیر کسی قول کے وہ چیز پیدا ہوجاتی ہے''۔

مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ مِنْهُ اِلَى تَكْوِيْنِهَا

سیّدۂ عالمؑ نے انسانی تخلیق اور باقی مخلوقات کی آفرینش کی ہدف داری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''اُس نے اِس کائنات کو بغیر کسی ضرورت اور نیازمندی کی بنا پر پیدا فرمایا''۔

اُس نے انسانوں اور باقی مخلوق کو اس لیے پیدا نہیں فرمایا کہ وہ اکیلا تھا کہ اُسے مانوسیت کی ضرورت تھی یا اُسے اپنی مخلوق کی نصرت و یاوری کی احتیاج تھی۔ وہ ہر اعتبار سے کامل و اکمل ہے۔ اُس کی ذات میں ناز ہے، نیاز نہیں ہے۔ اُسے کسی کی احتیاج نہیں ہے۔ ہر ایک کو اُسی کی احتیاج ہے۔ اُسے ایجاد و تکوین کی ضرورت نہ تھی۔

وَلَافَائِدَةَ لَهُ فِيْ تَصْوِيرِهَا

"شکل وصورت بخشنے میں اُسے کوئی فائدہ نہیں ہے"۔

اُس ذات نے اپنی مخلوق کو صُور و اَشکال اور ہیئات عطا فرمائیں۔ اُس کے اِن اَفعال میں اُسے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ جس طرح ہم نے نفی کی ہے کہ تکوین و ایجاد اُس کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح تصویر و تشکیل کی بھی اُسے ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے لیے ضرورت اِس بات کی ہے کہ ہم اِس کائنات کی تخلیق کا سبب تلاش کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات حکیم ہے اور حکیم کا کوئی فعل و عمل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اُس کی ذات بے ہدفی سے پاک اور ارفع و اعلیٰ ہے۔

اِلَّاتَثْبِيْتًا لِحِكْمَتِهِ

"صرف اس لیے کہ اُس کی حکمت و دانش مستحکم ہو جائے"۔

اِس کائنات کی اِنشا، تکوین اور اِیجاد کا مقصد یہ تھا کہ حکمتِ الٰہیہ ظاہر ہو جائے۔ خداوند تعالیٰ اپنی حکمتِ بالغہ کا خود عالم ہے کہ اِس کائنات کی ایجاد کا تقاضا کیا ہے؟ شاید کہ کائنات کی تخلیق کی حکمت یہ ہو کہ وہ خود پہچانا جائے۔

وَتَنْبِيْهًا عَلٰى طَاعَتِهِ

"اپنی مخلوق کو آگاہ فرمایا کہ وہ اُس کے احکام کی فرماں برداری کریں"۔

خاتونِ جنت کا اشارہ اِس بات کی طرف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا، تاکہ اپنے فرمان کو آشکار فرمائے اور مخلوق اس کے فرمان کی اطاعت کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ (سورۂ ذاریات: آیت ۵٦)

"اور میں نے جنوں اور انسانوں کو نہیں پیدا کیا، مگر اپنی بندگی اور عبادت کے لیے"۔

یہ بات روشن ہے کہ حقیقی اطاعت و عبادت اُس وقت حاصل ہوتی ہے جب معرفت ہو۔ معرفت کے بغیر عبادت کی کوئی قیمت و حقیقت نہیں ہے۔ اُس معرفت کی بھی کوئی قیمت نہیں ہے کہ جس میں اطاعت و عبادت نہ ہو۔

وَاِظْهَارًا لِقُدْرَتِهِ

"اپنی قدرت کے اظہار کے لیے"۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت و طاقت موجود تھی۔ اُس نے ارادہ فرمایا کہ اس کی قدرت کا اظہار ہو، اس لیے اُس نے جمادات، نباتات، حیوانات اور انسان کو خلق فرمایا۔ اِن موجودات میں سے ہر ایک کو اپنی قدرت کی آیات ودیعت فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ نے ستاروں، کہکشاؤں اور آسمانوں کو پیدا فرمایا اور اس طرح اُس نے خون میں سرخ و سفید خلیے خلق فرمائے۔ اُس نے ننھی سی مخلوق چیونٹی پیدا فرمائی، اُسے اندام و اعضاء عطا کیے۔ اس طرح اُس نے عجیب و غریب مخلوق پیدا فرمائی۔ یہ سب اس کی قدرتِ کاملہ کی آیات ہیں۔ کائنات کی ہر چیز میں اس کی قدرت جلوہ گر ہے۔

وَتَعَبُّدًا لِبَرِيَّتِهٖ

"اللہ تعالیٰ نے موجودات کو خلق فرمایا، تاکہ اُس کے اوامر کی اطاعت کریں، اور اُس کے منہیات سے اپنے آپ کو روکیں۔ اطاعت و تسلیم اس کی بندگی و اطاعت ہے"۔

وَاِعْزَازًا لِدَعْوَتِهٖ

"اُس ذات نے مختلف اَقسام کی مخلوق کو پیدا فرمایا، تاکہ اُس کے پیغمبر اور اولیاء اس کی وحدانیت کی طرف دعوت دینے میں اپنے دلائل کو مضبوط کریں اور اِن اشیاء سے استدلال کرکے اپنے پیغام کو مستحکم کریں"۔

ثُمَّ جَعَلَ الثَّوَابَ عَلٰى طَاعَتِهٖ وَوَضَعَ الْعِقَابَ عَلٰى مَعْصِيَتِهٖ

"خداوند تعالیٰ نے اپنی اطاعت پر ثواب و جزا کا وعدہ فرمایا ہے، کیونکہ ہر انسان دو عاملوں میں سے کسی ایک عامل و محرک کی اساس پر کام کرتا ہے، یا تو وہ جلب و کسبِ منافع کے لیے یا خطرات و نقصانات سے محفوظ رہنے کے لیے"۔

جیسا کہ ایک انسان فقر و افلاس سے بچنے کے لیے تجارت کرتا ہے۔ ایک طالب علم دانش و کسب کے لیے محنت کرتا ہے، تاکہ وہ اپنی اس جہالت کو دُور کرے۔ جو اُس کے کمال کی راہ میں حائل ہے۔ اِس طرح انسان اطاعت و بندگی نہیں کرتا، مگر اجر و ثواب کے لیے عذاب و عتاب کے خوف سے نافرمانی سے بچتا ہے۔ اِسی حکمت کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے اطاعت پر ثواب رکھا۔ یہی اجر و ثواب اطاعت و اِنقیاد کی جزا ہے۔

کیوں اور کس لیے؟

ذِيَادَةً لِعِبَادِهٖ مِنْ نِقْمَتِهٖ وَحِيَاشَةً مِنْهُ اِلَى الْجَنَّةِ

"اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے اعمال کے لیے جزا اور سزا مقرر کی ہے، تا کہ وہ گناہوں کی زندگی سے بچیں اور اچھے اعمال بجا لائیں اور اپنے انجام میں جنت کو پائیں"۔

اگر وہ نافرمانی کریں گے تو دوزخ جیسی سزا پائیں گے۔ اگر وہ نافرمانیوں سے بچیں گے اور اچھے اعمال بجا لائیں گے تو اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے۔

وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

"بضعۂ رسولؐ نے اللہ تعالیٰ کی تعریف و توصیف کے بعد دو شہادتوں کو اپنی مبارک زبان پر جاری فرمایا۔ توحید کے بعد رسالت پر لب کشائی فرمائی"۔

سب سے پہلے اپنے والد گرامقدر کی شائستہ و بائستہ عبودیت پر گفتگو کی اور اُن کی نبوت کی عزت و عظمت پر گفتگو کی۔ آپؑ نے پہلے یہ بیان کیا کہ وہ اپنے خدا کی عبادت و بندگی میں اپنی مثال آپ تھے۔ اُنھیں عبادتِ خداوندی میں سیرِ کمال حاصل تھا۔ خضوع و خشوع میں اُن کا کوئی ثانی نہ تھا۔ یہ وہ مرتبہ ہے جسے انسان اپنے اختیار سے حاصل کرسکتا ہے لیکن اِس امر سے سبھی واقف ہیں کہ نبوت کا مرتبہ کوشش و کاوش سے حاصل نہیں ہوتا۔ وہ اللہ تعالیٰ کا اپنا انتخاب ہے۔ اس کے بعد حورا اِنسیہ نے اپنے والد گرامیؐ کی رسالت کا اعتراف کیا کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کے رسولؐ ہیں۔ اللہ نے اُنھیں اپنی مخلوق کی طرف اِرسال فرمایا۔

نہایت ہی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ کلمہ "رسالت" مقدس کلمہ ہے، لیکن ہمارے زمانے میں حق و باطل، صحیح و سقیم سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

وَاخْتَارَهٗ وَانْتَجَبَهٗ قَبْلَ اَنْ اَرْسَلَهٗ

"اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی طرف بھیجنے سے قبل اُنھیں منتخب کیا"۔

جس طرح ہم کثیر لوگوں میں سے اُسے چنتے ہیں جو شائستہ و کامل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عالمین میں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتخاب فرمایا۔ اس اَمر کو اِس طرح سمجھا جاسکتا ہے جیسے ہمارے سامنے مختلف اَقسام کے سیکڑوں کی تعداد میں پھل و میوہ جات پڑے ہوں۔ ہم اُس پھل کو اُٹھاتے ہیں جو تر و تازہ ہوتا ہے، میٹھا و شیریں ہوتا ہے۔ اپنے خواص و صفات کے اعتبار سے امتیازی شان لیے ہوتا ہے۔ اسی طرح آفریدگار ہستی نے حضرت محمدؐ بن عبداللہ کو اپنی نبوت کے انتخاب سے قبل اُنھیں اپنے تمام بندوں میں سے چُنا، کیونکہ خداوند تعالیٰ کے علم میں تھا کہ وہ اُس کی رسالت و نبوت کی اہلیت رکھتے ہیں۔ اُن کے اندر جہاد اور دعوت الی اللہ کی تمام صلاحیتیں موجود ہیں۔ اور اُن کی ذات

ہی اِس منصبِ خطیر اور مقامِ پُرشکوہ کی اہل ہے حالانکہ ایسے مواقع پر کسی شخصیت کو آزمائش و امتحانات کی بھٹیوں میں گزارا جاتا ہے۔ پھر اُسے عہدہ دیا جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ جب رسالت کا بوجھ اُن کے کندھوں پر رکھا جائے گا تو وہ اس سنگین بوجھ کو بھرپور ذمہ داری کے ساتھ اُٹھائیں گے۔

وَسَمَّاهُ قَبْلَ اَنِ اجْتَبَلَهُ

''اُن کی تخلیق سے قبل اُن کا نام تجویز فرمایا''۔

اللہ تعالیٰ نے ابھی آپؐ کو پیدا ہی نہیں فرمایا تھا کہ آپؐ کا اسمِ مبارک آپؐ کے مسمّیٰ کے مطابق رکھ دیا، کیونکہ خدائے جہانِ آفرین نے اپنے علم میں مقرر فرمایا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس کے رسول ہیں اور اُنھوں نے اس عہدۂ رسالت پر فائز ہونا ہے۔ اللہ نے اُن کی تخلیق سے قبل اُن کا نام اپنے انبیاءؑ کو بتا دیا تھا۔

وَاصْطَفَاهُ قَبْلَ اَنْ اِبْتَعَثَهُ

''اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اپنا نبیؐ بنانے سے قبل مصطفیٰ بنا دیا تھا''۔

اِذِ الْخَلَائِقُ بِالْغَيْبِ مَكْنُوْنَةٌ

''خداوند تعالیٰ نے آپؐ کو اُس وقت برگزیدہ بنایا اور اُن کا نام رکھا جب حضرت آدمؑ کی تخلیق ہی نہیں ہوئی تھی۔ اُس کی تمام مخلوق ابھی پردۂ غیب میں تھی''۔

دوسرے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ اُس نے کتنے انسانوں کو پیدا کرنا ہے۔ تمام مخلوق ملکِ عدم میں تھی وہ خارج میں موجود نہ تھی۔

وَبِسَتْرِ الْاَهَاوِيْلِ مَصُوْنَةٌ

اس جملہ کی تفسیر اس سے پہلے والا جملہ ہے۔ اَهَاوِيْلُ اَهْوَال کی جمع ہے اور اَهْوَال هَوْلٌ کی جمع ہے۔ اس کا معنی خوف اور اَمرِ شدید ہے۔ اس سے مقصود غیب کے ظلمات کی وحشت ہے۔

تمام مخلوق ابھی پردۂ وحشت میں مستور تھی۔ پھر بھی محمدؐ ابن عبداللہ کے تذکرے موجود تھے۔

وَبِنِهَايَةِ الْعَدَمِ مَقْرُوْنَةٌ

کسی چیز کی انتہا اُس کے حدود ہوتے ہیں۔ اِس کا مفہوم یہ ہے کہ ابھی مخلوق اپنے وجود سے بہت بعید تھی یعنی معدوم تھی۔

وَعِلْمًا مِنَ اللهِ بِمَآئِلِ الْاُمُوْرِ

"حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالٰی کے عطا کردہ علم سے حوادثِ زمانہ اور مقدراتِ دنیا کو خوب جانتے تھے"۔

اللہ تعالٰی انسانوں کے انجامِ کار کو خوب جانتا ہے اور وہ اپنے پیغمبرؐ کی رسالت کے عواقب سے اچھی طرح واقف ہے کہ اُنھوں نے اپنی خدا بخش صلاحیتوں اور اخلاقِ حمیدہ اور صفاتِ جمیلہ سے متصف ہوتے ہوئے کس طرح اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا ہے، اس لیے اس وقتِ خاص کے لیے اُنھیں رسالت عطا فرمائی۔ کثرت کے ساتھ احادیث موجود ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

اِنَّ اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللہُ نُوْرُ مُحَمَّدٍ

"اللہ تعالٰی نے سب سے پہلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک نور کو پیدا فرمایا"۔

آپؐ نے یہ بھی فرمایا:

اِنَّ اللہَ خَلَقَ نُوْرِیْ وَنُوْرَ عَلِیٍ قَبْلَ اَنْ یَخْلُقَ اٰدَمَ اَوْ قَبْلَ اَنْ یَخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِاثْنَیْ عَشَرَ اَلْفَ سَنَۃً اَوْ اَرْبَعَۃً وَعِشْرِیْنَ اَلْفَ سَنَۃً۔

"اللہ تعالٰی نے میرا اور علیؑ کا نور حضرت آدمؑ کی خلقت یا زمین و آسمان کی تخلیق سے بارہ ہزار یا چوبیس ہزار سال قبل خلق فرمایا"۔

اس مضمون پر مشتمل احادیث شیعہ اور سُنّی کتب میں کثرت کے ساتھ موجود ہیں۔

وَاِحَاطَۃً بِحَوَادِثِ الدُّھُوْرِ

"آپؐ اللہ تعالٰی کے عطا کردہ اِدراک سے ہر عصر اور نسل کے حوادث و انقلابات کو جانتے تھے کہ اس دنیا میں قیامت تک اقوامِ عالم نے کس طرح رہنا ہے اور اُنھوں نے کن کن انقلابات و حوادث سے گزرنا ہے"۔

وَمَعْرِفَۃً بِمَوَاقِعِ الْمُقَدُوْرِ

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالٰی کے فرمان اور عطا کردہ معرفت کے ذریعے تمام زمانوں کے اُمور اور مصالح کو جانتے تھے"۔

اِبْتَعَثَہُ اللہُ اِتْمَامًا لِاَمْرِہٖ

اس جملے میں سیّدۂ عالم نے یہ پیغام دیا کہ اللہ تعالٰی نے آپؐ کو اس لیے مبعوث فرمایا، تاکہ کائنات کی آفرینش

کا ہدف کامل و اَکمل ہوجائے۔شاید اس بلند ترین سخن سے مراد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نبوت کا اِتمام و اِختتام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر کرنا تھا کہ اس کی شریعت کی تکمیل اُنھی پر ہوجائے۔

وَعَزِيمَةً عَلَى إِمْضَاءِ حُكْمِهِ

"تاکہ اُس کا حکم اس کی مخلوق میں قطعی طور پر نافذ ہوجائے"۔

وَإِنْفَاذًا لِمَقَادِيرِ حَتْمِهِ

"اُس ذات نے اپنے واجب مقدورات کے نفاذ کو قطعی اور بغیر تغیر و تبدل کے بنایا کہ اُس کے فیصلے اس کی مخلوق میں عملی جامہ پہن کر رہیں"۔

اِنحطاطِ حیاتِ فکری و دینی

اس مقام پر دختر سرفراز پیغمبرؐ نے اپنے خطاب کا رُخ دینی وفکری اِنحطاط کی طرف موڑا۔آپؑ نے فرمایا:

فَرَأَى الْأُمَمَ فِرَقًا فِي أَدْيَانِهَا

"پس پیغمبرؐ خدا نے اُمتوں کو دیکھا کہ وہ مختلف اَقسام کے اَدیان میں محدود ہیں"۔

جیسے یہود، نصاریٰ، مجوس، صابی، دہریے، زندیق، کافر، بت پرست وغیرہ جنھوں نے اُمتوں کو فرقہ بندی اور فرقہ پرستی میں تقسیم کر رکھا ہے۔

عُكَّفًا عَلَى نِيرَانِهَا

"کچھ لوگوں نے آتش پرستی شروع کر دی اور اس کی مراقبت میں کمربستہ ہوگئے"۔

اس سے آپؑ کی مراد مجوسی تھے، جنھوں نے آگ کو مقدس سمجھتے ہوئے اس کی عبادت شروع کر دی، اُنھوں نے آتش کدے بنائے، تاکہ آگ کبھی بجھنے نہ پائے۔

عَابِدَةً لِأَوْثَانِهَا

"وہ اپنے ہاتھوں سے بنے ہوئے بتوں کی پوجا کرنے والے ہیں"۔

اَوْثَانْ وَثَن کی جمع ہے، جس کا معنی بت ہے۔ زمانہ جاہلیت میں سیاسی واقتصادی وعقیدتی بت سازوں و بت تراشوں نے پتھروں یا لکڑی یا دوسری چیزوں کے بت تراشے اور بنائے۔ وہ اُنھیں اپنے گرجا گھروں میں رکھتے تھے اور اُن کے سامنے جھکتے تھے اور اُن کے سامنے سجدہ ریز ہوتے تھے۔

مُنْكِرَةً لِلّٰهِ مَعَ عِرْفَانِهَا

"حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے باوجود اُس کا انکار کرنے والے ہیں"۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَعْرِفُوْنَ نِعْمَةَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا

"وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمت جاننے کے باوجود اُس کا انکار کرتے ہیں"۔

کیونکہ ہر صاحب دانش و بینش خوب جانتا ہے کہ ہر موجود کے لیے خالق کا ہونا ضروری ہے۔ ہر مصنوع کے لیے صانع کا ہونا ضروری ہے۔ سبھی جانتے ہیں کہ یہ کائنات مخلوق ہے۔ آج تک مخلوق میں سے کسی نے دعویٰ نہیں کیا کہ شمس و قمر اور زمین و آسمان کو اُس نے پیدا کیا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ کوئی صانع ہے کہ جس نے اس کائنات کو تخلیق کیا ہے۔

فَاَنَارَ اللّٰهُ بِمُحَمَّدٍ ظُلَمَهَا

"اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کی برکت سے کفر و شرک اور جہالت و جنایت کی تاریکی کے دبیز بادلوں کو رفع دفع کر دیا"۔

جی ہاں! رسولؐ اسلام نے اپنے روشن دلائل و براہین سے ثابت کر دیا کہ شرک و بت پرستی اور آتش پرستی اللہ کی وحدانیت سے انکار ہے اور اللہ کا انکار کفر ہے۔

آنحضرتؐ اُن گمراہ کن عقائد کو صفحۂ ہستی سے ختم تو نہ کر سکے لیکن یہ ثابت کر دیا کہ اسلام اور قرآن برحق ہیں اور نجات بخش ہیں ان کے سوا باقی تمام عقائد و مذاہب باطل اور بے اساس ہیں۔

وَكَشَفَ عَنِ الْقُلُوْبِ بُهَمَهَا

"اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کے ذریعے قلوب سے پُرابہام باتوں کو دُور کیا اور لوگوں پر مخفی و مستور اور مشکل اُمور کو آسان کر دیا"۔

جیسے توحید، حشر اور نشر کے عقائد ہیں۔ رسولؐ اللہ سے قبل لوگ ان مسائل و حقائق سے آگاہ نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کی برکت سے اپنے بندوں پر یہ مشکلات آسان فرما دیں۔

وَجَلّٰى عَنِ الْاَبْصَارِ غُمَمَهَا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل لوگوں کی آنکھوں پر شرک و کفر کی ظلمتوں کے دبیز پردے پڑے ہوئے

تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کے نورِ رسالتؐ سے ظلمتوں کو ہٹایا اور ان عقل کے اندھوں کو روشنی عطا کی۔ اِس جملے میں تاریکی سے مراد عقائدی انحرافات ہیں، جو اُس ظلمت کے مانند ہوتے ہیں جس سے انسان حقائق کو نہیں دیکھ سکتا۔

وَقَامَ فِي النَّاسِ بِالْهِدَايَةِ

"رسولؐ اللہ نے انسانیت کی ہدایت وارشاد کے لیے قیام فرمایا"۔

آپؐ نے وہ علامات نصب فرمائیں جو حق وحقیقت کی طرف رہنمائی کرتی ہیں اور توحید ونبوت اور معاد کا راستہ دکھاتی ہیں۔

وَأَنْقَذَهُمْ مِنَ الْغَوَايَةِ

"رسولؐ اللہ نے لوگوں کو گمراہی وضلالت سے نجات عطا فرمائی"۔

اُس وقت کے لوگ ذلت ورُسوائی اور ضلالت کی زندگی بسر کر رہے تھے اور اسی تاریکی وگمراہی میں رہتے ہوئے اس دنیا سے چل بستے تھے۔ وہ انسانی تہذیب واَخلاق سے دُور تھے۔ وہ فردی وخانوادگی آداب ورفتار سے بے بہرہ تھے۔ اُن کا رُخ پستی اور رُسوائی کی طرف تھا۔ پیغمبر اعظمؐ نے اُنھیں ہلاکت اَبدی سے نکال کر سعادتِ اَبدی کا راستہ دکھایا۔

وَبَصَّرَهُمْ مِنَ الْعَمَايَةِ "اندھے پن سے نکال کر دانا وبینا بنا دیا"۔

عمٰی کا لغوی معنی ہے کہ جسے کوئی چیز دکھائی نہ دے اور اس کا مجازی معنی ہے ایسا آدمی جو حقائق کا اِدراک نہ رکھتا ہو۔ آپؐ نے اپنی تعلیمات سے ان اندھوں کو بینائی عطا کردی۔

وَهَدَاهُمْ إِلَى الدِّينِ الْقَوِيمِ "پیغمبر خاتمؐ نے اُمت کو حقیقی دین کی ہدایت فرمائی"۔

"ہدایت" کے بہت سے معانی ہیں: ایک معنی یہ ہے کہ جس نے راستہ نہیں دیکھا اُسے راستہ دکھانا، اس کا دوسرا معنی ہے ہدف اور مقصد تک پہنچا دینا۔ پیغمبر گرامیؐ نے ہدایت کے دونوں معانی پر عمل فرمایا۔ اُنھوں نے قوم کو سعادت کا راستہ دکھایا اور اُنھیں دُنیوی واُخروی سعادت کی طرف رہنمائی بھی فرمائی۔

وَدَعَاهُمْ إِلَى الطَّرِيقِ الْمُسْتَقِيمِ

"سرتاجِ انبیاءؐ نے لوگوں کو وہ راستہ دکھایا کہ جس میں نہ کجی ہے اور نہ انحراف ہے اور وہ راستہ دینِ اسلام ہے"۔

رحلت پیغمبرؐ کا سوگ و سوز

ہمسر خطیب منبر سلونی نے یہاں پیغمبرؐ حریت کی رحلت کے سوز و فراق کی طرف اِس جملے سے اشارہ کیا:

ثُمَّ قَبَضَهُ اللهُ اِلَيْهِ قَبْضَ رَافَةٍ وَاخْتِيَارٍ وَرَغْبَةٍ وَاِيْثَارٍ

"پھر خدائے جہانِ آفرین نے آپؐ کی ملکوتی روح کو نہایت ہی مہر و محبت اور میل و رأفت سے سرائے آخرت کی طرف اُٹھا لیا"۔

جی ہاں! آپؐ کی مبارک و پاکیزہ رُوح کو کمال مہر و محبت سے قبض فرمایا۔ خود اُن کے خواست و اختیار پر اُن کی روح کو اپنے پاس بلایا نہ اجبار و اکراہ سے اور نہ غیض و غضب سے، ممکن ہے۔ اِس "اختیار" سے مراد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے آخرت کو اختیار کر لیا ہو اِس لیے اُنھیں اِس دنیائے جہان سے اُٹھا لیا ہو جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآن کریم میں فرمایا:

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ○ (سورۂ ضحیٰ: آیت ۴)

"بھرپور یقین کے ساتھ وہ جہان آپ کے لیے اِس جہان سے بہتر و برتر ہے"۔

فَمُحَمَّدٌ عَنْ تَعَبِ هٰذِهِ الدَّارِ فِيْ رَاحَةٍ

"اب میرے والد گرامی حضرت محمد ﷺ اس دنیائے فانی و ناپائیدار کے ہر درد و رنج سے آسودہ حال ہو گئے ہیں"۔

اب وہ تاریک اندیشوں، خشونت کیشوں، ثروت و اقتدار کے پجاریوں کی مخالفت و عداوت اور اذیت و آزار سے محفوظ و مصئون ہو گئے ہیں کیونکہ اولیائے اللہ کے لیے راحت و سکون کا سامان موت ہی میں ہے۔ اُن کی دنیاوی زندگی جہود و جہاد اور مشقت و مشکلات سے دوچار ہوئی ہے۔

قَدْ حُفَّ بِالْمَلَائِكَةِ الْاَبْرَارِ

"نیکوکار اور اَبرار ملائکہ نے اُنھیں اپنے حلقہ میں لیا ہوا ہے۔ وہ اعلیٰ علیین کے سفر میں اُن کے رفیق سفر ہیں، کیونکہ اُنھوں نے اپنے رفیقِ اعلیٰ کی بارگاہ میں پہنچنا ہے"۔

وَرِضْوَانِ الرَّبِّ الْغَفَّارِ

"رب غفور و غفار کی خوشنودی نے اُنھیں اپنے دائرے میں لیا ہوا ہے"۔

چونکہ سرائے جاودانہ آخرت وسیع سے وسیع تر ہے۔ اُس کی وسعت بے کراں ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اُنھیں اپنی بارگاہ میں بلا لیا ہے، تاکہ آپؐ پر اپنی خوشنودی اور رضوان نازل کرے۔ اس دنیا میں اتنی وسعت نہیں ہے۔ اس کا ماحول اور اس کی فضائیں تنگ ہیں، اس لیے اس دنیا میں پیغمبرِ اعظمؐ و آخر پر الٰہی خوشنودیاں کماحقہ جلوہ گر نہ ہوسکیں۔

وَمُجَاوَرَةِ الْمَلِكِ الْجَبَّارِ

''اب وہ دنیا و آخرت کے صاحبِ اقتدار بادشاہ کے جوار میں آرام پذیر ہیں اور اس ذات کی حفظ و حفاظت میں ہیں۔ اب وہ اُس کے ثواب و الطاف کے قریب ہیں''۔

صَلَّى اللهُ عَلَىٰ أَبِي، نَبِيِّهٖ وَاَمِيْنِهٖ عَلَى الْوَحْيِ وَصَفِيِّهٖ

''میرے والد گرامی پر اللہ تعالیٰ کے درود و سلام ہوں۔ وہ گرانقدر ہستی اُن کے نبیؐ اور اُن کی وحی کے امین تھے اور اللہ تعالیٰ نے اُنھیں اپنی تمام مخلوق میں اُنھیں ہی مصطفیٰ بنایا''۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْهِ وَبَرَكَاتُهٗ

''اُن پر اللہ کی برکات و سلام ہوں''۔

ملکوتی خطبے کا دوسرا حصّہ

حاضرین مسجد سے خطاب

ثُمَّ اِلتَفتت اِلٰی اَهلِ المجلس وَقالت:

أَنْتُمْ عِبَادَ اللهِ نُصُبُ اَمْرِهٖ وَنَهْيِهٖ وَحَمَلَةُ دِيْنِهٖ وَ وَحْيِهٖ ، وَأُمَنَاءُ اللهِ عَلٰى أَنْفُسِكُمْ ، وَبُلَغَاؤُهُ اِلَى الْاُمَمِ۔

وَزَعَمْتُمْ حَقٌّ لَهُ فِيْكُمْ وَعَهْدٌ قَدَّمَهُ اِلَيْكُمْ ، وَبَقِيَّةٌ اسْتَخْلَفَهَا عَلَيْكُمْ: كِتَابُ اللهِ النَّاطِقُ، وَالْقُرْآنِ الصَّادِقُ ، وَالنُّوْرُ السَّاطِعُ ، وَالضِّيَاءُ اللَّامِعُ ، بَيِّنَةٌ بَصَائِرُهُ ، مُنْكَشِفَةٌ سَرَائِرُهُ ، مُتَجَلِّيَةٌ ظَوَاهِرُهُ ، مُغْتَبِطَةٌ بِهٖ أَشْيَاعُهُ ، قَائِدٌ اِلَى الرِّضْوَانِ اِتِّبَاعُهُ ، مُؤَدٍّ اِلَى النَّجَاةِ اِسْتِمَاعُهُ ، بِهٖ تُنَالُ حُجَجُ اللهِ الْمُنَوَّرَةُ ، وَعَزَائِمُهُ الْمُفَسَّرَةُ ، وَمَحَارِمُهُ الْمُحَذَّرَةُ ، وَبَيِّنَاتُهُ الْجَالِيَةُ ، وَبَرَاهِيْنُهُ الْكَافِيَةُ وَفَضَائِلُهُ الْمَنْدُوْبَةُ ، وَرُخَصُهُ الْمَوْهُوْبَةُ ، وَشَرَائِعُهُ الْمَكْتُوْبَةُ۔

فَجَعَلَ اللهُ الْاِيْمَانَ تَطْهِيْرًا لَكُمْ مِنَ الشِّرْكِ ، وَالصَّلَاةَ تَنْزِيْهًا لَكُمْ عَنِ الْكِبْرِ ، وَالزَّكٰوةَ تَزْكِيَةً لِلنَّفْسِ وَنِمَاءً فِي الرِّزْقِ ، وَالصِّيَامَ تَثْبِيْتًا لِلْاِخْلَاصِ ، وَالْحَجَّ تَشْيِيْدًا لِلدِّيْنِ ، وَالْعَدْلَ تَنْسِيْقًا لِلْقُلُوْبِ ، وَطَاعَتَنَا نِظَامًا لِلْمِلَّةِ ، وَ اِمَامَتَنَا اَمَانًا مِنَ الْفُرْقَةِ ، وَالْجِهَادَ عِزًّا لِلْاِسْلَامِ ، وَالصَّبْرَ مَعُوْنَةً عَلٰى اِسْتِيْجَابِ الْاَجْرِ ، وَالْاَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ مَصْلَحَةً لِلْعَامَّةِ ، وَبِرَّ الْوَالِدَيْنِ وِقَايَةً مِنَ السَّخَطِ ، وَصِلَةَ الْاَرْحَامِ مَنْسَاةً لِلْعَدَدِ ، وَالْقِصَاصَ حِصْنًا لِلدِّمَاءِ ، وَالْوَفَاءَ بِالنَّذْرِ تَعْرِيْضًا لِلْمَغْفِرَةِ ، وَتَوْفِيَةَ الْمَكَائِيْلِ وَالْمَوَازِيْنِ تَغْيِيْرًا لِلْبَخْسِ ، وَالنَّهْيَ عَنْ شُرْبِ الْخَمْرِ تَنْزِيْهًا عَنِ الرِّجْسِ ، وَاجْتِنَابَ

الْقَذْفِ حِجَابًا عَنِ اللَّعْنَةِ، وَتَرْكَ السَّرِقَةِ إِيجَابًا لِلْعِفَّةِ وَحَرَّمَ اللهُ الشِّرْكَ إِخْلَاصًا لَهُ بِالرُّبُوبِيَّةِ۔ اتَّقُوا اللهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ۔ وَأَطِيعُوا اللهَ فِيمَا أَمَرَكُمْ بِهِ وَنَهَاكُمْ عَنْهُ، فَإِنَّهُ ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾۔

"اے بندگانِ خدا! تم اُس کے حکم کا مرکز! اُس کے دین و وحی کے حامل! اپنے نفس پر اللہ کے امین! اور اُمتوں تک اُن کے پیغام رساں ہو۔ تمہارا خیال ہے کہ تمہارا اُن پر کوئی حق ہے حالانکہ تم میں اُن کا عہد موجود ہے جسے اُس نے بھیجا ہے اور وہ بقیہ ہے جسے اپنی خلافت دی ہے۔ وہ خدا کی کتاب، ناطقِ قرآن، نُورِ ساطع اور ضیاء روشن ہے۔

جس کی بصیرتیں نمایاں اور اَسرار واضح ہیں۔ اُس کے ظواہر منور اور اُس کی اتباع قابلِ رشک ہے۔ وہ رضوانِ الٰہی کا قائد ہے اور اُس کی سماعت ذریعۂ نجات ہے۔ اُسی کے ذریعے اللہ کی روشن حجتیں واضح ہوتی ہیں۔ اُس کے روشن فرائض، مخفی محرمات، ظاہر و باہر بینات، براہین کافیہ، فضائل مندوبہ، لازمی تعلیمات اور قابلِ رخصت احکام کا اندازہ ہوتا ہے۔ تاکہ تم لوگ کتاب کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ کی روشن اور روشن گر دلائل پاسکو اور اُس کے تفسیر و بیان اور مقررات و واجبات کو سیکھ سکو اور اُس نے اپنی کتاب میں موانع رُشد و کمال کی نشان دہی کی ہے کہ اُن کے اِرتکاب سے ہوش وار کیا ہے، تاکہ اُس کے فرامین پر عمل کر کے اپنے آپ کو ساحلِ نجات پر لنگرانداز کیجیے۔

اس کے بعد اللہ نے ایمان کے ذریعے تمھیں شرک سے پاک و پاکیزہ کیا اور نماز کو تکبر و غرور اور خودبینی سے بچنے کا وسیلہ بنایا اور زکوٰۃ کو نفس کی پاکیزگی اور رزق و روزی کی اَرزانی کا ذریعہ بنایا۔ روزہ کو خلوص کے محکم کرنے کا وسیلہ قرار دیا۔ دین کی تقویت کے لیے حج کرنے کا حکم نازل کیا۔ عدل و انصاف کی سفارش کی تاکہ قلوب منظم ہوں۔ ہم آلِ محمدؐ کی اطاعت کو ملت کا نظام اور ہماری قیادت و امامت کو اِفتراق و انتشار سے بچنے کا ذریعہ بنایا۔ غلبۂ اسلام کے لیے جہاد کو مقرر کیا۔ صبر و شکیبائی کو پیروزی و سرفرازی کا آلہ بنایا۔ امر بالمعروف میں عوام کے مصالح رکھ دیے۔ والدین سے حُسن وسلوک عذاب سے تحفظ کی ضمانت ہے۔

صلہ رحمی کو نمود و افزائش کا وسیلہ، قصاص کو خون کی حفاظت، ایفائے نذر کو مغفرت کا وسیلہ، ناپ

قول کوفریب دہی کا توڑ بنایا۔ شراب خواری کی حرمت کو رجس سے پاکیزگی، تہمت سے پرہیز کو لعنت سے محافظت، ترکِ سرقہ کو عفت کا سبب قرار دیا ہے۔ اُس نے شرک کو حرام کیا، تاکہ ربوبیت سے اخلاص پیدا ہو۔ لہٰذا اللہ سے باقاعدہ ڈرتے رہو۔ اسلام پر ہی مرنا، اللہ کے آزام کی اطاعت اور اُس کے منہیات سے بچتے رہنا، اس لیے اُس کے بندوں میں خوفِ خدا رکھنے والے صرف صاحبانِ علم و معرفت ہی ہوتے ہیں"۔

تشریح و توضیح خطبہ

بتولؑ عذرا نے نبوت کے تذکرے کے بعد رسولِؐ اعظم کے ترکہ پر گفتگو کی کہ اللہ کے رسولؐ اپنی اُمت میں ثقلین چھوڑ کر رحلت فرما گئے ہیں۔ یعنی کتاب اللہ اور عترتِ اہلِ بیتؑ جو نبی اعظمؐ کے قائم مقام ہیں۔ آپؑ نے مسجدِ نبویؐ کے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اَنْتُمْ عِبَادَ اللهِ، نُصْبُ اَمْرِهٖ وَنَهْيِهٖ

"کلمہ "عباداللہ" مبتدا اور خبر کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ آپ نے "عباداللہ" کہہ کر اُنھیں اپنی طرف متوجہ فرمایا کہ میں آپؑ سے خطاب کر رہی ہوں"۔

کہ تم لوگ اللہ کے احکام کا مرکز ہو، اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی تمھارے سامنے نازل ہوئے اور تم موجود تھے۔ اب اللہ کے اوامر کی اطاعت کرنا اور اُس کے نواہی سے بچنا۔

وَحَمَلَةُ دِيْنِهٖ وَوَحْيِهٖ

"اور تم لوگ اس کے دین اور وحی کے پرچم کو اپنے کندھوں پر اُٹھانے والے تھے"۔

چونکہ آپ لوگ پیغمبرِؐ اسلام کی انسان ساز اور عادلانہ سیرت کو دیکھتے تھے اور اُن کے فرامین سننے والے تھے اور تم لوگ ہی دین اور آیاتِ قرآنی کے پرچم کو بلند کرنے والے تھے۔ فرشتہ وحی جو تعلیمات لاتے تھے پیغمبرِؐ اسلام تمھیں اس کی تعلیم دے دیتے تھے۔

وَاُمَنَاءُ اللهِ عَلٰى اَنْفُسِكُمْ

"تم لوگ اللہ تعالیٰ کے دین کے امین ہو"۔

تم لوگوں نے دینِ خداوندی رسولِ اکرمؐ سے سیکھا۔ اب تم لوگ اُن لوگوں کو سکھلاؤ جنھوں نے دین کا علم نہیں سیکھا۔

وَبُلَغَاؤُهُ اِلَى الْاُمَمْ

"تم لوگ ہی ہو کہ جنھوں نے تمام اعصار و قرنوں اور اَمصار و اَدوار کی طرف اِس دینِ مبین کی تبلیغ کرنی ہے"۔

یہ حقیقت نا قابلِ تردید ہے کیونکہ علم و دانش نسل دَر نسل اور عصر دَر عصر چلتا ہے۔ تم لوگ پیغمبرؐ اسلام کے معاصر ہو۔ تم لوگوں نے اُن کی جان فزا اور رُوح پرور باتوں کو سنا اور اُن سے انسان ساز اور سعادت آفرین تعلیمات سیکھیں۔ اب آپ لوگوں پر واجب ہے کہ اِن مطالب و مفاہیم اور اُن کی نجات دہندہ اور آزاد منش سیرت و روش کو دوسری نسلوں تک پہنچائیں، کیونکہ اس رسالت کی سنگین ذمہ داری آپ لوگوں کے کندھوں پر ہے۔

آپ لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ رسالت و امامت کو بغیر کسی کوتاہی و بازی گری کے ادا کیجیے اور مقرراتِ خداوندی کو بغیر کسی تغیر و تبدل و تحرف کے دوسروں تک پہنچا دیجیے، کیونکہ تم لوگ پیغمبرؐ خدا اور آنے والی نسلوں کے درمیان واسطہ و رابطہ ہو۔ اگر تم لوگوں نے امانتِ خدا اور پیغمبرؐ کو مکمل شائستگی کے ساتھ پہنچا دیا تو تمھیں بے پناہ اُجر ملے گا۔ اگر تم لوگوں نے اِس امانت کے پہنچانے میں خیانت کی تو اِس کی مسئولیت تم لوگوں پر ہوگی۔

وَزَعَمْتُمْ حَقٌّ لَهُ فِيكُمْ

"تمھارا یہ خیال ہے کہ تمھارا اُن پر کوئی حق ہے"۔

وَعَهْدٌ قَدَّمَهُ اِلَيْكُمْ

"حالانکہ تم میں اُن کا عہد موجود ہے"۔

وَبَقِيَّةٌ اِسْتَخْلَفَهَا عَلَيْكُمْ

"اور وہ باقی ہے جسے اپنی خلافت دی ہے۔ پیغمبرؐ نے اپنی اُمت کو اپنی امانت پیش کی تھی۔ اُس امانت کی حفاظت آپ لوگوں پر واجب ہے"۔

اِن تین چھوٹے جملوں کو اکثر اِس خطبہ کے راویوں نے خطبے کا جزو قرار دیا ہے۔ لیکن یہ تین جملے اِضطراب سے خالی نہیں ہیں۔ شاید کلام میں کچھ حصّہ حذف ہو۔ اِس خطبہ کے اکثر شارحین نے ان جملوں کا ذکر کیا ہے اور سبھی نے اِن کے مختلف معانی کیے ہیں۔ لیکن ان جملوں کا مقصود و مفہوم یہ ہے کہ رسولِؐ اسلام نے تم لوگوں سے ایک عہد لیا تھا جس عہد کا ایفا تم پر واجب ہے۔ اُنھوں نے تم میں اپنا "بقیہ" چھوڑا ہے۔ وہ اِن کی طرف سے تمھارے لیے خلیفہ ہیں۔ بقیہ کا معنی ہے کہ ایک انسان کے اپنے خاندان میں چھوڑے ہوئے آثار اور لوازم۔ اس سے مراد یہ ہے کہ

پیغمبر اکرمؐ نے تمھارے درمیان حقائق چھوڑے ہیں، جو امت اسلامیہ کی حوائج کو پورا کریں گے۔ بعض نسخوں میں ہے:

وَبَقِيَّةٌ اِسْتَخْلَفْنَا عَلَيْكُمْ وَمَعَنَا كِتَابُ اللهِ

یہ جملہ اُس مشہور حدیث کی طرف اشارہ ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے:

اِنِّيْ تَارِكٌ فِيْكُمُ الثَّقَلَيْنِ، كِتَابَ اللهِ وَعِتْرَتِيْ اَهْلَ بَيْتِيْ، وَاِنَّهُمَا لَنْ يَّفْتَرِقُوْا حَتّٰى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ۔ (صحیح مسلم وغیرہ)

"میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑے جارہا ہوں: ایک اللہ کی کتاب اور دوسری عترتِ اہلِ بیت۔ یہ دونوں کبھی آپس میں جدا نہیں ہوں گی حتیٰ کہ حوضِ کوثر پر میرے پاس پہنچ جائیں"۔

سیدہ عالم اور قرآنِ کریم کی عظمت

آپؑ نے اس مقام پر پیغمبر اکرمؐ کی دو یادگاروں میں سے ایک یادگار قرآنِ کریم کی عظمت بیان فرمائی:

كِتَابُ اللهِ النَّاطِقُ

"اللہ تعالیٰ کی کتاب، ایک ناطق کتاب ہے"۔

یعنی قرآن ایک ایسی کتاب ہے جو ہر حقیقت کی تبیین و توضیح کرنے والی ہے۔ ایک ایسے انسان کی طرح جو پُروضاحت گفتگو کرتا ہے۔

اَلنُّوْرُ السَّاطِعُ

"قرآن نورِ فروزاں ہے"۔

خود اللہ تعالیٰ نے اپنی اس کتاب کو "نور" سے تعبیر فرمایا ہے جیسے:

فَآمِنُوْا بِاللهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا وَاللهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ

"تم اللہ اور اُس کے رسولؐ پر ایمان لے آؤ اور اُس نور پر جسے ہم نے نازل کیا اور اللہ تمھارے عمل سے بخوبی آگاہ ہے"۔ (سورۂ تغابن: آیت ۸)

وَالضِّيَاءُ اللَّامِعُ

"ایسا نور ہے جو افشاں ہے"۔

اس کی روشنی دھیمی نہیں ہے۔ اس کی ضوفشانی سے کائنات روشن ہے۔

بَيِّنَةٌ بَصَائِرُهُ

"اس کے دلائل و براہین واضح ہیں"۔

توحید، نبوت، امامت اور حشر ونشر کے دلائل روشن اور واضح ہیں۔ جو لوگ قرآن مجید کی منطق کے عارف ہیں وہ دلیل و مدلول اور علت و معلول کی مناسبت کا معنیٰ وفہم رکھتے ہیں، جس طرح کہ قرآن مجید میں فرمانِ خداوندی ہے:

① لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا (سورۂ انبیاء: آیت ۲۲)

"اگر زمین و آسمان کے درمیان خدائے واحد کے علاوہ کوئی اور خدا ہوتا تو دونوں تباہ ہو جاتے"۔

② وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهُ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ○ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِيٓ أَنْشَأَهَآ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَّهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ○ (سورۂ یٰسین: آیت ۷۸-۷۹)

"کیا وہ ہماری نسبت باتیں بنانے لگا اور اپنی خلقت کی حالت بھول گیا اور وہ کہنے لگا: بھلا جب یہ ہڈیاں سڑگل کر خاک ہو جائیں گی تو پھر کون دوبارہ زندہ کرسکتا ہے۔ اے رسولؐ! آپ کہہ دیں وہی زندہ کرے گا جس نے انھیں پہلی مرتبہ زندہ کر دکھایا"۔

③ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونَ (سورۂ اعراف: آیت ۲۰۴)

"اور میں نے جنوں اور انسانوں کو نہیں پیدا کیا مگر یہ کہ وہ عبادت کریں"۔

④ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰٓ أَنْ يَّأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا (سورۂ اسراء: آیت ۸۸)

"اے رسولؐ! آپؐ کہہ دیں کہ اگر ساری دنیا کے آدمی اور جن اس بات پر اکٹھے ہوں کہ اس قرآن کے مثل لے آئیں تو غیر ممکن ہے کہ وہ اس کے برابر لا سکیں۔ اگرچہ وہ اس کوشش میں ایک کا ایک مددگار بھی ہے"۔

مُنْكَشِفَةٌ سَرَائِرُهُ

"قرآن مجید کے اسرار آشکار و نمایاں ہیں"۔

قرآنِ کریم کی آیات کے معانی اور اُس کے دلائل روشن و آشکار ہیں۔ اس کے اندر وہ آیات بھی ہیں جن کے معانی مخفی و پوشیدہ ہیں جیسے فزکس، کیمسٹری، فلکیات، ایٹم، پیشین گوئیاں، حوادث و انقلابات اور آیات متشابہات وغیرہ

لیکن اُولوا الالباب اور راسخانِ علم اِن مخفی علوم سے آگاہ ہیں۔

مُتَجَلِّیَۃٌ ظَوَاھِرُہٗ

"اُس کے ظواہر کامل طور پر آشکار و جلوہ گر ہیں"۔

مُغْتَبِطَۃٌ بِہٖ اَشْیَاعُہٗ

"قرآنِ کریم کے راستے کے راہرو اور پیروکاران کو لوگ رشک و حسرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں"۔

کیونکہ وہ لوگ قرآنِ مجید سے عشق و علاقہ رکھتے ہیں اور اُس کی اتباع میں زندگی کا سفر طے کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُنھیں دُنیوی و اُخروی عزت و منزلت عطا کرتا ہے، اس لیے لوگوں کی نگاہیں اُنھیں دیکھتی ہی رہ جاتی ہیں اور وہ حسرت بھری نگاہوں سے کہتے ہیں کہ اے کاش! اُنھیں یہ مقام نصیب ہوتا۔

قَائِدٌ اِلَی الرِّضْوَانِ اِتِّبَاعُہٗ

"قرآنِ مجید کی اِتباع اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضوان کی طرف رہبری کرتی ہے"۔

مُؤَدٍّ اِلَی النَّجَاۃِ اِسْتِمَاعُہٗ

"قرآنِ مجید کو دل کی گہرائی و گیرائی سے سننا نجات کی ضمانت ہے"۔

جس طرح خداوند تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ (سورۂ اعراف: آیت ۲۰۴)

"اے لوگو! جب قرآن پڑھا جائے تو کان لگا کر سنو اور چپ چاپ رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے"۔

جب قرآنِ مجید تدبر و تعقل کے ساتھ سنا جائے تو قلوب کی دنیا اللہ تعالیٰ کے خوف سے لرزہ براندام ہو جاتی ہے۔ اِس طرح انسان اپنے کریم رب سے اُمیدوں کا بندھن باندھ لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات کے سامان پیدا کر لیتا ہے۔

مشاہدات و تجربات ہیں کہ کتنے کافر تھے کہ جب اُنھوں نے غور سے قرآن سنا تو اسلام کی دولت سے مالامال ہو گئے اور کتنے مذنب و معصیت کار تھے کہ جنھیں قرآنِ مجید کے استماع سے توبہ کی توفیق مل گئی اور کتنے منحرف لوگ تھے کہ جنھیں راہِ اعتدال مل گیا اور کتنے لوگ شک و ریب کی دلدل میں پھنسے ہوئے تھے کہ اُنھیں اللہ کی کتاب نے یقین و استقامت کی توانائی دے کر اِس دلدل سے نکال کر روحانی فضاؤں میں پرواز کی قوت دے دی۔

بِهِ تُنَالُ حُجَجُ اللهِ الْمُنَوَّرَةُ

"دلیل وحجت سے انسان اعتماد حاصل کرتا ہے"۔

قرآنِ کریم کی برکت سے انسان کو دلائل و براہین حاصل ہوئے۔ ہم بخوبی جانتے ہیں کہ عقلی اور فکری موضوعات، دینی اَحکام اور عمرانی مسائل میں قرآنِ مجید سے اِستدلال کیا جاتا ہے اور اُسی سے ہی دلائل و براہین لیے جاتے ہیں۔

وَعَزَائِمُهُ الْمُفَسَّرَةُ

"قرآنِ مجید کی برکت سے واجبات معلوم ہوئے ہیں"۔

اِن واجبات کی تفسیر خود قرآن نبی کریم ﷺ یا آئمہ اہلِ بیتؑ نے فرمائی ہے، کیونکہ قرآن کریم اُنھی کے گھروں میں نازل ہوا۔ گھر کی چیز گھر والے ہی بہتر جانتے ہیں۔ اُنھوں نے عبادات کے اَحکام اور اُن کی کیفیات و خصوصیات کی تفسیر فرمائی۔ طہارت سے لے کر نماز تک اور نماز سے لے کر روزہ و حج و جہاد تک تمام واجبات کی تشریح و توضیح کے تمام سامان مکمل کر دیے۔

وَمَحَارِمُهُ الْمُحَذَّرَةُ

قرآنِ مجید کے وسیلہ سے معلوم ہوا کہ محرماتِ خدا کیا ہیں؟ زشت وظالمانہ اُمور کیا ہیں؟ اِن مجرمانہ اُمور سے بچ کر اپنے آپ کو عذابِ خداوندی سے بچانا چاہیے۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی کتاب کے ذریعے پیغام دیا ہے کہ وہ اُن کاموں سے دُور رہیں جو حرام ہیں اور اُنھیں قیامت کے دن کے عذاب سے ڈرایا ہے۔

وَبَيِّنَاتُهُ الْجَالِيَةُ

"کتاب اللہ کے دلائل و براہین روشن اور واضح ہیں۔ اُنھیں کسی تشریح وتاویل کی ضرورت نہیں ہے"۔

وَبَرَاهِينُهُ الْكَافِيَةُ

"اِس کے متشابہات اُن ہستیوں کے ہاں معلوم ہیں جو راسخون فی العلم ہیں"۔

وَفَضَائِلُهُ الْمَنْدُوبَةُ

اللہ نے اَخلاقی و انسانی احکام اپنے قرآن میں بیان فرمائے ہیں اور اپنے بندوں کو اُن کے اپنانے کی دعوت دی ہے اور اُن کے انجام پذیر ہونے پر اپنے ہاں ثواب رکھا ہے۔ وہ صرف استحبابی اَحکام ہیں۔ نماز و روزہ کے مانند وجوبی اَحکام نہیں ہیں۔

وَرُخَصُهُ الْمَوْهُوبَةُ

جیسا کہ گزر چکا ہے کچھ اَحکامِ قرآنی واجب ہیں اور کچھ اختیاری اور استحبابی ہیں۔ انسان کو اختیار دیا ہے کہ اُنھیں بجالائیں یا نہ بجالائیں۔

وَشَرَائِعُهُ الْمَكْتُوبَةُ

"اللہ تعالیٰ نے اپنے قوانین اور اَحکام اپنے بندوں پر مقرر فرمائے ہیں"۔

"شرائع" شریعت کی جمع ہے۔ اس سے مراد قوانین ہیں۔ وہ قوانین جن کی اتباع اللہ نے اپنے بندوں پر واجب قرار دی ہے۔

اہلِ لغت کے نزدیک "شریعت" کا معنی پانی کا گھاٹ ہے جہاں سے لوگ پانی حاصل کرتے ہیں یا اپنے وسائل سے دریا وغیرہ کو عبور کرتے ہیں۔

مَكْتُوبَةٌ کا معنی واجب اور مقرر ہے۔ اس جملے سے سیدۂ عالم کا مقصود یہ تھا کہ قرآنِ مجید ہی کے وسیلہ سے لوگوں کو واجباتِ خداوندی معلوم ہوئے ہیں۔

فلسفۂ اسلام پر گفتگو

اِس ملکوتی خطبہ قرآن و اسلام نے اپنے خطاب کا رُخ اسلام کے فلسفہ کی طرف کیا۔ اسلامی قوانین و اَحکام کے فوائد کی تشریح فرمائی کہ اسلامی احکام حکمت و دانش سے خالی نہیں ہیں۔ فوائد و حکمت کا بیان علاج سے بہتر ہوتا ہے۔ جس طرح ضرب المثل ہے: "پرہیز علاج سے بہتر ہے"۔

جو کچھ آپ نے فرمایا وہ عنقریب تمھارے سامنے آجائے گا۔

فَجَعَلَ اللهُ الْإِيْمَانَ تَطْهِيْرًا لَكُمْ مِنَ الشِّرْكِ

ایک دوسرے نسخہ میں ہے:

فَفَرَضَ اللهُ الْإِيْمَانَ تَطْهِيْرًا لَكُمْ مِنَ الشِّرْكِ

اللہ تعالیٰ نے خدائے واحد و یکتا پر ایمان لانا اس لیے واجب قرار دیا، تا کہ تمھارے اَذہان و اَفکار شرک اور تاریک اندیشی اور حق ناشناسی سے محفوظ ہوجائیں۔ قرآنِ مجید میں جو آیات وارد ہوئی ہیں وہ خدائے واحد پر ایمان لانے کی دعوت دیتی ہیں۔ اِس امر کی غرض و غایت یہ ہے کہ انسان شرک کی پلیدیوں اور ناپاکیوں سے بچ جائے۔ ظلم و

شرک ضرر رساں جراثیموں کے مانند ہیں، جو روح کی موت کا سبب بن جاتے ہیں۔ اللہ پر ایمان ان دباؤں اور بلاؤں کو نابود کر دیتا ہے۔

شرک پلیدی اور آلودگی ہے، جو انسانی اَفکار و اَذہان کو بیمار و آلودہ کر دیتا ہے۔ اللہ کی یکتائی ان بیماریوں کا علاج ہے۔ توحید پرستی سے دل صحت مند اور توانا ہو جاتا ہے۔

وَالصَّلٰوۃَ تَنْزِیْھًا لَکُمْ مِنَ الْکِبْرِ

"اللہ تعالیٰ نے نماز کو خود بینی اور غرور و تکبر جیسی روحانی بیماریوں کا علاج ٹھہرایا ہے"۔

اس لیے نماز کو واجب کیا تاکہ تم لوگ ان بیماریوں اور آلودگیوں سے پاک صاف ہو جائیں، کیونکہ نماز بارگاہ خداوندی میں سراپائے خشوع و خضوع ہے۔ نماز میں رکوع ہے، سجود ہے اسی سے انکساری و عاجزی اور تذلل پیدا ہوتا ہے۔ جو لوگ نماز کے تارک ہوتے ہیں اُن میں تکبر و غرور کی بیماریاں کثرت کے ساتھ پائی جاتی ہیں۔

وَالزَّکٰوۃَ تَزْکِیَۃً لِلنَّفْسِ وَنِمَاءً فِی الرِّزْقِ

"اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو جان کی پاکیزگی اور تزکیہ کے لیے مقرر فرمایا"۔

زکوٰۃ کا معنی ہی تزکیۂ نفس انسانی ہے۔ قرآن مجید نے اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِھِمْ صَدَقَۃً تُطَھِّرُھُمْ وَتُزَکِّیْھِمْ (سورۂ توبہ: آیت ۱۰۳)

"اے رسولؐ! تم ان کے مال کی زکوٰۃ لو اور اس کی بدولت انھیں گناہوں سے پاک صاف کرو"۔

پروردگار جہان نے زکوٰۃ کو برکت و رُشد کا وسیلہ قرار دیا ہے۔ جو لوگ اپنے اَموال میں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ زمین کو حکم دیتا ہے کہ وہ ان لوگوں کے کھیت و کھلیانوں کی نشوونما اور ثمرآوری میں اپنی صلاحیتیں بھرپور انداز میں استعمال کرے، تاکہ اُس کے بندوں کے رزق میں برکت پیدا ہو۔ اُن کے جانوروں میں اضافہ ہو اور اُن کے جانوروں کے پستانوں میں دودھ کی اَرزانی ہو اور اُن کے ثمرات میں اضافہ ہو۔

وَالصِّیَامَ تَثْبِیْتًا لِلْاِخْلَاصِ

"روزے کو خلوص کے استحکام کا وسیلہ بنایا"۔

بعض اوقات انسان نماز ریاکاری کے لیے پڑھتا ہے، تاکہ لوگ اُسے نماز گزار کہیں، لیکن روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس میں ریاکاری کی گنجائش ہی نہیں ہے کہ ایک انسان سارا دن بھوک اور پیاس برداشت کرے اور دن بھر

کی ناقابلِ برداشت مشقت اُٹھائے، تاکہ لوگ اُسے روزہ دار کہیں، اس لیے روزہ ایک آشکار ترین اور بارز ترین عبادت ہے جو خالصتاً اپنے رب کی خوشنودی کے لیے انجام دی جاتی ہے۔

وَالْحَجَّ تَشْيِيْدًا لِلدِّيْنِ

"اللہ تعالیٰ نے حج اور اپنے گھر کی زیارت کو دین مستقیم کے استحکام کے لیے مقرر فرمایا"۔

اللہ نے حج میں بے پناہ دُنیوی اور معنوی فوائد رکھے ہیں جو صرف فریضۂ حج کی ادائیگی سے ہی حاصل ہوتے ہیں۔ حج ایک ایسی عبادت ہے کہ جس میں دنیا بھر کے لوگ معین ایام میں بیت اللہ میں جمع ہوتے ہیں۔ شرق و غرب اور دُور دراز کے علاقوں سے اپنے ذرائع استعمال کر کے اپنے رب کی رضا و خوشنودی کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں۔ ایامِ حج میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ ایک افریقی ایشیائی کے گلوگیر ہوتا ہے اور وہ ایک دوسرے کے اَحوال سے مطلع ہوتے ہیں۔ اِن ملاقاتوں میں اُنھیں اور بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

اِن مذکورہ فوائد کے علاوہ حجاج کرام دورانِ حج عرفان و معنویت کی فضاؤں میں محوِ پرواز ہوتے ہیں۔ وہ خضوع و استغفار اور توبہ و تذلل سے تقربِ خداوندی حاصل کرتے ہیں اور معنوی ثمرات سے اپنی جھولیاں بھرتے ہیں۔

وَالْعَدْلَ تَنْسِيْقًا لِلْقُلُوْبِ

"قلوب کو آپس میں مربوط کرنے کے لیے عدل کا حکم نافذ فرمایا"۔

ایک دوسرے نسخہ کے یہ الفاظ ہیں:

وَالْعَدْلَ تَنْسِيْقًا لِلْقُلُوْبِ

میں نے عدل کی ایسی احسن و اکمل تعریف کہیں نہ سنی ہے۔ نسق و ربط قلوب کا مفہوم یہ ہے جیسے تسبیح کے دانے۔ جب تسبیح کے دانے دھاگے میں پروئے ہوتے ہیں تو وہ دانے ایک دوسرے کے ساتھ مربوط اور جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ تسبیح کا دھاگہ اُنھیں ایک دوسرے کے ساتھ متصل رکھے ہوئے ہوتا ہے۔ اگر دھاگہ ٹوٹ جائے تو دانے بکھر جاتے ہیں۔ اُن کی تنظیم و تنسیق مختل اور زائل ہو جاتی ہے۔

جی ہاں! عدل و انصاف ایک معاشرے میں تسبیح کے دھاگے کے مانند ہوتا ہے، چاہے عدل فردی ہو یا اَزدواجی، عائلی ہو یا اجتماعی، خانوادی ہو یا معاشرتی تنظیم قلوب کا سبب ہے۔ نظم و ضبط زندگی عدل کے مرہونِ منت ہے۔ اگر عدل مفقود ہو جائے تو ملک و ملت کا نظام بکھر جائے۔ ہر طرف نفرت و عداوت کے شعلے بھڑک اُٹھیں اور بدامنی امن کا گلا کاٹ ڈالے اور قتل و قتال کا بازار گرم ہو جائے۔

عدل و انصاف کا قیام صرف حکمرانوں، فرماں رواؤں اور قاضیوں کا کام نہیں ہے۔ معاشرے کے ہر فرد پر واجب ہے کہ وہ اپنی زندگی عدالت کے روح فزا سائے تلے بسر کرے۔ وہ اپنے آپ سے اپنی بیوی سے اپنے خاندان سے اور جس ماحول معاشرے میں رہ رہا ہے عدل کے قوانین کو رائج رکھے۔ اگر دنیا میں ہر انسان اس طرح مہذب ہو جائے اور عدل و انصاف کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالے تو یہ زمین جنت بن سکتی ہے۔ ①

اہلِ بیتؑ کے فضائل اور اُن کی اہمیت

وَطَاعَتَنَا نِظَامًا لِلْمِلَّةِ

"اللہ تعالیٰ نے ہماری اطاعت و فرماں برداری کو ملتِ اسلامیہ کے لیے ایک نظام مقرر فرمایا"۔

ایک دوسرے نسخہ میں اِطَاعَتَنَا کا لفظ آیا ہے۔ اگر کوئی معاشرہ اور تمدن پُرامن زندگی گزارنا چاہتا ہے تو ضروری ہے کہ ایسا نظام ہو جس کی اساس عدل و انصاف پر ہو۔

لفظِ نظام ایک وسیع المعنی اور وسیع المفہوم لفظ ہے۔ ایک نظام مختلف محکموں، وزارتوں، اداروں اور آئین پر مشتمل ہوتا ہے۔ پھر اس نظام کے نفاذ و تنفیذ کی ضرورت ہوتی ہے کہ جس کی اطاعت و تعمیل ضروری ہوتی ہے۔ اگر معاشرہ میں نظامِ حکومت شائستہ و عادلانہ ہو تو ہر طرف سکون و امن کا بول بالا ہوتا ہے۔ اگر نظام فاسد اور غیر عادلانہ ہو تو بحر و بر تباہی و بربادی سے دوچار ہو جاتے ہیں۔

اُمت مسلمہ کی ترقی اور اصلاح کے لیے ایک نظام کا ہونا ضروری ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے صالح اور متقی بندوں کی اطاعت واجب قرار دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے صالح ترین اور صاحبِ تقویٰ بندگان آئمہ اہلِ بیتؑ ہیں اور وہ اللہ کی طرف سے ملتِ اسلامیہ کے لیے ایک نظام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قیادت و سیادت اور حکومت کے لیے آئمہ اثنا عشر کا تقرر فرمایا اور یہ وہ ہستیاں ہیں جو عترتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ ان کے مقابل کوئی اور ہے ہی نہیں،

---

① کسی ملک و ملت کی ترقی و استقامت کا راز عدل میں مضمر ہے۔ اگر کسی ملک کی عدالتیں انصاف کو قائم رکھے ہوئے ہیں تو اس ملک کی عوام خوش حال اور فارغ البال ہوگی، امن کا دور دورہ ہوگا، جان و مال، عزت و آبرو محفوظ ہوگی اور اس ملک کی سرحدیں مستحکم ہوں گی۔ جنگِ عظیم کے دوران برطانوی وزیر اعظم چرچل سے جب کسی نے پوچھا تھا کہ کیا اس جنگ میں برطانیہ کو فتح نصیب ہوگی تو چرچل نے اس آدمی پر سوال کر دیا تھا کہ کیا برطانوی عدالتیں عدل کے نظام کو جاری رکھے ہوئے ہیں؟ اس آدمی نے جواب دیا: جی ہاں! تو پھر چرچل نے کہا: جی ہاں! ہم ہی فاتح ہوں گے۔ (مترجم)

جو اپنی قدرت و طاقت سے زمامِ اقتدار ہاتھ میں لے لے اور اپنے احکام نافذ کرے۔ مسلمانوں کے نظام کے لیے اللہ تعالیٰ نے آئمہ اہلِ بیتؑ کی اطاعت اس لیے واجب قرار دی کہ اللہ نے اُنھیں حکومت و رہبری کی بے پناہ صلاحیتیں عطا کر رکھی تھیں۔ وہ جانتے تھے کہ اُمت کی ترقی کس طرح ممکن ہے اور اُمت کو کس طرح فساد و ہلاکت سے بچایا جاسکتا ہے۔ وہ ایک معاشرے کے تمام مصالح اور مفاسد بخوبی جانتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنھیں قرآنِ مجید کا ہم سنگ قرار دیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا تھا:

اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ، کِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِیْ اَهْلَ بَیْتِیْ، وَاِنَّهُمَا لَنْ یَّفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ وَاِنَّکُمْ لَنْ تَضِلُّوْا مَا اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِهِمَا

"میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں: ایک اللہ کی کتاب اور دوسرے اپنے اہلِ بیتؑ۔ یہ دونوں آپس میں کبھی جدا نہیں ہوں گے حتیٰ کہ میرے پاس حوضِ کوثر پر پہنچ جائیں گے۔ اگر تم نے ان دونوں کو تھامے رکھا تو کبھی گمراہ نہ ہوں گے"۔ (مسند احمد، ج ۲، ص ۴۱)

جی ہاں! اے قاریٔ عزیز! آپ نے گذشتہ صفحات میں پڑھا ہے کہ سیّدۂ کونین نے قرآنِ مجید کی عظمت پر گفتگو فرمائی کہ پیغمبر اکرمؐ نے جو بھاری چیزیں اُمت میں چھوڑی ہیں اُن میں سے ایک قرآنِ کریم ہے۔ قرآن کی منزلت بیان کرنے کے بعد اسلامی احکام کے فلسفہ کو بیان فرمایا۔ بعدازیں دوسرے "ثقل" یعنی خاندانِ وحی کا تعارف فرمایا کہ وہ عترتِ اہلِ بیتؑ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی اطاعت اُمت پر واجب قرار دیتے ہوئے فرمایا:

اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (سورۂ نساء: آیت ۵۹)

"اللہ اور اُس کے رسولؐ اور صاحبِ امر کی اطاعت کرو جو تم میں سے ہے"۔

جی ہاں! خدا کی قسم! اگر رسولؐ اللہ کی رحلت کے بعد لوگ خاندانِ رسالتؐ کے ہاتھوں میں اُمت کی زمامِ اقتدار رہنے دیتے اور اُن کی اطاعت و فرماں برداری اپنا لیتے تو یہ زمین جنت کا نقشہ پیش کر رہی ہوتی، امن و سلامتی کا دور دورہ ہوتا، امراض و افلاس کا نام و نشان نہ ہوتا۔ تمام اَمصار و اَعصار کی فضاؤں میں سحابِ رحمت کی بارانیاں ہوتیں، نہ خونریزی ہوتی نہ ڈاکے ڈالے جاتے، نہ فساد برپا ہوتے نہ عزتیں لوٹی جاتیں، نہ لوٹ کھسوٹ کی مار دھاڑ ہوتی۔ نہ فقر و افلاس کے تاریک سائے ہوتے۔ نہ ستم ہوتے نہ ستم کار ہوتے، نہ جفا ہوتی اور نہ جفا کار ہوتے۔ دنیا اَمن کا گہوارا ہوتی۔ شبِ ظلمت کا نام و نشان نہ ہوتا۔ ہر طرف صبح سویرا ہوتا۔

ہم سیّدۂ عالمؑ کی نورانی گفتگو کی تفسیر میں اپنی بحث کو طولانی کر گئے ہیں۔ ہمیں اپنی کم علمی و کم مائیگی کا اعتراف

ہے کہ جو حق ادا کرنا تھا ادا نہیں کر سکے، کیونکہ اسلامی رہبری و امامت کی بحث بہت طولانی اور دقیق ہے اس کے لیے موسوعہ کبریٰ کی ضرورت ہے۔

اِمَامَتَنَا اَمَانًا مِنَ الْفُرْقَةِ

"اللہ نے ہماری امامت و رہبری کو انتشار و پراگندگی سے بچنے کا وسیلہ ٹھہرایا ہے"۔

امام "کتاب" کے وزن پر ہے کہ جس کا معنی و مفہوم پیشوا اور رہبر ہے۔ "امام" کی مزید تشریح و توضیح کے لیے آپ "امامِ جماعت" میں غور کریں کہ کس طرح لوگ نماز کے ارکان، قیام و رکوع و سجود وغیرہ میں اُس کی اقتدا و اتباع کرتے ہیں۔ لوگ چند افعال میں امامؑ کی اقتداء کرتے ہیں تو اس وجہ سے اُسے امام جماعت کہتے ہیں، کیونکہ اُس نے نماز کی ادائیگی میں لوگوں کی رہبری کی ہے۔ لیکن امامت کبریٰ وہ خلافت عظمیٰ ہے، وہ سماوی منصب ہے، اس کی تعیین اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ عہدۂ امامت عظمت و اہمیت کے اعتبار سے رسالت کے ہم سنگ ہے۔ آپ قرآنِ مجید کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اولیاء اللہ اس منزلِ رفیعہ اور عہدۂ جلیلہ کو پانے کے لیے بارگاہِ خداوندی میں کس طرح دعائیں مانگتے تھے۔ یہ ابراہیم خلیل اللہ ہیں کہ انھیں خداوند تعالیٰ کی طرف سے پیغام آتا ہے:

اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (سورۂ بقرہ: آیت ۱۲۴)

"میں آپؑ کو لوگوں کا پیشوا و امام بنانے والا ہوں"۔

امام علیہ السلام اپنے کردار و گفتار اور دانش و بینش کے لحاظ سے اُمت کے لیے درخشاں نمونۂ عمل ہوتا ہے۔ وہ معاشرہ کے اُمور کی مدیریت و مسئولیت کو اپنے ہاتھ میں لے کر ہر زاویۂ نظر، ہر پہلو سے اُس کی اصلاح اور ترقی کے لیے جان توڑ جانکاری کرتا ہے۔ وہ اپنے اختیار و اقتدار سے جنایت کاروں کی تادیب کرتا ہے۔ مطیع و منقاد لوگوں کی تولیت و سرپرستی کرتا ہے۔ جرائم پیشہ افراد کو قانون کے مطابق سزا دیتا ہے۔ جو لوگ ملک و ملت کے خلاف جنگ یا ریشہ دوانیاں کرتے ہیں اُن سے برسرِ پیکار رہتا ہے۔ یہاں امامت سے مراد نبوت نہیں ہے کیونکہ حضرت ابراہیمؑ اللہ کے نبی تھے۔ امامت کا عہدہ نبوت کے عہدے سے عظیم تر ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی عظمت اور اُن کی مجاہدانہ و مبارزانہ زندگی کے پیش نظر اُن کی منزلت و عظمت کو بڑھانے کے لیے انھیں یہ عظیم عہدہ عطا فرمایا گیا تھا۔

اے قاریٔ عزیز! جب آپ اِنِّیْ جَاعِلُكَ میں غور و خوض فرمائیں گے تو آپ مقامِ امامت کی عظمت کو پالیں گے اور یہ معلوم ہو جائے گا کہ امام کا تقرر و تعین خود خدا کرتا ہے۔ لوگوں کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے لیے کسی فرد کو امام منتخب کرلیں، کیونکہ یہ خدائی منصب ہے اور وہ خود ہی اِس منصب پر اُس فرد کو نصب کرتا ہے جس میں اس منصب کی

صلاحیتیں ہوتی ہیں۔ انفرادی خواہشات اور شخصی آراء سے امام کا انتخاب نہیں ہوسکتا۔

جب آپ بقیہ آیات کا مطالعہ کریں گے تو آپ پر مزید انکشافات ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ (سورۂ بقرہ: آیت ۱۲۴)

"جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو امامت کا مژدہ سنایا تو حضرت ابراہیمؑ بہت زیادہ شادمان ہوئے اور عرض کیا کہ میری اولاد کو بھی اس عظیم مقام پر فائز فرما"۔

خداوند تعالیٰ کی طرف سے جواب آیا: لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ۔

"مجاہد" نے روایت کی ہے کہ اس عہد سے مراد "امامت" ہے۔

حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے بھی یہی فرمایا۔ ظالم اور ستم کار اس عہدہ کی اہلیت نہیں رکھتا، کیونکہ قرآن مجید نے غیر معصوم کی امامت و رہبری کو قبول ہی نہیں کیا اور یہی بات آئمہ کی عصمت کی دلیل ہے کہ امام کا معصوم ہونا ضروری ہے۔

اگر آپ ان آیاتِ بینات میں نظر فرمائیں تو آپ پر واضح ہوجائے گا کہ یہ آسمانی مناصب اور الٰہی وظائف اللہ تعالیٰ کی طرف سے صادر ہوتے ہیں۔ وہ ہی اپنے اولیاؤں کو ان مناصب پر مقرر اور معین فرماتا ہے۔ ہم ان آیات کے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں ان سے تدبر و تعقل فرمایئے:

① يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ (سورۂ ص: آیت ۲۶)

"اے داؤدؑ! ہم نے آپؑ کو روئے زمین کا خلیفہ مقرر کردیا ہے"۔

② وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ (سورۂ حدید: آیت ۲۶)

"اور ہم نے نبوت اور کتاب کو اُس کی ذریت میں قرار دیا ہے"۔

③ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗٓ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا (سورۂ فرقان: آیت ۳۵)

"اور ہم نے موسیٰؑ کو کتاب عطا کی اور اُن کے بھائی ہارونؑ کو اُن کا وزیر بنایا"۔

④ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا (سورۂ انبیاء: آیت ۷۳)

"ہم نے اُنھیں امام بنایا کہ وہ ہمارے اُمر کی طرف لوگوں کی ہدایت فرمائیں"۔

⑤ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (سورۂ بقرہ: آیت ۱۲۴)

"اور میں نے آپؑ کو لوگوں کا امام قرار دیا ہے"۔

۶ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ إِمَامًا (سورۂ فرقان: آیت ۷۵)
"اور ہم نے متقین کے لیے امام مقرر کیا"۔
۷ وَاجْعَل لِّي وَزِيْرًا مِّنْ أَهْلِي هَارُوْنَ أَخِي (سورۂ طٰہٰ: آیت ۲۹)
"اور میرے برادر ہارونؑ کو جو میرے خاندان سے ہیں اُنھیں میرا وزیر بنا دے"۔

ان آیات کے علاوہ اور بہت سی آیات ہیں جن میں جَعَلْنَا، وَاجْعَلْنَا، جَعَلْنٰهُمْ کے الفاظ اس بحث کو مزید روشن کرتے ہیں۔

جی ہاں! خاتونِ جنت نے اپنی گفتگو میں اپنے اس جملہ إِمَامَتَنَا أَمَانًا مِنَ الْفِرْقَةِ سے آئمہ اثنا عشر کی امامت کی طرف اشارہ فرمایا کہ اس وقت اُمت کی امامت و حکومت کے اہل اُن کے عظیم شوہر ہیں اور وہ ابوالائمہ ہیں اور باقی گیارہ امام اُن کی اولاد میں سے ہیں۔

وَالْجِهَادَ عِزًّا لِلْإِسْلَامِ
"اللہ تعالیٰ نے جہاد کو اسلام کی عزت و سربلندی کے لیے واجب قرار دیا"۔

عزت و غلبہ، طاقت و قوت کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ طاقت کا مظاہرہ مسلح لشکر سے ہوتا ہے اور مسلح لشکر اپنی شجاعت و شہامت سے اپنی ہیبت پیدا کرتا ہے۔ سب سے بہترین قوت و شجاعت کا مظاہرہ وہ جہاد فی سبیل اللہ میں ہے کہ حق و عدالت کا قیام ہو اور ظلم و استبداد کا خاتمہ ہو کیونکہ فداکاری و جان کاری اور ملک و ملت اسلامیہ سے اور مبدائے ہستی سے دلبستگی کا ظہور و مظاہرہ میدان کارزار میں ہوتا ہے۔ میدانِ جنگ میں ہی فتح و نصرت سے حیثیت بنتی ہے اور دشمن پر رُعب و دبدبہ قائم ہوتا ہے۔ اور وہ قوتِ اسلام سے ہراساں و خوف زدہ رہتا ہے۔ ایک منہ زور اور زوردار کو طاقت و قوت ہی سے سرنگوں کیا جاسکتا ہے۔ صرف خالی انسانیت اور دولت سے نہیں بلکہ طاقت سے ہی جھکایا جاسکتا ہے۔ اسی صورت میں ایک اُمت کا غلبہ رہتا ہے۔

وَالصَّبْرَ مَعُوْنَةً عَلَى اسْتِيْجَابِ الْأَجْرِ
"صبر و شکیبائی کو پیروزی و سرفرازی کا آلہ بنایا"۔

صبر و شکیبائی کا مظاہرہ اُن اُمور میں ہوتا ہے جو ناقابلِ برداشت اور ناپسندیدہ ہوتے ہیں جیسے فقر و افلاس، مرض و قرض، قید و بند کے مصائب۔ اس طرح کے دوسرے مشکلات و مصائب، ان میں مبتلا انسان یہ سمجھے کہ خدا کی مرضی اس میں ہے اور اس حال میں صبر و شکر سے کام لینا چاہیے۔ بارگاہِ خداوندی میں تسلیم و رضا ایک عظیم منزلت رکھتی ہے۔

ایسا صابروشاکر انسان بارگاہِ خداوندی میں اجرِ جزیل کا استحقاق رکھتا ہے۔ صبر کے ذریعے انسان اللہ تعالیٰ کے اوامر کو تسلیم کرتا ہے اور عصیان و معصیت سے بچتا ہے۔

وَالْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ مَصْلِحَةً لِلْعَامَّةِ

''امر بالمعروف کے نظام میں عوام کے مصالح رکھ دیئے''۔

اللہ تعالیٰ نے ہر مکلف پر اُس کی طاقت و قدرت کے مطابق لازم قرار دیا ہے کہ وہ جس معاشرے و ماحول میں رہ رہا ہے نیکی کا حکم دے اور برائیوں سے روکے۔ اُمر بالمعروف ایک قسم کا جہاد ہے۔ اس کا معنی و مفہوم یہ ہے کہ اسلامی معاشرے کا ہر فرد دین و آئین اور جامعہ کے آگے جواب دہ ہے۔ وہ شرعی طور پر مسئول ہے کہ وہ اُمر بالمعروف کے نظام پر عمل پیرا ہو کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ

''تم میں سے ہر ایک حاکم ہے اور تم میں سے ایک اپنی رعایا کی طرف سے مسئول ہے''۔

اس لیے کہ اسلام ایک مکمل برنامہ رکھتا ہے۔ وہ گوشہ نشینی اور معاشرے سے الگ تھلگ فردی زندگی کو پسند نہیں کرتا۔ وہ تمام مسلمانوں کو ایک خانوادہ اور تمام جہان کو ایک گھر کی حیثیت ہی سے دیکھتا ہے۔ تمام مسلمان اُمت واحدہ ہیں۔ دین اور عقیدہ اُنھیں ایک بندھن میں باندھے ہوئے ہے۔

حقوق و حرمتِ والدین

کرامتِ بشریہ کی محافظہ نے اپنے اس جملے میں بشر کے حقوق و کرامت کے سمندر کو کوزے میں بند کر کے فرمایا:

وَبِرُّ الْوَالِدَيْنِ وِقَايَةً مِنَ السَّخَطِ

''والدین سے حُسن وسلوک عذاب سے تحفظ کی ضمانت ہے''۔

ایک دوسرے نسخہ میں یہ الفاظ ہیں:

وَالْبِرُّ لِلْوَالِدَيْنِ وِقَايَةً مِنَ السَّخَطِ

''والدین سے حُسنِ سلوک اولاد کو اللہ کے غضب سے محفوظ رکھتا ہے''۔

اگر ہم اِن آیات کو وقت کے ساتھ پڑھیں کہ جن میں والدین کے حقوق کو بیان کیا گیا ہے تو اس جنبۂ انسانی و اَخلاقی کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے کہ جس کی طرف بتولؑ عذرا نے اشارہ فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی کتاب میں آیا ہے:

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا (سورۂ عنکبوت: آیت ۸)

"ہم نے انسان کو وصیت کی کہ وہ اپنے والدین سے نیکی کرے"۔

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ

"آپ سے وہ پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟ تو آپ انھیں جواب دیں کہ تم اپنی نیک کمائی سے جو کچھ خرچ کرو وہ تمھارے والدین کا حق ہے"۔

وَاعْبُدُوا اللهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (سورۂ نساء: آیت ۳۶)

"اور اللہ کی عبادت کیجیے اور کسی کو اُس کا شریک نہ ٹھہرایئے اور والدین سے اچھا سلوک کیجیے"۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا

"اے رسولؐ! آپؐ ان سے کہیں بس آیئے جو چیزیں خدا نے آپ پر حرام کی ہیں وہ میں آپ کو پڑھ کر سناؤں یہ کہ کسی چیز کو خدا کا شریک نہ بنایئے اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کیجیے"۔(سورۂ انعام: آیت ۱۵۱)

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ○ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ○ (سورۂ اسراء: آیت ۲۳-۲۴)

"تمھارے پروردگار نے تو حکم ہی دیا ہے کہ اس کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ سے نیکی کرنا۔ اگر ان میں سے ایک یا دونوں تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچیں اور کسی بات پر خفا ہوں تو خبردار ان کے جواب میں اُف تک نہ کہنا اور نہ انھیں جھڑکنا اور جو کچھ کہنا سننا ہو تو بہت ادب سے کہا کرو اور ان کے حق میں دُعا کرو کہ اے میرے پالنے والے جس طرح ان دونوں نے میرے بچپن میں میری پرورش کی اس طرح ان پر رحم فرما"۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ○ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ..... (سورۂ لقمان: آیت ۱۴-۱۵)

"اور ہم نے انسان کو جسے اس کی ماں نے دُکھ پہ دُکھ سہہ کر، پیٹ میں رکھا اس کے علاوہ دو برس میں جا کر اس کی دودھ بڑھائی کی اپنے اس کے والدین کے بارے میں تاکید کی کہ میرا بھی شکریہ ادا کرو اور اپنے والدین کا بھی اور آخر سب کو میری طرف لوٹ کر آنا ہے اور اگر تیرے والدین تجھے اس بات پر مجبور کریں کہ تو میرا شریک ایسی چیز کو قرار دے جس کا تجھے کچھ علم بھی نہیں تو تو اس میں ان کی اطاعت نہ کر اور دنیاوی کاموں میں اُن کا اچھی طرح ساتھ دے"۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ○ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ (سورۂ احقاف: آیت ۱۵-۱۶)

"اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ بھلائی کا حکم دیا کیونکہ اس کی ماں نے رنج ہی کی حالت میں اُسے پیٹ میں رکھا اور رنج ہی سے اُسے جنا اور اس کا پیٹ میں رہنا اور اُس کی دودھ بڑھائی تیس مہینے ہوئی یہاں تک کہ جب اپنی پوری جوانی کو پہنچا اور چالیس برس کے سن کو پہنچتا ہے تو خدا سے عرض کرتا ہے۔ پروردگار تو مجھے توفیق عطا فرما کہ تُو نے جو احسانات مجھ پر اور میرے والدین پر کیے ہیں میں ان احسانوں کا شکریہ ادا کروں اور یہ بھی توفیق دے کہ میں ایسے نیک کام کروں جسے تُو پسند کرے اور میرے لیے میری اولاد میں صلاح و تقویٰ پیدا فرما۔ میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں یقیناً فرماں برداروں میں سے ہوں۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے نیک عمل ہم قبول فرمائیں گے"۔

ان مذکورہ آیات کے تلاوت سے دخترِ پیغمبرِ اعظمؐ کی گفتگو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ والدین سے حُسنِ سلوک اور [illegible] کائنات کے رب کے غیظ و غضب سے محفوظ رکھتی ہے۔ یہ بحث مزید تشریح و توضیح کی محتاج ہے لیکن ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

وَصِلَةُ الْأَرْحَامِ مِنْسَأَةٌ لِلْعَدَدِ

"صلۂ رحمی کو عدد و افزائش کا وسیلہ قرار دیا"۔

ایک اور نسخے کے الفاظ یہ ہیں:

صِلَةُ الْاَرْحَامِ مِنْسَاةٌ لِلْعُمْرِ وَمِنْمَاةٌ لِلْعَدَدِ

یہ حقیقت و واقعیت ہے کہ اعمالِ انسانی فطری وطبعی آثار رکھتے ہیں، انسان جیسا عمل کرتا ہے ویسی ہی جزا پاتا ہے۔ ایسا شخص جو صلۂ رحمی کرتا ہے یعنی اپنے رشتہ داروں اور قریبیوں سے اچھا سلوک کرتا ہے اُن سے پیار و محبت کرتا ہے، جان و مال سے اُن کی نصرت و معاونت کرتا ہے تو اس کے اس عمل سے اس کی عمر طولانی ہو جاتی ہے۔ اس کی نسل کو دوام مل جاتا ہے اور اس کا خاندان پھلتا پھولتا ہے۔ اس کی ثروت و دولت میں برکت پیدا ہوتی ہے۔ ایسے انسان کی زندگی اور اس کے مال و متاع پر سحابِ رحمت ہمیشہ برستا رہتا ہے۔ صلۂ رحمی کے بارے میں کثرت کے ساتھ احادیث موجود ہیں۔ صلۂ رحمی کی برکت سے فقر و افلاس کا خاتمہ ہوتا ہے۔ مال و متاع میں خیر کثیر پیدا ہوتی ہے۔ زندگی میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ آئی ہوئی موت مؤخر ہو جاتی ہے۔

اس طرح قطع رحمی سے عمر میں کمی پیدا ہوتی ہے۔ تونگری فقر و افلاس کے ہاتھوں نابود ہو جاتی ہے۔ یہ ہمارے تجربات و مشاہدات میں کہ جن لوگوں نے صلۂ رحمی کی تو اس عمل کی برکت سے اُن پر خیرات و برکات کے دروازے کھول دیے گئے اور اُن کی اولاد کو بھی زمانے میں ایک مقام ملا اور وہ ہمیشہ امراض و افلاس سے بچے رہے۔ اور جن لوگوں نے بخل سے کام لیا، اپنے رشتہ داروں کا خیال نہ رکھا اور اُن سے دُور رہے اور کبھی اُن کے کام نہ آئے تو بہت جلد فقر و افلاس کا شکار ہوئے۔ بے وقت موت نے انھیں مرگھٹ میں اُتار دیا۔ اُن کی نسلیں اور خاندان ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو کر مٹ کر رہ گئے۔ اُن کا نام لینے والا بھی باقی نہ رہا۔ صلۂ رحمی میں جان و مال اور اولاد کی بقا کی ضمانت ہے۔ قطع رحمی فنا کے ہاتھوں جلد نابودیت کے سمندر میں ڈوب جانے کا پروگرام ہے۔

وَالْقِصَاصَ حِقْنًا لِلدِّمَاءِ

"قصاص کو خون کی حفاظت کا ذریعہ قرار دیا"۔

دنیا کے قوانین میں انسانی جان کی حفاظت کی ضمانت و امانت دینے والا ایسا قانون نہیں ہے کہ جس طرح قانونِ قصاص ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی لاریب کتاب میں فرمایا:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ○ (سورۂ بقرہ: آیت ۱۷۹)

"اے صاحبانِ عقل وخرد! قصاص میں زندگی ہے شاید کہ تم متقی بن جاؤ"۔

یہ نہایت ہی تعجب انگیز بات ہے کہ ایک قاتل کی زندگی کا خاتمہ دوسرے لوگوں کی زندگیوں کی حفاظت کی ضمانت بن جاتا ہے۔ جب ایک آدمی اَز راہِ ظلم و ستم کسی آدمی کے قتل کا عزم کرتا ہے۔ جب اُسے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اُس نے قتل کردیا تو وہ بھی ملکی قانون کے تحت قتل کردیا جائے گا تو وہ اِقدامِ قتل سے رُک جاتا ہے۔ لیکن ایسے آدمی کو اگر معلوم ہوجائے کہ قتل کرنے کے بعد وہ جیل چلا جائے گا اور اُسے جیل میں اُکل و شرب اور راحت و چین کے تمام سامان میسر ہوں گے۔ اُسے معافی و عفو کی اور تخفیف قید کی بھی اُمید ہو اور اس کے ذہن میں یہ بھی ہو کہ وہ رشوت و سفارش سے ایک دن زندان سے باہر بھی آجائے گا۔ ایسا شخص ایک بے گناہ کی جان لے لیتا ہے اور اُس کا خون گرا دیتا ہے۔ اس وقت عالمِ اسلام میں کفّار کے وضع کردہ آئین نافذ ہیں، جو مجرم کی پشت پناہی کرتے ہیں۔ مجرم اور قاتل کو تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ وہ قصاص کی نفی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قصاص سے مقتول زندہ نہیں ہوسکتا۔ اِس تکرارِ قتل کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اُنھوں نے ایسے زندان بنا رکھے ہیں جس میں قاتل کو مشقت میں ڈالا جاتا ہے۔ اِسی مشقت کو اُس کی سزا سمجھا جاتا ہے۔

آپ بخوبی جانتے ہیں کہ دنیا بھر کی جیلوں میں ہزاروں کی تعداد میں قاتل پڑے ہوئے ہیں اور اِدھر آئے ہر دن ہزاروں قتل ہو رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خالقِ انسان نے جو قانون دیا ہے اُس پر عمل نہیں ہو رہا۔

کتنے تعجب کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صاحبانِ دانش و بینش سے ان الفاظ میں خطاب فرمایا: یَا اُولِی الْاَلْبَاب، اور اس کے بعد کا جملہ ہے: لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ۔ خالق ارض و سماء کا صاحبانِ عقل سے خطاب ہے، کیونکہ وہ عقل کی قوت سے فکر و فہم کی دولت سے آراستہ و پیراستہ ہوتے ہیں۔ جب وہ قانونِ قصاص میں غور و خوض کریں گے تو اُن کی سمجھ میں آجائے گا کہ قانونِ قصاص قتل کو روکنے کا اُحسن و اَقویٰ و اَفضل قانون ہے۔ نہایت ہی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ قانونِ الٰہی کو مہجور و متروک کردیا گیا ہے۔ قانون غرب و فرنگ کو قانونِ خداوندی پر ترجیح دے دی گئی ہے۔ اور اُسے الٰہی قانون پر برتری دے دی گئی ہے۔ شاید اس سے مسلمانوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں!!؟

آج کا مسلمان کس صورت میں اپنے لیے سیادت، عزت اور استقلال کی اُمید رکھ سکتا ہے جب کہ وہ یہود و ہنود و نصاریٰ کی تقلید کو اپنائے ہوئے ہو۔ اُنھوں نے اپنے شعار و آثار پر بھی اغیار کے شعار کو غلبہ دے رکھا ہے۔ اسلام کی تاریخ کا تعلق تاریخ ہجرت سے ہے۔ مسلمانوں نے اُسے نسیان کی تاریکی کے حوالے کر رکھا ہے۔ تاریخ میلاد عالمِ اسلام کے ہر ملک اور ہر شعبے پر چھائی ہوئی ہے۔ اُس کے بغیر گزارا ہی نہیں ہے۔ یہ موضوع ایک طولانی موضوع ہے۔ ان مختصر صفحات میں گنجائش نہیں ہے کہ سیر حاصل بحث کی جائے۔ اس سوز و ساز کے مزید ذکر کا کوئی فائدہ

ہی نہیں ہے۔ کیا کسی دن اسلامی ممالک کے قوانین الٰہی قوانین کے قالب میں ڈھلیں گے؟ میرا گمان تو یہی ہے کہ یہ بہت مشکل ہے۔

وَالْوَفَاءُ بِالنَّذْرِ تَعْرِيضًا لِلْمَغْفِرَةِ

"ایفائے نذر کو مغفرت کا وسیلہ بنایا"۔

ایک اور نسخہ میں بالنذور کا لفظ نقل ہے۔ "نذر" اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک معاہدہ ہے۔ ایفائے نذر ضروری اور لازمی امر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيهِ اَجْرًا عَظِيْمًا (سورۂ فتح: آیت ۱۰)

"اور جس نے اس بات جس کا اُس نے خدا سے عہد کیا ہے پورا کیا تو اُسے عنقریب ہی اجر عظیم عطا فرمائے گا"۔

جب انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے کیے ہوئے عہد و پیمان کو پورا کرتا ہے تو اپنے لیے مغفرت کا سامان مہیا کرتا ہے۔

تَوْفِيَةُ الْمَكَائِيْلِ وَالْمَوَازِيْنِ تَغْيِيرًا لِلْبَخْسِ

"ناپ تول کو فریب دہی کا توڑ بنا دیا"۔

ملکوتی خطیبہ نے اپنے اس جملے میں عالم انسانیت کے اقتصادی و اجتماعی اور سیاسی حقوق بیان فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے اسلامی اقتصادی نظام میں بائع مشتری دونوں پر واجب قرار دیا ہے کہ وہ ناپ تول اور خرید فروخت میں ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھیں اور ناپ تول میں کسی کا حق پامال نہ ہو۔ لوگوں کے ساتھ عدالت و امنیت کی اساس پر سلوک کریں، ظلم و ستم اور خیانت سے بچیں۔ ناپ تول کے پیمانوں کو صحیح رکھیں اور ہر قسم کی ہیرا پھیری اور دھوکا دہی سے دور رہیں۔ ناپ تول میں کمی سراسر دھوکہ ہے اور فریب ہے۔

وَالنَّهْيَ عَنْ شُرْبِ الْخَمْرِ تَنْزِيْهًا عَنِ الرِّجْسِ

"شراب خواری کی حرمت کو رجس سے پاکیزگی قرار دیا"۔

ایک دوسرے نسخہ کے الفاظ یہ ہیں: وَالْاِنْتِهَاءَ عَنْ شُرْبِ الْخُمُوْرِ۔

ہم نے آیت تطہیر میں "رجس" کی تشریح میں رجس کے بہت سے معانی نقل کیے ہیں۔ شراب خواری رجس و پلیدی کی اقسام میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ○ (سورۂ مائدہ: آیت ۹۰)

"اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے تو بس ناپاک شیطانی کام ہیں تو تم لوگ اس سے بچے رہو، تاکہ فلاح پاؤ"۔

شراب کی تباہ کاریوں پر مسلم وغیر مسلم محققین نے بہت کچھ لکھا ہے۔ خود شراب ایک پلیدی ہے اور سراپائے تباہی و نابودی ہے۔ اس کی تباہ کاریاں معاشرے کو بیماریوں کے وائرس کی طرح اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں۔ جب مے خوارگی و بدمستی عام ہوتی ہے تو عقل و رُشد کا خاتمہ کر دیتی ہے اور معاشرتی تہذیب و تمدن کو قتل کر ڈالتی ہے۔ جب آپ "رِجس" کے معانی میں غور و فکر کریں گے تو شراب کے نقصانات آپ پر واضح ہو جائیں گے۔

وَاجْتِنَابُ الْقَذْفِ حِجَابًا عَنِ اللَّعْنَةِ

"تہمت سے پرہیز لعنت سے محافظت کی ضمانت ہے"۔

ایک دوسرے مقام پر یہ الفاظ ہیں: وَاجْتِنَابُ قَذْفِ الْمُحْصَنَاتِ۔

اسلام وہ عظیم دین ہے جو انسانوں کی عزتوں اور شرافتوں کی حفاظت کرتا ہے۔ وہ اُن کی کرامات و بزرگواری کا امین و محافظ ہے۔ کسی کی عزت و آبرو پر اِلزام و تہمت کو جرم شمار کرتا ہے۔ اسلام نے اِس تہمت و الزام کی دُنیوی و اُخروی سزا مقرر کی ہے۔

اسلام کی نگاہ میں کسی پاک دامن مرد یا پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگانا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ خداوند تعالیٰ ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ کوئی آدمی اپنی زبان سے کسی کی شخصیت کو داغدار کرے یا اُس کی ناموس و آبرو پر بد لگائے۔ اگر کوئی آدمی کسی پر زنا کا اِلزام لگائے تو اس پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ چار گواہ پیش کرے۔ اگر وہ گواہوں کے ذریعے اپنے اِلزام کو ثابت نہیں کر سکا اسلام نے اُس کے لیے سزا مقرر کی ہے۔ دینِ اسلام قطعاً اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنی زبان کو آزاد چھوڑ دے اور اُس کی زبان انسانوں کی عزتوں اور نوامیس کی دھجیاں اُڑاتی پھرے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ○ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○ (سورۂ نور: آیت ۴-۵)

"جو لوگ پاک دامن عورتوں پر (زنا) کی تہمت لگائیں پھر اپنے دعویٰ پر چار گواہ پیش نہ کریں تو اُنھیں اسّی کوڑے مارو اور پھر آیندہ کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو اور یاد رکھو کہ یہ لوگ خود بدکار ہیں۔ مگر ہاں جن لوگوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کر لی تو بے شک خدا بڑا بخشنے والا مہربان ہے"۔

سورۂ نُور میں ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ○ (سورۂ نور: آیت ۲۳)

"بے شک جو لوگ پاک دامن، بے خبر اور ایمان دار عورتوں پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں خدا کی لعنت ہے اور ان پر بڑا سخت عذاب ہوگا"۔

سیّدۂ عالم کی اس جاودانہ گفتگو سے یہ اَمر واضح ہوجاتا ہے کہ جب انسان اپنی زبان کو دوسروں پر تہمت لگانے سے روکتا ہے تو وہ لعنت سے بچ جاتا ہے۔ لعنت کا لغوی معنٰی اللہ کی رحمت سے دُوری ہے۔

وَتَرْكُ السَّرِقَةِ اِیْجَابًا لِلْعِفَّةِ

"ترکِ سرقہ کو عفت و پاک دامنی کا سبب قرار دیا ہے"۔

ایک اور مقام پر یہ الفاظ ہیں:

وَمُجَانِبَةُ السَّرِقَةِ

"چوری جیسے پست ترین فعل سے بچنے کو پاکیزگی و امانت داری کا وسیلہ قرار دیا"۔

انسانی ہاتھ عزت و عظمت کا حامل ہے۔ جب تک وہ امانت دار اور عفیف رہتا ہے اُس کی بہت بڑی قیمت ہے۔ جب وہ سرقہ اور تجاوز سے آلودہ ہوتا ہے تو اس کی کرامت و اَرزش جاتی رہتی ہے، کیونکہ اُس نے قانونِ عدالت کا اِحترام نہیں کیا۔ اب اُس کا احترام جاتا رہا ہے۔

ابوالعلا المعری نے شعر کی زبان میں سیّد السادات السیّد مرتضیٰ علم الہدیٰ رضوان اللہ علیہ سے پوچھا:

یَدٌ بِخَمْسِ مِئِیْنِ عَسْجَدٍ اُدِیَتْ
مَا بَالُهَا قُطِعَتْ فِیْ رُبْعِ دِیْنَارِ

"جس ہاتھ کی دیت پانچ سو سونے کے دینار ہیں اگر وہ ایک چوتھائی دینار چوری کرے تو اس

معمولی چوری کے عوض کیوں کاٹا جاتا ہے؟"

آپ نے جواب میں فرمایا:

عِزُّ الْاَمَانَةِ اَغْلَاهَا وَاَرْخَصَهَا
ذُلُّ الْخِيَانَةِ ، فَافْهَمْ حِكْمَةَ الْبَارِئِ

"اللہ تعالیٰ نے امانت و امانت داری کو بے پناہ عزت و عظمت عطا کی ہے۔ امانت میں خیانت ذلت اور رسوائی ہے۔ اے عقل مندا آفریدگار کی حکمت و دانش میں غور وفکر کر"۔

اس بیان سے واضح اور آشکار ہو جاتا ہے کہ خیانت اور چوری سے ہاتھ کی امانت اور پاکیزگی ذلت و رسوائی میں بدل جاتی ہے۔ جب انسان چوری اور سرقہ کو ترک کرتا ہے اور اس گناہ و جرم سے اپنے آپ کو دور رکھتا ہے تو اس کی عفت اور امانت زندہ اور تابندہ رہتی ہے۔

کشف الغمہ میں یہ جملے موجود ہیں:

وَالتَّنَزُّهَ عَنْ اَكْلِ اَمْوَالِ الْاَيْتَامِ وَالْاَسْتِيْثَارِ بِفَيْئِهِمْ اِجَارَةً مِنَ الظُّلْمِ - وَالْعَدْلَ فِي الْاَحْكَامِ اِيْنَاسًا لِلرَّعِيَّةِ

"اللہ تعالیٰ نے حکمرانوں پر لازم کیا ہے کہ وہ یتامٰی کے اموال کو خرد برد کرنے سے بچائیں اور اُن کے اموال کی حفاظت کریں اور رعایا کے حقوق میں عدل کو لازم رکھیں"۔

عربی زبان میں یتیم اُسے کہا جاتا ہے کہ جس کا والد یا والدہ موجود نہ ہو یا دونوں اِس جہان سے رخصت ہو گئے ہوں۔ اُن یتامٰی کی اپنے والدین سے میراث ہو اور وہ یتامٰی اپنی صغرسنی کی وجہ سے اپنے مال کی حفاظت نہ کر سکتے ہوں۔ اُن یتامٰی کے قرب و جوار میں کچھ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو بچوں کی خوردسالی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اُن کا مال غصب کر لیتے ہیں، کیونکہ اُنھیں معلوم ہوتا ہے کہ یتامٰی اپنی کمزوری کی وجہ سے اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لیے اپنی کتاب میں فرمایا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا

"جو لوگ یتیموں کے مال ناحق چٹ جایا کرتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں بس انگارے بھرتے ہیں اور عنقریب واصلِ جہنم ہوں گے"۔ (سورۂ نساء: آیت ۱۰)

خداوند تعالیٰ نے اُموالِ یتامٰی کھانے سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے، تا کہ تم لوگ اس ظلم کے اِرتکاب میں جہنم

کے مستحق نہ بن جاؤ۔

دوسرا جملہ وَالْاَسْتِیْثَارِ بِفَیْئِهِمْ اس میں اَلْفَیْءُ سے مراد مالِ غنیمت ہے، یعنی غنائم کا پانچواں حصہ یا وہ مال جو اللہ نے اپنے رسولؐ کی طرف پلٹا دیا ہے۔ مالِ فے فدک کی بحث میں تشریح گزشتہ صفحات میں موجود ہے۔

وَالْعَدْلَ فِی الْاَحْکَامِ اِیْنَاسًا لِلرَّعِیَّتِهِ

بتولؑ عذراؑ کی گزشتہ صفحات میں عدل و انصاف پر گفتگو موجود ہے کہ عدل کا دائرۂ کار خانہ سے خانوادہ تک اور خانوادہ سے ماحول و معاشرہ تک ہی محدود نہیں بلکہ عدل و انصاف کی بیکرانیاں پوری کائنات پر بھاری ہیں۔ اس جملے سے آپؑ نے فرماں رواؤں اور حکمرانوں کو خطاب کیا ہے کہ وہ اپنے اُوپر قانونِ عدل کو نافذ کریں۔ عدل و انصاف کی روشنی میں کام کریں۔ یہ ایک فطری بات ہے کہ یہ صاحبانِ اقتدار و اختیار اپنے آپ کو آسمانی مخلوق سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ اپنے آپ کو دوسروں سے برتر اور بہتر خیال کرتے ہیں کہ وہ حکمران ہیں اس لیے وہ محترم و مکرم ہیں۔ وہ غرور و تکبر کی دلدل میں پھنس کر رہ جاتے ہیں۔ یہ ہے حال حکمرانوں کا جو بدمستی میں مست و مصروف نظر آتے ہیں۔

معاشرے کا دوسرا پہلو عوام و رعایا کا ہے کہ وہ حکمرانوں اور اپنے درمیان احساسِ اجنبیت رکھتے ہیں۔ وہ اُن سے دُور اور بہت دُور رہتے ہیں، کیونکہ ایک شہری یہ اجازت نہیں رکھتا کہ وہ جب چاہے آزادانہ طور پر کسی صدر، وزیر، مشیر وغیرہ سے ملاقات کر سکے اور اپنی شکایت پیش کر سکے اور اپنے حقوق حاصل کر سکے۔ یہ وہ کیفیات ہیں جو عوام اور حاکم کے درمیان دُوری اور اجنبیت پیدا کر دیتی ہیں۔ یہاں سے کسی معاشرے کی بدبختی کا آغاز ہوتا ہے اور حکومتوں کے خلاف بغاوتیں جنم لیتی ہیں۔ اگر بہ جاتِ حاکمہ عدل و انصاف کا نظام قائم کر لے اور عوام کے حقوق کی پاسداری کریں تو اس طریقے سے مظلوم کے دل میں اُمیدیں کروٹ لیتی ہیں، بلکہ عوام میں اپنے حکمرانوں سے مانوسیت پیدا ہوتی ہے۔ ملک و ملت کا ہر فرد اپنے حکمرانوں کو اس نظر سے دیکھتا ہے جس نظر سے ایک بیٹا اپنے والد کو یا ایک طالب علم اپنے اُستاد یا ایک مریض اپنے طبیب کو یا اپنی عیادت کرنے والے کو دیکھتا ہے۔ اس طریقے سے عوام اور حکمرانوں میں محبت کا رشتہ جنم لیتا ہے۔ اس طرح دونوں طبقوں کو ایک دوسرے سے تعاون، اخوت، محبت اور اُلفت حاصل ہوتی ہے۔

اگر اُسلوبِ کتاب کا پاس نہ ہوتا تو مزید اپنی بحث جاری رکھتا لیکن اُسلوبِ کتاب مزید اجازت نہیں دیتا کہ اس بحث کو مزید طول دوں۔

وَحَرَّمَ الشِّرْكَ اِخْلَاصًا لَهُ بِالرُّبُوْبِيَّتِهِ

"اور اللہ نے شرک کو حرام کیا، تاکہ ربوبیت سے اخلاص پیدا ہو"۔

شرک عظیم ترین ظلم ہے۔ شرک کفر کی ایک قسم ہے اور حق ستیزی ہے۔ بندگانِ خدا پر واجب ہے کہ وہ شرک سے بچیں اور اللہ تعالیٰ کی خالصانہ بندگی وعبادت کریں اور لوگوں کے حقوق کی پاسداری کریں۔

سیّدۂ عالم نے اس مقام پر اپنے خطبے کے اس حصّے کو قرآنِ مجید کی اس آیت کی تلاوت کے ساتھ مکمل فرمایا۔

فَاتَّقُوا اللهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ (سورۂ آل عمران: آیت ۱۰۲)

"پس اللہ سے باقاعدہ ڈرتے رہو اور جب بھی مرنا اسلام پر مرنا"۔

وَاَطِيْعُوا اللهَ فِيْمَا اَمَرَكُمْ بِهٖ وَنَهٰكُمْ عَنْهُ۔۔۔۔اِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا

"اس لیے اُس کے بندوں میں سے خوفِ خدا رکھنے والے صرف صاحبانِ علم ومعرفت ہی ہوتے ہیں"۔ (سورۂ فاطر: آیت ۲۸)

سیّدۂ عالمؑ کے جان فزا خطبے کا تیسرا دور

ثُمَّ قَالَتْ: أَيُّهَا النَّاسُ! اِعْلَمُوا اَنِّي فَاطِمَةُ وَأَبِي مُحَمَّدٌ ﷺ أَقُولُ عَوْدًا وَبَدْوًا، وَلَا ﴿أَقُولُ﴾ مَا أَقُولُ غَلَطًا، وَلَا اَفْعَلُ مَا اَفْعَلُ شَطَطًا - لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○

فَإِنْ تَعْزُوهُ وَتَعْرِفُوهُ تَجِدُوهُ أَبِي دُوْنَ نِسَائِكُمْ، وَأَخَا ابْنِ عَمِّي دُوْنَ رِجَالِكُمْ، وَلَنِعْمَ الْمَعْزِيُّ اِلَيْهِ -

فَبَلَّغَ الرِّسَالَةَ صَادِعًا بِالنَّذَارَةِ، مَائِلًا عَنْ مَدْرَجَةِ الْمُشْرِكِيْنَ، ضَارِبًا ثَبَجَهُمْ، آخِذًا بِأَكْظَامِهِمْ، دَاعِيًا اِلَى سَبِيْلِ رَبِّهِ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ، يَكْسِرُ الْاَصْنَامَ، وَيَنْكُتُ الْهَامَ، حَتَّى انْهَزَمَ الْجَمْعُ وَوَلَّوُا الدُّبُرَ، حَتَّى تَفَرَّى اللَّيْلُ عَنْ صُبْحِهِ، وَأَسْفَرَ الْحَقُّ عَنْ مَحْضِهِ، وَنَطَقَ زَعِيْمُ الدِّيْنِ، وَخَرِسَتْ شَقَاشِقُ الشَّيَاطِيْنِ، وَطَاحَ وَشِيْظُ النِّفَاقِ، وَانْحَلَّتْ عُقَدُ الْكُفْرِ وَالشِّقَاقِ، وَفُهْتُمْ بِكَلِمَةِ الْاِخْلَاصِ فِي نَفَرٍ مِنَ الْبِيْضِ الْخِمَاصِ -

وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ، مُذْقَةَ الشَّارِبِ، وَنُهْزَةَ الطَّامِعِ، وَقُبْسَةَ الْعَجْلَانِ، وَمَوْطِئَ الْاَقْدَامِ، تَشْرَبُوْنَ الطَّرْقَ، وَتَقْتَاتُوْنَ الْقِدَّ وَالْوَرَقَ، أَذِلَّةً خَاسِئِيْنَ ﴿تَخَافُوْنَ أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ﴾ مِنْ حَوْلِكُمْ -

فَأَنْقَذَكُمُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى بِمُحَمَّدٍ ﷺ بَعْدَ اللَّتَيَّا وَالَّتِي وَبَعْدَ أَنْ مُنِيَ بِبُهَمِ الرِّجَالِ وَذُؤْبَانِ الْعَرَبِ وَمَرَدَةِ أَهْلِ الْكِتَابِ، ﴿كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللهُ﴾ أَوْ نَجَمَ قَرْنٌ لِلشَّيْطَانِ، وَفَغَرَتْ فَاغِرَةٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَذَفَ أَخَاهُ فِي لَهَوَاتِهَا، فَلَا يَنْكَفِئُ حَتَّى يَطَأَ صِمَاخَهَا بِأَخْمَصِهِ، وَيُخْمِدَ لَهَبَهَا بِسَيْفِهِ، مَكْدُوْدًا فِي ذَاتِ اللهِ

مُجْتَهِدًا فِي أَمْرِ اللهِ، قَرِيبًا مِنْ رَسُولِ اللهِ سَيِّدِ أَوْلِيَاءِ اللهِ، مُشَمِّرًا نَاصِحًا، مُجِدًّا كَادِحًا، وَأَنْتُمْ فِي رَفَاهِيَةٍ مِنَ الْعَيْشِ، وَادِعُونَ فَاكِهُونَ آمِنُونَ، تَتَرَبَّصُونَ بِنَا الدَّوَائِرَ وَتَتَوَكَّفُونَ الْأَخْبَارَ، وَتَنْكُصُونَ عِنْدَ النِّزَالِ، وَتَفِرُّونَ عِنْدَ الْقِتَالِ۔

"لوگو! جان لو کہ میں فاطمہؑ ہوں اور میرے باپ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ میری یہی بات اوّل اور آخر ہے۔ اور نہ غلط کہتی ہوں اور نہ بے ربط بات کرتی ہوں۔

وہ تمھاری طرف رسولؐ بن کر آئے، اُن پر تمھاری زحمتیں پر مشقت تھیں۔ وہ تمھاری بھلائی و بہتری کے خواہاں اور صاحبانِ ایمان پر رحیم و مہربان تھے۔ اگر تم اُن کی ذات میں غور کرو اور اُن کی نسبت کو دیکھو تو تم لوگ تمام عورتوں میں اُنھیں صرف میرے ہی والد گرامقدر پاؤ گے۔ اور جب تم مردوں میں غور کرو گے تو اُنھیں صرف میرے ابنِ عم کا بھائی پاؤ گے! اور اس نسبت کا کیا کہنا۔

میرے والد گرامیؐ نے بھرپور جرأت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا۔ مشرکین کے شر سے بے خوف ہو کر اُن کی گردنوں کو پکڑ کر اور اُن کے سرداروں کو کیفرِ کردار تک پہنچایا اور اللہ کے دین کی طرف دانش و حکمت اور موعظہ حسنہ کے ساتھ دعوت دی۔ اُنھوں نے بتوں کو اور بت سازوں اور بت پرستوں کو درہم برہم کیا اور مشرکین کے سرداروں اور وڈیروں کو سرنگوں کیا۔ آخرکار مشرکین کو شکست ہوئی اور وہ پشت دکھا کر فرار ہوگئے۔ آخرکار ظلم و بربریت کی تیرہ و تاریک وطولانی رات ڈھل گئی۔ نورِ حق کی ضوفشاں سحر نے کروٹ لی۔

رہبرِ دین کی آواز بلند ہوئی۔ شیاطین کی نُطق و منطق غلط ثابت ہوئی۔ نفاق و افتراق تباہ حال ہوگیا۔ کفر و افترا کی گرہیں کھل گئیں اور تم لوگوں نے روشن چہرہ اور کمر چسپیدہ ملکوتی لوگوں سے کلمۂ اخلاص سیکھ لیا جن لوگوں سے اللہ نے رِجس کو دُور رکھا تھا اور اُنھیں حق پاکیزگی وطہارت عطا کیا تھا۔

تم لوگ جہنم کے کنارے پر تھے۔ میرے باپ نے تمھیں نجات دی۔ تم ہر لالچی کے لیے مالِ غنیمت اور ہر زودکار کے لیے چنگاری تھے۔ تمھاری کوئی حیثیت نہ تھی۔ ہر پاؤں کے لیے مالِ پامالی تھے۔ گندہ و آلودہ پانی نوشِ جان کرتے تھے۔ بھوک کے ہاتھوں تنگ آکر درختوں کے

پنے چباتے تھے۔ ذلت وپستی نے تمھیں گھیر رکھا تھا۔ اطراف واَکناف سے دشمن کے حملوں کے خوف سے حیران وسرگردان تھے لیکن ربِ جہان نے میرے عظیم القدر والد کے وسیلے سے تمھیں تمام مصائب وآلام سے بچا کر سکون کی زندگی دے دی۔

خیر اِن تمام باتوں کے بعد جب کبھی عرب کے نامور سرکش بہادر اور اہلِ کتاب کے باغی وطاغی لوگوں نے جنگ کی آگ بھڑکائی تو اللہ نے اُسے بجھا دیا یا جب شیطان نے کہیں اپنے سینگ نکالے یا شرک کے اژدہاؤں نے اپنے منہ کھولے تو میرے والد (رسولؐ اللہ) نے اپنے برادر امیرِ شجاعت (امام علی علیہ السلام) کو اُن کے قلع قمع کے لیے بھیج دیتے اور وہ اُس وقت تک واپس نہ آتے جب تک اپنی شجاعت وشہامت سے اُن کے فتنوں کو کچل نہیں دیتے تھے یا جب تک اُن کی بھڑکائی ہوئی آتش کو اپنی شمشیر ستم ستیز کی آبشار سے خاموش نہ کر دیتے تھے۔ اُنھوں نے ہر جہد وجہاد میں اپنی ہی جان کو خطرات کی سُلگتی ہوئی بھٹیوں میں جھونک دیا اور خداوند تعالیٰ کے فرمان کی تعمیل کی۔ اللہ کے اہداف کی بلندی کے لیے بھرپور اخلاص کا مظاہرہ کیا۔ وہ ازراہِ نسب وعقیدہ اور راہ ورسم وہدف میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے زیادہ قریب تھے۔ وہ سیّدالاولیاء تھے۔ وہ نمونۂ ہستی تھے۔ وہ معاشرے کی سعادت، بھلائی اور نجات کے لیے ہروقت کمربستہ تھے۔ تم لوگ آرام وآسائش سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ ہر درد وسوز سے دُور اللہ کی نعمات سے استفادہ کر رہے تھے۔

تم لوگ اِس انتظار میں تھے کہ انقلاباتِ زمانہ خاندانِ وحی ورسالت کے اختیارات کو چھین لے اور تمھارے کان اُس خبر کو سننے کے لیے بے تاب تھے کہ ہم اہلِ بیتؑ کب مصائب سے دوچار ہوتے ہیں۔ تم لوگ میدانِ کارزار سے منہ موڑ لیتے تھے۔ راہِ فرار کو کراریت پر ترجیح دیتے تھے''۔

تشریح وتوضیح خطبہ

جب خاتونِ جنت نے اپنی جاودانہ گفتگو میں شریعتِ مقدسہ کے اَحکام وقوانین اور اُن کے علل وتشریع کی توضیح وتشریح فرما دی تو حکومت سے اپنے مغصوب حق کا مطالبہ کیا۔ آپؑ نے اِس عظیم اسلامی کانفرنس کے حاضرین کی طرف

رُخ کر کے خطاب فرمایا کیونکہ یہی وہ لوگ تھے کہ جنھوں نے حق و حقیقت کو چھوڑ کر بیعت کر کے حکومت تشکیل دے دی تھی۔ کیونکہ اسی حکومت نے ہی اُن کے حقوق کو غصب کیا تھا۔ سیّدۂ عالم نے اپنے حقوق کا مطالبہ عوام کے جمِ غفیر میں پیش کیا تھا کہ جس فریق کے خلاف آپؑ کا مقدمہ تھا وہ حکومت تھی۔ اسی حکومت سے آپؑ عدل و انصاف طلب کر رہی تھیں۔

ملکۂ اسلام و ایمان کا ہدف تھا کہ وہ اپنی گفتگو کے بعد حکومت سے بحث و مناظرہ کر کے اُسے محکوم کردیں گی۔ جس طرح کسی مقدمہ کے اُصول و شرائط ہوتے ہیں۔آپ نے اُنھی شرائط کو سامنے رکھا کہ وہ خود مدعیہ ہیں اور دوسری طرف حکومت مدعا علیہ ہے، اس لیے آپؑ نے حاضرین میں اپنا تعارف پیش کیا جہاں ایک فریق حکومت ہے تو دوسرا فریق خاندانِ وحی و رسالت کی شہزادی سیدہ نساء العالمینؑ ہیں۔ آپؑ نے یہ مقدمہ اس وقت کی عظیم شخصیات کی موجودگی میں پیش کیا۔ یہ شخصیات مہاجرین و انصار تھے، جن کا جامعہ اسلامیہ میں ایک وزن تھا۔

موضوعِ مقدمہ بتولؑ عذرا کی وہ اَراضی تھی جو کئی برسوں سے اُن کی ملکیت میں تھی۔ حکومت نے اپنے حکومتی ذرائع سے اُن کی اراضی پر قبضہ کرلیا تھا حالانکہ حکومت کے پاس کوئی شرعی جواز نہ تھا۔ اپنی سیاسی کارروائی سے خاندانِ وحی و رسالت کا حق غصب کرلیا۔

میں فاطمہؑ ہوں، جی ہاں! میں فاطمہؑ ہوں!

دُخترِ فرزانہ پیغمبر ﷺ نے اس اسلامی بے نظیر کانفرنس میں رُوئے سخن حاضرین کی طرف کیا اور فرمایا:

اَیُّهَا النَّاسُ! اِعْلَمُوْا اَنِّیْ فَاطِمَةُ

''جی ہاں! اے حاضرین و سامعین کرام! میں فاطمہؑ ہوں، جی ہاں مَیں فاطمہؑ ہوں''۔

سیّدۂ عالم نے سب سے پہلے سامعین کے سامنے اپنا ملکوتی اسم پیش کیا۔ یہ وہ الہامی اور پُرمعنویت اسم تھا جس سے ہر شخص آگاہ تھا۔ سامعین کا ہر فرد اس نام کو لسانِ رسالتؐ سے نہایت ہی تجلیل و تعظیم سے کئی بار سُن چکا تھا۔

وَاَبِیْ مُحَمَّدٌ ﷺ

''میرے والد سلطانِ انبیاء حضرت محمد ﷺ ہیں''۔

پیغمبر گرامی کی دُخترِ یگانہ نے اپنا وہ عظیم و بلند و بالا نسب بیان فرمایا کہ جس کی مثال نہ کوئی عصر پیش کرسکتا ہے اور نہ کوئی نسل۔ کیونکہ یہ نسب اِفتخارِ جہان ہے۔ دُرِ تاجِ آفرینش ہے کہ جس کے نُور سے آفتاب منور ہے۔

جی ہاں! فاطمہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دختر ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سید الانبیاءؑ ہیں، اشرف الخلائق ہیں، اطہر الکائنات ہیں اور کائنات کے افضل ترین شخصیت کی پاکیزہ دختر ہیں۔

جی ہاں! اے حاضرین کرام! آپ سے عظیم باپ کی عظیم بیٹی گفتگو کر رہی ہیں۔ وہ شجاعت و شہامت سے احتجاج کر رہی ہیں اور اپنے اُوپر ہونے والے مظالم کو بیان کر رہی ہیں۔ وہ اپنے اور معاشرے کے مستضعف لوگوں کے حقوق کا دفاع کر رہی ہیں اور اپنا حق مانگ رہی ہیں۔

اُنھوں نے اپنی مُعرفی اس لیے کرائی ہے، تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہم نے اُنھیں نہیں پہچانا۔ کل کوئی بہانہ نہ تراش سکے کہ بی بی پاکؑ نے اپنا نام کیوں نہیں لیا تھا؟ اپنی شخصیت اور اپنے نصب کا تذکرہ کیوں نہیں کیا تھا؟

ملکۂ ایمان و اسلام نے اپنی صریح مُعرفی سے حجت تمام کردی۔ کسی کے لیے چون و چرا کی گنجائش نہ چھوڑی۔ اس طریقے سے آپؑ نے اُن کے لیے تعریض و توبیخ کے سارے سامان اکٹھے کر دیئے۔

جی ہاں! حضرت فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہیں، وہ اس لیے مسجد نبویؐ میں حاضرین کے مجمع میں تشریف لائی ہیں، تاکہ اپنے مغصوب حقوق کا مطالبہ کریں۔

اَقُوْلُ عَوْدًا وَبَدْءاً

"جی ہاں! اے لوگو! جو کچھ مَیں نے اپنے خطاب کے اوّل میں کہا تھا آخر میں وہی میری زبان پر ہے"۔

جو کچھ کہہ رہی ہوں وہ مَیں بھرپور ایمان کی قوت و قدرت سے کہہ رہی ہوں۔

ایک دوسرے نسخہ میں آیا ہے: عَوْدًا عَلٰی بَدْءٍ

دونوں جملوں کا ایک ہی معنٰی ہے۔

وَلَا اَقُوْلُ مَا أَقُوْلُ غَلَطًا

"جو کچھ مَیں کہہ رہی ہوں وہ اشتباہ نہیں ہے۔ میری منطق و گفتار میں کوئی کذب، دھوکا اور مغالطہ نہیں ہے"۔

وَلَا اَفْعَلُ مَا اَفْعَلُ شَطَطًا

"میں جو بات بھی کروں گی وہ اَزراہِ ظلم و جور اور افراط و تجاوز سے نہیں کہوں گی"۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ

رَّحِيمٌ (سورۂ توبہ: آیت ۱۲۸) [1]

شفیعہ روزِ محشر نے اپنی اس بحث کا آغاز اپنے والد گرامی علیہ السلام کے ذکر شریف کے ساتھ فرمایا اور اپنی گفتگو کو آیتِ کریمہ کے ساتھ ملاتے ہوئے فرمایا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ خود رسولؐ اللہ عرب ہیں، تمھارا مصائب و آلام میں ہونا اُن پر شاق ہے۔ وہ تمھاری سعادتوں کے لیے حریص ہیں۔ وہ اپنی اُمت کے اہلِ ایمان پر رؤف و رحیم ہیں"۔

رؤف اور رحیم دو کلماتِ مترادف ہیں یعنی ہم معنی ہیں: یعنی عاطفت و محبت، لطف و عنایت۔

فَإِنْ تَعْزُوْهُ وَتَعْرِفُوْهُ

"اگر تم چاہو کہ اُن کی نسبت کس سے بنتی ہے یا تم اُنھیں پہچاننا چاہتے ہو تو تم اُنھیں صرف میرے والد پاؤ گے، اُنھی عورتوں میں سے کسی اور کا باپ نہیں پاؤ گے"۔

ایک اور نسخہ میں آیا ہے:

فَإِنْ تَعْزِرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ

"یعنی تم ان کی تعظیم و توقیر کرو"۔

وَتَجِدُوْهُ أَبِي دُوْنَ نِسَائِكُمْ

"جی ہاں! میں ہی اُن کی اکلوتی دختر ہوں۔ وہ میرے ہی والد گرامی ہیں۔ تمھاری خواتین اس عظیم نسب میں میری شریک نہیں ہیں"۔

وَأَخَا ابْنِ عَمِّيْ دُوْنَ رِجَالِكُمْ

"جی ہاں! برادر رسولؐ اللہ میرے شوہر نامدار ہیں۔ تم مردوں میں سے کوئی بھی اُخوتِ رسالتؐ میں اُن کا شریک نہیں ہے"۔

اس اُخوت سے مراد نسبی اُخوت نہیں ہے۔ یہ وہ تمغۂ اُخوت ہے جو اُنھیں مواخات کے دن حاصل ہوا تھا جب رسولؐ اللہ نے اپنے صحابہ میں سے ایک صحابی کو دوسرے کا بھائی بنایا تھا تو رسولؐ اللہ نے میرے شوہر امام علیؑ کو اپنا بھائی قرار دیا تھا۔ اس قرآنی اُخوت و برادری کی بنا پر رسولؐ اللہ اکثر مقامات پر امام علی علیہ السلام کو اسی اُخوت کی نسبت سے یاد کرتے تھے، یا بلاتے تھے جیسا کہ آپ فرماتے تھے:

---

[1] اہلِ اسلام کو اس جملے میں غور کرنا چاہیے۔ (مترجم)

اُدْعُوا اِلَیَّ اَخِیْ "میری طرف میرے بھائی کو بلاؤ"۔

یا آپؐ فرماتے تھے:

اَیْنَ اَخِیْ؟ "میرے بھائی کہاں ہیں؟"

آپؐ نے کسی وقت یہ فرمایا:

یَاعَلِیُّ اَنْتَ اَخِیْ..... "علیؑ جان! آپؑ میرے برادر و جانشین، امین و وارث ہیں"۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

اِنَّہٗ اَخِیْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ "وہ میرے دین و دنیا کے بھائی ہیں"۔

امیرِ عدالت و حریت اس جاودانہ برادری پر فخر کرتے تھے۔

آپؑ نے اپنی اس ملکوتی عزت و عظمت کو نظم و نثر و گفتار میں بیان فرمایا:

اَنَا اَخُو الْمُصْطَفٰی لَاشَکَّ فِیْ نَسَبِیْ۔ مَعَہٗ رُبِّیْتُ وَسِبْطَاہُ ھُمَا وَلَدِیْ

"میں رسولِ مصطفیٰؐ کا بھائی ہوں، میرے نسب میں کوئی شک نہیں ہے۔ میں نے اُن کے ہمراہ پرورش پائی ہے۔ اُن کے دونوں سبط میرے فرزند ہیں"۔

آپؑ نے ایک اور مقام پر فرمایا:

مُحَمَّدٌ النَّبِیُّ اَخِیْ وَصِنْوِیْ۔ وَحَمْزَۃُ سَیِّدُ الشُّھَدَا عَمِّیْ

"حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ کے عظیم نبی ہیں اور میرے ابنِ عم ہیں اور حضرت حمزہ سیّدالشہداؑ میرے چچا ہیں"۔

آپؑ کا یہ فرمان بھی قابلِ غور ہے:

وَمَنْ حِیْنَ اٰخٰی بَیْنَ مَنْ کَانَ حَاضِرًا ۔ دَعَانِیْ وَاٰخَانِیْ وَبَیَّنَ مِنْ فَضْلِیْ

"آپؐ وہ عزت و عظمت والے پیغمبرؐ ہیں جس وقت آپؐ نے اپنے اصحاب میں پیمانِ اُخوت کا نظام جاری فرمایا تو آپؐ نے مجھے اپنے پاس بلایا۔ میرے اور اپنے درمیان قرآنی اُخوت کا عہد و پیمان جاری فرمایا۔ اسی طرح آپؐ نے اسی وسیلہ سے میری برتری اور شائستگی کو روشن اور آشکار فرمایا"۔

آپؑ کا یہ مشہور فرمان بھی ہے:

اَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، وَاَخُو رَسُوْلِ اللّٰهِ وَاَنَا الصِّدِّيْقُ الْاَكْبَرُ، وَالْفَارُوْقُ الْاَعْظَمُ لَا يَقُوْلُهَ غَيْرِيْ اِلَّا كَذَّابٌ (على من المهد الى اللحد)

''میں اللہ کا عبد ہوں، رسولؐ اللہ کا بھائی ہوں، میں ہی صدیق اکبر اور فاروقِ اعظم ہوں......''۔

وَلَنِعْمَ الْمَعْزِيُّ اِلَيْهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

''وہ آدمی کس قدر پاک و پاکیزہ و برتر و اعلیٰ ہے جو اُن سے منسوب ہے کیونکہ وہ آفرینش جہان کی غرض و غایت ہیں۔ اللہ اُن کے وجود کی برکت سے انسان اور دیگر موجودات کو رزق عطا فرماتا ہے''۔

حوادث ونعمات کی یادآوری

خاتونِ قیامت نے اس مقام پر بعثتِ پیغمبرؐ سے پہلے کے حوادث اور بعثت کے بعد اسلام کی نعمات کی طرف اشارہ فرمایا:

فَبَلَّغَ الرِّسَالَةَ صَادِعًا بِالنِّذَارَةِ

''پیغمبرِ حریت نے اپنی رسالت کا ابلاغ کیا جس طرح ممکن تھا آپؐ نے اللہ کے پیغام کو بہترین شکل میں اہلِ جہان تک پہنچا دیا''۔

ہر حال میں لوگوں کو حساب و کتاب سے ہوشیار فرمایا۔ جی ہاں! آپؐ نے رسالت کا حق ادا کیا۔ آپؐ نے جہاں انذار کیا وہاں اِبشار بھی کیا، گناہگاروں اور مجرمین کو ان کے انجام سے ہوشیار کیا۔

مَائِلًا عَنْ مَدْرَجَةِ الْمُشْرِكِيْنَ

ایک اور نسخے کے الفاظ یہ ہیں:

نَاكِبًا عَنْ سُنَنِ مَدْرَجَةِ الْمُشْرِكِيْنَ

''دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے یعنی حضورؐ نے مشرکین کے طریقوں اور مسالک سے عدول فرمایا''۔

وَضَارِبًا ثَبَجَهُمْ

''پیغمبرؐ اسلام نے اپنے دفاع میں مشرکین پر جان لیوا حملے کیے، اُن کے قیام و قامت کو توڑ ڈالا یعنی آنحضرتؐ نے مشرکین سے جہاد کیا''۔

آخِذًا بِاَكْظَامِهِمْ

''آپؐ نے مشرکین کی یاوہ گوئی اور شرارت آمیز شور وشرابے کو سختی سے بند کر دیا۔ آپؐ نے مشرکین کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کو نابود کر دیا''۔

دَاعِيًا اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّهٖ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

سیّدالانبیاؐ لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دیتے تھے نہ کہ دنیا کی طرف صرف اللہ کے راستے کی طرف بلاتے تھے۔ آپؐ کی دعوت انسانوں کے عقول کی سطح پر ہوتی تھی۔ آپؐ کی گفتگو حکمت و دانش سے لبریز ہوتی تھی۔ آپؐ کا بیان حق و حقیقت کو واضح کر دیتا تھا اور اشکالات وشبہات کو دُور کر دیتا تھا۔ آپؐ کی گفتگو عبرت آمیز اور حیات ساز ہوتی تھی۔ آپؐ دین کے دشمنوں اور بداندیش لوگوں سے احسن انداز میں بات کرتے تھے۔ آپؐ کا مجادلہ اور تفاہم براہین و استدلال پر مشتمل ہوتا تھا۔

يَكْسِرُ الْاَصْنَامَ

''اُنھوں نے بتوں کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا''۔

کیونکہ مشرکین نے بتوں کو اپنا معبود بنا رکھا تھا اس لیے آپؐ نے اَصنام کو توڑ دیا۔ ایک اور نسخے میں يَنْكُسُ الْاَصْنَامَ کے الفاظ ہیں۔ اس جملے سے مراد ہے کہ رسولؐ اسلام نے کفر کے سرداروں اور شرک کے اَقطابوں کو قتل کیا، اُن کا قلع قمع کر دیا۔ یہ وہ لوگ تھے جو ہر وقت جنگ کی آگ بھڑکائے رکھتے تھے۔ فتنہ وفساد پھیلائے رکھتے تھے جیسے ابوجہل، عتبہ اور شیبہ وغیرہ تھے۔ یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تباہ کاروں کی تباہ کاریوں اور فتنہ انگیزوں کی فتنہ انگیزیوں کو جڑ سے اُکھاڑ کر پھینک دیا۔

ایک اور نسخے میں ہے: يَنْكُثُ الْهَامَ۔ ان الفاظ کا مفہوم ہے کہ جب آپؐ کفر وشرک کے رئیسوں سے مایوس ہو گئے تو اُن کی کھوپڑیوں کو زمین پر گرا دیا۔

حَتّٰى انْهَزَمَ الْجَمْعُ وَوَلَّوُا الدُّبُرَ

''بعثتِ پیغمبرؐ کے بعد جنگ و جہاد کا سلسلہ ایک لمبے عرصے تک محیط رہا''۔

اس دوران حروب وضروب اور غزوات و اضطرابات کا سلسلہ جاری و ساری رہا۔ آخرکار سیّدالانبیاؐ نے اپنے شدید ترین جہود و جہاد سے فتنہ وفساد کی جڑوں کو اُکھاڑ دیا۔ فساد وشر کے جراثیموں کا خاتمہ کر دیا۔ اِس طرح کفار کی شان وشوکت کے محلات زمین بوس ہو گئے۔ اسلام کی ضربِ کاری نے اُن کی قوت و طاقت اور جمعیت کو پارہ پارہ کر

دیا۔ آخر کار کفار دُم دبا کر بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔

حَتّٰی تَفَرَّی اللَّیْلُ عَنْ صُبْحِہٖ

"آخر کار کفر و استبداد کی تاریکی شگافتہ ہوئی اور صبح اسلام اُفق سے جلوہ گر ہوئی"۔

وَاَسْفَرَ الْحَقُّ عَنْ مَحْضِہٖ

"نورِ حق دجل و فریب کی تاریکی کے دبیز پردوں کو پھاڑ کر ضوفشاں ہوا۔ حق نے باطل کی آلودگیوں سے دُوری اختیار کر کے دنیا میں نکھار پیدا کر دیا"۔

یہ سب طرف داران حق و حقیقت کی طاقت و جمعیت کی طرف کنایات ہیں۔

وَنَطَقَ زَعِیْمُ الدِّیْنِ

"آخر وہ وقت آ گیا کہ دین کے رئیس نے اُمورِ دین اور اُمورِ مسلمین کے بارے میں حریت و صراحت کے ساتھ گفتگو شروع کی"۔

وَخَرِسَتْ شَقَاشِقُ الشَّیَاطِیْنِ

"شیطان صفت باطل پرستوں کی بولتیاں بند ہو کر رہ گئیں"۔

شَقَاشِقُ شِقْشِقَۃٌ کی جمع ہے۔ گذشتہ صفحات میں اس کی توضیح کر چکے ہیں۔ جب اُونٹ مستی میں آتا ہے تو اس کے منہ سے جھاگ نکلتی ہے۔ اسی جھاگ و لُعاب کو شقشقہ کہتے ہیں۔ اس جملے کا مفہوم یہ ہے کہ سیدالعرب والعجم کی مسلسل جدوجہد نے کفر و شرک کے وڈیروں اور چودھریوں کی ہا ہو اور شور و شر کو خاموش کر دیا۔ اُن کی زبانیں اُن کے دہن میں بے حرکت ہو کر رہ گئیں اور اُن کے پھاڑ پھاڑ کر بولنے والے گلے خشک ہو کر رہ گئے۔

وَطَاحَ وَشِیْظُ النِّفَاقِ

"اُن کی صفوں سے نفاق و ریا اور فریب و رَیب کے یاران و ہواداران بھاگ نکلے"۔

یعنی ان کی کاوشیں شکست پذیر ہو کر رہ گئیں۔

وَانْحَلَّتْ عُقَدُ الْکُفْرِ وَالشِّقَاقِ

اُن کے مکر و فریب کی دھجیاں بکھر گئیں، اُن کے عہد و پیمان کے فلک بوس محلات منہدم ہو گئے۔ اُن کی جماعت و جمعیت پراگندہ ہو گئی۔ اسلام کی طاقت و قوت کے مقابلے میں اُن کے حزب و اَحزاب کی کراریت فرار و فراریت میں بدل گئی۔ جس طرح کہ کفار کے ساتھ غزوۂ اَحزاب میں ہوا تھا۔

وَفُهِّمْتُمْ بِكَلِمَةِ الْإِخْلَاصِ

"تمھیں پیغمبرؐ اسلام کی طرف سے کلمۂ اخلاص "لا الہ الا اللہ" تمھاری زبانوں پر جاری کرایا گیا۔ تمھیں توحید و یکتا پرستی کی دعوت دی گئی۔

فِي نَفَرٍ مِنَ الْبِيضِ الْخِمَاصِ

"اُن لوگوں کے درمیان جن کے چہرے منور، پارسائی میں آسمان اور پیکرِ ایثار تھے۔ بھوک کی وجہ سے اُن کے پیٹ پشت سے جا ملے تھے"۔

پیغمبرؐ اسلام کی تعلیمات نے انھیں معنویت و روحانیت کی بلند منازل پر پہنچا دیا تھا۔ ممکن ہے سیدہ عالمؑ نے اُن معین لوگوں کی صفات بیان کی ہوں جو پیغمبرؐ کے اصحاب میں اپنے زہد و تقویٰ کے لحاظ سے شہرت رکھتے تھے یا پھر آپ کا اشارہ اہلِ بیتِ پیغمبرؐ کی طرف ہے۔

وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ

"اور تم لوگ جہنم کے گڑھے کے کنارے پر تھے"۔۔۔ یعنی شرک و کفر کے سبب جہنم کے مستحق ہو چکے تھے۔

آپؑ نے اپنے ان لفظوں میں قبل از بعثت کی اجتماعی زندگی کی طرف اشارہ فرمایا کہ اس زمانے میں نظامِ زندگی درہم برہم تھا۔ ہرج مرج نے حیاتِ انسانی کو ہر جانب سے گھیرا ہوا تھا، اس لیے اس دور کی عکاسی کرتے ہوئے فرمایا:

مُذْقَةُ الشَّارِبِ

"پیاسے کے لیے پانی کا ایک گھونٹ تھے"۔

آپؑ کا یہ جملہ اُس دور کی کمزوری اور ناتوانی بتا رہا ہے، یعنی ایک پیاسے انسان کا ایک جگہ سے گزر ہوتا ہے وہاں ٹھنڈا پانی موجود ہو اور مالک موجود نہ ہو یا مالک موجود ہو لیکن ضعیف و کمزور ہو تو پیاسا آدمی اپنی پیاس بجھا کر چلا جاتا ہے۔

وَنُهْزَةُ الطَّامِعِ

"اگر اِس طرح ایک بھوکے انسان کا کسی مکان سے گزر ہو اور وہ وہاں کھانا موجود دیکھے، مالک موجود نہ ہو یا کمزور ہو تو وہ کھانا سیر ہو کر کھا کر چلا جاتا ہے"۔

وَقَبْسَةُ الْعِجْلَانِ

''آگ کا شعلہ کہ جسے آگ کا ضرورت مند جلدی میں حاصل کرتا ہے''۔

مَوْطِئَ الْاَقْدَامِ

''وڈیروں اور اَرباب بست وکشاد کے ہاتھوں ذلت ورُسوائی سے دوچار تھے''۔

وَتَشْرَبُوْنَ الطَّرْقَ

''تم لوگ گڑھوں میں جمع شدہ پانی پیتے تھے''۔

اُنھی گڑھوں میں حیوانات و درندے وارد ہوتے تھے۔ اُونٹ اُنھیں اپنی آلودگی سے آلودہ کرتے تھے۔ شریف و پاک و پاکیزگی پسند لوگ ایسے پانی سے نفرت کرتے تھے۔ ایسے پانی کے شرب ونوش سے دُور رہنے کی کوشش کرتے تھے، لیکن اپنی جہالت و نادانی کے ہاتھوں مجبور ہوکر ایسے آلودہ پانی کو استعمال کرنا پڑتا تھا۔ وہ کنوئیں کھودنے، چشمے جاری کرنے سے ناآشنا تھے۔

اے قاریٔ عزیز! عرب لوگ قبل اَز بعثت گندے، ناپاک اور جراثیم آلود پانی کو استعمال کرتے تھے۔ اُن کی اِس حالت کے بارے میں مت پوچھیے۔ نہایت ہی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج کی متمدن اور مہذب دنیا میں بعض اسلامی ممالک کی عوام کی وہی زمانۂ جاہلیت والی حالت ہے۔ ظالم حکمرانوں کی وجہ سے آج بھی عوام کو صاف و پاک پانی کے ذخائر میسر نہیں ہیں جیسا کہ آپ رسائل ومجلات میں پڑھتے رہتے ہیں۔

وَتَقْتَاتُوْنَ الْقِدَّ وَالْوَرَقَ

''تم لوگ خشک چمڑے اور درختوں کے پتوں کو بطور غذا استعمال کرتے تھے''۔

جی ہاں! اُس وقت عربوں کی حالت اَبتر تھی۔ وہ بھوک و افلاس کی وجہ سے خشک گوشت کھاتے تھے۔ درختوں کے پتوں اور شگوفوں سے پیٹ بھرتے تھے۔ اُن کی زمین بنجر و ویران تھی۔ خشک سالی نے اُنھیں تباہ کر رکھا تھا۔ کھیتی باڑی، زراعت و باغبانی کا مفہوم اُن کے ہاں مفقود وغیر موجود تھا۔

اَذِلَّةً خَاسِئِيْنَ

''ذلت ورُسوائی اور خسارے میں تھے''۔

''رخاسئ'' ایسے فرد کو کہا جاتا ہے جو راندہ شدہ ہو، ایسے انسان کو محترم لوگوں میں رہائش اور بود وباش کی اجازت نہ ہوتی ہو۔

تَخَافُوْنَ اَنْ یَتَخَطَّفَکُمُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِکُمْ

"تم لوگ خوف زدہ و ہراساں تھے۔ قدرت مند لوگوں نے تمھاری زندگیوں کو پامال کر رکھا تھا"۔

یہ حقیقت ہے کہ جس معاشرے میں کوئی قانون کوئی نظام نہ ہو تو وہاں لاقانونیت و بدامنی پھیل جاتی ہے۔ قرار و استقرار مسلوب ہو کر رہ جاتا ہے۔ خوف و اضطراب کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ اطمینان و سکون کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ طاقتور کمزور کے حقوق کو سلب کر لیتا ہے۔ کثرت قلت کو خرد برد کر جاتی ہے۔ ایک غنی و تونگر فقیر کو اپنا غلام بنا لیتا ہے۔ جب قانون کے ہاتھ بندھے ہوئے ہوں تو کوئی قانون سے نہ ڈرتا ہے اور نہ اُسے کسی سزا کا خوف ہوتا ہے۔

یہ سب کچھ ہمارے سامنے ہے کہ جب قانون عدل و انصاف کے تقاضے پورے نہ کر سکے تو اُس معاشرے میں آئے دن مظالم بڑھتے رہتے ہیں۔ لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔ بے گناہوں کے خون گرتے ہیں، عزتیں لوٹی جاتی ہیں، اُموال سلب ہوتے ہیں اور ہزاروں حیرانیاں اور سرگردانیاں جنم لیتی ہیں۔

خاتونِ جنت کی زبانی پیغمبر اعظمؐ کے ثمرات کی کہانی

فَاَنْقَذَکُمُ اللّٰہُ بِاَبِیْ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

"اور اسی وقت اللہ تعالیٰ نے میرے والد گرانقدر کے ذریعے تم لوگوں کو اِن مصائب و آلام سے نجات عطا کی"۔

کیونکہ وہ بزرگ ترین امیر حریت اور ہر عصر و نسل کے مُصلحِ اعظم تھے۔ وہ معنویت و روحانیت کے علَم بردار تھے۔ اُنھوں نے اللہ کے بندوں کو دوزخ نما زندگی سے نجات دی۔ اُنھوں نے شہروں کو تباہی و ویرانی اور فتنہ و فساد سے محفوظ کیا اور انسانوں کی عقیدتی و اخلاقی زندگی کو اپنی روحانی تعلیم سے منقلب کر دیا۔

بَعْدَ اللَّتَیَّا وَالَّتِیْ

سیدالانبیاؐ نے اللہ کی نصرت اور اپنی فداکاری و جان کاری سے تمھیں مصائب و آلام سے نجات دلائی۔ یہ جملہ عربی زبان میں ضرب المثل ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ پیغمبرؐ اسلام نے سخت جدوجہد کے بعد معاشرے کو ہر قسم کی خباثت سے پاک و پاکیزہ کیا۔ لوگوں کو زمانۂ جاہلیت کے مصائب اور دُکھ دردوں سے نجات دلائی۔

وَبَعْدَ اَنْ مُنِیَ بِبُھَمِ الرِّجَالِ

جب لوگ کفر و شرک کے وڈیروں کے شکنجوں میں کسے ہوئے تھے اور اُن لوگوں نے ہر طرف جنگ و جدال کی

آگ بھڑکا رکھی تھی اور وہ اپنی بھرپور قوت کے ساتھ رسولؐ اللہ پر حملہ آور تھے حالانکہ وہ لوگ مسلمانوں سے تعداد میں زیادہ تھے۔ اللہ کے رسولؐ نے اہلِ ایمان کو ان بداندیشوں اور ستم پیشہ لوگوں کے مضبوط چنگل سے نکال کر رہائی عطا کر کے عدالت و حریت کی منزل پر پہنچا دیا۔

وَذُؤْبَانِ الْعَرَبِ

"تم لوگ عرب کے بھیڑیوں کی اَسارت میں تھے"۔

جب انسان انسانیت کی بلندیوں سے گرتا ہے تو حیوانیت کی پستیوں میں گھر کر رہ جاتا ہے۔ جب وہ علم و فہم سے دُور و مہجور ہوتا ہے تو وہ ایک گدھے کی سی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ جب اُس کے دل سے عاطفت و رأفت کا فقدان ہوتا ہے تو وہ درندہ بن جاتا ہے اور جو موجود اُس کے سامنے آتا ہے تو وہ اُسے چیر پھاڑ کر کھا جاتا ہے۔ تو ایسے انسان کو بھیڑیا کہنا صحیح ہے۔

زمانہ جاہلیت میں لوگ خونریزی اور آدم کشی کے خوگر بن چکے تھے۔ اُنھوں نے ہر طرف فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا رکھی تھی۔ تاریخ نے ان کرداروں کو ابوجہل و ابولہب وغیرہ کے نام سے اپنے ہاں محفوظ کر رکھا ہے۔ آپ تاریخ کے جھروکوں میں ان کرداروں کو آسانی کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے دور کے طاغوت تھے۔ من مانی اُن کا ہدف تھا۔ فتنہ انگیزی سے ان کے مفادات وابستہ تھے۔ بعض لوگوں نے "ذؤبان" سے وہ لوگ مراد لیے ہیں جو ڈاکو اور راہزن تھے۔

جی ہاں! پیغمبرؐ اسلام کا اِن پست صفت اور فرومایہ لوگوں سے مقابلہ تھا۔ اِن لوگوں نے اپنی شرارتوں کا آغاز جنگِ بدر سے کیا اور اپنی ان شرارتوں کو جنگِ حنین و خندق تک جاری رکھا۔ پیغمبرؐ اسلام نے ان کی ہر جارحیت میں انھیں دندان شکن جواب دیا تھا۔

اے قارئِ عزیز! آپ تاریخ اسلام کا مطالعہ کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت سے لے کر اُن کی جاں سوز رحلت تک کی زندگی پر نظر کریں۔ اِن طاغوتوں نے جنگ و حرب کی آگ بھڑکائی رکھی اور پیغمبرؐ اسلام کو سکھ کا سانس نہ لینے دیا۔ مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان جو جنگیں ہوئیں اُن کا سبب بھی شرک و کفر کے طاغوت تھے۔

وَمَرَدَةِ اَهْلِ الْكِتَابِ

"تم لوگ اہلِ کتاب کے گردن کش لوگوں سے ظلم و ستم اُٹھا رہے تھے"۔

اِس جملے میں آپؑ کا اشارہ یہودی اور نصرانیوں کے گروہوں کی طرف ہے۔ جیسے بنونضیر، بنوقریظہ، بنوقینقاع اور بنواصفر وغیرہ۔ ان لوگوں نے علاقہ موتہ میں جنگ کے شعلے بھڑکائے تھے۔ اگر یہود و نصاریٰ کے ارباب بست و کشاد جو

کہ اہلِ کتاب تھے، ظاہری صورت میں آسمانی کتابوں کے پیروکار تھے وہ اگر حقیقی پیروکار ہوتے تو رسول اللہ ﷺ سے جنگ و جدال نہ کرتے بلکہ پہلے ہی مرحلہ میں اسلام قبول کر لیتے، کیونکہ رسولؐ اللہ کے اوصاف ان کی کتب میں مذکور تھے۔ اُن کے لیے یہ بات آسان تھی کہ وہ اِن اوصاف و صفات میں خوب غور وخوض کرتے اور انھی صفات میں پیغمبرؐ اسلام کی سیرت وصورت کو دیکھتے۔ اگر اُنھیں وہ صفات پیغمبر اکرمؐ میں سو فی صد نظر آتے تو اُنھیں قبول کر لیتے اور اُن کی رسالت کا اِقرار کر لیتے لیکن یہود و نصاریٰ کے طاغوت حق وحقیقت کو قبول کرنے پر تیار ہی نہ تھے، اس لیے اُنھوں نے رسولِ امین کی رسالت کا انکار کر دیا اور مرنے مارنے پر اُتر آئے۔

كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللهُ

''جب اُنھوں نے جنگ کی آگ بھڑکائی تو اللہ تعالیٰ نے اُسے بجھا دیا''۔

کفروشرک کی طاقتوں نے ہمیشہ اللہ اور اُس کے رسولؐ کی مخالفت کی۔ جب بھی اُنھیں موقع ملا لشکر پر لشکر اکٹھے کر کے رسولؐ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جنگ برپا کر ڈالی۔ اُنھوں نے قبائلِ عرب اور مختلف لوگوں کو اسلام کے خلاف بھڑکایا، لیکن ہر میدان میں فتح ونصرت نے رسولؐ اللہ اور اہلِ ایمان کے قدموں کو چوما اور ہمیشہ کفر کی طاقت کو ہزیمت اُٹھانا پڑی۔

اگر ہم تاریخ اسلام کی ورق گردانی کریں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بعثت پیغمبرؐ اسلام سے لے کر آپؐ کی رحلت تک دشمنانِ اسلام نے ہر وقت اور ہر زمانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا، لیکن ہمیشہ اُنھیں میدانِ جنگ سے فرار ہونا پڑا۔

أَوْ نَجَمَ قَرْنُ الشَّيْطَانِ

''یا جہاں کہیں شیطان نے اپنے شیطنت کے سینگ نکالے اللہ تعالیٰ نے اُنھیں توڑ ڈالا''۔

یہ بات روشن ہے کہ جب کسی حیوان کے سینگ ٹوٹتے ہیں پھر وہاں سے دوبارہ سینگ نکل آتے ہیں۔ اس جملے سے سیدہ طاہرہ علیہا السلام کی مراد یہ ہے کہ کبھی کفروشرک کے ستم پیشہ لوگ اپنی طاغوتیت اور شیطنیت پر اُترتے تو اللہ تعالیٰ اُن کے شیطانی وحیوانی حربوں کو درہم برہم کر دیتا تھا۔ آپؑ کا پیغام اِس جملے سے یہ بھی ہے کہ جس کسی نے پیغمبر اکرمؐ کی دعوتِ اسلام کی مخالفت کی یا اُن کی زندگی کے بعد اُن کے فرامین کی مخالفت کی تو یہ مخالفت کار ابلیسی ہے۔

اس جملے کا عطف گزشتہ جملے كُلَّمَا أَوْقَدُوا ...... پر ہے، یعنی جب کبھی اُن لوگوں نے جنگ کی آگ بھڑکائی اللہ تعالیٰ نے اُنھیں شکست و ذلت سے ہمکنار فرمایا۔ جب کبھی شرک و استبداد کے اژدھا نے منہ کھولا کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کو نگل جائے تو رسولؐ اکرم نے فوراً اپنے بھائی کو اُس کے منہ کو بند کرنے کے لیے روانہ کیا تھا۔

اس طرح فَفَغَرَتْ فَاغِرَةٌ کا عطف بھی نَجَمَ قَرنٌ..... پر ہے۔ یعنی جب کبھی اسلام کی نوزائیدہ تحریک کو نگلنے کے لیے کفروشرک کے اژدہانے منہ کھولا تو قَذَفَ اَخَاهُ فِیْ لَهَوَاتِهَا "رسول اکرمؐ نے اُس کے منہ کو بند کرنے کے لیے اپنے بھائی امام علی ابن ابی طالبؑ کو بھیجا"۔

بتولؑ عذرا کے خطبے کے ان جملوں کا مفہوم یہی ہے کہ دینِ اسلام کے خلاف جب بھی لشکر کشی ہوئی تو ان مشکلات کو حل کرنے کے لیے اپنے بھائی کو آگے آگے رکھا۔ امام علیؑ ابن ابی طالبؑ نے بھرپور طاقت کے ساتھ کفروشرک کے حملہ آوروں کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ ہر مشکل وقت میں حضرت امام علی علیہ السلام نے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر رسولؐ اسلام اور مسلمانوں کی نصرت و مدد کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ کار بھی ہمیشہ یہی رہا کہ جب بھی اسلام پر سخت وقت آیا دشمن مسلح تھا اور بھاری تعداد میں تھا۔ اسلام کی مصیبت کو دور کرنے کے لیے اور دشمن کے زور کو توڑنے کے لیے حضرت ابوطالبؑ کے عظیم و شجاع فرزند کو بھیجا۔ جب امام علی علیہ السلام میدان میں اُترتے تو دشمن کو کراریت پر فراریت کو ترجیح دینا پڑتی۔

بیکراں سمندر سے صرف ایک قطرہ

ریحانۂ پیغمبرؐ نے اس جملے میں اپنے شوہر اَرجمند کی شجاعت و شہامت، اسلام سے وفاداری اور پائیداری کی طرف اشارہ فرمایا کہ اُنھوں نے اسلام کی بقا کی خاطر ہر دفعہ اپنے آپ کو موت کے منہ میں ڈالا۔ ہر میدانِ جنگ میں ثابت قدمی دکھائی۔ ہمیشہ کراریت وغیر فراریت کی عظیم صفت سے متصف رہے۔ حالانکہ حاضرین مجلس امامؑ کی شجاعت و بہادری سے بخوبی آگاہ تھے، لیکن آپؑ کا مقصد یہ تھا اُنھیں اپنے شوہر نامدار کی قربانیاں اور فداکاریاں یاد دلائیں۔ شاید کہ وہ لوگ متحرک و بیدار ہوں اور اسلام کی رہبریت و امامت اُن کے ہاتھوں میں آجائے جو ہاتھ اس امر کی اہلیت رکھتے تھے۔ آپؑ یہ بھی چاہتی تھیں کہ جو لوگ امیرِ حریت کی قربانیوں سے بے خبر ہیں۔ وہ باخبر ہو جائیں۔ اس طریقے سے دختر فرزانہ نبوت نے تاریخ انسانیت کے مظلوم ترین انسان کا حقیقی تعارف بھی کرایا اور دفاع بھی کیا اور اتمامِ حجت کر کے اسلام کی بھاری مسئولیت کی آگاہی بھی پیش کر دی۔

فَلَا يَنْكَفِئُ حَتّٰى يَطَأَ صِمَاخَهَا بِأَخْمَصِهِ

"امیرِ شجاعت اُس وقت تک میدانِ کارزار سے واپس نہ آتے جب تک اسلام کے دشمنوں کے سروں کو پامال نہ ڈالتے اور اُن کی کھوپڑیوں کو اپنے پاؤں تلے روند نہ لیتے"۔

جب میدانِ پیکار میں آپؑ کا کسی شجاع و بہادر سے مقابلہ و مسابقہ ہوتا تو اُسے پچھاڑ کر دم لیتے تا کہ دنیا دیکھ لے کہ مقابلہ کیسا ہوتا ہے۔

جی ہاں! امیرالمومنین امام علی علیہ السلام اس قدر شجاع و بہادر تھے کہ اُن کے دل میں دشمن کا ذرہ برابر خوف نہیں ہوتا تھا۔ وہ دشمن کی صفوں میں گھس جاتے تھے، اور اُنھیں پلٹ کر رکھ دیتے تھے۔ آپ بڑے بڑے نامور آزمودہ کارانِ حرب وضرب کے مقابل ہوتے تو آپ کو اپنی جان کا کوئی خوف ہی نہ ہوتا۔ گویا کہ آپؑ کے جسم میں حُبِ حیات کا غریزہ ہی نہیں۔ اُنھیں مرگِ افتخارِ شہادت سے بھرپور عشق تھا۔ آپؑ کے تنومند وتوانا ہاتھ میں شمشیر آبدار ہوتی تھی جو موت کا پیام لیے پھرتی تھی۔ لوگ دیکھتے کہ کبھی وہ دشمن کے سروں پر سیدھی پڑتی ہے، کبھی جھک کر پڑتی ہے اور کبھی نیچے سے اُوپر کو اُٹھتی ہے۔ آپؑ کے فنونِ حرب وضرب سے اعداء اللہ کی کھوپڑیاں فضا میں اُڑتی ہوئی نظر آتی تھیں۔

وہ فنونِ حرب وضرب میں اِس قدر مہارت تامہ رکھتے تھے کہ اُن کی شمشیر آبدار چشم زدن میں اَبدان کو کبھی عرض میں اور کبھی طول میں ان کے اجسام سے خون کے جاری ہونے سے پہلے دو ٹکڑے کر دیتی تھی۔

وَيَخْمُدُ لَهَبُهَا بِسَيْفِهِ

"امیرِ شہامت اپنی تلوار کی دھار سے دشمن کی بھڑکائی ہوئی آتش کے شعلوں کو بجھا دیتے تھے"۔

تباہی و استبداد کے جراثیموں کا خاتمہ کر دیتے تھے۔ انسانی معاشرے کے راستوں پر بچھے ہوئے خار وخس کو ہٹا دیتے تھے۔ آتشِ جنگ کو اپنی آسمانی وستم ستیز تلوار سے خاموش کر دیتے تھے۔ آپؑ نے ہی کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمدٌ رسول اللہ کی ترویج وتبلیغ کے لیے زمین کو ہموار کر دیا تھا۔

مَكْدُودًا فِي ذَاتِ اللهِ

"آپؑ نے اپنے آپ کو اللہ کے لیے رنج وفشار میں مبتلا رکھا"۔

آپؑ نے جتنی جدوجہد کی تو اللہ کے لیے ہی کی۔ اپنی جان، اپنا آرام اپنا سکون سب کچھ اُس کے دین کی ترویج پر خرچ کر دیا۔

وَمُجْتَهِدًا فِي أَمْرِ اللهِ

مجتہد کا لغوی معنی ہے جدوجہد کرنے والا یعنی سخت مشقت وتعب اُٹھانے والا۔ امیرِ عدالت کے لیے جس قدر ممکن تھا آپؑ نے اپنی جان کو جوکھوں میں ڈالا۔ آپ نے اپنے تمام وسائل استعمال کیے تا کہ اہدافِ الٰہیہ کو سرفرازی و بلندی حاصل ہو۔ آپؑ کی آرزوئیں اور اُمیدیں صرف اور صرف یہ تھیں کہ کلمۃ اللہ کو ہر چیز پر بلندی حاصل ہو جائے۔

قَرِیْبًا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ

"آپ" رسولؐ اللہ سے قرب و قرابت رکھتے تھے"۔

یہاں ریحانۂ رسالت کی مراد قربِ مکانی نہیں ہے بلکہ قربِ معنوی ہے۔ یعنی ہر پہلو اور ہر زاویہ سے آپؑ کو رسولؐ اللہ سے قرابت حاصل تھی۔ یعنی آپ نسبی لحاظ سے جسمانی و روحانی لحاظ سے اور وحدتِ نفس کے اعتبار سے قرابت رکھتے تھے۔

قرآنِ مجید کی نص کے اعتبار سے آپ" نفسِ رسولؐ ہیں۔ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَکُمْ کے مصداق ہیں۔ کیا اس نسبو قرابت سے کوئی اور نسب اور قرابت اَقویٰ اور اَقرب ہے؟

وَسَیِّدًا اَوْلِیَاءِ اللّٰهِ۔۔۔ ایک اور نسخے میں ہے: سَیِّدُ اَوْلِیَاءِ اللّٰهِ۔ یعنی حضرت امام علی علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ولیوں کے سیّد وسالار تھے"۔

وَمُشْمِرًا نَاصِحًا، مُجِدًّا کَادِحًا

"آپ" ہمیشہ بلند ہمت رہے، بہتری و بھلائی کی ترویج میں کمر توڑ کوشش و کاوش کرنے والے تھے"۔

سیّدۂ عالمؑ نے اپنے عظیم شوہر کی عظمت کو اُجاگر کرتے ہوئے فرمایا: آپ" نے اسلامی معاشرہ کی ترقی کے لیے اپنی آستینوں کو اُوپر چڑھا رکھا تھا۔ اسلام کے مصالح اور مسلمانوں کی سعادت کے لیے وہ ہر وقت مُستعد و مہیا تھے۔ آپ" اُمت کے مصلحِ اعظم تھے۔ آپ" نے مسلمانوں کی کمزوریوں کو اپنے وعظ و نصائح سے دُور کرنے کی کوشش کی۔ مسلمانوں کے اُمور میں بے پناہ کوشش کی۔ وہ مسلسل جدوجہد سے تھکنے والے نہ تھے۔

جی ہاں! حضرت امیر علیہ السلام کی پُرافتخار زندگی مسلسل جہد و جہاد سے معمور تھی۔ آپ" اہداف کی بلندی کو سامنے رکھتے تھے اور اُن تک رسائی حاصل کرنے کے لیے جان توڑ کوشش کرتے تھے۔ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں پیش پیش رہتے تھے۔ میدانِ حرب و ضرب میں علمِ اسلام آپ" کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ فداکاری اور جانثاری میں اپنی مثال آپ" تھے۔ آپ" کی اسلامی قربانیاں خورشید سے روشن تر اور معروف و مشہور ہیں۔

وَاَنْتُمْ فِیْ رِفَاهِیَةٍ مِنَ الْعَیْشِ وَادِعُوْنَ فَاکِهُوْنَ آمِنُوْنَ

"حضرت امام علی علیہ السلام ہمیشہ اسلام کی خاطر حالتِ جنگ میں ہوتے تھے اور تم لوگ عیش و عشرت میں ہوتے تھے۔ امان و امنیت میں ہوتے ہوئے حوادث و خطرات سے دُور رہتے تھے۔ راحت و چین کی زندگی بسر کرتے تھے۔ تحصیلِ لذات زندگی کی فکر میں ہوتے تھے۔

خوف کے معانی کو جانتے تک بھی نہیں تھے"۔

جی ہاں! اے مسلمانانِ گرامی قدر! وہ لوگ شبِ ہجرت کہاں تھے؟ جس شب مشرکین کے ہجوم نے رسول اللہ ﷺ کے خانۂ اقدس کو اپنے محاصرے میں لے رکھا تھا تاکہ آپ کو قتل کر دیں۔

جی ہاں! یہی امام علی علیہ السلام تھے جو رسول اللہ ﷺ کے بستر پر اُن کا فدیہ بن کر بے خوف و خطر سو گئے تھے۔ اُنھوں نے اپنی جان و جوانی کو ہدفِ آسانی پر قربان کر رکھا تھا۔ جی ہاں! جب جنگِ اُحد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تھی تو وہ کون لوگ تھے جو رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ چھاڑ کر میدان سے بھاگ نکلے تھے۔ اُس وقت مشرکین و کفار نے رسولِ اسلام پر ہر طرف سے حملے شروع کر دیے تھے۔

جی ہاں! اُس وقت بھی حضرت امیر علیہ السلام تھے جو رسول اللہ ﷺ کا دفاع کر رہے تھے اور کفار کے سامنے ڈٹ کر اُن کے حملوں کو رد کر رہے تھے۔ آپؑ نے اس قدر فداکاری و جانثاری کا مظاہرہ کیا کہ فرشتۂ وحی کو زمین و آسمان کے درمیان امیر شہامت کی شجاعت و مواسات کا نعرہ بلند کرنا پڑا:

لَافَتٰی اِلَّا عَلِی لَاسَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَارَ [1]

ہر جنگ میں دیکھیں چاہے وہ جنگِ حنین ہو یا خندق یا خیبر ہو، ہر میدان کے فاتح اور ہیرو آپ کو امام علی علیہ السلام ہی نظر آئیں گے۔ اِسی حقیقت کو خود امام علیہ السلام کی زبان ہی سے سنیے:

وَلَقَدْ عَلِمَ الْمُسْتَحْفِظُوْنَ مِنْ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ اِنِّي لَمْ اَرُدَّ عَلَى اللهِ وَعَلٰى رَسُوْلِهٖ سَاعَةً قَطُّ وَلَقَدْ وَاسَیْتُهٗ بِنَفْسِي فِي الْمَوَاطِنِ الَّتِيْ تَنْكُصُ فِيْهَا الْاَبْطَالُ، وَتَتَاَخَّرُ فِيْهَا الْاَقْدَامُ نَجْدَةً اَكْرَمَنِي اللهُ بِهَا (نہج البلاغہ، خطبہ ۱۹۵)

"پیغمبرؐ کے وہ اصحاب جو (احکامِ شریعت) کے امین ٹھہرائے گئے تھے اس بات سے اچھی طرح آگاہ ہیں کہ میں نے کبھی ایک آن کے لیے بھی اللہ اور اُس کے رسولؐ کے احکام سے سرتابی نہیں کی ہے اور میں نے اِس جوانمردی کے بل بوتے پر کہ جس سے اللہ نے مجھے سرفراز کیا ہے پیغمبرؐ کی دل و جان سے مدد اُن موقعوں پر کی کہ جن موقعوں سے بہادر جی چرا کر بھاگ کھڑے ہوتے تھے اور قدم آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے ہٹ جاتے تھے"۔

---

[1] تاریخ طبری: ج ۲، ص ۱۴، مناقب ابن مغازلی: ص ۱۹۷، مناقب واحدی: ص ۱۹۵

تَتَرَبَّصُوْنَ بِنَا الدَّوَائِرَ

''آپؑ انتظار میں تھے کہ مصائب ہم پر ٹوٹ پڑیں اور انقلابِ زمانہ ہماری زندگیوں کو اُلٹ پلٹ کر رکھ دے''۔

کچھ لوگ ایسے بھی تھے کہ جن کی خواہش تھی کہ رسولؐ اسلام مارے جائیں۔ وہ رسولؐ اکرم کی نابودی کا لمحہ لمحہ شمار کرتے تھے۔

''دوائر'' کا لغوی معنی نعمتوں اور سعادتوں کا زوال ہونا ہے۔

وَتَتَوَكَّفُوْنَ الْاَخْبَارَ

''کچھ لوگ تھے جو ہماری ہلاکت و بربادی کے انتظار میں تھے کہ وہ کب ایسی خبر سنیں گے کہ جو ہماری ہلاکت سے ہمکنار ہوگی''۔

وَتَنْكِصُوْنَ عِنْدَ النِّزَالِ

''جب ہنگامہ کارزار گرم ہوتا تھا تو پیچھے بیٹھ جاتے تھے''۔

وَتَفِرُّوْنَ مِنَ الْقِتَالِ

''اور جنگ و جہاد سے فرار اختیار کرتے تھے''۔

جنگِ اُحد میں جو کچھ لوگوں سے ہوا تھا وہ تاریخ میں محفوظ ہے اور جنگِ حنین میں جو کارنامے سر ہوئے وہ بھی موجود ہیں۔ یومِ خیبر کے حالات جو چشمِ فلک نے دیکھے اُن پر پردہ نہیں ڈالا جاسکتا۔ جنگِ خندق کا تو حال ہی نہ پوچھئے کہ جب عمرو بن عبدود نے مبارزہ طلبی کی تو قلوب پر کچھ ایسی ہیبت چھائی تھی کہ اَجسام لرزنے لگے تھے۔ اس مصیبت کا سیاہ بادل اُس وقت چھٹا جب سیّد البطحا حضرت ابوطالبؑ کے عظیم سپوت نے رسولؐ اللہ کی اجازت سے اُسے للکارا تھا۔

اگر ہم تاریخی حوادث کو بیان کرنے لگ جائیں تو ہماری گفتگو طولانی ہوجائے گی اور کتاب اپنے اُسلوب سے خارج ہوجائے گی۔ المختصر! یہی طریقہ کار تھا امام علی علیہ السلام کا کہ اُنھوں نے رسولؐ اللہ اور اسلام کے لیے اپنی ہر چیز قربان کرڈالی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد جو کچھ ہوا اور جو کچھ لوگوں نے آلِ رسولؑ سے کیا وہ محتاجِ بیان نہیں ہے۔

سیّدۂ عالم کے خطبے کا چوتھا دور

فَلَمَّا اخْتَارَ اللهُ لِنَبِيِّهِ ﷺ دَارَ أَنْبِيَائِهِ، وَمَأْوٰى أَصْفِيَائِهِ، ظَهَرَ فِيْكُمْ حَسِيْكَةُ النِّفَاقِ، وَسَمَلَ جِلْبَابُ الدِّيْنِ، وَنَطَقَ كَاظِمُ الْغَاوِيْنَ، وَنَبَغَ خَامِلُ الْأَقَلِّيْنَ، وَهَدَرَ فَنِيْقُ الْمُبْطِلِيْنَ فَخَطَرَ فِي عَرَصَاتِكُمْ، وَأَطْلَعَ الشَّيْطَانُ رَأْسَهُ مِنْ مَغْرِزِهِ، هَاتِفًا بِكُمْ، فَأَلْفَاكُمْ لِدَعْوَتِهِ مُسْتَجِيْبِيْنَ، وَلِلْغِرَّةِ فِيْهِ مُلَاحِظِيْنَ، ثُمَّ اسْتَنْهَضَكُمْ فَوَجَدَكُمْ خِفَافًا، وَأَحْمَشَكُمْ فَأَلْفَاكُمْ غِضَابًا، فَوَسَمْتُمْ غَيْرَ إِبِلِكُمْ، وَأَوْرَدْتُمْ غَيْرَ شِرْبِكُمْ، هٰذَا وَالْعَهْدُ قَرِيْبٌ، وَالْكَلْمُ رَحِيْبٌ، وَالْجُرْحُ لَمَّا يَنْدَمِلْ، وَالرَّسُوْلُ لَمَّا يُقْبَرْ، اِبْتِدَارًا زَعَمْتُمْ خَوْفَ الْفِتْنَةِ۔

﴿أَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ﴾

فَهَيْهَاتَ مِنْكُمْ، وَكَيْفَ بِكُمْ، وَأَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ؟ وَكِتَابُ اللهِ بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ، أُمُوْرُهُ ظَاهِرَةٌ، وَأَحْكَامُهُ زَاهِرَةٌ، وَأَعْلَامُهُ بَاهِرَةٌ، وَزَوَاجِرُهُ لَائِحَةٌ، وَأَوَامِرُهُ وَاضِحَةٌ، قَدْ خَلَّفْتُمُوْهُ وَرَاءَ ظُهُوْرِكُمْ، أَرَغْبَةً عَنْهُ تُرِيْدُوْنَ، أَمْ بِغَيْرِهِ تَحْكُمُوْنَ ﴿بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا﴾۔

﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾۔

ثُمَّ لَمْ تَلْبَثُوْا إِلَّا رَيْثَ أَنْ تَسْكُنَ نَفْرَتُهَا، وَيَسْلَسَ قِيَادُهَا ثُمَّ أَخَذْتُمْ تُوْرُوْنَ وَقْدَتَهَا، وَتُهَيِّجُوْنَ جَمْرَتَهَا، وَتَسْتَجِيْبُوْنَ لِهِتَافِ الشَّيْطَانِ الْغَوِيِّ وَإِطْفَاءِ أَنْوَارِ الدِّيْنِ الْجَلِيِّ، وَإِهْمَادِ سُنَنِ النَّبِيِّ الصَّفِيِّ۔

تُسِرُّوْنَ حَسْوًا فِي ارْتِغَاءٍ، وَتَمْشُوْنَ لِأَهْلِهِ وَوَلَدِهِ فِي الْخَمَرِ وَالضَّرَّاءِ، وَنَصْبِرُ مِنْكُمْ عَلٰى مِثْلِ الْمُدٰى، وَوَخْزِ السِّنَانِ فِي الْحَشَا۔ وَأَنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ الْآنَ أَنْ لَا إِرْثَ لَنَا۔

﴿أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ تَبْغُوْنَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوْقِنُوْنَ﴾۔

أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ؟ بَلْ تَجَلّٰى لَكُمْ كَالشَّمْسِ الضَّاحِيَةِ أَنِّي ابْنَتُهُ أَيُّهَا الْمُسْلِمُوْنَ! أُغْلَبُ عَلٰى اِرْثِيَهْ۔

"پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کے لیے انبیاءؑ کے گھر اور اصفیاء کی منزل کو پسند کرلیا تو تم میں نفاق کے خار و خاشاک ظاہر ہو گئے۔ پردۂ دین و آئین کہنہ ہو گیا۔ گمراہ اور بداندیش لوگ آواز بلند کرنے لگے۔ گمنام اور فراموش شدہ لوگ منظرِ عام پر آ گئے۔ دین سے دُور لوگوں کی آوازیں فضا میں گونجنے لگیں اور انھوں نے تمھارے درمیان اپنے مقاصد کے لیے تیزی دکھانا شروع کر دی۔ شیطان نے سر نکال کر تمھیں آواز دی تو تمھیں اپنی دعوت کا قبول کرنے والا اور اپنا قدردان پایا۔

تمھیں اپنے مقصد کے لیے اُٹھایا تو تم سبک بار ثابت ہوئے۔ جب تمھیں بھڑکایا تو غصہ ور پائے گئے۔ تم نے اپنے غیر کے اُونٹ پر نشان لگایا اور دوسرے کے چشمہ پر وارد ہو گئے حالانکہ ابھی زمانہ زیادہ نہیں گزرا، زخم کشادہ ہے جو ابھی مندمل نہیں ہوا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے روضہ میں سو بھی نہیں سکے ہیں۔ یہ عُرعت تم نے فتنہ کے بہانے کے خوف سے کی حالانکہ پھر اسی فتنے ہی میں گر پڑے اور جہنم تو تمام کافروں پر محیط ہے۔

تم پر افسوس ہے! تمھیں ہو کیا گیا ہے؟ تم کہاں جا رہے ہو؟ تمھارے درمیان اللہ کی کتاب موجود ہے جس کے اُمور واضح، علامات روشن اس کے ممانعت کے نشانات آشکار اور ہویدا ہیں۔ اس کے اَوامر ظاہر و باہر ہیں۔ تم نے اُسے پسِ پشت ڈال دیا ہے۔ کیا اب اُس کے اِنحراف کے خواہاں ہو؟ یا کوئی دوسرا حکم چاہتے ہو؟ یہ بدترین بدل ہے۔

اور جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو اپنائے گا وہ اس سے قبول نہ ہوگا اور آخرت میں خسارہ بھی ہوگا۔ بعدازیں تم نے صرف اتنا انتظار کیا کہ اُس کی نفرت ساکن ہو جائے اور مہار ڈھیلی ہو جائے۔ پھر آتشِ جنگ کے شعلوں کو بھڑکانے لگے۔ شیطان کی آواز پر لبیک کہنے اور اَنوارِ دین کو خاموش کرنے اور پیغمبرِ خدا کی سنت کو ضائع کرنے کی کوشش شروع کر دی۔

تم لوگوں نے جو دعویٰ کیا اُس پر عمل نہ کیا اور رسولؐ اللہ کے اہلِ بیتؑ کے لیے خفیہ صورت میں ایذا رسانی کرتے ہو۔ ہماری مثال اس شخص جیسی ہے کہ جس کے گلے پر تیز شمشیر اور

مقامِ قلب پر نیزہ ہو۔ ہمارے لیے سوائے صبر و شکیبائی کے چارہ نہیں ہے۔
تعجب انگیز بات یہ ہے کہ تمھارا یہ خیال ہے کہ میرا میراث میں حق نہیں ہے۔ کیا تم لوگ زمانۂ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہو جب کہ اہلِ ایمان کے لیے اللہ تعالیٰ سے بہتر و برتر کوئی حاکم نہیں ہے۔ کیا تم ان حقائق کو نہیں جانتے؟
جی ہاں! بالکل اس طرح جانتے ہو جیسے نورِ خورشید کو جو تم پر روشن ہے کہ میں پیغمبر اکرم ﷺ کی دختر ہوں۔ جی ہاں! اے اہلِ اسلام! کیا یہ بہتر ہے کہ مجھے اپنے والد گرامی کی میراث سے محروم کر دیا جائے؟"

طوفان ہائے ویران گر، پس از غروبِ خورشید

بانوئے فرزانہ نے اپنے خطاب کے اس حصے میں اسلامی معاشرے کی دگرگونی بیان فرمائی کہ خورشیدِ رسالتؐ کے غروب ہونے کے بعد کون کون سے حوادث نے جنم لیا۔ آپؑ نے فرمایا:

فَلَمَّا اخْتَارَ اللّٰهُ لِنَبِیِّهٖ ﷺ دَارَ اَنْبِیَائِهٖ وَمَأْوٰی اَصْفِیَائِهٖ

غور کیجیے کہ یہ کس قدر خوب صورت گفتگو ہے۔ آپؑ نے اپنے مفہوم کو کس حسین پیرائے میں بیان فرمایا۔
سیدہ عالمؑ نے پیغمبر اکرم ﷺ کی جاں سوز رحلت کو فَلَمَّا مَاتَ النَّبِیُّ کے الفاظ میں بیان نہیں فرمایا، بلکہ آپؑ نے اپنے بابا کی رحلت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا کہ "جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کے لیے انبیاءؑ کا گھر اختیار فرمایا"۔ انبیاءؑ کا گھر وہ جاودانی گھر ہے جسے بہشت کا نام دیا گیا ہے۔ اس بہشت کے بلند ترین درجات میں انبیاء کرامؑ اور اولیاء اللہ ہوں گے۔ اُن کا زیبا ترین گھر جنت میں ہے اور اُن کا پُرمعنویت مقام اللہ کی بارگاہ ہے۔

ظَهَرَتْ فِیْکُمْ حَسْکَةُ النِّفَاقِ

"تمھارے قلوب کے کھیت و کھلیانوں میں نفاق کے خار و خاشاک ظاہر ہوئے"۔

ایک اور نسخے میں حَسِیْکَةُ کا لفظ ہے جس کا معنی کانٹا و خار ہے۔ اس سے مراد عداوت ہے، یعنی نفاق کی عداوت، کیونکہ نفاق سببِ عداوت ہے۔

وَسَمَلَ جِلْبَابُ الدِّیْنِ

"دین داری اور دین باوری کی چادر پرانی ہو گئی"۔

ایک اور نسخے میں اَسمَل کا کلمہ آیا ہے۔ ایک اور نسخے میں جِلْبَابُ الْاِسْلَامِ کے کلمات ہیں۔ اس جملے کا معنیٰ یہ ہے: ''رسولؐ اسلام کی زندگی میں اسلام پرسکون اور پرامن دین تھا۔ رسولؐ اللہ کی رحلت کے بعد اسلام کی چادر پرانی ہوگئی یعنی وہ امن اور پیار و محبت اور اُخوت کا نظام متاثر ہوا''۔

وَنَطَقَ كَاظِمُ الْغَاوِيْنَ

''زیرِ زمین کام کرنے والے گمراہ اور بداندیش لوگوں کی زبانیں کھل گئیں''۔

ایک اور نسخے میں: فَنَطَقَ كَاظِمٌ اور بَنَغَ خَامِلٌ کے کلمات ہیں۔

گم نام اور فرومایہ لوگوں کو جرأت حاصل ہوگئی اور وہ بھی لب کشائی کرنے لگے، حالانکہ وہ اسلام کے رُعب و دبدبہ کی وجہ سے خاموش تھے۔ وَبَنَغَ خَامِلُ الْاَقَلِّيْنَ۔ ایک اور نسخے میں الْاَقَلِّيْنَ کے الفاظ ہیں۔

اس جملے کا مفہوم یہ ہے کہ وہ لوگ جو اسلام کی طاقت کی وجہ سے سقوط زدہ تھے وہ بھی جرأت مند ہوگئے۔

وَهَدَرَ فَنِيْقُ الْمُبْطِلِيْنَ ایک اور نسخے کے لفظ یہ ہیں: فَنِيْقُ الْكُفْرِ۔

باطل پرستوں کے وڈیروں نے اپنی آواز بلند کی اور مشرکین کے زمام داروں نے یاوہ گوئی شروع کر دی۔

فَخَطَرَ فِيْ عَرَصَاتِكُمْ

''یعنی شرک کا اُونٹ غرور و تکبر کے ساتھ چلنے لگا''۔

دخترِ فرزانہ نے اَزراہِ کنایہ فرمایا کہ کل وہ نفاق جو صدور میں مستور تھا وہ ظاہر ہو کر سامنے آگیا۔ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں دینِ اسلام کی قوت سے کمزور ہوگئے تھے آج وہ شہ زور ہوگئے ہیں۔

وَاَطْلَعَ الشَّيْطَانُ رَأْسَهُ مِنْ مَغْرَزِهِ هَاتِفًا بِكُمْ

''اور شیطان نے اپنا سر نکالا اور تمہیں آواز دی''۔

سیدہ نساء العالمینؑ نے اپنے اس جملے میں اُس رُوئیداد کو بیان کیا کہ جب شیطان پلید نے قسم کھا کر کہا تھا:

فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ○

''تیری عزت کی قسم! ان تمام بندوں کو گمراہ کر کے رہوں گا سوائے تیرے اُن بندوں کے جو پاکیزہ دل اور خالص اور مخلص ہیں''۔ (سورۂ ص: آیت ۸۲-۸۳)

وہی شیطان جو عصرِ پیغمبرؐ اور اسلامی اقتدار و حکومت میں شکست خوردہ تھا اور زیرِ زمین چلا گیا تھا، رسولؐ اللہ کی رحلت کے بعد اُس نے خارِ پشت کی طرح اپنا منہ نکالا اور باہر آگیا اور اُس نے تمہیں آواز دی کہ یومِ غدیر کی بیعت کو

توڑ ڈالو اور اہلِ بیت رسولؐ کے حقوق کو غصب کرلو۔ تو تم نے ویسا ہی کیا جیسا کہ اُس نے تمہیں کہا تھا۔

فَالْفَاكُمْ لِدَعْوَتِهٖ مُسْتَجِيْبِيْنَ ایک اور نسخے کے کلمات یہ ہیں: فَوَجَدَكُمْ لِدَعْوَتِهٖ الَّتِيْ دَعَا اِلَيْهَا مُجِيْبِيْنَ "یعنی جس وقت شیطان نے تمہیں آواز دی، اُس نے تمہیں اُس طرح پایا جس طرح اُسے پسند تھا۔ جس طرح اُس کا گمان تھا وہی سچ ثابت ہوا"۔

وَلِلْغِرَّةِ فِيْهِ مُلَاحِظِيْنَ

"اور اُس نے تمہیں اپنے فریب اور دجّال گری کے لیے آمادہ پایا"۔

جس طرح ایک انسان دھوکے میں آتا ہے تو جو کچھ اُسے کہا جائے تو وہ بغیر سوچ بچار کے قبول کرلیتا ہے، اُسے جس کام کا حکم دیا جائے وہ بغیر تعقل و تفکر کے کرنے لگ جاتا ہے۔

ثُمَّ اِسْتَنْهَضَكُمْ فَوَجَدَكُمْ خِفَافًا

"پھر اُس نے تمہیں اپنے ساتھ قیام کے لیے بلایا تو اُس نے تمہیں بغیر کسی پس و پیش اور سوچ بچار کے مہیا پایا"۔

وَاَحْمَشَكُمْ فَالْفَاكُمْ غِضَابًا ایک اور نسخے کے الفاظ ہیں: فَوَجَدَكُمْ غِضَابًا "یعنی شیطان نے تمہیں غیض و غضب پر اُکسایا اور بھڑکایا اور تم اُس کے مطلوب و مقصود کی خاطر بھڑک اُٹھے"۔

آپؑ کے اِس جملے کا مفہوم یہ ہے کہ تم لوگوں نے شیطان کے اَوامر کی تعمیل کی اور تمام اَحوال میں اُس کے مطیع رہے۔

فَوَسَمْتُمْ غَيْرَ اِبِلِكُمْ

"آخرکار تمہارا انجام یہی ہوا کہ تم لوگوں نے غیر کی سواری پر نشان لگایا"۔

یعنی تم نے ناجائز کام کیا۔ تم نے اُس آدمی کو اختیارات دے دیے کہ جس میں اہلیت ہی نہ تھی۔ تم نے زمامِ حکومت اُس ہاتھ میں دے دی جو اس اَمر کی اہلیت نہیں رکھتا تھا۔

وَاَوْرَدْتُمْ غَيْرَ شِرْبِكُمْ ایک اور نسخے کے الفاظ ہیں: وَاَوْرَدْتُمُوْهَا شِرْبًا لَيْسَ لَكُمْ "تم اپنے اُونٹ کو غیر کے چشمۂ آب پر لے آئے یعنی اُس چرواہے کی طرح جو اپنے اُونٹ کو اُس چشمے پر لے جائے جو اس کی ملکیت نہیں ہے"۔

آپؑ کا مقصود یہ تھا کہ خلیفہ بنانا اللہ کا کام ہے۔ اللہ نے جسے خلافت عطا کی تم نے اس کی اطاعت نہیں کی اور اپنی طرف سے اپنا خلیفہ بنالیا حالانکہ خلیفہ بنانا تمہارے اختیار میں نہ تھا۔

هٰذَا وَالْعَهْدُ قَرِيبٌ

"یہ انقلابات و تحولات فوراً وجود میں آئے"۔

یہ سب کچھ عہد قریب میں ہوا۔ رسولؐ اللہ کی رحلت جاں سوز کو کوئی طویل عرصہ نہیں ہوا تھا۔ ابھی آپؐ کی رحلت کو دو ہفتے گزرے تھے کہ اسلام کی کائنات بدل گئی۔ لوگ رسولؐ اللہ کے اوامر کو بھول گئے حالانکہ تبدیلیاں اور تغیرات مرورِ زمانہ کے ساتھ پیدا ہوتی ہیں۔ لوگ اپنے رہبر کی تعلیمات کو بھول جاتے ہیں۔ لیکن رسولِ اکرمؐ کے وصال کو کوئی لمبا عرصہ نہیں گزرا تھا کہ جو کچھ نہیں ہونا تھا وہی ہو گیا۔

وَالْكَلْمُ رَحِيبٌ

"رحلتِ پیغمبرؐ کے سبب جو میرے دل پر گہرے زخم آئے تھے وہ ابھی تازہ ہیں بلکہ تازہ رہیں گے"۔

مقصود یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کا صدمہ ایک عظیم صدمہ ہے جو ہر وقت تازہ ہے جو نہ کبھی بھلایا جاسکتا ہے اور نہ پرانا ہوسکتا ہے۔

وَالْجُرْحُ لَمَّا يَنْدَمِلْ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہجر و فراق کے زخم مندمل نہیں ہوئے"۔

وَالرَّسُولُ لَمَّا يُقْبَرْ

"ابھی رسولؐ اللہ اپنی قبر شریف میں نہیں پہنچے تھے، ابھی آپؐ تجہیز و تکفین کی منزل پر تھے"۔

حضرت امام علی علیہ السلام رسولِ اعظم کو غسل دینے میں مصروف تھے کہ تم نے اجتماع کرلیا اور وہ کچھ کرلیا جو تم نے کرنا تھا۔۔۔ یعنی رسولؐ اللہ کے دفن کا انتظار تک بھی نہیں کیا۔

اِبْتِدَارًا زَعَمْتُمْ خَوْفَ الْفِتْنَةِ ایک اور نسخہ میں: بداراً کا کلمہ ہے۔ "لوگوں نے رحلتِ رسولؐ کے بعد بڑی عجلت سے کام لیا۔ تمہارا گمان یہ تھا کہ شاید فتنہ سے بچ رہے ہیں"۔

زَعَمَ کا معنی یہ ہے کہ ایک آدمی ایک چیز کا دعویٰ کرتا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔ یہاں زعمتم کا معنی یہی ہے۔ تم لوگوں نے یہ سب کچھ اس لیے کیا کہ کہیں فتنہ میں جا پڑیں گے حالانکہ تم جانتے تھے کہ تم اپنے اس دعویٰ میں جھوٹے ہو۔

وَالاَفِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِيْنَ

"ہوش سے کام لیجیے کہ وہ لوگ فتنہ میں پڑے ہوئے ہیں اور کافروں کو جہنم اپنے احاطہ میں

لیے ہوئے ہے"۔

خاتونِ جنت نے اپنے اس جملے میں ایک خاص گروہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ لوگ فتنہ و آشوب اور بدامنی کا مرکز ہیں۔ وہی لوگ ہی فتنہ ہیں اور فتنہ وہی لوگ ہیں۔ ان کا کام فتنہ و فساد ہے اور یہی فساد اُمت میں پھر کبھی ختم ہونے والا نہیں ہوگا۔

بتولؑ عذرا نے بھرپور شجاعت سے لوگوں پر واضح کر دیا کہ اُن کی بھلائی اور خیر خواہی کس چیز میں ہے؟ آپؑ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے صاحبانِ حق سے اُن کا حق چھینا۔ آپؑ نے اپنی اس نصیحت سے پیشین گوئی فرمائی کہ ان لوگوں کے اس کام سے فتنہ و فساد نے جنم لے لیا ہے۔ آج جو مصیبت اسلام پر آئی ہے کیا اس سے بڑی مصیبت آئے گی کہ اُس کے اَحکام و آئین کو تبدیل کر دیا گیا ہو؟ اور رسولؐ اللہ کے اہلِ بیتؑ کے حقوق کو غصب کر لیا گیا ہو اور خاندانِ وحی سے قساوت و خشونت سے لبریز سلوک کیا گیا؟

مناسب یہ تھا کہ حضرت فاطمہ زہراؑ اَلَا فِی الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا کے بجائے سَقَطْتُمْ کا جملہ فرماتیں لیکن بانوئے فرزانہ نے اس درج ذیل آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی۔

فَهَيْهَاتَ مِنكُمْ "جو کام تم نے کیا ہے یہ تم سے دُور بہت دُور تھا اور سخت تعجب آور ہے"۔

هَيْهَاتَ کا معنی دُوری اور بُعد ہے۔ گویا سیدۂ عالمؑ ان کے اس عمل کو اُن سے دُور خیال کرتی تھیں کہ اس قدر بلند لوگ بھی ایسا کر سکتے ہیں۔ آپؑ نے اُن کے اس فعل کو تعجب کی نگاہ سے دیکھا کہ اسلامی تعلیمات کے ماہرین اور پھر اُن کا مالِ غیر پر ہاتھ صاف کرنا حیرانی کی بات ہے۔

آخر ان لوگوں نے کس قدر سرعت سے اِن اُمور میں ہاتھ ڈالا؟ اور بے پناہ جرأت کے ساتھ یہ اقدام کیا، حالانکہ خلافت کے مورد میں قرآنِ مجید اور رسولؐ اسلام کی تصریحات موجود تھیں۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی عترت و اہلِ بیتؑ کے بارے میں کثرت کے ساتھ فرامین اور وصیتیں موجود تھیں۔ ان تمام توضیحات کے باوجود اپنی خوشنودی کے لیے کام کیا۔ اسلام اور رسولؐ اسلام کے آئین و فرامین کی پرواہ نہ کی۔

وَكَيْفَ بِكُمْ "تم لوگوں نے ایسا آخر کیوں کیا؟"

حضرت سیدہ فاطمہ زہراؑ نے عقائد و سلوک کے تغیر و تبدل پر حیرانی کا اظہار فرمایا۔ گویا کہ آپؑ اُن سے پوچھ رہی تھیں کہ تم لوگوں نے اس طرح کے کام کس طرح انجام دیے۔ آپ لوگ دینِ اسلام کے گرویدہ تھے۔ آپ سے تو بھلائی کی ہی توقع تھی۔

وَأَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ "تم کس طرف جارہے ہو؟"

غور وفکر سے کام لیجیے کہ شیطان تمھیں شائستگی و بھلائی کے راستے سے ہٹا کر کس طرف لے جا رہا ہے؟ اور اُس نے تمھیں کیوں اس زشت و ظالمانہ کام میں اُلجھا دیا ہے؟

وَكِتَابُ اللّٰهِ بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ

"حالانکہ کتاب اللہ تمھارے درمیان ہے اور تم نے اُسے اپنے پاس رکھا ہوا ہے"۔

ایک اور نسخے میں ہے:

وَكِتَابُ اللّٰهِ بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ وَاضِحَةٌ دَلَائِلُهُ نَيِّرَةٌ شَرَائِعُهُ

"اللہ کی کتاب تمھارے درمیان موجود ہے۔ جس کے دلائل واضح اور جس کے احکام روشن ہیں"۔

أُمُوْرُهُ ظَاهِرَةٌ

"حالانکہ قرآنِ مجید تمھارے درمیان موجود ہے۔ اُس کے تمام حقائق ومطالب آشکار ہیں۔ یہ وہ کتاب ہے جو لاریب ہے اور شک و رَیب سے پاک ہے"۔

وَأَحْكَامُهُ ظَاهِرَةٌ

"اُس کے قوانین درخشاں و فروزاں ہیں"۔

وَأَعْلَامُهُ بَاهِرَةٌ

"اس کی علامات شدت روشنی سے کائنات کو خیرہ کیے ہوئے ہے"۔

وَزَوَاجِرُهُ لَائِحَةٌ

"اور اُس کے ممانعت اور زجر وتوبیخ کے نشانات ظاہر وباہر ہیں"۔

وَأَوَامِرُهُ وَاضِحَةٌ

"اُس کے احکام ودستورات صاف وشفاف ہیں"۔

قرآنِ مجید کے اُحکام تمھیں صرف ہماری اطاعت کا حکم دیتے ہیں۔ اللہ کی کتاب تمھیں حکم دیتی ہے کہ ہم سے قرآن کا درس لیں اور وہ ہماری اطاعت و قیادت کی طرف تمھیں متوجہ کرتی ہے۔

وَقَدْ خَلَّفْتُمُوْهُ وَرَاءَ ظُهُوْرِكُمْ

"تم نے اُسے پسِ پشت ڈال دیا ہے اور اُس کی تعمیل چھوڑ دی ہے"۔

ہائے افسوس! یہ قرآن انہی اوصاف سے متصف ہے۔ آج تم نے اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔ نہ اس پر عمل کرتے ہو اور نہ اس کے فرامین میں غور وخوض کرتے ہو؟

أَرَغْبَةً عَنْهُ تُرِيدُونَ ـــ یہ استفہام توبیخی ہے۔ کیونکہ جب انسان کسی چیز کو پس پشت ڈال دیتا ہے تو وہ اس کی طرف میلان نہیں رکھتا۔ وہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔

اس لیے آپؑ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے قرآنی مقررات پر عمل چھوڑ دیا ہے یا پھر قرآنی احکام آپ کی خواہشات سے سازگار نہیں ہیں۔ اس لیے تم اس کے امکانات سے خوش نہیں ہو۔

أَمْ بِغَيْرِهِ تَحْكُمُونَ

"کیا تم لوگوں نے قرآنِ مجید کے قوانین کو چھوڑ کر دوسرے قوانین کو اختیار کرلیا ہے؟ کیا قرآنِ مجید کے احکام وہ اہمیت نہیں رکھتے کہ جن پر عمل کیا جائے"۔

بِئْسَ لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا

"یہ قرآنِ مجید کا بدترین بدل ہے"۔

ثُمَّ لَمْ تَلْبَثُوا إِلَّا رَيْثَ أَنْ تَسْكُنَ نَفْرَتُهَا وَيَسْلَسَ قِيَادُهَا

"اس کے بعد تم نے صرف اتنا انتظار کیا کہ اس کی نفرت ساکن ہوجائے اور مہار ڈھیلی ہوجائے"۔

اس مقام پر خاتونِ قیامت نے فتنہ کو اس فتنہ یا چوپائے سے تشبیہ دی ہے جو وحشی ہو جس کا کھینچنا اور اس پر سواری کرنا دشوار ہو۔ تم لوگ خلافت کے بلند ترین مقام پر ناحق بلند ہوگئے ہو۔ تم نے تھوڑا سا توقف بھی نہ کیا، تاکہ تمھارے لیے دین و دنیا کے مفاد کا کوئی راستہ نکل آتا، اور شورش و تزلزل کا خاتمہ ہوجاتا لیکن تم نے فوراً تعمیری راستے کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرلیا۔

ثُمَّ أَخَذْتُمْ تُورُونَ وَقْدَتَهَا وَتُهَيِّجُونَ جَمْرَتَهَا

"پھر تم آتشِ جنگ کو روشن کر کے اس کے شعلوں کو بھڑکانے لگے"۔

جی ہاں! تم لوگوں نے آگ کے انگاروں میں پھونکیں ماریں تاکہ وہ شعلہ ور ہوجائیں یا آگ کے انگاروں کو حرکت دی تاکہ آگ بھڑک اُٹھے تاکہ رطب و یابس کو جلا کر راکھ کا ڈھیر کردے۔

بانوئے فرزانہؑ کا اشارہ اپنے اُن مصائب کی طرف ہے جن سے آپؑ تازہ تازہ گزری تھیں۔ آپؑ کے سامنے آپؑ کے شوہر نامدار کا حق خلافت چھینا گیا۔ آپؑ کے گھر پر یورش برپا کی گئی۔ اس دوران جو آپؑ پر اور آپؑ کے

خاندان پر بیتی وہ کتب تاریخ میں موجود ہے۔ آپؑ کی فدک کی جاگیر اور دوسرے حقوق خمس و غنائم وغیرہ تھے وہ غصب ہوئے۔

المختصر آپؑ نے اس عظیم الشان اجتماع میں لوگوں کو اپنے مصائب یاد دلائے کہ ایک گروہ نے ہمارے حقوق کے غصب کے سلسلے کو جاری و ساری رکھا۔

وَتَسْتَجِيبُوْنَ لِهِتَافِ الشَّيْطَانِ الْغَوِيِّ

"تم لوگوں نے بداندیش اور گمراہ گر شیطان کی آواز کا جواب دیا"۔

کیونکہ شیطان رجیم کا کام ہے کہ وہ اپنے حزب کو اپنی طرف بلاتا ہے تاکہ وہ جہنم کا ایندھن بنیں۔ قرآن کریم نے ہمارے لیے شیطان کی گفتگو کو اپنے پاس محفوظ کر رکھا ہے اور وہ یہ ہے:

وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ إِلَّا أَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي فَلَا تَلُومُونِي وَلُومُوا أَنْفُسَكُمْ مَا أَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَا أَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ إِنِّي كَفَرْتُ بِمَا أَشْرَكْتُمُونِ مِنْ قَبْلُ إِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (سورۂ ابراہیم: آیت ۲۲)

"تو شیطان کہے گا کہ خدا نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا وہ تو پورا ہو گیا اور میں نے بھی تو وعدہ کیا تھا پھر میں نے وعدہ خلافی کی اور مجھے کچھ تم پر حکومت تو تھی نہیں مگر اتنی بات تھی کہ میں نے تمہیں برے کاموں کی طرف بلایا اور تم نے میرا کہنا مان لیا تو اب تم مجھے برا بھلا نہ کہو بلکہ اگر کہنا ہے تو اپنے نفس کو برا کہو۔ آج نہ تو میں تمہاری فریاد کو پہنچ سکتا ہوں اور نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو۔ میں اس سے پہلے ہی بیزار ہوں کہ تم نے مجھے خدا کا شریک بنایا۔ بے شک جو لوگ نافرمان ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

وَإِطْفَاءِ أَنْوَارِ الدِّينِ الْجَلِيِّ

"تم لوگوں نے اللہ کے آشکار اور روشن دین کو خاموش کر دیا ہے"۔

جی ہاں! دینِ اسلام کی روشنیاں اور درخشندگیاں ہزاروں قسم کی ہیں کیونکہ لوگ دین کے توسل سے حق و حقیقت کو دریافت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے دین کے احکام و قوانین، دنیوی و اُخروی زندگی کی کامرانی کی ضمانت دیتے ہیں۔ یہی دینِ اسلام ہے جو روحانیت اور معنویت عطا کرتا ہے اور شرک و کفر کی تاریکیوں کو مٹا کر ہر طرف نورانی کرنیں بکھیرتا ہے۔

جی ہاں! یہ وہ لوگ ہیں جو ان انوار کو بجھانے کے لیے کوشاں ہیں۔

وَإِخْمَادُ سُنَنِ النَّبِيِّ الصَّفِيِّ

"جی ہاں! تم لوگوں نے رسول اللہ کی سنت وسیرت کو خاموش کر دیا ہے"۔

ایک اور نسخے میں ہے: إِهْمَادُ "اخماد" کا معنی بجھانا ہے اور "اھماد" کا معنی نابود کرنا ہے۔

آپ کے کلام کا مفہوم یہ ہے کہ اسلامی معاشرے میں رسول اللہ کی سیرت وسلوک سے جو روحانی ومعنوی ترقی کا سلسلہ قائم تھا اُسے تم نے روک دیا ہے۔ رسول اللہ کی عادلانہ روش سے جو نور و روشنی پھیل رہی تھی تم نے اس نور و روشنی کو بجھا دیا ہے۔

تُسِرُّونَ حَسْوًا فِي ارْتِغَاءٍ

یہ جملہ ایک ضرب المثل کی طرف اشارہ ہے کہ کہا گیا ہے کہ دودھ دھویا جا چکا تھا اور وہ برتن میں بھرا پڑا تھا۔ دودھ کے اُوپر جھاگ تھی کہ اس دوران ایک آدمی آیا۔ اُس نے جھاگ کھانے کے بہانے سارا دودھ پی لیا۔ یہ مثال وہاں پیش کی جاتی ہے جہاں دعویٰ کچھ اور ہوتا ہے اور عمل کچھ اور ہوتا ہے۔ یعنی اُس آدمی نے صرف دودھ کی جھاگ کھانے کی بات کی تھی۔ جھاگ کے بہانے چپکے سے دودھ پی گیا۔ ایسے مقامات پر یہ ضرب المثل بیان کی جاتی ہے:

فُلَانٌ يُسِرُّ حَسْوًا فِي ارْتِغَاءٍ

دختر فرزانہ کا اس جملے سے مقصود یہی تھا کہ اس گروہ نے جو دعویٰ کیا اُس پر عمل نہ کیا۔ اُنھوں نے دعویٰ کیا تھا کہ اُنھوں نے فتنہ کا دروازہ بند کیا ہے لیکن اُنھوں نے کوشش کی کہ آلِ محمدؐ کا دروازہ بند کر دیں اور اُن کا تعلق و علاقہ لوگوں سے قطع کر دیں۔

وَتَمْشُونَ لِأَهْلِهِ وَوَلَدِهِ فِي الْخَمَرِ وَالضَّرَاءِ

"اور رسول اللہ کے اہل بیتؑ کے لیے خفیہ صورت میں ایذا رسانی کرتے ہو"۔

ایک اور نسخے میں: فِي الْخَمَرِ وَالضَّرَاءِ کے کلمات ہیں۔

اس جملے کا مفہوم یہ ہے کہ تم لوگوں نے خاندانِ وحی و رسالت کو مخفی و ظاہری ہر دو صورتوں میں اذیت و آزار پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ تم نے انھیں اقتصادی طور پر کمزور کرنے کی کوشش کی۔ اُن کے رزق کے جتنے امکانات تھے اُنھیں بند کرنے کی کوشش کی تاکہ اُن کی طرف کوئی متوجہ نہ ہو۔

وَنَصْبِرُ مِنْكُمْ عَلَى مِثْلِ حَزِّ الْمُدَى

"تمھاری طرف سے برپا کردہ مصائب کی وجہ سے ہماری حالت اُس فرد کی سی ہے کہ جس کے جسم کو چھری سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا ہو، صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے"۔

وَوَخزِ السِّنَانِ فِی الْحَشَاءِ

"ہماری مثال اُس آدمی کی سی ہے کہ جس کے شکم میں نیزا گھونپ دیا گیا ہو، اس پر بھی صبر کیے ہوئے ہیں"۔

جی ہاں! آپؑ کا یہ موضوع اور آپؑ کے عمل کا موضوع آسان وسادہ نہیں ہے کہ جس سے غضِ بصر کیا جائے یا بات فراموش کردی جائے۔ بلکہ آپ لوگوں کا سلوک یاد رکھنے کے قابل ہے۔

وَاَنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ الْاٰنَ اَنْ لَا اِرْثَ لَنَا

"اب تمھارا یہ خیال ہے کہ ہمارا میراث میں حق نہیں ہے"۔

جی ہاں! اس قساوت اور حق کشی کے بعد آپ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ پیغمبر اکرم ﷺ کی میراث میں ہمارا حق نہیں ہے۔ اب اس وسیلہ سے اسلام کے روشن ترین اور اہم ترین مسائل سے انکار کرنے لگے ہو یعنی میراث جو قرآنِ مجید اور سنتِ رسولؐ سے ثابت ہے۔

أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ

ایک اور نسخے میں تَبْغُوْنَ کا کلمہ ہے۔ "کیا تم جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہو"۔

اس مقام پر بانوئے اسلام نے اپنی گفتگو کو قرآنِ مجید کی آیت کے ساتھ آمیختہ کرتے ہوئے فرمایا: تمھاری باتیں اسلام میں کہیں موجود نہیں ہیں۔ تم لوگوں پر حیرت ہے کہ تم زمانۂ جاہلیت کے احکام نافذ کرنا چاہتے ہو، جو خواہشاتِ نفس پر مبنی تھے۔ وہ بیٹیوں کو اِرث سے محروم کر دیتے تھے اور میراث کو صرف مردوں تک محدود رکھتے تھے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ

"جبکہ ایمان والوں کے لیے اللہ سے بہتر کوئی حاکم نہیں ہے"۔

یہ وہ دوسری آیت ہے جو حضرت سیدہ زہراؑ نے تلاوت فرمائی۔

آپؑ نے فرمایا: کیا اہلِ ایمان ویقین کے نزدیک کوئی قانون اور حکم ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے احسن ہو؟

کیا دینِ اسلام نے زمانۂ جاہلیت کے رسم و رواج کو ختم نہیں کر دیا ہے؟

کیا ان دونوں کو بندۂ خدا اور اولادِ پدر و مادر قرار نہیں دیا ہے؟

کیا تم لوگ ان اُمور کو نہیں جانتے ہو؟

بَلْ تَجَلّٰی لَکُمْ کَالشَّمْسِ الضَّاحِیَۃِ اَنِّیْ اِبْنَتُہٗ

"جی ہاں! تم بالکل اس طرح جانتے ہو جیسے نُورِ خورشید کو جو تم پر روشن ہے کہ میں پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دختر ہوں"۔

واقعی تم مجھے اس طرح نبی کی دختر جانتے ہو جس طرح سورج نصف النہار میں آسمان پر تابان ہو نہ کوئی بادل ہوں اور نہ گرد وغبار و دُھند ہو۔ میرا نبی اکرمؐ کی دختر ہونا تمھارے ہاں ہر طرح سے ثابت ہے۔ یہ بات قطعی اور یقینی ہے

اَفَلَا تَعْلَمُوْنَ؟

"کیا تم لوگ ان اُمور اور حقائق کو نہیں جانتے؟ کیا تمھیں معلوم نہیں ہے کہ میں نبیؐ کی بیٹی ہوں؟"

اَیُّھَا الْمُسْلِمُوْنَ

"اے حاضرین کرام! اے سامعین کرام! تم سبھی لوگ میرا خطاب سن رہے ہو۔ اے وہ لوگو کہ جنھوں نے خلیفہ بنایا ہے!

اے اُمت محمدؐ! میں ہی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی ہوں۔ میں ہی رسولؐ اسلام کی بیٹی ہوں۔

اَغْلَبُ عَلٰی اِرْثِیَہْ

"کیا تم لوگ میری میراث اور میرے حق پر غلبہ پالو گے؟ اور مجھے میرا حق نہیں ملے گا؟"

ایک اور نسخے میں ہے: اَبْتَزُّ اِرْثَ اَبِیَہْ۔

اس کا معنی یہ ہے کہ کیا تم لوگ میرے باپ کی میراث مجھ سے چھین لو گے۔ کہا گیا ہے کہ اَبِیَہْ کے آخر میں جو "ہا" ہے وہ وقف وسکون کے لیے ہے۔

ملکوتی خطبے کا پانچواں دور

يَا بْنَ فُلان أَفِي كِتَابِ اللهِ أَنْ تَرِثَ أَبَاكَ، وَلا أَرِثَ مِنْ أَبِي لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا فَرِيًّا ۔

اَفَعَلى عَمدٍ تَرَكْتُمْ كِتَابَ اللهِ ، وَنَبَذْتُمُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ ، اِذْ يَقُولُ: وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ ، وَقَالَ فِيمَا اقْتَصَّ مِنْ خَبَرِ يَحْيَى بْنِ زَكَرِيَّا عليهما السلام ۔ اِذْ قَالَ: ﴿فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ ۔

وَقَالَ: ﴿وَأُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللهِ ۔

وَقَالَ: يُوصِيكُمُ اللهُ فِي اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۔

وَقَالَ: اِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۔

وَزَعَمْتُمْ اَنْ لَا حُظْوَةَ لِي، وَلَا اِرْثَ مِنْ أَبِي وَلَا رَحِمَ بَيْنَنَا !

أَفَخَصَّكُمُ اللهُ بِآيَةٍ أَخْرَجَ مِنْهَا أَبِي؟ أَمْ هَلْ تَقُولُونَ اِنَّ أَهْلَ مِلَّتَيْنِ لَا يَتَوَارَثَانِ وَلَسْتُ أَنَا وَأَبِي مِنْ أَهْلِ مِلَّةٍ وَاحِدَةٍ؟! أَمْ أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِخُصُوصِ الْقُرْآنِ وَعُمُومِهِ مِنْ أَبِي وَابْنِ عَمِّي؟

فَدُونَكَهَا مَخْطُومَةً مَرْحُولَةً تَلْقَاكَ يَوْمَ حَشْرِكَ ، فَنِعْمَ الْحَكَمُ اللهُ، وَالزَّعِيمُ مُحَمَّدٌ ، وَالْمَوْعِدُ الْقِيَامَةُ، وَعِنْدَ السَّاعَةِ يَخْسَرُ الْمُبْطِلُونَ وَلَا يَنْفَعُكُمْ اِذْ تَنْدَمُونَ ۔

﴿وَلِكُلِّ نَبَإٍ مُسْتَقَرٌّ وَسَوْفَ تَعْلَمُونَ﴾

مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُقِيمٌ ۔

ثُمَّ رَمَتْ بِطَرْفِهَا نَحْوَ الْاَنْصَارِ فَقَالَتْ:

يَا مَعْشَرَ الْفِتْيَةِ ، وَأَعْضَادَ الْمِلَّةِ ، وَأَنْصَارَ الْاِسْلَامِ! مَا هٰذِهِ الْغَمِيزَةُ فِي حَقِّي؟ وَالسِّنَةُ عَنْ ظُلَامَتِي؟

أَمَا كَانَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أَبِي يَقُولُ: ﴿اَلْمَرْءُ يُحْفَظُ فِي وُلْدِهِ؟﴾

سَرْعَانَ مَا أَحْدَثْتُمْ، وَعَجْلَانَ ذَا إِهَالَةً، وَلَكُمْ طَاقَةٌ بِمَا أُحَاوِلُ، وَقُوَّةٌ عَلَى مَا أَطْلُبُ وَأُزَاوِلُ!

أَتَقُولُونَ مَاتَ مُحَمَّدٌ صلى الله عليه وآله وسلم؟ فَخَطْبٌ جَلِيلٌ اسْتَوْسَعَ وَهْيُهُ، وَاسْتَنْهَرَ فَتْقُهُ، وَانْفَتَقَ رَتْقُهُ، وَأَظْلَمَتِ الْأَرْضُ لِغَيْبَتِهِ، وَكُسِفَتِ النُّجُومُ لِمُصِيبَتِهِ، وَأَكْدَتِ الْآمَالُ، وَخَشَعَتِ الْجِبَالُ، وَأُضِيعَ الْحَرِيمُ، وَأُزِيلَتِ الْحُرْمَةُ عِنْدَ مَمَاتِهِ۔

فَتِلْكَ وَاللهِ النَّازِلَةُ الْكُبْرَى، وَالْمُصِيبَةُ الْعُظْمَى، لَا مِثْلُهَا نَازِلَةٌ وَلَا بَائِقَةٌ عَاجِلَةٌ أَعْلَنَ بِهَا كِتَابُ اللهِ۔ جَلَّ ثَنَاؤُهُ۔ فِي أَفْنِيَتِكُمْ فِي مُمْسَاكُمْ وَمُصْبِحِكُمْ هُتَافًا وَصُرَاخًا وَتِلَاوَةً وَإِلْحَانًا، وَلَقَبْلَهُ مَا حَلَّ بِأَنْبِيَاءِ اللهِ وَرُسُلِهِ، حُكْمٌ فَصْلٌ وَقَضَاءٌ حَتْمٌ۔

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللهُ الشَّاكِرِينَ۔

"اے فلاں..... کیا مجھے اپنے والد کی میراث نہیں ملے گی؟ کیا اللہ کے قرآن میں یہی ہے کہ آپ اپنے باپ کے وارث بنیں اور میں اپنے باپ کی وارث نہ بنوں؟

یہ کیسا افتراء ہے؟ کیا آپ نے جان بوجھ کر کتاب اللہ کو پسِ پشت ڈال دیا ہے جب کہ اس میں حضرت داؤدؑ کے وارث حضرت سلیمانؑ کا تذکرہ ہے اور حضرت زکریاؑ کی یہ دُعا ہے کہ خدایا! مجھے ایسا ولی دے جو میرا اور آلِ یعقوبؑ کا وارث ہو۔ اور یہ اعلان ہے کہ قرابت دار بعض بعض سے اَولیٰ ہیں؟

اور یہ ارشادِ خداوندی ہے کہ اللہ اولاد کے بارے میں تمھیں نصیحت کرتا ہے کہ لڑکے کو لڑکی سے دوگنا ملے گا اور یہ تعلیم ہے کہ مرنے والا اپنے والدین اور اقرباء کے لیے وصیت کرے؟ یہ متقین کی ذمہ داری ہے اور تمھارا خیال ہے کہ نہ میرا کوئی حق ہے نہ میرے والد کی میراث ہے اور نہ میری کوئی قرابت داری ہے۔

کیا تم پر کوئی خاص آیت نازل ہوئی ہے کہ جس میں میرا باپ شامل نہیں ہے؟ یا تمھارا یہ کہنا ہے کہ میں اپنے باپ کے مذہب سے الگ ہوں اس لیے اُن کی وارث نہیں ہوں؟ کیا تم قرآنِ مجید کے عام و خاص کو میرے باپ اور میرے ابنِ عم سے زیادہ جانتے ہو؟

خیر ہوشیار رہیے! آج آپ کے سامنے وہ ستم رسیدہ ہے جو کل تم سے قیامت کے دن ملے گی جب اللہ حاکم ہوں گے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طالبِ حق ہوں گے۔

وعدہ گاہ قیامت کا دن ہوگا اور ندامت کسی کے کام نہ آئے گی اور ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے۔ عنقریب آپ جان لیں گے کہ کس کے پاس رُسوا کن عذاب آتا ہے اور کس پر مصیبت نازل ہوتی ہے۔

(اس کے بعد آپؑ انصار کی طرف متوجہ ہوئیں اور فرمایا:)

اے جواں مرد گروہ! اے ملت کے قوتِ بازو! اے اسلام کے انصار!

یہ میرے حق میں چشم پوشی اور میری ہمدردی سے غفلت کیسی ہے؟ کیا وہ رسولؐ اللہ میرے والد نہ تھے کہ جنھوں نے یہ فرمایا تھا کہ انسان کا تحفظ اُن کی اولاد میں ہوتا ہے۔ تم نے بہت جلدی خوفزدہ ہوکر یہ اِقدام کیا حالانکہ تم میں وہ حق والوں کی طاقت تھی جس کے لیے میں حیران اور پریشان ہوں۔ کیا تمھارا یہ بہانہ ہے کہ رسولؐ اللہ کا انتقال ہوگیا ہے تو بہت بڑا حادثہ رُونما ہوگیا ہے۔ جس کا رخنہ وسیع، شگاف کشادہ اور اِتصال شگافتہ ہوگیا ہے۔ زمین اُن کی غیبت سے تاریک، ستارے بے نُور، اُمیدیں ساکن، پہاڑ سرنگوں، حریم زائل اور حرمت برباد ہوکر رہ گئی ہے۔

یقیناً یہ بہت بڑا حادثہ اور بڑی عظیم مصیبت ہے۔ نہ ایسا کوئی حادثہ ہے اور نہ سانحہ۔ خود قرآنِ مجید نے تمھارے گھروں میں صبح و شام بلند آواز کے ساتھ تلاوت و اِلحان کے ساتھ اعلان کردیا تھا کہ اُس سے پہلے جو کچھ دوسرے انبیاءؑ پر گزرا وہ حکم اَٹل اور حتمی قضا تھی اور یہ بھی ایک رسولؐ ہیں جنھیں موت آئے گی تو کیا تم اُن کے بعد اُلٹے پاؤں پلٹ جاؤ گے۔ ظاہر ہے کہ اس سے اللہ کا کوئی نقصان نہیں ہوگا اور وہ اہلِ شکر کو جزا دے کر رہے گا"۔

توضیح وتشریح خطبہ

ظلم و استبداد کے ماحول کو رحم و مہربانی کی نسیم سحری سے بدلنے والے عظیم الشان پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دختر نے بھرپور جوش و ولولے کے ساتھ اپنے خطاب کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

یَا ابنَ..... سیّدہ عالمؑ نے حکومت سے مخاطب ہوتے وقت اُسے اُس کی کنیت سے بھی خطاب نہ کیا، نہ اس کا نام لیا اور نہ اُس کے کسی عہدے کی بات کی۔

أَفِیْ کِتَابِ اللّٰہِ اَنْ تَرِثَ اَبَاکَ وَلَا اَرِثَ اَبِیْ

"کیا اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے کہ آپ اپنے باپ کے وارث بنیں اور میں اپنے باپ کی وارث نہ بنوں؟"

وہ کون سا قانون و آئین ہے جب آپ کے والد فوت ہوں تو آپ اُن کی میراث پائیں اور جب میرے والد کی رحلت ہو تو میں اُن کی وارث نہ بنوں؟ کیا آپ میرے والد ارجمند کی میراث کتاب اللہ کے قوانین کے ذریعے مجھ سے غصب کرنا چاہتے ہیں؟

وَلَقَدْ جِئْتَ شَیْئًا فَرِیًّا

"یہ کیسا افتراء ہے؟ اگر آپ ایسا کر رہے ہیں تو یہ افتراء عظیم ہے اور قرآنِ مجید کی خلاف ورزی ہے"۔

ہم نے گزشتہ صفحات میں تفصیلاً بحث کی ہے کہ حضرت فاطمہ زہراؑ جاگیر فدک کی اَز راہِ ہبہ اور اَز راہِ ارث مالکہ تھیں۔ جب حکومت نے آپؑ کی جاگیر پر قبضہ کر لیا تو آپؑ نے اپنی جاگیر کا مطالبہ کیا۔ حکومت نے آپؑ سے گواہ طلب کیے۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ آپ پڑھ چکے ہیں۔

اب عالمہ قرآن و حدیث نے اپنا حق بطور ارث ثابت کیا اور حکومت سے طلب کیا۔

اَفَعَلٰی عَمْدٍ تَرَکْتُمْ کِتَابَ اللّٰہِ، وَنَبَذْتُمُوْہُ وَرَاءَ ظُھُوْرِکُمْ

"کیا آپ نے جان بوجھ کر کتاب اللہ کو پسِ پشت ڈال دیا ہے؟ کیا یہ قرآن شریف نہیں ہے جو آپ کی دسترس میں ہے؟ قرآن کی اساس پر کیوں عمل نہیں کر رہے ہو اور اُس کے اَوامر کو کیوں پسِ پشت ڈال رہے ہو؟"

اِذْ یَقُوْلُ: وَوَرِثَ سُلَیْمَانُ دَاوُدَ (سورۂ نمل: آیت ۱۶)

"کیا یہ آیت کریمہ پیغمبرانِ گرامیؑ کی میراث کو صراحت کے ساتھ بیان نہیں کر رہی ہے؟ کیا حضرت سلیمانؑ اور حضرت داؤدؑ اللہ تعالیٰ کے نبی نہیں تھے؟"

سیّدہ نساء العالمین بخوبی اس آیت کے مفہوم سے واقف تھیں کہ یہ آیت قانونِ توارث پر مبنی ہے اور اس میں

انبیاء علیہم السلام کی میراث کی وضاحت ہے۔ حکومت اور حاضرین مسجد بھی اس آیت کا مفہوم و معنی جانتے تھے کہ آیت کریمہ مالی میراث کا پیغام رکھتی ہے اور اس حقیقت کو بیان کر رہی ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے اپنے والد حضرت داؤدؑ سے وراثت پائی تھی۔ یہ آیت اس مفہوم کے علاوہ کوئی دوسرا مفہوم نہیں رکھتی۔ اور یہی مفہوم ایک دوسری آیت پیش کرتی ہے جو حضرت زکریاؑ کی داستان میں ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا تھا:

فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا يَرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوْبَ (سورۂ مریم: آیت ۵-۶)

"مجھے اپنی بارگاہ سے فرزند عطا فرما جو میرا اور آلِ یعقوبؑ کا وارث ہو"۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے خداوند تعالیٰ سے دعا مانگی تھی کہ وہ اُنھیں بیٹا عطا فرمائے جو اُن کے مال کا وارث ہو۔

جی ہاں! پیغمبرانِ گرامیؑ اور عوام کی میراث کے بارے میں قرآنی موقف یہی ہے کہ قانونِ توارث میں انبیاءؑ اور غیر انبیاءؑ سب برابر ہیں۔

مرورِ زمانہ کے ساتھ حکومت کے مدافعین نے ان دونوں آیات کی تفسیر کرتے ہوئے کہا کہ حضرت سلیمانؑ اپنے والد حضرت داؤدؑ کے علم کے وارث ہوئے نہ کہ مال کے۔ اس طرح حضرت زکریاؑ کی دُعا میں "ولی" کا ذکر ہے۔ نبیؑ نے اپنا ولی اور اپنے علم کے ورثے کے لیے مانگا تھا نہ کہ مال کے ورثے کے لیے۔

ایسی تفسیر اُن لوگوں نے کی کہ جنھیں اُس حکومتِ وقت کی تائید مقصود تھی کہ جس حکومت نے دُخترِ پیغمبرؐ کے حقوق و اموال کو ضبط کر لیا تھا۔

ان آیات کریمہ کے ماحول میں ہمیں بھی حق حاصل ہے کہ بحث کریں۔ اُمید ہے کہ ہم اپنے مطلوب کو ثابت کر لیں گے۔

(۱) لفظ "ارث اور میراث" اَز راہِ شریعت و عرف اور لغت مال و متاع میں استعمال ہوتے ہیں۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ فلاں فلاں کا وارث ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ وہ آدمی مال کا وارث ہوتا ہے، علم و معرفت کا وارث نہیں ہے۔ ہاں جب قرینہ موجود ہو یعنی وہ دلیل جو ورثۂ علم و معرفت پر دلالت کرے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ (سورۂ غافر: آیت ۵۳)

"اور ہم نے بنو اسرائیل کو کتاب کا وارث بنایا"۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا..... (سورۂ فاطر: آیت ۳۲)

"پھر ہم نے اپنے برگزیدہ بندوں کو کتاب کا وارث بنایا"۔

ان دونوں آیات میں قرائن موجود ہیں کہ یہاں میراث سے مراد علمی میراث ہے لیکن اس آیت وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ بلاشک وریب مادی و دُنیوی اَموال پر دلالت کرتی ہے۔ علمی ومعنوی اور اَخلاقی ورثے پر دلالت نہیں کرتی، کیونکہ حضرت سلیمانؑ اپنے والد حضرت داؤدؑ کی زندگی میں ہی نبی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جنابِ سلیمانؑ کا اُس قصے میں ذکر فرمایا ہے کہ جب ایک قوم کے گوسفندوں کے ریوڑ نے ایک کھیت کی فصل کو اپنی غذا بنا لیا تھا۔

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا (سورۂ انبیاء: آیت ۷۹)

"تو ہم نے سلیمانؑ کو اس کا صحیح فیصلہ سمجھا دیا اور یوں سب کو ہم ہی نے فہم سلیم اور علم عطا کیا"۔

علامہ زمخشری نے اپنی تفسیر کشاف میں اس آیت کریمہ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا کہ روایت میں آیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے دمشق اور نصیبین کے لوگوں سے جنگ کی اور اُنھیں اس جنگ میں ایک ہزار گھوڑے غنیمت میں حاصل ہوئے تھے۔

یہ روایت بھی ہے کہ آپؑ نے یہ گھوڑے اپنے والد کی میراث میں پائے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ گھوڑے عمالقہ کی جنگ میں بطورِ مالِ غنیمت حاصل کیے تھے۔

اے قاریٔ عزیز! آپ نے یہ حقیقت پا لی ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے یہ گھوڑے میراث میں پائے تھے۔ علاوہ ازیں حضرت داؤد علیہ السلام نے وقتِ رحلت جس قدر دنیوی مال ومتاع چھوڑا حضرت سلیمانؑ اُس مال کے وارث ہوئے۔ ان دو آیتوں سے یہ ثابت ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے والد گرامی کے علم و دانش و رسالت کے وارث نہیں ہوئے تھے کیونکہ حضرت سلیمانؑ اپنے والد کی زندگی میں پیغمبر تھے جس طرح حضرت ہارونؑ اپنے برادر حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں نبیؑ تھے۔

اِس واقعیت وحقیقت سے یہ بات روشن ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے والد گرامی حضرت داؤدؑ سے میراث میں مال وثروت پایا تھا حالانکہ دونوں اللہ تعالیٰ کے نبیؑ تھے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی دُعا جو قرآنِ مجید میں موجود ہے:

فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا يَّرِثُنِيْ.....

طرفدارانِ حکومت نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنی دُعا میں بارگاہِ خداوندی میں

یہ عرض کیا تھا کہ مجھے وہ فرزند عطا فرما جو میری رسالت و دانش کا وارث ہو۔

ان مفسرین کی یہ کوشش رہی کہ وہ یہ ثابت کریں کہ انبیاءؑ کی وراثت نہیں ہوتی لیکن آیت کریمہ خود اِس حقیقت کو کشف کرتی ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی مراد کیا تھی؟ اُنھوں نے اپنی دُعا میں فرمایا تھا:

وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا

"اے میرے پروردگار! اُنھیں شائستہ و پسندیدہ بنا"۔

جی ہاں! اس آیت کریمہ کا پیغام یہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی دُعا یہ نہ تھی کہ مجھے وہ فرزند چاہیے کہ جسے ورثے میں رسالت ملے۔ اگر اس آیت کا یہ معنی کیا جائے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ایسے فرزند کا سوال کیا تھا جو اُن کی رسالت کا وارث ہو اور وہ اللہ کے نزدیک شائستہ و پسندیدہ ہو۔ ایسی دُعا تو ایک بے معنی سی دُعا ہے کہ جس طرح کوئی آدمی بارگاہِ خداوندی میں دُعا مانگے:

"اے پروردگار! مجھے پیغمبر بیٹا عطا فرما جو صاحبِ عقل و دانش ہو اور اُس کے اَخلاق تیرے نزدیک پسندیدہ ہوں"۔

یہ بات روشن ہے کہ ایسی دُعا تو ایک بے معنی سی دُعا ہے، ایسی دُعا لغو اور عبث ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام جیسے عظیم پیغمبرؑ کی شان کے خلاف ہے کہ وہ ایسی دعا مانگیں کہ اللہ تعالیٰ اُنھیں ایسا بیٹا عطا کرے، جو اُن کی رسالت کا وارث ہو اور پھر بارگاہِ خداوندی میں عرض گزار ہوں کہ اُس کے اَخلاق و رفتار خدا پسندانہ بنانا ہوں۔ حالانکہ آپ بخوبی جانتے ہیں کہ منصبِ رسالت ایک عظیم الشان معنوی و روحانی منصب ہے کیونکہ ایک پیغمبرؑ انسانیت کی تمام خوبیوں کا پیکر ہوتا ہے۔ وہ سیرت و سلوک میں ایک اَرفع و اعلیٰ مقام کا مالک ہوتا ہے۔

اس بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں فرزند کی درخواست اس لیے کی تھی کہ وہ ان کے اَموال و اِملاک کا وارث بنے۔

علامہ فخر الدین رازی نے ان دونوں آیات کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ان آیات سے مراد مال و ثروت ہے نہ کہ علم و دانش اور معنوی اُمور مراد ہیں۔

مفسرین نے حضرت زکریا علیہ السلام کی "دُعا" کے بارے میں کچھ نکات بیان کیے ہیں۔ ہم یہاں اُنھیں مختصر صورت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں اور یہ نکات ہماری بحث میں مزید توانائی پیدا کریں گے۔

علامہ طبری نے تفسیر مجمع البیان میں اس آیت شریفہ کے ذیل میں لکھا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو اپنی رحلت

کے بعد اپنے چچازاد بھائیوں سے خوف تھا اس لیے اُنھوں نے بارگاہِ خداوندی میں ایسے فرزند کی دُعا مانگی تھی جو شائستہ و پسندیدہ ہو اور وہ اُن کے مال و اَملاک کا وارث ہو۔(مجمع البیان، ج۸، ص ۵۵۵)

ہمارے اس موقف کی یہ آیت کریمہ تائید کرتی ہے۔

وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ (سورۂ مریم: آیت ۵)

"اور میں اپنی وفات کے بعد اپنے وارثوں سے سہما جاتا ہوں"۔

اُن کا بارگاہِ خداوندی میں یہ تقاضا خوف و ہراس کے لیے تھا۔ یہ خوف و ہراس اس لیے تھا کہ کہیں ان کا مال ناشائستہ لوگوں کے ہاتھوں میں نہ آجائے کہ جب اُن کا بیٹا نہیں ہوگا تو اُن کی میراث اُن کے چچازاد بھائیوں کے ہاتھوں میں چلی جائے گی نہ کہ ان کی رسالت وعلم و دانش اَز راہِ میراث اُن کے چچازاد بھائیوں کو منتقل ہوجائے گی۔ اگر رسالت والی میراث کا انتقال ممکن ہوتا تو حضرت زکریاعلیہ السلام کو ایسی وراثت کے انتقال کا کوئی خوف نہ ہوتا، بلکہ اُن کے لیے شادمانی کا سبب ہوتا۔

علاوہ ازیں حضرت زکریاعلیہ السلام اچھی طرح سے جانتے تھے کہ خداوند تعالیٰ اپنی رسالت و وحی اُسے قطعاً عطا ہی نہیں کرتا کہ جس میں شائستگی و اہلیت نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اُنھیں علم و دانش کی ترویج ہی کے لیے بھیجا تھا تو اُنھیں اس اَمر کا کیوں خوف ہوتا کہ اُن کے تعلق دار اُن کی نبوت و رسالت کے وارث بن جائیں گے، کیونکہ اُن کی غرضِ بعثت یہی تھی کہ معاشرے میں اللہ کا پیغام پہنچے۔ کیا اس طرح کی سوچ و فکر اور خوف و وحی و رسالت کے منصب کے لیے موزوں ہے؟

اگر اس آیت شریفہ کا مفہوم مالِ دنیا ہی ہو تو پھر صاحبِ نبوت و رسالت کی طرف بخل کی نسبت جاتی ہے کہ اُنھوں نے اللہ تعالیٰ سے بیٹے کی دعا اس لیے ہی مانگی تھی کہ اُنھیں اپنے مال کا خوف تھا کہ وہ مال دوسرے ہاتھوں میں چلا جائے گا۔ جب بیٹا ہوگا تو اُن کا مال محفوظ ہوجائے گا۔

اس فکر وسوچ کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ ہم خدا کی پناہ چاہتے ہیں کہ دو نظریے ایک جگہ پر اکٹھے ہوگئے ہیں جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ رزق و روزی مومن کو بھی مل رہا ہے اور کافر کو بھی، نیک و صالح بھی روزی کھا رہا ہے اور طالح بھی۔ سبھی موجودات کے ساتھ ہر قسم کا انسان روزی و رزق حاصل کرتا ہے۔ اس مقام پر اگر حضرت زکریاعلیہ السلام کے خوف کی وجہ یہ تھی کہ مال و ثروت فاسد لوگوں کے ہاتھوں میں آجائے گا تو پھر اُن کی حیرانی و پریشانی اپنے مقام پر موزوں و درست ہے اور یہ ان کی فرزانگی اور احساسِ مسئولیت کی دلیل ہے اور اُن کا یہ موقف تحسین آمیز ہے کیونکہ

فاسد اور مفسد لوگوں کی اُن کے افعال فاسدہ میں نصرت و یاری دین و عقل کے اعتبار سے محکوم و مردود ہے۔ اب بھی اگر کوئی حضرت زکریاعلیہ السلام کی طرف بخل کی نسبت دے تو اس کا یہ کام غیر عاقلانہ اور غیر منصفانہ ہوگا۔

حضرت زکریاعلیہ السلام کے اس فرمان: وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ (سورۂ مریم: آیت ۵) "اور میں اپنی وفات کے بعد اپنے وارثوں سے سہما جاتا ہوں" سے ان کی عمیق مسئولیت کا اندازہ ہوتا ہے، کیونکہ آپؑ اپنے پسماندگان کو خوب جانتے تھے کہ وہ کن صفات و اَفعال کے مالک ہیں، اُن کے اَخلاق اچھے نہ تھے اس لیے آپ نے اپنے خوف کا اظہار فرمایا اور بارگاہِ خداوندی سے فرزند ارجمند کی درخواست کی تھی۔

تمام مفسرین کی آراء سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ پیش کردہ آیات جو حضرت سلیمانؑ اور حضرت زکریاؑ سے مربوط ہیں۔ ان دونوں آیات سے مالی ثروت ہی مراد ہے۔ یہ دونوں آیات اپنے دامن میں قانونِ توارث کا پیام رکھتی ہیں کہ انبیاءؑ بھی عام لوگوں کی طرح میراث رکھتے تھے اور اُن کی رحلت کے بعد اُن کی میراث ان کی اولاد کی طرف منتقل ہوتی تھی۔

اِس مورد میں قرآنِ مجید فرماتا ہے:

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ (سورۂ انفال: آیت ۷۵)

"اور صاحبانِ قرابت خدا کی کتاب میں باہم ایک دوسرے کے (بہ نسبت) اوروں کے زیادہ حق دار ہیں"۔

اللہ تعالیٰ نے اِس آیت میں اَرحام و اَقارب کے درمیان توارث کی عمومیت کی وضاحت فرمائی ہے:

یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ فِیْۤ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ (سورۂ نساء: آیت ۱۱)

"خدا تمھاری اولاد کے حق میں وصیت کرتا ہے کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے"۔

خداوند تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں یہ پیغام دیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی فوت ہو جائے تو بیٹے کو دو بیٹیوں کے برابر حصہ ملے گا۔

اس آیت میں تمام اہلِ اسلام کے لیے بھی پیغام ہے، چاہے عوام ہیں یا خواص، پیغمبرانِ گرامیؑ ہیں یا آئمہ طاہرینؑ، کیونکہ اس آیت میں پیامِ توارث کی عمومیت کو بیان کیا گیا ہے۔ اس میں کسی کی تخصیص نہیں ہے۔ یہ قانون کلّی ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

اِنْ تَرَكَ خَیْرَا ِۨالْوَصِیَّةُ لِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَی الْمُتَّقِیْنَ

"بشرطیکہ وہ مال چھوڑ جائے تو والدین اور قرابت داروں کے لیے اچھی وصیت کرے جو خدا سے ڈرتے ہیں ان پر یہ حق ہے"۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۱۸۰)

اس آیت کریمہ کا واضح پیام ہے کہ اگر تم میں سے کوئی فوت ہوجائے اور مال وثروت چھوڑ جائے تو قانونِ وراثت کے مطابق عمل کریں۔ یہ تیسری آیت ہے کہ جس میں میراث کی عمومیت کو بیان کیا گیا ہے کہ کہیں بھی پیغمبرانِ گرامیؑ کو وراثت سے مستثنیٰ نہیں کیا گیا اور نہ کہیں اُن کی میراث کی نفی کی گئی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ قانونِ ارث عمومی ہے، جو کائنات کے تمام افراد پر برابر جاری وساری ہے۔

جی ہاں یہ ایک عظیم مصیبت ہے

وَزَعَمْتُمْ اَنْ لَا حِظْوَةَ لِيْ وَلَا اِرْثَ مِنْ اَبِيْ

"اور تمھارا یہ خیال ہے کہ میرا کوئی حق ہے اور نہ میرے والد کی کوئی میراث ہے اور نہ ہی میری کوئی قرابت داری ہے"۔

آپ لوگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ نہ میری کوئی میراث ہے اور نہ میری کوئی قرابت ہے۔ آپ کے گمان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور میرے درمیان نہ قربت ہے اور نہ رحمی رشتہ ہے۔ میرے اور اُن کے درمیان جو وراثت ثابت ہے اُس سے انکار کردیا گیا ہے۔ اس طرح ہر تعلق وعلاقہ جو میرے اور میرے والد کے درمیان ہے سبھی سے انکار کردیا ہے۔

أَفَخَصَّكُمُ اللّٰهُ بِاٰيَةٍ اَخْرَجَ مِنْهَا اَبِيْ

"کیا آپ پر کوئی خاص آیت نازل ہوئی ہے کہ جس میں میرے والد شامل نہیں ہیں"۔

ایک اور نسخے میں ہے:

اَفَحَكَمَ اللّٰهُ بِاٰيَةٍ

قرآنِ مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آیات جو ارث پر مبنی ہیں وہ عام ہیں اور تمام مسلمانوں کو شامل ہیں۔ ریحانہ پیغمبرؐ نے فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ نے آیاتِ میراث سے میرے والد گرامی کو مستثنیٰ کیا ہے۔ نبی اور اُن کے اہلِ بیتؑ کے درمیان وراثت نہیں ہے؟

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اَهْلَ مِلَّتَيْنِ لَا يَتَوَارَثَانِ؟

"یا تم یہ کہتے ہو کہ ملتوں کے پیروکاروں میں سے ایک دوسرے کا وارث نہیں بن سکتا"۔ یعنی

کافر مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا۔

اَوْ لَسْتُ اَنَا وَ اَبِیْ مِنْ اَھْلِ مِلَّۃٍ وَاحِدَۃٍ

''کیا میں اور میرے والد گراں قدر ایک دین و آئین کے پیروکار نہیں ہیں؟''

کیا آپ لوگوں کو میرے ایمان و اسلام میں شک ہے؟ کیا میں شریعت حضرت محمدؐ پر ایمان نہیں رکھتی؟

اے! وائے! اس عظیم مصیبت پر، یہ ایک عظیم فاجعہ اور ایک عظیم مصیبت ہے۔

کتنے بڑے تعجب و حیرانی کا مقام ہے۔ بضعۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی مقدس زبان پر ایسے درد و سوز بھرے الفاظ جاری کریں اور کائنات پر بھاری استدلالی و منطقی گفتگو کریں اور قوم متاثر نہ ہو۔ آخر سوختہ دل کے ساتھ زبان پر اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے؟

اَمْ اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِخُصُوْصِ الْقُرْاٰنِ وَعُمُوْمِہٖ مِنْ اَبِیْ وَ ابْنِ عَمِّیْ

''یا آپ لوگ میرے والد گرامی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور میرے شوہر نامدار سے قرآنِ مجید کے عموم و خصوص زیادہ جانتے ہو؟''

واقعیت یہ ہے کہ آیاتِ ارث عام ہیں۔ اُن میں کسی کے لیے استثنا اور تخصیص نہیں ہے۔ یہ قانونِ توارث تمام مسلمانوں کو شامل ہے۔ اگر ان آیات میں پیغمبر گرامیؐ کے لیے تخصیص ہوتی تو آپؐ یقیناً آگاہ ہوتے اور اس تخصیص سے اپنی دُخترِ یگانہ کو آگاہ کرتے۔ دنیا جانتی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی کوئی بات نہ اپنی بیٹی سے کہی اور نہ کسی دوسرے فرد سے کہی۔

کیا کہا؟ یہ عاقلانہ اور منطقی بات ہے کہ وہ رسولؐ جو اپنی دُختر کو اپنی جان سے زیادہ پیار رکھتے تھے اُنھیں اپنی دُختر سے مثالی محبت تھی۔ جب بھی وحی نازل ہوتی اُس وحیِ الٰہیہ سے اپنی دُختر کو آگاہ فرماتے تھے۔ آپؐ کے لیے ایک خاص حکم نازل ہو جو صرف اُن سے اور اُن کی دُختر سے متعلق ہو اور آپؐ اُنھیں آگاہ نہ کریں، کیونکہ آپؐ کی شرعی ذمہ داری تھی کہ آپؐ اپنی بیٹی کو بتا دیتے کہ اُن کی رحلت کے بعد وہ وراثت کا حق نہیں رکھتیں۔ آپؐ ظاہر و باہر فرما دیتے کہ میری وفات کے بعد آپؑ میری میراث کا حق نہیں رکھیں گی۔

اس لیے شفیعۂ محشر نے فرمایا: ''کیا تم لوگ قرآنِ مجید اور اس کی آیاتِ خاصہ اور عامہ کے میرے والد گرامیؐ سے زیادہ عالم ہو''۔ یہ اللہ کا قرآن تو میرے بابا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلبِ اقدس پر نازل ہوا تھا یا تم لوگ میرے چچا کے فرزند امام علیؑ ابن ابی طالبؑ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کے شہر کے باب ہیں سے قرآنِ مجید کو زیادہ جانتے ہو؟''

اگر بات یہ ہوتی کہ میں اپنے والد ماجد کے حق کی مالکہ نہیں ہوں تو مجھے میرے شوہر آگاہ کر دیتے اور مجھے حکم نہ دیتے کہ میں مسجد میں حاضر ہو کر اپنے حقوق کا مطالبہ کروں اور اپنے والد رسولؐ اللہ کی میراث طلب کروں"۔

جی ہاں! اس مسئلہ کے جتنے پہلو ہیں اور انسان جس قدر مختلف زاویوں سے اس مسئلہ کو دیکھنے کی کوشش کرے تو وہ اس نتیجے پر پہنچے گا کہ یہ ایک سیاسی مسئلہ تھا نہ کہ دینی۔ یہ ایک حکومت کا طریقہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل کو اقتصادی اور معاشی طور پر کمزور کر دیا جائے۔

فَدُوْنَكَهَا مَخْطُوْمَةً مَرْحُوْلَةً

اس جملے سے قبل آپؑ کی گفتگو جملہ حاضرین مسجد سے تھی۔ اس جملے میں آپؑ نے اپنی گفتگو کا مرکز حکومت کو بنایا۔ آپؑ نے فرمایا: فَدُوْنَكَهَا یعنی فدک کی جاگیر لے لیجیے۔

ریحانۂ نبوت نے فدک کو اُس ناقہ سے تشبیہ دی ہے جو مہار شدہ ہو اور اُس پر پالان کس دیا گیا ہو اور سواری کے لیے تیار ہو۔

خاتونِ جنت نے "رحل" کا لفظ استعمال کیا، جس کا معنی "زین" ہے جو گھوڑے پر رکھا جاتا ہے۔ "حطام" کا معنی مہار ہے۔

اس جملے کا مفہوم یہ ہے کہ جاگیرِ فدک اور اس کے اندر جو کچھ ہے اُسے لے لیجیے، یعنی آپ اُنھیں باخبر کر رہی تھیں۔ اُن لوگوں نے آپ کے ساتھ جو سلوک کیا تھا وہ اُنھیں اچھی طرح سے معلوم تھا، اس لیے بتولِ معظمہ کا اندازِ گفتگو بھی ویسا تھا۔ آپؑ نے اُنھیں کہا:

جی ہاں! جی ہاں! اب جو کچھ تمھارا جی چاہے کر لو اور جو کچھ ہماری ملکیت میں سے لینا چاہتے ہو بسم اللہ لے جائیے۔ اس جملے کے ساتھ آپؑ نے دوسرا جملہ پیش فرمایا۔

تَلْقَاكَ يَوْمَ حَشْرِكَ

آپؑ کا اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ "انسان قیامت کے دن اپنے اعمال کو اپنی آنکھوں سے دیکھے گا"۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا (سورۂ کہف: آیت ۴۹)

"وہ اپنے اعمال اپنے سامنے زندہ و حاضر پائیں گے"۔

فَنِعْمَ الْحَكَمُ اللهُ

"پس اللہ تعالیٰ کی عدالت کس قدر خوب ہے"۔

قیامت کے دن قضاوت اللہ کے ہاتھ میں ہوگی وہی داور وہی قاضی ہوگا۔ اُس کے فیصلے عدالت کی اَساس پر ہوں گے۔ کسی کے حق میں ظلم و جور نہیں ہوگا۔ کسی بندے کے مظالم اُس پر مخفی نہیں ہیں۔

وَالزَّعِيْمُ مُحَمَّدٌ

"حضرت محمد ﷺ کی نصرت کتنی مضبوط ہے"۔

قیامت کے دن وکالت اور حمایت کرنے والے اللہ کے رسولؐ ہوں گے۔ وہ ہی سیّدالانبیاؑ ہیں، وہی میرے والد ارجمند ہیں، وہی اپنی دختر حضرت فاطمہ زہراؑ کے حق کے طالب ہوں گے۔

وَالْمَوْعِدُ الْقِيَامَةُ

"نیز قیامت کا دن بہترین وعدہ گاہ ہے"۔

قیامت کے دن قرآن مجید ہر نیک و بد کے درمیان جدائی ڈالے گا۔ تمام لوگ اللہ کی بارگاہ میں جمع ہوں گے۔

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيقَاتًا (سورۂ نباء: آیت ۱۷)

"یقیناً فیصلے کا دن مقرر ہے"۔

وَعِنْدَ السَّاعَةِ يَخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ

"قیامت کے دن اہلِ باطل سخت خسارے میں ہوں گے"۔

جن لوگوں نے باطل دعووں کے ذریعے لوگوں کا مال قبضہ میں لیا وہ شدید ترین خسارے میں ہوں گے۔

وَلَا يَنْفَعُكُمْ اِذْ تَنْدَمُوْنَ

"اس دن ندامت و پشیمانی کوئی فائدہ نہ دے گی"۔

قیامت کے دن ندامت سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ جب ایک انسان اِس دنیا میں غلط کام کرتا ہے تو پھر اس پر نادم ہوتا ہے تو اِس ندامت و پشیمانی سے فائدہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ سے عہد کر لیتا ہے کہ وہ دوبارہ ایسا نہیں کرے گا، لیکن قیامت کے دن پچھتاوے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا، کیونکہ قیامت کا دن یومِ حساب ہے۔

وَلِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (سورۂ انعام: آیت ۶۷)

"ہر خبر کے پورا ہونے کا ایک خاص وقت مقرر ہے"۔

مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ (سورۂ ہود: آیت ۳۹)

"اور تمھیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کس پر عذاب نازل ہوتا ہے کہ دنیا میں اُسے رُسوا کر دے اور کس پر قیامت میں دائمی عذاب نازل ہوتا ہے"۔

خاتونِ قیامت نے ان آیات کی تلاوت سے حاضرین کو عذابِ آخرت کی طرف متوجہ کیا کہ عذابِ آخرت دائمی ہے۔

ثُمَّ رَمَتْ بِطَرْفِهَا نَحْوَ الْاَنْصَارِ

اس کے بعد آپؑ انصار کی طرف متوجہ ہوئیں اور اُن سے فرمایا: انصار اہلِ مدینہ تھے۔ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کے وقت مدد کی تھی۔ آپؑ نے انھیں یاد دلایا کہ تم لوگوں نے اللہ کے لیے رسولؐ اللہ کی نصرت کی تھی۔ اب آپ لوگوں کے سامنے میرے حقوق ضبط کیے گئے ہیں۔ اس معاملے میں میری مدد کے لیے اُٹھیے۔

وَقَالَتْ: يَا مَعْشَرَ النَّقِيبَةِ

اے نجیب لوگو! ایک اور نسخے میں ہے: يَا مَعَاشِرَ الْفِتْيَةِ۔

ریحانۂ بتولؑ نے انھیں ان کی جوانی اور شہامت کی طرف متوجہ کر کے خطاب فرمایا، تاکہ ان کے انسانی اور اسلامی احساسات و جذبات بیدار ہوں، تاکہ وہ ان کی نصرت کے لیے قیام کریں۔

وَاَعْضَاءَ الْمِلَّةِ

"ہاں اے دینِ اسلام اور اسلامی معاشرت کے تنومند بازو!"

وَحَضَنَةَ الْاِسْلَامِ

"اے اسلام کے محافظو!"

تم لوگوں نے اسلام کی اس طرح محافظت و نگرانی کی ہے جس طرح ماں اپنے بچے کی یا پرندہ اپنے انڈوں کی حفاظت کرتا ہے۔

مَا هٰذِهِ الْغَمِيزَةُ فِيْ حَقِّيْ

"یہ میرے حق میں سکوت و تغافل کیا ہے؟"

وَالسِّنَةُ عَنْ ظُلَامَتِيْ

"میری ہمدردی سے یہ غفلت کیسی ہے؟"

سِنَۃٌ کا معنی وہ سُستی جو نیند کے آغاز میں غالب آتی ہے۔

ظُلَامہ کا معنی ہے ایسے حقوق کی پامالی جو کسی فرد سے واقع ہوئی ہو اور صاحبِ حق اس کا اُس سے مطالبہ کرے۔

خاتونِ بہشت نے "انصار" کے سکوت و خاموشی کو "اُونگھ" سے تعبیر کیا۔ یہی اُونگھ سونے کا مقدمہ ہوتی ہے۔ اس کے بعد انسان سو جاتا ہے اور پھر اُس کا شعور معطل ہو جاتا ہے کیونکہ نیند موت کے مانند ہوتی ہے۔ سویا ہوا انسان ہر قسم کے احساسات و جذبات سے عاری ہوتا ہے۔

اَمَا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَبِیْ یَقُوْلُ: اَلْمَرْءُ یُحْفَظُ فِیْ وُلْدِہٖ

"کیا میرے والد حضرت رسول اللہ ﷺ نے نہیں فرمایا تھا کہ انسان کا تحفظ اُس کی اولاد میں ہوتا ہے"۔

یعنی اولاد ہی اپنے والد اور بزرگوں کے حقوق کی محافظ ہوتی ہے۔ جس طرح کہا گیا ہے ایک آنکھ کی خاطر ہزار آنکھوں کا احترام کیا جاتا ہے۔

کیا پیغمبر گرامیؐ میرے والد نہیں؟

کیا میں ان کی دختر یگانہ نہیں ہوں؟

کیا آپ پر لازم نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے میرا احترام کریں۔

ایک اور نسخے میں ہے:

اَمَا کَانَ لِرَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اَنْ یَحْفَظَ فِیْ وُلْدِہٖ

"کیا رسولؐ اللہ یہ استحقاق نہیں رکھتے کہ اُن کی اُمت اُن کی اولاد و ذُریت کی کرامت کی نگہداری کرے؟"

سُبْحَانَ مَا اَحْدَثْتُمْ

"تم لوگوں نے ان حوادث کے برپا کرنے میں کتنی جلدی کی؟"

آپؑ نے تعجب کرتے ہوئے فرمایا کہ اِدھر رسولؐ اللہ کی رحلت ہوئی اور لوگوں نے ہمارے ساتھ جو کچھ کیا اس عمل میں اُنھوں نے کتنی سُرعت دکھائی۔

وَعَجْلَانَ ذَا اِهَالَۃً

"اور کتنی عزت کے ساتھ اس نحیف و نزار گوسفند کے ناک اور منہ سے پانی نیچے گرنے لگا"۔

حورا انسیہ نے اس واقعہ کی طرف ضرب المثل سے اشارہ کیا۔ عربوں کی کہانی کے کہ ایک آدمی کے پاس نحیف و نزار بکری کا بچہ تھا کہ جس کی ناک سے پانی بہہ رہا تھا۔ کسی نے اُس سے اُس بکری کے بچے کے ناک سے بہنے والے پانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا: یہ کیا ہے؟

اُس نے کہا: سَرعان ذَا اِهَالَةً۔ "اہالہ" کا معنی چربی ہے یعنی یہ پگھلی ہوئی چربی ہے۔ یہ ضرب المثل وہاں استعمال ہوتی ہے جہاں کسی شے کے بارے میں عمل از وقت خبر ہو جائے۔

سیدۂ عالم کا اِس بات کی طرف اشارہ تھا کہ تم لوگوں نے پیغمبر ارجمندؐ کی رحلت کے فوراً بعد خاندانِ وحی کو مصائب و آلام میں ڈال دیا۔

وَلَكُمْ طَاقَةٌ بِمَا أُحَاوِلُ

"اے گروہِ انصار! آپ کے پاس وہ قوت ہے جس کے ذریعے میرے پامال شدہ حقوق واپس لائے جاسکتے ہیں"۔

وَقُوَّةٌ عَلَى مَا أَطْلُبُ وَأُزَاوِلُ

"آپ لوگ میری حمایت و دفاع کے لیے کمزور و عاجز نہیں ہیں۔ تمھارے پاس کون سا عذر ہے کہ جس کی بنا پر خاموش ہو، آپ کے سکوت کا کیا سبب ہے؟ تمھارے ہاں احساسِ مسئولیت کیوں معدوم ہو چکا ہے؟"

أَتَقُولُونَ مَاتَ مُحَمَّدٌ

"کیا آپ کی زبانوں پہ جاری ہے کہ حضرت محمد ﷺ اس دنیا سے رحلت فرما گئے ہیں اور ان کے ساتھ اُن کا دین اور ان کی کرامت و حرمت اور اُن کے حقوق بھی ختم ہو چکے ہیں؟"

اُنھوں نے جس علم و حکمت کی ترویج کی تھی وہ بھی ختم ہو گئے ہیں؟ اِس اسلامی ماحول و معاشرہ کے درمیان کچھ باقی نہیں رہا۔ یہ سب کچھ جو اہلِ بیتِ رسولؐ کے ساتھ کیا گیا ہے کیا یہ اس بنا پر ہے؟

فَخَطْبٌ جَلِيلٌ

"یہ ایک عظیم مصیبت ہے"۔

جی ہاں! رسولؐ اللہ کی جاں سوز رحلت ایک بہت بڑا صدمہ ہے کیونکہ عظیم لوگوں کی رحلت بھی عظیم ہوتی ہے۔

اُن کی رحلت سے معاشرہ اور تہذیب وتمدن کا ارتقا رُک جاتا ہے۔

ایک اور نسخے میں ہے:

اَتَزْعَمُوْنَ مَاتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم اَيْتَمَ دِيْنَهٗ؟ هٰنَا اَنَّ مَوْتَهٗ لَعَمْرِیْ خَطْبٌ جَلِيْلٌ

''کیا آپ لوگوں کی سوچ بچار یہی ہے کہ اللہ کے رسولؐ اِس دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں۔ اب ان کا دین یتیم ہو گیا ہے؟ جی ہاں! واقعیت یہ ہے اُس آسمانی رہبر کی رحلت ایک عظیم مصیبت ہے۔ لیکن یہ بات نہیں ہے بلکہ امیرِ حریت اور رہبر انسانیت کا دین اور اُن کی سنت باقی ہے''۔

رحلتِ پیغمبرؐ ایک عظیم فاجعہ

اِس مقام پر ریحانۂ پیغمبرؐ نے پیغمبرؐ خدا کی رحلت کی مصیبت کو بیان کیا اور اُن جاں سوز اثرات پر روشنی ڈالی کہ جن کی وجہ ہر دل مغموم ومحزون ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

اِسْتَوْسَعَ وَهْنُهٗ

''آنحضرتؐ کی دردناک رحلت نے ایسا شگاف پیدا کیا جو اتنا گہرا ہے اور عریض ہے جو کبھی پُر نہیں ہو سکتا''۔

ایک اور نسخے کے الفاظ یہ ہیں:

اِسْتَوْسَعَ وَهْيُهٗ

''جیسے ایک قلعے میں شگاف پڑتا ہے آپؐ کی رحلت کا شگاف بھی ایسا ہے''۔

ایک دوسرے نسخے میں آیا ہے: اِسْتَنْهَرَ فَتْقُهٗ۔ نیزے کا زخم، جب نیزہ بدن میں اُترتا ہے تو اُس سے جسم میں وسیع اور گہرا زخم پڑ جاتا ہے۔

وَانْفَتَقَ رَتْقُهٗ

''شگاف کشادہ ہو گیا ہے''۔۔۔ اِتصال شگافتہ ہو گیا ہے۔

وَاَظْلَمَتِ الْاَرْضُ لِغَيْبَتِهٖ

''اُن کے خورشیدِ وجود کے غروب سے پوری کائنات تاریکی میں ڈوب گئی ہے''۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ خورشیدِ جہاں اَفروز پیغمبر، اَفشاں نُور تھے۔ زمین اور زمین پر ہر چیز اُن کے نُور سے منور تھی۔ جب آفتابِ رسالت غروب ہوا تو زمین تیرہ و تاریک ہو کر رہ گئی۔ قرآنِ مجید میں بہت سے مقامات پر آنحضرتؐ کو نُور کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے جیسے ارشادِ خداوندی ہے:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِیْنٌ (سورۂ مائدہ: آیت ۱۵)

"اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس نُور اور کتابِ مبین نازل ہوئے ہیں"۔

وَكُسِفَتِ النُّجُوْمُ لِمُصِيْبَتِهٖ

"آپؐ کی رحلت کے صدمے میں آسمان کے ستارے بے نُور ہو کر رہ گئے"۔

آپ بخوبی جانتے ہیں کہ چاند اور ستارے خود سے روشن نہیں ہیں۔ ان پر سورج کی روشنی پڑتی ہے اور اس طرح انعکاسی نُور ہوتا ہے اور ہمیں چاند اور ستارے روشن نظر آتے ہیں۔ اِس طرح اگر سورج کا نُور زائل ہو جائے تو ستاروں کی روشنی بھی معدوم ہو جائے۔

وَاُكْدِيَتِ الْاٰمَالُ

"آرزوئیں اور اُمیدیں مایوسی میں بدل گئیں"۔

وہ اُمیدیں اور آرزوئیں جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجودِ مبارک سے وابستہ تھیں اُن کی رحلت جاں سوز سے منقطع ہو گئیں جیسے کہا جاتا ہے اُمیدیں نااُمیدی میں بدل گئیں اور آرزوئیں مایوسی کے ہاتھوں ذبح ہو گئیں۔

وَخَشَعَتِ الْجِبَالُ

"پہاڑ سرنگوں ہو گئے"۔

جی ہاں! پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے غم میں پہاڑوں میں لرزہ پیدا ہوا اور وہ پاش پاش ہو کر رہ گئے کیونکہ آنحضرتؐ کے ہجر و فراق کا درد اتنا شدید تھا کہ ہر چیز متاثر ہوئے بغیر نہ رہی۔

قرآنِ مجید اس اَمر کی یاد دلاتا ہے:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ.....

"اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر بھی نازل کرتے تو تم اُسے دیکھتے کہ خدا کے ڈر سے جھکا اور پھٹا جاتا ہے"۔(سورۂ حشر: آیت ۲۱)

وَاُضِيْعَ الْحَرِيْمُ

"اہلِ بیتِ رسولؐ کے حریم کی حرمت و احترام ضائع کردی گئی"۔

"حریم" وہ شے ہے کہ انسان جس کی محافظت اور دفاع کرتا ہے اور اس کے راستے میں جنگ بھی کرتا ہے۔ اس مقام پر حریم سے مراد عترتِ اہلِ بیتِ پیغمبرؐ ہے۔

جی ہاں! رسولؐ اللہ کی رحلت کے بعد اہلِ بیتؑ کی جو منزلت تھی اس کا خیال نہ رکھا گیا۔

وَ اُزِیْلَتِ الْحُرْمَةُ عِنْدَ مَمَاتِهٖ

"اُن بزرگوار کی حرمت کو اُن کی رحلت کے وقت مغلوب کردیا گیا"۔

فَتِلْكَ وَاللّٰهِ، اَلنَّازِلَةُ الْكُبْرٰى، وَالْمُصِيْبَةُ الْعُظْمٰى

"خدا کی قسم! یہ مصیبت ایک عظیم اور دردناک مصیبت تھی"۔

یہ حقیقت ہے کہ بزرگواروں کی رحلت و وفات ایک عظیم اور جاں سوز سانحہ ہوتا ہے۔ جس قدر متوفی کی عزت و عظمت اور مقام و منزلت ہوتی ہے اُس قدر ان کی رحلت اور جدائی کا صدمہ نڈھال کردینے والا ہوتا ہے۔ رسولؐ اللہ کی ذات جس قدر افضل و اعلیٰ تھی اِس طرح ان کا وصال ناقابلِ برداشت مصیبت تھی۔

لَامِثْلُهَا نَازِلَةٌ

"رحلت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی رحلت اللہ کی بھری کائنات میں آج تک نازل نہیں ہوئی"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی ہستی ہمارے درمیان موجود نہیں ہے نہ اُن جیسا کوئی تھا اور نہ ہے اور نہ ہوگا۔

وَلَا بَائِقَةٌ عَاجِلَةٌ

"نہ کوئی ایسا حادثہ ہے اور نہ کوئی سانحہ"۔

اس دردناک مصیبت سے بڑھ کر کوئی اور مصیبت نہیں آئے گی۔ اس حادثے اور مصیبت کی مثل قیامت تک وقوع پذیر نہیں ہوگی۔

حضرت امیر علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کی مصیبت کو یوں پیش فرمایا کہ ادھر حضرت رسولؐ خدا کی جاں سوز رحلت ہوئی اِدھر ہم پر غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ میرا خیال ہے اگر ایسی مصیبت ان بلند و بالا پہاڑوں پر گرتی تو وہ بھی برداشت نہ کرسکتے، ریزہ ریزہ ہوجاتے۔

میں نے اُس وقت اپنے اہلِ بیتؑ کے افراد کی حالت دیکھی۔ وہ اس قدر سوز و درد میں مبتلا تھے کہ اُن کے صبر کے تمام بندھن ٹوٹ گئے تھے۔ اُن کا ہر فرد غم میں ڈوبا ہوا تھا۔ کسی کو اپنے اُوپر کنٹرول حاصل نہ تھا۔ عقل و شعور کی

طاقت مضمحل ہو گئی تھی۔ اُن کی کائنات متزلزل تھی۔ افہام و تفہیم اور قول و سماعت کی بات ہی ختم ہو گئی تھی۔

اَعْلَنَ بِهَا كِتَابُ اللهِ، جَلَّ ثَنَاؤُهُ، فِیْ اَفْنِيَتِكُمْ

"قرآنِ کریم نے تمھارے جوانب و نواحی میں مختلف قسم کے انداز میں رسولؐ اللہ کی رحلت کا تذکرہ فرمایا"،

یعنی وہ قرآن جو رات اور دن کو پڑھا جاتا ہے اِسی قرآن کی تلاوت کی آوازیں گھروں اور مساجد میں بلند ہیں۔

ایک اور نسخے میں: فِیْ قِبْلَتِكُمْ کے الفاظ ہیں۔ اس سے مقصود مسجد ہے یا وہ مصلّی جہاں قرآنِ مجید کی تلاوت ہوتی ہے۔

فِیْ مَمْسَاكُمْ وَمُصْبَحَكُمْ

"تمھاری شاموں اور صبح میں"۔

تم لوگ کائنات کے اِس عظیم انسان کی رحلت کے بعد قرآنِ مجید کی اُن آیات کی تلاوت کو سنتے ہو، جن میں ان کی رحلت کے سوگ کی خبر ہے۔

هُتَافًا وَصُرَاخًا

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کا اعلان مختلف طریقوں سے ہوا"۔

یعنی جب قرآنِ مجید بلند آواز سے پڑھا جا رہا ہے یا دل میں پڑھا جا رہا ہے۔

وَتِلَاوَةً وَاِلْحَانًا ـــــ تلاوت سے مراد ہے جب قرآنِ مجید سُرعت سے پڑھا جائے۔ اِلْحَان سے مراد ہے جب قرآنِ مجید میں غور و فکر کیا جائے۔

وَلَقَبْلَهُ مَا حَلَّ بِاَنْبِيَائِهِ وَرُسُلِهِ حُكْمٌ فَصْلٌ، وَقَضَاءٌ حَتْمٌ

یہ فرمان قطعی اور پائندہ سرنوشت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل جتنے انبیاء علیہم السلام تشریف لائے وہ سب کے سب اِس دنیا سے واپس چلے گئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا قطعی قانون ہے جو بھی اس دنیا میں آئے گا آخر ایک دن اُس نے موت سے ہمکنار ہونا ہے۔

سیّدہ زہرا سلام اللہ علیہا کا پیغام یہ ہے کہ موت اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔ انبیاءؑ اور غیر انبیاءؑ سب نے اِس دنیا سے جانا ہے۔ بعد ازیں آپؑ نے اس آیتِ شریفہ کی تلاوت فرمائی:

وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَ مَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَ سَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ○

"اور محمد ﷺ تو رسول ہیں ان سے پہلے بھی بہتیرے پیغمبرؑ گزر چکے ہیں۔ پھر کیا اگر (محمدؐ) اپنی موت سے رحلت کر جائیں یا مار ڈالے جائیں تو تم اُلٹے پاؤں اپنے کفر کی طرف پلٹ جاؤ گے اور جو اُلٹے پاؤں پھرے گا تو سمجھ لو کہ ہرگز خدا کا کچھ بھی نہ بگاڑے گا اور عنقریب خدا کا شکر کرنے والوں کو اچھا بدلہ دے گا"۔(سورۂ آل عمران: آیت ۱۴۴)

سیّدہ فاطمہ زہراؑ نے اس آیت سے یہ استدلال فرمایا کہ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے عظیم ترین پیغمبر تھے۔ اُن سے قبل بہت سے پیغمبرانِ گرامی تشریف لائے اور اپنی رسالت ابلاغ کر کے اس دنیا سے چلے گئے۔ موت ایک اٹل قانون ہے۔ رسولؐ اللہ کی رحلت کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ یہ اللہ کی سنت ہے جو تمام انبیاءؑ پر جاری و ساری رہی ہے۔ اُنھوں نے بھی دوسری مخلوق کی طرح موت کا ذائقہ چکھا، لیکن یہ بات نہیں ہے کہ اگر اللہ کے رسولؐ نے رحلت فرمائی ہے تو ان کی رحلت کے ہمراہ ان کی شریعت اور ان کا دین بھی ختم ہو گیا ہے اور ان کی کرامت اور حرمت فنا پذیر ہو گئی ہے؟

أَفَائِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ

"اگر وہ اس سرائے فانی سے سرائے باقی کی طرف چلے گئے ہیں یا اُن کے دشمنوں نے اُنھیں شہید کر دیا ہے تو تم اُلٹے پاؤں اپنے کفر کی طرف پلٹ جاؤ گے"۔

یہ آیت کریمہ اپنے دامن میں یہ پیغام رکھتی ہے کہ پیغمبرؑ خدا کی رحلت کے بعد لوگ ایمان سے کفر کی طرف واپس چلے جائیں گے۔ اِرتداد اور اِرتجاع کا معنی یہی ہے۔

وَ مَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا وَ سَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ

"اور جو اُلٹے پاؤں پھرے گا تو سمجھ لو کہ وہ ہرگز خدا کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے گا اور عنقریب خدا شکر کرنے والوں کو اچھا بدلہ دے گا"۔

ملکوتی خطبہ کا چھٹا دور

أَيُّهَا بَنِي قَيْلَةَ! ءَاُهْضَمُ تُرَاثَ أَبِي وَأَنْتُمْ بِمَرْأًى مِنِّي وَمَسْمَعٍ، وَمُنْتَدًى وَمَجْمَعٍ؟! تَلْبَسُكُمُ الدَّعْوَةُ، وَتَشْمَلُكُمُ الْخُبْرَةُ، وَأَنْتُمْ ذَوُو الْعَدَدِ وَالْعُدَّةِ، وَالْأَدَاةِ وَالْقُوَّةِ، وَعِنْدَكُمُ السِّلَاحُ وَالْجُنَّةُ، تُوَافِيكُمُ الدَّعْوَةُ فَلَا تُجِيبُونَ؟ وَتَأْتِيكُمُ الصَّرْخَةُ فَلَا تُغِيثُونَ، وَأَنْتُمْ مَوْصُوفُونَ بِالْكِفَاحِ، مَعْرُوفُونَ بِالْخَيْرِ وَالصَّلَاحِ، وَالنُّجَبَةُ الَّتِي انْتُجِبَتْ، وَالْخِيَرَةُ الَّتِي اخْتِيرَتْ!

قَاتَلْتُمُ الْعَرَبَ، وَتَحَمَّلْتُمُ الْكَدَّ وَالتَّعَبَ، وَنَاطَحْتُمُ الْأُمَمَ، وَكَافَحْتُمُ الْبُهَمَ، فَلَا نَبْرَحُ أَوْ تَبْرَحُونَ، نَأْمُرُكُمْ فَتَأْتَمِرُونَ حَتَّى دَارَتْ بِنَا رَحَى الْإِسْلَامِ، وَدَرَّ حَلَبُ الْأَيَّامِ، وَخَضَعَتْ نُعَرَةُ الشِّرْكِ، وَسَكَنَتْ فَوْرَةُ الْإِفْكِ، وَخَمَدَتْ نِيرَانُ الْكُفْرِ، وَهَدَأَتْ دَعْوَةُ الْهَرْجِ وَالْمَرْجِ، وَاسْتَوْسَقَ نِظَامُ الدِّينِ۔

فَأَنَّى جِرْتُمْ بَعْدَ الْبَيَانِ؟ وَأَسْرَرْتُمْ بَعْدَ الْإِعْلَانِ؟ وَنَكَصْتُمْ بَعْدَ الْإِقْدَامِ؟ وَأَشْرَكْتُمْ بَعْدَ الْإِيمَانِ؟

﴿أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُمْ بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ أَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾

﴿أَلَا وَقَدْ أَرَى أَنْ قَدْ أَخْلَدْتُمْ إِلَى الْخَفْضِ، وَأَبْعَدْتُمْ مَنْ هُوَ أَحَقُّ بِالْبَسْطِ وَالْقَبْضِ، وَخَلَوْتُمْ بِالدَّعَةِ، وَنَجَوْتُمْ مِنَ الضِّيقِ بِالسَّعَةِ، فَمَجَجْتُمْ مَا وَعَيْتُمْ، وَدَسَعْتُمُ الَّذِي تَسَوَّغْتُمْ ﴿فَإِنْ تَكْفُرُوا أَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ﴾

أَلَا: وَقَدْ قُلْتُ مَا قُلْتُ عَلَى مَعْرِفَةٍ مِنِّي بِالْخَذْلَةِ الَّتِي خَامَرَتْكُمْ، وَالْغَدْرَةِ الَّتِي اسْتَشْعَرَتْهَا قُلُوبُكُمْ، وَلَكِنَّهَا فَيْضَةُ النَّفْسِ، وَنَفْثَةُ الْغَيْظِ، وَخَوَرُ الْقَنَا، وَبَثَّةُ

الصُّدُورِ، وَتَقْدِمَةُ الْحُجَّةِ۔

فَدُونَكُمُوهَا فَاحْتَقِبُوهَا دَبِرَةَ الظَّهْرِ، نَقِبَةَ الْخُفِّ بَاقِيَةَ الْعَارِ مَوْسُومَةً بِغَضَبِ اللهِ وَشَنَارِ الْأَبَدِ، مَوْصُولَةً ﴿بِنَارِ اللهِ الْمُوقَدَةِ الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ﴾

فَبِعَيْنِ اللهِ مَا تَفْعَلُونَ ﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ﴾

وَأَنَا ابْنَةُ ﴿نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ﴾

﴿فَاعْمَلُوا إِنَّا عَامِلُونَ وَانْتَظِرُوا إِنَّا مُنْتَظِرُونَ﴾

''ہاں اے انصار! کیا تمہارے دیکھتے سنتے اور تمہارے اجتماع میں میری میراث ہضم ہو جائے گی؟ تم لوگوں تک میری آواز بھی پہنچی، تم باخبر بھی ہو۔ تمہارے پاس اشخاص، اسباب، آلاتِ حرب وضرب سب کچھ موجود ہے لیکن تم لوگ نہ میری آواز پر لبیک کہتے ہو اور نہ میری فریاد کو پہنچتے ہو۔

تم تو مشہور مجاہد و مبارز ہو، خیر وصلاح کے ساتھ معروف ہو، منتخب روزگار اور سرآمد زمان ہو۔ تم نے عرب سے جنگوں کے زمانہ میں رنج وتعب اُٹھایا ہے، اُمتوں سے ٹکرائے ہو، لشکروں کا مقابلہ کیا ہے۔ ابھی ہم دونوں اس جگہ ہیں جہاں ہم حکم دیتے تھے اور تم تعمیل کرتے تھے یہاں تک کہ ہمارے دم سے اسلام کی چکی چلنے لگی۔

زمانہ کا دودھ نکال لیا گیا۔ شرک کے نعرے اور مستیاں پست ہو کر رہ گئیں۔ افتراء کے فوارے نابود ہو گئے۔ آتشِ کفر خاموش ہوگئی۔ فتنہ کی دعوت دب کر رہ گئی۔ دین کا نظام مستحکم ہوگیا۔ تو اب تم اس وضاحت کے بعد کہاں چلے گئے اور اس اعلان کے بعد کیوں پردہ پوشی کرلی ہے؟ آگے بڑھے ہوئے قدم کیوں پیچھے ہٹا لیے؟ ایمان کے بعد کدھر چلے جا رہے ہو؟ کیا اس قوم سے جنگ نہ کرو گے جس نے عہد کو توڑ ڈالا اور پہلے تم سے مقابلہ کیا۔ کیا تم اُن لوگوں سے خوف زدہ ہو جب کہ خوف کا مستحق صرف خدا ہے۔

اگر تم اہلِ ایمان ہو، خبردار! مَیں دیکھ رہی ہوں کہ تم دائمی پستی میں گر گئے ہو اور تم نے بست و کشاد کے حقیقی حق دار کو دُور کر دیا ہے۔ آرام طلب ہو گئے ہو اور تنگی سے وسعت میں آگئے ہو۔ جو سنا تھا اُسے بھلا دیا اور جسے بادلِ نخواستہ نگل لیا تھا اُسے اُگل دیا ہے۔

خیر تم تو کیا اگر ساری دنیا بھی رسولؐ اللہ کے نظام کو چھوڑ دے تو اللہ کو کسی کی پرواہ نہیں ہے۔
خیر مجھے جو کچھ کہنا تھا میں وہ کہہ چکی ہوں۔ تمھاری بے رُخی اور بے وفائی کو جانتے ہوئے جسے
تم لوگوں نے شعار بنالیا ہے۔
لیکن یہ تو ایک دل گرفتگی کا نتیجہ اور غضب کا اظہار ہے۔ ٹوٹے ہوئے دل کی آواز ہے۔ ایک
اتمامِ حجت ہے چاہو تو اُسے ذخیرہ کرلو مگر یہ پیٹھ کا زخم ہے۔ پیروں کا گھاؤ ہے۔ ذلت کی بقا،
غضبِ خدا اور دائمی ملامت سے موسوم ہے اور اللہ کی اُس بھڑکتی آگ سے متصل ہے جو دلوں
پر روشن ہوتی ہے۔ خدا تمھارے افعال کو دیکھ رہا ہے اور عنقریب زیادتی کرنے والوں کو معلوم
ہوجائے گا کہ وہ کیسے پلٹائے جائیں گے۔
میں تمہارے اس رسولؐ کی دختر ہوں جس نے شدید عذاب سے ڈرایا ہے۔ اب تم بھی عمل کرو
اور مَیں بھی عمل کرتی ہوں۔ تم بھی انتظار کرو اور مَیں بھی وقت کا انتظار کر رہی ہوں"۔

خطبہ کی تشریح و توضیح

سیّدہ عالمؑ نے اپنی اس گفتگو کا رُخ انصارِ مدینہ کی طرف کیا۔ آپؑ نے فرمایا:
اَيُّهَا بَنِیْ قَيْلَة ہاں اے فرزندانِ قَیلہ![1] یہاں اَيُّهَا هَيهَات کے معنی میں ہے۔ اس کے دو معنی ہیں:
سکوت کے حکم کے معنی میں ہے یا خاموشی سے نکالنے کے معنی میں ہے۔
اے قیلہ کی اولاد! یعنی اَوس و خزرج کی اولاد!
أُهْضَمُ تُرَاثَ اَبِیْ۔ ایک اور نسخہ میں اَبِيَه کا لفظ ہے۔ یہاں "ہا" وقوف کے لیے آئی ہے۔ اس جملے کا معنی و
مفہوم یہ ہے کہ "کیا مجھے والد کی میراث نہیں ملے گی؟"

وَاَنْتُمْ بِمَرَاىً مِنِّیْ وَمَسْمَعٍ

آپ لوگ اس مجلس اور مجمع میں موجود ہیں جو میرے اور آپ لوگوں کے درمیان میں ہے۔ آپ لوگ اس مجلس
میں موجود ہیں اور میری گفتگو سن رہے ہیں اور آپ لوگ میری مظلومیت دیکھ رہے ہیں۔
تَلْبَسُكُمْ دَعْوَةٍ — "میری دعوت اور میری آواز نے آپ کا احاطہ کیا ہوا ہے"۔

---

[1] قیلہ بہادر و شجاع عورت کا نام ہے۔ مدینہ کے دو قبیلوں اَوس و خزرج کا تعلق اُسی کے ساتھ تھا۔

وَ تَشْمَلُكُمُ الْخُبْرَةُ ـــ "آپ لوگ میری ضعیفی سے بخوبی آگاہ ہیں"۔

ایک اور نسخے کے الفاظ ہیں: اَلْحَیْرَةُ یعنی آپ لوگ اس مخاصمت کے سامنے تماشائی بنے ہوئے ہیں۔

وَ اَنْتُمْ ذَوُوا الْعَدَدِ وَ الْعُدَّةِ

"حالانکہ آپ لوگ ایک بہت بڑی تعداد کے مالک ہیں، علاوہ ازیں آپ کے پاس طاقت و توانائی بھی ہے"۔

خاتونِ جنت نے فرمایا: تعداد میں تم کم نہیں ہو، تمہارے پاس کوئی عذر نہیں ہے کہ جس کی بنیاد پر تم میری اعانت نہ کرسکو۔ تم بہت بڑی جمعیت رکھتے ہو۔

وَ الْاَدَاةِ وَ الْقُوَّةِ ـــ "حق کی نصرت کے لیے آپ لوگوں کے پاس تمام وسائل موجود ہیں"۔

وَ عِنْدَكُمُ السِّلَاحُ وَ الْجُنَّةُ ـــ "آپ لوگوں کے پاس سامانِ حرب وضرب کی کوئی کمی نہیں ہے"۔

زمانہ ماضی ان وسائل سے اسلام کے دفاع میں جنگیں لڑتے رہے، تمہارے پاس دفاع کے وسائل موجود ہیں۔

تُوَافِيْكُمُ الدَّعْوَةُ فَلَا تُجِيْبُوْنَ ـــ "آپ لوگ میری آواز تو سن رہے ہیں لیکن خاموش ہیں، جواب نہیں دے رہے؟"

وَ تَاتِيْكُمُ الصَّرْخَةُ فَلَا تُغِيْثُوْنَ ـــ "میری مظلومیت کی آوازیں سن رہے ہو، لیکن میری اعانت نہیں کر رہے ہو"۔

وَ اَنْتُمْ مَوْصُوْفُوْنَ بِالْكِفَاحِ ـــ "حالانکہ تم لوگ رزم آوری اور پیکار گری میں شہرت رکھتے ہو"۔

جہاد فی سبیل اللہ میں تمہارا ایک مقام ہے۔ اپنے دشمن کا مقابلہ بھرپور جرأت سے کرتے ہو۔

وَ مَعْرُوْفُوْنَ بِالْخَيْرِ وَ الصَّلَاحِ ـــ "اعمالِ حسنہ میں آفاقی شہرت کے مالک ہو"۔

وَ النُّخْبَةُ الَّتِيْ انْتُخِبَتْ ـــ "تم نجیب الطرفین لوگ ہو، اس لیے تم لوگ ہی رسولؐ اللہ کا انتخاب ٹھہرے تھے"۔

اللہ کے رسولؐ نے اپنے وطن سے ہجرت کی اور اپنے عظیم اہداف کی ترویج کے لیے مدینہ منورہ اور اُس کے گردونواح کا انتخاب فرمایا تھا۔

وَالْخِیَرَۃُ الَّتِیْ اُخْتِیْرَتْ

"سیّدالانبیاءؐ نے تم لوگوں کو اپنی نصرت کے لیے چُنا، اس لیے اُنھوں نے تمھاری طرف ہجرت فرمائی"۔

قَاتَلْتُمُ الْعَرَبَ، وَتَحَمَّلْتُمُ الْکَدَّ وَالتَّعَبَ

"آپ لوگوں نے پیغمبرؐ خدا کی نصرت اور کلمۂ حق کی بلندی کے لیے پورے عرب سے جنگ کی اور مصائب و آلام برداشت کیے"۔

آپ لوگوں نے ان جنگوں میں اپنی جانیں قربان کیں، اپنے اَبدان پر زخم کھائے اور فداکاری کے بہترین جوہر دکھائے۔

وَنَاطَحْتُمُ الْاُمَمَ وَکَافَحْتُمُ الْبُهَمَ

تم لوگ ہی عرب کے مختلف گروہوں سے برسرِ پیکار رہے اور بڑے بڑے سورماؤں کو بغیر کسی خوف و تزلزل کے مار بھگایا تھا۔ آپ نے یہود و نصاریٰ سے جنگیں کیں تھیں۔ آپ کی یہ تمام کوششیں حق اور پیغمبر اکرمؐ کے دفاع کے لیے تھیں۔

لَانَبْرَحُ اَوْتَبْرَحُوْنَ، نَاْمُرُکُمْ فَتَاْتَمِرُوْنَ

جب ہم تمھیں کوئی برنامہ دیتے تھے تو تم اس پر عمل کرتے تھے۔ ہم احکام جاری کرتے تو آپ لوگ اُنھیں جاری کرتے تھے اور ہماری آواز پر لبیک کہتے تھے۔

حَتّٰی دَارَتْ بِنَا رَحَی الْاِسْلَامِ

"آخرکار اس اجتماعی کوشش سے اسلام کی چکّی چلنے لگی"۔

ہماری مدیریت میں آپ لوگوں نے جدوجہد کی۔ اس کوشش و کاوش میں آپ لوگ اسلام کے دشمنوں سے برسرِ پیکار رہے۔ اسلام کو کامرانی نصیب ہوئی اور دنیا میں اس کا نظام جاری و ساری ہو گیا۔

وَدَرَّ حَلَبُ الْاَیَّامِ

"زمانے کا دودھ دُوہ لیا گیا"۔

اسلامی فتوحات مسلسل ہونے لگیں جس کے نتیجے میں غنائم کے ڈھیر لگ گئے۔ سیّدہ عالمؑ نے اسلامی ثمرات کو پستان کے دودھ سے تعبیر کیا ہے یعنی بہت زیادہ منافع حاصل ہونے لگے۔

وَخَضَعَتْ نُعْرَۃُ الشِّرْکِ

''مشرکین سرنگوں ہو کر رہ گئے''۔

ان کا تکبر و غرور خاک میں مل گیا۔ اُن کی سرمستیاں خاموش ہو کر رہ گئیں۔

وَسَکَنَتْ فَوْرَۃُ الْاِفْکِ

''اُن کی فریب کاریاں اور افتراء پردازیاں خاموش ہو کر رہ گئیں''۔

وَخَمَدَتْ نِیْرَانُ الْکُفْرِ

''کفر کی آگ اور اُن کی جنگوں کے شعلے بجھ کر رہ گئے''۔

وَهَدَأَتْ دَعْوَۃُ الْهَرْجِ

''فتنہ کی دعوت دب کر رہ گئی''۔

ان کی کفر و شرک اور فساد کی دعوت ٹھنڈی پڑ گئی۔

وَاسْتَوْثَقَ نِظَامُ الدِّیْنِ

''دین کا آئین اور نظام محکم ہو گیا''۔

فَاَنّٰی حِرْتُمْ بَعْدَ الْبَیَانِ

''اِن تمام مقدمات کے بعد جو مجھ میں نے ابھی بیان کیا ہے اور تمام توضیحات آپ کے سامنے بیان کردی ہیں۔ پھر تم حیرت کی وادی میں کیوں گم ہو گئے ہو؟''

وَاَسْرَرْتُمْ بَعْدَ الْاِیْمَانِ

''اپنے ایمان کے اعلان اور حق کی نصرت کے پروگرام کو دوبارہ کیوں چھپانے لگے ہو؟ جو کام روشن و آشکار ہیں ان پر کیوں پردہ ڈالنے لگے ہو؟''

وَنَکَصْتُمْ بَعْدَ الْاِقْدَامِ

''آگے بڑھے ہوئے اقدام کو پیچھے کیوں ہٹا لیا ہے؟''

وَاَشْرَکْتُمْ بَعْدَ الْاِیْمَانِ

''اب رسول اللہ کی عترت کی مخالفت کے ساتھ کیا حاصل کرنا چاہتے ہو؟''

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّکَثُوْٓا اَیْمَانَهُمْ وَ هَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَ هُمْ بَدَءُوْکُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ

اَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ○ (سورۂ توبہ: آیت ۱۳)

"مسلمانو! بھلا تم ان لوگوں سے کیوں نہیں جنگ کرتے جنھوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسولؐ کا نکال باہر کرنا اپنے دل میں ٹھان لیا تھا اور تم سے پہلے پہل چھیڑ بھی انھوں ہی نے شروع کی تھی کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ اگر تم سچے ایمان دار ہو تو خدا اُن سے کہیں بڑھ کر تمھارے ڈرنے کے قابل ہے"۔

سیدۂ کائنات نے قرآنِ مجید کی آیتِ کریمہ کو اپنی گفتگو میں شامل فرمایا۔ اگرچہ یہ آیتِ کریمہ مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی کہ جنھوں نے رسولؐ اللہ کو مکہ معظمہ سے نکالنا چاہا تھا۔ مدینہ کے یہود و نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی جنھوں نے خاتم الانبیاءؐ سے معاہدہ توڑ دیا تھا اور انھوں نے رسولؐ اللہ کو مدینہ سے نکالنے کی سازش تیار کی تھی۔

ان تمام حالات کی وجہ سے ریحانۂ نبوت انصار سے نصرت چاہتی تھیں لیکن آپؑ کسی قسم کا فساد نہیں چاہتی تھیں اور نہ آپؑ کو کسی جنگ و جدل سے کام تھا۔ آپؑ لوگوں کے حالات سے اچھی طرح باخبر تھیں۔ آپؑ اُن کی نفسیات کو جان چکی تھیں کہ ان کے خلاف جو کچھ ہو چکا ہے وہ منصوبہ پہلے سے تیار ہو چکا تھا، اس لیے آپؑ نے فرمایا:

اَلَا قَدْ اَرٰى اَنْ قَدْ اَخْلَدْتُمْ اِلَى الْخَفْضِ

"ہوشیار رہیے کہ میں دیکھ رہی ہوں کہ آپ لوگ آرام طلب ہو گئے ہیں اور زرق برق کی زندگی کو اپنا لیا ہے"۔

وَاَبْعَدْتُمْ مَنْ هُوَ اَحَقُّ بِالْبَسْطِ وَالْقَبْضِ

حضرت امام علی علیہ السلام کی شخصیت اسلام کی رہبریت و امامت میں اُولویت رکھتی تھی۔ حکومت ان کا حق تھا۔ تم نے اُنھیں اِس امر سے دُور رکھا۔

وَخَلَوْتُمْ بِالدَّعَةِ

"تم لوگ تن آسانی سے ہم آغوش ہو چکے ہو"۔

وَنَجَوْتُمْ مِنَ الضِّيْقِ بِالسَّعَةِ

آپ لوگوں نے اپنے خیال میں عادلانہ سختیوں سے نجات پا کر وسعت اور فراخ دلی کو حاصل کر لیا ہے کیونکہ حضرت امیر علیہ السلام اپنے معاملات میں عدل و انصاف کو سامنے رکھتے ہیں۔ ان کی عطا بھی عادلانہ ہے اور وہ کسی کو

دوسرے پر ناجائز ترجیح نہیں دیتے۔ آپ لوگوں کو ان کی یہ رفتار پسند نہیں اس لیے آپ نے انھیں چھوڑ چھاڑ کر رکاوٹوں اور تنگیوں سے نجات حاصل کرلی ہے۔ تم نے اُن کا رُخ کیا ہے جہاں سے تمھیں ہر چیز کی ہر حال میں حصول کی توقع تھی۔

فَمَجَجْتُمْ مَا وَعَيْتُمْ

"جو کچھ آپ لوگوں نے حفظ کر رکھا تھا اُسے اپنے منہ سے باہر نکال دیا"۔

وَدَسَعْتُمُ الَّذِيْ تَسَوَّغْتُمْ

"جو کچھ اپنے قلوب میں اُتارا تھا اُسے واپس نکال دیا"۔

جس اسلام کی حقانیت کو اپنے قلوب میں جگہ دی تھی اب اُس اسلام کی حقانیت کو دلوں سے نکال دیا ہے۔ اس گفتگو کے بعد یادگار ملیکۃ العرب نے قرآنِ مجید کی اس آیت کی تلاوت کی۔

فَإِنْ تَكْفُرُوْا أَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا فَإِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ

"اگر تم اور تمھارے ساتھ جتنے لوگ روئے زمین پر ہیں سب کے سب مل کر بھی خدا کی ناشکری کرو تو خدا کو ذرہ بھی پروا نہیں ہے۔ کیونکہ وہ تو بالکل بے نیاز اور سزاوارِ حمد ہے"۔

أَلَا وَقَدْ قُلْتُ مَا قُلْتُ عَلٰى مَعْرِفَةٍ مِنِّيْ بِالْخَذْلَةِ الَّتِيْ خَامَرَتْكُمْ

"خیر میں نے جو کچھ کہنا تھا وہ کہہ دیا ہے میں تم لوگوں کے قلبی احوال سے اچھی طرح واقف ہوں۔ میں نے تم لوگوں سے درخواست کی ہے کہ حق و عدالت کے لیے آواز بلند کیجیے لیکن تم نے خاموشی اختیار کی"۔

وَالْغَدْرَةِ الَّتِيْ اِسْتَشْعَرَتْهَا قُلُوْبُكُمْ

"یہ وہ بے وفائی ہے جو آپ کے دلوں میں پوشیدہ ہے"۔

اِسْتَشْعَرَ الثَّوْبُ

"ایسا لباس جو لباس کے نیچے پہنا جائے اور اُس لباس کو جسم سے چسپاں کر دیا جائے"۔

یعنی بے وفائی کو تم لوگوں نے اپنے دلوں میں چھپا رکھا ہے۔

وَلٰكِنَّهَا فَيْضَةُ النَّفْسِ

ان کلمات کا مفہوم ہے وہ احزان و آلام جو دل کے اندر ہوتے ہیں۔ جب برتن پانی سے بھر جاتا ہے تو بہنے لگتا

ہے۔ اسی طرح نفس انسان ہے جب وہ غموم وہموم سے بھر جاتا ہے تو غم کے اظہار کے لیے زبان پھوٹ پڑتی ہے یعنی یہ ایک دل گرفتگی کا نتیجہ ہے اور اظہارِ غم ہے۔

وَنَفْثَةُ الْغَيْظِ

''اندرونی غم وغصے کی موج ہے''۔

سیّدہ کا مقصد یہ تھا کہ قلب زخموں سے خون خون ہے۔ یہ گفتگو اُنھیں زخموں کے اثرات ہیں۔

وَخَوْرُ الْقَنَا

''یہ رنج ودرد کے نشان ہیں جو برداشت سے باہر ہیں''۔

وَبَثَّةُ الصَّدْرِ

''سینے میں درد کے فوارے ہیں جو اُبل رہے ہیں''۔

جس طرح کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا تھا: اِنَّمَا اَشْكُوْ بَثِّيْ یعنی اپنے غم کی شکایت، یہ اندرونی غم وہم اتنا شدید ہوتا ہے جو دل کی دنیا کو متزلزل کیے رکھتا ہے اور صاحب ہم وغم اُسے چھپا نہیں سکتا۔ اس کے اظہار پر مجبور ہوتا ہے۔

وَتَقْدِمَةُ الْحُجَّةِ

میں نے تم سے جو خطاب کیا ہے اور جو کچھ کہا ہے مجھے تمھاری نصرت کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے تمھاری حمایت کی اُمید تک بھی نہیں ہے۔ میں نے یہ سب کچھ اپنے قلبی اور دینی اسباب و احساسات کی بنا پر کیا ہے جو نفسی اور قلبی اسباب تھے۔ وہ میں نے ذکر کر دیے ہیں۔ اور جو دینی اسباب تھے وہ میں نے تمھارے سامنے اتمامِ حجت کے لیے پیش کر دیے ہیں۔ جو میری ذمہ داری بنتی تھی وہ میں نے کامل و اکمل دلائل و براہین کے ساتھ تمھارے سامنے رکھ دی ہے تاکہ روزِ محشر تم کسی قسم کا عذر پیش نہ کر سکو کہ کل تم کہو کہ ہم غافل تھے یا بھول گئے تھے یا ان باتوں کا ہمیں علم نہ تھا۔ میں نے اپنی اور اپنے نسب کی معرفی کرا دی ہے۔ میں نے نہ کسی کے لیے عذر چھوڑا ہے اور نہ صاحب قول کے لیے کوئی قول چھوڑا ہے۔ امامت سے جو مربوط مسائل وحقائق تھے وہ میں نے بیان کر دیے ہیں۔

اپنے حق جاگیر فدک کی توضیحات بھی آپ کو سنا دی ہیں۔ میں نے قرآن مجید کے ذریعے قانونِ توارثِ عامہ اور خاصہ دونوں ثابت کر دیے ہیں۔ میں نے اپنے حقوق کے لیے تم سے نصرت طلبی کی لیکن تم نے کوئی جواب نہیں دیا اور نہ میری کوئی اعانت کی ہے۔

فَدُوْنَكُمُوْهَا فَاحْتَقِبُوْهَا دَبِرَةَ الظَّهْرِ
حکومت کے مرکب کی زمام مضبوطی سے پکڑیے اور اس پر اپنی خورجینیں بار کرکے کس لیجیے لیکن یہ خیال رہے کہ اس ناقہ کی پشت زخمی ہے۔
نَقِبَةَ الْخُفِّ۔۔۔ "اس کے پاؤں زخمی ہیں"۔
بَاقِيَةَ الْعَارِ۔۔۔ "لیکن تمھاری کارکردیاں ہر عصر و نسل قیامت تک یاد رکھے گی"۔
مَوْسُوْمَةً بِغَضَبِ اللهِ وَشَنَارِ الْاَبَدِ
"اس ناقہ پر اللہ تعالیٰ کے غضب اور اُس کی ناراضی کی علامات ہیں اور اس پر اَبدی ننگ و عار کی نشانی ہے"۔
مَوْصُوْلَةً بِنَارِ اللهِ الْمُوْقَدَةِ الَّتِىْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْئِدَةِ
"اللہ تعالیٰ کی اُس شعلہ ور آگ سے متصل ہے، جو دلوں پر روشن ہوتی ہے اور ظاہر و باطن کو جلا دیتی ہے"۔
فَبِعَيْنِ اللهِ مَا تَفْعَلُوْنَ
"اللہ تعالیٰ آپ کے اعمال و افعال کو دیکھ رہا ہے۔ کسی کا کوئی عمل اس ذات پر مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے۔ آپ کے تمام اعمال اللہ تعالیٰ کے حضور میں ظاہر و باہر ہیں"۔
وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُوْنَ
"عنقریب زیادتی کرنے والوں کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کیسے پلٹائے جائیں گے"۔
وَاَنَا ابْنَةُ نَذِيْرٍ لَكُمْ بَيْنَ يَدَىْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ
"میں آپ کے اُس رسولؐ کی بیٹی ہوں جس نے شدید عذاب سے ڈرایا ہے"۔
آپؑ نے اللہ تعالیٰ کے اِس قول کی طرف اشارہ فرمایا ہے:
اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا (سورۂ فتح: آیت ۸)
"اے نبیؐ! ہم نے آپؐ کو شاہد، مبشر اور منذر بنا کر بھیجا ہے"۔
فَاعْمَلُوْا اِنَّا عَامِلُوْنَ
"جو کچھ چاہو کرلو، ہماری طرف سے آپ لوگوں کے جواب میں صبر اور برداشت ہے۔ ہم

صبروتحمل سے کام لیں گے۔

وَانْتَظِرُوْا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ

"اپنی کارکردگی کے عواقب کا انتظار کیجیے اور ہم اپنے صبروتحمل کے ثمرات کا"۔

فَاَجَابَهَا وَقَالَ: يَا بْنَةَ رَسُولِ اللهِ! لَقَدْ كَانَ أَبُوكِ بِالْمُؤْمِنِيْنَ عَطُوفًا كَرِيْمًا، رَؤُوفًا رَحِيْمًا ، وَعَلَى الْكَافِرِيْنَ عَذَابًا أَلِيْمًا وَعِقَابًا عَظِيْمًا، اِنْ عَزَوْنَاهُ وَجَدْنَاهُ أَبَاكِ دُوْنَ النِّسَاءِ، وَاَخَا اِلْفِكِ دُوْنَ الْاَخِلَّاءِ ، آثَرَهُ عَلَى كُلِّ حَمِيْمٍ، وَسَاعَدَهُ فِي كُلِّ أَمْرٍ جَسِيْمٍ لَا يُحِبُّكُمْ اِلَّا كُلُّ سَعِيْدٍ، وَلَا يُبْغِضُكُمْ اِلَّا كُلُّ شَقِيٍّ ، فَاَنْتُمْ عِتْرَةُ رَسُوْلِ اللهِ الطَّيِّبُوْنَ وَالْخِيَرَةُ النِّسَاءِ! وَابْنَةِ خَيْرِ الْاَنْبِيَاءِ، صَادِقَةٌ فِي قَوْلِكِ، سَابِقَةٌ فِي وُفُوْرِ عَقْلِكِ، غَيْرَ مَرْدُوْدَةٍ عَنْ حَقِّكِ، وَلَا مَصْدُوْدَةٍ عَنْ صِدْقِكِ، وَاللهِ مَا عَدَوْتُ رَأْيَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَلَا عَمِلْتُ اِلَّا بِاِذْنِهِ، وَاِنَّ الرَّائِدَ لَا يَكْذِبُ اَهْلَهُ، وَ اِنِّي أُشْهِدُ اللهَ وَكَفٰى بِهِ شَهِيْدًا ، اِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ يَقُوْلُ: ﴿نَحْنُ مَعَاشِرَ الْاَنْبِيَاءِ لَا نُوَرِّثُ ذَهَبًا وَلَا فِضَّةً وَلَا دَارًا وَلَا عِقَارًا وَ اِنَّمَا نُوَرِّثُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ، وَالْعِلْمَ وَالنُّبُوَّةَ، وَمَا كَانَ لَنَا مِنْ طُعْمَةٍ فَلِوَالِي الْاَمْرِ بَعْدَنَا، أَنْ يَحْكُمَ فِيْهِ بِحُكْمِهِ﴾۔

وَقَدْ جَعَلْنَا مَا حَاوَلْتِهِ فِي الْكُرَاعِ وَالسِّلَاحِ، يُقَاتِلُ بِهَا الْمُسْلِمُوْنَ وَيُجَاهِدُوْنَ الْكُفَّارَ وَيُجَالِدُوْنَ الْمَرَدَةَ الْفُجَّارَ وَذٰلِكَ بِاِجْمَاعٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ! لَمْ أَنْفَرِدْ بِهِ وَحْدِي وَلَمْ أَسْتَبِدَّ بِمَا كَانَ الرَّأْيُ فِيْهِ عِنْدِي، وَهٰذِهِ حَالِي وَمَالِي، هِيَ لَكِ وَبَيْنَ يَدَيْكِ، لَا تُزْوٰى عَنْكِ وَلَا تُدَّخَرُ دُوْنَكِ، وَأَنْتِ سَيِّدَةُ أُمَّةِ أَبِيْكِ، وَالشَّجَرَةُ الطَّيِّبَةُ لِبَنِيْكِ، لَا يُدْفَعُ مَا لَكِ مِنْ فَضْلِكِ، وَلَا يُوْضَعُ فِي فَرْعِكِ وَاَصْلِكِ، حُكْمُكِ نَافِذٌ فِيْمَا مَلَكَتْ يَدَايَ ، فَهَلْ تَرَيْنَ أَنْ أُخَالِفَ فِي ذٰلِكَ أَبَاكِ؟

سیدۂ عالمؑ کی تقریر کے جواب میں حکومت نے یہ تقریر کی:

"اے دختر رسول اللہ! آپؑ کے والد گرامیؐ اہل ایمان پر بہت مہربان اور رحیم و کریم تھے۔ صاحب مہروعطوفت تھے۔ وہ کفار کے لیے ایک دردناک عذاب اور شدید ترین قہر خداوندی تھے۔ اگر ہم ان کی نسبتوں میں غور کریں تو رسول اللہؐ تمام عورتوں میں صرف آپؑ کے ہی والد گرامی

قدر تھے اور تمام چاہنے والوں میں صرف آپؑ کے شوہر کے چاہنے والے تھے۔ اور اُنھوں نے بھی ہر سخت مرحلہ پر نبیؐ کا ساتھ دیا ہے۔

آپؑ کا دوست صرف ایک نیک بخت اور سعید انسان ہی ہوسکتا ہے اور آپؑ کا دشمن بدبخت اور شقی کے علاوہ کوئی نہیں ہوسکتا۔ آپؑ رسول اکرمؐ کی پاکیزہ عترت اور اُن کے پسندیدہ افراد ہیں۔ آپ ہی حضرات راہِ خیر میں ہمارے راہنما ہیں اور جنت کی طرف لے جانے والے ہیں۔

اے تمام خواتین عالم میں منتخب اور خیر الانبیاؐ کی دختر! یقیناً آپ اپنے کلام میں صادق ہیں اور کمالِ عقل میں سب پر مقدم ہیں۔ آپؑ کو نہ تو آپؑ کے حق سے روکا جاسکتا ہے اور نہ آپ کی صداقت کا انکار کیا جاسکتا ہے۔

خدا کی قسم! میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے سے عدول نہیں کیا ہے اور نہ کوئی کام اُن کی اجازت کے بغیر کیا ہے اور امیرِ کاروان اپنے کاروان سے خیانت بھی نہیں کرسکتا ہے۔ میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں اور وہی گواہی کے لیے کافی ہے۔

میں نے خود رسولؐ اللہ سے سنا ہے کہ ہم گروہِ انبیاءؑ سونے چاندی اور گھر و جاگیر وجائیداد کا وارث نہیں بناتے ہیں۔ ہماری وراثت، کتاب حکمت و دانش اور علم و نبوت ہے اور جو مالِ دنیا ہم سے بچ جاتا ہے وہ ہمارے بعد اُولی الامر کے اختیار میں ہوتا ہے وہ جو چاہے فیصلہ کرے اور میں نے آپ کے تمام مطلوبہ اموال کو سامانِ جنگ کے لیے مخصوص کردیا ہے جس کے ذریعے مسلمان کفار سے جہاد کریں گے اور سرکش فاجروں کا مقابلہ کریں گے۔ میں نے یہ کام تمام مسلمانوں کے اتفاق رائے سے کیا ہے۔ ہاں یہ میرا ذاتی مال اور سرمایہ آپ کے لیے حاضر ہے اور آپ کی خدمت میں ہے جس میں کوئی کوتاہی نہیں کی جاسکتی اور نہ اُسے آپ کے مقابلے میں ذخیرہ کیا جاسکتا ہے۔

آپ تو اپنے والد گرامی کی اُمت کی سیّدہ و سردار ہیں اور اپنی اولاد کے لیے شجرۂ طیبہ ہیں۔ آپ کے فضل وشرف کا انکار نہیں کیا جاسکتا اور آپ کی اصل اور فرع کو نہیں گرایا جاسکتا ہے آپ کا حکم تو میری تمام جائیداد میں بھی نافذ ہے تو کیسے ممکن ہے کہ میں اس مسئلہ میں آپؑ کے بابا کی مخالفت کروں گا"۔

توضیح وتشریح خطبہ

ریحانۂ رسولؐ نے نہایت ہی جامع اور مانع گفتگو فرمائی اور جس گفتگو کی ضرورت تھی آپؑ نے اُسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ آپؑ نے اپنی منطقی اور استدلالی گفتگو سے ایسا ماحول پیدا کر دیا کہ حکومت مجبور ہوگئی کہ وہ آپؑ کی عزت و عظمت اور آپؑ کے شوہر کی فضیلت اور آپؑ کے حقوق کا اعتراف کرے۔

حکومت نے اپنی اعترافی گفتگو کا یوں آغاز کیا:

وَقَالَ يَا بِنْتَهٗ رَسُوْلِ اللهِ

"جی ہاں! اے دخترِ فرزانہ پیغمبرؐ!"

سبحان اللہ! کیا حکومت سیدہ نساء العالمینؑ کے فضائل کو بخوبی جانتی تھی۔ جی ہاں اُن کے فضائل سے حکومت آگاہ تھی اور آپ کی تقریر کا ان الفاظ میں جواب دیا:

لَقَدْ كَانَ اَبُوْكِ بِالْمُؤْمِنِيْنَ عَطُوْفًا كَرِيْمًا رَؤُوْفًا رَحِيْمًا

"آپؑ کے والد گرامی اہلِ ایمان پر مہربان تھے، اُن پر بخشش و بزرگواری کرتے تھے اور ان کے حق میں رؤف و رحیم تھے"۔

یہ تمام باتیں ہر آدمی جانتا تھا۔ اِس کلام سے حکومت کا مقصود کیا تھا؟

وَاِنْ عَزَوْنَاهُ وَجَدْنَاهُ اَبَاكِ دُوْنَ النِّسَاءِ وَاَخَا اِلْفِكِ دُوْنَ الْاَخِلَّاءِ

حضرت سیدہ زہراؑ نے اپنے خطبہ کے اوّل میں فرمایا تھا:

فَاِنْ تَعْزُوْهُ وَتَعْرِفُوْهُ وَتَجِدُوْهُ اَبِيْ دُوْنَ نِسَائِكُمْ وَاَخَا ابْنِ عَمِّيْ دُوْنَ رِجَالِكُمْ

"اگر تم اُنھیں اور اُن کی نسبت کو دیکھو تو تمام عورتوں میں صرف میرے باپ اور تمام مردوں میں صرف میرے ابنِ عم کا بھائی ہی پاؤ گے"۔

حکومت نے آپؑ کے فرمان کی تصدیق کی۔ واقعی آپؑ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ سچ ہے۔

اٰثَرَهٗ عَلٰى كُلِّ حَمِيْمٍ

"اور اُنھیں اپنے ہر قریبی اور دوست پر برتری بخشی"۔

وَسَاعَدَهٗ فِيْ كُلِّ اَمْرٍ جَسِيْمٍ

"آنحضرتؑ نے رسولؐ اللہ کی ہر خطرناک اور اہم کام میں اعانت کی"۔

لَا یُحِبُّکُمْ اِلَّا کُلُّ سَعِیْدٍ وَلَا یُبْغِضُکُمْ اِلَّا کُلُّ شَقِیٍّ

"آپ کا دوست نیک بخت اور سعید انسان کے علاوہ کوئی اور نہیں ہوسکتا"۔

حکومت کے لیے ایسا اعتراف قابلِ تعجب ہے!

فَاَنْتُمْ عِتْرَۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَالْخِیَرَۃُ الْمُنْتَجَبُوْنَ

"آپؑ رسولؐ اللہ کی عترت ہیں اور پسندیدہ افراد ہیں"۔

اس اعتراف و اقرار کے باوجود زمین و حقوق کے لیے نہ اُن کی گفتگو قبول کی گئی اور نہ شہادت۔

وَعَلَی الْخَیْرِ اَدِلَّتُنَا

"آپؑ لوگ ہی ہمارے ہادی و مہدی ہیں اور ہمیں امرِ خیر کی طرف رہبری کرنے والے ہیں"۔

وَاِلَی الْجَنَّۃِ مَسَالِکُنَا

"ہمیں کامیابی اور کامرانی کے ساتھ جنت کی طرف لے جانے والے ہیں"۔

وَاَنْتِ، یَاخَیْرَۃَ النِّسَاءِ، وَابْنَتِہٖ خَیْرِ الْاَنْبِیَاءِ صَادِقَۃٌ فِیْ قَوْلِكَ

"آپؑ ہی کائنات کی تمام خواتین کی سالار ہیں۔ آپؑ ہی سیدالانبیاءؐ کی دختر ہیں اور آپؑ اپنے قول میں صادق ہیں"۔

اگر آپ حضرت فاطمہ زہراؑ کو اپنے قول میں صادق تسلیم کرتے ہیں پھر اُن کا حق انھیں کیوں واپس نہیں کرتے؟ اللہ اور اُس کے رسولؐ کی طرف سے اُن کے حقوق ہیں۔ آپ نے اُن کے حقوق کو اُن سے کیوں روک رکھا ہے؟

سَابِقَۃٌ فِیْ وُفُوْرِ عَقْلِكَ غَیْرَ مَرْدُوْدَۃٍ عَنْ حَقِّكِ وَلَا مَصْدُوْدَۃٍ عَنْ صِدْقِكِ

"آپؑ عقل و خرد کے اعتبار سے اپنا ثانی نہیں رکھتیں۔ آپؑ کو آپؑ کے حقوق سے نہیں روکا جاسکتا اور نہ آپ کی صداقت کا انکار کیا جاسکتا ہے"۔

اس مقام پر حق بنتا ہے کہ حکومت سے کہا جائے کہ سیدہؑ نے اپنا حق طلب کیا ہے۔ اُن کا حق اُن کے حوالے کردیا جائے۔ یہ قول و فعل کے درمیان تضاد کیسا؟

وَاللّٰہِ مَا عَدَوْتُ رَأْیَ رَسُوْلِ اللّٰہِ

"خدا کی قسم! میں نے رسولؐ اللہ کی رائے سے تجاوز نہیں کیا ہے"۔

وَلَا عَمِلْتُ اِلَّا بِاِذْنِہٖ

"میں نے ان کی اجازت سے یہ کام کیا ہے"۔

نہیں آپؓ نے وہ کیا ہے جو رسولؐ اللہ نے نہیں فرمایا تھا۔ رسولؐ اللہ نے اپنی دختر کو جاگیر فدک ہدیہ کیا تھا۔ وہ ان کی ملکیت بن چکی تھی۔ آپؓ نے رسولؐ اللہ کی رحلت کے بعد ان کی دختر کو مجروح کر دیا۔

وَاِنَّ الرَّائِدَ لَا یَکْذِبُ اَھْلَہٗ

"ایک معاشرے کا رہبر اپنی عوام کے سامنے جھوٹ نہیں بولتا"۔

اس جگہ ان الفاظ کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی۔

وَاِنِّیْ اُشْھِدُ اللہَ وَکَفٰی بِہٖ شَھِیْدًا

"میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں شہادت کے لیے وہ ہی کافی ہے"۔

اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللہِ یَقُوْلُ، نَحْنُ مَعَاشِرَ الْاَنْبِیَاءِ لَا نُوَرِّثُ ذَھَبًا وَلَا فِضَّۃً وَلَا دَارًا وَّلَا عِقَارًا

"میں نے رسولؐ اللہ سے سنا تھا آپؐ نے فرمایا تھا: ہم گروہ انبیاءؑ سونے چاندی اور گھر و جائیداد کا وارث نہیں بناتے ہیں۔ ہماری وراثت کتاب و حکمت و دانش اور علمِ نبوت ہے اور جو مالِ دنیا ہم سے بچ جاتا ہے وہ ہمارے بعد اُولی الامر کے اختیار میں ہوتا ہے اور وہ جو چاہے فیصلہ کرے"۔

حکومتی گفتار عجیب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انبیاءؑ وارث بناتے ہیں اور رسولؐ اللہ فرمائیں کہ انبیاءؑ وارث نہیں بناتے۔ آپ فیصلہ کریں کون سی بات صحیح ہے؟

حکومت خود ہی مدعی ہے، خود ہی گواہ ہے اور خود ہی قاضی ہے۔ کیا کائنات میں ایسی قضاوت اور ایسا قانون پایا جاتا ہے؟ آپؓ نے تو رسولؐ اللہ سے یہ حدیث سن لی لیکن ان کی بیٹی نے اُن سے یہ حدیث نہ سنی؟

سیّدالانبیاءؐ آپ کو یہ حدیث سناتے ہیں اور اپنی اُس دختر کو یہ حدیث کیوں نہیں بتاتے جو جاگیر فدک کی مالکہ ہیں۔

جی ہاں! آپؓ کے قول کے مطابق کہ انبیاؑؤں کی میراث کتاب رسالت و نبوت ہوتی ہے۔

رسولؐ اللہ نے کون سی کتاب اپنی میراث میں دی تھی؟ کیا قرآنِ مجید کو؟ کیا قرآنِ مجید رسولؐ اللہ کی ملکیت تھی کہ جس کی وارث رسولؐ اللہ کی بیٹی بنتیں؟ کیا نبوت ورثے میں ملتی ہے؟ کیا جب ایک نبی فوت ہوتا ہے تو اس کی نبوت

اس کی اولاد میں منتقل ہو جاتی ہے؟

رسول اللہ کی نبوت کس کے ورثے میں آئی؟

کیا آپ اولی الامر ہیں یا وہ کہ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ ○ (سورۂ مائدہ: آیت ۵۵)

"اے ایمان دارو! تمھارے مالک سرپرست بس یہی ہیں۔ خدا اور اس کا رسولؐ اور وہ مومنین جو پابندی سے نماز ادا کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں"۔

آپ بتائیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اُمت کے حقیقی وارث کون ہیں؟

جی ہاں! کیا آپ ہی ولی امر ہیں یا وہ کہ جن کی آپ نے یوم غدیر رسول اللہ کے حکم سے بیعت فرمائی تھی اور آپ نے امام علی علیہ السلام کو امیر المومنین کہہ کر سلام کیا تھا؟

اس بارے میں آپ کیا فرمائیں گے؟ آپ اس حدیث کے عالم تھے کیا امام علیؑ ابن ابی طالبؑ اس حدیث کے عالم نہ تھے؟ حالانکہ وہ رسول اللہ کے نزدیک ترین فرد تھے۔ آپ نے خود ہی ان کے علم کے اعتراف میں فرمایا کہ حضرت امام علی علیہ السلام رسول اللہ کے علم کے شہر کے دروازے ہیں۔

جی ہاں! اگر رسول اللہ نے میراث میں کچھ نہیں چھوڑا تھا تو رسول اللہ کے حجرات اُن کی اَزواج محترمات کے قبضے میں کیوں رہ گئے تھے؟ حکومت نے ان حجرات پر قبضہ کیوں نہیں فرمایا تھا؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق یہ حجرات رسول اللہ کی ملکیت تھے۔

لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ

اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ حجرات اَزواج رسولؐ کی ملکیت و میراث تھے۔ کس قانون شرعی کے تحت یہ حجرات اُمہات المومنین اَزواج رسولؐ کی وفات تک ان کی ملکیت میں رہ گئے تھے۔ اُنھیں ان حجرات سے بے دخل کیوں نہ کیا گیا؟ ریحانۂ بتولؑ کی میراث پر جو قانون جاری کیا گیا وہ یہاں بھی جاری ہوتا ہے لیکن سید الانبیاءؐ کی دختر کے حقوق کو قبضے میں لے کر اُنھیں ان کی میراث اور اُن کے والد ارجمند کی میراث سے محروم کر دیا گیا۔

وَقَدْ جَعَلْنَا مَا حَاوَلْتِهِ فِي الْكِرَاعِ وَالسِّلَاحِ يُقَاتِلُ بِهَا الْمُسْلِمُوْنَ وَيُجَاهِدُوْنَ الْكُفَّارَ وَيُجَادِلُوْنَ الْمَرَدَةَ الْفُجَّارِ

"میں نے آپ کے تمام مطلوبہ اُموال کو سامانِ حرب و ضرب کے لیے مخصوص کردیا ہے جس کے ذریعے مسلمان کفار سے جہاد کریں گے اور سرکش فاجروں سے مقابلہ کریں گے"۔

کیا سپاہِ اسلام کو ایسے مال کی ضرورت تھی جو اُن کا شرعی مال نہ ہو بلکہ وہ کسی کا شخصی مال ہو؟

وَذٰلِكَ بِاِجْمَاعِ الْمُسْلِمِيْنَ

"یہ کام تمام مسلمانوں کی مشاورت سے عمل میں لایا گیا ہے"۔

سوال یہ ہے کہ اجماع کی کیا حیثیت ہے جو قرآنِ مجید کا مخالف ہو؟ یہ کیسا اجماع ہے جسے خاندانِ وحی نے رد کردیا ہو؟

وہ تو حکومتی تصرفات کے مخالف تھے۔ ایسا اجماع جو کتاب اللہ اور سنتِ پیغمبرؐ کے مخالف ہو اُس اجماع کی کون سی حیثیت ہوگی؟

حقیقت یہ ہے کہ حکومت کے اس امر میں نہ تمام مسلمان متفق تھے اور نہ اُن کا اجماع تھا۔ حکومت اِس جملے سے تمام حاضرین کو اپنی طرف مائل کرنا چاہتی تھی کہ کوئی اُس کی مخالفت نہ کردے۔ صرف حکومتی ہی اِس حدیث کی مدعی تھی:

نَحْنُ مَعَاشِرُ الْاَنْبِيَاءِ لَا نُوَرِّثُ

اس قرآن مخالف حدیث کے صحیح ہونے پر مسلمانوں کا کسی قسم کا اجماع نہیں تھا کیونکہ قرآنِ مجید نے واضح صورت میں قوانینِ میراث مقرر کردیے ہیں۔ قرآنِ مجید کی مخالفت قبول نہیں کی جاسکتی۔

سیدۂ عالم کے دعویٰ کے وقت جب حکومت نے اپنی طرف سے حدیث نَحْنُ مَعَاشِرُ الْاَنْبِيَاءِ لَا نُوَرِّثُ ایک دفعہ پیش کردی تھی اور خاتونِ جنت کے دعویٰ کو رد کردیا تھا تو اب حکومت نے اپنا موقف ذٰلِكَ بِاِجْمَاعِ الْمُسْلِمِيْنَ کہہ کر کیوں بدل لیا ہے؟

حکومت نے کہا: میں نے آپ کے حقوق نہیں روکے۔ اس پر تمام مسلمانوں نے اجماع کیا ہے کہ آپؑ کے اس مال سے کفار و مشرکین کے خلاف سامانِ حرب و ضرب خریدا جائے گا اور اُن سے جنگ کی جائے گی۔ غور و فکر کی ضرورت ہے!

کتاب "کشف الغمہ" میں روایت موجود ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت عثمانؓ خلیفہ تھے۔ حضرت عائشہؓ اُن کے دربار میں آئیں اور فرمایا:

اَعْطِنِیْ مَا کَانَ یُعْطِیْنِیْ اَبِیْ وَعُمَرُ

''وہ مال جو مجھے میرے والد اور حضرت عمرؓ دیتے تھے عطا کیجیے''۔

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا:

لَا اَجِدُ لَهَا مَوْضِعًا فِی الْکِتَابِ وَلَا فِی السُّنَّةِ

آپ کے اس دعوٰی کی میرے پاس قرآنِ مجید اور پیغمبرؐ خدا کی سنت میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ شاید آپ کے والد اور حضرت عمرؓ اپنے اموال میں سے آپ کی طرف کچھ بھیجتے ہوں گے لیکن میں ایسا نہیں کر سکتا۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا: جو میراث مجھے پیغمبر خدا ﷺ کی طرف سے ملی تھی وہ مجھے دیجیے۔

حضرت عثمانؓ نے فرمایا: کیا آپ بھول گئی ہیں کہ آپ نے اور مالک بن اوس نصری نے گواہی نہیں دی تھی کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ ہم مال و متاع پر کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے؟ آپ نے ہی حضرت فاطمہؑ کا حق باطل کیا تھا۔ اب اسی حق کے لیے تشریف لائی ہیں؟ (کشف الغمہ، ج ا، ص ۴۷۸)

کتنے تعجب کا مقام ہے کہ حضرت عائشہؓ کی گواہی تو قبول کی جاتی ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کی دختر کی گواہی قبول نہیں کی جاتی؟

مالک بن اوس نصری کی گواہی قبول ہوتی ہے لیکن نفسِ رسولؐ اور بعد از رسولؐ کائنات کے بہترین اور افضل ترین انسان حضرت امام علی علیہ السلام کی گواہی قبول نہیں کی جاتی؟

پڑھیے اور غور و خوض کیجیے اور فیصلہ دیجیے۔ اس جملے کے ساتھ حکومتی مقصد مزید روشن ہو جاتا ہے۔

لَمْ اَنْفَرِدْ بِهٖ اَحَدِیْ وَلَمْ اَسْتَبِدَّ بِمَا کَانَ الرَّاٰیُ فِیْهِ عِنْدِیْ

''اس معاملے میں میں اکیلا نہیں ہوں اور میں آپ کے حق میں ظلم پسند کرنے والا نہیں ہوں''۔

جی ہاں! حکومت نے درست کہا صرف تنہا اس کی خواہش نہیں تھی بلکہ کچھ اور بھی تھے جن کی خواہش تھی کہ خاتونِ جنت اور اُن کے شوہر ارجمند کے حقوق پر ہاتھ صاف کیا جائے۔ اُن لوگوں نے حکومت کے حق میں گواہی دی۔

وَهٰذِهٖ حَالِیْ وَمَالِیْ، هِیَ لَکِ وَبَیْنَ یَدَیْکِ، لَا تُزْوٰی عَنْکِ، وَلَا تُدَّخَرُ دُوْنَکِ

''ہاں یہ میرا ذاتی مال اور سرمایہ آپ کے لیے حاضر ہے اور آپ کی خدمت میں ہے کہ جس میں کوئی کوتاہی نہیں کی جا سکتی اور نہ آپ کے مقابلے میں ذخیرہ کیا جا سکتا ہے۔

جی ہاں! یہ وہ خوبصورت باتیں ہیں کہ جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ اکثر طور پر ایسی باتیں حکومتیں کرتی ہی رہتی ہیں۔

اَنْتِ سَیِّدَۃُ اُمَّۃِ اَبِیْكِ، وَالشَّجَرَۃُ لِبَنِیْكِ

"آپ اپنے والد گرامی کی اُمت کی سیّدہؑ و سالار ہیں اور اپنی اولاد کے لیے شجرۂ طیبہ ہیں"۔

نہ کسی کو آپ کی برتری سے انکار ہے اور نہ آپ کی اصل و نسل کی افضلیت سے انکار ہے۔

حکومت نے کہا کہ ہمیں آپ لوگوں کی برتری کا اعتراف ہے جو کچھ ہماری ذاتی ملکیت میں ہے وہ حاضر ہے۔

اگرچہ یہ جملے حقیقت پر مبنی ہیں لیکن ان سے سیاسی مفادات حاصل کرنے کی کاوش کی گئی ہے۔

ہم اِس کتاب کے آئندہ صفحات میں سیاست دانوں اور حکمرانوں کے افکار و نظریات پیش کرنے والے ہیں۔

اُن لوگوں نے ہمیشہ حالات کے مطابق گفتگو کی۔

فَهَلْ تَرِیْنَّ اَنْ اُخَالِفَ فِیْ ذٰلِكَ اَبَاكِ

"کیا آپ مجھے ایسا خیال کرسکتی ہیں کہ میں آپ کے والد ماجد کی سیرت طیبہ کی مخالفت کرسکتا ہوں"۔

اے لوگو! حکومت والے تو کہہ رہے ہیں کہ ہم آپ کے والد رسول اللہ ﷺ کی سیرت کی مخالفت نہیں کرسکتے لیکن ریحانۂ نبوت حضرت زہرا علیہا السلام جو بضعہ رسولؐ اللہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے اُنھیں آیت تطہیر کا مصداق ٹھہرایا ہے اور اُن سے ہر قسم کا رجس دُور فرمایا ہے اور اُنھیں پاک و پاکیزہ بنایا ہے۔ کیا وہ رسولؐ اللہ کی سیرت کی مخالفت کرسکتی ہیں؟

کیا آپ کی عقل ایسی بات کو قبول کرسکتی ہے؟

کیا آپ کا وجدان ایسا فیصلہ دے سکتا ہے؟

خدایا! یہ کیا ہو رہا ہے؟

اگر مسلمان قرآنِ مجید کے احکام کے سامنے سرنگوں ہو جائیں تو وہ کس طرح رسولؐ اللہ کی مخالفت کرسکتے ہیں۔

باطل تو نہ اُن کے آگے آسکتا ہے اور نہ پیچھے۔

قرآنِ مجید کی آیاتِ میراث پر عمل کرنا اور یہ نظریہ رکھنا کہ انبیاءؑ بھی قانونِ توارث میں شامل ہیں کیا یہ رسولؐ اللہ کی مخالفت ہے؟

کیا سیّدہ عالم کی گفتگو جو قرآنِ مجید کے مطابق ہے یا اُن کے عظیم شوہر کی گفتگو جو نفسِ رسولؐ ہیں، اللہ کی کتاب کے مطابق ہے۔ قرآنِ مجید اور رسولؐ اللہ کی سیرت کی مخالفت ہے؟

جب مفاہیم کو منقلب کر دیا جائے، حقائق کو بدل دیا جائے۔ تو پھر کیا کہا جاسکتا ہے؟ ان حالات میں معروف منکر بن جاتا ہے اور منکر معروف بن جاتا ہے۔

آیئے اب سیدہ نساء العالمین کی گفتگو سنتے اور پڑھتے ہیں کہ آپ نے کیا فرمایا: حکومت کے جواب میں کیا فرمایا؟

سیّدہ نساء العالمینؑ کا جواب

فَقَالَتْ علیہا السلام: سُبْحَانَ اللهِ مَا كَانَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ عَنْ كِتَابِ اللهِ صَادِفًا، وَلَا لِأَحْكَامِهِ مُخَالِفًا، بَلْ كَانَ يَتَّبِعُ أَثَرَهُ، وَيَقْفُو سُوَرَهُ، أَفَتَجْمَعُونَ إِلَى الْغَدْرِ اِعْتِلَالًا عَلَيْهِ بِالزُّورِ، وَهٰذَا بَعْدَ وَفَاتِهِ شَبِيهٌ بِمَا بُغِيَ لَهُ مِنَ الْغَوَائِلِ فِي حَيَاتِهِ، هٰذَا كِتَابُ اللهِ حَكَمًا عَدْلًا، وَنَاطِقًا فَصْلًا۔

يَقُولُ: ﴿يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ﴾

وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ

فَبَيَّنَ عزوجلّ فِيمَا وَزَّعَ عَلَيْهِ مِنَ الْأَقْسَاطِ، وَشَرَعَ مِنَ الْفَرَائِضِ وَالْمِيرَاثِ، وَأَبَاحَ مِنْ حَظِّ الذُّكْرَانِ وَالْإِنَاثِ، مَا أَزَاحَ عِلَّةَ الْمُبْطِلِينَ وَأَزَالَ التَّظَنِّيَ وَالشُّبُهَاتِ فِي الْغَابِرِينَ، كَلَّا، بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا، فَصَبْرٌ جَمِيلٌ، وَاللهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ۔

''سبحان اللہ! نہ میرے والد گرامی کتاب اللہ سے روکنے والے تھے اور نہ اُس کے احکام کے مخالف تھے۔ وہ آثار قرآن کریم کی اِتباع کرتے تھے اور اُس کے سوروں کے ساتھ ساتھ چلتے تھے۔ کیا آپ لوگوں کا مقصد یہ ہے کہ قرآنی احکام کے چھوڑنے کا الزام اُن پر ڈالو۔ یہ اُن کی رحلت کے بعد ایسی ہی ایک سازش ہے جیسی ان کی زندگی میں کی گئی تھی۔

دیکھیے! یہ کتاب خدا، عادل حاکم اور قولِ فیصل ہے جو اعلان کر رہی ہے کہ ''خدایا! وہ ولی عطا فرما جو میرا بھی وارث ہو اور آلِ یعقوبؑ کا بھی وارث ہو ۔۔۔ حضرت سلیمانؑ، حضرت داوٗدؑ کے وارث ہوئے۔ خداوند عزوجل نے تمام حصّے اور فرائض کے تمام احکام بیان کر دیئے ہیں جہاں لڑکوں اور لڑکیوں کے حقوق کی بھی وضاحت کر دی ہے اور اس طرح اُس نے تمام

اہل باطل کے بہانوں کو باطل کر دیا ہے اور قیامت تک کے تمام شبہات اور خیال کو ختم کر دیا ہے۔ یقیناً یہ آپ لوگوں کے نفس نے ایک بات بنالی ہے۔ تو اب میں صبر جمیل سے کام لے رہی ہوں اور اللہ ہی آپ لوگوں کے بیانات کے بارے میں میرا مددگار ہے"۔

خطبہ کی توضیح وتشریح

سیدۂ کائنات نے فرمایا: سبحان اللہ! حکومتی گفتگو پر تعجب کے انداز میں فرمایا۔ سبحان اللہ سیدالانبیاءؐ کی ذات والاصفات صادق اور مصدق تھی۔ آپؐ تو وحیِ یوحٰی کے مصداق تھے۔ آپؐ کا نطق وحیِ خداوندی سے مربوط تھا۔

مَا كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَنْ كِتَابِ اللهِ صَادِقًا

"اللہ تعالیٰ نے اُن پر اپنی کتاب نازل فرمائی آپؐ اللہ کی کتاب سے اعراض کرنے والے نہ تھے۔

وَلَا لِاَحْكَامِهٖ مُخَالِفًا

شفیع روزِ جزا حضرت محمد مصطفیٰؐ احکامِ قرآنی کے مخالف نہ تھے اور حکومتی پیش کردہ حدیث: نَحْنُ مَعَاشِرُ الْاَنْبِيَاءِ لَا نُوَرِّثُ قرآنی آیات اس کی ضد ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے میراثِ انبیاءؑ کو بیان فرمایا ہے کہ انبیاءؑ نے اپنے آباء سے میراث پائی تھی اور اُن کی اولاد نے اُن سے میراث پائی تھی۔

بَلْ كَانَ يَتْبَعُ اَثَرَهٗ

خاتم النبیینؐ کی ذات قرآنی احکام کے تابع تھی اُنھوں نے قرآنِ مجید کی روشنی میں اور اُس کے سایہ میں زندگی بسر کی تھی۔

وَيَقْفُوْ سُوَرَهٗ۔۔۔ رسولِ اعظمؐ و آخر قرآنِ مجید کی سورتوں کی پیروی فرماتے تھے۔ اُن کے بارے میں کسے جرأت حاصل ہے کہ وہ کہے کہ اللہ کے نبیؐ اللہ تعالیٰ کے احکام کے پابند نہ تھے؟

اَفَتَجْمَعُوْنَ اِلَى الْغَدْرِ اِعْتِلَالًا عَلَيْهِ بِالزُّوْرِ

سیدہؑ نے فرمایا: حکومت سے دو باتیں صادر ہوئیں ہیں: ایک جاگیر فدک پر قبضہ اور دوسری بات وہ حدیث جو رسولؐ اللہ سے صادر نہیں ہوئی اور اُن کی طرف منسوب کر دی گئی ہے۔

وَهٰذَا بَعْدَ وَفَاتِهٖ شَبِيْهٌ بِمَا بُغِيَ لَهٗ مِنَ الْغَوَائِلِ فِيْ حَيَاتِهٖ

بتولِ عذراؑ نے حالات کے پیشِ نظر فرمایا کہ میرے بابا کی قتل کی سازش اُن کی زندگی میں بھی کی گئی تھی جب آپؐ اپنی ناقہ پر سوار ہو کر وادیٔ عقبہ سے گزر رہے تھے۔ منافقین نے آپ کی ناقہ کا تعاقب کیا۔ رسول اللہ پہلے ہی سے وحی کے ذریعے اس سازش سے باخبر تھے۔ آپؐ نے ناقہ کی مہار جناب عمارؓ کے ہاتھ میں دی اور جناب حذیفہؓ پیچھے سے ہانک رہے تھے۔ جب آپؐ نے رات کی تاریکی میں اپنے پیچھے سے آواز سنی تو آپؐ نے بعض اصحاب سے فرمائیں کہ وہ فوراً ان منافقوں کو پلٹا دیں۔ صحابہ کرام نے اُنھیں بھگا دیا۔

هٰذَا كِتَابُ اللهِ حَكَمًا عَدْلًا ، نَاطِقًا فَصْلًا

"جی ہاں یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو حاکم عادل ہے اور ناطق ہے۔ خصومات کا قلع قمع کرنے والی ہے۔ ہم نے اُسے اپنا مرجع قرار دیا ہے کہ وہ ہی ہمارا فیصلہ کرے"۔

قرآنِ مجید کا فرمان ہے: يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ۔

حضرت زکریاؑ کے قصے میں اُن کی دعا مذکور ہے۔ اس آیت پر بحث گذشتہ صفحات میں موجود ہے۔

وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ

"حضرت سلیمانؑ حضرت داؤدؑ کے وارث ہوئے"۔

آپ لوگوں کا بیان ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا تھا: نَحْنُ مَعَاشِرُ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُوَرِّثُ

رسول اللہ قرآنِ مجید کی کیسے مخالفت کر سکتے تھے؟ اور آپؐ انبیاء علیہم السلام کی وراثت کے حکم سے کیسے اعراض کر سکتے تھے؟

فَبَيَّنَ (عزوجل) فِيمَا وَزَّعَ عَلَيْهِ مِنَ الْأَقْسَاطِ

"اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں تمام ورثاء کے حصے مقرر کر دیے ہیں"۔

وَشَرَعَ مِنَ الْفَرَائِضِ وَالْمِيرَاثِ

"اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حصص مقرر فرما دیئے ہیں جیسے: نصف، تہائی، چوتھائی، چھٹا حصہ، آٹھواں حصہ وغیرہ۔

یہ تمام حصے فقہ کی کتب میں مذکور ہیں۔

وَأَبَاحَ مِنْ حَظِّ الذُّكْرَانِ وَالْإِنَاثِ

"اللہ تعالیٰ نے ورثاء کے تمام مراتب کی توضیح فرما دی ہے جیسے شوہر، زوجہ، باپ، ماں، بیٹے

اور بیٹیاں اور دوسرے مراتب۔

مَا اَزَاحَ عِلَّةَ الْمُبْطِلِيْنَ

"مراتب اور ان کے حصص کی تشریح سے اہلِ باطل کے بہانوں کو باطل کر دیا ہے"۔

وَاَزَالَ التَّظَنِّيَ وَالشُّبُهَاتِ فِي الْغَابِرِيْنَ

"اللہ تعالٰی نے اس قانونِ توارث سے قیامت تک ہر نسل ہر عصر کے لیے ہر قسم کے شکوک و شبہات کو ختم کر دیا ہے"۔

كَلَّا بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا

"جس طرح آپ لوگوں نے کہا ہے، معاملہ یہ نہیں ہے۔ یہ امر آپ پر واضح ہے آپ کو اس پر کوئی اشتباہ نہیں ہے"۔

خود آپ کے نفوس نے اِس امر کو مزین کر کے آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ خود حدیث بنا کر اُسے رسولؐ اللہ سے منسوب کر دیا ہے۔

فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ

"یہ مصائب و آلام جو ہمیں پہنچے ہیں ہم ان پر صبر کریں گے اور اللہ تعالٰی سے نصرت طلبی کریں گے"۔

حکومتی جواب

فَقَالَ اَبُوبَكْرٍ: صَدَقَ اللّٰهُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ ، وَصَدَقَتْ اِبْنَتُهُ ، أَنْتِ مَعْدِنُ الْحِكْمَةِ ، وَمَوْطِنُ الْهُدٰى وَالرَّحْمَةِ ، وَرُكْنُ الدِّيْنِ ، وَعَيْنُ الْحُجَّةِ ، لَا أُبْعِدُ صَوَابَكِ ، وَلَا أُنْكِرُ خِطَابَكِ ، هٰؤُلَاءِ الْمُسْلِمُوْنَ بَيْنِي وَبَيْنَكِ قَلَّدُوْنِي مَا تَقَلَّدْتُ ، وَبِاتِّفَاقٍ مِنْهُمْ أَخَذْتُ مَا أَخَذْتُ ، غَيْرَ مُكَابِرٍ وَلَا مُسْتَبِدٍّ ، وَلَا مُسْتَأْثِرٍ ، وَهُمْ بِذٰلِكَ شُهُوْدٌ

"حضرت ابوبکرؓ نے کہا: اللہ، رسولؐ اور رسولؐ اللہ کی بیٹی سب سچے ہیں۔ اے سیدۂ عالم! آپ دانش و حکمت کی معدن ہیں۔ آپ ہدایت و رحمت کا مرکز اور دین کا رکن ہیں۔ آپ اللہ کی حجت کا سرچشمہ ہیں۔ میں آپ کی درست اور سنجیدہ گفتگو کو دُور نہیں پھینک سکتا۔ اور نہ آپ کی

باتوں کا انکار کرسکتا ہوں اور نہ میں اس میں کوئی عیب تلاش کرسکتا ہوں۔ میرے اور آپ کے درمیان یہ مسلمان موجود ہیں۔ جنھوں نے مجھے خلافت کی ذمہ داری سونپی ہے اور میں نے اُن کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے یہ عہدہ سنبھالا ہے اس میں نہ میری بڑائی شامل ہے اور نہ رائے، اور نہ شوقِ حکومت یہ سب لوگ اس بات پر میرے گواہ ہیں"۔

توضیح وتشریح

جب خاتونِ جنت نے اپنی منطقی و استدلالی بحث سے حکومتی کوشش و کاوش کو ناکام بنا دیا تو حکومت کو اقرار کرنا پڑا کہ آپ اپنے موقف میں حق پر ہیں۔ آپ کی گفتگو سچ ہے۔ اس لیے حکومت نے ایک نیا رُخ اختیار کیا تا کہ یہ بوجھ اس کے کندھوں سے اُتر جائے اور حاضرینِ مسجد ذمہ دار ٹھہریں۔ حکومت نے تمام ذمہ داری تمام مسلمانوں پر ڈال دی کہ وہ ہی جواب دہ ہیں۔ اس لیے حکومت نے سیّدہؑ کو اِن الفاظ سے خطاب کیا:

صَدَقَ اللّٰہُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہٗ وَصَدَقَتْ اِبْنَتُہٗ

یہ اعترافِ حقیقت میں اُن آیات کی تصدیق ہے کہ جن آیات کو سیدہ نے انبیاءؑ کی میراث کا موضوع بنایا تھا۔ اس لیے حکومت کو کہنا پڑا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب بھی بات فرمائی وہ سچ تھی۔ رسولِ اعظم کے لیے ناممکن ہے کہ وہ قرآنِ کریم کے خلاف کوئی بات کہیں۔

اس لیے حکومت کو پیغمبر اکرمؐ کی دختر کے حق میں ان الفاظ کے ساتھ گواہی دینا پڑی۔

اَنْتِ مَعْدِنُ الْحِکْمَةِ وَمَوْطِنُ الْھُدٰی وَالرَّحْمَةِ وَرُکْنُ الدِّیْنِ وَعَیْنُ الْحُجَّةِ

"اے پیغمبرؐ کی عظیم دختر! آپ حکمت و دانش کا خزینہ ہیں، مرکزِ ہدایت ہیں، رحمت کا مرکز ہیں۔ دین کا رُکن ہیں اور دلیل و برہان کا سرچشمہ ہیں"۔

یہ عجیب اعترافات ہیں جو قابلِ غور ہیں۔

لَا اُبْعِدُ صَوَابَكِ وَلَا اُنْكِرُ خِطَابَكِ

"میں آپ کی گفتگو کو ذرہ برابر بھی حقیقت سے دُور نہیں سمجھتا اور نہ میں آپ کے خطاب کا انکار کرسکتا ہوں"۔

حکومتی اعترافات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام اپنے دعویٰ میں حق پر ہیں۔ ان کا مطالبہ فدک حق

پر مبنی ہے۔ حکومت نے زبان سے تو تصدیق کر دی لیکن اپنی بات کو عملی جامہ نہ پہنایا۔

هٰؤُلَاءِ الْمُسْلِمُوْنَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكِ قَلَّدُوْنِيْ مَا تَقَلَّدْتُ

"یہ مسلمان میرے اور آپ کے درمیان گواہ ہیں کہ یہ ذمہ داری انھوں نے میرے کندھوں پر ڈال دی ہے"۔

یہ حکومتی اعتراف صریح اور روشن ہے کہ حکومتی افراد کے پاس رسول اللہ کی طرف سے خلافت کی کوئی نص نہ تھی۔ انھوں نے اعتراف کیا کہ رسول اللہ نے اُمت کی رہبری کے لیے اُنھیں مقرر نہیں کیا بلکہ مسلمانوں کے ایک گروہ نے اُنھیں یہ ذمہ داری سونپی ہے۔

وَبِاتِّفَاقٍ مِنْهُمْ اَخَذْتُ مَا اَخَذْتُ

"میں نے آپ کے جو حقوق اپنے پاس رکھے ہیں ان تمام لوگوں کی ہمراہی میں رکھے ہیں اور ان سب کی مشاورت سے آپ کے حقوق روکے ہیں"۔

سب سے پہلے جاگیر فدک کے متعلق ایک حدیث پیش کی کہ "ہم گروہ پیغمبران" میراث نہیں چھوڑتے۔ اس بنا پر پیغمبرؐ کی دختر اپنے والد کی میراث میں کوئی حق نہیں رکھتیں"۔

جب خاتونِ جنت نے قرآن مجید سے ثابت کر دیا کہ پیغمبرانؑ گرامی اپنے آباء کے وارث بھی ہوتے ہیں اور اُن کی رحلت کے بعد اُن کی اولاد اور اُن کی میراث کی وارث ہوتی ہے تو حکومت نے ایک نئی راہ اختیار کی کہ تمام مسلمانوں کی مشاورت سے ایسا کیا گیا۔

سوال یہ ہے کہ وہ کون سا مسلمانوں کا گروہ تھا جنھوں نے جاگیر فدک کے معاملے میں حکومت کا ساتھ دیا۔ کیا وہ بنوہاشم تھے؟ یا خاندانِ وحی کے لوگ تھے؟ یا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کبار تھے جیسے حضرت سلمانؓ، حضرت مقدادؓ، حضرت عمارؓ اور حضرت ابوذر غفاریؓ وغیرہ تھے؟

حکومت کا یہ جملہ: وَبِاتِّفَاقٍ مِنْهُمْ اَخَذْتُ مَا اَخَذْتُ کلمہ سابقہ کی شکل ہے۔ وَذٰلِكَ بِاِجْمَاعٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ "ہم نے یہ کام تمام مسلمانوں کی سربراہی میں انجام دیا ہے"۔

ہم نے گذشتہ صفحات میں اس اجماع کی حیثیت پر گفتگو کی ہے۔ اب اس اتفاق کی حیثیت میں بھی غور فرمایئے:

غَيْرَ مُكَابِرٍ وَلَا مُسْتَبِدٍّ وَلَا مُسْتَاْثِرٍ وَهُمْ بِذٰلِكَ شُهُوْدٌ

"اس میں نہ میری بڑائی شامل ہے اور نہ رائے اور نہ شوقِ حکومت ـــ یہ سب لوگ اس امر پر میرے گواہ ہیں"۔

حکومت نے ان الفاظ کے ساتھ تمام تر ذمہ دار عامۃ المسلمین کو بنایا اور اپنی جان چھڑانے کی کوشش کی۔

فَالْتَفَتَتْ فَاطِمَةُ علیہا السلام اِلَی النَّاسِ وَقَالَت:

مَعَاشِرَ النَّاسِ! اَلْمُسْرِعَةِ اِلٰی قِيْلِ الْبَاطِلِ اَلْمُغْضِيَةِ عَلَی الْفِعْلِ الْقَبِيْحِ الْخَاسِرِ،

اَفَلَا تَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا؟

كَلَّا، بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِكُمْ مَا اَسَأْتُمْ، وَسَاءَ مَا بِهٖ اَشَرْتُمْ، وَشَرَّ مَا اعْتَضْتُمْ لَتَجِدُنَّ، وَاللّٰهِ مَحْمِلَهٗ ثَقِيْلًا وَغِبَّهٗ وَبِيْلًا۔

اِذَا كُشِفَ لَكُمُ الْغِطَاءُ وَبَانَ مَا وَرَاءَهُ الضَّرَّاءُ، وَبَدَا لَكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ مَا لَمْ تَكُوْنُوْا تَحْتَسِبُوْنَ، وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ۔

سیدہ عالم علیہا السلام نے لوگوں کی طرف رُخ کر کے فرمایا:

"اے گروہِ مسلمین! جو لوگ حرفِ باطل کی طرف تیزی سے سبقت کرنے والے ہیں کیا تم اُن کے اس عمل پر چشم پوشی کرنے والے ہو؟

کیا تم لوگ قرآن مجید میں غور نہیں کرتے؟

کیا تمھارے قلوب پر تالے لگے ہوئے ہیں؟

یقیناً تمھارے اعمال نے تمھارے دلوں کو زنگ آلود کر دیا ہے اور تمھاری سماعت و بصارت کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے اور تم نے تاویل سے کام لیا ہے اور بُرے راستے کی نشاندہی کی ہے اور نفع بخش معاوضہ میں سودا نہیں کیا ہے۔

عنقریب تم اس بوجھ کی سنگینی کا احساس کرو گے اور پسِ پردہ اُوامر کے نقصانات سامنے آجائیں گے اور خدا کی طرف سے وہ چیزیں سامنے آجائیں گی جن کا تمھیں وہم و گمان بھی نہیں ہے اور باطل والے خسارہ ہی اُٹھانے والے ہوں گے"۔

تشریح و توضیح

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے مسجد کے اجتماع کی طرف رُخ کیا اور فرمایا:

مَعَاشِرُ النَّاسِ اَلْمُسْرِعَةِ اِلٰی قِیْلِ الْبَاطِلِ...

"اے لوگو! تم نے قولِ باطل کی طرف سبقت کرنے میں بہت جلدی کی ہے۔ تم نے حکومت کی تقلید و پیروی کر لی ہے اور جو کچھ اس کی طرف سے جاری ہوتا ہے اس سے تم لوگ اتفاق کر لیتے ہو۔ میرے حق کا معاملہ آپ لوگوں پر ڈال دیا گیا ہے۔ آپ کی خاموشی بتاتی ہے کہ اس امر میں آپ خاموش ہیں۔ آپ لوگوں کی خاموشی بتاتی ہے کہ آپ لوگ حکومت کے ساتھ متفق ہیں"۔

اَلْمُغْضِیَةُ عَلَی الْفِعْلِ الْقَبِیْحِ الْخَاسِرِ

"اَلْاِغْضَاءُ" پلکوں کا آنکھوں پر ڈال دینا" جیسا کہ کوئی آدمی زمین کی طرف یا اپنی گود کی طرف دیکھنے لگتا ہے اس سے مراد ہے فعلِ قبیح پر رضا اور سکوت اختیار کرنا۔ اَلْخَاسِر سے مراد خسران کا سبب جو صاحب و خسارہ اُٹھاتا ہے۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا

"وہ آیات جو ہمارے حق میں نازل ہوئیں کیا وہ تمھیں یاد نہیں ہیں؟ کیا تم اُنھیں بھول چکے ہو؟"

ابھی میں نے انبیاءؑ کی میراث والی آیات تلاوت کی ہیں۔ کیا تم نے اُنھیں نہیں سمجھا؟ کیا تم لوگوں کے قلوب مقفل ہو چکے ہیں؟ کیا وہ قرآنی احکام سے کھلنے والے نہیں ہیں؟"

کَلَّا، ایسی بات نہیں ہے۔ تم لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے ہو۔

بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِكُمْ مَا اَسَأْتُمْ مِنْ اَعْمَالِكُمْ

بلکہ تم لوگوں کی میرے حقوق کے چھن جانے پر خاموشی کا سبب تمھارے اعمال ہیں، انھی اعمال کی بدولت تم لوگوں کے قلوب پر دبیز پردے پڑ چکے ہیں۔ جس طرح شراب پینے سے عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ فہم و شعور کی طاقتیں معطل ہو جاتی ہیں۔

فَاَخَذَ بِسَمْعِكُمْ وَاَبْصَارِكُمْ "اُس نے تمھاری قوتِ سماعت و بصارت کو مغلوب کر لیا ہے، یعنی دل پر غفلت چھا چکی ہے اور اُس نے کانوں اور آنکھوں کی طاقتوں کو تم سے چھین لیا رکھا ہے۔ جب قلب غافل ہو جاتا ہے تو انسان نہ سن سکتا ہے اور نہ دیکھ سکتا ہے۔

وَلَبِئْسَ مَا تَاَوَّلْتُمْ، آپ لوگوں نے قرآنِ مجید کی آیات کی تفسیر و تاویل اپنے مزاج کے مطابق کر لی ہے۔

وَسَاءَ مَا بِهٖ اَشَرْتُمْ، تم نے غیر پسندیدہ راستے کی نشاندہی کی ہے، یعنی تم لوگوں نے آلِ محمدؐ کے حقوق چھیننے پر

ایک دوسرے سے تعاون کیا ہے۔

وَشَنَآ مَا مِنْهُ اِسْتَغْشَتُمْ اس کام سے کمترین معاوضہ حاصل نہیں کیا ہے۔ تم نے حق وعدالت کو ہاتھ سے جانے دیا ہے۔ اس کے عوض اس کی ضد کو اپنایا ہے۔

بضعۂ رسول نے اشاروں اور کنایوں میں بات کی، تاکہ صاحبانِ عقل سمجھ لیں۔

لَتَجِدُنَّ، وَاللهِ، مَحْمِلَهُمْ ثَقِيْلًا وَغِبَّهُ وَبِيْلًا

آپؑ نے اس جملے سے قیامت کے دن کی مسئولیت عظمیٰ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ خدا کی قسم! ہمارے حقوق کو غصب کرنے والوں کا بدترین انجام ہوگا اور قیامت کا دن اُن کے لیے شدید ترین دن ہوگا۔

اِذَا كُشِفَ لَكُمُ الْغِطَاءُ

"جب مرنے کے بعد تمام پردے اُٹھا لیے جائیں گے اور آپ لوگ عالمِ جزاء میں منتقل ہو جاؤ گے"۔

وَبَانَ مَا وَرَاءَهُ الضَّرَّاءُ

"تمھارے سامنے وہ چیزیں ظاہر ہوں گی جو دردناک عذاب پر مشتمل ہوں گی"۔

وَبَدَا لَكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ مَا لَمْ تَكُوْنُوْا تَحْتَسِبُوْنَ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ

"اور خدا کی طرف سے وہ چیزیں تمھارے لیے ظاہر ہوں گی کہ جن کا تمھیں وہم و گمان بھی نہیں ہے اور اہلِ باطل خسارہ کو برداشت کریں گے"۔

خاتونِ جنت نے اپنی زبان پر آیاتِ قرآنی کو جاری رکھا اور حاضرین پر ہر طریقے سے اتمامِ حجت کیا۔ جن جن باتوں کی ضرورت تھی آپؑ نے بیان فرمائیں اور تاریخ کے اوراق میں اپنے مصائب و آلام کو ثبت فرمایا۔ قیامت تک ہر زمانہ نبیؐ کی بیٹی کے درد و رنج کو یاد رکھے گا۔

بارگاہِ رسالت میں اظہارِ غم و اَلم

بتولؑ عذراء نے اپنے والد ارجمند رسول اللہؐ کی مبارک قبر کی طرف رُخ کیا اور فرمایا:

قَدْ كَانَ بَعْدَكَ اَنْبَاءٌ وَهَنْبَثَةٌ	لَوْ كُنْتَ شَاهِدَهَا لَمْ تَكْثُرِ الْخُطَبُ
اِنَّا فقدناك فقد الارض وابلها	واختل قومك فاشهدهم وقد نكبوا

وکل أهلٍ له قُربى ومنزلة عند الاله على الأدنين مقتربُ
أبدَت رجال لنا نجوى صدورهم لما مضيت وحالت دونك التربُ
تجهمتنا رجال واستُخفت بنا لما فُقدتَ ، وكل الارث مغتصبُ
وكنتَ بدرًا ونورًا يُستضاء به عليك تنزل من ذى العزة الكتبُ
وكان جبريل بالآيات يؤنسنا فقد فُقدتَ ، فكلّ الخير محتجبُ
فليت قبلك كان الموت صادفَنا لما مضيت وحالت دُونك الكتبُ
إنّا رُزينا بما لم يُرزَ ذو شَجَن من البرية لاعجم ولا عربُ

"بابا جان! آپؐ کی جاں سوز رحلت کے بعد نئی نئی خبریں اور نئے نئے مصائب سامنے آئے کہ اگر آپؐ کے سامنے ہوتے تو مصائب کی یہ کثرت نہ ہوتی۔ ہم آپؐ کی محبتوں اور مہربانیوں سے ایسے ہی محروم ہو گئے ہیں جیسے زمین ابرِ کرم سے محروم ہوجاتی ہے۔ آپؐ کی قوم نے منہ موڑ لیا ہے۔ آپؐ اُن کے سلوک کو دیکھیں کہ وہ ہمارے ساتھ کیسا برتاؤ کر رہے ہیں۔

ذرا آپ مشاہدہ فرمائیں۔ دنیا کا جو خاندان بھی اللہ کی بارگاہ میں مقرب و معظم ہوتا ہے وہ اوروں کی نگاہ میں بھی محترم ہوتا ہے مگر ہمارا کوئی احترام نہیں ہے۔

کچھ لوگوں نے اپنے قلبی کینوں کا اُس وقت اظہار کیا جب آپؐ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اب میرے اور آپؐ کے درمیان قبر کی خاک حائل ہو کر رہ گئی ہے۔ لوگوں نے ہم پر ہجوم کیا اور آپؐ کے بعد ہمیں بے قدر و بے قیمت سمجھ کر ہماری میراث کو ہضم کر لیا۔ آپؐ بدرِ کامل اور نورِ مجسم تھے کہ آپؐ سے روشنی حاصل کی جاتی تھی اور آپؐ پر رب العزت کے پیغامات نازل ہوتے تھے۔

جبرئیلؑ آیاتِ الٰہی سے ہمارے لیے سامانِ اُنس و محبت فراہم کرتے تھے، مگر آپؐ کے چلے جانے کے بعد تمام بھلائیاں اور اچھائیاں پسِ پردہ چلی گئی ہیں۔ اے کاش! مجھے آپؐ سے پہلے موت آ گئی ہوتی اور آپؐ کے اور میرے درمیان خاک کے حائل ہونے سے قبل میں مر گئی ہوتی۔ جس طرح ہم خاندانِ وحی پر مصائب آئے اس طرح عرب و عجم میں کسی پر ایسے مصائب نہیں آئے"۔

سیعلم المتولی ظلم حامتنا	یوم القیٰمۃ أنّی سوف ینقلب
وسوف نبکیك ما عشنا وما بقیت	له العیون بتھمال له سکبُ
وقد رُزینا به محضا خلیقته	صافی الضرائب والاعراق والنسبُ
فأنت خیر عباد الله کلھم	وأصدق الناسجین الصدق والکذبُ
وکان جبریل روح القدس زائرنا	فغاب عنا فکلّ الخیر محتجبُ
ضاقت علیَّ بلادٌ بعد ما رحبت	وسیم سبطاك خسفًا فیه لی نَصَب

"جن لوگوں نے ہمارے لیے مظالم کی بنیاد رکھی ہے وہ عنقریب جان لیں گے کہ اب کہاں سے کہاں آ چکے ہیں۔ جانِ جاناں! میں اپنی زندگی کی آخری ساعت تک آپؑ کے سوگ میں گریہ کناں رہوں گی اور جب تک آنکھیں باقی ہیں آپؑ کے غم میں آنسو برساتی رہیں گی۔

کیونکہ ہم اللہ کی برگزیدہ مخلوق ہیں۔ ہماری طبائع شائستہ ہیں اور ہمارا حسب ونسب پاک و پاکیزہ ہے۔ اب ہم آپ کے بے پایاں غم میں گرفتار ہیں۔

جانِ جاناں! آپؑ کی ذات والاصفات کائنات کی بہترین شخصیت ہے۔ منطق و گفتار کی دنیا میں آپؑ کی صداقت کائنات پر بھاری ہے۔ فرشتہ وحی آپؑ کے وجود کی برکت سے ہماری زیارت کے لیے آتا تھا۔ جب سے آپؑ اس دنیا سے تشریف لے گئے ہیں۔ تمام اچھائیاں مفقود ہو کر رہ گئی ہیں۔

یہ کائنات اپنی وسعت کے باوجود ہم پر تنگ کر دی گئی ہے۔ آپؑ کے دونوں فرزندوں کی افسردگی نے مجھے حیران و پریشان کیا ہوا ہے"۔

کشف الغمہ اور دوسری کتابوں میں نقل ہے کہ سیدۂ عالم رسولؐ اللہ کی قبر مبارک کی طرف متوجہ ہوئیں اور ہند بنت اثاثہ کے یہ اشعار پڑھے: قَدْ کَانَ بَعْدَكَ..... الخ۔

ایک قول ہے کہ مذکورہ تمام اشعار ہند بنت ربان بن عبدالمطلبؑ کے ہیں۔

یہ اشعار خود سیدۂ عالم کے اپنے ہیں یا کسی اور کے آپؑ نے اپنے والد گرامی قدر کی قبر مبارک کی طرف رُخ کر کے سوز و گداز کے ساتھ پڑھے۔ اس لیے ہم نے انھیں یہاں نقل کیا ہے۔

صاحب کشف الغمہ نے نقل کیا ہے کہ جس قدر اس دن مردوں اور عورتوں نے گریہ کیا اس کی مثال نہ پہلے ملتی

ہے اور نہ بعد میں ملے گی۔

جب خاتونِ جنت حکومت سے مایوس ہوگئیں کہ وہ اُن کے حقوق واپس کرنے والی نہیں ہے۔ اور وہ اپنے خانۂ اَقدس کی طرف واپس تشریف لائیں اور اس وقت آپؑ کی زبانِ اَقدس پر یہ الفاظ تھے:

اَللّٰهُمَّ إِنَّهُمَا ظَلَمَا بِنْتَ نَبِيِّكَ حَقَّهَا، فَاشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلَيْهِمَا

"اے میرے اللہ! ان دونوں نے تیرے نبیؐ کی بیٹی پر مظالم ڈھائے ہیں اور اس کا حق غصب کیا تو ہی اُن کے کیے پر انھیں سزا دے"۔ (وفاتِ صدیقۃ الزہراء، المقرم، ص ۷۸)

صحیح بخاری میں کتاب الخمس میں ہے:

فَغَضِبَتْ فَاطِمَةُ بِنْتِ رَسُوْلِ اللهِ، فَهَجَرَتْ.... فَلَمْ تَزَلْ مُهَاجِرَتُهُ حَتّٰى تُوُفِّيَتْ....

"حضرت فاطمۃ الزہراءؑ بنت رسولؐ اللہ اُن پر غضب ناک ہوئیں اور اُن سے تعلق کو توڑ لیا، اُن کی یہ دُوری اُن کی زندگی کے آخری ایام تک باقی رہی۔ آپؑ نے پھر زندگی بھر ان سے بات نہ کی"۔

صحیح بخاری میں کتاب "بداء الخلق" میں ہے: جب حکومت نے حقوق واپس کرنے سے انکار کر دیا تو حضرت فاطمہ زہراؑ نے زندگی بھر اُن سے کوئی بات نہ کی۔

اس تلخ حقیقت کا تذکرہ بہت سے دوسرے مصادر میں موجود ہے۔ (سنن بیہقی: ج ۴، ص ۳۰۰، مسند احمد: ج ۱، ص ۶، طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۱۸)

حکومت اور خاندانِ وحی

اہلِ سنت کے ایک مشہور دانشور نے اس حقیقت پر کچھ اس طرح سے قلم اُٹھایا ہے کہ جب حکومت نے خاتونِ بہشت کا تاریخی اور انقلابی خطاب سنا تو اُسے لوگوں میں بیداری اور اختلافِ نظر محسوس ہوا۔ اُس نے اپنے قلب و جگر میں خوف محسوس کیا کہ کہیں لوگ منقلب نہ ہوجائیں تو فوراً منبر پر بلند ہوکر خطاب کیا:

اے لوگو! تمھیں کیا ہوگیا ہے کہ ہر بات پر کان دھرتے ہو اور اُس کی طرف متوجہ ہوجاتے ہو۔ ایسی آرزوئیں اور ایسی باتیں پیغمبرؐ کے زمانے میں کہاں تھیں؟ ہوش کیجیے! اگر کسی نے اس طرح کے تقاضے کو دیکھا یا سنا ہے تو یہاں آئے اور بیان کرے۔ وہ عورت کہ جس نے ابھی

بات کی ہے اور تقاضا کیا ہے وہ وہ لومڑی ہے کہ جس کا گواہ اُس کی دم ہے۔ ہر آشوب و فتنہ اس کے ہمراہ ہے۔ اس کا گواہ وہ ہے جو کہتا ہے کہ ہرج و مرج کے فتنہ کو اس کی فرسودگی کے بعد واپس لے آیئے اور حکومت کے خلاف جنگ و جدال برپا کیجیے۔ وہ اپنے مقصد کے لیے کمزوروں اور عورتوں سے مدد حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وہ اس اُمِ طحال کے مانند ہے کہ جس کے نزدیک خاندان کے محبوب ترین لوگ اور قریبی گناہ گار ہیں۔

اے لوگو! ہوش میں آیئے! جو چاہوں کہہ سکتا ہوں اور جس چیز کو چاہوں زبان پر لاسکتا ہوں۔ میں ہر بات کو واضح کر رہا ہوں۔ اگر وہ مجھ سے دست بردار ہیں اور اُن کا مجھ سے کوئی کام نہیں ہے تو میں خاموش ہوں۔ پھر حکومت نے انصارِ مدینہ کی طرف رُخ کر کے کہا:

اے گروہ انصار! تمھارے چند احمقوں کی کچھ باتیں مجھ تک پہنچیں ہیں۔ تم لوگ پیغمبرؐ کے زمانے میں شائستہ تھے کہ آنحضرتؐ نے آپ کی طرف ہجرت فرمائی اور تم لوگوں نے کشادہ پیشانی کے ساتھ اُن کا استقبال کیا اور بدترین حالات میں اپنے ہاں پناہ دی اور پھر ان کی نصرت کے لیے کمربستہ ہو گئے تھے۔

کان کھول کر سن لیجیے۔ میں اپنی زبان اور ہاتھوں کو کسی فرد یا گروہ کے نقصان یا توہین کے لیے نہیں کھولوں گا"۔ (شرح نہج البلاغہ، ج۱۶، ص ۲۱۵)

اس تہدید آمیز گفتگو کے ساتھ حکومتی خطبہ ختم ہوا۔

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ میں نے یہ حکومتی گفتگو نقیب ابویحییٰ جعفر بن یحییٰ بن زید بصری کے سامنے پڑھی۔ میں نے ان سے پوچھا: حکومت کی اس گفتگو کا کس طرف اشارہ تھا؟

نقیب نے کہا: یہ اشارے اور کنائے والی بات نہیں۔ حکومت نے وضاحت و تصریح کے ساتھ بات کی تھی۔

ابن ابی الحدید کہتے ہیں کہ میں نے نقیب سے کہا کہ اگر بات واضح ہوتی تو میں آپ سے اس کی توضیح طلب نہ کرتا۔

وہ ہنسنے لگے اور کہنے لگے کہ ان الفاظ کے ساتھ حکومت کا مقصود امام علی بن ابی طالبؑ کی توہین تھی۔

پھر میں نے اُن پر سوال کیا کہ کیا حکومت اپنے خطاب کا مرکز حضرت امیر علیہ السلام کو ٹھہرائے ہوئے تھی؟

اُس نے جواب دیا: جی ہاں! میرے بیٹے! یہاں موضوع ریاست و طاقت تھی، شوخی نہیں تھی۔

میں نے پوچھا: اس دار و گیر میں انصار کا کیا موقف تھا؟

اُس نے جواب دیا کہ انصار کا حضرت امام علی علیہ السلام کی طرف جھکاؤ تھا لیکن وہ حکومت سے مرعوب ہو کر رہ گئے تھے۔ جب حکومت نے اس امر کو محسوس کیا تھا تو اُس نے اپنے خطاب کے ذریعے ان کی تہدید کردی تھی۔

ابن ابی الحدید کہتے ہیں کہ میں نے نقیب بصری سے ان الفاظ غریبہ کی وضاحت چاہی تو انھوں نے یوں تشریح کی:

رَعَۃ جب تخفیف کے ساتھ ہو تو اس کا معنی "سننا" ہے یعنی دوسرے کی بات سننا۔

قَالَۃٌ کا معنی گفتار و سخن ہے۔

ثُعَالَۃٌ لومڑی کا نام ہے۔ "ثعالۃ" بروزن ذوالہ اور ذوالہ بھیڑیے کا نام ہے۔

شہیدُہٗ ذَنَبُہٗ یہ کلمات وہاں استعمال ہوتے ہیں جہاں مدعی کے لیے سوائے اس کے اپنے اعضا و جوارح کے کوئی اور گواہ نہ ہو۔

یہ مثال ادبیاتِ عرب میں کچھ اس طرح موجود ہے:

ایک دفعہ ایک چالاک لومڑی کا کسی بات پر بھیڑیے سے جھگڑا ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے دل میں ٹھانی کہ ہر صورت میں اس بھیڑیے کا خاتمہ چاہیے۔ اُس نے جنگل کے شیر سے بھیڑیے کی شکایت کی کہ اس نے آپ کے لیے ایک گوسفند محفوظ کر رکھا تھا۔ یہ بھیڑیا آیا اور اُسے کھا گیا۔ شیر نے لومڑی سے گواہ طلب کیا۔ لومڑی نے اپنے خون آلود دُم اُوپر اُٹھائی اور کہا کہ یہ گواہ ہے۔ شیر نے آناً فاناً بھیڑیے کا کام تمام کر دیا۔

مُرِبٌّ یہ اِرْب کے مادہ سے ہے اس کے معنی "ہمراہ" ہے۔

کَرُّوْهَا جَذَعَۃً کہ وہ گذشتہ فتنہ و فساد کو واپس لانے کا خواہش مند ہے۔

اُمِ طحال، ایک عورت تھی جو بدکار تھی۔

یہ زمانہ جاہلیت کی ضرب المثل ہے۔ یہ ضرب المثل وہاں استعمال ہوتی ہے جہاں کسی کی ذلت و رسوائی مقصود ہو تو وہاں کہا جاتا ہے کہ فلاں اُمِ طحال سے پست تر ہے۔

حکومت نے جو کلمات خاندانِ وحی کے بارے میں استعمال کیے ہیں میں اُن پر تبصرہ نہیں کرنا چاہتا۔ خاندانِ وحی تو وہ ہے کہ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آیتِ تطہیر نازل کی ہے اُن سے ہر قسم کے رجس کو دُور فرمایا ہے اور انھیں پاک و پاکیزہ بنایا ہے۔ حکومت نے اپنے خطاب میں جو ادب اور منطق استعمال کی ہے اُس پر بھی خاموشی اختیار

کرتے ہیں، لیکن ہم بارگاہِ رسالت میں عرض گزار ہیں:

یارسولؐ اللہ! کیا آپؐ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئی ہوں گی جب آپؐ کی بیٹی آپؐ کی حبیبہ اور عزیزہ کے حق میں یہ الفاظ استعمال کیے جا رہے ہوں گے؟

اس طرح جب آپؐ کے برادر آپؐ کے خلیفہ آپؐ کے وزیر اور حاملِ لوا حضرت امام علی علیہ السلام کے حق میں یہ کلمات کہے جا رہے تھے تو آپؐ پر کیا گزری ہوگی؟

یہ سب کچھ آپؐ کے منبر پر آپؐ کی مقدس مسجد میں اور آپؐ کی مرقد منور کے سامنے کہا گیا

اے حورِ انسیہ کے والد گرامی قدر! آپؐ کی آنکھیں روشن ہوں، آپؐ کے لیے خوش خبری ہے بلکہ دو خوش خبریاں! حکومت اور اس کے ارکان کی نگاہوں میں تیرے اہلِ بیتؑ اور عترت کی یہ عزت ہے جس کا اظہار انھوں نے ابھی کیا ہے۔

حکومتی استمداد اور حضرت اُمِ سلمہؓ کی حق گوئی

شیخ جمال الدین شامی نے اپنی کتاب ''دُرّ النظیم'' میں لکھا ہے:

حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے خطاب کرنے کے بعد حکومت نے خطاب کیا اور اپنے اس خطاب میں نبی کی بیٹی کے بارے میں توہین آمیز کلمات جاری کیے۔ جب اُم المومنین حضرت اُمِ سلمہؓ نے یہ کلمات سنے تو اُن سے نہ رہا گیا۔ وہ کھڑی ہوگئیں اور حکومت سے کہا:

الِمِثْلِ فَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللهِ يُقَالُ هٰذَا الْقَوْلُ! هِيَ وَاللهِ الْحَوْرَاءُ بَيْنَ الْإِنْسِ

''کیا آپ لوگ ہی حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کی عظیم شخصیت کے بارے میں ایسی باتیں کہنے لگے ہو؟ خدا کی قسم! وہ انسانوں کے درمیان حور ہیں۔ وہ اجسام و اَبدان کے لیے روح کے مانند ہیں''۔

پاک و پاکیزہ جھولیوں میں اُن کی تربیت ہوئی ہے۔ ملائکہ اُن کا جھولا جھلاتے تھے اور ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے تھے۔ ان کی تربیت اور نشوونما پاک و پاکیزہ آغوشوں نے کی ہے۔ کائنات کی بہترین شخصیت نے اُنھیں پروان چڑھایا ہے۔ آپؑ نے اپنی زندگی کا آغاز اس نورانی ماحول میں کیا جس ماحول کو منور کرنے والے اُن کے والد گرامی سید الانبیاء تھے۔ اُنھوں نے اُنھیں تعلیم و تعلم کیا۔ آپ لوگ کیا سمجھتے ہیں کہ رسولؐ اللہ نے اپنی میراث اُن پر

حرام کر دی تھی اور سیدہؑ اس امر سے آگاہ نہ تھیں؟

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ سے فرمایا:

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ

"اے نبیؐ! اپنے قبیلہ اور قریبیوں کو ڈرایئے"۔

پیغمبرؐ اسلام کے لیے قرآنِ مجید کا واضح پیغام ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کو اپنے رشتہ داروں کو انذار کریں۔ ہمیشہ رسولؐ اللہ نے جہاں وحی کی تعلیم اپنے صحابہ کو دی وہاں اپنے گھر والوں کو بطریق اَولیٰ دی۔ یا آپ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ رسولؐ اللہ نے اپنے گھر والوں کو وحی کی تعلیم دی تھی لیکن حضرت سیدہ زہراؑ نے اپنے والد گرامقدر کے فرمان کی مخالفت کی ہے؟ کیا ایسا ممکن ہے؟

کیا آپ لوگ نہیں جانتے کہ سیدہؑ عالم عالمین کی عورتوں کی سیدہ و سالار ہیں؟ وہ کائنات کی ہر خاتون سے زیادہ عزت و عظمت رکھتی ہیں۔ وہ جنت کے جوانوں کے دو سرداروں کی والدہ ماجدہ ہیں۔ وہ فخرِ مریمؑ ہیں۔ اُن کے والد گرامی اللہ کے رسولؐ ہیں۔ اُن کی بعثت کے ذریعے اللہ نے اپنی رسالت کی تکمیل فرمائی۔

خدا کی قسم! رسولؐ اللہ اُنھیں گرمی اور سردی سے بچاتے تھے۔ وہ اپنے دائیں ہاتھ کو اُن کے مبارک سر کے نیچے رکھتے اور بائیں ہاتھ کو اُوپر رکھتے۔ جی ہاں! آہستہ چلیے پیغمبرؐ اسلام کی نگاہیں آپ پر لگی ہوئی ہیں۔ وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں۔

آخر آپ لوگوں نے اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔ عنقریب آپ کو سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔

جمال الدین شامی مزید بیان کرتے ہیں کہ حضرت اُمِ سلمہؓ نے اپنا حق ادا کیا اور جرأت و شجاعت کے ساتھ آلِ محمدؐ کی وکالت فرمائی۔ حکومت سے اُن کا وظیفہ مقرر تھا۔ حکومت نے بند کر دیا۔ اس سال ان کے نان و نفقہ پر پابندی لگا دی گئی تھی۔

خانۂ اقدس کی طرف واپسی

حضرت سیدہ فاطمہ الزہراؑ اپنے ملکوتی خطاب کے بعد واپس گھر تشریف لائیں۔ حضرت امیرالمومنین امام علی علیہ السلام اُن کے انتظار میں تھے۔ آپؑ بے چینی کے ساتھ اس خورشید جہاں افروز کے طلوع کا انتظار کر رہے تھے۔

جب سیدہؑ تشریف لائیں اور حضرت امیر علیہ السلام کے پاس جا کر بیٹھیں تو اُن کے حضور یوں خطاب فرمایا:

يَابْنَ أَبِي طَالِبٍ! إِشْتَمَلْتَ شَمْلَةَ الْجَنِيْنِ، وَقَعَدْتَ حُجْرَةَ الظَّنِيْنِ، نَقَضْتَ قَادِمَةَ الْأَجْدَلِ، فَخَانَكَ رِيْشُ الْأَعْزَلِ، هٰذَا ابْنُ أَبِي قُحَافَةَ يَبْتَزُّنِي نِحْلَةَ أَبِي، وَبُلْغَةَ ابْنَيَّ، لَقَدْ أَجْهَرَ فِي خِصَامِي، وَأَلْفَيْتُهُ الْأَلَدَّ فِي كَلَامِي، حَتّٰى حَبَسَتْنِي قَيْلَةُ نَصْرَهَا، وَالْمُهَاجِرَةُ وَصْلَهَا، وَغَضَّتِ الْجَمَاعَةُ دُوْنِي طَرْفَهَا، فَلَا دَافِعٌ وَلَا مَانِعٌ، خَرَجْتُ كَاظِمَةً، وَعُدْتُ رَاغِمَةً، أَضْرَعْتَ خَدَّكَ يَوْمَ أَضَعْتَ حَدَّكَ، إِفْتَرَسْتَ الذِّئَابَ وَافْتَرَشْتَ الذِّئَابَ وَافْتَرَشْتَ التُّرَابَ، مَا كَفَفْتَ قَائِلًا وَلَا أَغْنَيْتَ بَاطِلًا، وَلَا خِيَارَ لِي، لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَيْنَتِي، وَدُوْنَ ذِلَّتِي عَذِيْرِيَ اللّٰهُ مِنْكَ عَادِيًا وَمِنْكَ حَامِيًا، وَيْلَايَ فِي كُلِّ شَارِقٍ، مَاتَ الْعَمَدُ وَوَهَنَ الْعَضُدُ شَكْوَايَ إِلٰى أَبِي، وَعَدْوَايَ إِلٰى رَبِّي، اَللّٰهُمَّ أَنْتَ أَشَدُّ قُوَّةً وَحَوْلًا، وَأَحَدُّ بَأْسًا وَتَنْكِيْلًا

"یا ابن ابی طالبؑ! یہ کون سے راز کی بات ہے کہ آپؑ گوشہ نشین اور پردہ نشین ہو کر رہ گئے ہیں؟ اتہام سے بچنے کے لیے زمین گیر ہو گئے ہیں؟ حالانکہ آپؑ نے اُونچی اُڑان رکھنے والے بڑے بڑے شاہینوں کے بال و پر توڑ دیئے تھے تو اب آپؑ کے سامنے ان کمزوروں کے بال و پر کی کیا حیثیت تھی؟

اے ابوطالبؑ کے عظیم فرزند! حکومت میرے باپ کے عطیہ اور میرے بچوں کے وسائل حیات کو ہضم کرنا چاہتی ہے۔ مجھ سے جھگڑا کیا گیا ہے۔ اُنھوں نے میری کوئی بات تسلیم نہیں کی۔ انصار نے بھی اپنی مدد روک لی ہے۔ مہاجرین نے بھی تعلقات توڑ لیے ہیں اور قوم نے چشم پوشی کر لی ہے۔ اب نہ کوئی دفاع کرنے والا ہے اور نہ کوئی روکنے والا ہے۔ میں بڑے صبر و ضبط کے ساتھ گھر سے نکلی تھی، لیکن بغیر کسی نتیجہ کے واپس آ گئی ہوں۔

کیا آپؑ نے اپنی شمشیر کو نیام میں رکھ لیا ہے تو گویا آپؑ نے اِن معاملات کو برداشت کر لیا ہے۔ آپؑ نے اس سے قبل تو بڑے بڑے بھیڑیوں کو فنا کر دیا تھا۔ اب خاک پر بیٹھ گئے ہیں؟ نہ کسی بولنے والے کو روکتے ہیں اور نہ زیادتی کرنے والوں کو دُور کرتے ہیں؟ خود میرے پاس بھی کوئی اختیار نہیں ہے۔

اے کاش! میں اس مصیبت سے پہلے مر گئی ہوتی۔ اللہ میری اس گفتگو کو معاف کر دے۔ آپؑ کے علاوہ کوئی مددگار نہیں ہے۔ میرے حال پر افسوس ہے۔ ہر صبح اور شام، میرا سہارا چلا گیا۔

میرا بازو کمزور ہو گیا ہے۔ اب میری فریاد میرے بابا کی خدمت میں ہے اور میرا تقاضائے
نصرت بھی میرے پروردگار سے ہے۔ خدایا! تو اُن لوگوں سے زیادہ قوت و طاقت والا ہے
اور تو شدید عذاب کرنے والا ہے"۔

جب حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اپنے خانۂ اقدس میں تشریف لائیں تو ان کے جسم اَطہر میں درد و رنج کے آثار واضح تھے۔ ان حالات میں وہ کیوں پریشان و حیران ہوں جو کچھ اُن کے ساتھ گزرا تھا اُس کا حساب اللہ کے پاس ہے۔ جی ہاں! ان کی زندگی کا لمحہ لمحہ اللہ کی راہ میں جہاد میں ہی گزرا تھا۔

پیغمبرؐ خدا کی دختر فرزانہ فتح و سربلندی کے ساتھ گھر واپس آئیں۔ اُن کے حقوق اُنھیں واپس نہیں ملے تھے، لیکن پھر بھی وہ فاتح اور سربلند ہیں، کیونکہ اُنھوں نے اپنی حق طلبی کی جو آواز بلند کی تھی وہ آواز ہمیشہ بلند ہے جسے اُس دور کے لوگوں نے بھی سنا اور اِس طرح ہر نسل اور ہر زمانہ اس آواز کو سنتا رہے گا۔ آپؑ پر جو ظلم ہوا آپؑ نے اُسے تاریخ کی عدالت میں ہمیشہ کے لیے ثبت کرا دیا تھا۔ آپؑ نے اپنے دلائل و براہین سے ثابت کیا کہ اُن کے حقوق سے انکار کیا گیا ہے۔ آپؑ نے اِن انکار کرنے والوں کو ہمیشہ کے لیے محکوم کر دیا۔

پیغمبرؐ خدا کی بیٹی پیروزی اور سرفرازی کے ساتھ واپس آئیں، کیونکہ آپؑ نے اسلام کے انسان ساز، بلند مفاہیم کا تعارف پیش کیا تھا۔ سیّدہؑ عالم نے اپنے اِس تاریخی خطاب میں اسلام کے اساسی مسائل پر روشنی ڈالی تھی۔ آپؑ نے توحید، نبوت و رسالت اور امامت اہلِ بیتؑ کی مکمل توضیحات و تشریحات پیش کی تھیں۔

جی ہاں! جب سیّدہ نساء العالمینؑ اپنے خانۂ اقدس میں پہنچیں تو اُس وقت جہاد کے تمام مراحل طے کر چکی تھیں، صرف ایک مرحلہ باقی تھا۔ آپؑ گھر واپس لوٹیں تا کہ دنیا اور تاریخ کے لیے ایک اور حقیقت کا انکشاف کریں۔

آپؑ نے اس حقیقت کے کشف کے لیے ایک اور طریقہ اپنایا۔ وہ طریقہ اور اسلوب اپنے شوہر نامدار سے مکالمہ تھا۔ آپؑ نے اپنے اِس اندازِ تکلم میں رحلتِ پیغمبرؐ کے بعد جو واقعات پیش آئے اُنھیں بیان فرمایا۔ آپؑ نے حکومتی موقف کو دُہرایا۔

آپؑ نے وہ منظر بھی پیش کیا کہ جب وہ خطاب کر رہی تھیں تو حاضرین و سامعین پر کیا گزری، اُن کی آنکھوں سے سیلابِ اَشک جاری و ساری تھے لیکن وہ حالات کے پیشِ نظر مرعوب تھے۔

جس وقت سیّدہؑ کائنات اپنے گھر تشریف لائیں تو اُنھوں نے فرمایا: يَابْنَ اَبِي طَالِبْ۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے اپنے شوہر نامدار سے گفتگو کرتے وقت اُن کی منزلت

کا خیال نہ رکھا، حالانکہ آپؑ یَابْنَ الْعَمِّ یا یَا اَبَا الْحَسَنْ یا یَاعَلِی کے ساتھ اُنھیں پکار سکتی تھیں۔ آپؑ نے ایسا نہیں کیا؟

اس سوال کا جواب یہ ہے: میں یہ عرض کروں گا۔

سبحان اللہ! اس خطاب میں کون سا نقص ہے؟ اس نسب میں کیا عار ہے؟

کیا حضرت ابوطالبؑ سیّد البطحا اہلِ مکہ کے راس و رئیس رسول اللہؐ کے حامی و ناصر، تاریخ کا فخر، سالارِ قریش اور بنوہاشم کے سردار نہ تھے؟

کیا حضرت امام علی علیہ السلام صاحب شجاعت و شہامت حضرت ابوطالبؑ کے فرزندِ ارجمند نہ تھے؟

حضرت ابوطالب علیہ السلام تو وہ تھے کہ مشرکین اُن سے لڑنے پر اُتر آئے تھے۔ آپؑ وہ بہادر و شجاع تھے کہ آپؑ کے سائے میں رسولِ اسلامؐ نے لوگوں کو جاہلیت کی اَسیری اور اس کے ہتھکنڈوں سے نجات دلائی تھی۔

حضرت ابوطالبؑ ملکِ عرب کے ایک عظیم فرد تھے۔ آپؑ جوانمردی و شہامت میں اپنی مثال آپؑ تھے۔ آپؑ کے پہلو میں وہ دل تھا جو انسانیت کے لیے دھڑکتا تھا۔ آپؑ حقوقِ بشر کے محافظ و مدافع تھے۔ اب اگر آپؑ کے فرزند ارجمند کو ان الفاظ کے ساتھ پکارا جائے کہ "اے ابوطالبؑ کے فرزند! تو اِس میں کیا نقص ہے؟

کیا اس گفتگو کا یہ حقیقی معنی نہیں ہے؟

اے فرزندِ شکوہ و سیادت!

اے فرزندِ شرف و بزرگواری!

اے فرزندِ شجاعت دُلاوری

اے فرزندِ حامی و ناصر رسولؐ اللہ!

اے فرزندِ فضیلت و عزیمت! جی ہاں! سیّدۂ عالمؑ نے اپنے شوہر نامدار کو "یا ابن ابی طالب" سے خطاب فرمایا۔

سیّدۂ عالمؑ اُنھیں حالات کا رُخ دکھانا چاہتی تھیں یا آپؑ اپنے شوہرِ ارجمند کو یہ یاد دلانا چاہتی تھی کہ وہ ایک عظیم انسان ہیں۔ ان کا نسب عالی اور متعالی ہے اور وہ ایک بہادر و شجاع مرد کے فرزند ہیں۔

گویا کہ آپؑ امیر المومنین حضرت امام علی علیہ السلام سے یہ کہنا چاہتی تھیں کہ اے فرزندِ شہامت! آپؑ کے والد گرامی حریت پسند اور شجاع انسان تھے۔ اُنھوں نے میرے والد گرامی رسولؐ اللہ کی شدید ترین حالات میں نصرت فرمائی تھی۔ وہ ہمیشہ رسولؐ اسلام اور ان کے دین کے لیے سربکف رہتے تھے۔ آپؑ انھی کے فرزند ہیں، کیا آپؑ

خاموش رہیں گے اور میرے حقوق کا دفاع نہیں کریں گے؟

اِس گفتگو کے بعد سیّدۂ کائنات ؑ نے اپنے شوہر نامدار کی شجاعت و شہامت کو یاد فرمایا کہ بعثت سے لے کر رحلت رسولؐ اللہ تک آپ کے جہاد کو بھلایا نہیں جاسکتا۔ آپؑ نے اسلام کے دفاع کے لیے ہر قسم کی قربانی دی ہے اور اپنی جان کا خیال تک بھی نہ رکھا۔ اسلام کے دفاع میں بڑے بڑے بہادروں کا مقابلہ کیا اور اُنھیں خاک وخون میں غلطاں کیا۔ آپ اسلام کے بطلِ جلیل ہیں، بعدازیں خاتونِ جنت نے ماضی وحال کو آپس میں ملا کر یہ فرمایا:

اِشْتَمَلْتَ شَمْلَةَ الْجَنِيْنَ

''اے میرے عزیمت وشجاعت! کیا بات ہے کہ آپؑ گوشہ نشین اور الگ تھلگ ہو کر رہ گئے ہیں؟''

وَقَعَدْتَ حَجْرَةَ الظَّنِيْنَ

''تہمت واتہام کے خوف سے گھر میں بیٹھ کر رہ گئے ہیں''۔

ایک اور نسخہ میں حَجْزَةَ الظَّنِيْنَ کے الفاظ ہیں۔

نَقَضْتَ قَادِمَةَ الْاَجْدَلِ

''آپؑ نے زمانہ ماضی میں طاقت ور شاہینوں کے بال و پَر توڑے ہیں یعنی آپؑ نے بڑے بڑے سورماؤں کے غرور وتکبر کو خاک میں ملایا ہے''۔

فَخَانَكَ رِيْشُ الْاَعْزَلِ

''ان کمزور و ناتواں لوگوں کو آپؑ پر کیسے جرأت ہوئی ہے کہ اُنھوں نے آپؑ کے حقوق کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا ہے۔ اُنھیں آپؑ کا کوئی خیال ہے اور نہ کوئی خوف ہے''۔

وہ لوگ ہر اعتبار سے آپؑ سے کمزور ہیں۔ اب اُنھوں نے آپؑ کو کمزور کر دیا ہے۔ وہ لوگ ہر اعتبار سے بے نام ونشان ہیں، وہ کسی حساب و کتاب میں نہیں ہیں۔ حضرت سیّدہ زہراؑ کے اِس جملے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ حضرت امیرالمومنینؑ کے سکوت پر متعجب تھیں کہ لوگوں نے اُن کے حقوق پر ہاتھ صاف کیے ہیں لیکن وہ کیوں خاموش ہیں، وہ اپنے حقوق کے لیے کیوں نہیں اُٹھتے؟

ایک اور نسخے میں خانتك آیا ہے، یعنی اُن لوگوں نے آپؑ پر یورش کی ہے۔ سیّدۂ کائنات ؑ نے اپنی اس گفتگو کے بعد اساسی مسائل پر روشنی ڈالی۔

آپؑ نے فرمایا: هٰذَا ابْ...

جب آپؑ نے حضرت امیر علیہ السلام سے خطاب کا آغاز کیا تھا تو اُنھیں یَابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ کے کلمات سے یاد فرمایا تھا۔اب اس مقام پر بھی آپؑ نے وہی الفاظ استعمال کیے ہیں۔

تمام لوگ اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ طائف کے سردار عبداللہ بن جدعان کے مہمان خانہ کی ملازمت کون کرتا تھا؟ اس کے خوراک کے ظروف کو کون تیار کرتا تھا اور کون باورچی خانے سے کھانے لے کر مہمان خانے میں لے جاتا تھا، پھر وہ عبداللہ بن جدعان کی طرف سے مہمانوں کو کھانے پر بلاتا تھا۔

یَبْتَزُّنِیْ نِحْلَۃَ اَبِیْ وَبُلْغَۃَ اِبْنَیَّ

''یہ آدمی میرے والد گرامی کے عطیہ اور میرے بچوں حسنین شریفینؑ کے وسائلِ معیشت کو مجھ سے روکنا چاہتا ہے''۔

لَقَدْ اَجْہَرَ فِیْ خِصَامِیْ

''اُنھوں نے مجھ سے علانیہ جھگڑا کیا ہے''۔

تفاہم واستدلال سے وہ دُور چلے گئے۔ اِس امر کا نتیجہ عداوت ٹھہری، اُنھوں نے دلیل و برہان کو قبول کیا اور نہ منطق وتفاہم کو تسلیم کیا کیونکہ اُنھوں نے پدر و فرزند کے درمیان قانونِ میراث سے انکار کردیا تھا۔

وَاَلْفَیْتُہُ الْاَلَدَّ فِیْ کَلَامِیْ

میں نے اُنھیں اپنی گفتگو کے دوران اچھی طرح سے سمجھ لیا ہے کہ وہ لوگ کون ہیں اور وہ کیا چاہتے ہیں؟ خاندانِ وحی سے اُن کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اُنھوں نے میرے حق کے مقابلے میں وہ حدیث پیش کی ہے جو اللہ کے قرآن کے منافی ہے۔ وہ لوگ خود مدعی ہیں اور خود شاہد و گواہ ہیں اور خود حاکم ہیں۔ اُنھوں نے اِس حدیث کو اپنے دعوٰی کی دلیل بنایا ہے۔

حَتّٰی حَبَسَتْنِیْ قَیْلَۃُ نَصْرَہَا

''حکومت نے کچھ ایسے حالات پیدا کردیے ہیں کہ فرزندانِ قیلہ اَوس وخزرج نے ہماری نصرت سے ہاتھ اُٹھا لیے ہیں''۔

سیّدہ عالم یہ فرمانا چاہتی ہیں کہ جب رسولؐ اللہ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی تو اہلِ مدینہ نے اُن کا استقبال کیا تھا اور اُن کی نصرت و یاوری کی تھی۔ جب بھی اسلام اور رسولؐ اسلام کے خلاف مشرکین نے اجتماع کیا اُنھیں لوگوں نے رسولؐ اسلام کی نصرت کی تھی لیکن آج اُنھوں نے خاندانِ وحی کی معاونت سے ہاتھ کھینچ لیے ہیں کیونکہ

النَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِهِمْ

"لوگ اپنے بادشاہوں کے دین کی پیروی کرتے ہیں"۔

وَالْمُهَاجِرَةُ وَصْلَهَا

"مہاجرین نے بھی ہمیں اکیلا چھوڑ دیا ہے"۔

بضعہ رسول اللہ کی فصاحت و بلاغت دیکھیے کہ اس مختصر جملے میں مفہوم کو ادا کرنے کے لیے دو لفظوں کو استعمال کیا، جو ایک دوسرے کی ضدیں ہیں: وَصْل ہجر کے مقابلے میں ہے۔ یہ کس قدر خوب صورت اور پُرظرافت جملہ ہے۔

وَخَفَّتِ الْجَمَاعَةُ دُوْنِیْ طَرْفَهَا

"میرے حق میں جو مظالم برپا ہوئے لوگوں نے خاموشی اختیار کی اور حق و عدالت کے راستے میں میری مدد نہیں کی"۔

بتولِ عذرا کا اس کلام سے یہ مقصود ہے کہ لوگ مسجد میں موجود تھے۔ میں نے ان کے سامنے اپنے حق کا مطالبہ کیا۔ حکومت نے انکار کیا۔ حاضرین مسجد سر جھکا کر بیٹھے رہے۔ اُنھوں نے میری آواز سے اپنی آواز نہ ملائی۔

فَلَا دَافِعٌ وَلَا مَانِعٌ

"کسی نے میرے حقوق کا دفاع نہیں کیا"۔

میرا حق جاتا رہا لیکن کوئی منع کرنے والا نہ تھا۔

ایک اور نسخے میں لَاشَافِعٌ آیا ہے۔

خَرَجْتُ کَاظِمَةً وَعُدْتُ رَاغِمَةً

"میں صبر و ضبط کے ساتھ گھر سے باہر آ کر مسجد نبویؐ میں وارد ہوئی تھی لیکن بغیر کسی نتیجہ کے واپس آئی ہوں، یعنی میری کسی نے نصرت نہیں کی"۔

اَضْرَعْتَ خَدَّكَ یَوْمَ اَضَعْتَ حَدَّكَ

"آپؑ نے اپنی شمشیر کو نیام میں رکھ لیا ہے، گویا کہ آپؑ نے ان تمام معاملات کو برداشت کر لیا ہے کیونکہ آپؑ نے نہ تو اپنی قوت کا استعمال کیا ہے اور نہ ہی اپنی قدرت کا اظہار کیا ہے"۔

اِفْتَرَسْتَ الذِّئَابَ وَافْتَرَشْتَ التُّرَابَ

یہ جملہ گذشتہ جملے کی تفسیر ہے کہ سیّدۂ عالم نے فرمایا: اے میدانِ جنگ کے عظیم مجاہد و مبارز! آپؑ نے اپنی

گذشتہ پرافتخار زندگی میں خونخوار بھیڑیوں کو پھاڑ کر رکھ دیا تھا۔ اب آپؑ زمین پر کیوں بیٹھ گئے ہیں؟

مَا لَفَفْتَ قَائِلًا وَلَا أَغْفَيْتَ بَاطِلًا

اس جملے میں دو فعلوں کا امکان ہے۔ فعل مخاطب ہے یا متکلم ہے۔

پہلی صورت میں اس جملے کا یہ معنی ہوگا: جی ہاں! اے بزرگ ترین مرد! آپؑ شجاعت و شہامت کی علامت اور سمبل ہیں۔ کیا ہو گیا ہے آپؑ کیوں خاموش ہیں؟

دوسری صورت میں اس جملے کا معنی یہ بنتا ہے: اب جو ماحول بنا دیا گیا ہے اس ماحول میں ناحق کہنے والے کو منع نہیں کر سکتی ہوں اور نہ اہلِ باطل کو اُن کے مظالم سے روک سکتی ہوں۔

وَلَا خِيَارَلِیْ "میں اپنا دفاع نہیں کر سکتی اور نہ میں کسی کے مقابلے کی قوت رکھتی ہوں، کیونکہ میں ایک خاتون ہوں، ایک خاتون اپنے تصرفات اور امکانیات میں محدود ہوتی ہے"۔

لَيْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ هَيْنَتِیْ دُوْنَ ذِلَّتِیْ

حقیقت یہ ہے کہ پیغمبرؐ اسلام کی دختر کا حق تھا کہ وہ اپنی موت کی آرزو کریں، تا کہ وہ کسی قسم کی توہین اور مظالم کو نہ دیکھ پائیں حالانکہ رسولؐ اسلام نے اپنے بھرپور جہد و جہاد سے انھی لوگوں کو عزت و سیادت عطا کی تھی اور اُنھیں تباہیوں اور بربادیوں سے بچایا تھا۔

آج اُنھی کی بیٹی اپنی موت کی آرزو کر رہی ہیں۔ رسولؐ اللہ کی رحلت کے بعد اُن کے اہلِ بیتؑ کی حرمت اور قداست کی پرواہ نہیں کی گئی۔ اُن کے حقوق روک دیے گئے۔ امت کے سلوک سے اس قدر وہ پریشان ہو چکی تھیں کہ موت کی آرزو کر لی یا بارگاہِ خداوندی میں عرض گزار ہوئیں کہ اَب وہ اُنھیں سنبھال لے۔ وہ مزید مصائب برداشت نہیں کر سکتیں۔

عَذِيْرِیَ اللّٰهُ مِنْكَ عَادِيًا وَمِنْكَ حَامِيًا

اس جملہ میں بہت سے احتمالات ہیں:

① میری گفتار میں تندی و تیزی تھی۔ خداوند تعالیٰ میرے عذر کو قبول فرمائے۔

② خداوند تعالیٰ آپؑ کے عذر کو قبول کرے، کیونکہ میری اس گفتار میں میرا عذر یہ ہے کہ ان حالات میں آپؑ نے مصالح و حکمت کی بنا پر خاموشی و سکوت کو اختیار کیا۔

دوسرے احتمالات بھی ہیں، لیکن اُن سب کے پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

وَيْلَایَ كُلِّ شَارِقٍ

وَيْلَایَ اس کا معنی ہے "مجھ پر افسوس ہے"۔

عربی زبان میں یہ جملہ شدت و مصیبت کے وقت بولا جاتا ہے۔

یہاں یہ جملہ سخت ترین مظالم پر دلالت کرتا ہے۔ ملیکۃ العرب کی شہزادی اپنے درد و رنج کے اظہار میں فرماتی ہیں: مجھ پر ہر وقت صبح افسوس ہے کہ جب سورج طلوع کرتا ہے۔

ایک اور نسخے میں ہے:

وَيْلَایَ فِیْ كُلِّ شَارِقٍ وَيْلَایَ فِیْ كُلِّ غَارِبٍ

"مجھ پر صبح و شام ہر طلوع و غروب افسوس ہے کیونکہ اب ہم پر ہر طرف سے غم کی اندھیریاں چل رہی ہیں"۔

مَاتَ الْعَمَدُ وَوَهَنَ الْعَضُدُ

"ہماری تکیہ گاہ متزلزل ہو کر رہ گئی۔ رسول اللہؐ کی جاں سوز رحلت کے بعد ہمارا بازوئے اقتدار کمزور ہو گیا"۔

جی ہاں! پیغمبر آخر و اعظمؐ ہمارا سہارا و آسرا تھے۔ اُن کے سائے کے نیچے ہماری زندگیاں پُرسکون تھیں۔ اُن کی رحلت کے بعد ہمارے اقتدار کا بازو بے طاقت ہو کر رہ گیا۔

شَكْوَایَ اِلٰی اَبِیْ

میں اپنے مصائب کی شکایت بارگاہِ رسالتؐ میں کرتی ہوں، کیونکہ اُن کی ذات ہی میرا ملجا و ماویٰ تھی"۔

وَعَدْوَایَ اِلٰی رَبِّیْ

"خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں نصرت و انتقام کی درخواست ہے"۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ اَشَدُّ قُوَّةً وَحَوْلًا

"خدایا! تو اپنی قدرت و طاقت میں بے مثل و بے مثال ہے"۔

تمام طاقتوں کا سرچشمہ تُو ہے۔ تُو ہی میرا دفاع کر سکتا ہے اور تو ہی مجھے میرا حق دلا سکتا ہے۔

وَاَحَدُّ بَاْسًا وَتَنْكِيْلًا

"تیری سزا اور تیرا عذاب سخت ترین ہیں۔ میرے دشمنوں سے تُو خود ہی انتقام لے"۔
انہی الفاظ کے ساتھ سیدۂ عالمؑ کی گفتگو اختتام پذیر ہوئی۔

حضرت امیرالمومنین امام علی علیہ السلام کا جواب

حضرت امیر علیہ السلام نے سیدۂ عالمؑ کا خطاب ہمہ تن گوش ہو کر سنا۔ اُن کے قلبی سکون کے لیے ان پُر درد لمحات کو انسانی تاریخ میں ثبت کرانے کے لیے گفتگو فرمائی:

لَا وَيْلَ عَلَيْكِ الْوَيْلُ لِشَانِئِكِ نَهْنِهِيْ عَنْ وَجْدِكِ يَابْنَةَ الصَّفْوَةِ، وَبَقِيَّةَ النُّبُوَّةِ فَمَا وَنَيْتُ عَنْ دِيْنِيْ، وَلَا أَخْطَأْتُ مَقْدُوْرِيْ فَاِنْ كُنْتِ تُرِيْدِيْنَ الْبُلْغَةَ فَرِزْقُكِ مَضْمُوْنٌ، وَكَفِيْلُكِ مَأْمُوْنٌ وَمَا أُعِدَّ لَكِ اَفْضَلُ خَيْرٌ مِّمَّا قُطِعَ عَنْكِ، فَاحْتَسِبِي اللهَ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ

"اے دخترِ پیغمبرؐ! ویل آپؑ کے لیے نہیں بلکہ آپؑ کے دشمنوں کے لیے ہے۔ اپنے غصہ کو روک لیجیے، آپؑ مختارِ کائنات کی بیٹی ہیں اور یادگارِ نبوت ہیں۔ میں نے دین میں کوئی سُستی نہیں کی اور امکان بھر کوئی کمی پیدا نہیں کی۔
اگر آپؑ سامانِ معیشت چاہتی ہوں تو آپؑ کے رزق کا ضامن پروردگار ہے، آپؑ کے رزق کا ضامن امین ہے اور پروردگار نے جو اُجر آپؑ کے لیے فراہم کر رکھا ہے وہ اس مالِ دُنیا سے کہیں زیادہ بہتر و برتر ہے اور جس رزق سے آپؑ کو محروم کیا گیا ہے آپؑ خدا کے لیے اس پر صبر کیجیے"۔

جب ان باتوں کو حضرت سیدہ زہرا علیہا السلام نے سنا تو فرمایا: "یقیناً میرے لیے میرا خدا کافی ہے اور وہ بہترین حمایت کرنے والا ہے"۔

خطبہ کی تشریح وتوضیح

لَا وَيْلَ عَلَيْكِ، حضرت امام علی علیہ السلام نے بضعۃ الرسولؐ سے فرمایا: آپؑ کی ذات والاصفات پر "ویل" نہیں ہے۔ آپؑ اپنے لیے "ویل" کی بات نہ کریں۔

بَلِ الْوَيْلُ لِشَانِئِكِ

"ویل" اُس کے لیے ہے جو آپؑ سے بغض رکھتا ہے"۔

جو آپؑ سے بغض رکھتا ہے وہ سراسر خسارے میں ہے۔ ایسا خسارہ جو اُس کی دنیا اور آخرت دونوں کو برباد کر دیتا ہے۔

نَهْنِهِيْ عَنْ وَجدِكِ يَا بْنَةِ الصَّفْوَةِ

''اے پیغمبر مصطفیٰ و مختارؐ کی بلند مرتبہ دختر! اپنے آپؑ سے غم وحزن کو دُور رکھیے''۔

وَبَقِيَّةَ النُّبُوَّةِ

''آپؑ رسولؐ اللہ کے جسم مبارک کا حصّہ ہیں''۔

اللہ کے رسولؐ کو اُمت نے بہت زیادہ اذیتیں دی تھیں۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا تھا:

مَا أُوْذِيَ نَبِيٌّ بِمِثْلِ مَا أُذِيْتُ

''جس طرح مجھے اذیتیں دی گئی ہیں اس طرح کسی نبیؐ کو اذیتیں نہیں دی گئیں''۔

اے خاتونِ جنتؑ! آپؑ اِس کل کی جز ہیں یعنی سیّدالرسلؐ کی جز ہیں، جو مشکلات آپؑ پر آئی ہیں اُن پر صبر کیجیے۔

اس گفتگو کے بعد حضرت امیر علیہ السلام نے اپنا موقف اور تکلیف شرعی کی وضاحت فرمائی:

فَمَا وُنَيْتُ عَنْ دِيْنِيْ

''جو قیام مجھ پر واجب ہے میں اُس سے عاجز نہیں ہوں۔ میں اپنے دین وعقیدہ میں مضبوط ہوں''۔

میں صبر وسکوت پر مامور ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے صبر کا حکم دیا تھا، فدک اور اُس کے عوالی کا چھن جانا خلافت کے چھن جانے سے بڑھ کر نہیں ہے۔ صبر سے کام لیجیے۔

وَلَا أَخْطَأْتُ مَقْدُوْرِيْ

''جو کچھ میری قدرت وطاقت میں تھا میں نے اُسے ترک نہیں کیا''۔

یہاں ''مقدور'' عقلی نہیں ہے، بلکہ مقدور شرعی ہے۔ جس طرح ایک مریض کے لیے پانی کا استعمال غسل و وضو کے لیے مضر ہوتا ہے لیکن وہ عقلاً پانی کے استعمال پر قادر ہوتا ہے لیکن شرعاً عاجز ہوتا ہے۔ حضرت امام علی علیہ السلام اپنی جرأت و بہادری میں بے مثال تھے۔ وہ اپنی تلوار اُٹھا سکتے تھے۔ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے جنگ بدر میں پینتیس شجاعانِ عرب کو تہِ تیغ کیا تھا۔ آپؑ کا مدمقابل کوئی پہلے تھا اور نہ اِس دور میں تھا۔ آپؑ میں یہ عقلی قدرت وتوانائی تھی۔

جہاں تک بات ہے شرعی قدرت کی اُس وقت آپؑ کا شرعی وظیفہ سکوت و خاموشی تھا، کیونکہ وقت کا تقاضا یہ تھا کہ اسلام کو بچایا جائے۔ دینِ اسلام کو داخلی خطرات سے محفوظ کیا جائے۔ دینِ اسلام کا دشمن دیکھ رہا تھا کہ اسلام کے اندر خلفشار پیدا ہو، تا کہ وہ باہر سے حملہ کر کے دینِ احمد مرسلؐ کو نابود کر دے۔

یہی وجہ تھی کہ جس کی بنا پر حضرت امیر علیہ السلام نے گوشہ نشینی اختیار کی اور صبر و سکوت سے کام لیا۔

فَاِنْ كُنْتِ تُرِيْدِيْنَ الْبُلْغَةَ

"اگر آپؑ کو اقتصادی و معاشی وسائل چاہئیں"۔

فَرِزْقُكِ مَضْمُوْنٌ

"آپؑ کے رزق کا ضامن اللہ ہے"۔

وہ ہر ذی روح کی کفالت کرتا ہے۔ آپؑ اور آپؑ کے خاندان کا کفیل اللہ ہے۔

وَكَفِيْلُكِ مَاْمُوْنٌ

"آپؑ کا کفیل امین ہے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ اسی ذات نے رزق کی ضمانت دے رکھی ہے۔

وَمَا اُعِدَّ لَكِ خَيْرٌ مِمَّا قُطِعَ عَنْكِ

"اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپؑ کے لیے جو انعامات و ثمرات مقرر کیے گئے ہیں یہ مالِ دنیا اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس دنیا میں جو مصائب و آلام آپؑ کو پہنچے ہیں اور آپؑ نے اُن پر صبر کیا ہے تو اسی صبر کا اجر اللہ کے ہاں محفوظ ہے"۔

فَاحْتَسِبِيْ اللهَ

"اللہ کی رضا و خوشنودی کے حصول کے لیے صبر و تحمل سے کام لیجیے"۔

حضرت امیر علیہ السلام کا کلام سن کر سیدۂ عالم نے فرمایا:

حَسْبِيَ اللهُ وَاَمْسَكْتُ

"میرا اللہ میرے لیے کافی ہے، میں اپنے اُمور میں اُسی پر بھروسہ رکھتی ہوں۔ میں اللہ کی رضا پر راضی ہوں اور ان مصائب پر خاموشی اختیار کر رہی ہوں"۔

بسترِ علالت پر مہاجرین و انصار کی خواتین سے خطاب

سوید بن غفلہ کا بیان ہے کہ شفیعہ روزِ جزا، حضرت فاطمۃ زہراؑ بسترِ علالت پر تھیں۔ اُن کی طبیعت نہایت ہی ناساز تھی۔ کچھ دنوں بعد اِسی مرض ہی میں وہ اِس دنیا کو چھوڑ کر بارگاہِ خداوندی میں پہنچ گئی تھیں۔ جب آپؑ کی بارگاہ میں مہاجرین و انصار کی خواتین عیادت کے لیے حاضر ہوئی تھیں تو اُنھوں نے آپؑ سے مزاج پرسی کرتے ہوئے کہا تھا: اے دخترِ رسولؐ! آپ کے مزاج کیسے ہیں؟ آپؑ نے حمدِ پروردگار کے بعد اپنے بابا پر درود بھیجا اور فرمایا:

اَصْبَحْتُ وَاللهِ عَائِفَةً لِدُنْيَاكُنَّ، قَالِيَةً لِرِجَالِكُنَّ، لَفَظْتُهُمْ بَعْدَ أَنْ عَجَمْتُهُمْ وَشَنَأْتُهُمْ بَعْدَ أَنْ سَبَرْتُهُمْ، فَقُبْحًا لِفُلُولِ الْحَدِّ، وَاللَّعْبِ بَعْدَ الْجِدِّ، وَقَرْعِ الصَّفَاةِ، وَصَدْعِ الْقَنَاةِ، وَخَطَلِ الآرَاءِ، وَزَلَلِ الأَهْوَاءِ، وَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنْفُسُهُمْ أَنْ سَخِطَ اللهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُوْنَ۔

لَا جَرَمَ لَقَدْ .... رِبْقَتَهَا، وَحَمَّلْتُهُمْ، أَوْقَتَهَا، وَشَنَنْتُ عَلَيْهِمْ عَارَهَا فَجَدْعًا وَعَقْرًا لِلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔

وَيْحَهُمْ! أَنّٰى زَعْزَعُوْهَا عَنْ رَوَاسِي الرِّسَالَةِ، وَقَوَاعِدِ النُّبُوَّةِ وَالدَّلَالَةِ، وَمَهْبِطِ الرُّوْحِ الْاَمِيْنِ، وَالطَّبِيْنِ بِأُمُوْرِ الدُّنْيَا وَالدِّيْنِ۔

أَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ، وَمَا الَّذِي نَقِمُوْا مِنْ أَبِي الْحَسَنِ؟ نَقِمُوا مِنْهُ، وَاللهِ نَكِيْرَ سَيْفِهِ وَقِلَّةَ مُبَالَاتِهِ بِحَتْفِهِ، وَشِدَّةَ وَطْأَتِهِ وَنَكَالَ وَقْعَتِهِ وَتَنَمُّرَهُ فِي ذَاتِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ، وَاللهِ لَوْ تَكَافُّوْا عَنْ زِمَامٍ نَبَذَهُ رَسُوْلُ اللهِ إِلَيْهِ لَاعْتَلَقَهُ۔ وَلَسَارَ بِهِمْ سَيْرًا سُجُحًا، لَا يَكْلَمُ خُشَاشُهُ، وَلَا يُتَعْتِعُ رَاكِبُهُ، وَأَوْرَدَهُمْ مَنْهَلًا، صَافِيًا رَوِيًّا فَضْفَاضًا تَطْفَحُ ضِفَّتَاهُ، وَلَا يَتَرَنَّقُ جَانِبَاهُ، وَلَاصْدَرَهُمْ بِطَانًا، وَنَصَحَ لَهُمْ سِرًّا وَإِعْلَانًا، وَلَمْ يَكُنْ يَتَحَلّٰى مِنَ الْغِنٰى بِطَائِلٍ، وَلَا يَحْظٰى مِنَ الدُّنْيَا بِنَائِلٍ، غَيْرَ رَيِّ النَّاهِلِ وَشَبْعَةِ الْكَافِلِ، وَلَبَانَ لَهُمُ الزَّاهِدُ مِنَ الرَّاغِبِ وَالصَّادِقُ مِنَ الْكَاذِبِ۔

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرٰى آمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَأَخَذْنَاهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔

وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰؤُلَاءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوْا وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ۔

أَلَا هَلُمَّ وَاسْتَمِعْ ، وَمَا عِشْتَ أَرَاكَ الدَّهْرَ عَجَبًا ، وَ إِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ: لَيْتَ شِعْرِي؟ إِلٰى أَيِّ سِنَادٍ إِسْتَنَدُوْا؟ وَعَلٰى أَيِّ عِمَادٍ إِعْتَمَدُوْا؟ وَبِأَيَّةِ عُرْوَةٍ تَمَسَّكُوْا؟ وَعَلٰى أَيَّةِ ذُرِّيَّةٍ أَقْدَمُوْا وَاحْتَنَكُوْا؟!

﴿لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ○ وَبِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا﴾

إِسْتَبْدَلُوْا وَاللّٰهِ الذُّنَابَا بِالْقَوَادِمِ ، وَالْعَجُزَ بِالْكَاهِلِ ، فَرَغْمًا لِمَعَاطِسِ قَوْمٍ يَحْسَبُوْنَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾

وَيْحَهُمْ!!

﴿أَفَمَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَنْ يُتَّبَعَ أَمَّنْ لَا يَهِدِّي إِلَّا أَنْ يُهْدٰى فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ﴾

أَمَا لَعَمْرِي! لَقَدْ لَقِحَتْ ، فَنَظِرَةٌ رَيْثَمَا تُنْتِجُ ، ثُمَّ احْتَلِبُوْا مِلْأَ الْقَعْبِ دَمًا عَبِيْطًا وَذُعَافًا مُبِيْدًا ﴿هُنَالِكَ يَخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ﴾ وَيَعْرِفُ التَّالُوْنَ غِبَّ مَا أَسَّسَ الْأَوَّلُوْنَ۔

ثُمَّ طِيْبُوْا عَنْ دُنْيَاكُمْ أَنْفُسًا ، وَاطْمَأَنُّوْا لِلْفِتْنَةِ جَاشًا ، أَبْشِرُوْا بِسَيْفٍ صَارِمٍ ، وَسَطْوَةِ مُعْتَدٍ غَاشِمٍ ، وَهَرْجٍ شَامِلٍ ، وَاسْتِبْدَادٍ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ، يَدَعُ فَيْئَكُمْ زَهِيْدًا ، وَجَمْعَكُمْ حَصِيْدًا ، فَيَا حَسْرَةً لَكُمْ ، وَأَنّٰى بِكُمْ؟ وَقَدْ عُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ﴿أَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَأَنْتُمْ لَهَا كَارِهُوْنَ﴾

قَالَ سُوَيْدُ بْنُ غَفَلَةَ: فَأَعَادَتِ النِّسَاءُ قَوْلَهَا عَلٰى رِجَالِهِنَّ فَجَاءَ إِلَيْهَا قَوْمٌ مِنْ وُجُوْهِ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ مُعْتَذِرِيْنَ ، وَقَالُوْا:

يَا سَيِّدَةَ النِّسَاءِ! لَوْ كَانَ أَبُو الْحَسَنِ ذَكَرَ لَنَا هٰذَا الْأَمْرَ مِنْ قَبْلِ أَنْ نُبْرِمَ الْعَهْدَ ، وَالْحُكْمَ الْعَقْدَ لَمَا عَدَلْنَا عَنْهُ إِلٰى غَيْرِهٖ۔

فَقَالَتْ إِلَيْكُمْ عَنِّيْ فَلَا عُذْرَ بَعْدَ تَعْذِيْرِكُمْ وَلَا أَمْرَ بَعْدَ تَقْصِيْرِكُمْ

"خدا کی قسم! میں نے اس حال میں صبح کی ہے کہ میں تمھاری دنیا سے بیزار اور تمھارے مردوں سے ناراض ہوں۔ میں نے انھیں سیاسی و اجتماعی زندگی کے نشیب و فراز میں خوب

آزمایا ہے اور اُن کا امتحان لیا ہے۔ مجھے مایوسی ہوئی ہے۔ اب اُن سے میرا کوئی رشتہ نہیں رہا۔ اس لیے میں اُن سے ناراض ہوں۔

حیف ہے کہ شمشیر اِس طرح کند ہوجائے اور سنجیدگی کے بعد غیر سنجیدگی پیدا ہوجائے، سر پتھر سے ٹکرائے جائیں، نیزے شکافتہ ہوجائیں، اَفکار بہک جائیں، تصورات میں لغزش نمودار ہوجائے۔

اِن لوگوں نے اپنے اُخروی انتقام کی کوئی پرواہ نہیں کی ہے، اپنے خدا کو ناراض کیا ہے۔ یقیناً یہ ذمہ داری اِنھی لوگوں کی گردن پر ہے اور یہ بوجھ اُنھی کے کندھوں پر ہے۔ اس بات کا عار اُنھی کے سر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اُن کے ہاتھوں، کانوں اور منہ کو کاٹ کر رکھ دیا ہے اور اُن کے اَبدان زخمی ہیں۔

اِن لوگوں پر افسوس ہے کہ اُنھوں نے خلافت کو مرکز رسالت، قواعدِ نبوت، روح الامین کے محلِ نزول اور دنیا و آخرت کی منازل کے اُمور کے واقفین سے دُور کردیا ہے۔

تیار ہوجایئے کہ یہی کھلا خسارہ ہے۔ آخر ان لوگوں کو امام ابوالحسنؑ کی کون سی بات غلط محسوس ہوئی۔ یقیناً یہ لوگ اُن پر اِس لیے ناراض ہیں کہ وہ اللہ کی توحید کی ترویج کی خاطر ہر رکاوٹ کو اپنی تلوار کی کاٹ سے دُور کردیتے تھے۔ وہ موت سے ڈرنے والے نہ تھے۔ وہ میدانِ جنگ میں بے خوف ہوکر شدت سے جنگ کرتے تھے۔ وہ راہِ عدالت میں سخت تھے۔ وہ اللہ کی رضا کے حصول کے لیے کسی کے غیظ و غضب کی پرواہ نہیں کیا کرتے تھے۔

اگر لوگ روشن راستے سے اِدھر اُدھر ہوجاتے اور واضح دلیل قبول کرنے سے کنارہ کش ہوجاتے تو وہ اپنی قائدانہ صلاحیتوں سے اُنھیں واپس صراطِ مستقیم پر لے آتے اور اپنی حقیقی بات منوا لیتے اور اُنھیں نہایت ہی نرمی کے ساتھ راستے پر چلاتے کہ نہ اُونٹ زخمی ہوتے اور نہ مسافر کو پریشانی ہوتی اور نہ سوار خستہ حال ہوتا، بلکہ اُنھیں صاف و شفاف چشمہ پر وارد کردیتے کہ جس کے کنارے چھلک رہے ہوں اور اطراف میں کوئی کثافت نہ ہو۔ وہاں یہ سب کو سیراب کرکے باہر لے آتے وہ خفیہ اور علانیہ وعظ و نصائح فرماتے۔

اگر وہ خلافت حاصل کرلیتے تو نہ دنیا کا کوئی فائدہ حاصل کرتے اور نہ کسی عطیہ کو اپنے لیے

مخصوص کرتے۔ وہ صرف پیاس بجھانے اور جسمانی حرارت کے قیام کے لیے سامانِ حیات لیتے۔ اُن کا زُہد دنیا پرستوں سے نمایاں ہوتا اور لوگ سچے اور جھوٹے کو محسوس کر لیتے۔

فرمانِ خداوندی ہے: "اگر اہلِ قریہ ایمان اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم اُن کے لیے آسمان و زمین کی برکتوں کے راستے کھول دیتے لیکن اُنھوں نے تکذیب کی تو ہم نے ان کے اعمال کی گرفت کی اور جو اُن میں سے ظالم ہیں عنقریب ان تک اُن کے اعمال کی بُرائیاں پہنچ جائیں گی اور وہ خدا کو عاجز نہیں کر سکتے"۔

آگاہ ہو جائیے، آیئے اور سنیے اور جب تک آپ زندہ رہیں گے دنیا کے عجائب و غرائب دیکھتے رہیے گا اور سب سے زیادہ عجیب تو اُن کے اقوال ہیں۔

اے کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ اِن لوگوں نے کس مدرک کا سہارا لیا ہے اور کس ستون پر بھروسہ کیا ہے۔ یہ کس دستہ سے وابستہ ہیں اور کس ذُریت پر ظلم کر کے تسلط پیدا کیا ہے۔ یقیناً یہ بدترین رہبر اور بدترین قوم ہے اور ظالموں کو اِس طرح بدترین عوض ملتا ہے۔

خدا کی قسم! ان لوگوں نے افضل ترین افراد کے عوض اُن کے غیر کو لیا ہے اور پشت کے بجائے دُم پر ہاتھ رکھا ہے۔ پستی اِس قوم کا حصّہ ہے کہ جس کا خیال یہ ہے کہ وہ بہترین اعمال انجام دے رہی ہے۔

آگاہ رہیے کہ یہ لوگ مصلح نہیں ہیں انھیں اِس حقیقت کا شعور بھی نہیں ہے۔ وائے بر حال قوم! کیا حق کو ہدایت کرنے والا ہی پیروی کا حق دار ہوتا ہے یا وہ جو محتاج ہدایت ہوتا ہے۔ آخر تمھیں کیا ہو گیا ہے اور تم کیسا فیصلہ کر رہے ہو؟

مجھے اپنی جان کی قسم! فساد کا بیج بو دیا گیا ہے۔ اب اِس کے نتیجے کے وقت کا انتظار کیجیے۔ اِس کے بعد پیالے بھر بھر کر گاڑھا خون اور مہلک زہر نوش جان کرو گے۔ اس وقت اہلِ باطل کو خسارے کا احساس ہوگا۔ آنے والی پشتوں کو معلوم ہوگا کہ پہلے لوگوں نے کیا بنیادیں قائم کی ہیں۔ جاؤ اپنی دنیا میں عیش کرو اور اپنے دل کو فتنوں سے مطمئن کرو اور بشارت حاصل کرو کہ عنقریب کاٹنے والی تلوار اور بدترین ظالم کے حملے، ہمہ گیر ہرج مرج اور ستم گروں کا ستم سامنے آنے والا ہے، جو تمھارے حصّہ کو انتہائی قلیل کر دے گا اور تمھاری جمعیت و جماعت کو

کاٹ کر پھینک دے گا۔ وہ وقت تمھارے لیے مقامِ حسرت ہوگا کہ تمھارا انجام کیا ہوگا اور تمھیں اس کی خبر ہی نہیں ہے کیا ہم تمھیں اَز راہِ جبر و اِکراہ اُس امر پر آمادہ کر سکتے ہیں جو تمھیں پسند نہیں ہے"۔

سوید بن غفلہ کا بیان ہے کہ ان خواتین نے اس پیغام کو اپنے مردوں تک پہنچایا تو مہاجرین و انصار کی ایک جماعت معذرت کے لیے حاضر ہوکر کہنے لگی: اے سیّدۃ النساء! اگر ابوالحسنؑ نے بیعت تمام ہونے اور عہد کے پختہ ہونے سے قبل ان باتوں کا ذکر کر دیا ہوتا تو ہم اُنھیں چھوڑ کر کسی طرف نہ جاتے۔

اُن کی بات سن کر آپؑ نے فرمایا: اس بات کو جانے دیجیے اور دُور چلے جایئے۔

اب اتمامِ حجت کے بعد کوئی عذر قابلِ قبول نہیں ہے۔ تقصیر کے بعد کوئی مسئلہ باقی نہیں رہ گیا ہے۔

خواتینِ مدینہ کا خاتونِ جنت کی عیادت کرنا

ہم تحقیق کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ مدینہ کی خواتین سیّدۂ عالم کی عیادت کے لیے اُن کے گھر کیوں حاضر ہوئی تھیں۔ کیا اُن کے مردوں نے اُنھیں بھیجا تھا کہ وہ نبیؐ کی بیٹی کی عیادت کے لیے اُن کے خانۂ اَقدس میں حاضری دیں؟ اگر یہ بات ہے تو پھر وہ کون سی فکر تھی کہ جس کی بنیاد پر مردوں نے اپنی خواتین کو عیادت کے لیے بھیجا تھا؟

رحلتِ پیغمبر کے بعد پیدا ہونے والے حالات کی گرمی میں جب اعتدال پیدا ہوا تو مدینہ کی خواتین کو احساس ہوا کہ ان کے رسولؐ کی بیٹی کو ستایا گیا ہے۔ ہر طرح سے اُن کی دل آزاری کی گئی ہے۔ اب وہ اپنے گھر میں حیران و پریشان اور صاحبِ فراش ہیں۔ اُن کے حضور جائیں اور اُن کی عیادت کر کے اپنے قلوب کے لیے اطمینان کا سامان حاصل کریں۔

اُن کی غرض یہ بھی تھی کہ اگر وہ خاتونِ جنت کی بارگاہ میں حاضر ہوں گی اور اُنھیں تسلی تشفی کریں گی تو اس سے اُن کے دل کا بوجھ ہلکا ہوگا۔ اُن کی پریشانی میں کمی ہوگی یا ان کے کوئی سیاسی اسباب تھے۔ اُن کی بنا پر وہ بتولِ عذرا کے ہاں حاضر ہوئی تھیں، تاکہ حکومت اور اُن کے درمیان جو خلیج پیدا ہوگئی ہے اُس خلیج کو ختم کر سکیں؟

اصل بات یہ ہے کہ جب سیّدۂ عالم نے اتمامِ حجت کے تمام سامان مکمل کر لیے تو آپؑ نے گوشہ نشینی اور خانہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ آپؑ کے اس عمل نے اسلامی معاشرہ کو متاثر کیا۔ کوئی انسان نہیں تھا کہ جو ان حالات سے متاثر نہ ہوا ہو۔ بالخصوص اُس عمل نے جب امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام نے خاتونِ جنت کے ہمراہ اپنے خانۂ اقدس سے باہر آ کر

مہاجرین و انصار کے گھروں کا چکر لگایا تھا اور اُن سے اپنے حقوق کے لیے نصرت طلب کی تھی، لیکن انھیں کسی طرف سے بھی کوئی مثبت جواب نہ ملا تھا۔

آپ گذشتہ صفحات میں سیدۂ عالمؑ اور معاذ بن جبلؓ کے درمیان جو گفتگو ہوئی تھی پڑھ چکے ہیں۔

ان تمام صورتوں میں اس بات کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا کہ سیدۂ نساء العالمینؑ کے خانۂ اقدس میں کتنی خاتون حاضر تھیں، لیکن یقینی امر یہ ہے کہ ان خواتین کی تعداد معمولی نہیں تھی بلکہ غیر معمولی تھی۔ بضعۂ رسولؐ نے اپنے اُوپر ہونے والے مظالم کی دردناک داستان کو تاریخ کے دفتر میں ثبت کرانے کے لیے ان خواتین کو تاریخی خطبہ دیا، حالانکہ آپؑ صاحبِ فراش تھیں۔ آپؑ کی طبیعت ناساز تھی۔

مشاہدات میں سے ہے کہ کسی معاشرے میں عورتیں مردوں کے برابر ہوتی ہیں یا اُن سے زیادہ ہوتی ہیں۔ ہر عورت کسی نہ کسی مرد سے مربوط ہوتی ہے۔ وہ مرد اُس کا شوہر یا اُس کا باپ یا بھائی یا بیٹا ہوتا ہے۔ مدینۃ الرسولؐ کی نصف تعداد یعنی خواتین سیدہؑ کی عیادت کے لیے اُن کے ہاں حاضر تھیں۔ ان میں سے جس نے یہ پیغام سنا تو اُس نے وہ پیغام اپنے گھر کے مردوں تک پہنچایا۔ آپؑ کا مقصد بھی یہی تھا کہ اس طریقے سے وہ اپنا پیغام گھر گھر تک پہنچا دیں، کیونکہ یہ ایک مؤثر طریقہ ہے۔ اس طریقے سے پیغام دُور دُور تک پہنچایا جاسکتا ہے۔

جب سیدۂ عالمؑ کے حضور مہاجرین و انصار کی خواتین حاضر تھیں تو آپؑ کیوں خاموش رہیں؟ آپؑ نے اپنے حقوق کے مانعین کی بات کیوں نہ کی؟

اُن خواتین نے آپؑ سے کہا:

كَيْفَ أَصْبَحْتِ مِنْ عِلَّتِكِ يَا بِنْتَ رَسُوْلِ اللهِ

"اے دخترِ رسولؐ اللہ! اس رنج و مرض میں طبیعت کیسی ہے؟"

رسمِ روزگار تو یہ ہے کہ جب عیادت کنندہ بیمار و مریض کے قریب آتا ہے تو وہ اُس کی صحت و سلامتی کے بارے میں پوچھتا ہے۔ بیمار اُسے اپنی صحت و بیماری کا حال دیتا ہے کہ اب اُس کا کیا حال ہے، تندرستی ہو رہی ہے یا بیماری کا غلبہ ہے، لیکن یہاں کی کیفیت کچھ اور ہے۔ جب مدینہ کی خواتین نے دخترِ نبیؐ سے اُن کی بیماری کے متعلق پوچھا تو اس پیکرِ علم و دانش دخترِ پیغمبرؐ نے اپنے جسم و جان کی بیماری و سلامتی کے بارے میں کچھ نہ فرمایا، بلکہ آپؑ نے اپنی قلبی تکلیف اور اسلامی معاشرے کے درد و رنج پر گفتگو کی، کیونکہ ان اُمور پر گفتگو اَولیٰ اور اَوجب تھی، کیونکہ یہی حالات ہی اُن کی مرض کے اسباب ہیں۔ رحلتِ پیغمبرؐ کے بعد خاندانِ وحی پر جو گزری تھی انھی احوال کے پیشِ نظر اُن کی تندرستی

مرض میں تبدیل ہوئی۔ انھی احوال نے آپؑ کی عافیت و صحت چھین لی تھی۔ اس لیے ضروری ہے کہ پہلے سبب پر بات کی جائے، پھر مسبب پر، علت کا علم معلول کے علم سے افضل ہوتا ہے۔ پہلے علت پھر معلول، اس لیے سیدۂ عالم نے مدینہ کی عورتوں کو وہ جواب دیا، جو حالات کے تقاضا کے عین مطابق تھا۔

حالانکہ حوراء انسیہ، بقولِ عذرا صاحبِ فراش تھیں۔ پھر بھی آپؑ کا خطاب اپنے دامن میں فصاحت و بلاغت کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر رکھتا ہے۔ یہ مقام حیرت و تعجب بھی نہیں ہے، کیونکہ آپؑ خاندانِ وحی کی شہزادی تھیں۔ مدینۃ العلم کی دختر تھیں اور باب العلم کی زوجہ تھیں۔ سیدا شباب اھل الجنۃ کی والدہ گرامی تھیں۔

آپؑ نے فرمایا:

اَصْبَحْتُ وَاللّٰهِ، عَائِفَةً لِدُنْيَاكُنَّ قَالِيَةً لِرِجَالِكُنَّ

”خدا کی قسم! میں تمھاری دنیا سے، تمھاری دنیا داری سے اور تمھارے ماحول و معاشرہ سے بیزار ہو چکی ہوں۔ علاوہ ازیں تمھارے مردوں کے سلوک سے مایوس ہو چکی ہوں کہ میرے موقف میں اُنھوں نے میرا ساتھ نہیں دیا“۔

رسمِ دنیا بھی یہی ہے کہ جب کوئی مرد فوت ہوتا ہے تو اُس کے رفقاء اُس کی اولاد کے پاس آتے ہیں اُنھیں صبر کی تلقین کرتے ہیں، تسلی و تشفی دیتے ہیں۔ اپنے مرحوم دوست کی اولاد کا غم ہلکا کرتے ہیں۔ بعد میں یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر تمھارا بابا اس دنیا سے چلا گیا ہے آپؑ پریشان نہ ہوں، ہم موجود ہیں، ہر مشکل میں کام آئیں گے۔ رسولؐ اللہ کی رحلت نے اُن کے اہلِ بیتؑ کو حیران و سرگردان کر دیا تھا۔ اُن کا سکھ چین ختم ہو کر رہ گیا تھا۔ رسولؐ اللہ کی دختر اور اُن کے اہلِ بیتؑ کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ تاریخ کی کتب میں موجود ہے، اس لیے سیدۂ عالمؑ نے مدینہ کی خواتین سے کہا تھا کہ میں تمھارے مردوں پر ناراض ہوں۔ اُنھوں نے میری نصرت نہیں کی۔

لَفَظْتُهُمْ بَعْدَ اَنْ عَجَمْتُهُمْ

لَفَظْتُ کا معنی ہے پھینکنا اور عَجَمْتُ کا معنی ہے: غذا یا پھل کا منہ میں لینا۔

سیدۂ عالمؑ کا مقصود ہے کہ میں نے ان لوگوں سے ہر قسم کا ناطہ و تعلق توڑ لیا ہے۔ میں اِن سے مایوس ہو چکی ہوں۔ اِن پر جو امر فرض تھا اُنھوں نے اپنے فرض کو ادا نہیں کیا ہے۔

وَشَنَئْتُهُمْ بَعْدَ اَنْ سَبَرْتُهُمْ

”میں نے اِن لوگوں کو آزما لیا ہے۔ یہ لوگ آزمائش میں پورے نہیں اُترے اس لیے میں اِن

سے آزردہ خاطر ہوں"۔

فَقُبْحًا لِفُلُوْلِ الْحَدِّ

خاتونِ قیامت نے مدینہ کے رجال کو کند تلوار سے نسبت دی ہے۔ آپ ؑ کا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اِن لوگوں نے اُن لوگوں کی معاونت نہیں کی۔ ان لوگوں نے انھیں مصائب و آلام میں تنہا چھوڑ دیا تھا اور کوئی معاونت نہ کی تھی۔ رحلتِ رسول اللہؐ کے بعد اُن کے دوستوں کا فریضہ تھا کہ وہ اُن کی اہلِ بیتؑ کا ساتھ دیتے۔

وَاللَّعْبَ بَعْدَ الْجِدِّ

اس جملے سے بتولِ عذراؑ کی مراد یہ ہے کہ ان لوگوں میں احساسِ مسئولیت باقی نہیں رہا۔ رسولِ اسلام کی حیاتِ مبارکہ میں یہ لوگ نصرتِ اسلام کے لیے کمربستہ تھے، لیکن اُن کی رحلت جاں سوز کے بعد اپنے وظیفے کو چھوڑ دیتے ہیں۔

وَقَرْعِ الصَّفَا

اس جملے کا عطف گزشتہ جملے پر ہے یعنی اِن لوگوں نے اُس راستے کو اختیار کیا جو روحانیت کا غیر ہے۔

وَصَدْعُ الْقَنَاةِ

ایک اور نسخے میں خَوَدِ الْقَنَاةِ آیا ہے۔ جب نیزے میں شگاف پڑ جاتا ہے تو وہ استعمال کے قابل نہیں رہتا۔ نیزے سے درندہ یا دشمن کے مقابلے میں اُس وقت کام لیا جاسکتا ہے جب وہ صحیح و سالم ہو۔

وَخَطَلِ الْآرَاءِ ایک اور نسخے میں ہے: اَفُوْنُ الرَّاْیِ۔ ایک دوسرے نسخے میں ہے: خَطَلُ الْقَوْلِ۔ ان تمام جملوں سے مقصود فکری فساد ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلِ بیتؑ کا ساتھ نہیں دیا اور مصائب و آلام میں انھیں اکیلا چھوڑ دیا تھا۔

وَزَلَلِ الْاَهْوَاءِ اس جملے سے سیدۂ عالمؑ کی مراد وہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے اہلِ اسلام کے مقدرات متاثر ہوئے۔ ایسے اثرات جو وقتی نہیں بلکہ طولِ تاریخ تک باقی رہنے والے ہیں۔ جب انسان خواہشاتِ نفس کا ہو کر رہ جاتا ہے تو اس وقت وہ اپنے اسلامی فریضے سے دُور ہو جاتا ہے۔ جس طرح کہ ارشادِ خداوندی ہے:

لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ

"انھوں نے جو کچھ اپنے لیے آگے بھیجا ہے وہ نہایت بُرا ہے جس سے اللہ اُن پر ناراض ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے"۔

یہ سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۸۰ ہے اور اس سے قبل یہ آیت ہے:

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ م بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ○ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ○ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ○ (سورۂ مائدہ: آیت ۷۸-۸۰)

"بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر اختیار کیا داؤدؑ اور عیسٰیؑ ابن مریمؑ کی زبان سے ان پر لعنت کی گئی کیونکہ وہ سرکش ہو گئے تھے اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔ جن بُرے کاموں کے وہ مرتکب ہوتے تھے اُن سے باز نہیں آتے تھے۔ ان کا یہ عمل کتنا بُرا ہے۔ آپ اُن لوگوں میں سے بیشتر لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے مقابلے میں کافروں سے دوستی کرتے ہیں۔ اُنھوں نے جو کچھ اپنے لیے آگے بھیجا ہے وہ نہایت بُرا ہے جس سے اللہ اُن پر ناراض ہوا اور وہ ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے"۔

سیّدہ طاہرہؑ نے قرآنِ مجید کی آیت پڑھ کر ثابت کیا کہ جو لوگ خواہشاتِ نفس کے اُسیر ہوتے ہیں تو اُن کا انجام بہتر نہیں ہوتا۔

لَاجَرَمَ لَقَدْ قَلَّدْتُهُمْ رِبْقَتَهَا

سیّدہ نساء العالمینؑ نے اسلام کی اور قیامت تک آنے والی نسلوں کی تمام تر مسئولیت مہاجرین و انصار کے شانوں پر ڈال دی کیونکہ وہ مسجد نبویؐ میں تشریف لائی تھیں۔ اُنھوں نے اپنے تاریخی خطاب میں اتمامِ حجت کے تمام شرائط طے کر دیے تھے کہ اب شرعی تکلیف اُن پر ثابت ہے۔ اُنھوں نے اُن کی نصرت نہیں کی تھی، اس لیے وہ اللہ تعالٰی کے حضور اور تاریخ کے سامنے جواب دہ ہیں۔

وَحَمَّلْتُهُمْ اَوْقَتَهَا

آپؑ نے فرمایا کہ میں نے مسئولیت کا بوجھ اِن لوگوں کے کندھوں پر ڈال دیا ہے۔ اب یہ لوگ ذمہ دار ہیں اور انھی سے ہی پوچھا جائے گا۔

وَشَنَنْتُ عَلَيْهِمْ غَارَهَا

اس جملے کا مفہوم ہے کہ "میں نے پانی خاک پر چھڑکا یعنی متفرق صورت میں زمین پر پانی ڈالا"۔

ایک اور نسخے میں سَنَنْتُ کا کلمہ ہے۔ میں نے زمین پر پیوستہ صورت میں پانی ڈالا۔

ان دونوں جملوں کا مفہوم ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ دینِ اسلام میں جو کمزوریاں پیدا ہوں گی اور اہلِ اسلام جس قدر فتنہ و فساد سے دوچار ہوں گے ان تمام اُمور کی ذمہ داری انھی لوگوں پر عائد ہوتی ہیں۔

فَجَدْعًا وَعَقْرًا وَسُحقًا لِلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ

ایک اور نسخے میں فَجَدْعًا وَرَغْمًا کے کلمات ہیں۔ ان دونسخوں کے علاوہ تیسرے نسخے کے الفاظ یہ ہیں:

فَجَدْعًا وَعَقْرًا وَبُعْدًا

خاتونِ جنتؑ نے یہ الفاظ اُن لوگوں کے حق میں استعمال کیے جنھوں نے خاندانِ وحی پر مظالم ڈھائے۔ ظلم کی تعریف ہے کہ کسی چیز کو اُس جگہ پر رکھ دیا جائے جو اُس کے لیے وضع نہیں کی گئی۔ ظلم کے مختلف درجات ہیں۔ کبھی ایک چیونٹی مظلوم ہوتی ہے کہ جب اُس کا حق مار دیا جائے۔ اس طرح اگر اُمت اسلامیہ کے حقوق سلب ہوں تو یہ ایک ایسا ظلم ہے کہ جس نے ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے۔ اللہ کے اُن اولیاء کا حق مارنا بھی ظلم ہے کہ جن کی خوشنودی سے اللہ خوش ہوتا ہے اور جن کے غضب سے اللہ غضب ناک ہوتا ہے۔ جن لوگوں نے ظلم کیا تو ان کے حق میں ایسے الفاظ کا استعمال جائز ہے۔

اس جملے کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے ظالموں کے ہاتھوں، کانوں اور لبوں کو کاٹ دیا ہے اور اُن کے اَبدان کو زخمی کر دیا ہے۔

وَيْحَهُمْ لفظ وَیح مقامِ تعجب پر بولا جاتا ہے اور کبھی اُس کا معنی ویل بھی ہوتا ہے۔

اَنّٰى زَحْزَحُوْهَا عَنْ رَوَاسِيَ الرِّسَالَةِ؟ ایک اور نسخے میں: زَعْزَعُوْهَا آیا ہے۔

سیّدۂ عالمؑ نے اَزراہِ تعجب فرمایا کہ اُن لوگوں نے اپنے اختیارات سے تجاوز کیا ہے۔ رسولؐ اللہ کی امانت و حکومت کہاں اور یہ لوگ کہاں؟ رسولؐ اللہ کی حکومت و امانت تو پہاڑوں کے مانند ہے کہ جو زمین کو اضطراب و تزلزل سے روکے ہوئے ہیں۔

اس جملے سے آپؑ کا مقصود یہ ہے کہ پیغمبرؐ اسلام کی حکومت و خلافت ان کے اہلِ بیتؑ کے ہاتھ میں ہوتی تو ہر طرف امن کا دور دورہ ہوتا، ہر طرف خوش حالی و فارغ البالی ہوتی۔ اللہ کی زمین ہر قسم کی اُلجھنوں سے پاک ہوتی۔

وَقَوَاعِدِ النُّبُوَّةِ وَالدَّلَالَةِ

"قواعد" قاعدۃ کی جمع ہے۔ یہاں اس سے مراد عمارت کی بنیاد ہے، یعنی عمارت کو بنیاد پر کھڑا نہ کیا جائے تو

وہ عمارت منہدم ہو جاتی ہے۔ پیغمبرؐ کی حکومت و خلافت کی مثال بھی یہی ہے۔ اُن کی خلافت کی بنیاد اُن کے اہلِ بیتؑ ہیں۔

وَمَهْبِطِ الرُّوحِ الْاَمِيْنِ رسول اللہ ﷺ کا خانۂ اقدس اور اُن کے اہلِ بیتؑ کا پاکیزہ گھر جبرئیل امینؑ کے اُترنے کے مقامات ہیں، یعنی خاتونِ جنت کا گھر روح الامین کے اُترنے کا مقام تھا۔

وَالطَّبِيْنَ بِاَمْرِ الدُّنْيَا وَالدِّيْنِ یہ لوگ پیغمبر ﷺ کی جانشینی کو اُن کے اہلِ بیتؑ کے غیر کی طرف لے گئے ہیں حالانکہ وہ دنیاوی و دینی اُمور میں مہارتِ تامہ رکھتے ہیں۔ وہ ان تمام معاملات میں فطانت و حذاقت رکھتے ہیں یعنی حضرت امام علی علیہ السلام پیغمبر ﷺ کی زندگی میں دینِ اسلام کی ترقی و ترویج میں پیش پیش رہتے تھے کیونکہ وہ عظیم حکیم اور دانشور تھے۔

اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنَ

اللہ کی قسم! اب اُمت اسلامیہ کا خسارہ واضح ہے چاہے اُس کی حیات فردی ہو یا خانگی، عائلی ہو یا اجتماعی، اقتصادی ہو یا سیاسی، عمرانی ہو یا دینی، دُنیوی ہو یا اُخروی ہر طرف خسارہ نظر آتا ہے۔ ان خساروں اور نقصانات کا سبب یہ ہے کہ نظامِ حکومت جن لوگوں کو دیا گیا ہے وہ رسولؐ اللہ کے اہلِ بیتؑ نہیں ہیں کیونکہ اسلام ایک حقیقت ہے اور وہ لوگ اِس حقیقت سے دُور ہیں۔ ان لوگوں کے نزدیک خون کا گرانا، پانی کے گرانے سے زیادہ سہل و آسان ہے۔

جی ہاں! جب تاریخ اسلامی کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جسم میں لرزا طاری ہو جاتا ہے۔ دل کی دنیا سرگردان ہو کر رہ جاتی ہے۔ اُموی اور عباسی حکمرانوں نے جو مظالم ڈھائے اُن کی مثال نہیں ملتی۔ ان مظالم کی تفصیلات کی اِس کتاب میں گنجائش نہیں ہے۔ ان حکمرانوں نے اپنی لذات اور خواہشات پر ہزاروں انسانوں کو قربان کر دیا۔ جگہ جگہ پر اللہ کی سرزمین پر قصور کے شہر تعمیر کیے۔ ان کی رعایا و عوام کے حصے میں بھوک و افلاس، رنج و بیماری کے سوا کوئی اور چیز نہ آئی۔

جی ہاں! خسرانِ مُبین کا معنی یہی ہے، اس خسارے کی کھینچی ہوئی رسی ہر دور میں رہی ہے اور رہے گی۔ اگر رحلت رسولؐ کے بعد حکومت و خلافت امیر المومنین امام علی علیہ السلام کے ہاتھ میں رہ جاتی تو اُمت کو یہ دن دیکھنے نہ پڑتے۔

وَمَا الَّذِيْ نَقَمُوْا مِنْ اَبِي الْحَسَنِ؟

ان لوگوں کو امیر المومنین امام علی علیہ السلام میں کون سا نقص نظر آیا اور کون سی غلطی نظر آئی کہ جس کی وجہ سے اُن سے حکومت لے کر دوسروں کے حوالے کر دی گئی؟

کیا اُن کے علم و دانش میں نقص تھا؟ یا اللہ تعالیٰ کے اَحکام کے بیان کرنے میں کوئی نقص تھا؟ یا اُن کے اَخلاق

اچھے نہ تھے؟ یا اُن کے حسب ونسب میں کوئی عار تھا؟ یا وہ دین وایمان میں کسی سے کم تھے؟ یا اُن کی شرافت و بزرگواری میں کوئی عیب تھا؟ یا وہ اپنے نفس کے معاملے میں پیکرِ سخاوت نہ تھے؟ یا وہ اپنے مال واَموال میں بخیل تھے؟ دین ودنیا کے اُمور میں اُن میں کون سی کمی تھی؟

جی ہاں! آپؑ کی ذات والاصفات میں کوئی نقص نہ تھا بلکہ امام علی علیہ السلام اُمت محمدیہ میں سب سے زیادہ علم رکھنے والے تھے۔ وہ رسولؐ اللہ کے علم کے باب تھے اور قضاوت کے احکام میں کامل عبور رکھتے تھے جو کسی دوسرے کو حاصل نہ تھا۔ خلق واَخلاق میں وہ رسولؐ اللہ کی شبیہ تھے۔

وہ مومن قریش سیدالبطحا حضرت ابوطالبؑ کے فرزند ارجمند تھے۔ وہ اِس اُمت کے عابد تھے۔ شجاعت و شہامت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ اُن کا قلب مضبوط تر تھا۔ کفر وشرک سے جہاد وجہد کرنے میں تمام اُمت پر بھاری تھے۔ وہ شرافت وعظمت میں بلند وبرتر تھے۔ جود وسخاوت میں اپنی مثال آپ تھے۔

پھر وہ کون سا سبب تھا کہ جس کی بنا پر آپؑ کو خلافت وحکومت سے دُور رکھا گیا؟

سیدۂ عالمؑ اِسی سوال کا جواب دیتی ہیں:

نَقِمُوْا مِنْهُ، وَاللهِ، نَكِيْرَ سَيْفِهٖ

حقیقت یہ ہے کہ جب رسولؐ اللہ اِس سید وسالار کو جنگ کا حکم دیتے تھے تو آپؑ رسالت کے حکم کی تعمیل میں خوب جنگ کرتے تھے۔ رسالت کو ایذا پہنچانے والوں کا قلع قمع کردیتے تھے۔ اِس معاملے میں وہ اپنی جان کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

جی ہاں! پیغمبرؐ اسلام کی حیاتِ مبارکہ میں جتنے حروب وغزوات ہوئے اُن سب میں امام علی علیہ السلام نے اپنی شجاعت وبہادری کے جوہر دکھائے تھے اور عرب کے بڑے بڑے بہادروں کا کام تمام کیا تھا۔ یہی اسباب تھے کہ امام علی علیہ السلام کو حکومت پر آنے دیا گیا۔

وَقِلَّةِ مُبَالَاتِهٖ بِحَتْفِهٖ

لوگ امام علی علیہ السلام پر ناخوش اس لیے تھے کہ آپؑ انسانیت کی نجات کی خاطر اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے تھے۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ جب ایک مجاہد میدانِ جنگ میں وارد ہوتا ہے تو وہ اُس وقت اپنی موت سے لااُبالی ہوتا ہے۔ جس طرح وہ دشمن کو ہلاکت سے دوچار کرتا ہے۔ اس کے ذہن میں ہوتا ہے کہ شاید وہ بھی اپنے دشمن کے ہاتھوں قتل ہوکر مقامِ شہادت پر پہنچ جائے۔ جب حضرت امیر علیہ السلام میدانِ جنگ میں ہوتے تھے تو آپؑ کے ذہن میں یہی

ہوتا تھا، اس لیے آپؑ فرماتے تھے:

وَاللهِ مَا أُبَالِي دَخَلْتُ إِلَى الْمَوْتِ أَوْ خَرَجَ الْمَوْتُ إِلَيَّ

"خدا کی قسم! مجھے اِس امر کی پرواہ نہیں ہے کہ جب میں میدانِ قتال میں ہوتا ہوں کہ میں موت پر جاپڑوں یا موت مجھ پر آپڑے"۔

آپؑ کا دوسرا فرمان بھی ہے:

وَاللهِ لَا يُبَالِي ابْنُ أَبِي طَالِبٍ أَوَقَعَ عَلَى الْمَوْتِ أَمْ وَقَعَ الْمَوْتُ عَلَيْهِ

"خدا کی قسم! ابوطالبؑ کے فرزند کو اِس بات کی پرواہ نہیں ہے کہ وہ موت پر جاپڑے یا موت اُس پر آپڑے"۔(نہج البلاغہ، خطبہ ۵۵)

وَشِدَّةِ وَطْأَتِهِ وَنَكَالِ وَقْعَتِهِ

یہ ضرب المثل ہے اُس آدمی کے بارے میں کہا جاتا ہے جو جنگ کے میدان میں سخت گیر ہو۔ اس جملے کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام نہایت ہی طاقت ور وتوانا تھے۔ اُن کے عضلات مضبوط تھے۔ آپؑ فنونِ حرب وضرب میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔ جب آپؑ میدانِ جنگ میں اُترتے تھے تو مدمقابل کو اپنی شمشیر کی ضربات کے صدمات سے دوچار کردیتے تھے۔ آپؑ کا مقتول دوسروں کے لیے نشانِ عبرت بن جاتا تھا، کیونکہ آپؑ کی ضربات دشمن کے لیے عذاب بن جاتی تھیں۔ آپؑ کے وجود سے دشمن کے لشکر میں خوف وہراس پھیل جاتا تھا۔

وَتَنَمُّرِهِ فِي ذَاتِ اللهِ ﴿عزّوجل﴾

اَلتَّنَمُّرُ کا معنی ہے شدید ترین غصہ۔ اس جملے کا مفہوم یہ ہے کہ جب امیرِ عدالت برسرِ پیکار ہوتے تھے تو اپنی جان کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ وہ یہ نہیں دیکھتے تھے کہ دشمن زیادہ ہیں یا کم وہ بلاخوف وخطر دشمن کی صفوں میں گھس جاتے تھے۔ آپؑ کے ہدف کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہوسکتی تھی۔ آپؑ کے راستے میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہ ہوسکتی تھی۔ جی ہاں! جب ایک شجاع وبہادر مرد بے خوف وخطر جنگ کرتا ہے۔ بھرپور شجاعت اور غضب کے ساتھ حملہ آور ہوتا ہے تو ایسے بہادر کی شان میں تَنَمُّر کا لفظ استعمال ہوتا ہے، یعنی وہ چیتے کے مانند غضب ناک ہوکر حملہ آور ہوتا ہے۔

سیّدہ عرب وعجم کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت امام علی علیہ السلام سے اَعراض شخصی اَغراض کی بنا پر کیا گیا تھا۔

امیرالمومنین امام علی علیہ السلام نے میدانِ بدر واُحد، حنین وخندق وغیرہ میں کفر وشرک کے رجال واَقطاب کو تہِ تیغ کیا تھا جیسے عتبہ، شیبہ، ولید، عمرو بن عبدود اور عقبہ بن ولید وغیرہ۔ عرب قبائل کے اکثر سردار حضرت امام علی علیہ السلام کی

شمشیر آبدار سے دارالبوار پہنچے تھے۔ بعد میں یہ تمام قبائل دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے تھے، لیکن ان کے قلوب میں امیر علیہ السلام سے کینہ وعداوت باقی رہ گیا تھا۔

امیر المومنین علیہ السلام کو قدرت نے ہر میدان میں کامیابی و کامرانی سے سرفراز فرمایا تھا۔ یہ فطری امر ہے کہ آپؑ کی مسلسل کامیابیوں نے لوگوں کے دلوں میں آپؑ کے خلاف حسد وکینہ پیدا کر دیا تھا۔ علاوہ ازیں آپؑ کے بے پناہ وبلند فضائل نے بھی آپؑ کے خلاف کینہ کی رہی سہی کسر پوری کر دی تھی۔

قرآنی آیات آپؑ کی شان میں نازل ہوئیں۔ نبی کریمؐ نے آپؑ کے فضائل اپنی زبان وحی پر جاری فرمائے۔ توفیق خداوندی ہمیشہ آپؑ کے اُمور میں شاملِ حال رہی۔

اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو خصائص عطا فرمائے تھے، جن کی وجہ سے آپؑ کو شانِ امتیازی حاصل تھی۔ انہی وجوہات کی بنا پر نفوسِ مریضہ آپؑ کی ذات سے حسد کرنے لگے تھے۔ قلوب میں آپؑ کے خلاف کینے پیدا ہو گئے تھے۔ گویا کہ خاکستر کے نیچے چنگاریاں تھیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جاں سوز رحلت ہوئی تو فضا ان کی ہیبت و رُعب سے خالی ہو گئی تھی۔ ہر قسم کی رکاوٹیں دُور ہو گئی تھیں۔ چنگاریوں سے خاکستر اِدھر اُدھر ہو گئی تھی تو وہ چنگاریاں آگ بن گئیں اور آگ بھڑک اٹھی اور وہ شعلہ وَر ہو گئی۔

اے قاریٔ عزیز! آپ کو اللہ کا واسطہ ان درج ذیل نکات کو پڑھیے اور اِن میں خوب غور وفکر کیجیے اور خود فیصلہ کیجیے کہ معاملہ کچھ اس طرح ہے یا نہیں ہے؟

① آپ گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں اُن کے کچھ مصاحب اُن کی دختر حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کی خواستگاری کے لیے آئے تھے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنھیں مثبت جواب نہیں دیا تھا۔ جس وقت حضرت امام علی علیہ السلام اُن کی دختر کی خواستگاری کے لیے آئے تھے تو پیغمبر گرامی نے اُن کا پُرتپاک استقبال کیا تھا اور اُنھیں مثبت جواب دیا تھا۔ اس واقعہ کا نتیجہ آپ نکال سکتے ہیں۔

② امیر کائناتؑ نے اپنے ایک صحابی کو سورۂ برأت کی تبلیغ وتعلیم کے لیے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ فرمایا تھا۔ سورۂ برأت اُن دنوں تازہ تازہ نازل ہوئی تھی۔ جب وہ حضرت مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے تھے تو اُس وقت حضرت جبرئیلؑ نازل ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا۔

اِنَّ رَبَّكَ يَأْمُرُكَ اَنْ تُبَلِّغَ هٰذِهِ السُّوْرَةَ بِنَفْسِكَ اَوْ يُبَلِّغُهَا رَجُلٌ مِنْكَ

"اللہ تعالیٰ آپؐ کو حکم دے رہا ہے کہ اس سورہ کی تبلیغ خود آپ فرمائیں یا اس کی تبلیغ کے لیے

وہ مرد جائے جو آپؐ میں سے ہو"۔(مسند احمد: ج ۱، ص ۲۳۱، سنن ترمذی: ج ۵، ص ۲۷۵، تفسیر عیاشی: ج ۲، ص ۷۳)

اس حکمِ الٰہی کے مطابق رسولِ اسلام ﷺ نے امیرالمومنین امام علی علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ سُرعت کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف حرکت کریں اور راستے میں جہاں اُن سے ملاقات ہو اُن سے سورۂ برأت کی آیات لے لیں اور مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو جائیں اور اہلِ مکہ کو سورۂ برأت کی تبلیغ کریں۔ آپؐ نے اپنے اُس صحابی کو جسے سورۂ برأت کے مشن کے لیے بھیجا تھا واپسی کا حکم دیا کہ وہ راستے میں جہاں کہیں ہوں وہ مدینہ واپس چلے آئیں۔ ①

اس واقعہ سے آپ بخوبی نتیجہ نکال سکتے ہیں۔

④ اسی طرح حضرت امام علی علیہ السلام کے خصائص و امتیازات کے سیکڑوں واقعات ملیں گے۔ آپ ان کی زندگانی کو پڑھیں آپ دیکھیں گے کہ امامؑ ہر میدان میں ایک شانِ امتیازی رکھے ہوئے ہیں۔

اُس زمانے میں حضرت جبرئیلؑ نازل ہوتے، کبھی اُن کے پاس وہ آیات ہوتیں جن میں امامؑ کی بطولت و روانگی کا بیان ہوتا اور کبھی صدقات کی قبولیت کی بات ہوتی اور آپ کی مدح میں آیات کا نزول ہوتا تھا۔ یہ تمام آیات جو رسولؐ اللہ کے قلبِ مبارک پر نازل ہوتیں تھیں تمام مسلمان ان آیات کی صبح و شام، دن اور رات تلاوت کرتے تھے۔

⑤ آپ کے عجائبات میں سے یہ بھی ہے کہ آپؑ رسولِؐ اسلام کے حکم سے میدانِ جنگ میں دشمن کی صفوں میں گھس جاتے تھے اور پیغمبرؐ اسلام کی حفاظت کے لیے اپنی جان کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ رسولؐ اللہ کی ذات ہی

---

① تمام مفسرین و محدثین کا اس واقعیت پر اتفاق ہے جب سورۂ مبارکہ برأت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی تبلیغ کے لیے حضرت ابوبکرؓ کو مکہ کی طرف بھیجا۔ جب حضرت ابوبکرؓ اس مشن کی تکمیل کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے تو کچھ دیر بعد رسولؐ اللہ نے حضرت امام علی علیہ السلام کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ وہ فوراً حضرت ابوبکرؓ کی طرف روانہ ہوں تو وہ جہاں کہیں ملیں اُنھیں واپس مدینہ کی طرف بھیج دیں اور خود مکہ جا کر سورۂ برأت کے مشن کی تکمیل کریں۔ حضرت امام علی علیہ السلام روانہ ہوئے اور راستے میں حضرت ابوبکرؓ سے آیات حاصل کیں اور اُنھیں مدینہ کی طرف واپس بھیجا اور خود مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب حضرت ابوبکرؓ واپس رسولؐ اللہ کی بارگاہ میں آئے تو اُنھوں نے پوچھا: یارسولؐ اللہ! کیا میرے بارے میں کوئی آیت نازل ہوئی ہے؟ رسولؐ اللہ نے فرمایا: آپؐ کے بارے میں کوئی آیت نازل نہیں ہوئی، ہاں البتہ یہ فرمان نازل ہوا ہے: وَلٰكِنْ لَا يُؤَدِّيْ عَنِّيْ اِلَّا اَنَا اَوْ "میں خود اس پیغام کو پہنچاؤں یا وہ آدمی پہنچائے جو مجھ سے ہو"۔
مسند احمد: ج ۳، ص ۲۸۳، تفسیر طبری: ج ۱۰، ص ۴۶، تبیان: ج ۵، ص ۱۹۹، تفسیر برہان: ج ۔۔۔، ص ۱۰۰۔ بعض محدثین نے بیان کیا ہے کہ ابھی حضرت ابوبکرؓ مدینہ سے روانہ نہیں ہوئے تھے کہ ان سے پیغمبرؐ خدا نے یہ آیات یہ کہہ کر واپس لے لیں تھیں کہ میں خود جاؤں یا پھر وہ جائے جو مجھ سے ہے"۔(مسند احمد: ج ۱، ص ۲۳۱، سنن ترمذی: ج ۵، ص ۲۷۵، تفسیر عیاشی: ج ۲، ص ۷۳)

مجسمۂ اسلام تھی، اُن کا وجود اسلام کی پائیداری کا سبب تھا۔ یہ کون سے راز کی بات ہے کہ امام علی ابن ابی طالبؑ جو محافظِ اسلام اور رسولؐ اسلام تھے۔ کچھ لوگ اُنھیں پسند نہیں کرتے تھے لیکن رسولؐ اللہ جو امیر جیش تھے، لوگ اُنھیں پسند کرتے تھے۔ حق تو یہ ہے کہ جہاں رسولؐ سے محبت ہے وہاں اُن کے محافظ سے بھی محبت ہونی چاہیے۔ یہ دو رُخی عجیب ہے!

علامہ مجلسیؒ نے بحارالانوار میں ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ ابوزید نحوی نے خلیل بن احمد عروضی سے پوچھا: جنابِ عالی! لوگوں نے رحلتِ پیغمبرؐ کے بعد امیرالمومنینؑ کو کیوں چھوڑ دیا تھا حالانکہ وہ رسولؐ اللہ سے قربت رکھتے تھے۔ دینِ اسلام میں اُن کا بہت بڑا مقام تھا، اُمت میں سب سے زیادہ علم و حکمت رکھنے والے تھے۔ علاوہ ازیں دینِ اسلام کی ترویج و ترقی کے لیے اُنھوں نے شب و روز جدوجہد کی تھی اور اُنھوں نے اس راستے میں شدید ترین دُکھ درد اُٹھائے تھے؟

خلیل بن احمد عروضی نے جواب دیا: اے دوستِ عزیز! کیا آپ کو معلوم نہیں ہے؟

میں نے عرض کیا: جی نہیں، میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔

اُس نے جواب دیا: حضرت امیر علیہ السلام کے وجود سے کائنات روشن ہے۔ وہ ایمان و اسلام کے آفتاب تھے۔ وہ لوگ اُن کی شعاعوں کے تحت تھے۔ لوگوں کو تحت الشعاع میں رہنا پریشان کیے ہوئے تھا۔ علاوہ ازیں آپ "معنویت کے ہر صاف و شفاف چشمہ پر سب سے پہلے وارد ہوئے، یعنی آپؑ نے کائنات کے تمام فضائل کا بڑا حصّہ اپنے دامن میں لے رکھا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ لوگ جس مزاج و طبائع کے ہوتے ہیں وہ اپنے مزاج و طبائع کی طرف میلان رکھتے ہیں۔ یہ وہ دلائل ہیں کہ جن کی بنا پر لوگ حضرت امام علی علیہ السلام کو چھوڑ کر دوسری طرف چلے گئے تھے۔ کیا تم نے ایک شاعر کا قول نہیں سنا ہے ۔

وَكُلُّ شَكْلٍ لِشَكْلِهٖ أَلَفُ ۔۔۔ أَمَّا تَرَىٰ الْفِيْلُ بِأَلَفُ الْفِيْلِ

کبوتر با کبوتر، باز با باز ۔۔۔ کند ہم جنس باہم جنس پرواز

"کبوتر کبوتر کے ساتھ اور باز باز کے ساتھ پرواز کرتا ہے۔ اس طرح ایک جنس اپنی جنس کے ساتھ محوِ پرواز ہوتی ہے۔ ہر شکل و قیافہ اپنی شکل و قیافہ کی طرف میل و ملاپ رکھتا ہے"۔

ریاشی نے عباس بن اُحنف سے سنا ۔

وَقَائِلٍ كَيْفَ تَهَاجِرُ تُمَا فَقُلْتُ قَوْلًا فِيْهِ اِنْصَافُ
لَمْ يَكُ مِنْ شَكْلِيْ فَهَاجَرْتُهٗ وَالنَّاسُ اَشْكَالٌ وَّاُلَّاف

''کسی نے کہا: اے دوست اتم دونوں نے ایک دوسرے سے دُوری کیوں اختیار کرلی ہے؟ تو اُس نے کہا: میں جو بات کہوں گا وہ انصاف کی بنیاد پر کہوں گا۔ وہ میری شکل و شمائل نہیں رکھتا، اس لیے میں نے اُس سے دُوری اختیار کرلی ہے کیونکہ لوگ شکل و شمائل سے مالوف ہوتے ہیں''۔

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت امام علی علیہ السلام سے کہا: قریش آپؑ کو کیسے اپنا دوست سمجھتے؟ آپؑ نے تو جنگ بدر و اُحد میں مشرکین کے ستر سرداروں کو قتل کر ڈالا تھا جو پیکر غرور و تکبر تھے۔

حضرت امیر علیہ السلام نے جواب دیا:

مَا تَرَكَتْ بَدْرٌ لَنَا مَذِيْقًا وَلَا لَنَا مِنْ خَلْقِنَا طَرِيْقًا

''جنگ بدر نے ہمارے لیے مخلص و خالص دوست بہت کم چھوڑے ہیں اور اس جنگ کی وجہ سے آج لوگوں نے ہمیں محدود کر دیا ہے''۔

یہ بات روشن ہے کہ مذکورہ تمام اُمور حضرت امیر علیہ السلام کے لیے عیب نہیں ہیں، بلکہ یہ سب آپؑ کے فضائل ہیں۔ زمانے کا دستور ہے کہ اکثر لوگ عظیم انسانوں پر خوش نہیں ہوتے۔ سیدۂ عالم کے اس جملے نَقِمُوْا مِنْهُ، وَاللهِ، نَكِيْرَ سَيْفِهٖ کا مفہوم بھی ہے جو ہم گذشتہ سطور میں پیش کر چکے ہیں۔

جس طرح کہ ایک شاعر کا قول ہے:

وَلَا عَيْبَ فِيْهِمْ غَيْرَ اَنَّ سُيُوْفَهُمْ بِهِنَّ فُلُوْلٌ مِنْ قِرَاعِ الْكَتَائِبِ

اصل بات یہ ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام بے پناہ فضائل و مناقب رکھتے تھے۔ آپؑ نے اپنی زندگی دینِ اسلام اور اللہ کے قرآن کی تبلیغ و ابلاغ پر لگا رکھی تھی۔ آپؑ کی شجاعت و خدمات اور آپؑ کی قربانیاں کائنات پر بھاری ہیں۔ یہ سب آپؑ کے فضائل ہیں۔ یہ تمام باتیں عیب و عیوب نہیں ہیں کہ ان کے ذریعے امامؑ کے عیب نکالے جائیں۔

نہایت ہی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اسی موضوع پر سیر حاصل بحث کی جاتی، لیکن کتاب کا اسلوب اس امر کی اجازت نہیں دیتا۔ اس موضوع کے لیے ایک اور کتاب کی ضرورت ہے۔

وَاللهِ لَوْ تَكَافُّوْا عَنْ زِمَامٍ نَبَذَهٗ رَسُوْلُ اللهِ اِلَيْهِ لَاعْتَلَقَهٗ

"سیدۂ عالم کے نزدیک اُمت اسلامیہ ایک قافلہ ہے، خلافت و امامت اس قافلہ کی زمام ہے۔
اسی رسّی کے ذریعے کاروان کو اس طرح کھینچنا ضروری ہے جس طرح ایک رسّی کے ذریعے
اُونٹ کو کھینچا جاتا ہے"۔

آپؑ نے حضرت امام علی علیہ السلام کو کاروان کے رہبر سے تشبیہ دی ہے کہ اس اُمت کے کاروان کی زمام امامؑ کے ہاتھ میں ہے اور وہ اس کاروان کو نجات سے ہمکنار کرنے والے ہیں کیونکہ اللہ کے رسولؐ نے لوگوں کے ہجوم میں بلند آواز سے فرمایا تھا:

مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ

"جس کا میں آقا و سردار ہوں اُس کا علیؑ آقا و سردار ہے"۔

اس جملے کے بعد آپؑ نے قسم کھاتے ہوئے فرمایا: وَاللهِ، جب مسئلہ اہم، مہم اور عظیم ہو تو وہ حق رکھتا ہے کہ اس کے لیے انسان قسم اُٹھائے۔ سیدۂ عالم کے نزدیک امامت و خلافت کا مسئلہ مہم تھا، اس لیے آپؑ نے اللہ تعالیٰ کے مقدس اسم کی قسم کے ساتھ اپنی گفتگو کا آغاز کیا۔

آپؑ نے فرمایا: اگر لوگ حکومت اسلامیہ کی طرف ہاتھ نہ بڑھاتے اور دوسروں کو بھی روکتے۔ اگر اُن میں سے کوئی حکومت کی طرف بڑھ رہا ہوتا تو دوسرے اُسے روک دیتے تو اُمت کے اُمور کی زمام حضرت امیر علیہ السلام کے ہاتھوں میں رہتی اور وہ اُمت کی رہبری کی مہار اپنے ہاتھوں میں لے کر بشریت کو شاہراہِ نجات پر ڈال کر سعادت و ہدایت کی منزل پر پہنچا دیتے۔

اس جملے کے بعد خاتونِ جنتؑ نے حقیقی رہبری کے درخشندہ نتائج کی طرف اشارہ فرمایا کہ اگر حکومت و خلافت امام علی علیہ السلام کے پاس ہوتی تو رہتی دنیا تک اس قیادتِ رشیدہ کی برکات نازل ہوتی رہتیں۔

آپؑ نے فرمایا:

ثُمَّ لَسَارَ بِهِمْ سَيْرًا سُجُحًا

"وہ اُمت اسلامیہ کو نرمی و محبت اور درایت و ملائمت کے ساتھ منزلِ مقصود پر پہنچا دیتے"۔

یہ حقیقت ہے کہ جب مرکب کو ضرب و زور اور جبر و اجبار سے چلایا جائے تو سوار کی اس اجباری حرکت سے مرکب آزردہ و مضطرب ہوتا ہے اور اس کے اعصاب درہم برہم ہوتے ہیں۔ مزید برآں جب ایک سوار اُونٹ کی مہار کو کھینچتا ہے۔ اس کے کھینچنے سے اس کی نکیل اس کی ناک کو زخمی کر دیتی ہے جس سے مرکب کا آرام و سکون جاتا رہتا

ہے۔ نتیجتاً جہاں سواری اضطراب و ناراحتی کا شکار ہوتی ہے وہاں سوار بھی مضطرب و سرگرداں ہوتا ہے۔

مذکورہ جملے کے بعد دختر نبیؐ نے فرمایا تھا:

لَا یَکْلَمُ خَشَاشُہُ، لَا یَتَعْتَعِ رَاکِبُہُ

ایک اور نسخے میں وَلَا یَکِلُّ سَائِرُہُ وَلَا یَمَلُّ رَاکِبُہُ کے الفاظ ہیں۔

اگر لوگ مرکبِ خلافت کی زمام کو لائق ترین انسان کے سپرد کرتے تو نہ مرکب ناتواں و مجروح ہوتا اور نہ راکب خستہ و افسردہ ہوتا اور یہ کاروان اُمت بھی ہر رنج و زحمت سے امان میں ہوتا۔ وہ سبھی امنیت و سلامتی میں ہوتے، اپنے ہدف تک پہنچتے۔

"خشاش" کا معنی ہے وہ نکیل جو اُونٹ کے ناک میں ہوتی ہے اور اُس نکیل سے مہار باندھی جاتی ہے جس سے اُونٹ کو کھینچا جاتا ہے۔

وَاَوْرَدَھُمْ مَنْھَلًا، رَوِیًّا فَضْفَاضًا ایک اور نسخے میں منھلًا نمیرًا کے الفاظ ہیں۔

وہ جامعہ اور کاروان کو آبِ زُلال کے چشمہ پر وارد کرتے۔

یہ حقیقت ہے کہ کاروان کا رہبر سفر کے تمام مسائل پر عبور رکھتا ہے۔ وہ اپنے کاروان کے سفری اَحوال کو سامنے رکھتے ہوئے اس مقام پر منزل کرتا ہے جو آرام و سکون کے لائق ہوتی ہے۔ وہ نہر کے کنارے یا کسی چشمۂ آب پر پڑاؤ ڈالتا ہے، تا کہ کاروان کے اَفراد اور اُن کی سواریاں پانی استعمال کر کے شکم سکون لے کر تازہ دم ہو جائیں۔

اِس عبارت سے بانوئے اسلام کا مقصود یہ ہے کہ اگر لوگ حضرت امیر علیہ السلام کے ہاتھ میں حکومت رہنے دیتے تو وہ یقیناً اُمت کو میٹھے اور شیریں پانی کے چشمہ پر لے جاتے۔ وہ اُمت کی کچھ اس طرح رہنمائی کرتے کہ نہ لوگ فقر و افلاس سے دوچار ہوتے اور نہ بھوک و امراض سے پریشان ہوتے۔ ہر طرف امن ہوتا۔ زمین اپنی ہریالی سے جنت نُما ہوتی۔ اُمت کی فضا اور اُس کا ماحول ہر قسم کے فتنہ و فساد سے پاک و صاف ہوتا۔ امکاناتِ حیات کی فراوانی ہوتی۔

مَنْھَلْ پانی کا گھاٹ، اُونٹ کے اُترنے کی جگہ اَلنَّمِیْرُ شیریں پانی جو چشمہ سے اُبلتا رہے اور منقطع نہ ہو۔

الفضفاض وسیع و عریض۔

تَطْفَحُ ضِفَّتَاہُ، وَلَا یَتَرَنَّقُ جَانِبَاہُ

وہ اس اسلامی کاروان کو اُس چشمہ سار یا نہر کے کنارے لے جاتے جو پانی سے لبریز ہوتی اور اُس کا پانی میٹھا

اور شیریں ہوتا، جو نہر کے کناروں کی مٹی سے گدلا نہ ہوتا۔ جب ایک نہر پانی سے لبریز ہوتی ہے تو اس کا پانی اُس کے دونوں کنارے سے باہر آجاتا ہے اور نہر بڑے جوش و خروش سے رواں دواں ہوتی ہے۔ اس کا پانی صاف و شفاف ہوتا ہے اور اس کا پانی مٹی وغیرہ سے آلودہ نہیں ہوتا۔ وہ پانی پینے کے لائق ہوتا ہے۔

خاتونِ قیامت اُمت کو یہ سمجھانا چاہتی ہیں کہ اگر اُمورِ اُمت امام علی علیہ السلام کے ہاتھ میں ہوتے تو ہر طرف سعادت و نیک بختی کا راج ہوتا۔ زمین و زمن پر اللہ تعالیٰ کی برکات کا نزول ہوتا۔ عدل و انصاف کا نظام ہوتا، تہذیب و تمدن کی حکمرانی ہوتی، نعمات و ثمرات کی فراوانی ہوتی، سکھ و سکون کا دور دورہ ہوتا، اُمن و آشتی کے بادلوں کا سایہ ہوتا۔ اطمینان و حریت کے چشمے اُبلتے، کھیت و کھلیان سرسبز و شاداب ہوتے، انسانوں کو دنیوی و اُخروی اور اَبدی سعادتیں نصیب ہوتیں۔

وَلَاَصْدَرَهُمْ بِطَانًا

''اُنھیں ہر اعتبار سے سیراب کرنے کے بعد واپس اپنے مقام پر لے آتے''۔

یہ بات روشن ہے کہ چشمے پر وُرُود کا نتیجہ گھاٹ سے واپسی ہوتی ہے۔ جب انسان گھاٹ سے واپس آکر اس جگہ آتا ہے جہاں نہ گرسنگی ہوتی ہے اور نہ تشنگی، محرومیت ہوتی ہے اور نہ فقر و بے نوائی۔

وَنَصَحَ لَهُمْ سِرًّا وَاِعْلَانًا

''حضرت امیر علیہ السلام آشکار و نہاں، معاشرہ و اُمت کے لیے مجسم خیر خواہی و بھلائی تھے''۔

نَصَحَ کا معنی ہے خیر و خیریت سے محبت اور ہر قسم کی فریب کاری سے دُوری۔

ملیکۃُ العرب کی دختر کا اس جملے سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اگر حضرت امیر علیہ السلام کا حق پامال نہ ہوتا۔ زمامِ اُمور اُن کے ہاتھ میں ہوتی تو وہ ہر لحاظ سے اُمت کی بھلائی کے لیے کوشاں ہوتے۔ وہ علانیہ بھی خیر خواہی کے لیے کام کرتے اور خفیہ صورت میں بھی۔ وہ دن اور رات اُمت کی سعادت کے لیے کام کرتے نہ کہ اپنی ذات کے لیے۔

وَلَمْ يَكُنْ يَتَحَلّٰى مِنَ الْغِنٰى بِطَائِلٍ وَلَا يَحْظٰى مِنَ الدُّنْيَا بِنَائِلٍ غَيْرَ رَيِّ النَّاهِلِ وَشَبْعَةِ الْكَافِلِ

''وہ اِس دنیا کی مادی چیزوں سے اپنی ذات کے لیے لذت و سکون حاصل نہ کرتے۔ وہ صرف اپنی پیاس بجھانے کی مقدار میں پانی حاصل کرتے اور اپنی بھوک مٹانے کے لیے تھوڑی سی مقدار پر گزارا کرتے''۔

خاتونِ جنت نے اپنے شوہر نامدار کے موقف کی وضاحت فرمائی ہے کہ وہ حکومت اس لیے چاہتے تھے کہ وہ اُمت کی بھلائی تلاش کریں۔

مؤلف کتاب فرماتے ہیں: سیّدہ نساء العالمینؑ کے کلام کی تفسیر سے قبل درج ذیل باتوں کا جاننا ضروری ہے۔

اس نکتے کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ اس دنیا میں بہت سے لوگ قدرت و حکومت صرف اور صرف اپنی ذات کے لیے چاہتے ہیں کہ وہ لوگوں پر حکمرانی کریں اور جس طرح چاہیں اُسی طرح تصرفات کریں۔ وہ لوگ حکومت و ریاست اس لیے پسند کرتے ہیں کہ اس کے ذریعے وہ شخصی اہداف حاصل کریں اور عیش و عشرت سے زندگی بسر کریں۔

اس دنیا میں خالص و مخلص انسان بہت کم ہیں کہ وہ حکومت و ریاست کو اس لیے پسند کرتے ہیں کہ اس کے ذریعے انسانیت کی خدمت کریں اور معاشرے کی اصلاح کر کے اُسے ترقی و کمال عطا کریں اور قوموں کو ہلاکت سے نجات دلا کر خیر و برکت کے ساحل پر لنگرانداز کر دیں، تاکہ انسانیت امن و آشتی کے ماحول میں سکھ کا سانس لے۔

حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں:

> اَمَا وَالَّذِی فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ لَوْلَا حُضُوْرُ الْحَاضِرِ وَقِیَامُ الْحُجَّةِ بِوُجُوْدِ النَّاصِرِ وَمَا اَخَذَ اللّٰهُ عَلَی الْعُلَمَاءِ اَلَّا یُقَارُّوْا عَلٰی کِظَّةِ الظَّالِمِ وَلَا سَغَبِ مَظْلُوْمٍ لَاَلْقَیْتُ حَبْلَهَا عَلٰی غَارِبِهَا وَلَسَقَیْتُ آخِرَهَا بِکَاسِ اَوَّلِهَا وَلَاَلْفَیْتُمْ دُنْیَاکُمْ هٰذِهٖ اَزْهَدَ عِنْدِیْ مِنْ عَفْطَةِ عَنْزٍ
>
> "دیکھو اُس ذات کی قسم، جس نے دانے کو شگافتہ کیا اور ذی روح چیزیں پیدا کیں۔ اگر بیعت کرنے والوں کی موجودگی اور مدد کرنے والوں کے وجود سے مجھ پر حجت تمام نہ ہو گئی ہوتی اور وہ عہد نہ ہوتا جو اللہ نے علماء سے لے رکھا ہے کہ وہ ظالم کی شکم پُری اور مظلوم کی گرسنگی پر سکون و قرار نہ بیٹھیں تو میں خلافت کی باگ ڈور اُسی کے کندھے پر ڈال دیتا اور اُس کے آخر کو اُسی پیالے سے سیراب کرتا جس پیالے سے اس کے اوّل کو سیراب کیا تھا اور تم اپنی دنیا کو میری نظروں میں بکری کی چھینک سے بھی زیادہ ناقابلِ اعتنا پاتے"۔ (نہج البلاغہ، خطبہ ۳)

یہ اولیائے اللہ وہ لوگ ہیں جو اپنے نفوس میں کسی قسم کا نقص محسوس نہیں کرتے۔ وہ اس دنیا دنی کی ہر چیز سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ وہ کمال کی اُس راہ کے راہی ہوتے ہیں کہ جس کی منزل یہ دنیا نہیں بلکہ آخرت ہے۔ وہ اس دنیا اور اس دنیا کے لوگوں سے کوئی تعلق و علاقہ نہیں رکھتے کہ اُن پر جبر کر کے اپنا سکون تلاش کریں۔ البتہ لوگوں کو اُن کی احتیاج ہوتی ہے۔ اگر اُنھیں حکومت و ریاست حاصل ہو جائے تو وہ لوگوں کے منافع و اصلاح کے لیے کام کرتے ہیں

اور اُن کی زندگیوں کے ہر پہلو سے سکون اور امن عطا کرتے ہیں۔ جب یہ لوگ حکومتی اُمور کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں تو وہ اپنی اس ریاستی طاقت سے اپنی ذات کو کوئی فائدہ نہیں دیتے۔ وہ فقرا و مساکین کے اُموال پر ڈاکہ نہیں ڈالتے اور نہ وہ محرومین اور کمزوریوں کی ہڈیوں پر سربفلک محلات تعمیر کرتے ہیں۔ یہ وہ روحانی لوگ ہوتے ہیں جو نفس کی خواہشات کی اطاعت سے دُور ہوتے ہیں۔ وہ ہوا و ہوس، جاہ و مقام، زر و زور اور تزویر کے اُسیر نہیں ہوتے۔

حضرت فاطمہ زہراؑ کا موقف جو اُنھوں نے اپنے شوہر نامدارؑ کی حکومت کے بارے میں پیش فرمایا وہ واضح ہوگیا ہے۔ اے کاش! قیادت و زعامت اُن کے ہاتھ میں ہوتی اور اس راستے میں موانع پیدا نہ ہوتے۔ بعدازیں حضرت فاطمہ زہراؑ نے فرمایا:

وَلَمْ يَكُنْ يَحَلَّى مِنَ الْغِنٰى بِطَائِلٍ

یعنی اگر حضرت امام علی علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد حکمران ہوتے تو تم لوگوں کے اُموال کو اپنے اُوپر خرچ نہ کرتے۔ بیت المال سے حصّہ نہ لیتے۔

وَلَا يَحْظٰى مِنَ الدُّنْيَا بِنَائِلٍ.....

"وہ اس دنیا کی ثروت سے صرف اپنی تشنگی اور گرسنگی اور اپنے خاندان کی بھوک مٹانے کے لیے مال کی تھوڑی سی مقدار لیتے"۔

جی ہاں! اے قاریٔ عزیز! اس جملے کو یاد رکھیے اور اس دنیا کے سلاطین کی زندگیوں پر نظر کیجیے۔ وہ بلند و بالا اور وسیع و عریض اور زرق برق سے معمور محلات میں رہتے ہیں۔ فاخرہ ترین لباس زیب تن کرتے ہیں۔ لذیذ ترین کھانوں پر مرمٹتے ہیں۔ بہترین اور قیمتی سواریوں پر سوار ہوتے ہیں۔ اپنے محلات کو گراں قیمت وسائل زندگی سے آراستہ و پیراستہ کرتے ہیں، عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔

اے قاریٔ عزیز! ان ذخائر اور خزانوں کے بارے میں مت پوچھیے کہ ان لوگوں نے یہ سب کچھ کس زمانے کے لیے جمع کر رکھا ہے؟ اور کہاں سے حاصل کیا ہے؟

جی ہاں! ان حکمرانوں نے اپنی تجوریاں بیت المال، حکومتی اور قومی اُموال سے بھری ہیں۔

جی ہاں! حضرت سیدہ زہراؑ نے اپنے شوہر نامدار کی جس طرح معرفی کرائی ہے تاریخ گواہی دیتی ہے کہ رسولؐ اللہ کی دختر نے امام علی علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ فرمایا تھا وہ سچ فرمایا تھا۔ جو دعویٰ آپؑ نے اُن کے بارے میں کیا تھا تاریخی واقعات نے ان کی صداقت کی تائید کی۔

حضرت امام امیر المومنین علی علیہ السلام نے چار سال اور چند مہینے حکومت کی۔ آپ کا حکومتی دور سو فی صد اس طرح ہے جس طرح سیدۃ نساء العالمینؑ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا۔ حضرت امیر علیہ السلام نے عثمان بن حنیف کی طرف خط بھیجا تھا اور اس میں لکھا تھا:

اِلٰی عُثْمَانَ بْنِ حُنَیْفِ الْاَنْصَارِیِّ وَهُوَ عَامِلُهُ عَلَی الْبَصْرَةِ وَقَدْ بَلَغَهُ اَنَّهُ دُعِیَ اِلٰی وَلِیْمَةِ قَوْمٍ مِنْ اَهْلِهَا فَمَضٰی اِلَیْهَا:

اَمَّا بَعْدُ یَا ابْنَ حُنَیْفٍ فَقَدْ بَلَغَنِیْ اَنَّ رَجُلًا مِنْ فِتْیَةِ اَهْلِ الْبَصْرَةِ دَعَاكَ اِلٰی مَأْدُبَةٍ فَاَسْرَعْتَ اِلَیْهَا تُسْتَطَابُ لَكَ الْاَلْوَانُ وَتُنْقَلُ اِلَیْكَ الْجِفَانُ، وَمَا ظَنَنْتُ اَنَّكَ تُجِیْبُ اِلٰی طَعَامِ قَوْمٍ عَائِلُهُمْ مَجْفُوٌّ وَغَنِیُّهُمْ مَدْعُوٌّ۔ فَانْظُرْ اِلٰی مَا تَقْضَمُهُ مِنْ هٰذَا الْمَقْضَمِ، فَمَا اشْتَبَهَ عَلَیْكَ عِلْمُهُ فَالْفِظْهُ، وَمَا اَیْقَنْتَ بِطِیْبِ وُجُوْهِهٖ فَنَلْ مِنْهُ۔

"جب حضرت کو یہ خبر پہنچی کہ والیٔ بصرہ عثمان ابن حنیف کو وہاں کے لوگوں نے کھانے کی دعوت دی ہے، اور وہ اس میں شریک ہوئے ہیں، تو انھیں تحریر فرمایا:

اے ابن حنیف! مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ بصرہ کے جوانوں میں سے ایک شخص نے تمھیں کھانے پر بلایا اور تم لپک کر پہنچ گئے کہ رنگارنگ کے عمدہ عمدہ کھانے تمھارے لیے چن چن کر لائے جارہے تھے، اور بڑے بڑے پیالے تمھاری طرف بڑھائے جارہے تھے۔ مجھے اُمید نہ تھی کہ تم ان لوگوں کی دعوت قبول کرلو گے کہ جن کے یہاں سے فقیر و نادار دھتکارے گئے ہوں، اور دولت مند مدعو ہوں۔ جو لقمے چباتے ہو انھیں دیکھ لیا کرو اور جس کے متعلق شبہ بھی ہو اُسے چھوڑ دیا کرو۔ اور جس کے پاک و پاکیزہ طریق سے حاصل ہونے کا یقین ہو اس میں سے کھاؤ"۔

اَلَا وَ اِنَّ لِكُلِّ مَأْمُوْمٍ اِمَامًا یَقْتَدِیْ بِهٖ وَیَسْتَضِیْءُ بِنُوْرِ عِلْمِهٖ، اَلَا وَ اِنَّ اِمَامَكُمْ قَدِ اكْتَفٰی مِنْ دُنْیَاهُ بِطِمْرَیْهِ۔ وَمِنْ طُعْمِهٖ بِقُرْصَیْهِ۔ اَلَا وَ اِنَّكُمْ لَا تَقْدِرُوْنَ عَلٰی ذٰلِكَ وَلٰكِنْ اَعِیْنُوْنِیْ بِوَرَعٍ وَاجْتِهَادٍ، وَعِفَّةٍ وَسَدَادٍ، فَوَاللّٰهِ مَا كَنَزْتُ مِنْ دُنْیَاكُمْ تِبْرًا، وَلَا ادَّخَرْتُ مِنْ غَنَائِمِهَا وَفْرًا، وَلَا اَعْدَدْتُ لِبَالِیْ ثَوْبِیْ طِمْرًا، بَلٰی كَانَتْ فِیْ اَیْدِیْنَا فَدَكٌ مِنْ كُلِّ مَا اَظَلَّتْهُ السَّمَاءُ، فَشَحَّتْ عَلَیْهَا نُفُوْسُ قَوْمٍ وَسَخَتْ عَنْهَا نُفُوْسُ اٰخَرِیْنَ، وَنِعْمَ الْحَكَمُ اللّٰهُ

''تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہر مقتدی کا ایک پیشوا ہوتا ہے جس کی وہ پیروی کرتا ہے اور جس کے نورِ علم سے کسب ضیا کرتا ہے۔ دیکھو تمھارے امام کی حالت تو یہ ہے کہ اس نے دُنیا کے سازوسامان میں سے دو پھٹی پرانی چادروں اور کھانے میں سے دو روٹیوں پر قناعت کر لی ہے۔ میں مانتا ہوں کہ تمھارے بس کی یہ بات نہیں لیکن اتنا تو کرو کہ پرہیزگاری، سعی و کوشش، پاک دامنی اور سلامت روی میں میرا ساتھ دو۔ خدا کی قسم! میں نے تمھاری دنیا سے سونا سمیٹ کر نہیں رکھا اور نہ اس کے مال و متاع میں سے انبار جمع کر رکھے ہیں اور نہ ان پرانے کپڑوں کے بدلہ میں (جو پہنے ہوئے ہوں) اور کوئی پرانا کپڑا میں نے مہیا کیا ہے۔ بے شک اس آسمان کے سایہ تلے لے دے کر ایک فدک ہمارے ہاتھوں میں تھا۔ اس پر بھی کچھ لوگوں کے منہ سے رال ٹپکی اور دوسرے فریق نے اس کے جانے کی پروا نہ کی اور بہترین فیصلہ کرنے والا اللہ ہے''۔

وَمَا أَصْنَعُ بِفَدَكٍ وَغَيْرِ فَدَكٍ وَالنَّفْسُ مَظَانُّهَا فِي غَدٍ جَدَثٌ تَنْقَطِعُ فِي ظُلْمَتِهِ آثَارُهَا، وَتَغِيبُ أَخْبَارُهَا، وَحُفْرَةٌ لَوْ زِيدَ فِي فُسْحَتِهَا وَأَوْسَعَتْ يَدَا حَافِرِهَا لَأَضْغَطَهَا الْحَجَرُ وَالْمَدَرُ، وَسَدَّ فُرَجَهَا التُّرَابُ الْمُتَرَاكِمُ، وَ إِنَّمَا هِيَ نَفْسِي أَرُوضُهَا بِالتَّقْوَى لِتَأْتِيَ آمِنَةً يَوْمَ الْخَوْفِ الْأَكْبَرِ، وَتَثْبُتَ عَلَى جَوَانِبِ الْمَزْلَقِ۔ وَلَوْ شِئْتُ لَاهْتَدَيْتُ الطَّرِيقَ إِلَى مُصَفَّى هٰذَا الْعَسَلِ وَلُبَابِ هٰذَا الْقَمْحِ وَنَسَائِجِ هٰذَا الْقَزِّ، وَلٰكِنْ هَيْهَاتَ أَنْ يَغْلِبَنِي هَوَايَ وَيَقُودَنِي جَشَعِي إِلَى تَخَيُّرِ الْأَطْعِمَةِ، وَلَعَلَّ بِالْحِجَازِ أَوِ الْيَمَامَةِ مَنْ لَا طَمَعَ لَهُ فِي الْقُرْصِ وَلَا عَهْدَ لَهُ بِالشِّبَعِ، أَوْ أَبِيتَ مِبْطَانًا وَحَوْلِي بُطُونٌ غَرْثَى وَأَكْبَادٌ حَرَّى؟ أَوْ أَكُونَ كَمَا قَالَ الْقَائِلُ وَحَسْبُكَ دَاءً أَنْ تَبِيتَ بِبِطْنَةٍ وَحَوْلَكَ أَكْبَادٌ تَحِنُّ إِلَى الْقِدِّ۔

أَأَقْنَعُ مِنْ نَفْسِي بِأَنْ يُقَالَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ وَلَا أُشَارِكُهُمْ فِي مَكَارِهِ الدَّهْرِ أَوْ أَكُونَ أُسْوَةً لَهُمْ فِي جُشُوبَةِ الْعَيْشِ، فَمَا خُلِقْتُ لِيَشْغَلَنِي أَكْلُ الطَّيِّبَاتِ كَالْبَهِيمَةِ الْمَرْبُوطَةِ هَمُّهَا عَلَفُهَا، أَوِ الْمُرْسَلَةِ شُغُلُهَا، تَقَمُّمُهَا، تَكْتَرِشُ مِنْ أَعْلَافِهَا، وَتَلْهُو عَمَّا يُرَادُ بِهَا أَوْ أُتْرَكَ سُدًى أَوْ أُهْمَلَ عَابِثًا، أَوْ أَجُرَّ حَبْلَ الضَّلَالَةِ، أَوْ أَعْتَسِفَ طَرِيقَ الْمَتَاهَةِ وَكَأَنِّي بِقَائِلِكُمْ يَقُولُ إِذَا كَانَ هٰذَا قُوتُ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ فَقَدْ قَعَدَ بِهِ الضَّعْفُ خَلَبَ الْكَرٰى عَلَيْهَا

اِفْتَرَشَتْ اَرْضَهَا وَتَوَسَّدَتْ كَفَّهَا فِيْ مَعْشَرٍ اَسْهَرَ عُيُوْنَهُمْ خَوْفُ مَعَادِهِمْ، وَتَجَافَتْ عَنْ مَضَاجِعِهِمْ جُنُوْبُهُمْ، وَهَمْهَمَتْ بِذِكْرِ رَبِّهِمْ شِفَاهُهُمْ، وَتَقَشَّعَتْ بِطُوْلِ اِسْتِغْفَارِهِمْ ذُنُوْبُهُمْ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ - فَاتَّقِ اللّٰهَ يَا ابْنَ حُنَيْفٍ وَلْتَكْفِكَ اَقْرَاصُكَ لِيَكُوْنَ مِنَ النَّارِ خَلَاصُكَ۔

"بھلا میں فدک یا فدک کے علاوہ کسی اور چیز کو لے کر کروں ہی گا کیا؟ جبکہ نفس کی منزل کل قبر قرار پانے والی ہے کہ جس کی اندھیاریوں میں اس کے نشانات مٹ جائیں گے اور اس کی خبریں ناپید ہو جائیں گی۔ وہ تو ایک ایسا گڑھا ہے کہ اگر اس کا پھیلاؤ بڑھا بھی دیا جائے اور گورکن کے ہاتھ اُسے کشادہ بھی رکھیں، جب بھی پتھر اور کنکر اس کو تنگ کر دیں گے اور مسلسل مٹی کے ڈالے جانے سے اس کی دراڑیں بند ہو جائیں گی۔ میری توجہ تو صرف اس طرف ہے کہ میں تقویٰ الٰہی کے ذریعے اپنے نفس کو بے قابو نہ ہونے دوں تا کہ اس دن کہ جب خوف حد سے بڑھ جائے گا، وہ مطمئن رہے اور پھسلنے کی جگہوں پر مضبوطی سے جما رہے۔ اگر میں چاہتا تو صاف ستھرے شہد، عمدہ گیہوں اور ریشم کے بُنے ہوئے کپڑوں کے لیے ذرائع مہیا کر سکتا تھا۔ لیکن ایسا کہاں ہو سکتا ہے کہ خواہشیں مجھے مغلوب بنا لیں، اور حرص مجھے اچھے اچھے کھانوں کے چُن لینے کی دعوت دے جبکہ حجاز و یمامہ میں شاید ایسے لوگ ہوں کہ جنھیں ایک روٹی کے ملنے کی بھی آس نہ ہو، اور انھیں پیٹ بھر کر کھانا کبھی نصیب نہ ہوا ہو۔ کیا میں شکم سیر ہو کر پڑا رہا کروں؟ درآنحالیکہ میرے گرد و پیش بھوکے پیٹ اور پیاسے جگر تڑپتے ہوں یا میں ویسے ہو جاؤں جیسا کہنے والے نے کہا ہے کہ تمھاری بیماری یہ کیا کم ہے کہ تم پیٹ بھر کر لمبی تان لو اور تمھارے گرد کچھ ایسے جگر ہوں جو سوکھے چمڑے کو ترس رہے ہوں؟ کیا میں اسی میں مگن رہوں کہ مجھے امیر المومنین کہا جاتا ہے مگر میں زمانے کی سختیوں میں مومنوں کا شریک و ہمدم اور زندگی کی بدمزگیوں میں ان کے لیے نمونہ نہ بنوں؟ میں اس لیے تو پیدا نہیں ہوا ہوں کہ اچھے اچھے کھانوں کی فکر میں لگا رہوں۔ اُس بندھے ہوئے چوپایہ کی طرح جسے صرف اپنے چارے ہی کی فکر لگی رہتی ہے۔ یا اس کھلے ہوئے جانور کی طرح کہ جس کا کام منہ مارنا ہوتا ہے۔ وہ گھاس سے پیٹ بھر لیتا ہے اور جو اس سے مقصد پیش نظر ہوتا ہے۔ اس سے غافل

رہتا ہے۔ کیا میں بے قید و بند چھوڑ دیا گیا ہوں؟ یا بیکار کھلے بندوں رہا کر دیا گیا ہوں کہ گمراہی کی رسیوں کو کھینچتا رہوں اور بھٹکنے کی جگہوں میں منہ اُٹھائے پھرتا رہوں۔ میں سمجھتا ہوں تم میں کوئی کہے گا کہ جب ابن ابی طالبؑ کی خوراک یہ ہے تو ضعف اپنی آنکھوں کو بیدار رکھا اور جب نیند کا غلبہ ہوا تو ہاتھ کو تکیہ بنا کر ان لوگوں کے ساتھ فرشِ خاک پر پڑا رہا کہ جن کی آنکھیں خوفِ حشر سے بیدار، پہلو بچھونوں سے الگ اور ہونٹ یادِ خدا میں زمزمہ سنج رہتے ہیں۔ اور کثرتِ استغفار سے جن کے گناہ چھٹ گئے ہیں۔ یہی اللہ کا گروہ ہے اور بے شک اللہ کا گروہ ہی کامران ہونے والا ہے۔ اے ابنِ حنیف! اللہ سے ڈرو اور اپنی ہی روٹیوں پر قناعت کرو، تاکہ جہنم کی آگ سے چھٹکارا پاسکو۔"

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس کا جواب ضروری ہے۔ جب حضرت امام علی علیہ السلام ان اوصاف کے مالک تھے کہ جن کا ذکر خاتونِ جنت نے فرمایا ہے تو پھر وہ کون سی وجوہات تھیں کہ جب امیرالمومنین حضرت امام علی علیہ السلام کو حکومت ملی تھی تو داخلی حالات بگڑ گئے تھے۔ ہر طرف بدامنی پھیل گئی تھی۔ مشکلات و اضطرابات نے اُمت مسلمہ کو گھیر لیا تھا؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں اُمت اسلامیہ ایک جمعیت کی صورت میں تھی۔ اُن میں کوئی انتشار نہ تھا۔ ہر طرف امن و امان کا دور دورہ تھا۔ جب رسولؐ اللہ کی جاں سوز رحلت ہوئی اور اُن کے بعد جن لوگوں کے ہاتھ میں حکومت آئی تو ان اَدوار میں تصرفات و تبدلات ہوئے۔ یہ اَدوار چوتھائی صدی پر مشتمل ہیں۔ ان پچیس سالوں میں جو کچھ ہوا وہ تاریخ کی کتب میں مذکور ہے۔ اپنی معلومات کو بڑھانے کے لیے تاریخ اسلام کا مطالعہ فرمائیں۔

اگر ہم یہاں اُن تصرفات کو ذکر کرنے بیٹھ جائیں تو گفتگو طول پکڑ جائے گی، لیکن ہم یہاں ایک نمونہ پیش کر رہے ہیں اسے سامنے رکھ کر آپ حالات کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

ابنِ ولید نے مسلمانوں کے ایک قبیلہ پر خروج کیا۔ اس قبیلہ کا نام بنو یربوع تھا۔ اس قبیلہ کے سردار کا نام مالک بن نویرہ تھا۔ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ سیّدالانبیا نے اُن کی جنت کی گواہی دی تھی۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے اُن کے اسلام کی گواہی دی تھی۔ ابن ولید نے اُنھیں بغیر کسی جرم کے قتل کر دیا تھا۔ اُن کا صرف ایک گناہ تھا کہ اُن کی زوجہ ایک خوب صورت ترین خاتون تھی۔ جب ابن ولید نے اُسے دیکھا تھا تو اُس کے دل میں طمع پیدا ہوا تو اُس نے اس خاتون کے شوہر مالک بن نویرہ کو قتل کر دیا۔ پھر اُس نے اُس خاتون

سے اُسی رات جماع کیا۔ جب وہ واپس مدینہ آیا تو اُسے کوئی سزا نہیں دی گئی تھی۔

اِس اَمر پر تمام اہلِ اسلام کا اتفاق ہے کہ اُس عورت سے نکاح نہیں ہوسکتا جو ایامِ عدت میں ہو۔

تاریخ کی کتابیں ایسے واقعات سے بھری پڑی ہیں کہ کتنے بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اُتارا گیا۔ انسانی کرامات و مقدرات کو کس طرح پامال کیا گیا؟ ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی دختر اور اُن کے شوہر اور دونوں بیٹوں کے مقابلے میں جو موقف اپنایا وہ آپ گذشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں۔ مزید تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔

جب زمامِ حکومت امیرالمومنینؑ کے ہاتھ میں آئی

جب اُمت مسلمہ کی رہبریت و قیادت اور زمامِ اُمور سلطنت حضرت امام علی علیہ السلام کے ہاتھ میں آئی تو اُس وقت اُس کا نظام درہم برہم تھا۔ اُس کی جمعیت انتشار کے قریب تھی۔ اُس کے جوانب و ابعاد کو بیہودگی کا شکار تھے۔ بس یہی کچھ کہا جاسکتا ہے کہ ریاست کے اندرونی حالات بگڑ چکے تھے۔ امامؑ نے ارادہ کیا کہ ان مفاسد کی اصلاح کریں اور اسلام کو قداست و جمال کے لباس میں ملبوس کریں۔ آپؑ کی اِس تحریک کے لیے موانع پیدا کردیے گئے۔

کچھ لوگ آپؑ کے خلاف کھڑے ہوگئے۔ اُنھوں نے تلواریں سونت لیں۔ داخلی انتشار پیدا ہوگیا اور حرب و ضرب کا آغاز ہوگیا۔ داخلی انتشار نے جمعیت کو پارہ پارہ کردیا۔ اِس اسلامی سلطنت کو جن لوگوں نے فتنوں میں اُلجھایا تھا وہ چار آدمی تھے۔ جنگ جمل سے آغاز ہوا پھر یہ سلسلہ بڑھتا چلا گیا اور جنگ صفین تک جا پہنچا۔ ابتداء طلحہ و زبیر نے کی اور انتہا شامات نے کردی۔

ہم نے ان واقعات کو شرح و بسط کے ساتھ شرح نہج البلاغہ کی پہلی، دوسری اور تیسری جلد میں بیان کیا ہے۔ جب آپ اس کتاب کی طرف رجوع کریں گے تو آپ کو حقائق معلوم ہوجائیں گے۔

اب ہم دوبارہ ملکوتی خطبہ کی تشریح و تفسیر کی طرف چلتے ہیں۔

وَلَبَانَ لَهُمُ الزَّاهِدَ مِنَ الرَّاغِبِ

لوگوں کو معلوم ہوجاتا کہ زاہد کون ہے اور دنیا پرست کون ہے۔ خاتونِ جنت اپنے شوہر نامدار کے بارے میں فرمایا: اگر اُمت کی مدیریت کی زمام ان کے ہاتھ میں ہوتی وہ اس مادی دنیا کی معمولی سی ثروت پر قناعت کرتے۔ وہ صرف اپنی اور اپنے خاندان کی ضروریات پر اکتفاء کرتے۔ اپنی بھوک و پیاس اور اپنے خاندان کی بھوک و پیاس دُور کرنے کے لیے تھوڑا سا مال لیتے۔ وہ صرف دینِ اسلام اور اُمت کی خدمت کرتے۔ اُن کے اِس عمل سے دنیا پر

ثابت ہو جاتا، حقیقی پارسا اور زاہد کون ہے؟ دنیا طلب اور دنیا خواہ کون ہے؟ جو اللہ کے مال کو اسی طرح کھاتا اور ہضم کرتا ہے جیسے ایک اُونٹ سرسبز و پُرطراوت کھیت و کھلیان میں داخل ہوتا ہے تو اُس کے تازہ اور نرم گھاس کو اپنے معدے میں اُتار لیتا ہے۔

اس مشاہدے سے حقائق آپ کے سامنے آجاتے کہ امام علی علیہ السلام کی شخصیت کیا ہے اور دوسرے لوگوں کی حقیقت کیا ہے؟

وَالصَّادِقُ مِنَ الْكَاذِبِ

ایک صادق انسان اُن کے سامنے آجائے گا کہ جو اپنے اقوال و افعال میں سچا ہوتا ہے اور وہ اپنے سچے اقوال و افعال کے لحاظ سے ایک کاذب انسان سے ممتاز ہوتا ہے، کیونکہ ایک جھوٹا آدمی اپنے افعال و اقوال اور تصرفات میں کاذب ہوتا ہے۔

آپؑ نے اپنی اس گفتگو کو قرآنِ مجید کی اس تلاوت پر ختم فرمایا:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ وَ لٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ (سورۂ اعراف: آیت ۹۶)

"اور اگر اُن بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے لیکن اُنھوں نے تکذیب کی تو ہم نے ان کے اعمال کے اسباب جو وہ کیا کرتے تھے اُنھیں گرفت میں لے لیا"۔

اس مقام پر اس آیت کی تلاوت کس قدر مناسب ہے اور اس کلام میں یہ تشبیہ کتنی حسین وجمیل ہے؟

سیّدہ نساء العالمین کا مقصد یہ ہے کہ اگر لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کو قبول کر لیتے جو اُنھوں نے امام علی علیہ السلام کی حکومت و رہبری کے بارے میں فرمایا تھا تو یہ کائنات اُن کے لیے جنّت نظیر ہوتی، لیکن لوگوں نے مخالفت کی اور اُن کے غیر کے ہاتھ میں حکومت دے دی۔ اُنھوں نے اپنے اس عمل سے رسولؐ اللہ کے فرمان کی مخالفت کی۔ یہ لوگ عنقریب مصائب وآلام سے دوچار ہوں گے۔

بتول عذراء نے اس مقام پر قرآنِ مجید کی اس آیت کی تلاوت فرمائی:

وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰۤؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ○ (سورۂ زمر: آیت ۵۱)

"اور جنھوں نے ظلم کیا ہے عنقریب ان پر بھی اُن کے بُرے اعمال کے وبال پڑنے والے ہیں اور وہ اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے"۔

اُمت مسلمہ پر جو مصائب و آلام آئے اُن کے کچھ نمونے آپ آنے والے صفحات میں پڑھیں گے۔

اَلَا ، هَلُمَّ وَاسْتَبِعْ ایک اور نسخے میں هلمسن واستمعن کے الفاظ ہیں۔ پہلے نسخے کے لحاظ سے آپ کا خطاب عمومی ہے اور سبھی لوگوں کو ہے۔ دوسرے نسخے کے لحاظ سے خاص عورتوں کو خطاب ہے جو اُن کے پاس عیادت کے لیے آئی تھیں۔

وَمَا عِشْتَ اَرَاكَ الدَّهْرُ عَجَبًا

"اب تم لوگ جس قدر اس دنیا میں رہو گے اور زندگی بسر کرو گے ہر دن نئے نئے عجائبات دیکھو گے"۔

ایسے عجائبات جو ذہن نے کبھی تصور بھی نہ کیے ہوں گے۔

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ

یہ جملہ سورۂ رعد کی اس آیت کا حصّہ ہے:

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ (سورۂ رعد: آیت ۵)

"اور اگر آپ کو تعجب ہوتا ہے تو ان کفار کی بات تعجب خیز ہے کہ جب ہم خاک ہوجائیں گے تو کیا ہم نئی پیدائش میں ہوں گے"۔

سیّدہ نساء العالمین نے آیت کریمہ سے اقتباس لیا۔ آپ کا مقصود یہ ہے کہ بعض اوقات لوگ کسی بات کو عجیب سمجھتے ہیں لیکن وہ عجیب نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ چیزیں تعجب کا استحقاق نہیں رکھتیں لیکن یہاں کچھ تعجب خیز اُمور و قضایا ہیں جن پر تعجب کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ وہ اُمور ہیں جن کا تعلق نہ شریعت سے ہے اور نہ عقل سے، وجدان سے ہے اور نہ زندہ ضمیر سے اور نہ یہ کسی قاعدہ اور قانون سے مطابقت رکھتے ہیں۔

برائے نمونہ ۔

لَيْتَ شِعْرِي اِلٰى اَيِّ سِنَادٍ اِسْتَنَدُوْا
وَعَلٰى اَيِّ عِمَادٍ اِعْتَمَدُوْا
وَبِاَيِّةِ عُرْوَةٍ تَمَسَّكُوْا
وَعَلٰى اَيَّةِ ذُرِّيَّةٍ اَقْدَمُوْا وَاحْتَنَكُوْا

حقیقت یہ ہے کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتماد کرتے تھے اور اُن کے فرامین پر عمل کرتے تھے اور آپؐ کے اوامر کی اطاعت کرتے تھے کیونکہ آپؐ اللہ کے رسولؐ ہیں اور عالمِ اعلیٰ سے متصل تھے۔ آپؐ میں قیادت و رہبری کی تمام صلاحیتیں موجود تھیں۔ یہ مقامِ تعجب نہیں ہے کہ لوگ اُن کی اطاعت کرتے اور انھیں ہر ایک پر مقدم کرتے لیکن تعجب انگیز بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جاں سوز رحلت کے بعد کہ لوگوں کی فکری انحطاط اس مقام پر پہنچی کہ قیادت اُن لوگوں کے ہاتھوں میں دے دی گئی تھی کہ جس میں قیادت و رہبری کی وہ صلاحیتیں نہیں تھیں جو حضرت امیر علیہ السلام میں تھیں۔ وہ لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے تھے اور اُن کی ذات کا سہارا لیا تھا اور اُن سے تمسک کیا تھا آخرکار انھیں کیا ہوا کہ اتنی ایمانی رفعت کے بعد قیادت کی مہار اُن ہاتھوں میں دے دی کہ اُن کے اور حقیقی قائد کے درمیان زمین و آسمان کا فاصلہ تھا۔

لوگوں کے اس عمل پر حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام نے تعجب فرمایا۔ انھی کے ساتھ عقلائے عالم، صاحبانِ ضمیر اور قلوبِ سلیمہ حیران و سرگرداں ہیں کہ یہ کیسا انتخاب تھا کہ جو دنیا کے کسی مقیاس، ناموس اور وزن کے مطابق نہیں ہے۔

وَبِاَیَّةِ عُرْوَةٍ تَمَسَّکُوْا

''ان لوگوں نے کس رسی کو تھاما ہے؟''

تمام مسلمانوں کے درمیان ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا:

اِنِّیْ تَارِكٌ فِیْكُمُ الثَّقَلَیْنِ كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِیْ اَهْلَ بَیْتِیْ وَ اِنَّكُمْ لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ مَا اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا [1]

''میں تمھارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں: ایک اللہ کی کتاب اور دوسری اپنی عترت اہلِ بیتؑ، اگر تم نے ان دونوں سے تمسک رکھا تو کبھی گمراہ نہ ہوں گے''۔

اے قاریٔ عزیز! ان لوگوں نے کس رسی کو اور کس ہاتھ کو تھاما اور کن لوگوں سے تعلق رکھا؟

وَعَلٰی اَیَّةِ ذُرِّیَّةٍ اَقْدَمُوْا وَاحْتَنَكُوْا

کیا لوگ جانتے ہیں کہ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کون ہیں؟ کیا ان لوگوں کو اس ذریتِ طاہرہ اور شریف و اشرف کی قدر و منزلت معلوم ہے؟

---

[1] ینابیع المودۃ: ص ۴۰، نور الابصار: ص ۹۹، مستدرک حاکم: ج ۳ ص ۱۰۹، ۱۴۸، خصائص نسائی: ص ۳۰، کفایۃ الطالب: ص ۱۳۰، صواعق محرقہ: ص ۷۵-۹۰، ۱۰۰، ۱۳۶۔

ایسا خاندان نہ کسی زمانے میں رہا ہے اور نہ اس کی مثال پیش کی جا سکتی ہے۔

کیا یہ لوگ جانتے ہیں کہ اُنھوں نے خاندانِ وحی کے ساتھ کیسا سلوک کیا ہے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ پوری کائنات کو حکم دے رہا ہے کہ ان سے دوستی و مودت رکھیں۔

اُس ذات نے فرمایا:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى (سورۂ شوریٰ: آیت ۲۳)

اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان پر ان کی اطاعت واجب کی ہے۔

اُس ذات کا فرمان ہے:

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ (سورۂ نساء: آیت ۵۹)

"اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اور تم میں سے جو صاحبانِ امر ہیں ان کی اطاعت کرو"۔

وہ سفینۂ نوحؑ کے مانند ہیں۔ جو اس پر سوار ہوا اُس نے نجات پائی اور جس نے اعراض و انکار کیا وہ گمراہ ہوا اور ہلاکت میں جا گرا۔ جس کسی نے اُن سے محبت کی تو اس نے اللہ سے محبت کی اور جس نے اُنھیں اذیت دی اُس نے اللہ کو اذیت دی اور جس نے اُن سے بغض رکھا اس نے اللہ سے بغض رکھا۔

اُس ذات کی قسم کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے؟ ان لوگوں نے رسول اللہؐ کی عترتِ طاہرہ اور اُن کے اہلِ بیتؑ پر ظلم کیا، اُن کے حقوق غصب کیے اور اُن کی حرمت کی ہتک کی۔ اسی سلوک نے لوگوں کو اس خاندان کو اذیت و آزار دینے کی جرأت عطا کی۔

ان لوگوں نے کس دین کی بنیاد پر اور کس شریعت کے تحت اس خاندان کو اذیت و تکلیف دی؟ لوگوں نے خاندانِ وحی سے شریعت کے کسی فرمان کے تحت بے پرواہی اختیار کی۔ ہم ان باتوں کو نہیں جانتے کہ جن لوگوں نے آلِ محمدؐ پر مظالم ڈھائے، اُنھوں نے خود بہانے تراشے اور اُنھیں بنیاد بنا کر اُن کی حرمت کا خیال رکھا اور نہ اُن کی عزت و عظمت کا لحاظ رکھا۔ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ

سیدۂ عالمؑ نے قرآنِ مجید سے اقتباس لیتے ہوئے فرمایا:

يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ

"وہ ایسی چیز کو پکارتا ہے جس کا ضرر اس کے فائدے سے زیادہ قریب ہے، کتنا بُرا ہے اس کا سرپرست اور اس کا رفیق بھی کتنا بُرا ہے۔ اُن لوگوں نے اپنی سرپرستی کے لیے وہ آدمی تلاش

کیا جس میں سرپرستی کی صلاحیتیں نہیں ہیں"۔

"عشیر" کا معنی ہے وہ دوست جسے معاشرہ کی سرپرستی کے لیے منتخب کیا جائے۔

وَبِئْسَ لِلظَّالِمِيْنَ بَدَلًا

"خاتونِ جنت نے قرآنِ مجید سے اقتباس لیتے ہوئے فرمایا:

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَ هُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا○ (سورۂ کہف: آیت ۵۰)

"اور یہ بات بھی یاد کریں جب ہم نے فرشتوں سے کہا: آدمؑ کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے وہ جنات میں سے تھا۔ پس وہ رب کی اطاعت سے خارج ہو گیا تو کیا تم لوگ میرے سوا اُسے اور اس کی نسل کو اپنا سرپرست بناؤ گے حالانکہ وہ تمھارے دشمن ہیں؟ یہ ظالموں کے لیے بُرا بدل ہے"۔

اِسْتَبْدَلُوْا، وَاللهِ، الذَّنَابَا بِالْقَوَادِمِ، وَالْعَجُزَ بِالْكَاهِلِ

کائنات میں جتنے علوم موجود ہیں ان سب پر جامعہ شناسی کے علم کو اولین درجہ حاصل ہے۔ یہ وہ علم ہے کہ جو اُمتوں کے عروج و زوال اور تقدم و تاخر و توانائی و ناتوانی اور صلاح و فساد سے بحث کرتا ہے۔ ساتھ ساتھ صلاح و فساد کے نتائج بھی بتاتا ہے۔

کسی معاشرے کو متاثر کرنے والے صرف دو عامل ہیں، جن کے ذریعے ہی معاشرہ متاثر ہوتا ہے۔ معاشرے کے فلاح و فساد اور خیر و شر کی بنیاد بھی دو عوامل ہیں: ایک سیاسی عامل ہے اور ایک مذہبی اس لیے رسولؐ اللہ نے فرمایا تھا:

طَائِفَتَانِ مِنْ اُمَّتِيْ اِذَا صَلَحَتَا صَلَحَ النَّاسُ ، وَ اِذَا فَسَدَتَا فَسَدَ النَّاسُ: اَلْعُلَمَاءُ وَالْاُمَرَاءُ

"میری اُمت میں دو گروہ ہیں اگر وہ دونوں صالح ہیں تو تمام عوام صالح ہوں گے، اگر وہ فاسد ہیں تو تمام معاشرہ فاسد ہوگا وہ علماء اور امراء ہیں"۔

ہم بخوبی جانتے ہیں کہ جن ایام میں خاندانِ وحی کے حقوق پامال ہوئے اُنھی دنوں یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے ساتھ تھے۔ اُن دنوں جس شخصیت نے پیغمبرِ اسلام کی جانشینی اختیار کی اور اُمت کے تمام اُمور اپنے ہاتھ میں لیے تو

اُس نے جہاں دولت و ریاست کو اپنے ہاتھ میں لیا وہاں مذہبی قوت کو بھی اپنے ہاتھ میں لیا تھا وہ کشتیٔ سیاست کا بھی ناخدا تھا اور کشتیٔ مذہب کا بھی اور ان دونوں تشکیلات کے اُمور کی تدبیر اور تنظیم اُس کے ہاتھ میں تھی۔

جب ہم قرون و اَعصار میں نگاہ کرتے ہیں تو ہمیں جہاں کہیں اقوام کا عروج نظر آتا ہے تو وہاں وہ عادل اور منصف حکمران نظر آتے ہیں کہ جنھوں نے اپنے تمام وسائل معاشرتی ترقی پر خرچ کر ڈالے تھے اور اپنی رعایا کو جہالت سے نکال کر نورِ علم سے منور کیا تھا اور ان کی بہبود و بھلائی کے لیے اپنی دماغی صلاحیتیں صرف کر ڈالی تھیں۔ اس طریقے سے اُن لوگوں نے انسانیت کو پروان چڑھایا تھا۔

اس طرح جب ہم کسی قوم کو غیر ترقی یافتہ اور عقب اُفتادہ دیکھتے ہیں تو اُن پر فقر و افلاس، جہالت و بیماری، سُستی و کاہلی اور استبداد کے منحوس سیاہ سائے نظر آتے ہیں، جن کی وجہ سے وہ ذلت و خواری، عاجزی و بیکاری کی ذلت آمیز زندگی بسر کر رہے ہوتے ہیں اُن تمام برائیوں اور ذلت و رسوائیوں کی ذمہ داری حکمرانوں پر پڑتی ہے کہ جن کے ہاتھ میں اسی معاشرے کی مہار ہوتی ہے جیسا کہ کہا گیا ہے:

اَلنَّاسُ دِیْنُ مُلُوْکِهِمْ

"لوگ اپنے بادشاہوں کے مذہب پر ہوتے ہیں"۔

جی ہاں! سیدہ نساء العالمین نے اپنی تاریخی گفتگو میں کسی معاشرہ اور تمدن کے صعود و سقوط کے بارے میں فرمایا:

اَسْتَبْدَلُوْا وَاللهِ الذُّنَابَا بِالْقَوَادِمِ

یہ حقیقت ہے کہ گفتار میں تشبیہ حیرت انگیز اثر کرتی ہے اور متکلم کے پیام کی روح اور اس کے سخن کے مفہوم کو سامع پر روشن کر دیتی ہے۔ اس جملے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دختر فرزانہ نے اُمت مسلمہ کو پرندہ سے تشبیہ دی ہے اور اُمت کی رہبری کو پرندہ کے پَروں سے تشبیہ دی ہے۔ ہر پرندہ اپنے پَروں کے ذریعے محوِ پرواز ہوتا ہے۔ ہر پرندے کے بڑے پَر دس ہوتے ہیں۔ زبان عرب میں اُنھیں "قوادم" کا نام دیا گیا ہے اور ان دس بڑے پَروں کے پیچھے دس چھوٹے پَر ہوتے ہیں۔ اُنھیں خَوَافِی کہا جاتا ہے۔ پرندہ کے دم کے پَر ہوتے ہیں اُنھیں "ذُناب" کا نام دیا گیا ہے۔

وہ پَر جنھیں "قوادم" کا نام دیا گیا ہے اُنھی کے ذریعے پرندہ اپنی پرواز میں اَوج و بلندی پیدا کرتا ہے۔ ان کے بغیر کوئی پرندہ نہیں اُڑ سکتا کیونکہ اُنھی پَروں میں ہی طاقت و قوت ہوتی ہے۔ یہی ہر ایک پرندے کو زمین سے اُٹھاتے ہیں اور فضا میں لے جاتے ہیں۔

اگر پرندے کے بڑے پر کاٹ دیے جائیں تو وہ "خوافی" یعنی چھوٹے پروں یا دُم کے پروں کے ذریعے نہیں اُڑ سکتا، کیونکہ دُم والے پر پرندے کے جسم کو نہ اُڑا سکتے ہیں اور نہ زمین سے اٹھا کر فضا میں لے جاسکتے ہیں کیونکہ ایک تو وہ کمزور ہوتے ہیں اور پرندے کے آخری حصّے میں ہوتے ہیں۔

وَالْعَجُزَ بِالْكَاهِلِ

"ان لوگوں نے تنومند شانوں کو چھوڑ کر دُم کو اپنا لیا ہے"۔

ہر چیز کے آخر کو "عجز" کہا جاتا ہے۔ "کاھل" اس جگہ کو کہا جاتا ہے جو دونوں شانوں کے درمیان ہوتی ہے۔ "کاھل" جسم کا وہ طاقتور حصّہ ہے جو بوجھ اُٹھانے کے قابل ہوتا ہے۔ "عجز" اس کا برعکس ہے، یعنی جسم کا کمزور ترین حصّہ جو بوجھ نہیں اُٹھا سکتا۔

ان دونوں مثالوں اور تشبیہوں سے یہ مراد ہے کہ قوم نے اپنے بھاری اُمور یعنی قیادت و رہبری اُن ہاتھوں میں دی ہے جو اس رہبری کی اہلیت نہیں رکھتے تھے۔ وہ ان اُمور کو احسن طریقے سے نہیں نبھا سکتے، کیونکہ اُن میں ان اُمور کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ قیادت و رہبری کے لیے علم، عقل اور تدبر کی ضرورت ہوتی ہے جو ان لوگوں میں نہ تھی۔

غدیر خم میں ان لوگوں نے حضرت امام علی علیہ السلام کی بیعت کی تھی، کیونکہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے انھیں حکم دیا تھا کہ وہ سبھی امام علی علیہ السلام کی بیعت کریں۔ رسولِ اکرمؐ کی رحلت کے بعد انھوں نے اپنا عہد اور بیعت توڑ ڈالی تھی حالانکہ وہ خوب جانتے تھے کہ حضرت امام علی علیہ السلام علم و شرف کا فضل و جہاد، شجاعت و زُہد اور جود و کرم میں سب پر بھاری ہیں۔ ان تمام صفات میں اُن کا کوئی مقابل ہی نہیں ہے۔

فَتَعْسًا لِقَوْمٍ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا

سیدہ نساء العالمینؑ اُن لوگوں کے لیے ذلت و پستی کی دُعا کر رہی ہیں۔ اُن لوگوں کا گمان یہی ہے کہ شاید وہ اپنے اعمال کے اعتبار سے ہدایت یافتہ ہیں اور وہ اپنے تصرفات میں مصلح ہیں حالانکہ

أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَٰكِن لَّا يَشْعُرُونَ

"وہ لوگ مفسد ہیں، لیکن انھیں اپنے فساد کا شعور نہیں ہے"۔

کیا یہ ممکن ہے کہ ایک منحرف اپنے آپ کو منحرف سمجھے؟ بہت ہی کم ہے۔ بلکہ ایک مفسد اپنے آپ کو ہدایت یافتہ سمجھتا ہے کہ وہ حق پر ہے اور اس کا غیر باطل پر ہے۔ ایسے انسان پر دلائل و براہین اثر نہیں کرتے۔

یہ دونوں جملے قرآنِ مجید کی اس آیت کا اقتباس ہیں:

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ○ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ○ (سورۂ کہف: آیت ۱۰۳-۱۰۴)

"کہہ دیجیے کیا ہم تمھیں بتا دیں کہ اعمال کے اعتبار سے سب سے نامراد لوگ کون ہیں جن کی سعی دنیاوی زندگی میں لاحاصل رہی جبکہ وہ یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ وہ درست کام کر رہے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ○ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ○ (سورۂ بقرہ: آیت ۱۱-۱۲)

"اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد برپا مت کرو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو بس اصلاح کرنے والے ہیں۔ یاد رہے فسادی تو یہی لوگ ہیں لیکن وہ اس کا شعور نہیں رکھتے"۔

بتولِ عذرا نے اپنی گفتگو کے دوران اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی:

وَيْحَهُمْ! اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ○ (سورۂ یونس: آیت ۳۵)

"تو پھر جو حق کی راہ دکھاتا ہے وہ اِس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ خود اپنی راہ نہیں پاتا جب تک اس کی رہنمائی نہ کی جائے؟ تمھیں کیا ہو گیا ہے تم کیسے فیصلے کر رہے ہو؟"

یہ آیت شریفہ ہدایت کی بحث کی طرف اشارہ کر رہی ہے اور دو آدمیوں یا دو گروہوں کا کردار و عمل پیش کر رہی ہے کہ اُن میں سے ایک آدمی یا ایک گروہ وہ ہے جو صراطِ مستقیم کی ہدایت کرتا ہے اور دوسرا آدمی یا گروہ صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی نہیں کرتا۔ ایسا انسان یا گروہ جو خود دوسروں سے ہدایت حاصل نہ کرے تو وہ دوسروں کو ہدایت کر سکتا ہے اور نہ صحیح راستے کو پہچان سکتا ہے تو اب ان دونوں میں سے کون ہے جو اتباع کا حق رکھتا ہے؟ اور ان دونوں میں سے کون ہے جو اُمت کی رہبری کا استحقاق رکھتا ہے؟

خاتونِ جنت کا اِس آیت سے یہ مقصد ہے کہ حضرت امام علی علیہ السلام علم و فضل و عقل اور دوسرے مواہب کے لحاظ سے کامل و اکمل انسان ہیں اور وہ قیادت و رہبری کا استحقاق رکھتے ہیں۔ دوسرے لوگ قطعاً اُمت کی قیادت کی اہلیت نہیں رکھتے۔ وہ اُمور جو ایک قیادت کے لیے ضروری ہیں، یعنی علم و عقل اور تدبر وہ اُن میں نہیں ہیں:

تاریخ نے دونوں پہلوؤں کو ثابت کیا ہے کہ کمال کس طرف تھا اور نقص کس طرف تھا۔ امام امیر المومنین علی علیہ السلام کی ذات ہر اعتبار سے کامل و اکمل تھی:

أَمَا: لَعَمْرِيْ! لَقَدْ لَقِحَتْ

ہوشیار ہو جایئے مجھے اپنی جان کی قسم! جامعہ میں نطفہ استبداد بندھ چکا ہے اور فتنہ و فساد کا وائرس اُمت کے جسم و جان میں نفوذ کر چکا ہے کہ جس کا علاج مشکل ہے۔ یہ ایک جرثومہ سے ابتداء کرتا ہے اور خون میں داخل ہو جاتا ہے اور وہاں پھیلنے لگتا ہے۔ آخر کار اسی وائرس سے خون کے سرخ اور سفید خلیے متاثر ہوتے ہیں، جس سے مختلف بیماریاں جنم لیتی ہیں جیسے ملیریا، ہیضہ، کینسر وغیرہ وغیرہ۔ یہ امراض بدن کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔ پھر انسان موت کی نیند سو جاتا ہے۔

اس جملے سے یہ مقصود ہے کہ اُمت اسلامیہ کو فتنوں کے جراثیم نے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، یعنی جمعیت پراگندہ ہو گئی ہے اور انتشار پیدا ہو گیا ہے۔

فَنَظِرَةٌ رَيْثَمَا تُنْتِجُ

"اب انتظار میں رہیے کہ جامعہ اسلامیہ میں فتنہ کے جراثیم پھیل چکے ہیں، کیونکہ تم لوگوں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شائستہ و بائستہ قیادت و رہبری کو اُن کی رحلت کے بعد اُن لوگوں کے سپرد کر دی ہے جو اس ملکوتی قیادت کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے ہیں"۔

اس اعتبار سے عظمتِ اسلام دگرگوں ہو گئی ہے اور حقیقی مفاہیم و معیارات متغیر ہو گئے ہیں۔

ثُمَّ احْتَلِبُوْا مِلاَءَ الْقَعْبِ دَمًا عَبِيْطًا

"جس وقت ناقہ بچہ دیتی ہے تو اُس وقت لوگ اُس ناقہ کا دودھ دوہتے ہیں۔ اگر یہی حیوان بیمار ہو جائے تو بعض اوقات اُس کے پستانوں سے دودھ کی بجائے خون نکلنے لگتا ہے"۔

سیّدۂ عالم کے اس جملے کا مفہوم یہ ہے کہ ایسی حکومت جس کا نظام عدل و انصاف پر مبنی ہوتا ہے تو اُس کی رعایا کو برکات و خیرات اور حریت و نیک بختی تحفے میں ملتے ہیں اور جب کسی حکومت کے حکمران عدالت کے اُصولوں کو طاقِ نسیان پر رکھ دیں اور خواہشاتِ نفس کے مطابق حکمرانی کریں تو اس سے حقیقی مفاہیم و مطالب کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے اور ہر طرف بدامنی، ہلاکت اور تباہی اور ویرانی کی اندھیریاں چلنے لگتی ہیں۔

اے قاریٔ عزیز! تاریخ اسلام کی ورق گردانی فرمایئے تو آپ کو مسلمانوں کے اجسام سے بہنے والے خون کی

نہریں ملیں گی۔ آپ کو ہر طرف کشتوں کے پشتے ملیں گے۔

مورخین نے بیان کیا ہے کہ ایک زمانہ آیا کہ مسلمان حضرت ابن عفانؓ کے خلاف کھڑے ہو گئے۔ جب بات آگے بڑھی تو اس نے قوت کا استعمال کیا، تاکہ حالات سنور جائیں لیکن حالات سنورنے کے بجائے بگڑتے گئے۔ آخر ایک بہت بڑی شخصیت کو اُن کے بارے میں فتویٰ دینا پڑا۔

اُقْتُلُوْا نَعْثَلًا فَقَدْ كَفَرَ

"نعثل کو قتل کر دو کہ اس نے کفر اپنا لیا ہے"۔

اس طرح طلحہ اور ابن عاص نے کیا۔ آخر لوگوں نے حضرت ابن عفانؓ کو قتل کر دیا۔

اس قتل کے بعد کچھ لوگوں نے عوام کو بھڑکایا کہ وہ اٹھیں اور قتل کا انتقام لیں۔ یہ گروہ فوراً بصرہ کی طرف چل پڑا اور مدینہ کی مسافت ایک ہزار میل سے زیادہ ہے تو وہاں ان لوگوں نے داخلی جنگ کے شعلے بھڑکا دیئے۔ اس جنگ میں پچیس ہزار انسان کام آئے۔

پھر اُموی فریب کار نے انگڑائی لی اور قصاص کا نعرہ بلند کیا۔ اس کے نتیجہ میں میدانِ صفین میں جنگ لڑی گئی جس میں نوے ہزار مسلمان قتل ہوئے۔ اس جنگ کے بعد جنگِ نہروان وجود میں آئی جس میں چار ہزار آدمی مارے گئے۔

بعدازیں بسر بن ارطاۃ لشکر کثیر کے ساتھ شام سے نکلا اور اُس نے مدینہ منورہ، مکہ معظمہ اور یمن کا رُخ کیا۔ اس نے ان شہروں میں خاندانِ وحی کے پیروکاروں کا قتلِ عام کیا حتیٰ کہ یمن اور اس کے علاوہ دوسرے علاقوں میں جو لوگ قتل کیے گئے اُن کی تعداد تیس ہزار نفر تک جا پہنچی تھی۔

اے قاری عزیز! زحمت فرمایئے، قلم ہاتھ میں لیجیے اور مقتولین کی تعداد دیکھیے:

جنگِ بصرہ	:	۲۵ ہزار افراد
جنگِ صفین	:	۹۰ ہزار افراد
جنگِ نہروان	:	۴۰ ہزار افراد
قتلِ عام بُسر	:	۳۰ ہزار
کُل تعداد مقتولین	:	ایک لاکھ ۴۹ ہزار افراد

یہ ہیں مقتولین، جو لوگ زخمی ہوئے اُن کے بارے میں آپ مت پوچھیے۔ کتنی خواتین بیوہ ہوئیں؟ آپ

مقتولین کی تعداد سے اُن کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کتنے بچے یتیم ہوئے؟ کتنی ویرانیاں و تباہیاں ہوئیں؟ قلم میں طاقت نہیں کہ انھیں سپردِ قرطاس کر سکیں۔ اللہ کی زمین پر درد و رنج اور غم و آلام کی آندھیاں چلا دی گئی تھیں، جن کی وجہ سے ہر آنکھ اشکبار تھی۔ انسانی قلوب بھڑکتی آگ کے شعلوں میں جل رہے تھے۔ ہر طرف سوز و گداز کی حکمرانی تھی۔ ہر طرف نالے و فریادیں بلند تھیں۔ اس سرزمین کو اُمت مسلمہ کے لیے جہنم بنا دیا گیا تھا۔

اے قاریٔ عزیز! خاموش رہیے، ان باتوں کو دل میں جگہ دیجیے یہ سب کچھ چار سال کے عرصہ میں ہی ہوا تھا۔

کیا بس یہ خونچکاں داستان یہاں پر ختم ہوگئی؟ انسانی بدبختی کا دور جاتا رہا؟ ہرگز نہیں بلکہ اس داستان کے کائنات کو لرزا دینے والے مناظر بڑھتے رہے۔ اس کتاب کے آئندہ صفحات میں کچھ نمونے محفوظ کر دیے گئے ہیں۔

جی ہاں! یہ کوئی غیبی خبریں نہیں تھیں، بلکہ یہ سب کچھ اعمال کے نتائج تھے جو اُمت کو پیش آئے۔

جی ہاں! جب ایک حاذق طبیب اپنے مریض کو دیکھتا ہے کہ وہ صحت کے اُصولوں پر عمل نہیں کر رہا ہے اور کھانے پینے میں احتیاط سے کام نہیں لے رہا ہے اور مُضر اشیاء کو استعمال کر رہا ہے تو وہ اُسے ہوشیار و خبردار کرتا ہے کہ اگر اس نے وہ ان چیزوں سے باز نہ آیا تو وہ کبھی صحت مند نہیں ہوسکتا بلکہ وہ ہلاکت کے قریب ہوتا جا رہا ہے اور آخر ایک دن اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ بالکل اسی طرح خاتونِ قیامت نے اُمت کی بیمار حالت دیکھی تو آپ کو اُمت کے عواقب و انجام نظر آئے تو آپ نے اُمت کو پیغام دیا کہ تم لوگوں نے حقیقی قیادت کو چھوڑا، اب ہر صورت تمھیں ان دردناک مصائب و آلام سے گزرنا ہے۔ پھر آپؑ نے فرمایا:

ثُمَّ احْتَلِبُوْا مِلَاءَ الْقَعْبِ دَمًا عَبِيْطًا

ایک اور نسخے میں طِلَاعَ الْقَعْبِ کے الفاظ ہیں۔ "پھر تم لوگوں نے صاف و شفاف اور شیریں دودھ کے بجائے خون و سم اور زیاں آور دودھ دوہے"۔

قَعْب، جامِ بزرگ جو خون سے لبریز ہو اور خون اُس کے کناروں سے بہہ رہا ہو۔ اس سے مراد خونی سیلاب ہے جس سے اُمت کو واسطہ پڑنے والا ہے۔ یعنی انسان کا خون بہایا جائے گا، ناحق قتل عام ہوگا۔

وَذُعَافًا مُبِيْدًا

"یعنی خون دوہے اور مہلک ترین زہر دوہے یعنی بدترین نتائج کا سامنا کیجیے"

سیّدہ نساء العالمینؑ کا پیام یہ ہے کہ تم لوگوں نے خداوندی مقررات اور حقوقِ بشر کو پامال کیا ہے۔ اب تم مصائب و بدامنی، ذلت و رسوائی اور بدبختی سے ہمکنار ہونے والے ہو۔ اب تمھیں کسی طرف سے امان نصیب نہ ہوگی۔

هُنَالِكَ يَخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ

اب یہ وہ مقام ہے کہ باطل گروں نے تاریکی و ویرانی اور استبداد کے لیے سینہ چاک کیا ہے۔ اب خسارے میں مبتلا ہونے والے ہیں۔ تباہیاں اور وحشت ناکیاں اُن پر حملہ کرنے والی ہیں۔

وَيَعْرِفُوْنَ التَّالُوْنَ غِبَّ مَا اَسَّسَهُ الْاَوَّلُوْنَ

"اُن اعمال کا انجام آنے والے لوگ جان لیں گے جن کی بنیاد اوّلین نے رکھی ہے"۔

ثُمَّ طِيْبُوْا عَنْ دُنْيَاكُمْ اَنْفُسًا

"ان عوامل کی بنا پر پیچھے کی طرف چلیے اور اپنی حقیر دُنیا سے اپنا دل بہلایئے"۔

بعض اوقات کسی کو کہا جاتا ہے: طِبْ نَفْسًا "خوف و اضطراب سے اطمینان و سکون میں آیئے یعنی خوش رہیے"۔ اس طرح ایک ظالم انسان کو اس کے ظلم کی بنا پر کہا جاتا ہے: قَرَّتْ عَيْنَاكَ "تیری آنکھیں روشن ہوں یا تمھیں مبارک ہو"۔ اس قسم کے الفاظ ازراہ طعن و طنز بولے جاتے ہیں، بطور حقیقت نہیں بولے جاتے۔

وَاطْمَانُّوْا لِلْفِتْنَةِ جَاشًا

"اب اپنے قلوب کو فتنوں سے تسکین و سکون دیجیے"۔

اصل میں اس سے مراد اُس کی ضد ہے کیونکہ دل کو فتنوں سے کہاں سکون ملتا ہے؟ دل کو امن و امان اور سلامتی سے سکون و چین ملتا ہے۔ یہ ایک طنز ہے۔

وَاَبْشِرُوْا بِسَيْفٍ صَارِمٍ وَسَطْوَةِ مُعْتَدٍ غَاشِمٍ

"تم لوگوں کو تیز و تند تلواریں خونخوار بیداد گروں کی حکومتیں مبارک ہوں"۔

یہ گفتگو قرآنِ مجید کی اس آیت سے لی گئی ہے:

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ

"پس اُن لوگوں کو دردناک عذاب کی بشارت دیجیے"۔

سیدہ نساء العالمینؑ نے اپنے اس جملہ سے اُس کا عکس مراد لیا ہے۔

وَهَرْجٍ شَامِلٍ ایک اور نسخے کے الفاظ ہیں: وَهَرْجٍ دَائِمٍ شَامِلٍ۔

هَرْجٌ کا معنی فتنہ، غوغا، شورش ہیں، یعنی جس معاشرے کا نظام درہم برہم ہوجائے وہاں یہ مذکورہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔

وَاِسْتِبْدَادٍ مِنَ الظَّالِمِیْنَ

"استبداد گروں اور ستم پیشہ افراد کی حکومتوں سے منقلب ہوتا ہے"۔

استبداد کا معنی ہے ڈکٹیٹرشپ، یعنی ایسا عمل جو مقائیس و موازین کے خلاف ہو۔ جو نہ کسی نظام کے تحت ہو اور نہ کسی قانون و شریعت اور ملت کے مطابق ہو۔

یَدَعُ فَیْئَکُمْ زَهِیْدًا وَجَمْعَکُمْ حَصِیْدًا

ایک اور نسخے کے الفاظ یہ ہیں: وَزَرْعَکُمْ حَصِیْدًا "یعنی اس خوف ناک و خشونت بار استبداد نے تباہی و ویرانی پھیلا دی ہے"۔

خاتونِ جنت کی مختلف تعبیرات جیسے سیفِ صارم، وسطوۃ معتد غاشم، وھرج و استبداد کا مفہوم یہی ہے کہ ان تمام چیزوں نے تمہارے غنائم و حقوق اور مال و ثروت کو برباد کر دیا ہے۔ ان لوگوں نے اپنے نفس کی خواہشات پر عمل کیا نہ کہ عدل و انصاف کی اساس پر نظام کا نفوذ کیا۔ اس نظام نے حریت پسندوں، دانشوروں، روشن افکار لوگوں، نواندیشوں اور طالبانِ حق کو شمشیرِ ستم سے خاموش کر دیا ہے اور وہ تمہاری جمعیت کو تلواروں کی کاٹ سے منتشر کرتے ہیں۔

کہا گیا ہے کہ حضرت فاطمہ زہراؑ کی یہ تمام باتیں اسلامی معاشرہ کے مستقبل کی وہ پیشین گوئیاں ہیں جو دقیق اور ناقابلِ تردید ہیں۔ یہ تمام تلخ و شمار فجائع اُمت مسلمہ کی گھات میں تھے۔ آپؑ کی جامعہ شناس نگاہوں نے مسلمانوں کے مستقبل کو اچھی طرح سے دیکھ لیا تھا، اس لیے آپؑ نے اپنی تاریخی گفتگو میں وہ اصول بیان فرمائے جو کسی معاشرہ و قوم کے عروج و زوال اور صعود و سقوط کے اسباب بنتے ہیں۔

جی ہاں! جو کچھ دخترِ پیغمبرؐ نے فرمایا تھا وہ سچ ثابت ہوا۔ اہلِ اسلام پر مصائب و آلام، فجائع و مذابح کی وہ اندھیریاں چلیں جن کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ خدا کی قسم! ان لوگوں نے تاریخ اسلام کو تیرہ و تاریک کر کے رکھ دیا تھا۔ اسلام کی خوبصورت آواز اور اُس کے خوبصورت چہرے کو اپنی بربریت اور حقوقِ بشر کی پامالی سے بدصورت بنا دیا۔ اب ہم کچھ حوادث بیان کرتے ہیں، تاکہ ہماری گفتگو اس شہادت سے مضبوط اور مدلل ہو جائے۔

ہم نے گذشتہ صفحات میں تاریخ اسلام کی کچھ خونچکاں داستانیں بیان کر دی ہیں جو اصحابِ جمل و صفین و خوارج کے نام سے مشہور ہیں۔ ہم اب اس مقام پر کچھ اور نمونے پیش کرنا چاہتے ہیں۔

اے قارئ عزیز! ہماری طرف متوجہ رہیے گا اور خوب غور و فکر فرمائیے گا۔

اگر ہم یہاں اُمت اسلامیہ پر ڈھائے جانے والے مظالم کے مختلف پہلو بیان کرنے بیٹھ جائیں تو یہ بحث بہت

طویل ہو جائے گی۔ ان حوادث و فجائع کے لیے ایک علیحدہ موسوعہ کی ضرورت ہے۔ بس اسی جملے پر اکتفاء کرتے ہیں کہ حکمرانوں نے اُمت کے اموال پر خوب ہاتھ صاف کیے اور اُن کے خون گرانے میں بھی کوئی کسر نہ چھوڑی۔

لیکن ہم یہاں اپنی کتاب کے اُسلوب کی رعایت کرتے ہوئے کچھ تاریخی واقعات پیش کرنے کی کوششیں کرتے ہیں کہ جن کی پیشین گوئی دختر پیغمبرؐ نے فرمائی تھی، کیونکہ ان لوگوں نے الٰہی قیادت کو ٹھکرا کر اپنی قیادت پر انحصار کیا تھا جس کے نتیجے میں یہ سوزناک حوادث سامنے آئے۔

ان سیکڑوں خونیں واقعات میں سے مدینۃ الرسولؐ کے مصائب پر ایک نظر ڈالتے ہیں کہ اس نورانی شہر پر کیا گزری؟

اس واقعہ کو پیش کرنے سے قبل تمہیداً ایک مقدمہ کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں کہ جب اسلامی قیادت اپنی اساس سے اِدھر اُدھر ہوئی تو ان خونیں حوادث نے جنم لیا تھا۔

یہ حقیقت ہے کہ جب دنیاوی حکمرانوں نے حکومت کے معاملات اپنے ہاتھ میں لیے اور مسلمانوں کے اُمور کی باگ ڈور سنبھالی اور تلوار کے ذریعے اُن کی گردنوں کے وارث بن بیٹھے اور رسولِ اسلام کی سنت کو چھوڑ دیا تو پھر اُن کے تصرفات قرآنِ مجید کی مطابقت میں تھے اور نہ عقل و منطق کے مطابق تھے۔ ان حکمرانوں نے اپنی شخصی اور نفسانی رغبات کی بنا پر لوگوں کے خون اور اُموال پر حکمرانی کی۔ اُن لوگوں کے نزدیک انسانوں کی کوئی عزت تھی اور نہ قیمت۔ ان حکمرانوں کا اس امر سے کوئی واسطہ نہ تھا کہ اُن کی رعایا عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہے ہیں یا بھوک و اَفلاس کے عفریت کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اُتر رہے ہیں۔ اُنھیں صرف اس چیز سے کام تھا کہ اُن کی حکومتیں محفوظ رہیں۔ ان کی حکمرانی حرص و ہوس، فزوں خواہی اور خواہشاتِ پرستی پر مشتمل تھی۔ اس طریقے سے نہ اُنھیں انسانوں کے ہست و بود سے کوئی کام تھا اور نہ ان کی کرامت و شرافت اور حقوق و حریت سے واسطہ تھا۔ اگر ان حکمرانوں کا اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان ہوتا تو وہ دینِ اسلام کی قطعاً خلاف ورزی نہ کرتے۔

اے قاریٔ عزیز! شاید آپ یہ خیال فرمائیں کہ میں نے مبالغہ و اسراف سے کام لیا ہے۔ اگر آپ کو توفیق نصیب ہو اور اُموی اور عباسی حکمرانوں کے تاریخی اَحوال پڑھ کر دیکھیں تو آپ کو ہر طرف انسانی خون سے زمین رنگین نظر آئے گی اور قتلِ عام کی درد و سوز سے لبریز داستانیں ملیں گی جو قلوبِ انسانی کو لرزا دینے والی ہیں۔

اس مطالعہ کے بعد آپ کو معلوم ہوگا کہ میں نے سچ اور حق لکھا ہے اور یہ سب کچھ میری تحریر کی گواہی کے لیے کافی ہوگا، بلکہ میں نے ان حکمرانوں کے کم سے کم مظالم بیان کیے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان حکومتوں نے اُمت مسلمہ کی زندگی کو عذابِ الیم میں مبتلا کر رکھا تھا۔

اِن دردناک داستانوں میں سے نمونے کے طور پر ایک داستان ملاحظہ کیجیے۔

واقعۂ حرّہ

اُموی ڈکٹیٹر یزید نے اپنے ایک خون آشام جلاّد مسلم بن عقبہ کو تیس ہزار کے لشکر کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ کیا۔ یزید نے اُسے وصیت کرتے ہوئے کہا تھا کہ جب تمھیں اہلِ مدینہ پر غلبہ حاصل ہو جائے تو تین دن تک تم پر مدینہ کی ہر چیز یعنی اُموال، چوپائے، اسلحہ اور خورد و نوش کا سامان مباح ہوگا۔

جب سپاہِ یزید مدینہ کے قریب پہنچی تو اہلِ مدینہ کو اُن کی آمد کا علم ہوا تو وہ اپنے جان و مال اور شہر و ناموس کی حفاظت کی خاطر مدینہ سے باہر نکلے۔ اِن دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ مقامِ حرّہ پر ہوئی، گھمسان کی جنگ پڑی۔ اہلِ مدینہ کو شکست ہوئی۔ اُن کے سیکڑوں افراد قتل ہوئے، باقی لوگوں نے پناہ لینے کے لیے مدینہ منورہ کا رُخ کیا۔ اُن کے پیچھے سپاہِ شام نے شہر میں داخل ہو کر قتل و غارت کا بازار گرم رکھا۔ مہاجرین و انصار نے مسجدِ نبویؐ میں پناہ لی۔ شامی فوج نے روضۂ رسولؐ میں اس قدر قتلِ عام کیا کہ انسانوں کا خون قبرِ نبیؐ کے برابر ہو گیا تھا۔

اس قتلِ عام کے بعد مسلم بن عقبہ کی طرف سے اُس کے لشکر میں منادی نے آواز بلند کی کہ میں نے مدینہ منورہ تم لوگوں پر مباح قرار دیا ہے۔ جو کچھ تمھارے ہاتھ میں آئے وہ تمھاری ملکیت ہے۔

اے قاریٔ عزیز! آپ غور فرمائیں کہ جب ایک فاتح لشکر کو اجازت دے دی جائے اور اُن سے ہر قسم کی مسئولیت اُٹھا دی جائے تو وہ لوٹ مار میں کون سی کسر چھوڑے گا؟

اِس اعلان کے بعد یہ کثیر لشکر مدینہ منورہ کے گھروں پر ٹوٹ پڑا۔ جہاں اِن لوگوں کے اُموال غارت کیے وہاں اُن کی عزتیں بھی لوٹ لیں۔ اُن کی یہ رُسوائی اس حد تک جا پہنچی کہ تین سو سے زیادہ دوشیزگان کی عصمت دری ہوئی۔ اس واقعہ فاجعہ کے سال ایک ہزار مولود نے جنم لیا کہ جن کے باپ غیر معلوم تھے۔

میں اپنے قاریٔ عزیز سے اجازت لے کر کچھ عرض کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔ صحابہ کرام اور دوسرے اہلِ مدینہ کی خواتین نے مسجدِ نبویؐ میں پناہ لے رکھی تھی تا کہ اُن کی جانیں اور عزتیں بچ جائیں، لیکن سپاہِ شام کے درندوں نے اُنھیں روضۂ رسولؐ پر چیر پھاڑ کر رکھ دیا اور اُن کی عزتوں کو تار تار کر دیا۔

مورخین نے لکھا ہے: یہ لشکرِ استبداد مسلح ہو کر مدینہ منورہ کے مہاجرین و انصار کے گھروں میں داخل ہوا اور جو چیز اُنھیں ملی لوٹ لی۔ ان میں سے کچھ سپاہیوں نے صحابیِ رسولؐ حضرت ابوسعید خدریؓ کے گھر پر ہجوم کیا۔ یہ مشاہیر

صحابہ میں سے تھے۔ اُس وقت وہ بوڑھے اور نابینا تھے۔ جب یہ ستم پیشہ فوج اُن کے گھر میں داخل ہوئی تو وہ اُس وقت خاک پر بیٹھے تھے، کیونکہ اِس فوج سے پہلے کچھ لوگ آئے تھے جو اُن کے اکثر کو لوٹ کر چلے گئے تھے۔ اِن لوگوں نے ان کے گھر کا چکر لگایا، لیکن جب ان کے ہاتھ کچھ نہ لگا تو حضرت ابوسعید خدریؓ کے پاس آئے تو اُن کی ریش اور بھنوؤں کے بالوں کو نوچنا شروع کر دیا۔ وہ اُس وقت درد سے چیخ رہے تھے اور کہہ رہے تھے: لوگو! پہچانو! میں ابوسعید خدری ہوں۔ میں رسولؐ اللہ کا صحابی ہوں۔ لیکن ان ظالموں نے ان باتوں کی اور ان مقدس اسماء کی کوئی پرواہ نہ کی۔ ان لوگوں نے ان کے گھر میں کچھ کبوتر پائے انھیں پکڑ کر ذبح کیا اور کنوئیں میں ڈال دیا اور پھر اُن کے گھر سے نکل گئے۔

اس سپاہ سیاہ رُو کا ایک فوجی ایک گھر میں داخل ہوا جسے پہلے لوٹ لیا گیا تھا۔ اِس نے وہاں ایک عورت کو خاک پر بیٹھے ہوئے دیکھا اور اُس کی آغوش میں بچہ دودھ پی رہا تھا۔ اس سنگ دل نے شیرخوار بچے کو ٹانگ سے پکڑا اور اُسے ماں کی آغوش سے باہر نکال کر دیوار پر دے مارا۔ اُس معصوم کا سر پھٹ گیا اور اُس کا دماغ بہنے لگا۔ بے چاری و بے نوا! ماما دیکھتی رہی اور آنسو بہاتی رہی اور چیختی و چلاتی رہی۔

آخر میں مسلم بن عقبہ نے اہلِ مدینہ کو ایک مقام پر جمع کیا اور اُن سے اقرار و عہد لیا کہ اب وہ سبھی یزید کے غلام اور مملوک ہیں اور اِس طرح ہمیشہ اُس کے غلام رہیں گے۔ جب یہ سپاہِ شوم مدینہ منورہ سے نکل رہی تھی تو وہ اپنے پیچھے مقتولین کی ایک بہت بڑی تعداد خاک پر پڑی ہوئی تھی۔ ہزاروں بچے یتیم ہوگئے تھے اور ہزاروں عورتیں بیوہ ہوچکی تھیں جن کا طعام آہ و بکا اور مشروب اُن کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو تھے اور اُن کا مال و متاع غم و اَلم اور آہ و بکا اور نالہ و فریاد تھا۔ بعدازیں اس سپاہِ شام نے مکہ معظمہ کا رُخ کیا، تاکہ کعبہ شریف کو نذرِ آتش کرے۔ عبداللہ بن زبیر کی وجہ سے وہاں جو لوگ جمع ہیں انھیں قتل کردے۔ اِس سپاہ نے کعبہ کو جلا دیا اور لوگوں کا قتلِ عام کیا۔

اے قاریٔ عزیز! ان ستم پیشہ افراد نے پے در پے جس قدر مظالم کے طوفان برپا کیے اُن کے بارے میں نہ پوچھو اور نہ کچھ بولو۔

آیئے! عراق کی سرزمین پر حجاج بن یوسف ثقفی کے ظلم و استبداد سے لبریز واقعات پر نگاہ کرتے ہیں کہ اس کے جرائم و جنایات اس قدر دہشت ناک ہیں کہ جن کے سننے سے طفلِ شیرخوار گہوارے میں پیرِ کہن سال بن جائے۔ جب ایک قاری حجاج کے مظالم کی تاریخ پڑھتا ہے تو اُس کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور وہ دہشت زدہ ہوکر رہ جاتا ہے۔ اس کی بدبختی و جنایات کا تعفن اس قدر پھیلا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو کہنا پڑا: "اگر اقوامِ عالم اپنے اپنے خبیث لے آئیں اور ہم صرف اُن کے مقابلے میں حجاج کو پیش کریں تو ہم ہی سب پر غالب ہوں گے"۔

جناب عاصم قاریٔ قرآن تھے۔ انھوں نے حجاج کے بارے میں کہا تھا کہ کوئی ایسا کام کہ جسے خداوند تعالٰی نے حرام قرار دیا ہے اور اُس حرام کا ارتکاب حجاج نے نہ کیا ہو ایسا ممکن ہی نہیں ہے۔

خبر کی واقعات سے مطابقت

جو کچھ آپ نے پڑھا ہے یہ اُن تلخ و دہشت ناک رُودادوں میں سے صرف ایک رُوداد ہے جو اللہ کی زمین پر دہرائی گئی ہیں۔ ان سوزناک مظالم کی داستانوں کے پڑھنے سے انسان کی زندگی تلخ و آزردہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ حضرت فاطمہ زہرا ؑ کے اِنذار کی صحت ہم پر واضح ہو جاتی ہے کہ آپ ؑ نے اُمت کو پیام دیا تھا کہ تم لوگوں نے اپنی قیادت کی زمام اُن ہاتھوں میں نہیں رہنے دی جو اس قیادت کی اہلیت رکھتے ہیں۔ آپ ؑ کی یہ گفتگو اِبْشَرُوْا بِسَيْفٍ صَارِمٍ وَسَطْوَةِ مُعْتَدٍ غَاشِمٍ وَهَرَجٍ شَامِلٍ وَ اِسْتِبْدَادٍ مِنَ الظَّالِمِيْنَ يَدَعُ فَيْئَكُمْ زَهِيْدًا وَجَمْعَكُمْ حَصِيْدًا سچ ثابت ہوئی۔

آخر میں سیدہ نساء العالمین نے عیادت کرنے والی خواتین سے فرمایا تھا:

فَيَا حَسْرَةً لَكُمْ یہ کلمہ اللہ تعالٰی کے اس فرمان يَا حَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيْهِمْ مِنْ رَسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (یٰسین: ۳۰) "ہائے افسوس! ان بندوں پر جن کے پاس جو رسول بھی آیا اس کے ساتھ انھوں نے تمسخر کیا" سے ماخوذ ہے۔

اس جملے کا معنی ہے کہ آپ لوگوں نے ہدایت و خیر کو خیرباد کہہ دیا ہے۔ اب حسرت و ندامت تمھارا مقدر ہے۔ اور تم لوگوں نے امن و امان اور دنیاوی و اُخروی اجر و ثواب کو بھی جانے دیا ہے۔

وَ اَنّٰى بِكُمْ "میں نہیں جانتی کہ اب تمھارا انجام کیا ہوگا؟"

وَقَدْ عُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ "تمھارے تدبر کی قلت کی وجہ سے تم پر حقائق مخفی رہے"۔

اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَ اَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ

یہ جملہ اللہ تعالٰی کے فرمان کا حصہ ہے:

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ اٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَ اَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ○ (سورۂ ہود: آیت ۲۸)

"نوح نے کہا: اے میری قوم! یہ تو بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل رکھتا ہوں اور اُس نے مجھے اپنی رحمت سے نوازا ہے۔ مگر وہ تمھیں نہ سوجھتی ہو تو کیا ہم تمھیں اس پر مجبور

کر سکتے ہیں جب کہ تم اُسے پسند کرتے ہو؟"

اِس طرح کا کام مجھ پر آسان نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر یہ لازم نہیں کیا ہے جو چیز ہم پر لازم ہے وہ صرف یہ ہے کہ میں دلائل و براہین کے ذریعے نجات و سعادت کی طرف رہنمائی کروں۔ میرا یہ وظیفہ نہیں ہے کہ میں تمھیں حق و حقیقت کی پہچان پر مجبور کروں۔

اِنھی الفاظ پر سیّدۂ عالم نے اپنا تاریخی خطاب ختم کیا۔ مدینہ منورہ کی خواتین سراپائے سوز و گداز اپنے گھروں کی طرف واپس آئیں۔

سُوید بن غفلہ کا بیان

سُوید بن غفلہ کا بیان ہے کہ جب مہاجرین و انصار کی خواتین واپس اپنے گھروں میں آئیں تو اُنھوں نے اپنے مردوں کو بتولِ عذراؑ کے خطاب سے آگاہ کیا تو مہاجرین و انصار کی ایک جماعت معذرت کرنے کے لیے دخترِ پیغمبرؐ کے خانۂ اقدس پر پہنچی۔ اِس مورد میں تاسف انگیز نکات یہ ہیں کہ یہ قضیہ مجمل و مبہم ہے، کیونکہ روایت میں نہ مہاجرین و انصار کی خواتین کے نام ہیں اور نہ اُن مردوں کے نام ہیں جو معذرت کے لیے حاضر ہوئے تھے، لیکن ان تمام واقعات سے یہ امر سامنے آتا ہے کہ اِن خواتین کو رحلتِ رسولؐ اللہ کے بعد پیدا ہونے والے سیاسی حالات کا علم نہ تھا اور نہ اُنھیں اپنے مردوں کے موقف کا علم تھا۔ وہ صرف دخترِ نبیؐ کے پاس عیادت کے لیے حاضر ہوئی تھیں۔ اِس دوران خاتونِ جنت نے اُن سے خطاب کر کے تمام مسائل کی نشاندہی فرمائی۔

اِس تاریخی خطاب کے بعد ان عورتوں میں سے جب ہر عورت وہاں سے اُٹھی اگر وہ خوابیدہ حالت میں تھی تو اُس کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔ اگر کوئی اُن میں سے غافل تھی تو اُس کی غفلت دُور ہو گئی تھی۔

جب یہ خواتین واپس اپنے گھروں میں آئیں تو اُن کے مردوں اور اُن کے درمیان جو باتیں ہوئیں اُنھیں خدا ہی بہتر جانتا ہے، لیکن تاریخِ مدینہ گواہ ہے کہ ان خواتین کے مرد اپنے گھروں سے نکلے اور حضرت سیّدہ زہراؑ کے خانۂ اقدس کے دروازے پر پہنچے اور معذرت پیش کی۔

یہ لوگ کس چیز کے لیے معذرت کر رہے تھے؟ کیا اِس امر کی معذرت کر رہے تھے کہ اُنھوں نے خاندانِ وحی کی نصرت نہیں کی تھی؟ گویا کہ یہ لوگ کچھ جانتے نہ ہوں اور اِن احداث سے واقف ہی نہ ہوں گویا کہ اُنھوں نے یومِ غدیر حضرت علی علیہ السلام کی بیعت ہی نہیں کی تھی۔ یہ واقعہ رحلتِ پیغمبرؐ سے ستر دن قبل وقوع پذیر ہوا تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ اِن لوگوں نے مسجدِ نبویؐ میں سیّدہ عالمؑ کا خطبہ ہی نہیں سنا تھا۔

دخترِ پیغمبرؐ نے اپنے دروازے پر نالہ وفریاد بلند کیا تھا۔ اِن لوگوں کے اس عمل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ جاں سوز نالے نہیں سنے تھے یا ایسا لگتا ہے کہ یہ لوگ اُس وقت مدینہ منورہ میں موجود نہیں تھے۔ انھیں کسی بات کا علم ہی نہ تھا۔

جی ہاں! اب انھیں حقیقت حال کا علم ہوا ہے اس لیے معذرت کے لیے فوراً حاضر ہو گئے اور کہنے لگے: اے سیّدہ نساء العالمین! خدا کی قسم! ہماری اِس بیعت سے قبل اگر ابوالحسنؑ ہمیں بتا دیتے تو ہم ہرگز انھیں ایسے نہ چھوڑتے اور اُن کے غیر کی طرف نہ جاتے، یعنی اُنھی کی بیعت کرتے، کسی اور کی بیعت نہ کرتے۔

اے قاریٔ عزیز! آپ اِس معذرت کو دیکھیے جو ہر قسم کی منطق اور ہر مقیاس سے دُور ہے۔ میں نہیں جانتا کہ امام ابوالحسنؑ پر کون سا وظیفہ لازم تھا؟ اِن لوگوں کو وہ کیا بتاتے؟ کیا اُن کے سامنے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہ تھا:

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ ○ (سورۂ مائدہ: آیت ۵۵)

"تمھارا ولی فقط اللہ ہے اور اُس کا رسولؐ ہے اور وہ اہلِ ایمان ہیں، جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالتِ رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں"۔

کیا ان لوگوں نے غدیرِ خم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکوتی بلند آواز نہیں سنی تھی۔ آپؐ نے فرمایا تھا:

مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ وَانْصُرْ مَنْ نَصَرَهُ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَهُ

"جس کسی کا میں آقا وسردار ہوں اُسی کے علیؑ آقا وسردار ہیں۔ پھر آپؐ نے بارگاہِ خداوندی میں دعا کی تھی: "اے میرے اللہ! تو اُس سے محبت رکھ جو علیؑ سے محبت رکھے اور تو اُس سے دشمنی رکھ جو علیؑ سے دشمنی رکھے، تو اُس کی نصرت فرما جو علیؑ کی نصرت کرے اور تو اُس شخص کی نصرت سے ہاتھ کھینچ جو علیؑ کی نصرت ویاری سے اعراض کرے"۔

ان کے علاوہ امام علی علیہ السلام کے حق میں بہت سی آیات نازل ہوئیں۔ یہ تمام لوگ کئی بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے امام علی علیہ السلام کی تعریف وثنا سن چکے تھے۔ یہ تمام فرمودات اِس اَمر پر دال تھے کہ رسولؐ اللہ کی رحلت کے بعد اُن کے جانشین اور اُمت کے حاکم امام علی علیہ السلام ہیں۔

اب ان لوگوں کے سامنے امام علی علیہ السلام کس بات کا تذکرہ فرمائیں؟

کیا کوئی بات باقی رہ گئی تھی جو اِن لوگوں کو معلوم نہ تھی اور یہ لوگ نیازمند تھے کہ انھیں حقیقت حال کی خبر دی جائے؟

ٹھیک ہے اب ہم اس موضوع کو تمام کرتے ہیں۔ وہ دن کبھی بھلایا نہ جائے گا جب امام علی علیہ السلام کو مسجد نبوی میں پیش کیا گیا تھا۔ اُس وقت آپؑ نے مختلف انداز میں احتجاج کیا تھا۔ کیا آپؑ کا احتجاج اِن لوگوں نے نہیں سنا تھا؟ کیا یہ لوگ لاعلم تھے؟ کیا اِن لوگوں نے معاملے کو نہیں سمجھا تھا؟

اب اِن لوگوں کی عذر خواہی کو دیکھیے اور اُن کی گفتگو سنیے کہ کہنے لگے تھے: اِس بیعت سے قبل جو اَب ہم کر چکے ہیں امام علی علیہ السلام ذکر کرتے تو ہم کسی اور کی بیعت نہ کرتے بلکہ انھی کی بیعت کرتے۔

سبحان اللہ! کیا آپ لوگوں نے امام علی علیہ السلام سے عہد نہیں کیا تھا؟ کیا آپ لوگوں نے اللہ اور اُس کے رسولؐ کے حکم پر اُن کی خلافت پر بیعت نہیں کی تھی؟ سیدۂ عالم جو کچھ کہہ رہی تھیں کیا یہ حقیقت نہیں ہے؟

تعجب انگیز امر یہ ہے کہ آپ لوگوں نے اللہ اور اُس کے رسولؐ سے جو عہد کیا تھا پھر اُسے توڑ ڈالا۔ شاید ایسا کرنا آپ لوگوں کے نزدیک جائز تھا۔ جی اب تم لوگ اُن کے دروازے پر معذرت کے لیے آئے ہو، لیکن رسولِ اللہ کی دختر نے اِلَیْکُمْ عَنِّی کہہ کر تمھیں ہر بات کہنے سے روک دیا کہ اب مزید کوئی گنجائش نہیں رہی۔

فَلَا عُذْرَ بَعْدَ تَعْذِیْرِکُمْ، "تعذیر" کا معنی ہے عذر خواہی۔ اَلْمُعَذِّرْ کا معنی ہے "عذر والا" یعنی وہ واقعی معذور ہو اور اُس کا عذر قابلِ قبول ہو، لیکن حقیقت یہ نہیں ہے۔ خداوند تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِیُؤْذَنَ لَهُمْ (سورۂ توبہ: آیت ۹۰)

"اور کچھ عذر تراشنے والے صحرا نشین بھی آپ کے پاس آئے کہ انھیں بھی پیچھے رہ جانے کی اجازت دی جائے"۔

شاید بتولِ عذراؑ کا مقصود یہ ہو کہ تم لوگوں کا عذر صحیح نہیں ہے۔

وَلَا اَمْرَ بَعْدَ تَقْصِیْرِکُمْ

"جو موقف تم لوگوں نے اختیار کرلیا ہے اس کے بعد ہمارا تم سے کوئی تعلق نہیں رہا"۔

انھی الفاظ کے ساتھ سیدہ نساء العالمینؑ نے معذرت کرنے والوں کو اپنے گھر سے واپس کر دیا۔

خطبہ ملکوتی کے مصادر و منابع

اے قاریٔ کریم! گزشتہ اوقات کتنے پرافتخار ہیں کہ جو ہم نے آپ کے ساتھ بتول عذراؑ کے ملکوتی خطبات بیان کرنے میں صرف کیے ہیں۔ آپ نے وہ خطبہ جو سیّدہ عالمؑ نے مسجد نبویؐ میں بیان کیا تھا پڑھ لیا ہے۔ اُس کے بعد وہ خطاب جو سیّدہ زہراؑ نے خواتین مدینہ منورہ کو کیا تھا اُس کا مطالعہ بھی کرلیا ہے۔ اُمید ہے کہ آپ نے حقائق کی ایک بہت بڑی کثرت کو اپنے دل و دماغ میں سمیٹ لیا ہوگا۔

بتول معظمہؑ کا وہ خطبہ جو آپؑ نے مسجد نبویؐ میں پیش کیا تھا ہم نے اس خطبہ کے منابع اور مصادر رقم کردیے ہیں۔ اب اس مقام پر سیّدہ عالمؑ نے جو حالت مرض میں خطبہ دیا تھا اس کے مصادر پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ مندرجہ ذیل ہیں:

1. معانی الاخبار، شیخ صدوق (متوفی ۳۸۱ھ) اس تاریخی خطبہ کی سند حضرت فاطمہؑ بنت حضرت امام حسینؑ تک پہنچتی ہے۔
2. مذکورہ محقق بزرگوار ایک دوسری سند سے اس خطبہ کو حضرت امیرالمومنینؑ کے فرزند حضرت عمرؑ سے اور انھوں نے اپنے والد امام امیرالمومنین علیؑ سے سنا تھا۔
3. علامہ طبری نے اپنی کتاب "احتجاج" میں سوید بن غفلہ سے روایت کی ہے۔
4. شیخ طوسی نے اپنی اسناد کے ساتھ ابن عباسؓ سے روایت کی ہے۔
5. ابوفضل بن ابوطاہر نے بلاغات النساء میں اپنی اسناد کے ساتھ عطیہ عوفی سے روایت کی ہے۔
6. علامہ طبری نے دلائل الامامۃ میں اپنی اسناد کے ساتھ حضرت امام زین العابدینؑ سے روایت کیا ہے۔
7. علامہ اربلی نے کشف الغمہ، ص ۱۴۷ میں احمد بن عبدالعزیز جوہری کی کتاب سقیفہ سے روایت کی ہے۔
8. ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں جوہری کے حوالے سے نقل کیا ہے۔
9. عمر رضا کحالہ نے اپنی کتاب اعلام النساء، ج ۴، ص ۱۲۳ میں نقل کیا ہے۔
10. بحارالانوار، ج ۴۳ (علامہ مجلسی)

مہاجرین و انصار پر اتمامِ حجت

مناسب یہ ہے کہ ہم اس بحث کو اُس خطبہ سے قبل بیان کرتے جو خطبہ حضرت سیّدہ زہراؑ نے عیادت کرنے والی خواتین کو دیا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ خطبے سے قبل آپؑ کے خطبات کا بیان ہے۔ اسی چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے اس بحث کو خطبات کے آخر میں ذکر کیا اور تمام خطبات کا ذکر ایک ہی مقام پر کیا۔

یہ حقیقت ہے کہ حضرت امیرؑ نے ایک ایسے خط کو اپنا رکھا تھا جو حکمت و دانش، عقل و منطق اور شریعتِ خداوندی کے مطابق تھا۔ آپؑ کا مقصد یہ تھا کہ حق کا احقاق کریں اور اُمت پر اپنی مظلومیت ثابت کریں، تاکہ اتمامِ حجت ہوجائے۔ علاوہ ازیں آپؑ کا ہدف یہ بھی تھا کہ وہ اپنی مظلومیت کو ہمیشہ کے لیے تاریخ میں ثبت کرا دیں، تاکہ قیامت تک ہر زمانہ اور ہر نسل اُن کی مظلومیت کو یاد رکھے۔

یہ بات صحیح ہے کہ حضرت امام علیؑ نے اپنے اُوپر لازم قرار دیا کہ وہ لوگوں پر اتمامِ حجت کریں اور اُن پر واضح کردیں کہ اللہ اور اُس کے رسولؐ کی طرف سے خلافت کے وہ ہی وارث ہیں حالانکہ آپؑ بخوبی جانتے تھے کہ لوگ اُن کا ساتھ نہیں دیں گے۔ آپؑ نے اپنے اُوپر یہ بھی فرض سمجھا تھا کہ وہ لوگوں کو بتا دیں کہ جاگیر فدک رسولؐ اللہ کی ملکیت تھی۔

جی ہاں! حضرت امام علیؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شرعی خلیفہ تھے۔ چاہے لوگ اُنھیں قبول کریں یا نہ کریں۔ لوگ اُن کی اطاعت کریں یا نہ کریں۔ اسی طرح فدک بھی حضرت سیّدہ زہراؑ کی ملکیت تھا۔ لوگ اُنھیں اُن کا حق دیں یا نہ دیں۔

حضرت فاطمہ زہراؑ سیّدۃ الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دختر تھیں۔ وہ مشہور و معروف شخصیت کی مالکہ تھیں۔ وہ ایک ارفع و اعلیٰ مقام رکھتی تھیں۔ آپؑ نے اپنے شوہر نامدار کا حق و حقیقت کے اثبات اور اپنے حق کے مطالبے میں بھرپور ساتھ دیا۔ یہ مقامِ تعجب نہیں ہے کہ آپؑ اپنے حقوق کے لیے اپنے شوہر اور اپنے دونوں شہزادوں کے ہمراہ صحابہ کرام کے گھروں میں تشریف لے گئیں، تاکہ اتمامِ حجت ہوجائے تاکہ کل یہ لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ اُنھیں حقیقت کا علم نہیں تھا یا وہ نسیان کا شکار تھے۔ مزید یہ لوگ یہ کہہ نہ سکیں کہ امام علیؑ اُن کے پاس نہیں آئے تھے۔ اگر وہ آتے اور ہمیں حقائق بتاتے تو ہم حق و حقیقت کو قبول کر لیتے۔

اِنھی احوال کے پیشِ نظر امام علیؑ حضرت فاطمہ زہراؑ اور اپنے دونوں فرزندوں حسنین شریفینؑ کے ہمراہ

چالیس صبح اور شام صحابہ کرام کے گھروں کی طرف جاتے رہے۔ جب سیّدہ عالمؑ اپنے بابا کے کسی صحابی کے گھر میں تشریف لے جاتیں تو فرماتیں:

اے مہاجرین و انصارا اللہ اور اُس کے نبیؐ کی دختر کی نصرت کیجیے، کل جب تم لوگوں نے رسول اللہؐ کی بیعت کی تھی تو وہ بیعت اس لیے تھی کہ تم نے رسول اللہؐ کے خاندان کے حقوق کی حفاظت کرنا تھی اور اُن کا دفاع کرنا تھا۔ اب اُٹھیے اور جو عہدو پیمان رسول اللہؐ سے کیا تھا اُسے نبھایئے۔ اِس وقت ہمارے حقوق پامال کر دیے گئے ہیں اور ہماری نصرت کیجیے۔

جی ہاں! اِن لوگوں نے سیّدالانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دختر اور اُن کے اہلِ بیتؑ کی کوئی مدد نہ کی۔

سیّدہ عالمؑ مہاجرین و انصار پر اتمامِ حجت کرنے کے بعد حضرت معاذ بن جبلؓ کے گھر تشریف لے گئیں اور اُن سے فرمایا:

يَامَعَاذَ ابْنَ جَبَلْ! اِنِّیْ قَدْ جِئْتُكَ مُسْتَنْصِرَةً وَقَدْ بَايَعْتَ رَسُوْلَ اللهِ عَلٰی اَنْ تَنْصُرَهُ وَذُرِّيَّتَهُ وَتَمْنَعَهُ مِمَّا تَمْنَعُ مِنْهُ نَفْسَكَ وَذُرِّيَّتَكَ وَ اِنَّ...... غَصَبَنِیْ عَلٰی فَدَكٍ وَاَخْرَجَ وَكِيْلِیْ مِنْهَا[1]

"اے معاذ ابن جبلؓ! میں آپ کے پاس اس لیے آئی ہوں کہ آپ میری نصرت کیجیے۔ آپؓ نے رسول اللہؐ کی بیعت اس لیے کی تھی کہ آپ اُن کی اور اُن کی ذریت کی اس طرح مدد کریں جس طرح آپ اپنے حق اور اپنی ذریت کے لیے جدوجہد کرتے رہتے ہیں۔ میری ملکیت (جاگیر فدک) پر قبضہ کرلیا گیا ہے۔ میرے عامل کو بے دخل کردیا گیا ہے"۔

معاذ ابن جبلؓ نے آپؑ سے کہا: کیا میرے بغیر کوئی اور نہیں جو آپؑ کی مدد کرے؟

بتولِ عذراؑ نے فرمایا: نہیں میری کسی نے نصرت نہیں کی۔

معاذ بن جبلؓ نے کہا: میری نصرت سے آپؑ کو کیا حاصل ہوگا؟

یہ سن کر خاتونِ جنتؑ نے معاذ کے گھر کو چھوڑتے ہوئے فرمایا: خدا کی قسم! اب میں زندگی بھر آپ سے کوئی گفتگو نہیں کروں گی۔

---

[1] بحار: ج ۴۳، ص ۱۰۲، اختصاص مفید: ص ۱۷۸، کوکب دری: ج ۱، ص ۴۳، کتاب سلیم بن قیس: ص ۲۳۲۔

اس دوران معاذ کا بیٹا اپنے گھر میں داخل ہوا اور اُس نے اپنے باپ سے پوچھا: پیغمبرؐ خدا کی دختر نے آپ سے کون سی بات کی ہے؟

معاذ نے کہا: وہ میرے پاس اس لیے آئی تھیں کہ حکومت نے اُن کی جاگیر فدک پر قبضہ کرلیا ہے۔ اس معاملے میں ہم اُن کی مدد کریں۔

معاذ کے بیٹے نے کہا: آپ نے اُنھیں کیا جواب دیا ہے؟

معاذ نے کہا: یہ بات روشن ہے کہ میں نے اُنھیں کہا ہم آپ کے لیے کچھ نہیں کرسکتے۔

معاذ کے بیٹے نے کہا: ابا جان! آپ نے اُن کی نصرت سے انکار کردیا؟

معاذ نے کہا: ہاں، میں نے انکار کردیا۔

بیٹے نے کہا: دختر پیغمبرؐ نے چلتے وقت آپ سے کچھ کہا تھا؟

معاذ نے کہا: ہاں! اُنھوں نے کہا تھا کہ میں زندگی بھر آپ سے گفتگو نہیں کروں گی، یہاں تک کہ رسولؐ اللہ کی بارگاہ میں پہنچ جاؤں۔

یہ سن کر معاذ کے بیٹے نے اپنے باپ سے کہا: تو پھر میں بھی آپ سے زندگی بھر کوئی بات نہیں کروں گا۔

ابن قتیبہ دینوری نے اپنی کتاب ''الامامت والسیاست'' میں ص ۱۹ پر لکھا ہے کہ حضرت امام علی علیہ السلام حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کو سواری پر سوار کر کے رات کو انصار کے گھروں کی طرف گئے اور اُن سے نصرت طلب کی۔ اُن لوگوں نے دختر نبیؐ سے کہا: اب ہم لوگ بیعت کرچکے ہیں۔ اگر آپؑ کے شوہر اور ابن عم اُس سے پہلے ہمارے پاس آجاتے تو ہم اُن کی بیعت کرتے۔

یہ سن کر حضرت امام علی علیہ السلام نے فرمایا: کیا میرے لیے یہ ممکن تھا کہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بغیر کفن و دفن کے چھوڑ دیتا اور حکومت وسلطنت کے لیے لوگوں سے جھگڑا کرنے میں مصروف ہوتا؟

حضرت سیدہ زہرا علیہا السلام نے فرمایا: جو کچھ ابوالحسنؑ کے لیے ضروری تھا اُنھوں نے اُسے انجام دیا اور جو کچھ ان لوگوں نے کیا اللہ ہی اُن سے حساب لینے والا ہے۔

بتول عذراؑ اور بیت الاحزان

میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دختر اپنے بابا کی رحلت کے سوگ میں گریہ کریں اور لوگ اُن کے

معرِیہ کو اپنے سکون و آرام میں مخل جانیں۔

کیا ایک عورت جو اپنے گھر میں بیٹھی رہی ہو کیا اُس کا رونا لوگوں کے سکون کے سلب کا سبب ہوتا ہے؟ ان کا اضطراب بڑھتا ہے۔ اس سے ان کے سکھ چین میں خلل آتا ہے؟

لیکن اس مقام پر ہم اُس عظیم شخصیت کا تذکرہ کر رہے ہیں وہ شخصیت ایک غیر معمولی شخصیت تھی۔ وہ اپنے گھر میں اپنے عظیم بابا کے فراق میں دن رات اور صبح و شام گریاں کناں تھیں۔ وہ شخصیت رسولِ اعظم آخر کی دختر تھیں۔ وہ اپنے بابا رسولؐ اللہ کی جاں سوز رحلت میں سوگوار تھیں۔ وہ صبح و شام اُس ذات کو روتی تھیں جو اللہ کے حبیبؐ تھے۔ وہ اللہ کے آخری رسولؐ تھے، وہ صرف رسولؐ نہیں تھے، بلکہ سیّدالرسل تھے۔ انھی پر اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم کتاب نازل فرمائی تھی۔ اُس رسولؐ نے پوری انسانیت کو نجات کا درس دیا تھا اور انھیں جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر میدانِ نور میں لاکھڑا کیا تھا۔ وہ محسنِ اعظم تھے۔ انھی کی یاد میں انھی کی بیٹی حیران و پریشان تھی۔ اُن کے فراق نے اُن سے ہر قسم کا آرام و سکون چھین لیا تھا۔ حق تو یہ تھا کہ جب بیٹی رو رہی ہیں تو مدینہ منظرہ کے تمام لوگوں کو کم از کم اپنے نبیؐ کی بیٹی کے گریہ سے غم زدہ ہونا چاہیے تھا۔

نہایت ہی افسوس سے نقل کرنا پڑتا ہے کہ مدینہ منورہ کے کچھ شیوخ حضرت امیرالمومنینؑ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور اُن سے کہا: علیؑ جان! بات یہ ہے کہ رسولؐ اللہ کی دختر فرزانہ شب و روز سوگوار اور گریہ و کناں ہیں۔ اُن کے مسلسل رونے سے ہمارا سکھ چین جاتا رہا ہے۔ ہماری استراحت اور راتوں کی نیند ختم ہو کر رہ گئی ہے۔ علاوہ ازیں کام کاج کے لحاظ سے ہمارے دن بھی متاثر ہوتے ہیں، ہم اس لیے آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ آپؑ نبیؐ کی دختر سے کہیں کہ وہ دن کو روئیں یا رات کو، تاکہ ہم آرام و سکون کر سکیں۔

حضرت امیر علیہ السلام اپنے گھر تشریف لائے اور بتولِ عذراؑ کو مدینہ منورہ کے سال خوردہ لوگوں کا پیغام دیا، حالانکہ دختر پیغمبرؐ سوگ و گریہ میں مصروف تھیں۔ اُن کا گریہ بند ہوتا تھا اور نہ اُن پر تسلیوں کا اثر ہوتا تھا۔ جب اُنھوں نے حضرت امیر علیہ السلام کو دیکھا تو خاموش ہو گئیں۔

اس دوران حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا: فاطمہؑ جان! مدینہ کے کچھ سال خوردہ لوگ میرے پاس آئے ہیں اور اُنھوں نے مجھ سے کہا ہے کہ آپؑ نبیؐ کی دختر سے کہیں کہ وہ خورشیدِ رسالتؐ کے سوگ میں دن کو گریہ کریں یا رات کو۔ ان دو میں سے کسی کا انتخاب کیجیے۔

یہ سن کر سیّدہ عالمؑ نے فرمایا: اب ان لوگوں میں میری زندگی کے ایام بہت کم رہ گئے ہیں۔ میں بہت جلد اس

دنیا سے رخصت ہو جانے والی ہوں۔ خدا کی قسم! اب میں اپنے پدر بزرگوار کے فراق میں شبانہ روز گریہ کرتی رہوں گی، یہاں تک کہ میں اپنے بابا رسولؐ اللہ سے ملحق ہو جاؤں۔

حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا: آپ کا جس طرح جی چاہے آپؑ اُسی طرح کریں۔

جی ہاں! شیوخ مدینہ سیدالانبیا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق سے واقف نہ تھے اور نہ آپؐ کی قدر و منزلت جانتے تھے۔ اگر وہ آپؐ کے حقوق اور آپؐ کے فضائل سے آگاہ ہوتے تو وہ آپؐ کی دختر وحیدہ کے ساتھ رسولؐ اللہ کے سوگ میں گریہ کرتے اور وہ اس عظیم ہستی کے فراق میں آنسو بہاتے۔

اے کاش! اگر یہ لوگ رسولِ اعظمؐ کی جاں سوز رحلت پر اُن کی بیٹی کے گریہ و زاری میں ہم کاری و ہم دلی نہیں کر سکتے تھے تو اُنھیں بتول عذراؑ کے گریہ پر کم از کم خاموش تو رہنا چاہیے تھا اور اُن کے پاس اس لیے نہ آتے کہ آپؑ رات کو روئیں یا دن کو۔

لیکن یہ لوگ معذور تھے کیونکہ زمانے کی سیاست نے اُنھیں مجبور کیا تھا کہ وہ حبیبۂ رسولؐ اللہ کو سیدالانبیا پر رونے سے منع کریں۔ بضعۂ رسولؐ اللہ کو حق حاصل تھا کہ وہ اس فاجعۂ غم گین پر گریہ کریں اور سیاست کاروں کو اُن کے اہداف تک نہ پہنچنے دیں۔

انھی اسباب کے پیشِ نظر حضرت امیر علیہ السلام نے مدینہ منورہ سے باہر ایک گھر بنایا جسے بیت الحزن کا نام دیا گیا۔ جب صبح ہوتی تھی تو سرتاج انبیاؐ کی دختر اپنے دونوں چھوٹے شہزادوں (حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ) کے ہمراہ گریاں صورت میں بیت الحزن کی طرف تشریف لے جاتیں اور وہاں آپؑ غروبِ آفتاب تک آنسو بہاتی رہتیں اور سوگواری میں رہتیں۔ غروبِ آفتاب کے وقت حضرت امیر علیہ السلام اُنھیں اور اپنے دونوں شہزادوں کو واپس گھر لے آتے۔

جی ہاں! امیرالمومنین حضرت امام علی علیہ السلام نے مدینہ سے باہر جنت البقیع کے قریب ایک حجرہ بنایا تھا، تاکہ سیدہ نساء العالمینؑ وہیں اپنے بابا کے فراق میں سوگوار رہیں، تاکہ جو لوگ اُن کے گریہ سے بے آرام و بے سکون تھے وہ راحت و چین کے آغوش میں آجائیں اور وہ ہر قسم کے رنج و آزار سے دُور رہ کر اپنے استراحتی بستروں پر گہری اور میٹھی نیند کے مزے لیں۔

لیکن کچھ ایسے شعراء بھی گزرے ہیں، جنھوں نے خاندانِ وحی کی اس عظیم مصیبت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اُن میں سے ایک شاعر نے اپنے درد کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے:

مَنَعُوا الْبَتُوْلَ عَنِ النِّيَاحَةِ اِذْ غَدَتْ يَبْكِیْ اَبَاهَا لَيْلَهَا وَنَهَارَهَا قَالُوْا لَهَا! قَرِّیْ فَقَدْ

اَذَیْتَنَا ۔ اَنِّیْ وَقَدْ سَلَبَ الْمُصَابُ قَرَارَھَا۔

"اُن لوگوں نے سیدالانبیاؐ کی دُختر کو اپنے والد گرامی پر گریہ کرنے سے منع کیا، کیونکہ وہ اپنے بابا کے فراق میں شبانہ روز روتی تھیں۔ اُن لوگوں نے اُن سے کہا تھا: آپؑ ہمارے لیے باعثِ اذیت و آزار و نہ بنیں، لیکن سوال یہ ہے کہ وہ کیوں نہ روئیں؟ مصائب و آلام نے اُن کا سکون سلب کرلیا تھا۔ اِس لیے وہ غم و اَحزان سے بے قرار و بے چین تھیں"۔

ایک اور شاعر کہتے ہیں ؎

وَالْقَائِلِیْنَ لِفَاطِمْ اَذَیْتَنَا مِنْ طُوْلِ نَوحٍ دَائِمٍ وَحَنِیْنٍ

"ان لوگوں نے بتول معظمہؑ سے کہا تھا آپؑ کے اپنے بابا رسولؐ اللہ پر طولانی نالہ وفریاد نے ہمیں اذیت و آزار سے دوچار کر دیا ہے"۔

جی ہاں! ہمارے ایک عالم دین آیت اللہ علامہ سیّد باقر ہندیؒ نے عالمِ خواب میں حضرت امام مہدی منتظر علیہ السلام کو دیکھا تھا۔ اُنھوں نے اِس مصیبت کی طرف ان الفاظ میں بیان فرمایا۔

أَتُرَانِیْ اِتَّخَذْتَ لَا وَعَلَاهَا بَعْدَ بَیْتِ الْاَحْزَانِ بَیْتَ سُرُوْرٍ

"کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں نے اپنے والدہ گرامی حضرت فاطمہ زہراؑ کے بیت الاحزان کے بعد شادی و شادمانی کا گھر اپنایا ہوا ہے۔ نہیں ایسا نہیں ہوسکتا۔ اُن کے مصائب و آلام اور اُن کی عظمت میرے سامنے ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا"۔

سیّدہ عالمؑ اور آخری ایام

اُن کے مصائب و آلام پر قلوب افسردہ ہیں۔ اُن کے شکوہ بار شباب پر افسوس ہے۔ اُن کے مصائب و الام پر افسوس ہے۔ اُن کے شعلہ وَر اور پُرغم دل پر افسوس ہے۔ اُن کے شکستہ پہلو پر افسوس ہے۔ ہائے اوج شباب اور بستر بیماری!

سیّدہ عالمؑ کو ناتوانیوں نے گھیر لیا تھا۔ آپ کی جوانی پر مصائب و آلام نے ہجوم کرلیا تھا۔

رحلتِ پیغمبرؐ کے بعد پیدا ہونے والی سیاست نے اُن کی ہر خوشی و مسرت کو چھین لیا تھا۔ آپؑ کے ضوفشاں چہرے پر افسردگی چھا چکی تھی۔ آپؑ ہر قسم کے علاج و دوا سے بے نیاز ہوچکی تھیں۔ آپؑ اس فانی اور تیرہ و تاریک دنیا

سے بیزار ہوچکی تھیں۔

جی ہاں! آپؑ عالمِ ملکوت کی طرف پرواز کرنے کے لیے گھڑیاں شمار کر رہی تھیں۔ آپؑ اس ظالم اور تجاوز کار دنیا سے نجات کے انتظار میں تھیں۔ آپؑ کی آرزو تھی کہ فوراً اپنے پدرِ گراں مایہ، مقتدیٰ اور محبوب پیغمبرؐ خدا سے ملحق ہو جائیں۔

آپؑ کی تمنا تھی کہ اُن کے وجود کا خورشید جہاں افروز اُفقِ مغرب میں جلد غروب ہو جائے۔

جی ہاں! قریب تھا کہ شمعِ محفلِ رسالت خاموش ہو جائے، کیونکہ دنیا آپؑ پر تنگ اور سخت ہو چکی تھی۔ اُن کی نگاہوں کا مرکز اُن کے شوہر نامدار تھے جو اپنے گھر میں گوشہ نشین کر دیے گئے تھے۔ اُن کے تمام حقوق و امکانات سلب ہو چکے تھے۔ کبھی اُن کی نگاہیں اپنے اَملاک کی طرف اُٹھتیں جنھیں غصب کر لیا گیا تھا۔ اُنھوں نے استغاثہ بلند کیا تھا، لیکن اُنھیں کسی نے جواب نہیں دیا تھا۔ اُنھوں نے نصرت طلبی کی تھی، لیکن کسی نے اُن کی نصرت نہیں کی تھی۔ جب اُنھوں نے اپنے والدِ گرامی سیّدالانبیاءؐ پر رونا شروع کیا تو لوگوں نے روک دیا۔ آپؑ کے بابا اشرف الآبا تھے۔ دن کو رویئے یا رات کو رویئے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جب سیّدہ عالمؑ صاحبِ فراش تھیں تو اُن کی دعا یہ تھی:

يَا حَيُّ يَاقَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ فَاَغِثْنِيْ اَللّٰهُمَّ زَحْزِحْنِيْ عَنِ النَّارِ وَادْخِلْنِي الْجَنَّةَ وَالْحِقْنِيْ بِاَبِيْ مُحَمَّدٍ

"اے حی و قیوم! بادشاہا! تیری رحمت کے دامن میں پناہ لینا چاہتی ہوں۔ مجھے پناہ دے دے! خدایا! مجھ سے جس طرح وعدہ فرمایا ہے مجھے نارِ جہنم سے دُور رکھ، اور مجھے اپنی جنت میں داخل فرما اور مجھے جلد میرے بابا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملحق فرما"۔

جس وقت حضرت امیر علیہ السلام نے آپؑ سے فرمایا تھا:

عَافَاكِ اللهُ وَاَبْقَاكِ

"خداوندتعالیٰ آپؑ کو صحت و سلامتی عطا فرمائے گا اور طولانی عمر عطا کرے گا"۔

آپؑ نے فرمایا تھا:

يَا اَبَا الْحَسَنِ مَا اَسْرَعَ اللِّحَاقُ بِرَسُوْلِ اللهِ "اے ابوالحسنؑ! رسول اللہؐ سے الحاق کس قدر جلد ہونے والا ہے"۔ (دلائل الامامت ابن جریر: ص ۴۳، بحارالانوار: ج ۴۳، ص ۲۱۷)

چوتھے امام نور حضرت امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں:

میں نے اپنے والد گرامی حضرت امام حسین علیہ السلام سے سنا اور انھوں نے فرمایا: جب میری والدہ گرامی حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا صاحب فراش ہوئیں تو انھوں نے میرے بابا حضرت امیر علیہ السلام سے وصیت فرمائی تھی کہ وہ اُن کے مرض کو مخفی رکھیں گے اور کسی کو مطلع نہیں کریں گے۔ آپؑ نے اُن کی وصیت پر عمل کیا اور کسی کو اطلاع نہ دی۔ آپؑ خود اُن کی عیادت کرتے تھے۔ اقرباء میں سے صرف حضرت اسماء بنت عمیس آپؑ کی عیادت میں پیش پیش تھیں۔
(بحار الانوار، ص ۴۳)

اِس حدیث سے اِس بات کا استفادہ ہوتا ہے کہ رحلت سرتاج انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حالات نے کچھ اس طرح پلٹا کھایا تھا کہ سیدالانبیاؐ کی دختر پر اس معاشرے میں زندگی بسر کرنا بھاری ہو گیا تھا۔ دن بہ دن آپؑ کے کرب و اَلم میں اضافہ ہونے لگا جس سے آپؑ کا قلب مبارک زخمی تھا۔ گذشتہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ لوگوں نے پیغمبرؐ خدا کی بیٹی کے موقف کا کس صورت میں استقبال کیا تھا۔ یہ وہ اسباب تھے کہ جن کی وجہ سے نبیؐ کی بیٹی پر یہ دنیا باوجود اپنی وسعت کے تنگ ہو کر رہ گئی تھی۔ آپؑ کے قلب و جگر پر مصائب و آلام کی اندھیریاں چلنے لگی تھیں جس کی وجہ سے آپؑ جسمانی صورت میں ناتواں ہونے لگیں اور آخرکار آپؑ صاحب فراش ہو کر رہ گئیں۔ آپؑ کی فراشی کسی علاج معالجے کی نیاز مند نہ تھی، کیونکہ آپؑ کو وہ غم و آلام لاحق تھے کہ جن کا طول زمان میں کوئی علاج نہ تھا۔

جی ہاں! جب ایک انسان کسی معاشرہ سے آزردہ خاطر ہوتا ہے تو وہ اس سے کنارہ کش ہو جاتا ہے اور گوشہ نشینی اختیار کر لیتا ہے حالانکہ وہ اس سے قبل اِسی معاشرے کا حصّہ ہوتا ہے اور اُس سے مانوس و مالوف ہوتا ہے لیکن معاشرتی آزردگی اور دل آزاری کی وجہ سے اِسی معاشرے سے اِنقطاع کر لیتا ہے۔ وہ کسی سے ملاقات کرنا چاہتا ہے اور نہ کسی سے گفتگو کرنا چاہتا ہے۔

اِسی صورت میں اگر کوئی انسان اپنے اَقارب سے جفائیں دیکھنے لگ جائے تو وہ اُنھیں دیکھنا بھی برداشت نہیں کرتا، چہ جائیکہ اُن سے بات چیت کرے۔ ایسا انسان زندگی سے اُکتا جاتا ہے اور وہ موت کو ترجیح دینے لگتا ہے، تاکہ وہ اہلِ جفا و قساوت سے نجات حاصل کر کے راحت حاصل کرے۔

یہی وہ اسباب تھے کہ جن کی بنا پر بضعۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تیمارداری و پرستاری کے لیے صرف اپنے شوہر نامدار کا انتخاب کیا۔ جی ہاں! یہ کوئی نہیں جانتا کہ حضرت امام علی علیہ السلام نے سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دختر کی عیادت اور اُن کی تیمارداری کس طرح کی؟ کیا حضرت امیر علیہ السلام اُن کے لیے ایسی غذا تیار کر لیتے تھے جو ایک مریض کے لیے

ضروری ہوتی ہے؟ علاوہ ازیں حضرت امیر علیہ السلام نے اُمورِ خانہ داری کس طرح نبھائے۔ یہ خاندانِ وحی کے خانۂ اقدس کی بات ہے، گھر والے ہی خوب جانتے ہیں۔ گھر سے باہر والوں کا کچھ کا پتا نہیں ہوتا؟ لیکن اِن تمام حالات میں حضرت اسماء بنت عمیس کو بتولِ عذراؑ کی عیادت میں شرفِ تعاون حاصل رہا۔ شاید اُن کا اس عمل میں انتخاب اس لیے کیا گیا ہو کہ رسول اللہؐ کی دختر سیدہ نساء العالمین اور اُن کے درمیان محبت وعقیدت کا مضبوط رشتہ وعلاقہ تھا جس کے پیش نظر وہ ایک دوسرے کے بہت زیادہ قریب تھیں۔ چونکہ حضرت اسماء بنت عمیس حضرت جعفر طیارؓ کی زوجہ رہ چکی تھیں اس لیے آپ کو خاندانِ بنو ہاشم میں شمار کیا جاتا تھا۔

علاوہ ازیں حضرت اسماء خدا ترس خاتون تھیں۔ آپ کے پہلو میں انسانیت سے محبت رکھنے والا دل دھڑکتا تھا۔ آپ کے خمیر میں وفا کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپ کو دوسرے لوگوں کے حقوق کا بہت خیال رہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُنھیں اپنے فیضِ خاص سے عقل کی دولت سے مالا مال کر رکھا تھا۔ آپ شائستہ اَخلاق کی مالکہ تھیں۔ اُنھیں خاندانِ وحی سے عشق تھا۔ اسی لیے سیدہ نساء العالمینؑ کو آپ سے بے پناہ محبت تھی۔ جب جنگِ موتہ ہوئی اور اس جنگ میں حضرت جعفر طیارؓ نے شہادت کی سعادت حاصل کی۔ جب اُن کی شہادت کی جاں سوز خبر رسول اللہؐ کو ملی تو آپؐ کی آنکھوں سے سیلابِ اَشک رواں دواں ہوئے۔ آپؐ کو دیکھ کر تمام صحابہ کرامؓ بھی پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ جب یہ خبر پیغمبرِ اسلام کے خانۂ اقدس میں پہنچی تو تمام ہاشمیات نے اُن کے سوگ میں صفِ ماتم بچھائی۔

سیدالانبیاءؐ حضرت جعفر طیارؓ کے گھر تشریف لائے تو آپؐ نے اُن کی زوجہ محترمہ حضرت اسماء اور اُن کے بیٹوں کی دلداری فرمائی۔ آپؐ نے حضرت جعفر طیارؓ کے بیٹوں کو اپنے پاس بلایا اور اُن کے سروں پر مہر ومحبت سے لبریز پُرشفقت ہاتھ رکھا اور اُنھیں اپنے سینۂ اَقدس سے لگایا۔ جب حضرت اسماء کی نگاہ رسول اللہؐ کے اس سلوک ورفتار پر پڑی تو سمجھ لیا شاید کوئی مصیبت آن پڑی ہے۔ فوراً سیدالانبیاؐ سے پوچھا: کیا جعفرؓ کے بارے میں کوئی خبر ہے۔

یہ سن کر حبیبِؐ خدا شدت کے ساتھ رونے لگے اور حضرت اسماء سے فرمایا: اے میری بیٹی! جعفرؓ اپنے اللہ کی بارگاہ میں چلے گئے ہیں۔ اُنھوں نے تحریکِ اسلامی کی ترویج وتبلیغ پر اپنی جان قربان کردی ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت اسماء کی چیخیں نکل گئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی دُختر فرزانہ کے گھر تشریف لائے اور اُن سے فرمایا: اے میری دُختر! حضرت جعفرؓ کے بچوں کے لیے کھانا تیار کیجیے، کیونکہ وہ گریہ وسوگواری میں مصروف ہیں۔ سیدۂ عالمؑ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے کھانا تیار کیا، روٹیاں بنائیں۔ یہ کھانا اور کھجوریں اُن کے گھر بھجوا دیں۔

تعجب انگیز بات یہ ہے کہ حضرت آمنہؑ کے لال نے حضرت جعفر طیارؓ کے بچوں کا کھانا اپنی دختر کے ذمہ لگایا۔ آپؐ اپنی ازواج میں سے کسی سے کہہ سکتے تھے یا کسی اور سے فرما سکتے تھے لیکن آپؐ نے اس سعادت سے اپنی بیٹی کو نوازا، کیونکہ حضرت اسماء خاندانِ وحی سے محبت رکھتی تھیں، اُن کی اس خاندان سے خدمات وابستہ تھیں، اس لیے حضرت عبداللہؑ کے عظیم فرزند نے اپنی دختر فرزانہ سے فرمایا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے کھانا تیار کریں اور شہید اسلام حضرت جعفر طیارؓ کے گھر پہنچائیں۔

اسی کتاب کے اوّلین حصے میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ جب ملیکۃ العرب حضرت خدیجہ کا وقتِ رحلت قریب تھا تو اُس وقت یہی خاتون حضرت اسماء اُن کے ہاں موجود تھیں۔

آپ یہ بھی پڑھ چکے ہیں کہ جب حضرت سیّدہ زہراؑ کا حضرت امام علی علیہ السلام کے ساتھ عقد ہوا تھا تو اس وقت بھی آپ حاضر تھیں۔ آپؓ نے اس ملکوتی جوڑے کی شادی کے تمام اُمور میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا تھا۔ جس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام کی ولادت ہوئی تھی تو اُس وقت بھی آپ نے ولادت کے مراحل کے اُمور میں حصّہ لیا تھا۔

اس بانوئے اسلام نے اپنے جری و بہادر شوہر حضرت جعفر طیارؓ کی دردناک شہادت کے بعد حضرت ابوبکرؓ سے عقد کر لیا تھا، لیکن پھر بھی آپ کی محبتوں اور عقیدتوں کا مرکز خاندانِ وحی رہا۔ آپ نے اپنی خدمات کا سلسلہ جاری رکھا اور اس میں کسی قسم کی کمی نہ آنے دی۔

رحلتِ پیغمبرؐ کے بعد کے حالات نے آپ پر کسی قسم کا اثر نہیں چھوڑا۔ آپ نے ابھی پڑھا ہے کہ بتولِ معظمہؑ کی حالتِ مرض میں آپ برابر اُن کی تیمارداری کرتی رہیں، لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اُنھیں گھر سے اجازت مل جاتی تھی کہ وہ سیّدہ عالمؑ کے گھر جا کر اُن کی عیادت کریں۔ اس بارے میں تاریخ خاموش ہے۔

جی ہاں! رسولؐ اللہ کی بیٹی کو آپ کی ذات سے بے پناہ اُنس و علاقہ تھا۔ اس بانوئے اسلام کے ساتھ معاشرت میں آپ کو سکون ملتا تھا۔ آپ سے رنج و غم کا بوجھ ہلکا ہو جاتا تھا۔ حضرت سیّدہ زہراؑ اُنھیں ایک بہن کی طرح سمجھتی تھیں۔ حضرت اسماء آپؑ کی محبتوں کا مرکز تھیں اور اُنھیں آپ کی بارگاہ میں قربِ خاص حاصل تھا۔

اسی طرح دن گزر رہے تھے کہ ایک دن بضعۂ رسولؐ نے حضرت اسماء سے بات کی: اے اسماء! مجھے آپ سے ایک کام ہے۔ میری بات غور سے سنیے اور اس میں خوب غور کیجیے۔ آپؑ نے اسماء سے فرمایا: اے اسماء! میں اب کیا کروں میرے جسم کی ہڈیاں نکل آئی ہیں اور میرے جسم کی جلد اُن پر چسپاں ہو کر رہ گئی ہے۔

شیخ طوسی نے تہذیب میں روایت کی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: سیّدہ عالمؑ نے حضرت اسماء

سے فرمایا: اب میں بہت کمزور ہوگئی ہوں اور جب میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں کیا کوئی ایسی چیز ہے کہ جو میرے جسم کو چھپا دے اور اس طرح میرا بدن لوگوں کی نگاہوں سے محفوظ رہے؟

حضرت اسماء نے جواب دیا: جی ہاں! جن دنوں میں ملکِ حبشہ میں تھی تو میں نے وہاں کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ لوگ لکڑی کا تابوت بناتے تھے۔ میت کو اس تابوت کے اندر لٹا دیتے تھے اور اس پر کپڑا ڈال دیتے تھے۔ کیا وہ تابوت آپ کو بنا کر دکھاؤں؟ اگر آپؑ کو پسند ہو تو آپؑ کی اجازت پر ایسا تابوت بنا دیں گے۔ خداوند تعالیٰ آپؑ کی زندگی دراز کرے اور آپؑ کا سایہ ہمارے سروں پر باقی رہے۔

حضرت سیّدہ عالمؑ نے فرمایا: جی ہاں۔

حضرت اسماء نے لکڑی کا تابوت بنایا اور پھر اس پر کپڑا ڈال دیا۔

خاتونِ جنت نے فرمایا: میرے لیے اس طرح کا تابوت بنانا اور میرے بدن کو اس میں چھپا دینا خداوند تعالیٰ آپ کو جہنم کی آگ سے محفوظ رکھے۔

کتاب استیعاب میں روایت ہے کہ اس تابوت کو دیکھ کر حضرت فاطمہ زہراؑ نے فرمایا: یہ کس قدر خوب ہے کہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ اس میں مرد ہے یا عورت ہے۔

ایک روایت میں ہے حضرت فاطمہ زہراؑ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد کسی نے مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا لیکن جب آپؑ کے حضور حضرت اسماء نے تابوت بنایا تو آپؑ نے مسکرا دیا۔

ناسازیٔ طبیعت کے اسباب

حالانکہ سیّدہ نساء العالمینؑ نے اپنے مرض کو مخفی رکھنے کی کوشش کی تھی۔ اس امر کی سفارش بھی کی تھی کہ اُن کے مرض کے بارے میں کسی کو علم نہ ہو، لیکن آپؑ کی بیماری کی خبر پورے مدینہ منورہ میں پھیل گئی تھی۔

کہا گیا ہے کہ بتولِ معظمہؑ نے کبھی اپنے مرض کی شکایت نہیں کی تھی، لیکن وہ عامل جس سے آپؑ رنجیدہ خاطر تھیں اور جس نے آپؑ کے پیکرِ نازنین کو آب آب کر دیا تھا وہ سیاسی اَحوال تھے کہ جس کی وجہ سے آپ صاحبِ فراش ہو کر رہ گئی تھیں۔

رحلتِ پیغمبرؐ کا صدمہ آپؑ کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ اُن کے فراق میں مسلسل رونے سے آپؑ کا مبارک بدن گھل کر رہ گیا تھا۔ اس کی وجہ سے آپؑ کے خورشید جہان افروز کی شادابی و طراوت جاتی رہی تھی۔ بعض لوگوں سے

آپ کو جو دکھ پہنچے تھے اُنھوں نے آپ سے ہر قسم کا سکھ چھین لیا تھا۔ انقلابِ زمانہ، تبدلِ اَحوال اور تغیر اَوضاعِ سیاسیہ نے آپ کو بہت زیادہ متاثر کیا تھا۔

وہ حادثہ جو آپ کے لیے ناقابلِ فراموش تھا۔ جب لوگوں نے آپؑ کے دروازے پر ہجوم کیا تھا اور آپؑ اپنے دروازے کے پیچھے کھڑی ہوئی تھیں کہ اچانک بیرونی خلفشار سے دروازہ کھلا تھا اور آپؑ دیوار اور دروازے کے درمیان آگئی تھیں جس سے آپؑ کا پہلو زخمی ہوا تھا اور آپؑ کے بچے کا سقط ہوا تھا۔

اس دردناک واقعے کے بعد آپؑ کے طاہر بدن پر کوڑے برسائے گئے تھے۔ یہ وہ تمام اسباب تھے کہ جن کی وجہ سے آپؑ صاحبِ فراش رہ کر اِس دنیا سے رحلت کر کے بارگاہِ خداوندی میں جا پہنچی تھیں۔

ایک اور عیادت

حکومتی افراد کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی بیٹی کی ناراضگی کی بات ہر سُو پھیل چکی تھی۔ اِن لوگوں کے سامنے انسانی اور بشری حقوق کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ آلِ رسولؐ کے حق میں جو آیات نازل ہوئی تھیں وہ اِن لوگوں نے بھلا دی تھیں۔ اُنھوں نے سیدالانبیاؐ سے اُن کی آل کے بارے میں جو اَحادیث سنی تھیں اُن سے انکار کر دیا تھا۔

آہستہ آہستہ لوگوں کو حقائق سے آگاہی ہونے لگی اور اُن کے قلوب میں حکومت کے لیے وہ جگہ نہ رہی جو پہلے تھی۔ جب اُنھی کیفیات کو حکومت نے دیکھا تو اُسے خیال آیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی دختر کے پاس جا کر معذرت پیش کرے اور جو کچھ اُس نے دخترِ پیغمبرؐ کے حق میں کیا تھا وہ ہمیشہ کے لیے بھلا دیا جائے۔ اُنھوں نے اِس امر میں خوب غور و خوض کیا۔

جی ہاں! ہم اپنے زمانے میں اکثر ایسا دیکھتے ہیں کہ جب کچھ لوگ بے گناہ لوگوں پر مظالم ڈھاتے ہیں، اُن کے حقوق غصب کرتے ہیں، اُن کی اہانت اور توہین کرتے ہیں تو پھر وہی لوگ اُن مظلوموں کے پاس آتے ہیں اور اُن سے معافی مانگتے ہیں۔ اپنے اس عمل سے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اُنھوں نے اس اعتذار و معذرت سے اپنا نامۂ اعمال دھو ڈالا ہے۔ لیکن سیدالانبیاءؐ کی بیٹیؑ اِن تمام اُسلوبوں کو خوب جانتی تھیں۔

ابنِ قتیبہ نے اِس واقعہ کو اپنی کتاب الامامت والسیاست، ج ۱، ص ۴ پر کچھ اس طرح نقل کیا ہے اور اُسی کی طرح صاحبِ اعلام النساء، ج ۳، ص ۱۲۱۴ نے بھی لکھا ہے کہ ایک دوست اپنے دوسرے دوست کے پاس آیا اور اُس نے کہا کہ ہم نے اللہ کے نبیؐ کی دختر کو ناراض کیا ہے۔ آیئے اُن کے پاس چلتے ہیں۔ یہ لوگ سیدہ نساء العالمینؑ کے

دروازے پر آئے کہ وہ اُن کی عیادت کرنا چاہتے ہیں، لیکن سیدہؑ نے انھیں اجازت نہ دی۔ آخر حضرت امیر علیہ السلام کے پاس آتے، اُن سے بات کی اور وہ انھیں اپنے گھر میں لے آئے۔ جب وہ سیدہ عالمؑ کے قریب آئے تو انھوں نے اپنا رُخ انور دیوار کی طرف کرلیا۔ ان لوگوں نے سلام کیا۔ خاتونِ جنت نے انھیں سلام کا جواب نہ دیا۔

ان میں سے ایک دوست نے یوں بات کی: اے حبیبۂ رسولؐ خدا! خدا کی قسم! رسولؐ اللہ کے قریبی مجھے اپنے قریبیوں سے زیادہ محبوب ہیں۔ آپؑ کی ذات مجھے اپنی بیٹی سے زیادہ عزیز ہے۔ جس دن آپؑ کے والدگرامی اس دنیا سے رخصت ہوئے ہیں اے کاش! میں اُس دن مرجاتا، اُن کے بعد زندہ نہ رہتا، کیا آپؑ کا یہ خیال ہے کہ میں آپؑ کے حقوق کو نہیں جانتا اور آپؑ کی قدر و منزلت سے واقف نہیں ہوں۔ کیا میں آپؑ کے اُن حقوق کو جو آپؑ کو آپؑ کے بابا سے ملے ہیں اُنھیں آپؑ سے روک سکتا تھا؟

لیکن اصل بات یہ ہے کہ میں نے آپؑ کے والد گرامی سے سنا تھا کہ ہم پیغمبروںؑ کا گروہ اپنی رحلت کے بعد اپنی کوئی میراث نہیں چھوڑتے، جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتی ہے۔

سیدہ عالمؑ نے فرمایا: میں آپؑ کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث بیان کرتی ہوں اُسے پہچانیے اور اُس پر عمل کیجیے۔

ان دونوں صاحبان نے کہا: جی ہاں، آپؑ بیان کیجیے۔

حضرت فاطمہؑ نے فرمایا: میں آپ دونوں کو قسم دیتی ہوں کیا آپ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حدیث نہیں سنی تھی آپؐ نے فرمایا تھا:

> رِضَا فَاطِمَةُ مِنْ رِضَایَ وَسَخَطُ فَاطِمَةُ مِنْ سُخْطِیْ، فَمَنْ اَحَبَّ فَاطِمَةَ اِبْنَتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ، وَمَنْ اَرْضٰی فَقَدْ اَرْضَانِیْ، وَمَنْ اَسْخَطَ فَاطِمَةَ فَقَدْ اَسْخَطَنِیْ؟
>
> "فاطمہؑ کی خوش نودی میری خوش نودی ہے۔ اُن کی ناراضگی میری ناراضگی ہے، جس کسی نے میری بیٹی فاطمہؑ کو دوست رکھا اُس نے مجھے دوست رکھا، جس کسی نے انھیں خوش کیا اُس نے مجھے خوش کیا اور جس کسی نے فاطمہؑ کو ناراض کیا اُس نے مجھے ناراض کیا"۔

کیا یہ روایت صحیح ہے اسے آپ نے سنا تھا؟

ان دونوں نے کہا: جی ہاں، ہم نے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی تھی۔

حضرت فاطمہؑ نے فرمایا: میں اللہ اور اُس کے ملائکہ کی قسم اُٹھاتی ہوں تم لوگوں نے مجھے ناراض کیا ہے، مجھے

خوش نہیں رکھا۔ جب میں رسولؐ اللہ سے ملاقات کروں گی تو اُن کی بارگاہ میں تم دونوں کی شکایت کروں گی۔

اُن میں سے ایک صاحب نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی اور اے فاطمہؑ! آپؑ کی ناراضگی سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ پھر وہ صاحب زور زور سے رونے لگے۔ اس قدر روئے، قریب تھا کہ اُن کی روح پرواز کرجائے اور اسی حال میں حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام اُن سے یہ کہتی رہیں: اللہ کی قسم! میں اپنی ہر نماز میں آپؑ پر نفرین نثار کرتی رہوں گا۔

وہ گریہ کناں صورت میں سیّدہؑ کے گھر سے باہر آئے تو اُن کے طرف داروں نے اُنھیں گھیر لیا۔ صاحب نے لوگوں سے کہا: آپ میں سے ہر ایک آدمی رات کو اپنی زوجہ کے ہمراہ شب بسر کرتا ہے اور اپنی اولادؓ کے ساتھ خوشی و مسرت کے ساتھ رہتا ہے۔ اب جن مصائب و آلام میں مَیں گھر چکا ہوں کسی کو پرواہ نہیں ہے۔ مجھے تمھاری بیعت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اپنی بیعت مجھ سے واپس لے لیجیے۔

علل الشرائع کی روایت

جب حبیبۂ رسولؐ اللہ صاحبِ فراش ہوئیں اور پھر اسی مرض سے اس دنیا سے رحلت فرمائی۔ دو صاحب اُن کی عیادت کے لیے تشریف لائے اور اُنھوں نے اجازت مانگی لیکن سیّدہ عالمؑ نے اُنھیں اجازت نہ دی۔ اُن میں سے ایک صاحب نے جب یہ حالت دیکھی تو اللہ تعالیٰ سے عہد باندھا کہ وہ اس وقت تک کسی چھت کے نیچے نہیں سوئیں گے کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی حضرت فاطمہؑ کی عیادت نہیں کر لیتے اور اُنھیں راضی نہیں کر لیتے۔ تو اس طرح اُنھوں نے کئی راتیں زیرِ آسمان گزاریں۔

اُن کے دوست اُنھیں اس پریشانی سے نکالنے کے لیے حضرت امام علی علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا کہ ہم کئی مرتبہ دُخترِ پیغمبرؐ کی عیادت کے لیے آئے لیکن ہمیں اجازت نہیں ملی۔ ہم اُن کی عیادت کرنا چاہتے ہیں۔ اب ہم آپ کے پاس آئے ہیں۔ اگر مناسب سمجھیں تو ہمیں اجازت دلائیے۔

حضرت امیر علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دختر کے پاس آئے اور کہا کہ وہ دونوں صاحبان آپؑ کے پاس آپؑ کی عیادت کے لیے آنا چاہتے ہیں۔ اُنھوں نے مجھ سے تقاضا کیا ہے کہ میں آپؑ سے اجازت لوں کیا آپؑ کی اجازت ہے کہ میں اُنھیں آپؑ کے پاس لے آؤں؟

حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام نے فرمایا: خدا کی قسم! میں نہ اُنھیں اپنے پاس آنے کی اجازت دوں گی اور نہ اُن سے

کوئی بات کروں گی یہاں تک کہ میں اپنے والد بزرگوار کی بارگاہ میں پہنچ جاؤں تو اُن کے حضور اُن کی شکایت کروں گی۔

حضرت امام علی علیہ السلام نے فرمایا: فاطمہ جان! آپ کا موقف عادلانہ ہے۔ آپ کا ارادہ و عزم ہر اعتبار سے صحیح ہے۔ وہ آپ کے دروازے پر آچکے ہیں۔ میں بھی اُن سے وعدہ کرچکا ہوں۔ اب جس طرح آپ فرمائیں! آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی۔

پیغمبرؐ خدا کی دختر فرزانہ نے فرمایا: اگر ایسی بات ہے تو جس طرح آپ چاہیں ویسا ہی کریں، کیونکہ یہ گھر آپ کا ہی ہے، ہمیشہ مسلم خواتین اپنے شوہروں کی ہی ہم فکر ہوتی ہیں۔ میں آپ کے کسی عمل کی مخالفت نہیں کرسکتی جسے چاہیں اُنھیں اجازت دیں۔

حضرت امیر علیہ السلام اپنے گھر سے باہر آئے اور اُنھیں گھر میں آنے کی اجازت دی۔ وہ دونوں صاحبان حضرت سیّدہ زہرا سلام اللہ علیہا کے گھر میں تشریف لائے۔ جونہی اُن کی نگاہیں بتول عذراؑ پر پڑیں تو آپ کو سلام کیا۔ لیکن بضعۂ رسولؐ نے اُنھیں جواب نہ دیا اور اپنا رُخ انور دوسری طرف کرلیا۔ اُنھوں نے دوبارہ کوشش کی اور سہ بار کوشش کی لیکن سیّدہ عالمؑ نے اُن کی طرف رُخ نہ کیا۔ اس دوران آپ نے حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا: میرے چہرے پر کپڑا ڈال دیجیے اور جو خواتین آپ کے بستر کے اطراف میں تھیں اُن سے فرمایا کہ وہ اُن کے چہرے کو پھیر دیں۔ اس دوران ایک صاحب نے کہا: اے رسولؐ اللہ کی دختر ارجمند! ہم آپ کی خوشنودی کے لیے آئے ہیں، آپ ہم پر راضی ہوجائیں اور اپنی ناراضگی ختم کردیں جو کچھ ہم سے ہوگیا ہے وہ ہمیں معاف کردیں۔

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے فرمایا: میں قطعاً آپ لوگوں سے کوئی بات نہ کروں گی۔

یہاں تک کہ اپنے بابا (رسولؐ اللہ) کی بارگاہ میں پہنچ جاؤں اور اُن کے حضور تمھاری شکایت کروں اور جو کچھ تم لوگوں نے میرے ساتھ کیا ہے وہ اُن کی بارگاہ میں عرض کروں۔

پھر آپ نے اپنا رُخ حضرت امیر علیہ السلام کی طرف کیا اور فرمایا: علیؑ جان! مجھے خدا کی قسم! اُنھوں نے جو کچھ رسولؐ اللہ سے سنا ہے پہلے اس کی تصدیق کردیں پھر میں دیکھوں گی کہ اب کیا کرتا ہے۔

ان دونوں صاحبان نے کہا: آپ کہیے جو کچھ آپ کہیں گی اس کے بارے میں حق اور سچ کہیں گے۔

سیّدہ عالمؑ نے فرمایا: میں آپ کو اللہ کی قسم دیتی ہوں کیا آپ کو یاد ہے کہ جب رسولؐ اللہ نے آپ دونوں کو آدھی رات کے وقت اپنے پاس بلایا تھا۔ آپ اُن کے پاس بیٹھے تھے تو اُنھوں نے آپ لوگوں سے فرمایا تھا:

فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي وَاَنَا مِنْهَا مَنْ اٰذَاهَا فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللهَ وَمَنْ اٰذَاهَا

بَعْدَ مَوْتِیْ کَانَ کَمَنْ اٰذَاھَا فِیْ حَیَاتِیْ وَمَنْ اٰذَاھَا فِیْ حَیَاتِیْ کَانَ کَمَنْ اٰذَاھَا بَعْدَ مَوْتِیْ؟

''فاطمہؑ میرے وجود کا پارہ ہیں اور میں اُن سے ہوں اور جس نے اُنھیں اذیت دی اُس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اُس نے اللہ کو اذیت دی۔ جس نے اُنھیں میری رحلت کے بعد اذیت دی ایسے ہے جیسے کہ اُس نے مجھے اپنی زندگی میں اذیت دی اور جس نے مجھے میری زندگی میں اذیت دی ایسے ہے جیسے اُس نے مجھے رحلت کے بعد اذیت دی''۔

جب اُن دونوں صاحبان نے یہ حدیث سنی تو بول اُٹھے: جی ہاں! ایسی بات ہے۔

بتولِ معظمہؑ نے فرمایا: الحمدللہ! اے میرے اللہ! میں تجھے گواہ بناتی ہوں اور جو اس وقت میرے پاس بیٹھے ہیں ان سب کو گواہ بناتی ہوں۔ ان لوگوں نے مجھے اپنی زندگی میں اور زندگی کے بعد اذیت دی ہے۔ خدا کی قسم! میں اِن سے کبھی کوئی بات نہیں کروں گی یہاں تک کہ اپنے رب کی بارگاہ میں پہنچ جاؤں اور جو کچھ ان لوگوں نے میرے ساتھ کیا ہے اُس کی شکایت کروں۔

جب صاحب نے سنا تو رونے لگے اور کہنے لگے: اے کاش! میری ماں نے مجھے نہ جنا ہوتا اور نہ میں اِس دنیا میں آیا ہوتا۔

اُن کے ساتھی کو اُن کے اس عمل پر تعجب ہوا اور اُنھیں کہا: آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ لوگوں نے آپ کو اپنے اُمور کی ولایت عطا کی ہے۔ کیا اب آپ پر بڑھاپا چھا گیا ہے؟ کیا آپ اپنی عقل دے بیٹھے ہیں۔ ایک عورت کی ناراضی سے بے تاب اور اُس کی خوش نودی سے شادمان ہو جاتے ہیں؟ آپ کو اُس کے غیظ و غضب سے کیا سروکار؟ ایک عورت کے غصے سے کیا ہو جائے گا؟ دونوں کھڑے ہوئے اور واپس چل پڑے۔

حضرت محدث قمی فرماتے ہیں: جب وہ دونوں چلے گئے تو حضرت سیّدہ زہرا علیہا السلام نے حضرت امام علی علیہ السلام سے فرمایا: میں آپ سے ایک بات کہنا چاہتی ہوں کیا آپ کو تسلیم ہو گی؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں! فرمایئے دل و جان سے قبول کروں گا۔

بضعۂ رسولؐ نے فرمایا: میں آپ کو خدا کی قسم دیتی ہوں یہ لوگ مجھ پر نہ نماز جنازہ پڑھیں اور نہ میری قبر پر آئیں۔ (بیت الاحزان، ص ۱۳۵)

جی ہاں! اے عالی جناب! ابھی آپ نے جو کچھ پڑھا ہے اور اُس سے نتیجہ نکالا ہے اُنھیں سیّدۂ عالمؑ کے حضور اس طرح رونے کی ضرورت نہ تھی کہ قریب تھا کہ اُن کی روح پرواز کر جائے کہ جو کچھ ابن قتیبہ کی روایت میں ہے۔ نہ

انھیں ویل وثبور کی ضرورت تھی اور نہ کسی قسم کی معذرت کی ضرورت تھی۔ انھوں نے بنتِ پیغمبرؐ کے جو حقوق اپنے پاس رکھے ہوئے تھے وہ واپس کر دیتے۔ ان کے بوستان و جاگیریں اُن کے حوالے کر دیتے تو بات ہی ختم ہو جاتی۔ حضرت سیدہ زہراؑ کے پاس اُن کے آنے کا مقصد کچھ یہ تھا کہ حکومتی فشار سے اُن کی رضا و خوشنودی حاصل کی جائے۔

جی ہاں! میں تو ایسا تصور ہی نہیں کر سکتا کہ کوئی انسان، کوئی مسلم، کوئی قانون یا کوئی قوم اِس انداز کی اجازت نہیں دیتے اور نہ میرے وہم و گمان میں آتا ہے کہ شریعت، دین، ضمیر، وجدان یا منطق اس امر کی سفارش کرے گی کہ اَموال بھی آپ کے پاس رہیں اور جس سے مال چھینا گیا ہو وہ آپ پر راضی بھی ہو جائے اور آپ سے شیر و شکر بھی ہو جائے۔ ہاں قوت و قدرت کی منطق کے ذریعے ایسی باتیں ممکن ہیں۔ ایسے لوگ ایسا کر سکتے ہیں۔

جی ہاں پیغمبر اعظمؐ کی بیٹی اپنے ملکوتی جسم میں ایک طاقتور روح و قلب رکھتی تھیں، وہ اِن باتوں کو خوب سمجھتی تھیں اس لیے اُنھوں نے ان لوگوں کی ظاہر داری کو تسلیم نہیں کیا تھا۔

شاید کہ ایک قاری کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ وہ کون سا عامل تھا کہ جس کی بنا پر حکومت کو رسول اللہؐ کی دختر کے لیے نرم گوشہ اپنانا پڑا؟ حکومتی نرم گوشہ کے مقابلے میں بضعۂ رسولؐ نے اپنے موقف کو کیوں برقرار رکھا؟ اس سوال کا جواب علامہ جاحظ نے دیا ہے۔ اُنھوں نے اپنے رسالہ کے ص ۳۰۰ پر لکھا ہے:

اگر کوئی کہے کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ حکومت پیغمبر ﷺ کی دختر پر مظالم ڈھائے، حالانکہ رسول اللہؐ کی دختر اُن کے سامنے اپنے غصے کا اظہار یوں کرتی ہیں:

وَاللهِ لَا اُكَلِّمُكَ اَبَدًا

"خدا کی قسم! میں تم سے ہرگز گفتگو نہ کروں گی"۔

حکومت اُن کے جواب میں کہتی ہے: ہرگز آپؑ سے تعلق و رشتہ نہیں توڑوں گا، آپؑ کے خاندان سے میری محبت ہمیشہ رہے گی۔

نیز دختر پیغمبرؐ نے اُن سے یہ بھی کہا کہ میں آپ کے لیے نفرین کرتی رہوں گی اور حکومت نے جواب دیا: خدا کی قسم! میں آپؑ کے لیے دعا کرتا رہوں گا۔

جی ہاں! اُنھوں نے دارالحکومت اور مہاجرین و انصار کے مجمع میں یہ تند و تیز الفاظ سنے تھے اور اُنھیں برداشت کر لیا تھا اور وہ اس نکتہ کی طرف متوجہ تھے کہ حکومت کے لیے دبدبہ کی ضرورت ہوتی ہے باوجود اِس وصف کے وہ رسول اللہؐ کی بیٹی سے معذرت کرتے ہیں اور ان سے عزت و احترام سے گفتگو کرتے ہیں۔ اُن کی اس گفتگو سے بقول

معظمہ کی عظمت و شوکت واضح ہوتی ہے۔ حکومت کے الفاظ ہیں کہ آپ کی تہی دستی کے مانند کسی کی تہی دستی مجھ پر گراں نہیں ہے اور آپ کی ثروت و بے نیازی کے مانند مجھ پر کسی کی ثروت و بے نیازی پسندیدہ تر نہیں ہے، لیکن میں کیا کروں کہ میں نے پیغمبرؐ خدا سے سنا تھا کہ "ہم گروہ پیغمبران میراث نہیں چھوڑتے۔ جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ اُسے اللہ کے راستے میں خرچ کر دینا چاہیے"۔

جی ہاں! ایسی گفتگو کرنے والا حضرت فاطمہ زہراؑ کے حق میں کیسے ستم روا رکھ سکتا ہے؟

جی ہاں! اس سوال کا جواب یہ ہے ایسے دل پذیر، خیر خواہانہ و بزرگوارنہ جملات یہ دلیل نہیں ہیں کہ انھوں نے خاندانِ وحی کے حقوق کا خیال رکھا تھا اور انھیں پامال ہونے سے بچالیا تھا یہ سب سیاسی گفتگو تھی۔

حضرتِ اُم سلمہؓ کا عیادت کرنا

حضرت اُم سلمہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ تھیں۔ ازواجِ محرمات میں سے آپ کو بہت بڑا مقام حاصل تھا۔ آپؓ نے رسولؐ اللہ کی حیات میں اور بعد از حیات جو خاندانِ وحی کی خدمات کیں وہ ناقابلِ فراموش ہیں۔ ملیکۃ العرب حضرت خدیجہؑ کے بعد آپؓ کا نام آتا ہے۔ آپؓ نے اپنی زندگی میں رسولؐ اللہ کو اپنی زبان سے اور نہ کسی عمل سے تکلیف پہنچائی کہ فرشتہ وحی کو اس آیت شریفہ کے ساتھ اُترنا پڑے۔

يَآيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ وَاللهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

(سورۂ تحریم: آیت ۱)

"ہاں اے پیغمبرؐ! کیوں اُس چیز کو جو اللہ نے آپؐ پر حلال کی ہے اُسے آپؐ حرام کیوں ٹھہراتے ہو، آپؐ اپنی ازواج کی مرضی چاہتے ہیں اور اللہ بڑا بخشنے والا رحم کرنے والا ہے"۔

جی ہاں! اس بانوئے اسلام کی معاشرت رسولؐ اللہ کے ساتھ نہایت ہی شائستہ و بائستہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد آپؓ نے خاندانِ وحی کا بھرپور ساتھ دیا تھا اور اُن کے موقف کا بھرپور دفاع کیا تھا۔ رحلتِ نبویؐ کے بعد جب لوگوں نے اُن کی ذریتِ طاہرہ سے منہ موڑا تو آپؓ نے اپنی بساط کے مطابق اُن کی نصرت و حمایت کی اور اُن کے آلام و احزان میں شریک رہیں۔

جب سیّدہ طاہرہؑ صاحبِ فراش ہوئیں تو یہ بانوئے اسلام اُن کے گھر حاضر ہوئیں اور اُن کی عیادت کی۔ آپؓ نے رسولؐ اللہ کی دختر کی خدمت میں عرض کیا:

کَیْفَ اَصْبَحْتِ مِنْ لَیْلَتِكِ یَا بِنْتَ رَسُوْلِ اللّٰهِ

"اے دخترانِ گرامی پیغمبرؐ! اس رنج و اندوہ میں رات کیسے بسر ہوئی؟

شہزادی رسولؐ نے جواب میں فرمایا:

اَصْبَحْتُ بَیْنَ کَمَدٍ وَکَرْبٍ فُقِدَ النَّبِیُّ وَظُلِمَ الْوَصِیُّ هُتِكَ وَاللّٰهِ حِجَابٌ مَنْ اَصْبَحَتْ اِمَامَتُهٗ مُقْتَضِیَةٌ عَلٰی غَیْرِ مَا شَرَعَ اللّٰهُ فِی التَّنْزِیْلِ وَسَنَّهَا النَّبِیُّ فِی التَّاوِیْلِ وَلٰکِنَّهَا اَحْقَادٌ بَدْرِیَّةٌ وَتِرَاتٌ اُحُدِیَّةٌ کَانَتْ عَلَیْهَا قُلُوْبُ النِّفَاقِ مُتَمَکِّنَةٌ[1]

"میں نے درد و رنج و اَلم کے ساتھ صبح کی، درحالانکہ خورشید رسالت غروب ہوگیا اور اُن کے وصی پر مظالم ڈھائے گئے۔ خدا کی قسم! امیرِ حریت پر ہجوم کردیا گیا اور اُن کے امامت کے حق کو خلافِ فرمانِ خدا و خلافِ فرمانِ رسولؐ دوسروں کے حوالے کردیا گیا۔ یہ سب کچھ جنگِ بدر کے کینوں اور جنگِ اُحد کے انتقام کا نتیجہ ہے"۔

جی ہاں! حضرت اُمِ سلمہؓ رسولؐ اللہ کی وہ زوجہ وحیدہ ہیں جو اُن کی دختر کی عیادت و تیمارداری کے لیے اُن کے پاس آئی تھیں۔

باقی اُمہات المومنین کے بارے میں تاریخ خاموش ہے۔ خاندانِ وحی کے حقوق تھے کہ جن کے پیش نظر اُنھیں اُن کی بیٹی کی عیادت کرنا چاہیے تھی۔

حضرت اُمِ سلمہؓ کو ایک اور امتیاز بھی حاصل ہے کہ سیّدہ عالمؑ نے حضرت امیر علیہ السلام کو وصیت کی تھی کہ جب وہ رحلت کرجائیں تو اُن کی رحلت سے حضرت اُمِ سلمہؓ کو آگاہ کرنا۔

حضرت عائشہ بنت طلحہ اور عیادتِ بتولِ عذراؑ

یہ بانوئے اسلام حق و حقیقت سے آگاہ تھیں۔ انھیں خاندانِ وحی سے بے پناہ محبت تھی۔ سیّدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی زندگی کا آخری دن تھا۔ یہ خاتون اُن کی عیادت کے لیے آئیں۔ اُنھوں نے جب آپؑ کی حالت دیکھی تو عرض کیا:

بِاَبِیْ اَنْتِ وَاُمِّیْ مَا الَّذِیْ یُبْکِیْكِ؟

"میرے ماں باپ آپؑ پر قربان جائیں کس چیز نے آپ کو رُلایا ہے؟"

---

[1] بحار: ج ۴۳، ص ۱۵۷، مناقب ابن شہرآشوب: ج ۲، ص ۲۰۵، ریاحین الشریعہ، ج ۲، ص ۲۵، عوالم العوالم: ج ۲، ص ۴۲۸، ۶۰۵

دختر فرزانہ پیغمبرؐ نے فرمایا: کیا آپ مجھ سے میری تلخ روداد کے بارے میں پوچھ رہی ہیں؟ یہ دُکھ بھری داستان ہر طرف پھیل چکی ہے۔ اس کے اثر سے پرندوں کے پر گر چکے ہیں۔ رواں دواں قافلے رُک گئے ہیں۔

یہ وہ غم سے لبریز داستان ہے جسے اللہ اپنے آسمان پر لے گیا ہے۔ اور میں یہاں زمین پر مصائب و آلام میں گھری ہوئی ہوں۔

حضرت امام علی علیہ السلام علم و دانش، ایمان و عمل اور شجاعت و جہاد میں تمام لوگوں پر سبقت رکھتے تھے۔ کوئی آدمی ان کی صفات سے متصف نہ تھا۔ اس وجہ سے کچھ لوگوں نے اُن کے خلاف اپنے قلوب میں کینہ و عداوت کو جگہ دے رکھی تھی۔ جب رسولؐ اللہ کی رحلت ہوئی تو اُن لوگوں نے شرعت دکھائی۔ میرے اَملاک پر قبضہ کرلیا۔ رسولؐ اللہ نے اپنی زندگی میں اللہ کے حکم سے فدک مجھے عطا کیا تھا، تاکہ اُس سے ہمارے خاندان کی معاشی زندگی کی ضروریات پوری ہوں۔ ان لوگوں نے میرے حقوق مجھ سے روک لیے ہیں۔ میں نے اپنی اس ملکیت کو قیامت کے دن قربِ خداوندی کا سرمایہ قرار دے دیا ہے۔ میری ملکیت کو کھانے والوں کا انجام بُرا ہوگا۔

حضرت عباسؓ اور عیادتِ بضعۂ رسولؐ

حضرت سیّدہ نساء العالمینؑ کی صاحبِ فراش اور طبیعت کی ناسازی نے رفتہ رفتہ شدت اختیار کرلی تھی۔ آپؑ اسی دار و گیر میں تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ حضرت امیر علیہ السلام کے گھر کے دروازے پر تشریف لائے کہ رسولؐ اللہ کی بیٹی کی عیادت کریں۔ اُنھیں کہا گیا کہ سیّدالانبیاءؐ کی دُختر کی حالت نازک ہے اس وقت اُن کا دیدار ممکن نہیں ہے۔ یہ سن کر وہ اپنے گھر کی طرف واپس چلے گئے۔ انھوں نے حضرت امیر علیہ السلام کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ پیغام یہ ہے:

> "اے فرزند رشید برادر! علیؑ جان! خداوند تعالیٰ گواہ ہے کہ جب مجھے سرتاج انبیاءؐ کی بیٹی کی طبیعت ناسازی کا علم ہوا ہے مجھ پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں۔ جنھوں نے میرے اعصاب کو درہم برہم کردیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہمارے خاندان میں سے وہ پہلی شخصیت ہیں کہ جو پیغمبرؐ خدا سے ملحق ہونے والی ہیں۔ یہ وہ پہلی شخصیت ہیں کہ جسے اُس نے برگزیدہ کیا اور گرامی رکھا اور اُنھیں پروردگار کی بارگاہ میں قرب عطا ہوا۔
>
> میں آپؑ پر قربان جاؤں اگر حالات کچھ اس قدر ہیں اور سیّدہ عالمؑ اس دنیا سے کوچ کرنے

والی ہیں تو مجھے اجازت دیجیے کہ میں مہاجرین و انصار کو اُن پر نماز پڑھنے کے لیے جمع کروں تا کہ وہ اِس عمل کے ذریعے بے پناہ اجر سے ماجور ہوں اور اس میں اللہ کے دین کی عظمت کا مظاہرہ ہو"۔

حضرت امیر علیہ السلام نے اُن کے پیغام رساں سے فرمایا: میرے چچا کو سلام دینا اور اُن سے کہنا میں آپ کی محبتوں اور شفقتوں کو نہیں بھلا سکتا۔ آپ کا مشورہ خیر خواہانہ اور شائستہ ہے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے رسولؐ اللہ کی بیٹی اپنے والد کی رحلت کے بعد مسلسل مصائب و آلام میں رہی ہیں۔ اُن سے اُن کے حقوق روکے گئے، ان کے اموال پر قبضہ کیا گیا۔ رسولؐ اللہ کی وصیت پر عمل نہیں کیا گیا۔ نہ اللہ کے حقوق اور نہ اُس کے رسولؐ کے حقوق کا خیال رکھا گیا۔ انتقام لینے کے اعتبار سے اللہ ہی کافی ہے۔

اے میرے چچا جان! جو کچھ آپ نے فرمایا ہے وہ ٹھیک ہے لیکن بات یہ ہے کہ بضعۂ رسولؐ نے مجھے وصیت کی ہے کہ میں اُن کی رحلت کے امر کو مخفی رکھوں۔

جب حضرت عباسؓ تک یہ پیغام پہنچا تو آپؓ نے فرمایا: خداوند تعالیٰ میرے بھائی کے بیٹے پر اپنی رحمت کی بارش برسائے کیونکہ وہ ہمیشہ اللہ کی رحمتوں کے مرکز میں ہیں۔ اُن کی دیدگاہ اور رائے قابلِ قبول ہے۔ اُس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت عبدالمطلبؑ کی تمام اولاد میں سے سوائے رسولؐ اللہ کے مبارک ترین فرزند اگر ہیں تو وہ علیؑ بن ابی طالبؑ ہیں۔ ہر فضیلت و کرامت میں وہ ہی سبقت رکھتے ہیں۔ شجاعت و بہادری میں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ دین حنیف کی نصرت و یاری اور جدوجہد میں سب سے آگے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسولؐ اللہ کی رسالت کی تصدیق میں اوّلین حیثیت کے مالک ہیں۔ اُن کا ہر کام خدا پسندانہ ہے۔

درآستانہ غروب

حضرت بتولِ معظمہؑ کی زندگی کا آخری دن تھا۔ آپؑ اپنے سادہ بستر پر لیٹی ہوئی تھیں۔ کمزوری اور درد و رنج نے آپؑ کے مبارک جسم کو گھیر رکھا تھا۔ مصائب و آلام نے آپ کے نازنین بدن کو گھلا دیا تھا۔ اِس دوران آپ کو نیند آ گئی۔ آپؑ نے عالم رؤیا میں اپنے والد ماجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا۔ میں نہیں جانتا خدا ہی خوب جانتا ہے کہ رحلت رسولؐ اللہ کے بعد آپؑ نے اپنے والد گرامی کو پہلی دفعہ دیکھا یا اس سے قبل آپؑ انھیں خواب میں دیکھ چکی تھیں۔ آپؑ نے اپنے والد گرامی کو دراۤبہشت کے خوبصورت ترین اور بلند ترین محل میں دیکھا۔ جب رسولؐ اللہ کی آپؑ پر نگاہ

پڑی تو آپؐ سے فرمایا:

هَلُمِّيْ اِلَيَّ يَا بُنَيَّةَ فَاِنِّيْ اِلَيْكِ مُشْتَاقٌ

"اے میری دختر محبوبہ! فاطمہؑ جان! میری طرف جلدی آیئے کہ میں آپؑ کے دیدار کا مشتاق ہوں"۔

فَقَالَتْ وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَشَدُّ شَوْقًا مِنْكَ اِلٰى لِقَائِكَ

"حضرت فاطمہ زہراؑ نے جواب دیا: بابا جان! خدا کی قسم کہ میں آپ کے دیدار کے لیے آپ سے زیادہ بے تاب ہوں"۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَنْتِ اللَّيْلَةَ عِنْدِيْ

"فاطمہؑ جان! مبارک ہو آج رات آپؑ میرے پاس ہوں گی"۔ (بحارالانوار: ج ۴۳، ۱۷۹، عوالم: ج ۱۱، ص ۴۹۱)

جونہی آپؑ خواب سے بیدار ہوئیں تو آپؑ نے جہانِ آخرت کی تیاری شروع کر دی کیونکہ آپؑ اپنے والد گرامی سے خواب میں سن چکی تھیں اور آپؑ کو رسولِ اکرمؐ کا یہ فرمان بھی یاد تھا:

مَنْ رَاٰنِيْ فَقَدْ رَاٰنِيْ

"جس کسی نے مجھے خواب میں دیکھا اُس نے مجھے ہی دیکھا ہے"۔

سیدۂ عالمؑ اپنے خواب کی تعبیر جانتی تھیں کہ اس خبر کی صداقت میں کوئی ریب و تردد نہیں ہے۔ آپؑ نے اپنی آنکھیں کھولیں۔ اس خواب سے آپؑ کے نازنین جسم میں خوشی کی لہر دوڑ گئی کہ آپؑ نے ان آخری لحات کو اپنی زندگی کے لیے مشعل قرار دیا۔ ضروری تدابیر اختیار کرنے کے لیے آپؑ اُٹھیں اور آپؑ نے اِن آخری ساعت کو اپنی زندگی کے لیے قیمت شمار کیا۔ اِن حساس لحات میں خداوند تعالیٰ ہی اُن کے قلبی اشتیاق اور فکری جولان کا اندازہ ہی کر سکتا تھا۔ وہ اپنی موت سے شاداں و فرحاں تھیں کہ یہی موت ہی اُنھیں اِس دنیا سے جہانِ آخرت تک کی طرف منتقل کر سکتی ہے۔ اِس طرح اُن کا نازنین جسم اِس دنیا کے غم و آلام سے آزاد ہو سکتا ہے اور وہ اپنے والد مہربان رسولِ اعظمؐ کے ساتھ فرمان روائے پُر اقتدار کی بارگاہِ صدق و صفا میں ملحق ہو جائیں گی اور اس طرح رسولؐ اللہ کی بشارت کہ آپؐ نے فرمایا تھا: "اے فاطمہؑ! میرے خاندان میں سب سے پہلے مجھ سے ملحق ہونے والی آپؑ ہیں" منظرِ عام پر آ جائے گی۔

لیکن ایک دوسرے پہلو سے آپؑ حیران و پریشان تھیں کہ وہ عنقریب اپنے شوہر نامدار کو بے رحم و بے داد ماحول و معاشرے میں تن تنہا بے چارگی کی صورت میں الوداع کریں گی۔ اللہ تعالیٰ کے سوا جس کا نہ کوئی ناصر ہے اور نہ مُعین۔ ان سخت مشکلات میں سیّدہ عالمؑ اپنے شوہر نامدار کی حامی، مدافع اور ناصرہ تھیں۔ جب وہ اس دنیا سے چلی جائیں گی تو اس وقت اُن کی نیابت کون کرے گا؟

اِن واپسین لمحات میں بضعۂ رسولؐ بہت حیران و پریشان تھیں کیونکہ اُن کے سامنے ہجر و فراق کے دردناک مناظر تھے اس لیے آپؑ کے مبارک قلب کی دھڑکن تیز تر ہو جاتی تھی۔ آپؑ کنٹرول کرنے کی کاوش کرتی تھیں۔ آپؑ کے سامنے ہجر و فراق کے دردناک مناظر تھے اس لیے آپؑ کے مبارک قلب کی دھڑکن تیز تر ہو جاتی تھی۔ آپؑ کنٹرول کرنے کی کاوش کرتی تھیں۔ آپ کے سامنے وہ معصوم بچے تھے کہ جن کے بازو ابھی بہت کمزور تھے۔ اُن کی صغرسنی تھی۔ چند لمحات بعد آپ اُنھیں ہمیشہ کے لیے چھوڑ جانے والی تھیں۔

ہم نے گزشتہ صفحات میں بیان کیا تھا کہ آپؑ کے اسماء میں آپؑ کا ایک اسم "الحانیہ" بھی ہے۔ اس اسم کا معنی و مفہوم ہے کہ آپؑ اپنے بچوں سے عشق و علاقہ کے لحاظ سے کائنات کی ہر ماں پر سبقت رکھتی تھیں۔ آپؑ اپنے جگر گوشوں کو بے رحم و خیانت پیشہ اُس دھرتی میں چھوڑ جانے والی تھیں جو نہ کسی کبیر پر رحم کرنے والی ہے اور نہ کسی صغیر پر اور نہ کسی بدکار پر اور نہ کسی نیکوکار پر رحم کرنے والی ہے۔ علاوہ ازیں آپؑ نے اپنے بابا جان سیّدالانبیاؐ سے کئی بار سنا تھا کہ آلِ رسولؐ کو مستضعف بنا دیا جائے گا اور وہ حق و حقیقت کے دفاع میں مصائب و آلام سے دوچار ہوں گے۔ رحلتِ سرتاجِ انبیاؐ کے بعد آپؑ نے سب کچھ دیکھ لیا تھا۔ خدا ہی خوب جانتا ہے کہ اِس دخترِ بہشت کے قلبِ شکستہ پر اِن افکار و اندیشوں کی یلغار کیسی تھی؟

جی ہاں! وہ خود ہی اِن باتوں کو سب سے بہتر جانتی تھیں۔ اُن کے لیے اب محزون و مغموم رہنا کوئی نفع دینے والی چیز نہیں تھی۔ تلخ و دردناک حقائق کو قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ آپؑ نے اپنے دل میں کہا کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کے سامنے سرِ تسلیم خم ہے۔ اس لیے آپؑ کے لیے ضروری تھا کہ اس کوتاہ فرصت کو غنیمت جانئیں کیونکہ یہ بھی بہت جلد آسمانی زندگی سے اس طرح گزر جانے والی تھی کہ جس طرح آسمان سے بادل گزر جاتا ہے۔ آپؑ انھی دردناک تصورات کے پیچ و خم میں بستر سے اُٹھیں لیکن جسم میں طاقت و قوت نہ تھی۔ کبھی چلتی تھیں اور کبھی بیٹھ جاتی تھیں۔ اسی اُفتاں و خیزاں صورت میں دیوار کا سہارا لیتے ہوئے اُس مقام پر آئیں جہاں گھر کے لیے پانی کا ذخیرہ تھا۔ آپؑ نے اپنے کانپتے اور لرزتے ہاتھوں کے ساتھ اپنے بچوں کے کپڑے دھونے شروع کیے۔ جب کپڑے دُھل گئے تو آپؑ

نے اپنے بچوں کو اپنے پاس بلایا اور انھیں آبِ زلال اور خاص قسم کی مٹی سے غسل دینا شروع کیا۔

اے قاریٔ عزیز! کچھ لمحات کے لیے ہمارے ساتھ توقف کیجیے۔ خاتونِ جنت، بضعۂ رسولؐ، بتولِ عذرا، یادگار خاندانِ وحی کی رحلت کا وقت قریب ہے۔ مل کر اُن پر گریہ کر لیتے ہیں۔ دیکھیے اُن کے مبارک ہاتھ بچوں کے سر پر ہیں اور انھوں نے اپنے بچوں کے بالوں میں اپنی انگلیاں ڈال رکھی ہیں گویا کہ آپ اُن سے وداع کر رہی ہیں۔

کوئی شخص کیا جانتا ہے؟ وہ انہی لمحات میں اپنی آنکھوں سے آنسو بہا رہی ہیں، غم و آلام کے فشار سے اُن کی آنکھیں ساون کے بادل کی طرح اُن کے افسردہ ملکوتی رخساروں پر برس رہی ہیں تا کہ کسی حد تک افسردگی کے آثار ڈھل جائیں۔

اس دوران حضرت امیر علیہ السلام اپنے گھر میں داخل ہوئے تو انھوں نے دیکھا کہ اُن کی زوجہ عزیزہ اپنے بستر کو چھوڑ کر اُمورِ خانہ داری میں مصروف ہیں۔ اس دُکھ بھرے منظر کو دیکھ کر امام علیہ السلام کے قلب پر رقت طاری ہو گئی کہ بضعۂ رسولؐ اپنے بستر کو چھوڑ کر اُن کاموں میں مصروف ہیں جو وہ اپنی صحت و تندرستی کے زمانے میں کرتی تھیں۔ سیّدہ زہراؑ کے اس ناتوانی و مرض کی حالت میں تھکا دینے والے کام آپ کو عجیب لگے۔ آپؑ نے اُن سے پوچھ لیا کہ آپؑ صاحبِ فراش تھیں، آپؑ نے اس طرح کی زحمت کیوں فرمائی؟

بضعۂ رسولؐ نے بھرپور وضاحت کے ساتھ جواب دیا: جی ہاں! یہ دن میری زندگی کا آخری دن ہے۔ میں نے اپنے بچوں کے کپڑے دھوئے ہیں اور انھیں اس لیے نہلایا ہے کہ عنقریب اُن کی ماں اس دُنیا سے چل بسے گی اور وہ بغیر ماں کے رہ جائیں گے۔

حضرت امیر علیہ السلام نے آپؑ سے پوچھا: آپ ایسی بات کیوں کر رہی ہیں۔ آپ کو اپنی رحلت کا کیسے پتا چلا ہے؟ بتولِ مطہرہ نے اپنا خواب بیان کیا۔ جی ہاں! آپؑ نے اپنی رحلت کی اس خبر سے آگاہ کیا جو ناقابلِ تردید تھی۔

سیّدہ نساء العالمینؑ کی وصیتیں

جی ہاں! دخترِ پیغمبرؐ کا بلند و پُرمعنویت روح عالمِ ملکوت کی طرف آستانہ پرواز تھا۔ آپؑ نے اُس وقت خیال کیا کہ وہ باتیں جو ایک لمبے عرصے سے انھوں نے اپنے قلبِ مبارک میں چھپا رکھی ہیں۔ آج ضروری ہے کہ اُن سے اپنے شوہر کو مطلع کر دیں تا کہ جس قدر ممکن ہو اُن پر عمل کیا جائے کیونکہ اُن کی وصیت بہت زیادہ اہم اور تاریخی ہے۔ بغیر کسی کوتاہی و سستی کے اُنھیں عملی جامہ پہنایا جائے۔ جب آپ گھریلو اُمور سے فارغ ہوئیں تو اپنے بستر پر تشریف

لائیں اور حضرت امیر علیہ السلام سے فرمایا: اے میرے چچا کے عظیم فرزند! میں آج اس دنیا سے کوچ کرنے والی ہوں۔ لمحہ بہ لمحہ اپنی منزل کے قریب ہو رہی ہوں اور اپنے والد گرامی سے لاحق ہونے والی ہوں۔ اب میں جو کچھ کہوں وہ میری وصیت ہوگی اُس کی تعمیل آپ کے ذمہ ہے۔

حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا: خداوند تعالیٰ آپ کو سلامتی عطا فرمائے۔ جو کچھ فرمانا چاہتی ہیں فرمایئے۔

حضرت امیر علیہ السلام بتولِ مطہرہؑ کے سرہانے بیٹھ گئے اور اُس وقت جو لوگ حجرہ میں تھے اُن سب کو باہر جانے کا کہہ دیا تاکہ اُن کی زوجہ محترمہ جو کچھ کہنا چاہتی ہیں وہ بیان کر دیں۔

حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام نے فرمایا:

يَا بْنَ الْعَمِّ! مَا عَهِدْتَنِيْ كَاذِبَةً وَلَا خَائِنَةً وَلَا خَالَفْتُكَ مُنْذُ عَاشَرْتَنِيْ

"اے میرے چچا کے گراں قدر فرزند! آپؑ نے مجھے اپنی تمام زندگی میں راست گو، پسندیدہ کردار اور امانت دار پایا ہے۔ آپؑ نے اس پسندیدہ روش سے مجھے کبھی دُور نہیں دیکھا ہے۔ کیا ایسی بات ہے؟"

حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا:

مَعَاذَ اللهِ أَنْتِ أَعْلَمُ بِاللهِ وَأَبَرُّ وَأَتْقٰى وَأَكْرَمُ وَأَشَدُّ خَوْفًا مِنَ اللهِ مِنْ أَنْ ...... بِمُخَالَفَتِي، وَقَدْ عَزَّ عَلَيَّ مُفَارَقَتُكِ وَفَقْدُكِ إِلَّا أَنَّهُ أَمْرٌ لَا بُدَّ مِنْهُ وَاللهِ لَقَدْ جَدَّدْتِ عَلَيَّ مُصِيْبَةَ رَسُوْلِ اللهِ وَقَدْ عَظُمَتْ وَفَاتُكِ وَفَقْدُكِ فَإِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

"خدا کی پناہ! مجھے خدا کی قسم! آپؑ سیدالانبیاءؐ کی دختر فرزانہ ہیں۔ بھلائیوں اور نیکیوں میں سب سے بڑھ کر ہیں۔ تقویٰ و اخلاص میں آپ کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ سب سے زیادہ محترم و مکرم ہیں۔ خدا خوفی میں اعلیٰ و ارفع مقام کی حامل ہیں۔ فاطمہ جانؑ! آپ کی جدائی مجھ پر گراں ہے لیکن یہ قانونِ آفرینش ہے اس سے گریز نہیں ہے۔

خدا کی قسم! آپ کی رحلت و شہادت میرے لیے رسولؐ اللہ کی جاں سوز رحلت کی تجدید کر دے گی۔ آپ کا فقدان و فراق رسولؐ اللہ کے ہجر و فراق سے گراں تر ہے۔ پس ہم اللہ کے لیے ہیں اور ہماری بازگشت اُسی کی طرف ہے۔ یہ وہ مصیبت ہے جو بہت زیادہ دردناک اور اَلم ناک ہے۔ یہ اتنی عظیم مصیبت ہے کہ اس سے بڑی کوئی اور مصیبت نہیں ہوگی"۔

اس کے بعد کائنات کی ان دو عظیم ہستیوں نے رونا شروع کیا۔ اس دوران حضرت امیر علیہ السلام نے سیدہ نساء العالمینؑ کا مبارک سر اپنے سینے سے لگالیا اور فرمایا: آپؑ وصیت فرمائیں، آپؑ مجھے ایفاء وصیت میں ہر صورت وفادار پائیں گی۔ آپؑ کا جو حکم ہوگا میں اس کی تعمیل کروں گا اور آپؑ کے امر کو اپنے اُمور پر ترجیح دوں گا"۔

سیدہ عالمؑ نے فرمایا: خداوند تعالیٰ آپ کو میری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ اے میرے چچا کے بیٹے! میری پہلی وصیت یہ ہے کہ آپ میرے بعد اُمامہ سے عقد کرنا، وہ میری اولاد پر میری ہی طرح مہربان ہیں کیونکہ مردوں کو ہر صورت میں عورتوں کی ضرورت رہتی ہے۔ اس کے بعد فرمایا: جن لوگوں نے مجھ پر ظلم کیے ہیں اُنھیں میرے جنازے پر نہ لانا وہ میرے اور اللہ کے رسولؐ کے دشمن ہیں۔ جب لوگ رات کو سو جائیں تو مجھے اُس وقت دفن کرنا۔(روضۃ الواعظین ربحارالانوار: ج ۴۳)

میری دوسری وصیت یہ ہے کہ جب میری روح پرواز کر جائے، مجھے کپڑے کے نیچے یا میرے پیراہن میں مجھے غسل دینا کیونکہ میرا بدن پاک و پاکیزہ ہے۔ مجھے رسولِ اکرمؐ کے باقی ماندہ حنوط سے حنوط کرنا۔ میری نمازِ جنازہ میں صرف ان لوگوں کو شریک کرنا جو ہمارے اہلِ بیتؑ سے بہت زیادہ قربت رکھتے ہیں۔ مجھے رات کے وقت دفن کرنا نہ دن کو، خفیہ دفن کرنا، ظاہراً دفن نہ کرنا اور میری قبر کو چھپا دینا۔ جن لوگوں نے مجھ پر ظلم کیے ہیں وہ میرے جنازے میں شرکت نہ کریں۔

اے میرے چچا کے فرزند! میں خوب جانتی ہوں میرے بعد آپؑ کو ہر صورت کسی عورت سے عقد کرنا ہوگا۔ اگر آپؑ کسی عورت سے عقد کرلیں تو ایک دن اور رات اُس کے ساتھ رہنا اور دوسرا دن اور رات میری اولاد کے ساتھ گزارنا۔ پھر آپؑ نے یہ اشعار پڑھے:

اِبْکِنِیْ اِنْ بَکَیْتَ یَاخَیْرَ ھَادِیْ ۔۔۔ وَاسْبِلْ الدَّمْعَ فَھُوَ یَوْمَ الْفِرَاقِ
یَا قَرِیْنَ الْبَتُوْلِ اُوْصِیْكَ ۔۔۔ بِالنَّسْلِ فَقَدْ اَصْبَحَ حَلِیْفَ اِشْتِیَاقِ
اِبْکِنِیْ وَابْکِ لِلْیَتَامٰی وَلَاتَنْ ۔۔۔ مِن قَتِیْلَ الْعِدٰی بِطَفِّ الْعِرَاقِ

"ہاں اے بہترین ہادی و راہنما! اگر تُو رونا چاہتا ہے تو مجھ پر رو اور اپنی آنکھوں سے اشکوں کے سیلاب جاری کر کیونکہ یہ روزِ فراق و فقدان کا روز ہے۔ اے ہم دم گراں قدرِ بتولؑ! میں آپ کو اپنی اولاد کے بارے میں وصیت کرتی ہوں کیونکہ وہ صرف آپؑ سے ہی مانوس ہیں۔ اگر مجھ پر گریہ کرنا چاہو تو میرے ان یتیموں پر رونا اور میرے اس شہزادے کو کبھی نہ بھولنا جو

دشمنوں کے ہاتھوں نینوا میں قتل کر دیا جائے گا"۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے جب بتول معظمہ نے وصیت کرنا چاہی تو حضرت امیر علیہ السلام سے فرمایا: اے ابوالحسن! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا اور مجھے فرمایا تھا کہ اُن کے اہلِ بیتؑ میں سے سب سے پہلے میں ان سے لاحق ہونے والی ہوں اور ایسا ہو کر رہنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر صبر کرنا اور اس کی قضا پر راضی رہنا۔(بیت الاحزان، ص ۱۴۲)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جب خاتونِ جنت کی رحلت کا وقت قریب آیا تو آپؑ رونے لگیں۔

حضرت امیر علیہ السلام نے پوچھا: اے دخترِ پیغمبرؐ! آپؑ کیوں رو رہی ہیں؟

سیدہ عالمؑ نے فرمایا: میں اس لیے رو رہی ہوں کہ میرے بعد آپؑ کے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے گا؟

آپؑ نے فرمایا: اللہ کی اطاعت کے مقابلے میں سب ہیچ ہے۔(بحارالانوار، ج ۴۳)

ایک اور روایت میں ہے کہ خاتونِ بہشت نے حضرت امام علی علیہ السلام سے فرمایا: اے ابوالحسنؑ! مجھے آپؑ سے ایک کام ہے۔

آپؑ نے فرمایا: فرمایئے۔

سیدۂ عالمؑ نے فرمایا: آپؑ کو اللہ کی قسم! مجھ پر فلاں فلاں نماز نہ پڑھیں۔(بیت الاحزان، ص ۱۴۲)

جی ہاں! سیدۂ عالمؑ کی یہ وہ بعض وصیتیں ہیں جن سے واضح ہے کہ آپؑ کو اُس دور کے ماحول و معاشرہ سے تکالیف پہنچی تھیں۔ یہ اُن تکالیف کا اظہار ہے۔

آپ چاہتی تھی کہ اس طرح وہ اپنا نام ان لوگوں میں لکھوا دیں کہ جن پر مظالم ڈھائے گئے اور اُن کے حقوق کو غصب کیا گیا تا کہ اُن کا اسم مظلومیت و حرمان کی علامت بن جائے۔ آپؑ نے وصیت فرمائی کہ کچھ لوگ ان کے جنازے میں شرکت نہ کریں۔ آپؑ نے اس طریقے سے تاریخ میں یہ ثبت کرا دیا کہ وہ مظلومہ ہیں۔

آپؑ نے فرمایا: میرے جنازے میں وہ لوگ شرکت کریں کہ جن کے ضمائر انحرافی نہ ہوں۔

جنتی حنوط

سیدۂ عالمؑ نے اپنے شوہر نامدار کو کچھ دوسری وصیتیں بھی کی تھیں۔ آپؑ نے فرمایا تھا گاہے بگاہے میری قبر پر آنا اور قرآنِ مجید کی تلاوت کرنا۔ پھر آپؑ نے حضرت اسماء بنت عمیس سے فرمایا کہ وہ حنوط لائیں جو حضرت جبرئیلؑ

جنت سے لائے تھے۔ وہ حنوط فلاں جگہ رکھا ہوا ہے وہ لا کر میرے سرہانے رکھ دیجیے۔ وہ حنوط بدر اور کافور تھا۔ (بحارالانوار ج ۴۳)

حضرت امام علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی رحلت سے قبل مجھے اپنے ہاں بلایا حالانکہ اُس وقت میں اور اُن کی دختر حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اُن کے حضور حاضر تھے۔ انھوں نے ہم دونوں سے خطاب کیا۔ علیؑ جان! فاطمہؑ جان! یہ بہشتی حنوط ہے میرے لیے فرشتہ وحی جنت سے لائے ہیں اور وہ آپؑ دونوں کو سلام کہہ رہے ہیں اور انھوں نے آپ سے کہا ہے کہ اس میں سے ایک حصہ پیغمبرؐ کا ہے اور باقی آپ دونوں کے لیے ہے۔

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے اپنے بابا کی خدمت میں عرض کیا: بابا جان! ایک ثلث آپؐ کے لیے ہے۔ اس حنوط کا بقیہ امیرالمومنین علیؑ کے پاس رہے گا۔ جب پیغمبرِ اسلام نے اپنی دختر کی یہ بات سنی تو رونے لگے اور اپنی بیٹی کو اپنے سینے سے لگا لیا اور فرمایا:

مُوَفَّقَةٌ، رَشِيدَةٌ، مَهْدِيَّةٌ، مُلْهَمَةٌ

"آپ توفیق یافتہ، دانش مند، ہدایت یافتہ اور الہام شدہ ہیں"۔

اُس وقت آپؐ نے حضرت امیر علیہ السلام سے فرمایا کہ آپؑ باقی ماندہ حنوط کو کس طرح تقسیم کریں گے؟

حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا: اس کا نصف آپؐ کی دختر کے لیے ہے اور باقی نصف اُسے دیا جائے گا جس کے بارے میں آپؐ فرمائیں گے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: باقی نصف آپؑ کے لیے ہوگا۔ (مستدرک الوسائل فی احکام الکفن)

بعد ازیں خاتونِ جنت نے ابورافع کی زوجہ سلمٰی کو آواز دی کہ وہ اُن کے لیے پانی تیار کرے۔

ایک اور روایت ہے کہ مجھ پر پانی ڈالو تا کہ اپنے آپ کو دھولوں۔ پھر آپؑ نے نیا لباس طلب فرمایا۔ غسل کے بعد آپؑ نے اسی لباس کو زیبِ تن فرمایا۔ پھر آپؑ نے گھر والوں سے کہا کہ اب اُن کا بستر حجرے کے وسط میں بنا دیں۔

میں نہیں جانتا کہ سیدۂ عالمؑ نے اپنی زندگی کی آخری ساعت کیوں غسل فرمایا اور نیا لباس کیوں پہنا؟ اللہ تعالیٰ ہی اس راز کو خوب جانتا ہے۔ جو بات میری سمجھ میں آتی ہے شاید یہ ہو کہ آپؑ کے پہلو اور کندھے زخمی تھے۔ انھی زخموں کی وجہ سے آپؑ کا لباس خون آلود تھا۔ آپؑ نہیں چاہتی تھیں کہ رحلت کے بعد جب انھیں غسل دیا جائے تو زخموں کے آثار ظاہر ہوں۔ آپ ان اُمور کو مخفی رکھنا چاہتی تھیں۔ اس لیے آپ نے خون آلود لباس کو اُتار کر نیا لباس

زیب تن فرمالیا تھا۔

بعض لوگوں کا گمان ہے کہ آپؑ نے یہ غسل، غسلِ میت کے عوض کیا تھا کیونکہ اُنھوں نے وصیت میں فرمایا تھا کہ اُنھیں اُن کی رحلت کے بعد غسل نہ دیا جائے۔

جی ہاں! اِن محدثین پر تعجب ہوتا ہے کہ اُنھوں نے اپنے اوہام اور ظنون سے ایسی باتیں پیدا کر کے اُن کی نسبت اُس ذات کی طرف کر دی جو شاگردہ وحی تھیں۔ وحیِ یوحیٰ کے مصداق کی دختر تھیں کیونکہ غسلِ میت موت کے بعد ہوتا ہے نہ کہ موت سے قبل دیا جاتا ہے۔ راویانِ حدیث کا ظن قابلِ قبول نہیں ہے۔

امیر المومنین امام علی علیہ السلام نے اپنی زوجہ خاتونِ جنت کو خود غسلِ میت دیا تھا۔

فقہاء نے اِسی روایت سے استدلال کیا ہے کہ شوہر اپنی زوجہ کو غسلِ میت دے سکتا ہے۔

خاتونِ جنت کی رحلت

جب آپؑ کے فرمان کے مطابق آپؑ کا بستر حجرے کے وسط میں لگا دیا گیا تھا۔ اِس دوران آپؑ نے اپنے بچوں کے لیے کھانا تیار کیا اور اُمورِ خانہ داری کی تکمیل کی۔ اِن تمام ضروری اُمور سے فراغت کے بعد آپ نے قبلہ رُخ ہوکر اپنے بستر پر آرام پذیر ہوگئیں۔ اِس دوران آپؑ نے اپنے دونوں نازنین ہاتھوں کو اپنے رخساروں کے نیچے رکھ دیا اور افکار کی دنیا میں محو ہوگئیں۔

ایک روایت ہے کہ آپؑ نے اپنی دونوں شہزادیوں حضرت زینبؑ اور حضرت اُمِ کلثومؑ کو بنوہاشم کی کسی خاتون کے ہاں بھیج دیا تھا تاکہ وہ اپنی مہربان و شفیق ماں کی روح کی پرواز کو نہ دیکھیں کیونکہ وہ اپنی والدہ کی رحلت کے صدمہ کو برداشت نہ کرسکیں گی۔

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام علی علیہ السلام اور حضرات حسنین شریفین علیہما السلام گھر پر تشریف فرما نہ تھے شاید اُن کا گھر سے باہر رہنا کسی اَمر کی اتباع ہو۔ بہر حال خاتونِ جنت کی زندگی کی آخری ساعات میں امامؑ اور اُن کے دونوں شہزادے اُن کے پاس موجود نہ تھے۔ حضرت اسماءؓ بنت عمیس اور حضرت فضہؓ موجود تھیں۔

بضعۂ رسولؐ کی زندگی کا یہ آخری لمحہ ہے۔ آپؑ کی ملکوتی روح کے پرواز کے لمحات بالکل قریب ہیں۔ اچانک آپؑ کے سامنے مادی حجابات اُٹھا لیے گئے۔ سیدہ نساء العالمینؑ نے اپنی متفکرانہ نگاہوں کو اپنے اطراف میں دوڑانا شروع کر دیا۔ آخر آپ کی نگاہیں سامنے کو اُٹھیں اور فرمایا:

اَلسَّلَامُ عَلٰی جِبْرَائِیْلَ!

اَلسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ!

اَللّٰھُمَّ مَعَ رَسُوْلِكَ!

اَللّٰھُمَّ فِیْ رِضْوَانِكَ وَجِوَارِكَ وَدَارِكَ دَارِ السَّلَامِ

"فرشتۂ وحی حضرت جبرئیلؑ پر سلام! اللہ کے رسولؐ پر سلام!

اے میرے اللہ! مجھے اپنے رسولؐ کی ہمراہی عطا فرما!

اے میرے اللہ! مجھ پر اپنی رحمت نازل فرما، اپنے جوار سلامتی وامنیت میں جگہ عطا فرما!"

اس دوران آپؑ نے حضرت اسماءؓ اور فضہؓ اور دوسرے حاضرین سے فرمایا:

اَتَرَوْنَ مَا اَرٰی

"کیا جو کچھ میں دیکھ رہی ہوں آپ دیکھ رہے ہیں؟"

انھوں نے آپؑ سے پوچھا: آپؑ کیا دیکھ رہی ہیں؟

آپؑ نے فرمایا:

ھٰذِہٖ مَوَاکِبُ اَھْلِ السَّمٰوٰتِ وَھٰذَا جِبْرَائِیْلُ وَھٰذَا رَسُوْلُ اللّٰہِ یَقُوْلُ: یَا بُنَیَّةُ اَقْدِمِیْ فَمَا اَمَامَكِ خَیْرٌ لَكِ

"یہ گروہ در گروہ آسمانی ملائکہ ہیں، انھی کے ہمراہ حضرت جبرئیلؑ اور میرے والد گرامی رسولؐ اللہ ہیں۔ وہ مجھ سے فرما رہے ہیں کہ اے میری دختر! جلد میرے پاس آجایئے۔ یہاں آپؑ کے لیے وہ نعمات ومقامات ہیں جو دنیا کی ہر نعمت سے بہتر اور پسندیدہ تر ہیں"۔

اس دوران آپؑ نے اپنی ملکوتی آنکھیں کھولیں اور فرمایا:

وَعَلَیْكَ السَّلَامُ یَا قَابِضَ الْاَرْوَاحِ عَجِّلْ بِیْ وَلَا تُعَذِّبْنِیْ

"اے اللہ کے حکم پر انسانوں کی ارواح کو قبض کرنے والے! میرا تجھ پر سلام۔ میری روح جلدی سے اللہ کی بارگاہ میں پہنچا دو۔ اس دوران مجھے کوئی تکلیف بھی نہ ہو"۔

پھر آپؑ نے فرمایا:

اِلَیْكَ رَبِّیْ لَا اِلَی النَّارِ

"اے میرے پروردگار! میں آپ کی طرف آرہی ہوں نہ کہ نار کی طرف"۔

پھر آپ نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور اپنے ہاتھوں اور پاؤں کو پھیلا دیا۔ اس دوران آپ کی ملکوتی روح عالمِ ملکوت کی طرف پرواز کرگئی۔

حضرت اسماء نے اپنے گریبان چاک کرکے اپنے آپ کو خاتونِ جنت کے مقدس پیکر پر گرا دیا اور اُن کے چہرے پر بوسوں کی بارش برسا دی اور کہا: فاطمہ جان! جس وقت آپ اپنے والد گرامی کی بارگاہ میں جانا تو میرا اُنھیں سلام کہنا۔

اسی دوران سردارانِ جنت حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ گھر میں تشریف لائے تو اُنھوں نے اپنی والدہ گرامی کو رُو بہ قبلہ سوئے ہوئے دیکھا تو حضرت اسماء سے پوچھا: ہماری والدہ گرامی اس سے قبل اس وقت کبھی نہیں سوتی تھیں اب وہ کیوں خاموش ہیں؟

حضرت اسماء نے اُنھیں جواب دیا: اے شہزادو! آپ کی مہربان ماں نیند میں نہیں ہیں بلکہ وہ اس جہان سے رخصت ہوگئی ہیں۔

جب شہزادے امام حسنؑ نے دردناک اور ہولناک خبر سنی تو اپنے آپ کو اپنی والدہ گرامی کے پاکیزہ پیکر پر گرا دیا اور اُن کے پاؤں کو بوسے بھی دیتے جاتے تھے اور روتے بھی جاتے تھے۔

شہزادے امام حسنؑ نے فرمایا:

يَا اُمَّاهُ كَلِّمِيْنِيْ قَبْلَ اَنْ تُفَارِقَ رُوْحِيْ بَدَنِيْ

"جانِ مادر! اس سے قبل کہ میری روح میرے بدن سے نکلے مجھ سے بات کیجیے"۔

اِس طرح چھوٹے شہزادے امام حسینؑ نے روتے ہوئے اپنی مہربان ماں کے پاؤں کے بوسے لیے اور کہا:

يَا اُمَّاهُ! اَنَا ابْنُكِ الْحُسَيْنُ، كَلِّمِيْنِيْ قَبْلَ اَنْ يَتَصَدَّعَ قَلْبِيْ فَاَمُوْتَ

"اے میری شفیق ماں! میں آپ کا بیٹا حسین ہوں۔ مادرِ عزیز! اس سے قبل کہ میرا قلب پھٹ جائے اور میں اس دنیا سے چل بسوں مجھ سے گفتگو کیجیے"۔

حضرت اسماء نے شہزادوں سے کہا کہ اپنے والد گرامی کے پاس جایئے اور اپنی والدہ گرامی کی رحلت کی خبر دیجیے۔ دونوں شہزادے روتے ہوئے گھر سے باہر آئے اور مسجد کے قریب پہنچے۔ وہ شدت سے گریہ کناں تھے۔ ان کی فریادیں اور آہ وزاریاں فضا کو سوگوار بنائے ہوئے تھیں۔ وہاں کچھ صحابہ کرام موجود تھے۔ اُنھوں نے شہزادوں

سے گریہ کی وجہ پوچھی تو انھوں نے فرمایا:

اَوَ لَیْسَ قَدْ مَاتَتْ اُمُّنَا فَاطِمَۃُ؟

"ہماری شفیق ماں حضرت فاطمہؑ رحلت کر گئی"۔

جب حضرت امیر علیہ السلام نے یہ دردناک خبر سنی تو اپنے مبارک سر کو جھکا کر فرمایا:

بِمَنِ الْعَزَاءُ یَا بِنْتَ مُحَمَّدٍ

"اے دختر سرفراز پیغمبرؐ! اس دردناک مصیبت کے بعد میں اپنے قلب کو کس طرح سکون دوں"۔

امام علیہ السلام اپنے دونوں فرزندوں کے ہمراہ گھر میں تشریف لائے۔ حضرت اسماء حضرت سیدہ زہراؑ پر رو رہی تھیں۔ جس وقت حضرت امیر علیہ السلام کی بضعۂ رسولؐ کے پیکرِ اقدس پر نگاہ پڑی تو آپؑ نے اپنے عمامے کو سر سے زمین پر اُتار پھینکا، اپنی عبا اُتار کر زمین پر ڈال دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دختر پر اپنی آہ و بکا بلند کی اور شدت کے ساتھ روتے رہے۔ پھر آپؑ نے بضعۂ رسولؐ کے نور افشاں چہرے سے کپڑا ہٹایا تو وہاں ایک نوشتہ ملا اور وہ یہ تھا:

یَا عَلِیُّ اَنَا فَاطِمَۃُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ زَوَّجَنِیَ اللّٰہُ مِنْکَ لِاَکُوْنَ لَکَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ اَنْتَ اَوْلٰی بِیْ مِنْ غَیْرِیْ، حَنِّطْنِیْ وَغَسِّلْنِیْ وَکَفِّنِّیْ بِاللَّیْلِ وَصَلِّ عَلَیَّ وَادْفِنِّیْ بِاللَّیْلِ وَلَا تُعْلِمْ اَحَدًا

"علیؑ جان! میں پیغمبر اکرمؐ کی دختر فاطمہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے میری تزویج آپؑ سے فرمائی ہے۔ میں اس دنیا میں آپؑ کے ہمراہ رہی ہوں۔ اس طرح آخرت میں بھی آپؑ کے ہمراہ رہوں گی۔ آپؑ مجھ پر میرے غیر سے اولویت رکھتے ہیں۔ مجھے رات کے وقت غسل دینا، مجھے حنوط محود کرنا اور شب کے پردے میں کفن دینا اور مجھ پر نماز پڑھنا۔ رات کی تاریکی میں مجھے دفن کرنا۔ کسی کو میری رحلت کی اطلاع نہ کرنا۔ میں آپؑ کو خدا کے حوالے کرتی ہوں"۔ (بحار الانوار: ج ۴۳، ص ۲۱۴، بیت الاحزان: ص ۱۵۲، مودۃ القربیٰ: ص ۱۴)

شہادت کے بعد

جب دختر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہوئیں تو مدینہ اپنے طول و عرض میں حیران و سرگرداں تھا۔ ہر آنکھ اشکبار تھی۔ ہر طرف نالے و فریادیں بلند ہو رہی تھیں۔ اہلِ مدینہ کے نزدیک ایک دفعہ پھر رسول اللہؐ کی جان سوز

رحلت کا نقشہ سامنے آگیا تھا۔ ہر سو چیخ و پکار، آہیں اور سسکیاں تھیں۔ مدینہ کی عورتیں خاتونِ جنت کے آستانہ قدس پر جمع ہو گئیں تھیں۔ وہ سب دیکھ رہی تھیں کہ بتول معظمہؑ اپنے حجرہ کے وسط میں اپنے بستر پر خفتہ ہیں اور آپؑ کے اردگرد آپؑ کے یتیم بچے اپنی جواں مادر کی شہادت کے غم میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اس جان سوز و جگر خراش منظر کو دیکھ کر مدینہ منظمہ کے خواتین کی رونے کی آوازیں کچھ اس طرح بلند تھیں کہ سرزمین مدینہ لرز اٹھی تھی۔

اُن کی زبانوں پر یہ الفاظ تھے: يَا سَيِّدَتَاهُ يَا بِنْتَ رَسُوْلِ الله......

ایک دفعہ سارا مدینہ اُمڈ کر حضرت امیر علیہ السلام کے دروازے پر آگیا تھا۔ حضرت امیر علیہ السلام رسولؐ اللہ کی دختر کے سوگ میں بیٹھے تھے۔ اُن کے شہزادے امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے سامنے گریہ کناں تھے۔ لوگ آتے گئے اور آپؑ کے اردگرد بیٹھتے گئے۔

بتول معظمہؑ کی چھوٹی شہزادی اپنی والدہ پر رو رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں:

يَا اَبَتَاهُ يَا رَسُوْلَ اللهِ! اَلْآنَ حَقًّا فَقَدْنَاكَ فَقْدًا لَا لِقَاءَ بَعْدَهُ اَبَدًا

"بابا جان! یارسولؐ اللہ! گویا کہ ابھی ہم آپ کے سوگ میں بیٹھے ہیں۔ ابھی ہم آپ کے فراق و فقدان کی دردناک منزل سے گزرے ہیں۔ اب روزِ محشر سے قبل ملاقات نہ ہو سکے گی"۔

اسی دوران ایک خاتون دختر پیغمبرؐ کے گھر کے دروازے پر آئیں تاکہ اُن کے گھر میں داخل ہو۔ حضرت اسماء نے انھیں روک دیا۔ اُس نے اپنے والد سے حضرت اسماء کی شکایت کی کہ وہ انھیں گھر میں نہیں آنے دیتی۔ وہ صاحب آگے بڑھے اور انھوں نے حضرت اسماء سے کہا: کیا بات ہے کہ وہ اُن کی بیٹی کو رسولؐ کی بیٹی کے گھر میں داخل نہیں ہونے دیتیں اور آپؑ نے اُن کے لیے عروسی والا ہودج بنا دیا ہے۔

حضرت اسماءؓ نے اُن سے کہا: حضرت فاطمہ زہراؑ نے مجھے منع کر دیا تھا کہ کسی کو اُن کے پاکیزہ پیکر پر نہ آنے دوں اور باقی آپ کا کہنا کہ میں نے اُن کے لیے ہودج عروسی بنا دیا ہے۔ جی ہاں میں نے اُن کی زندگی میں اُن کے سامنے ایسا تابوت بنایا تھا۔ انھوں نے مجھے کہا تھا کہ میں اُن کے لیے اُن کی شہادت کے بعد ایسا تابوت بناؤں اس لیے میں نے ایسا کیا ہے۔

اُس صاحب نے کہا: ٹھیک ہے جس طرح انھوں نے آپ کو حکم دیا ہے آپ ایسا ہی کریں۔ پھر وہ واپس چلے گئے۔

اہلِ مدینہ شدت کے ساتھ انتظار میں تھے کہ کس وقت سیدالانبیاؐ کی دختر کا جنازہ اٹھتا ہے اور وہ شرکت کرتے

تھی۔ اِس دوران حضرت امیر علیہ السلام نے حضرت ابوذر غفاریؓ کو حکم دیا۔ ایک اور قول ہے کہ آپؑ نے حضرت سلمان فارسیؓ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں سے کہیں کہ اب وہ اپنے گھروں کی طرف واپس چلے جائیں کہ ابھی رسولؐ اللہ کی دُختر کی نمازِ جنازہ کو دیر ہے۔

ایک صاحب نے دوسرے سے کہا کہ یہ لوگ رات کی تاریکی میں تدفین کرنا چاہتے ہیں تاکہ ہم اُن کے جنازے میں شرکت نہ کرسکیں۔ (کامل بہائی، ج ۱، ص ۳۱۱)

جب لوگوں نے اعلان سنا تو سبھی منتشر ہونے لگے۔ اُنھوں نے سمجھا کہ شاید سرتاج انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بیٹی کا جنازہ صبح کو اُٹھے گا حالانکہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی رحلت عصر کی نماز کے بعد ہوئی تھی یا رات کے پہلے حصے میں ہوئی تھی۔ (بحارالانوار، ج ۴۳)

تغسیل و تکفین کے مراسم

جب رات کا پہلا حصّہ گزر گیا اور ہر طرف خاموشی اور سناٹا چھا گیا اور چارسُو زندگی سوگئی۔ اس وقت حضرت امیر علیہ السلام اُٹھے تاکہ سیّدالانبیاؐ کی بیٹی کی وصیتوں کو پورا کریں۔ آپ نے حوراء انسیہ کے مقدس پیکر کو اُٹھایا کہ جو مصائب و آلام کی وجہ سے پہلی کے چاند کے مانند ہوگیا تھا۔ آپ نے اُن کے ملکوتی جسم کو اُٹھایا تاکہ شریعتِ مقدسہ کے مطابق اُن کی تغسیل و تکفین کرسکیں۔

آپؑ نے اُن کے غسل کے مقدمات طے کیے اور اُنھیں اُن کے لباس میں غسل دینا شروع کیا، کیونکہ اُن کے لباس کو اُن کے پاکیزہ پیکر سے جدا کرنے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ وہ آیتِ تطہیر کی مصداق تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے جسم کو اِس طرح پاک کیا جیسا کہ پاک کرنے کا حق ہے۔ جس طرح کہ آپؑ نے رسولؐ اللہ کو غسل دیا تھا اس طرح آپؑ نے اُن کی دُختر کو غسل دیا۔ آپؑ نے سیّدالانبیاؐ کے جسمِ اقدس پر پانی ڈالا تھا۔ اِسی طرح آپؑ نے اُن کی دُختر کے جسمِ اقدس پر بھی پانی ڈالا۔ ان جاں سوز لمحات میں بانوئے باوفا حضرت اسماء نے حضرت امیر علیہ السلام کا بھرپور ساتھ دیا۔ آپ پانی بھر کر حضرت امیر علیہ السلام کے حوالے کرتی تھیں اور حضرت امیر علیہ السلام اُس پانی سے دُخترِ نبیؐ کو غسل دے رہے تھے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں: میرے بابا حضرت امام علی علیہ السلام نے میری والدہ گرامی کے پیکرِ اقدس کو چند بار غسل دیا اور آخر میں اس پانی سے غسل دیا جس میں کافور کی ایک مقدار مخلوط تھی۔ آخر میں آپ نے ہماری والدہ کے جسم کو کفن دینے سے قبل ایک بڑی چادر میں لپیٹ لیا۔ اُس وقت آپؑ نے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اِنَّھَا اُمَّتُكَ ، وَابْنَۃُ رَسُوْلِكَ وَصَفِیِّكَ وَخِیَرَتِكَ مِنْ خَلْقِكَ اَللّٰھُمَّ لَقِّنْھَا حُجَّتَھَا ،
وَاعْظِمْ بُرْھَانَھَا وَاَعْلِ دَرَجَتَھَا وَاجْمَعْ بَیْنَھَا وَبَیْنَ اَبِیْھَا مُحَمَّدٍ ﷺ

''خدایا! یہ تیری پاکیزہ و شائستہ عابدہ ہیں اور تیرے پیغمبرؐ کی دختر ہیں۔ تیرے برگزیدہ انسان کی بیٹی ہیں اور یہ اُن کی دختر ہیں جن کو تُو نے پوری کائنات سے اَرفع و اعلیٰ بنایا ہے۔
خداوندا! ان کی مبارک زبان پر اپنی روشن دلیل جاری فرما اور ان کی برہان کو عظمت عطا فرما اور اُن کے درجات عالی و متعالی فرما اور اُنھیں جنت میں اُن کے والد گرامی حضرت محمد ﷺ کا ہم نشین بنا''۔ (مستدرک الوسائل، باب تغسیل المیت، ج ۲، ص ۱۹۹)

حضرت امام علی علیہ السلام نے بعد از تغسیل اُن کے پیکر پاک کو اُٹھایا اور جامہ آخرت پہنانا شروع کیا۔ اس دوران آپؑ نے اُن کے جسم کو اس کپڑے سے خشک کیا کہ جس کپڑے سے آپؑ نے رسولؐ اللہ کے مبارک پیکر کو خشک کیا تھا۔ پھر آپؑ نے اُنھیں اس بہشتی حنوط سے حنوط کیا جو آسمان سے رسولؐ اللہ کے لیے عطیہ ہوا تھا۔ پھر آپؑ نے سیّدہ زہراؑ کو سات کپڑوں میں کفن دیا۔ (مستدرک الوسائل، باب تغسیل المیت، ج ۲، ص ۱۹۹)

امیرالمومنین حضرت امام علی علیہ السلام نے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو کیوں خود کفن دیا تھا۔ کسی اور خاتون کو کفن دینے میں شریک نہیں کیا تھا؟

جی ہاں! میرے خیال میں اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں:

① آپؑ نے اکیلے اس لیے کفن دیا تھا کیونکہ بتول معظمہؑ نے وصیت کی تھی کہ یا علیؑ! اُن کی تغسیل و تکفین خود کرنا۔ اس لیے آپؑ نے اس امر میں کسی کو شریک نہیں کیا۔

② حضرت امیر علیہ السلام نے اُن کی عصمت و طہارت کے پیش نظر اُنھیں خود غسل و کفن دیا۔ کیونکہ بتول معظمہ معصومہ تھیں۔ ایک معصوم ہی معصوم کی تغسیل و تکفین دے سکتا ہے۔ غیر معصوم اور ایک خطاکار انسان معصوم کی تغسیل، تکفین و تدفین نہیں کرسکتا۔ معصوم کے واجبات میں سے ہے کہ وہ تطہیر کے عمل کو وہ خود انجام دے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث پڑھ چکے ہیں کہ بتول معظمہؑ کے اسماء میں سے آپؑ کا ایک اسم شریف ''صدیقہ'' ہے۔ صدیقہ کو صرف صدیق ہی غسل دے سکتا ہے۔ وصیت کی غرض و غایت یہ بھی تھی کہ دنیا پر آپ کی عصمت و طہارت روشن ہو۔ علاوہ ازیں آپ کی طہارت ثابت ہو، کیونکہ ایک میت کا غسل بہت سے پہلو رکھتا ہے کہ اُسے اس لیے غسل دیا جاتا ہے کہ اُس کے جسم کو ظاہری آلودگیوں سے پاک کیا جائے، لیکن خاتونِ جنت قرآنِ مجید کی

آیات اور پیغمبر ﷺ کے فرمودات کے اعتبار سے منزلِ تطہیر پر تھیں اور آپ جس طرح رجس سے پاک و پاکیزہ تھیں اِس طرح ظاہری آلودگیوں سے بھی پاک وصاف تھیں، اس لیے حضرت امیر علیہ السلام نے تصریح فرمائی:

فَغَسَّلْتُهَا فِي قَمِيصِهَا ۔۔۔ فَوَاللهِ لَقَدْ كَانَتْ مَيْمُوْنَةً طَاهِرَةً مُطَهَّرَةً

"میں نے رسول اللہ ﷺ کی دختر فرزانہ کو اُن کی قمیص میں غسل دیا تھا، اللہ کی قسم! وہ مبارک اور پاک و پاکیزہ تھیں"۔ (بحارالانوار، ج ۴۳)

اس باب میں چند ایک شاذ احادیث ہیں کہ ان میں سے ایک کا ذکر دولابی نے کیا ہے کہ حضرت سیّدہ زہرا علیہا السلام نے اپنی رحلت سے قبل غسل کر لیا تھا اور اُنھوں نے وصیت میں فرمایا تھا کہ اُن کی رحلت کے بعد اُنھیں غسل نہ دیا جائے، اس لیے وہ بغیر غسل کے دفن ہوئی تھیں۔

ہمارے کچھ بزرگوں نے اس خطا کی توجیح میں کہا ہے شاید یہ سیّدہ عالمؑ کی خصوصیات میں سے ہو۔

اس بارے میں میری نظر یہ ہے کہ اِن تمام بزرگوں نے اپنی گفتگو میں، لیت و لعل کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ اُنھوں نے یقین کے ساتھ بات نہیں کی ہے۔ حقیقت وہی ہے کہ بضعۂ رسولؐ نے حضرت امام علی علیہ السلام کو اپنے غسل کی وصیت کی تھی اور امام علیہ السلام نے اُن کی رحلت کے بعد اُنھیں غسل دیا تھا۔

مزید برآں ایک مسلم میت کی تغسیل شرعاً واجب ہے۔

تاریخ کا بے نظیر ترین لمحہ

جس وقت خاتونِ جنت کو لباسِ آخرت پہنائے جانے کے مراحل تکمیل پر پہنچے تو اُس وقت امیر کائنات حضرت امام علی علیہ السلام کی نگاہیں حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے یتیم بچوں پر پڑی کہ وہ اپنی مہربان و شفیق ماں پر اپنی نظریں جمائے ہوئے تھے اور یہ لمحات خاندانِ وحی کے وہ تاریخی اور سوزناک لمحات تھے کہ قلم میں طاقت نہیں ہے کہ وہ اِن کیفیات کو قرطاس کے سینے پر بکھیر سکے۔

یہ وہ لمحات تھے کہ خاندانِ وحی کے ہر فرد کی زندگی غموں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ دل کی کائنات بکھر چکی تھی۔ مصائب و آلام نے اُنھیں ہر طرف سے گھیر رکھا تھا۔ آنکھوں سے آنسوؤں رواں دواں تھے، اُن کی آہوں اور نالوں سے کائنات سوگوار تھی۔

یہ ہجر و فراق اور فقدان کی گھڑی تھی۔ اِس گھڑی مہربان باپ کے مہر و محبت کا دریا موج زن ہوا اور اپنے شکستہ

قلوب بچوں کو اپنی محبت اور شور و شوق سے لبریز موجزن کی آغوش میں لے لیا۔ ابھی کفن کو گرہیں نہیں لگی تھیں۔
جان سوز صدا کے ساتھ اپنے مغموم و محزون بچوں کو بلایا۔

يَا حَسَنُ! يَا حُسَيْنُ! يَا زَيْنَبُ! يَا اُمَّ كُلْثُوْمٍ! هَلُمُّوْا وَتَزَوَّدُوْا مِنْ اُمِّكُمْ فَهٰذَا الْفِرَاقُ وَاللِّقَاءُ فِي الْجَنَّةِ!

"حسنؑ جانم! حسینؑ عزیزم! میری بہادر بیٹی زینبؑ! میری دختر ارجمند اُم کلثومؑ! آیئے اور اپنی شفیقہ ماں کو وداع کیجیے، اُنھیں خدا حافظ کہیے اور اُن کی زیارت کر لیجیے، کیونکہ لمحات جدائی آن پہنچے ہیں۔ پھر جب خدا چاہے گا تو اُس کی بارگاہ میں اور اُس کی جنت میں دیدار ہوگا"۔

بتول معظمہؑ کے مغموم و محزون بچے اس الوداعی لمحے کے لیے بے تاب و بے قرار تھے کہ اُنھیں کس وقت اپنی اُس والدہ گرامی سے وداع کی دعوت دی جاتی ہے جو انسانی صورت میں بہشت کی حور تھیں۔ اُن کی مبارک آنکھوں کو ساون کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔ جب اُنھوں نے اپنے والد کی آواز سنی تو دوڑتے ہوئے اپنی والدہ کے نازنین پیکر کی طرف آئے۔ یہ غمزدہ و افسردہ بچے اپنی والدہ کے پیکر پر اس طرح گرے جیسے پتنگے شمع پر گرتے ہیں۔

حسنین شریفینؑ نے یوں آواز دی: ہمارے نانا رسول اللہؐ اور اماں بتول معظمہؑ کے ہجر و فراق سے جو حسرت پیدا ہوئی ہے وہ ہمیشہ باقی رہے گی۔ اے حسنین شریفینؑ کی شفیقہ و مہربان ماں! جب آپؑ کی ہمارے نانا سیدالانبیاؐ سے ملاقات ہو تو اُنھیں ہمارے سلام کہنا اور اُن کی خدمت میں ہمارا یہ پیغام دینا: "اے نانا جانؐ! آپؐ کے فرزند اس دار دنیا میں یتیم ہو گئے ہیں"۔

حضرت سیّدہ زہراؑ کے بیٹے اور بیٹیاں سبھی غم و الم میں ڈوبے ہوئے تھے اور آہستہ آہستہ آہ و بکا کر رہے تھے اور اپنے بہنے والے آنسوؤں کو اپنی والدہ کے کفن سے صاف کر رہے تھے۔

یہ منظر بہت زیادہ حزن انگیز، درد آلود اور رقت بار تھا کیونکہ قلوب شعلہ ور تھے اور احساسات و جذبات کی آتش بھڑک رہی تھی۔ عواطف و اَحزان کی اَمواج ہر سُو براَنگیختہ تھیں۔

اِن لمحات میں ایک عجیب و غریب رُوداد نے جنم لیا جس کی تحلیل و تشریح سے قلم عاجز ہے۔ جی ہاں یہ وہ داستان ہے کہ جو قانون طبیعی سے فروتر و بالاتر ہے کہ جس کا تعلق و علاقہ ماورا فطرت سے ہے، جو اپنی ذات میں عجیب سے عجیب تر ہے۔

حضرت امیر علیہ السلام جو ان جان فرسا لمحات میں سیّدۂ عالمؑ کے محزون بچوں کے گریہ و بکا میں شریک تھے فرماتے ہیں:

أُشْهِدُ اللّٰهَ أَنَّهَا حَنَّتْ وَأَنَّتْ وَأَخْرَجَتْ يَدَيْهِمَا مِنَ الْكَفَنِ وَضَمَّتْهُمَا إِلٰى صَدْرِهَا مَلِيًّا

"میں اپنے خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ اس حالت میں رسول اللہ کی دختر نے اپنے جامہ آخرت میں ایک جاں سوز آہ بھری اور اپنے مبارک ہاتھوں کو کفن سے باہر نکالا اور اپنے بیٹوں حسنؑ و حسینؑ کو اپنے سینے سے لگایا"۔

جی ہاں! اے قاریٔ عزیز! یہ حقیقت ہے کہ خاتونِ جنت کی زندگی ان لمحات میں باقی نہ تھی۔ آپؑ کی تاب ناک و بے قرار روح آپؑ کے پاکیزہ پیکر کو وداع کر چکی تھی، لیکن یہ اَمر ناقابلِ فراموش ہے کہ آپؑ کی روح نے آپؑ کے بدن سے اپنا تعلق و علاقہ برقرار رکھا تھا۔ آپؑ کی توانا روح ابھی آپؑ کے جسم کے خاص حصوں میں متصرف تھی۔

اس دردناک اور حزن انگیز منظر نے آسمانی مخلوق کو تڑپا کر رکھ دیا کیونکہ اُس وقت ان کی نگاہیں امام علی علیہ السلام کے خانۂ اقدس پر مرکوز تھیں۔ انھوں نے بھی صدائے نالہ وشیون بلند کر کے ثابت کیا کہ وہ بھی خاندانِ وحی کے غم میں مغموم ہیں۔

اس بیان میں کوئی ہرج نہیں ہے کہ آسمانی مخلوق میں سے کسی کی آواز امام علی علیہ السلام کے پردۂ سماعت سے ٹکرائی:

يَا عَلِيُّ! اِرْفَعْهُمَا اَبْكَيَا مَلَائِكَةُ السَّمٰوٰتِ وَقَدْ اِشْتَاقَ الْحَبِيْبُ اِلٰى حَبِيْبِهٖ

"علیؑ جان! اپنے ان دونوں شہزادوں کو اُن کی والدہ کے پیکرِ پاک سے فوراً جدا کر لیجیے۔ اس دردناک منظر نے آسمان کے ملائکہ کو رُلا دیا ہے اور اللہ تعالیٰ جیسا اُن کا حبیب اپنی اس حبیبہ پر اپنی رحمتیں نازل کرنے کے شوق و اشتیاق میں ہے"۔

یہ آواز سن کر حضرت امام علی علیہ السلام آگے بڑھے اور اپنے دونوں شہزادوں کو ان کی والدہ کے پاکیزہ پیکر سے جدا کیا، درحالانکہ اُن کی آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں۔

نمازِ جنازہ

جب تکفین و تحنیط کے مراسم پایۂ تکمیل تک پہنچ گئے تو پھر نماز اور تدفین کا مرحلہ آیا۔ جن لوگوں کو نمازِ جنازہ میں شمولیت کی اجازت تھی وہ رات کی تاریکی میں حاضر ہوئے کیونکہ یہ اَمر بھی بتول عذرا کی وصیت کا حصّہ تھا۔ ان خوش قسمت لوگوں کے اسماء یہ ہیں: حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت عمار یاسرؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت مقدادؓ، حضرت حذیفہؓ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ، حضرت فضیل بن عباسؓ، حضرت عقیلؓ،

حضرت زبیرؓ، حضرت بریدہؓ اور بنوہاشم کے کچھ افراد نے اس ملکوتی جنازے میں شرکت کی تھی۔

جی ہاں! ان مندرجہ بالا بزرگواروں نے رسول اللہ ﷺ کی اس وحیدہ دختر کے نماز جنازہ میں شرکت کی تھی کہ جسے رسولِ اقدسؐ اپنی اُمت کے درمیان چھوڑ گئے تھے۔ گویا کہ مدینہ میں اُن کی ہستی غیر معروف تھی۔ انھیں کوئی جانتا ہی نہیں تھا اور وہ مثالی شخصیت اور منازل رفیعہ کی مالکہ ہی نہ تھیں؟

آخرکار امیر حریت حضرت امام علی علیہ السلام اپنے دونوں شہزادوں (حسنین شریفینؑ) کے ہمراہ آگے تشریف لائے اور اُنھوں نے رسولِ اقدسؐ کی حبیبہؑ پر یہ کہتے ہوئے نماز شروع کی:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ رَاضٍ عَنْ اِبْنَتِ نَبِیِّكَ ، اَللّٰهُمَّ اِنَّهَا قَدْ اَوْحَشَتْ فَاَنِسْهَا ، اَللّٰهُمَّ اِنَّهَا قَدْ هُجِرَتْ فَصِلْهَا ، اَللّٰهُمَّ اِنَّهَا قَدْ ظُلِمَتْ فَاحْكُمْ لَهَا وَاَنْتَ خَیْرُ الْحَاكِمِیْنَ [1]

"خدایا! میں آپؐ کے محبوب پیغمبرؐ کی دختر پر راضی ہوں تو اُس پر راضی ہو جا۔ خدایا! اُنھوں نے اپنی زندگی کے کچھ ایام وحشت وتنہائی میں گزارے ہیں تو اُن سے مہر وانس کے ساتھ پیش آ۔ خدایا! تیرے نبیؐ کی بیٹی اس دنیا کو چھوڑ کر تیری بارگاہ میں آچکی ہیں انھیں اپنی رحمت سے متصل فرما۔ پروردگارا! ان پر مظالم ڈھائے گئے ہیں پس تُو ہی فیصلہ فرما اور تُو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے"۔

بعدازیں امیر المومنین علی علیہ السلام نے دو رکعت نماز ادا کی اور دعا کے لیے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کیے اور آواز بلند کی: "خدایا! یہ تیرے پیغمبرؐ کی دختر فاطمہؑ ہیں۔ تُو نے خود انھیں نُور کی ہدایت کی ہے"۔

اسی لمحے زمین کئی میلوں تک بقعۂ نُور بن گئی۔

معصوم ہی معصوم کا جنازہ پڑھتا ہے

حضرت امیر علیہ السلام نے بتول معظمہؑ پر نماز پڑھی تھی، کیونکہ وہ صدیقہ اور معصومہ تھیں اس لیے ضروری تھا کہ آپؑ کی نماز جنازہ وہ پڑھے جو معصوم ہو۔ یہ تمام مراحل معصوم کے واجبات میں سے ہیں۔

حضرت امیر علیہ السلام نے حضرت زہرا علیہا السلام کے ان تمام مراحل کو مخفی رکھا تھا کیونکہ اُن کی وصیت تھی از راہِ شریعت و عقل اور حکمت ضروری تھا کہ وصیت کے مطابق عمل کیا جائے۔ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام غیر معمولی شخصیت کی مالکہ تھیں۔

[1] خصال صدوق: یہ پانچویں تکبیر کی دعا ہے جو حضرت امیر علیہ السلام نے بضعۂ رسولؐ پر پڑھی تھی۔

وہ صاحبِ مقام و منزلت تھیں۔ وہ رسولِ اعظمؐ کی دخترِ وحیدہ تھیں۔ آپؑ اسی عزت و عظمت کی بدولت مسجدِ نبویؐ میں تشریف لے گئی تھیں۔ وہاں آپؑ نے تاریخی خطاب فرمایا تھا اور اس خطاب میں اپنے حقوق کا مطالبہ کیا تھا لیکن حاضرین میں سے کسی نے اُن کی نصرت نہ کی تھی۔ حضرت امیر علیہ السلام اُنھیں مہاجرین و انصار کے گھروں میں لے گئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی نے اُن سے نصرت کا مطالبہ کیا تھا، لیکن کسی نے اُن کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ جب آپؑ کو اُمت کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا تھا تو اس انقلابِ زمانہ نے آپؑ کی مبارک زندگی کو منقلب کر کے دُکھ دیا۔ ستم پیشہ افراد کے مظالم کے آثار جو آپؑ کے قلب و روح پر مرتب ہوئے تھے۔ وہ آپؑ کی رحلت تک باقی رہے۔ یہ وہ اسباب تھے کہ جن کی بنا پر آپؑ کی تجہیز و تکفین کے تمام اُمور کو عام لوگوں سے پوشیدہ رکھا گیا تھا، تاکہ یہ عمل تجاوز کاروں کے لیے مبہم بن جائے اور تاریخ کا حصّہ بن جائے۔ علاوہ ازیں آپؑ کا مقصد یہ بھی تھا کہ اُن کے اس عمل سے رحلتِ رسولؐ کے بعد پیدا ہونے والی سیاست ہمیشہ کے لیے محکوم ہو جائے گی۔

جی ہاں! سیدہ عالمؑ کی یہ وصیت اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ رحلتِ رسول اللہؐ کے بعد حضرت سیدہ زہراؑ نے جو زندگی بسر کی تھی وہ اُن کی مظلومانہ زندگی تھی اور آپ ان پر اپنی زندگی کے آخری لمحے تک ناراض اور خشمگین رہی تھیں اور قیامت تک ناراض رہیں گی۔

بتولِ مطہرہ نہیں چاہتی تھیں کہ یہ عام لوگ اُن کے جنازے میں شرکت کریں، اُن پر نماز پڑھیں اور اُن کی تدفین کریں اور اُن کی قبرِ مبارک تک رسائی حاصل کریں۔

نامعلوم آرام گاہ

قاریٔ عزیز! آپ اس سے قبل پڑھ چکے ہیں کہ بتولِ عذراؑ نے امیرالمومنینؑ کو وصیت کی تھی کہ اُنھیں رات کی تاریکی میں دفن کرنا، تاکہ اُن کی قبر کا نشان تاابد کسی کو معلوم نہ ہو سکے، تاکہ یہ عمل مسلمانوں کے انتباہ کا باعث بنے، بالخصوص جب حجاج اور عمرہ ادا کرنے والے روضۂ رسولؐ پر اُن کی زیارت کے لیے آئیں۔ روضۂ رسولؐ اور جنت البقیع میں ائمہ طاہرین علیہم السلام کی قبور کی زیارت کرنے کے بعد وہ رسول اللہؐ کی دختر کی مبارک قبر کی زیارت کرنا چاہیں گے۔ جب اُنھیں سیدہ کی مرقدِ مطہر نہ ملے گی تو وہ ایک دوسرے سے پوچھیں گے اور وہ رسول اللہؐ کی بیٹی کی قبرِ مبارک کو تلاش کریں گے۔ جب اُنھیں خاتونِ جنت کا مزار نہیں ملے گا تو اُن کا اذہان میں سوالات اُٹھیں گے۔ آخر اسی تفحص و تلاش میں وہ رسول اللہؐ کی رحلت کے بعد پیدا ہونے والے حالات تک جا پہنچیں گے کہ رسولِ اعظمؐ کی رحلت کے بعد کیا ہوا تھا؟

اور حالات نے کیا کروٹ بدلی تھی؟

محدثین اور مورخین کے مختلف اقوال کے پیشِ نظر بتولِ معظمہؑ کی مبارک قبر مسلمانوں کے ہاں غیر معروف رہی ہے۔ کچھ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حورا انسیہ کا مزار جنت البقیع میں واقع ہے۔ لیکن کچھ اور روایات بتاتی ہیں کہ بضعۂ رسولؐ کو اُن کے اپنے حجرے میں ہی دفن کیا گیا تھا۔ بعد میں جب مسجد نبویؐ کی توسیع ہوئی تو اُن کی قبر مبارک مسجد کا حصہ بن گئی۔ اگر یہ قول صحیح ہے تو پھر حضرت امیر علیہ السلام نے جنت البقیع میں جو قبور بنائی تھیں تو وہ قبور حقیقی مدفن سے صرف انکار کی بنا پر تھیں۔ اگر جنت البقیع والا قول صحیح ہے تو پھر بھی آپؑ کی مبارک قبر کو پوشیدہ رکھا گیا تھا۔

لحد کی تیاری

جی ہاں! جب صحابہ کرام نے اس خورشید جہان افروز خاتونِ جنت کی مبارک قبر بنانی شروع کی تو اس سے چمکتے دمکتے موتی برآمد ہوئے تھے۔ چار ہاشمی مرد آگے بڑھے۔ وہ چار مرد یہ تھے:

① امیر المومنین علیؑ ② حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ ③ حضرت فضل بن عباس ④ ایک مرد جس کا نام معلوم نہیں۔ ان چاروں مردوں نے اپنے سوزان قلب و جگر کے ساتھ بضعۂ رسولؐ کے پیکر پاک کو لحد میں اُتارا۔ حضرت امیر علیہ السلام نے لحد میں اُتر کر اُن کے جسم نازنین کو اپنے ہاتھوں میں لیا اور آخری آرام گاہ میں رکھ دیا۔ حضرت امیر علیہ السلام نے اُس نور افشاں چہرے کو خاک پر رکھا جو ہمیشہ رات اور دن، صبح اور شام اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز رہا تھا۔ جی ہاں! یہ وہ پیشانی اقدس تھی کہ جس پر رسول اللہؐ بوسے دیتے تھکتے نہ تھے۔ جب حضرت امیر علیہ السلام اور رسولِ اعظمؐ کے گلدستہ بوستان کو لحد میں اُتار چکے تو آپؑ نے فرمایا:

يَا أَرْضُ أَسْتَوْدِعُكِ وَدِيعَتِيْ، هٰذِهٖ بِنْتُ رَسُوْلِ اللهِ

"ہاں اے زمین! ہاں اے تراب! اے تربت پاک بضعۂ رسولؐ! میں عظیم الشان امانت کو تمہارے حوالے کر رہا ہوں۔ یہ رسولِ اعظمؐ کی دختر ہیں"۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: جب امیر المومنین علی علیہ السلام نے رسول اللہؐ کی بیٹی کو لحد میں اُتارا تو آپؑ نے اُس وقت فرمایا:

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، بِسْمِ اللهِ وَبِاللهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللهِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ

پھر آپؑ نے بضعۂ رسولؐ اللہ کی طرف نگاہ کی اور انھیں خطاب فرمایا:

سَلَّمْتُكِ اَيَّتُهَا الصِّدِّيْقَةُ اِلٰى مَنْ هُوَ اَوْلٰى بِكِ مِنِّيْ، وَرَضِيْتُ لَكِ مَا رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى لَكِ

"ہاں اے صدیقہ و طاہرہ! اب میں آپؑ کو اس ہستی کے حوالے کر رہا ہوں جو مجھ سے زیادہ آپؑ کے قریب اور نزدیک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آپؑ کے لیے پسند کیا ہے پھر اس پر راضی ہوں"۔ (بیت الاحزان، ص ۱۵۶)

پھر آپؑ نے قرآنِ مجید کی اس آیت شریفہ کی تلاوت فرمائی:

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى

"اسی زمین سے ہم نے تمھیں پیدا کیا ہے اور اسی میں ہم تمھیں لوٹائیں گے اور اسی سے ہم تمھیں دوبارہ نکالیں گے"۔ (سورۂ طٰہٰ: آیت ۵۵)

حقیقت یہ ہے کہ اِس گھڑی حضرت امیر علیہ السلام جن حالات سے دوچار تھے نہ عقل کی استطاعت و قدرت ہے کہ اس کا اِدراک کر سکے نہ قلم میں توانائی و قوت ہے کہ اِسے قبضۂ تحریر میں لا سکے۔ آلام و اَحزان نے آپؑ کو ہر طرف گھیر رکھا تھا۔ دُکھ دردوں کی تیز و تند ہوائیں آپؑ کے قلب و جگر پر چل رہی تھیں۔ اِس دوران آپؑ نے لحد کو بند کیا اور قبر سے باہر آئے۔ حاضرین آگے بڑھے تاکہ اِس گوہر گراں مایہ کے پیکر پاک کی مبارک قبر میں تراب ڈال کر اپنے لیے ذخیرۂ آخرت کا انتظام کریں۔

جی ہاں! ان تمام بزرگواروں نے اُسے دفن کر دیا تھا جو اِسی دھرتی میں شکل و شمائل کے لحاظ سے رسولؐ اللہ سے سب سے زیادہ مشابہ تھیں۔ ان بزرگواروں نے آلِ محمدؐ کی اوّلین شہیدہ کو دفن کیا تھا۔ ان بزرگواروں نے فضائل و مواہب کے ملکوتی پیکر کو دفن کیا تھا۔

جی ہاں! ان احباب نے حوراء انسیہ کو بطنِ تراب میں چھپا دیا تھا۔

حضرت امیر علیہ السلام نے بے پناہ صبر و تحمل کے ساتھ رسولِ اقدس کی امانت کی قبر مبارک کو برابر کیا حالانکہ اس وقت آپؑ کا قلبِ مبارک تازہ زخموں سے مجروح تھا۔ ابھی آپؑ کے یہ زخم گرم تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ جب انسان تازہ تازہ زخمی ہوتا ہے تو اُس وقت وہ زخموں کے دردوں کے احساسات سے دُور ہوتا ہے۔ جوں جوں وقت گزرنے لگتا ہے تو درد بڑھنے لگتا ہے اور انسان چیخنے اور چلّانے لگتا ہے۔ جتولِ عذراؑ نے جب اس دنیا سے رحلت فرمائی تھی تو رحلت کے بعد کے تمام مراحل حضرت امیر علیہ السلام نے خود طے کیے تھے۔

ان تمام مراحل میں خاتونِ جنت کا ملکوتی جسم امیر کائنات کے سامنے رہا تھا۔ مرحلہ تدفین کی تکمیل کے بعد خورشید جہان افروز ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا تھا۔ اس کے بعد حضرت امیر علیہ السلام پر جو گزری وہ خود جانتے تھے یا اُن کا اللہ جانتا ہے۔ دختر پیغمبرؐ کی رحلت کا صدمہ آپؑ کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ مصائب و آلام نے آپؑ کو اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔ اس رات اور اس کے لمحات دردناک اور حزن انگیز تھے۔

رسولؐ اللہ کی بیٹی نے شہادت کی سعادت حاصل کی تھی۔ ظلم و زیادتی سے اُنھیں اس منزل پر پہنچا دیا گیا تھا۔

اُن کی جاں سوز رحلت سے حضرت امیر علیہ السلام اپنی عظیم الشان شریک حیات سے محروم ہو چکے تھے۔ آپؑ اس خاتونِ معظمہ کے سوگ میں بیٹھے کہ جو آپؑ کی اس جہان میں بھی رفیقہ حیات تھیں اور اُس جہان میں بھی رفیقہ ہیں۔ جہاں وہ رسولِ اعظمؐ کی حبیبہ تھیں وہاں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اُنھیں جو مقام حاصل ہے وہ کسی دوسرے کو حاصل نہیں۔

حضرت امیر علیہ السلام اپنی زوجہ کے ہجر و فراق، مجبور و مجبور ہو کر رہ گئے تھے۔ جو عنفوانِ شباب میں تھیں اور ان کی زندگی عین بہار میں تھی۔ آپؑ اپنی اُس زوجہ سے جدا ہو کر رہ گئے تھے جنھوں نے زندگی کے ہر شب و فراز میں آپؑ کا ساتھ دیا تھا۔ وہ انسانی شکل میں جنت کی حور تھیں۔ دنیا کی خوبصورت ترین خواتین اُن کا مقابل ہی نہیں تھیں۔

سیدہ معظمہ، عالیہ، معصومہ، مُطہرہ، موقرہ کی رحلت کے بعد امام علیہ السلام کی حیات میں وہ خاتون نہیں رہی تھی جو عصمت، نزاہت، تقویٰ، علم، کمال، شرافت، فضائل اور مکارم کی بلندیوں پر موجود ہو۔ آپؑ کے لیے ممکن ہی نہ رہا تھا کہ آپؑ کی زندگی میں کوئی اور خاتون آئے اور آپؑ کی ڈھارس بندھائے اور آپؑ کی تسلیوں کا سامان کرے۔ آپؑ کے مصائب میں صدیقہ کبریٰ کی اس وصیت نے اور اضافہ کر دیا تھا کہ اُن کی تشییع جنازہ رات کی تاریکی میں ہو اور اُن کی قبر مبارک کو مخفی رکھا جائے اور اُن کی قبر کے آثار مٹا دیے جائیں۔

پیغمبر اعظمؐ کی بارگاہ میں شکایت

حضرت امام علی علیہ السلام نے جس وقت لالۂ بہشت کی تربت پر خاک ڈالنے کا ارادہ کیا تو اس وقت اُن کے قلب مبارک میں درد و غم کی لہر اٹھی جس نے امام علیہ السلام کے پُرشجاعت و شہامت بدن کو لرزا کر رکھ دیا تھا۔ آپؑ میں تاب ضبط نہ رہا۔ آپؑ کی آنکھوں کے جام چھلک پڑے۔ آنسوؤں سے آپؑ کی ریش مبارک بھیگ گئی۔ آپؑ نے رسولِ اقدسؐ کے روضہ کی طرف منہ کر لیا اور آپؑ کے پردۂ دل سے جاں سوز نالے بلند ہونے لگے۔ ان بلند ہونے والے نالوں میں بارگاہِ رسالت میں اپنے سوز و درد کا اظہار تھا اور آپؑ نے عرض کیا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَنِّيْ وَعَنِ ابْنَتِكَ النَّازِلَةِ فِيْ جِوَارِكَ وَالسَّرِيْعَةِ اللِّحَاقِ بِكَ ـ قَلَّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَنْ صَفِيَّتِكَ صَبْرِيْ، وَرَقَّ عَنْهَا تَجَلُّدِيْ اِلَّا اَنَّ لِيْ فِي التَّأَسِّيْ بِعَظِيْمِ فُرْقَتِكَ، وَفَادِحِ مُصِيْبَتِكَ مَوْضِعَ تَعَزٍّ، فَلَقَدْ وَسَّدْتُكَ فِيْ مَلْحُوْدَةِ قَبْرِكَ، وَفَاضَتْ بَيْنَ نَحْرِيْ وَصَدْرِيْ نَفْسُكَ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ـ فَلَقَدِ اسْتُرْجِعَتِ الْوَدِيْعَةُ، وَاُخِذَتِ الرَّهِيْنَةُ، أَمَّا حُزْنِيْ فَسَرْمَدٌ، وَأَمَّا لَيْلِيْ فَمُسَهَّدٌ اِلٰى اَنْ يَخْتَارَ اللّٰهُ لِيْ دَارَكَ الَّتِيْ اَنْتَ بِهَا مُقِيْمٌ، وَسَتُنَبِّئُكَ ابْنَتُكَ بِتَضَافُرِ اُمَّتِكَ عَلٰى هَضْمِهَا فَأَحْفِهَا السُّؤَالَ وَاسْتَخْبِرْهَا الْحَالَ هٰذَا وَلَمْ يَطُلِ الْعَهْدُ، وَلَمْ يَخْلُ مِنْكَ الذِّكْرُ، وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمَا سَلَامَ مُوَدِّعٍ لَا قَالٍ وَلَا سَئِمٍ، فَاِنْ أَنْصَرِفْ فَلَا عَنْ مَلَالَةٍ، وَاِنْ اُقِمْ فَلَا عَنْ سُوْءِ ظَنٍّ بِمَا وَعَدَ اللّٰهُ الصَّابِرِيْنَ ـ

"یارسول اللہ! آپؐ کو میری جانب سے اور آپؐ کے پڑوس میں اُترنے والی اور آپؐ سے جلد ملحق ہونے والی آپؐ کی بیٹی کی طرف سے سلام ہو۔ یارسول اللہ! آپؐ کی برگزیدہ (بیٹی کی رحلت) سے میرا صبر وشکیب جاتا رہا۔ میری ہمت وتوانائی نے ساتھ چھوڑ دیا لیکن آپؐ کی مفارقت کے حادثۂ عظمیٰ اور آپؐ کی رحلت کے صدمہ جانکاہ پر صبر کر لینے کے بعد مجھے اس مصیبت پر بھی صبر وشکیبائی ہی سے کام لینا پڑے گا جب کہ میں نے اپنے ہاتھوں سے آپؐ کو قبر کی لحد میں اُتارا اور اس عالم میں آپؐ کی رُوح نے پرواز کی کہ آپؐ کا سر میری گردن اور سینے کے درمیان رکھا تھا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔

اب یہ امانت پلٹائی گئی، گروی رکھی ہوئی چیزیں چھالی گئی لیکن میرا غم بے پایاں اور میری راتیں بے خواب رہیں گی، یہاں تک کہ خداوند عالم میرے لیے بھی اسی گھر کو منتخب کرے جس میں آپؐ رونق افروز ہیں۔ وہ وقت آ گیا کہ آپؐ کی بیٹی آپؐ کو بتائیں کہ کس طرح آپؐ کی اُمت نے اُن پر ظلم ڈھانے کے لیے ایکا کرلیا۔ آپؐ اُن سے پورے طور پر پوچھیں اور تمام اَحوال و واردات دریافت کریں۔ یہ ساری مصیبتیں اُن پر بیت گئیں حالانکہ آپؐ کو گزرے ہوئے کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا اور نہ آپ کے تذکروں سے زبانیں بند ہوئی تھیں۔ آپؐ دونوں پر میرا سلام رخصتی ہو نہ ایسا سلام جو کسی ملول و دل تنگ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اب اگر میں (اس جگہ سے) پلٹ جاؤں تو اس لیے نہیں کہ آپ سے میرا دل بھر گیا ہے اور اگر

ٹھہرا رہوں تو اس لیے نہیں کہ میں اس وعدہ سے بدظن ہوں جو اللہ نے صبر کرنے والوں سے کیا ہے"۔

وَاهًا وَاهًا وَالصَّبْرُ اَيْمَنُ وَاَجْمَلُ وَلَوْلَا غَلَبَةُ الْمُسْتَوْلِيْنَ عَلَيْنَا لَجَعَلْتُ الْمُقَامَ عِنْدَ قَبْرِكَ لِزَامًا، وَالتَّلَبُّثَ عِنْدَهُ عُكُوْفًا، وَلَاعْوَلْتُ اِعْوَالَ الثَّكْلٰى عَلٰى جَلِيْلِ الرَّزِيَّةِ فَبِعَيْنِ اللّٰهِ تُدْفَنُ اِبْنَتُكَ سِرًّا وَيُهْتَضَمُ حَقُّهَا قَهْرًا؟ وَيُمْنَعُ اِرْثُهُمْ جَهْرًا؟ وَلَمْ يَطُلْ مِنْكَ الْعَهْدُ وَلَمْ يَخْلَقْ مِنْكَ الذِّكْرُ فَاِلَى اللّٰهِ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى وَفِيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، اَجْمَلُ الْعَزَاءِ فَصَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهَا وَعَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ۔

"آہ، آہ! اگرچہ غم و اندوہ گراں ہے لیکن صبر مبارک تر اور زیبا تر ہے۔ اگر ہم پر تجاوز کاروں کا غلبہ نہ ہوتا۔ اے بحق پیغمبرؐ! تیری تربت پر ڈیرے ڈال دیتا، اعتکاف نشینوں کی طرح بیٹھا رہتا۔ میں اس مصیبت پر اس طرح گریہ و زاری کرتا جس طرح مائیں جوان مرگ بیٹے پر روتی ہیں۔ ہاں اللہ کے نبیؐ! آپؐ کی حبیبہ دختر حضور خداوندی میں مخفیانہ دفن کی گئی۔ اُن کے حقوق ازراہِ جبر روک لیے گئے۔ ظاہر باہر اُن کی میراث چھینا لی گئی۔ ابھی آپؐ کی رحلت کو زیادہ دن نہیں ہوئے تھے۔ ابھی آپؐ کے تذکرے پرانے نہیں ہوئے تھے۔ اے اللہ کے رسولؐ اللہ کی بارگاہ میں شکایت ہے۔ موثر ترین حال جو دل کو سکون بخشتا ہے وہ آپؐ کی سیرت ہے کہ جس میں پائیداری اور صبر کا درس ملتا ہے۔ اے اللہ کے رسولؐ! آپؐ کی دختر پر اور آپؐ پر اللہ کے درود و سلام اور اُس کی برکات نازل ہوں"۔ (بحارالانوار: ج ۴۳، ص ۲۱۱، ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ: ج ۱۰، ص ۲۶۵، نہج البلاغہ: خطبہ ۲۰۲)

روایت ہے کہ جب حضرت امیر علیہ السلام خاتونِ جنت کی تدفین کے بعد اپنے خانۂ اقدس میں تشریف لے گئے تو آپؑ کا قلبِ مبارک غم و اندوہ سے بھر چکا تھا۔ کیونکہ آپؑ سے اُنس و محبت رکھنے والی رفیقۂ حیات گھر میں موجود نہ تھیں، اس لیے آپؑ نے تنہائی و وحشت کا احساس کرتے ہوئے فرمایا:

اَرٰى عِلَلَ الدُّنْيَا عَلَيَّ كَثِيْرَةً ... وَصَاحِبُهَا حَتَّى الْمَمَاتِ عَلِيْلُ

لِكُلِّ اِجْتِمَاعٍ مِنْ خَلِيْلَيْنِ فُرْقَةٌ ... وَكُلُّ الَّذِيْ دُوْنَ الْفِرَاقِ قَلِيْلُ

وَ اِنَّ اِجْتِمَاعِ فَاطِمًا بَعْدَ اَحْمَدٍ ... دَلِيْلٌ عَلٰى اَنْ لَّا يَدُوْمَ خَلِيْلُ

"میں دیکھ رہا ہوں کہ دنیا کے مصائب و آلام نے مجھ پر ہجوم کر رکھا ہے۔ جس کسی پر مصائب اس صورت میں حملہ آور ہو جائیں تو اس نے ہر صورت مریض و علیل ہونا ہے۔ دو دوستوں کے درمیان ہر صورت جدائی نے آنا ہے۔ دوست کے ہجر و فراق کے سوا ہر مصیبت آسان ہے۔ رسولؐ احمد کے بعد مجھ سے حضرت فاطمہ علیہا السلام کی جدائی اس امر کی دلیل ہے کہ اس جہان میں دوست اور دوستی جاودانہ نہیں ہے"۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

جب ہماری جدّہ محترمہ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کی رحلت ہوئی تو حضرت امیر علیہ السلام اُن کی قبر مبارک پر روزانہ تشریف لے جاتے تھے۔ ایک دن جب آپؑ حبیبہ رسولؐ اللہ کی مبارک تربت پر گئے تو آپؑ نے یہ شعر پڑھا ۔

مَالِیْ مَرَرْتُ عَلَی الْقُبُوْرِ مُسَلِّمًا قَبْرُ الْحَبِیْبِ فَلَمْ یَرُدَّ جَوَابِیْ

"مجھے کیا ہے کہ جب میں اُن کی قبور سے گزرتا ہوں تو اپنی محبوبہ کی قبر پر سلام کرتا ہوں، لیکن مجھے اپنے سلام کا جواب نہیں ملتا"۔ (الفصول المہمہ، ص ۱۴۸)

بے ثمر تلاش

آخرکار مصائب و آلام کی رات ختم ہوئی اور اُفق سے صبح نمودار ہوئی تو لوگ اپنے گھروں سے نکلے تا کہ حماسہ حریت و عدالت کے جنازہ میں شرکت کریں۔ اس دوران ان لوگوں نے لرزا دینے والی خبر سنی کہ رسولؐ اللہ کی حبیبہؑ کو گذشتہ رات مخفیانہ صورت میں دفن کر دیا گیا ہے۔

اِدھر حضرت امام علی علیہ السلام نے مدینہ کے قبرستان جنت البقیع میں سات یا اس سے زیادہ قبریں بنا دی تھیں۔ یہی جنت البقیع ہے کہ جس میں اس دن سے لے کر آج تک اہلِ مدینہ اپنے مُردوں کو دفن کرتے چلے آ رہے ہیں اس لیے لوگ بقیع کی طرف بڑھے تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کی تربت کو تلاش کریں، لیکن یہ معاملہ اُن پر مشکل ہو گیا۔ اُنھیں سیدہ نساء العالمینؑ کی حقیقی قبر نہ مل سکی۔ لوگوں کی چیخیں نکل گئیں، اُن کے نالہ و فریاد کی آوازیں بلند ہوئیں۔ وہ ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور کہنے لگے: تمھارے نبیؐ تم میں صرف ایک بیٹی چھوڑ کر گئے تھے۔ آخر وہ اس دنیا سے چل بسیں، دفن بھی ہو گئیں اور تم لوگ نہ اُن کے جنازہ میں شرکت کر سکے اور نہ ان کے تدفین کے مراحل میں شامل ہو سکے۔ اب تم لوگوں کو اُن کی قبر مبارک کا علم بھی نہیں ہے۔

اِس دوران حضرت مقدادؓ کی ایک صاحب سے ملاقات ہوئی تو اُنھوں نے اُن سے کہا کہ ہم نے رسولؐ اللہ کی دختر کو گزشتہ رات دفن کر دیا ہے۔ ان دونوں کی گفتگو کو سننے والے تیسرے آدمی نے اپنے دوست سے کہا: میں نے تمھیں کہہ نہیں دیا تھا کہ سیدالانبیا کی بیٹی کو وہ لوگ مخفیانہ دفن کرنا چاہتے ہیں؟

حضرت مقدادؓ نے کہا: سیدالانبیا کی بیٹی کی وصیت ہی یہی تھی۔ وہ آدمی حضرت مقدادؓ کو مارنے لگا۔ اس دوران لوگ اکٹھے ہو گئے اور حضرت مقدادؓ کو اُن سے چھڑا لیا۔

حضرت مقدادؓ اُن کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: سرتاجِ انبیا کی بیٹی اس دنیا سے چلی گئی ہیں، اُن کی پسلیوں سے خون جاری تھا۔ یہ سب کچھ آپ لوگوں کے تازیانوں کی ضربات سے ہوا تھا۔ آپ لوگوں نے اُنھیں زخمی کیا تھا۔ بعدازیں جو کچھ آپ لوگوں نے امام علی علیہ السلام کے ساتھ سلوک کیا وہ بھی ہمارے سامنے ہے۔ آج اگرچہ آپ نے مجھ پر حملہ کر دیا ہے تو یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے۔

حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ نے فرمایا: بتولِ معظمہؑ کی وصیت تھی کہ کچھ لوگ اُن پر نماز نہ پڑھیں۔

ایک بزرگ بول پڑے کہ اے بنوہاشم! تم ہمیشہ سے ہمارے حق میں حسد کرتے چلے آئے ہو۔

عقیلؓ بن ابوطالبؑ نے فرمایا: اللہ کی قسم! آپ لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو ہمیشہ رسولؐ اللہ کے اہلِ بیتؑ کے حق میں حاسد رہے ہیں اور بغض وعداوت میں بھی سب سے آگے رہے ہیں۔

کل تم لوگوں نے اُنھیں تازیانے مارے، اُن کا پہلو زخمی کیا۔ وہ تم لوگوں پر ناراض تھیں آخر اس دنیا سے رخصت ہو گئیں۔

اس وقت حکومتی افراد نے کہا کہ مدینہ کی خواتین کو بلایا جائے اور وہ پیغمبرؐ کی دختر کی تربتِ اقدس کو کھولیں تاکہ ہم اُن پر نماز پڑھیں اور اُن کی قبر کی زیارت کریں۔

ان لوگوں نے کوشش کی کہ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کی الہام بخش وصیت کو بے ثمر بنا دیں۔ ساتھ ہی امام علی علیہ السلام کی اخفا قبر کی کوشش کو بھی بے سود کر دیں۔ سوچیے ان لوگوں نے نبیؐ کی دختر کی قبر کے کھولنے کا کیوں ارادہ کیا تھا؟ کیا اس لیے کہ اُن پر نماز پڑھ سکیں؟

کیا ان لوگوں نے یہ سوچ رکھا تھا کہ حضرت امام علی علیہ السلام نے حضرت فاطمہ کے پیکرِ پاک کو بغیر نماز کے دفن کر دیا ہے؟ کیا یہ کوئی عقل کی بات ہے ایسا کوئی سوچ سکتا ہے؟

کون سا اسلام ہے؟ کون سا دین ہے؟ کون سی شریعت ہے کہ اس میت کی قبر کو کھولا جائے کہ جس پر اس کے

شرعی ولی نے اس کی وصیت کے مطابق ان پر احسن و اکمل صورت میں نماز پڑھی ہو؟

میرا گمان ہے کہ کچھ لوگ اسی وقت امیر حیرت حضرت امام علی علیہ السلام کو کمزور خیال کر رہے تھے گویا کہ وہ امام علی علیہ السلام کی تلوار کی کاٹ اور اُن کی شجاعت کو کہ جس کی گواہی اہلِ زمین و آسمان نے دی تھی یا وہ بھلا دینا چاہتے تھے۔

رحلت پیغمبرؐ کے بعد حضرت امیر علیہ السلام نے اپنی تلوار کو نیام سے اس لیے نہیں نکالا تھا کہ اہلِ اسلام میں انتشار و تفریق پیدا نہ ہو۔ اسلام اور مسلمانوں کے مصالح کی خاطر آپؑ نے سکوت اختیار کیا تھا۔ مزید برآں حضرت امیر علیہ السلام معین موارد اور محدود مقامات کے لیے صبر و تحمل پر مامور تھے۔ آپؑ کی خاموشی آپؑ کی کمزوری نہ تھی بلکہ آپؑ کا شرعی وظیفہ بھی تھا۔ اس لیے آپؑ نے صبر سے کام لیا۔

امیر المومنین امام علی علیہ السلام تک خبر پہنچی کہ کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دختر فرزانہ کی قبر کو کھولنا چاہتے ہیں تو آپؑ نے فوراً اپنی زرہ جو زیب تن فرمائی جو آپؑ ہمیشہ میدانِ جنگ میں پہنا کرتے تھے۔ ذوالفقار نامی تلوار ہاتھ میں لی اور شدتِ غضب کے ساتھ جنت البقیع کا رُخ کیا۔ اس وقت غصے سے آپؑ کی گردنِ مبارک کی رگیں پھولی ہوئی تھیں اور مبارک آنکھیں سرخ تھیں۔

حضرت امیر علیہ السلام کی آمد کی خبر بقیع میں سنی گئی اور اس دوران منادی نے ندا دی: امیر المومنین امام علی علیہ السلام بقیع میں آچکے ہیں۔ انھوں نے قسم اٹھا رکھی ہے کہ جن جن قبور کو انھوں نے درست کیا ہے اگر کسی نے ان میں سے کسی قبر کا ایک پتھر بھی ہٹایا تو وہ کسی کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

بقیع میں جو لوگ موجود تھے وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ حضرت امام علی علیہ السلام جو کچھ کہہ دیتے ہیں پھر اس سے پیچھے نہیں ہٹتے۔ لوگ اپنے ارادے سے باز آگئے۔ لیکن ایک آدمی نے آپؑ سے کہا: اے ابوالحسنؑ! آپؑ کیا کہہ رہے ہیں۔ اللہ کی قسم! میں ان قبروں کو کھولوں گا اور نبیؐ کی بیٹی پر نماز پڑھوں گا۔

حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا: ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔ جس کسی نے ان قبور کی طرف ہاتھ بڑھایا میں اُن کے خون سے زمین کو رنگین کر دوں گا۔ پھر لوگ متفرق ہو گئے اور جنت البقیع سے چلے گئے۔ اس طرح حضرت سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی وصیتیں باقی رہیں۔ اس دور میں بھی انھیں نافذ کیا گیا اور اس کے بعد ہمیشہ تک اُن کی تعمیل ہوتی رہے گی۔

امیر المومنین علی علیہ السلام اور سیدہ نساء العالمین کا سوگ

یہ انسانی فطرت ہے کہ جب کسی کا کوئی عزیز اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو وہ اس کی یاد میں آنسو بہاتا ہے،

آہ و فریاد بلند کرتا ہے اور اُس کے سوگ و سوز میں مبتلا رہتا ہے۔ سیدۃ الانبیاء کی دختر حضرت فاطمہ زہراؑ کا حق بنتا تھا کہ اُن کی جاں سوز رحلت کے بعد اُن پر رویا جائے، اُن کی یاد میں نالہ و فریاد بلند کیے جائیں۔ جی ہاں! جس طرح وہ اپنی زندگی میں تعریف و توصیف کا حق رکھتی تھیں اس طرح وہ اپنی رحلت کے بعد سوگ و سوز کا حق رکھتی ہیں۔

کسی کی یاد میں رونا، آنسو بہانا شعور کی علامت ہے۔ اس سے درد و تأسف کا اظہار ہوتا ہے کہ صاحب گریہ و بکا مصیبت زدہ ہے اور وہ اس جہان سے رخصت ہونے والے کے غم میں مغموم ہے۔

اسی مفہوم کے پیش نظر حضرت امام علی علیہ السلام کے لیے ضروری تھا کہ حضرت فاطمہ زہراؑ کے سوز و سوگواری سے سوگ وار ہوں اور اس طرح آپ اپنے اندرونی درد و رنج کا اظہار کریں کیونکہ آنحضرتؑ سیدہ عالمؑ کی شہادت کے عمیق ترین فاجعہ سے سب سے زیادہ آگاہ تھے۔ بقولِ علّامؒ کی قدر و منزلت جس قدر امیر محبت و عدالت جانتے تھے کوئی دوسرا نہیں جانتا تھا، اس لحاظ سے اُن کے ہجر و فراق کے صدمے کا اثر آپؑ پر بہت زیادہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپؑ کا قلب نازنین تھا اور اس پر صدمات کی موجیں تھیں۔ آپ نے اپنے ان مصائب و آلام کا اظہار کچھ یوں فرمایا:

نَفْسِی عَلٰی زَفَرَاتِهَا مَحْبُوسَةٌ   یَالَیْتَهَا خَرَجَتْ مَعَ الزَّفَرَاتِ
لَا خَیْرَ بَعْدَكِ فِی الْحَیَاةِ وَ اِنَّمَا   أَبْكِی مَخَافَةَ تَطُولَ حَیَاتِی

"فاطمہؑ جان! میری روح آہ و نالہ کے ساتھ محبوس ہے۔ اے کاش! میری روح میرے آہ و نالہ کے ساتھ میرے جسم سے باہر آجاتی۔ اے دختر سرفراز پیغمبرؐ! آپؑ کے بعد اس زندگی میں کوئی اچھائی باقی نہیں رہی۔ اب میں اس خوف میں گریہ کناں ہوں آپؑ کی رحلت کے بعد میری زندگی طولانی نہ ہو"۔

اَرٰی عِلَلَ الدُّنْیَا عَلَیَّ کَثِیْرَةً   وَصَاحِبُهَا حَتَّی الْمَمَاتِ عَلِیْلُ
ذَکَرْتُ اَبَا وُدِّی فَبِتُّ کَاَنَّنِی   بِرَدِّ الْهُمُوْمِ الْمَاضِیَاتِ وَکِیْلُ
لِکُلِّ اِجْتِمَاعٍ مِنْ خَلِیْلَیْنِ فُرْقَةٌ   وَکُلُّ الَّذِیْ دُوْنَ الْفِرَاقِ قَلِیْلُ
وَاِنَّ افْتِقَادِیْ فَاطِمًا بَعْدَ اَحْمَدٍ   دَلِیْلٌ عَلٰی اَنْ لَا یَدُوْمَ خَلِیْلُ

"اس جہان کے رنج و اَلم دیکھ رہا ہوں کہ جنھوں نے مجھے گھیر رکھا ہے۔ یہ بات روشن ہے ایک صاحب رنج و اَلم موت کی دہلیز پر ہوتا ہے اور اُسے جلدی اس جہان سے جانا ہوتا ہے۔ میں اپنی ہمسر کو یاد کرتا رہتا ہوں اس طرح رات گزر جاتی ہے اور صبح کا سویرا ہو جاتا ہے۔ گویا

کہ میں نے ایک عہد کیا ہوا ہے کہ ماضی کے حزن و آلام کو اپنے دل میں جمع رکھوں۔ جی ہاں! آخر دو دوستوں کے درمیان ہجر و فراق نے حائل ہونا ہے۔ ہر مشکل آسان ہے لیکن دوست کا ہجر و فراق ایسی مشکل ہے کہ جس کا کوئی حل نہیں ہے۔ رسولؐ اللہ کی رحلت کے بعد سیّدۂ عالم کی جدائی اس امر کی دلیل ہے کہ دو دوستوں کے درمیان جدائی ہو کر رہے گی"۔

آپؑ نے یہ بھی فرمایا:

فِرَاقُكَ اَعْظَمُ الْاَشْيَا عِنْدِیْ وَفَقْدُكَ فَاطِمُ اَدْهَی الثُّکُوْلُ
سَاَبْکِیْ حَسْرَةً وَاَنُوْحُ شَجْواً عَلٰی خِلٍّ مَضٰی اَسْنٰی سَبِیْلُ
اَلَا یَا عَیْنُ جُوْدِیْ وَاسْعِدِیْنِیْ فَحُزْنِیْ دَائِمٌ اَبْکِیْ خَلِیْلٌ

"فاطمہؑ جان! آپؑ کی دُوری اور جدائی ناقابلِ برداشت مصیبت ہے۔ اے دخترِ پیغمبرؐ! آپؑ جیسے دوست کا فراق و فقدان دوست پر سخت گراں ہے۔ وہ دوست کہ جس کا قلب مہر و محبت سے لبریز تھا جو اس دنیا سے رخصت ہو گیا ہے میں اس پر حسرت کے آنسو بہاتا رہوں گا اور اس کی یاد میں آہ و فغاں بلند کرتا رہوں گا۔ ہاں اے چشم! آنسو برسا اور میری مدد کر، کیونکہ میرا غم و اندوہ جاودانی ہے۔ میں اپنے خلیل پر ہمیشہ روتا رہوں گا"۔

حَبِیْبٌ لَیْسَ یَعْدِلُهٗ حَبِیْبٌ وَمَا لِسِوَاهُ فِیْ قَلْبِیْ نَصِیْبُ
حَبِیْبٌ غَابَ عَیْنِیْ وَجِسْمِیْ وَعَنْ قَلْبِیْ حَبِیْبِیْ لَا یَغِیْبُ
مَالِیْ وَقَفْتُ عَلَی الْقُبُوْرِ مُسَلِّمًا قَبْرَ الْحَبِیْبِ فَلَمْ یَرُدَّ جَوَابِیْ
اَحَبِیْبُ مَالَكَ لَا تَرُدُّ جَوَابَنَا اَنَسِیْتَ بَعْدِیْ خُلَّةَ الْاَحْبَابِ

"ایسا دوست کہ جس کا نعم البدل پیدا ہی نہیں ہوگا۔ میرے قلب میں جو مقام اُس کا تھا اس جگہ پر کوئی دوسرا نہیں آسکتا۔ یہ درست ہے کہ میری حبیبہ آج میری آنکھوں سے غیب ہے اور میری دسترس سے باہر ہے لیکن میرے قلب کے اُفق سے وہ کبھی غروب نہیں ہوں گی۔ اُنھوں نے میرے دل میں ہمیشہ زندہ رہنا ہے"۔

کتاب "الانوار العلویہ" میں روایت ہے کہ جب بتول معظمہؑ کی رحلت ہوئی تو امام امیر المومنینؑ اپنے خانہ اقدس میں گوشہ نشین ہو کر رہ گئے تھے۔ آپؑ صرف نماز پڑھنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کرنے کے

لیے گھر سے باہر آتے تھے۔

حضرت عمار یاسرؓ کا بیان ہے کہ میں ایک دفعہ اپنے آقا و مولا امیر المومنینؑ کے خانۂ اقدس پر حاضر ہوا۔ میں نے اجازت چاہی۔ اُنھوں نے جب اجازت دی تو میں اُن کے حضور حاضر ہوا۔ میں نے اُنھیں بہت زیادہ حزین و محزون دیکھا۔ آپؑ کے دونوں شہزادے امام حسنؑ اور امام حسینؑ آپؑ کے دائیں بائیں بیٹھے تھے۔ جب آپؑ کی نگاہیں اپنے خردسال چھوٹے شہزادے حسینؑ پر پڑتیں تو آپؑ کی مبارک آنکھوں سے اشکوں کے سیلاب جاری و ساری ہو جاتے۔ جب میں نے اس دردناک منظر کو دیکھا تو میرے ضبط کے تمام بندھن ٹوٹ کر رہ گئے۔ میں بھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

جب میرا گریہ فروکش ہوا اور سوزِ دل آرام پذیر ہوا تو میں نے عرض کیا: اے میرے آقا! کیا میں بات کر سکتا ہوں؟

آپؑ نے فرمایا: جی! کیا بات ہے عمارؓ!

میں نے عرض کیا: میرے آقا و مولا! آپؑ کا حکم ہے کہ مصائب و آلام پر صبر کرنا چاہیے لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ بہت زیادہ محزون و مغموم ہیں۔

حضرت عمارؓ کہتے ہیں: میری بات سن کر حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا: میں جس عظیم الشان شخصیت کے سوگ میں بیٹھا ہوں وہ مجھ پر سخت گراں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں بضعۂ رسولؐ کے فراق سے رسول اللہؐ سے بچھڑ کر رہ گیا ہوں، کیونکہ پیغمبرؐ خدا کی دختر کا وجودِ گرامی میرے لیے سکون و آلام کا ذریعہ تھا۔ جس وقت وہ لبِ سخن کھولتی تھیں تو میری روح پیغمبرؐ خدا کی صدائے دل نواز سے لبریز ہو جاتی۔ اب اُن کی رحلت سے پیغمبرؐ کی رحلت و جدائی کے احساس نے محزون و مغموم کر رکھا ہے۔

اے عمارؓ! میں کیسے نہ روؤں؟ اُن کی کوئی ایک مصیبت تو نہ تھی جسے بھلایا جا سکے۔ جب وہ اس دنیا سے رخصت ہوئی تھیں اور میں نے اُنھیں غسل دینا شروع کیا تو میں نے دیکھا کہ اُن کی ایک پسلی شکستہ ہو چکی تھی۔ ان کا پہلو تازیانوں کے ضربات سے سیاہ ہو چکا تھا۔ اُنھوں نے مجھ سے اپنے یہ دکھ درد اس لیے چھپا رکھے تھے کہ میرے حزن و آلام میں اضافہ نہ ہو۔

اے عمارؓ! جب میری نظر حسنین شریفینؑ کے چہروں پر پڑتی ہے تو گریے سے میرا گلا رندھ جاتا ہے۔ جب میں شہزادی زینبؑ کو ان کی والدہ کے غم میں روتا ہوا دیکھتا ہوں تو مجھ پر رقت طاری ہو جاتی ہے اور میرا قلب شعلہ ور

ہو جاتا ہے اور میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ (علامہ نقوی، انوار المطوبہ، ص ۳۰۶)

سیّدہ نساء العالمین کی تاریخ شہادت

بتولِ عذراء، خاتونِ جنت کی تاریخ رحلت میں مورخین کا اختلاف قابلِ تعجب و حیرت نہیں ہے کیونکہ ان لوگوں سے تو یہ فیصلہ بھی نہیں ہو سکا کہ بضعہ رسولؐ اللہ بعثت سے قبل پیدا ہوئی تھیں یا بعثت کے بعد۔ اس طرح وہ اس امر پر بھی متفق نہیں ہیں کہ سرورِ کائناتؐ کی دختر اپنے بابا کی رحلت کے بعد کتنا عرصہ اس دنیا میں زندہ رہیں۔

① یعقوبی نے روایت کی ہے کہ سیّدہ نساء العالمین اپنے والد گرامی کی رحلت کے بعد تیس دن یا پینتیس دن اسی دنیا میں رہیں۔ یہ قول کم از کم مدت پر مبنی ہے۔

② آپؑ نے چالیس دن بسر کیے تھے پھر آپؑ اپنے بابا سے ملحق ہو گئی تھیں۔

③ تیسرا قول ہے کہ بتولِ معظمہؑ نے اپنے بابا کے بعد جو زندگی بسر کی وہ ۷۵ دنوں پر مشتمل ہے۔

④ بعض لوگوں نے ۹۵ روز کی روایت کی ہے۔

⑤ ایک اور قول جو نا قابلِ قبول ہے کہ آپؑ چھ ماہ سے آٹھ ماہ تک اس دارِ فانی میں باقی رہیں۔ اس عنوان پر آئمہ اہلِ بیتؑ کے اقوال موجود ہیں، جو ہمیشہ قابلِ اعتبار و اعتماد رہے ہیں۔

① "دلائل الامامت" میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کی رحلت بروز منگل تین جمادی الثانی گیارہ ہجری کو ہوئی تھی۔

② حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کی رحلت ہوئی تو اُس وقت اُن کی عمر شریف اٹھارہ سال سات ماہ تھی۔

③ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: جب خاتونِ جنت اس دنیا سے رخصت ہوگئیں تو اُس وقت اُن کی عمر مبارک اٹھارہ سال ۷۵ دن تھی۔

حضرت کلینیؒ نے الکافی میں یہی روایت نقل کی ہے۔

ان تمام صورتوں کے پیشِ نظر اسلامی ممالک میں سیّدہ عالمؑ کی رحلت کی مناسبت سے لاکھوں کی تعداد میں مجالس کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ لوگ مساجد اور اپنے گھروں میں ان مجالس کا اہتمام کرتے ہیں اور لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ انہی ایام کو ایامِ فاطمیہ کا نام دیا گیا ہے۔ خطباء بضعہ رسولؐ کی زندگی اور اُن کی سیرت پر روشنی ڈالتے ہیں اور اپنی

مجالس کا اختتام بتولِ عذراؑ کے مصائب کے بیان پر کرتے ہیں۔

سیّدۂ کائنات کے موقوفات وصدقات

خاتونِ جنت کے سات باغات تھے جو آپؑ نے بنوہاشم اور بنوعبدالمطلب کے لیے وقف کر رکھے تھے۔ ان اوقاف کی نظارت وسرپرستی کی ترتیب کچھ اس طرح تھی۔ پہلے سرپرست حضرت امام علی علیہ السلام، اُن کے بعد حضرت امام حسن علیہ السلام اور اُن کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام۔ ان بزرگواروں کے بعد شہزادہ علی اکبر کا نام تھا۔

سیّدہ نساء العالمینؑ کا وقف نامہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے پاس محفوظ تھا۔

الکافی میں وقف نامہ موجود ہے۔ اس کی تحریر یہ ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"حضرت فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوشنودیٔ پروردگار کے لیے اپنے سات باغ ① عواف ② زلال ③ برقہ ④ میت ⑤ حسنی ⑥ صافیہ اور ⑦ اُم ابراہیم یہ تمام اوقاف حضرت علی علیہ السلام کی نگرانی میں رہیں گے۔ اُن کے بعد حضرت امام حسن علیہ السلام، اُن کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام اور اُن کے بعد اُن کا بیٹا نگران ہوگا ۔۔۔ محرر امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ ہیں"۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ خاتونِ جنت کو یہ باغات کہاں سے حاصل ہوئے تھے؟

سمہودی نے تاریخ مدینہ میں لکھا ہے کہ بنونضیر کے ایک یہودی عالم نے اسلام قبول کیا۔ اس نے اپنے یہ سات باغ رسولِ اقدسؐ کے لیے وقف کر دیے۔ بعد میں جنگِ اُحد میں وہ شہید ہو گئے تھے۔ رسولِ اکرمؐ نے سات ہجری میں یہ تمام باغات اپنی دختر حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کو بخش دیے تھے۔ رسولِ خداؐ ان باغات کے محصول میں سے صرف اپنے مہمانوں اور اپنی حوائج کو پورا کرنے کے لیے ایک مقدار لیتے تھے۔ (تاریخ المدینہ، ج ۲، ص ۱۵۲)

سیّدہ نساء العالمین نے وصیت کی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اَزواج اور بنوہاشم کی ہر خاتون اور امامہ بنت ابی العاص کو بارہ بارہ اوقیہ سونا دیا جائے۔ (دلائل الامامت)

خاتونِ محشر در یومِ محشر

اگرچہ بعض لوگوں نے سیّدہ نساء العالمینؑ کے حریم ومحرمیت کی اُن کی حیاتِ مبارکہ میں کوئی رعایت نہیں کی تھی اور اُنھیں ہر قسم کے رنج والم سے دوچار کیا تھا۔ جب اُنھوں نے اپنے حقوق کا مطالبہ کیا تھا تو اُن کے حقوق سے انکار

کردیا گیا تھا۔ نہ ان کی کرامت کا خیال رکھا گیا اور نہ اُن کے والد گرامی رسولؐ اللہ کی بزرگواری کا خیال رکھا گیا تھا۔
حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اُن کے اور اُن کے شوہر اور بیٹوں کے حق میں آیات نازل فرمائیں جیسے آیت تطہیر، آیت مباہلہ، سورۂ ھَل اَتٰی اور آیت قربیٰ ہیں کو یاد رکھا اور نہ اُن کے والد گرامی رسولِ اقدسؐ کی وصیت کی رعایت کی۔
حالانکہ رسولؐ اللہ نے فرمایا تھا۔

ایک مرد کے حقوق کے مطابق اس کی اولاد کے حقوق کی حفاظت کی جاتی ہے۔ آپؐ نے اپنی بیٹی کے بارے میں فرمایا تھا:

فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي، مَنْ اٰذَاهَا فَقَدْ اٰذَانِيْ

"فاطمہؑ میرے وجود کا حصہ ہے کہ جس نے اُنھیں اذیت دی اُس نے مجھے اذیت دی"۔

اس طرح کی بہت سی احادیث ہیں کہ جن کے ذریعے رسولِؐ اسلام نے اپنی اُمت کو وصیت کی تھی کہ اُن کی دختر وحیدہ کے حقوق کا خیال رکھنا۔ لوگوں نے رسولؐ اللہ کے اِن فرمودات کو بھلا دیا تھا جب آپؐ کی شہزادی نے اُمت سے نصرت طلب کی تھی تو اُن کی نصرت نہیں کی گئی۔

اللہ تعالیٰ نے اُن کے حقوق کی پاسداری فرمائی اور اُن کے حقوق میں سے کسی چیز کی کمی نہ کی اور اُن کا ذکر اپنی کتاب میں کیا اور اُنھیں وہ مقام عطا کیا جو کائنات میں کسی اور خاتون کو نصیب نہیں ہوا اور اُنھیں عالمین کی عورتوں کی سیدہ و سالار بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے خاتونِ جنت کو اس دنیا میں بھی عظمت عطا کی اور آخرت میں بھی اُنھیں اَرفع و اعلیٰ مقام عطا کیا۔

قیامت کا دن وہ دن ہے کہ ظالم لوگ سیاہ چہروں کے ساتھ محشور ہوں گے۔ اُس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو اپنے دانتوں سے کاٹے گا۔

اس دن خداوند تعالیٰ تمام اُمتوں کے فرعونوں کو جمع کرے گا۔ وہ اُس دن ذلت وحقارت سے دوچار ہوں گے۔ دہشت وخوف سے اُن کا حال برا ہو چکا ہوگا۔ اُس دن اُنھیں اُن کی تمام بداعمالیاں اور زشت کاریاں دکھائی جائیں گی۔ ان کا وہ نامۂ اعمال اُن کے سامنے پڑھا جائے گا کہ اُنھوں نے اللہ کی حرمتوں کی حفاظت کی تھی اور نہ اُس کے انبیاؑ کے حقوق کا خیال رکھا تھا، بلکہ اُن کا خون گرایا تھا اور اس کے نیک وصالح بندوں کی توہین وتذلیل کی تھی۔

قیامت کے دن جابر لوگوں کی ہوا اکھڑی ہوئی ہوگی۔ اُن کی طاغوتیت اور فرعونیت کی قدرت و طاقت مسلوب ہو چکی ہوگی۔ یہ وہ دن ہوگا کہ جس دن صدیقہ طاہرہؑ کی عزت وعظمت سامنے آئے گی۔

قیامت کا روز عجیب و عظیم دن ہے۔ وہ دن دہشت اور مبہوت کر دینے والا دن ہے۔ اُس دن تمام انبیاء اپنی قبور سے باہر آئیں گے اور عرصۂ محشر میں پہنچیں گے۔ تمام مخلوق اپنے اپنے ادیان اور اپنے اپنے اعمال کے مطابق جمع ہوں گی۔ تمام اُمتیں اپنی اپنی شریعت پر اکٹھی ہوں گی۔ تمام عالم جمع ہوں گے۔

وَحَشَرْنَاهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَدًا

"ہم تمام لوگوں کو اکٹھا کریں گے اور اُن میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑیں گے"۔

حتیٰ کہ سقط شدہ جنین کو بھی جو اپنی ماں کے بطن میں کامل انسان بن چکا تھا۔ اس دن اکثر لوگ ننگے محشور ہوں گے اور تمام برہنہ پاؤں ہوں گے۔ سبھی لوگ صحرائے محشر میں اکٹھے ہوں گے۔ وہ صف بندی کریں گے۔ اُن کی ستر ہزار صفیں لگیں گی۔ اُن کی صفوف مشرق کے آخری نقطہ سے شروع ہوں گی اور مغرب کے آخری نقطہ پر اُن کا اختتام ہوگا۔

جی ہاں! اُس دن حضرت سیدہ زہرا علیہا السلام کی شخصیت جلوہ گر ہوگی۔ اب ہم آپ کے حضور چند احادیث پیش کرتے ہیں کہ جنہیں علمائے عامہ کی جماعت نے کثرت سے روایت کیا ہے۔ ہمارے علمائے اعلام نے بھی انہی احادیث کو آئمہ اہلِ بیتؑ سے روایت کیا ہے۔ وہ احادیث درج ذیل ہیں:

① حاکم نیشاپوری نے مستدرک (ج ۳، ص ۱۵۳) اپنی اسناد کے ساتھ حضرت امام علی علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: میں نے رسولِ اسلام سے سنا، آپؐ نے فرمایا:

وَإِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ نَادَى مُنَادٍ مِنْ وَرَاءِ الْحِجَابِ: يَا أَهْلَ الْجَمْعِ غُضُّوا أَبْصَارَكُمْ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ مُحَمَّدٍ حَتَّى تَمُرَّ

"جب قیامت کا دن ہوگا تو حجاب کے پیچھے سے منادی ندا دے گا: اے اہلِ محشر! اپنی آنکھیں بند کرلیں، تاکہ حضرت فاطمہؑ بنت محمدؐ گزر جائیں"۔

② اسی حدیث کو ابن اثیر نے "اسد الغابہ" (ج ۵، ص ۵۲۳) میں، الکنجی شافعی نے "کفایۃ الطالب" (ص ۲۱۲) میں، ذہبی نے "میزان الاعتدال" (ج ۲، ص ۱۸) میں اور ہمدانی نے "مودۃ القربیٰ" ص ۱۰۴ میں کچھ اضافے کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

③ حضرت امام علی علیہ السلام نے رسولِ اکرمؐ سے روایت کی ہے، رسولِ اعظمؐ نے فرمایا:

إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ نَادَى مُنَادٍ مِنْ بُطْنَانِ الْعَرْشِ! يَا أَهْلَ الْقِيَامَةِ اِغْضُوا أَبْصَارَكُمْ، لِتَجُوزَ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ، مَعَ قَمِيصٍ مَخْضُوبٍ بِدَمِ الْحُسَيْنِ فَتَحْتَوِيْ

عَلٰی سَاقِ الْعَرْشِ فَتَقُوْلُ: اَنْتَ الْجَبَّارُ الْعَدْلُ اِقْضِ بَیْنِیْ وَبَیْنَ مَنْ قَتَلَ وَلَدِیْ فَیَقْضِیْ اللّٰہُ بِسُنَّتِیْ وَرَبِّ الْکَعْبَۃِ

"جب قیامت کا دن ہوگا تو اُس دن منادی اعماقِ عرش سے ندا دے گا: اے اہلِ قیامت! اپنی آنکھیں بند کرلو، تا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دختر فاطمہؑ گزر جائیں وہ حضرت امام حسینؑ کے خون سے آلودہ قمیص لیے ہوئے ساقِ عرش کے پاس آئیں گی اور بارگاہِ ایزدی میں عرض کریں گی: اے عادل بادشاہ! میرے اور اُس کے درمیان کہ جس نے میرے فرزند کو شہید کیا، فیصلہ فرما۔ رب کعبہ کی قسم! اللہ تعالیٰ میری سنت کے مطابق فیصلہ فرمائے گا"۔

پھر بقول عظمیٰ فرمائیں گی: اے میرے اللہ! جس کسی نے میرے فرزند حسینؑ کے مصائب پر گریہ کیا تھا اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما۔ اللہ تعالیٰ اُن کی شفاعت کو قبول فرمائے گا۔

اس حدیث کے باقی راویان درج ذیل ہیں:

① "زرندی" در نظم دُرالسمطین
② "متقی ہندی" در کنز العمال، ج ۱۳، ص ۹۳
③ "ہیثمی" در مجمع الزوائد، ج ۶، ص ۲۱۲
④ "ابن صباغ" در الفصول المہمہ، ص ۲۴۷
⑤ "ابن ابی الحدید" در شرح نہج البلاغہ
⑥ "ابن حجر" در "لسان المیزان" ج ۳، ص ۲۳۷
⑦ "سیوطی" در الخصائص، ج ۲، ص ۲۶۵
⑧ "کنانی مصری" در تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ
⑨ "نبہانی" در "الفتح الکبیر" و "جواہر البحار"
⑩ "شافعی"، در "المناقب"
⑪ "ملّا علی قاری"، در "جمع الوسائل"
⑫ "قندوزی" در ینابیع المودۃ
⑬ "شبراوی" در الاتحاف بحب الاشراف
⑭ "شبلنجی" نے اس روایت کو نورالابصار میں نقل کیا ہے۔

④ جن لوگوں نے ابوہریرہؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے ان میں سے چند یہ ہیں: ابونعیم نے دلائلِ نبوت میں، ابن حجر ہیثمی نے صواعق محرقہ میں وغیرہ۔

⑤ جن لوگوں نے ابوایوب انصاری سے روایت کی ہے ان میں سے چند یہ ہیں:

خوارزمی نے مقتل الحسینؑ میں اسے نقل کیا ہے۔ اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

یَا اَھْلَ الْجَمْعِ نَکِّسُوْا رُؤُوْسَکُمْ وَغُضُّوْا اَبْصَارَکُمْ حَتّٰی تَجُوْزَ فَاطِمَۃُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ عَلَی الصِّرَاطِ

"اے اہلِ محشر! اپنے سروں کو جھکا لو اور اپنی آنکھیں بند کرلو، تا کہ رسول اللہؐ کی دختر حضرت

فاطمہ صراط سے گزر جائیں"۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: "اس وقت اُن کے ہمراہ ستر ہزار فرشتے ہوں گے، جو برق کے مانند درخشندہ ہوں گے۔ وہ آپ ان کے ہمراہ صراط کو عبور کریں گی"۔

اسی روایت کو قرمانی نے "اخبار الاول" میں علامہ طبری نے "ذخائر العقبیٰ" میں، ابن صباغ نے "الفصول المہمہ" میں اور صفوری نے "نزہۃ المجالس" میں نقل کیا ہے۔

اسی روایت کو حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور ابوسعید خدریؓ وغیرہ سے نقل کیا گیا۔

⑥ علمائے عامہ کی کثرت نے اس حدیث کو اپنے ہاں نقل کیا ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا: حضرت فاطمہ زہراؑ میری ناقہ عضباء یا قصویٰ پر سوار ہو کر وارد میدانِ محشر ہوں گی۔

بضعہ رسولؐ اور شفاعت

شیعہ اور اہلِ سنت منابع اور مصادر میں بہت سی احادیث موجود ہیں جن میں وضاحت موجود ہے کہ قیامت کے دن سید الانبیاءؐ کی دختر حضرت فاطمہ زہراؑ گناہگاروں کی شفاعت کریں گی۔ اُن میں سے کچھ احادیث درج ذیل ہیں:

① حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی بارگاہ میں سوال کیا: اے فرزند رسولؐ! میں آپؑ پر قربان جاؤں مجھے اپنی والدہ گرامی حضرت فاطمہ زہراؑ کی فضیلت و عظمت کی حدیث سنائیں۔ جب میں وہ احادیث آپ کے دوستوں کو سناؤں تو وہ خوش ہو جائیں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: میں نے اپنے والد گرامی سے سنا، اُنھوں نے اپنے آباء سے اور اُنھوں نے رسولؐ اقدس سے سنا، رسولِ اعظمؐ نے فرمایا: جب روزِ محشر برپا ہوگا تو تمام انبیاء اور رُسل کے لیے نور کے منبر نصب کیے جائیں گے۔ پھر میرا منبر نصب کیا جائے گا، جو تمام منابر سے بلند و بالا ہوگا۔ جب میں اپنے منبر پر بلند ہوں گا تو اللہ تعالیٰ مجھ سے فرمائے گا کہ میں خطاب کروں۔ اُس دن وہ خطاب کروں گا کہ ایسا خطبہ آج تک کسی نبیؑ نے سنا ہوگا اور نہ رسولؐ نے سنا ہوگا۔

پھر انبیاءؑ اور مرسلین کی اولادوں کے لیے نورانی منبر نصب ہوں گے۔ پھر ان منابر کے درمیان میرے دونوں فرزندوں اور دونوں سبطین (حسنؑ و حسینؑ) جو دنیاوی حیات میں میرے لیے ریحان تھے، کے لیے نورانی منبر نصب ہوں گے۔ اُن کی قبر تمام انبیاءؑ اور مرسلین کی اولاد کے منابر سے بہت اُونچے ہوں گے۔ جب وہ دونوں اپنے منبروں پر

بیٹھیں گے تو اللہ تعالیٰ اُن سے فرمائے گا کہ وہ خطاب کریں۔ وہ دونوں اتنا عظیم الشان خطاب کریں گے کہ کسی نبی اور مرسل کی اولاد نے ایسا خطاب کبھی نہ سنا ہوگا۔

بعدازیں حضرت جبرئیل امینؑ عرصۂ محشر میں منادی کریں گے: فاطمہؑ بنت محمدؐ کہاں ہیں؟

آپؑ اپنے مقام پر کھڑی ہوں گی۔ اُس وقت خداوند تعالیٰ تمام عرصۂ محشر سے ارشاد فرمائے گا:

اے اہلِ محشر! آج کے دن سب سے محترم و مکرم کون ہے؟ وہ سب پکاریں گے: "سب سے بہترین اور قدر و منزلت والے رسولِ معظمؐ حضرت امام علیؑ اور آپؑ کے شہزادے حسنین شریفینؑ ہیں۔ یہ سب کچھ اس بادشاہِ حقیقی کے لیے ہے جو واحد قہار ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام اہلِ محشر سے فرمائے گا: میں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فاطمہؑ اور اُن کے دونوں شہزادوں حسنین شریفینؑ کو برگزیدہ بنایا ہے۔ اے اہلِ محشر! اپنے سروں کو جھکا لو اور اپنی آنکھیں بند کرلو کہ جب بنت رسولِ اقدسؐ جنت کی طرف جانا چاہتی ہیں۔

اُس وقت فرشتۂ وحی حضرت جبرئیلؑ جنت کی سواری لائیں گے، جو دونوں طرف سے مختلف قسم کے زیوروں اور دیباج سے آراستہ و پیراستہ ہوگی۔ اس کی مہار موتیوں کی ہوگی۔ اُس کا زین مرجان کا ہوگا۔ وہ مرکب جب بضعہ رسولؐ کے سامنے آئے گا تو اپنے زانو جھکا دے گا۔ خاتونِ بہشت اُس پر سوار ہو جائیں گی، پھر اللہ تعالیٰ ایک لاکھ فرشتوں کو اُن کی سواری کے دائیں طرف اور ایک لاکھ فرشتوں کو بائیں طرف مقرر کرے گا کہ وہ خاتونِ جنت کی سواری کے ساتھ چلتے آئیں۔ پھر ایک لاکھ فرشتے حاضر ہوں گے۔ وہ فرشتے دخترِ پیغمبرؐ کو اپنے پَروں پر سوار کریں گے اور جنت کے دروازے پر لے آئیں گے۔ جب بتولِ عذراؑ جنت کے دروازے پر آئیں گی تو وہیں ٹھہر جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئے گی: اے میرے نبیؐ کی حبیبہ! آپؑ کیوں یہاں ٹھہر گئی ہیں؟ میں نے آپؑ پر جنت کے دروازے کھول دیے ہیں۔

اُس وقت سیدۂ کائنات بارگاہِ رب العزت میں عرض گزار ہوں گی: "اے میرے پروردگار! آج میں چاہتی ہوں کہ میرے فضائل و مناقب اور درجات کا تعارف کرایا جائے؟"

اُس وقت ذاتِ احدیت سے ندا آئے گی: اے میرے حبیبؐ کی دختر! تھوڑا سا واپس لوٹیے اور اپنی پشت کی طرف نگاہ ڈالیے۔ جس کسی کے دل میں آپؑ کی یا آپؑ کی اولاد کی محبت ہے اُس کے ہاتھ سے پکڑ کر اُسے جنت میں داخل کردیجیے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے جناب جابرؓ سے فرمایا: اے جابرؓ! اللہ کی قسم! اس دن حبیبۂ رسولؐ ہمارے دوستوں اور محبوں کو اس طرح چُن لیں گی کہ جس طرح ایک پرندہ فاسد دانوں سے سالم دانوں کو چُن لیتا ہے۔ اس طرح ہمارے تمام دوست جنّت کے دروازے پر پہنچ جائیں گے۔ اس وقت اُن کے قلوب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے القا ہوگا کہ وہ یہیں ٹھہر جائیں۔ جب وہ ٹھہریں گے تو ذاتِ احدیت کی طرف سے ندا آئے گی: اے میرے دوستو! تم یہاں کیوں ٹھہر گئے ہو؟

میرے حبیبؐ کی دختر نے تمھاری شفاعت کردی ہے۔

اس وقت ہمارے دوست بارگاہِ ربوبیت میں عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! ہم چاہتے کہ آج ہماری قدرومنزلت کا مظاہرہ ہو، تاکہ لوگ ہماری عظمت دیکھیں۔

ندائے پروردگار آئے گی: اے میرے دوستو! پیچھے دیکھیے ان لوگوں میں سے جس کسی نے دخترِ نبیؐ کی وجہ سے تم سے محبت کی تھی۔ جس کسی نے ان کی دوستی میں تمھیں کھانا کھلایا تھا ان کی محبت میں جس کسی نے تمھیں پانی پلایا تھا۔ ان کی محبت میں جس نے تمھیں لباس پہنایا تھا۔ ان لوگوں میں غور سے دیکھیں جس کسی نے خاتونِ جنّت کی محبت میں تمھیں پانی کا ایک گھونٹ پلایا تھا اور دیکھو کہ ان کی محبت میں تمھاری غیبت کو جس نے رد کیا تھا اُس کا ہاتھ پکڑو اور اُنھیں اپنے ساتھ جنّت میں لے جاؤ۔ (بحار الانوار: ج ۸، ص ۵۱، تفسیر فرات بن ابراہیم: ص ۱۱۳)

(۲) حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں نے امیرالمومنین علی علیہ السلام سے سنا کہ آپؑ نے فرمایا: ایک دن رسولِ ثقلینؐ اپنی دختر کے پاس تشریف لائے تو اُنھیں محزون و مغموم پایا۔ حبیبؐ خدا نے پوچھا: اے میری بیٹی! آپؑ کیوں غمگین و پریشان ہیں؟

آپؑ نے عرض کیا: بابا جان! میں نے ابھی یوم حشر کو یاد کیا کہ اس دن لوگ برہنہ محشور ہوں گے!

رسولِ اقدسؐ نے فرمایا: اے میری بیٹی! یوم حشر واقعی ایک خوفناک دن ہے، لیکن ایک دفعہ میرے پاس حضرت جبرئیلؑ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر لے کر آئے تھے۔ اُنھوں نے کہا: قیامت کے دن سب سے پہلے میں اپنی قبر سے باہر آؤں گا۔ اے میری دختر! پھر آپؑ کے شوہر اپنی قبر سے باہر آئیں گے۔ پھر حضرت جبرئیلؑ ستر ہزار ملائکہ کے ساتھ آپؑ کی قبرِ مبارک پر آئیں گے اور آپؑ کی قبر پر سات نورانی قبے نصب کریں گے۔ پھر حضرت اسرافیلؑ آپؑ کی قبر پر آئیں گے۔ وہ نُور کے تین بہشتی لباس آپؑ کو پیش کریں گے جنھیں آپؑ زیب تن کریں گی۔ اس کے بعد روفائیل نامی فرشتہ نُورانی مرکب کے ساتھ آئے گا۔ اس مرکب کی مہار موتیوں کی ہوگی، اس مرکب پر طلائی کجاوہ ہوگا۔ آپؑ

اس سواری پر سوار ہوں گی۔ وہ فرشتۂ رحمت آپؑ کی سواری کی مہار اپنے ہاتھ میں لے گا۔ ستر ہزار ملائکہ جن میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں توحید کا پرچم ہوگا وہ آپؑ کی سواری کے آگے چل رہے ہوں گے۔ آپؑ کو میدانِ محشر میں لائیں گے۔ ستر ہزار حورانِ جنت آپؑ کے استقبال کے لیے آگے بڑھیں گی۔ ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں نورانی عود دان ہوگا، جس میں نورانی خوشبو ہوگی، جو ماحول کو معطر کردے گی۔ اُن کے سروں پر گوہر ناب کے تاج ہوں گے۔ جو زبرجد سے مرصع ہوں گے۔ (بحار الانوار، ج ۴۲)

③ حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ میں نے جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے سنا، اُنھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، اُنھوں نے فرمایا: جب قیامت کا دن ہوگا تو میری دختر (حضرت فاطمہ زہراؑ) بہشتی سواری پر سوار ہوں گی۔ اُن کے دائیں بائیں ستر ستر ہزار ملائکہ ہوں گے۔ حضرت جبرئیلؑ اُن کی سواری کی مہار اپنے ہاتھوں میں تھامے ہوں گے۔ وہ اُس وقت بلند آواز سے کہیں گے:

اے اہلِ محشر! اپنی آنکھیں بند کرلو، تاکہ حضرت فاطمہؑ بنت محمدؐ گزر جائیں۔ اُس دن کوئی رسولؑ، کوئی نبیؑ اور کوئی شہید نہ ہوگا کہ جو اپنی آنکھیں بند نہ کرے گا۔ تو اسی وقت بتولؑ بارگاہِ ربوبیت میں عرض کریں گی:

اِلٰهِی وَسَیِّدِی اُحکم بَیْنِیْ وَبَیْنَ مَنْ ظَلَمَنِی، اَللّٰهُمَّ احکم بَیْنِی وَبَیْنَ مَنْ قَتَلَ وَلَدِیْ

"اے میرے اللہ! اے میرے آقا! میرے اور جس نے مجھ پر ظلم کیا ہے کے درمیان عدل فرما، اے میرے اللہ! تو میرے اور اُس کے درمیان انصاف فرما کہ جس نے میرے فرزند کو قتل کیا"۔

بارگاہِ ربوبیت سے ندا آئے گی: اے میری حبیبہؑ اور میرے حبیبؐ کی بیٹی! تو مجھ سے مانگتی جا، میں تجھے دیتا جاؤں گا، تو شفاعت کرتی جا، میں قبول کرتا جاؤں گا۔ مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! آج کوئی ظالم اور ستم کار میرے عذاب سے نہیں بچ سکتا۔

اُس وقت سیّدۂ عالمؑ بارگاہِ خداوندی میں عرض کریں گی: اے میرے اللہ! اے میرے آقا! میری ذریت اور میرے دوستوں اور اُن کی اولاد اور میرے محبوں اور ان کی اولاد کو بخش دے۔

اُس وقت ذاتِ احدیت سے آواز آئے گی: فاطمہ زہراؑ کی ذریت اور اُن کے محب اور اُن کی اولاد کہاں ہے؟

اُس وقت اُنھیں رحمت کے ملائکہ گھیر لیں گے۔ حضرت فاطمہ زہراؑ اُن کے آگے آگے چلیں گی اور اُن سب کو

جنت میں داخل کریں گی۔ (بحار الانوار، ج ۴۳)

④ رسولِ ثقلین نے اس آیت کریمہ لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ..... (سورۂ انبیاء: آیت ۱۰۳) کے بارے میں فرمایا: میری دختر فاطمہؑ اپنی ذریت اور اپنے محبوں کو جنت میں داخل کریں گی اور وہ لوگ جو ان کے حقیقی دوست نہ ہوں گے بلکہ ان کے دوستوں کے دوست ہوں گے اور انھوں نے اچھے اعمال کیے ہوں گے۔ انھیں بھی جنت میں داخل کریں گی۔

مذکورہ آیت کا معنی یہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق فَزَعُ الْاَكْبَرُ سے مراد قیامت کا دن ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خدا کی قسم! وَهُمْ فِيهَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خَالِدُوْنَ سے مراد حضرت فاطمہ زہراؑ اور ان کی اولاد اور ان کے محب اور ان کے محبوں کے محب ہیں کہ جنھوں نے اچھے کام کیے ہوں گے وہ بھی ان کی شفاعت سے جنت میں جائیں گے۔

قرآن مجید اور شفاعت

اے قاریٔ کریم! ابھی آپ نے حضرت سیدہ زہراؑ کی شفاعت پر مشتمل صحیح اور صریح احادیث کا مطالعہ کیا ہے۔ اب میری طرف آیئے میں آپ کو عجیب وغریب خودساختہ آراء کی طرف لے چلتا ہوں کہ امت مسلمہ میں کچھ لوگ وہ ہیں کہ جنھوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شفاعت نہیں کر سکے گا۔ انھوں نے اولیائے اللہ کی شفاعت کی نفی کر دی، حتیٰ کہ سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کی نفی کر دی۔ ان لوگوں نے اپنے آپ کو توحید پرست کہلانے کی کوشش کی۔ انھوں نے مسئلۂ شفاعت اولیائے اللہ اور انبیائے خدا کو توحید کی نقیض قرار دیا اور اس عقیدے کو شرک قرار دیا۔

آیئے ان درج ذیل آیات کو پڑھیے اور خود فیصلہ کیجیے:

① آیتِ قرآنی ہے: مَنْ ذَا الَّذِىْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ "کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کرے"۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۲۵۵)

② فرمانِ خداوندی ہے: لَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى "اور وہ فقط ان لوگوں کی شفاعت کر سکتے ہیں جن سے اللہ راضی ہے"۔ (سورۂ انبیاء: آیت ۲۸)

③ اس آیت کا مطالعہ فرمایئے: مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا بِاِذْنِهٖ "اس کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت کرنے والا

نہیں ہے"۔(سورۂ یونس: آیت ۳)

④ فرمانِ خداوندی ہے: لَا یَمْلِکُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا (سورۂ مریم: آیت ۸۷)
"کسی کو شفاعت کا اختیار نہ ہوگا سوائے اُس کے جس نے رحمٰن سے عہد لیا ہو"۔(سورۂ مریم: آیت ۸۷)

⑤ ارشادِ خداوندی ہے: یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ "اُس دن شفاعت کسی کو فائدہ نہ دے گی سوائے اُس کے جسے رحمٰن اجازت دے"۔(سورۂ طٰہٰ: آیت ۱۰۹)

⑥ ارشادِ خداوندی ہے: وَ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ "اور اللہ کے نزدیک کسی کے لیے شفاعت فائدہ مند نہیں سوائے اُس کے جس کے حق میں اللہ نے اجازت دی ہو"۔(سورۂ سبا: آیت ۲۳)

⑦ ایک اور مقام پر ہے: لَا تُغْنِیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْئًا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ یَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ یَّشَآءُ "جن کی شفاعت کوئی فائدہ نہیں دیتی مگر اللہ کی اجازت کے بعد جس کے لیے وہ چاہے"۔(سورۂ نجم: آیت ۲۶)

ابھی آپ نے ان تمام آیات کا مطالعہ فرمایا ہے جو اس مضمون پر مشتمل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے شفاعت ہوگی۔ اس طرح شافعین کے لیے حقِ شفاعت ثابت ہوجاتا ہے۔ اے اہلِ اسلام! کیا ان آیات سے اولیائے اللہ کی شفاعت کا حق ثابت نہیں ہوتا؟ جس طرح قیامت کے دن شافعین مقامِ شفاعت کریں گے اس طرح اللہ نے اس دنیا میں بھی اپنے مقرب بندوں کو حقِ شفاعت عطا کیا ہے۔ آیئے اِن درج ذیل آیات کا مطالعہ کرتے ہیں:

① وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا "اور جب یہ لوگ اپنے اُوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو اگر آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر اللہ سے معافی مانگتے اور رسولؐ بھی ان کے لیے مغفرت کی دُعا کرتے تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا، رحم کرنے والا پاتے"۔(سورۂ نساء: آیت ۶۴)

یہ آیت مبارکہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اگر گناہ گار لوگ توبہ کرتے ہوئے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوں اور اُنھیں اپنی مغفرت کے لیے بارگاہِ خداوندی میں وسیلہ بنائیں اور رسولِؐ اسلام اُن کے لیے مغفرت کردیں تو وہ اپنے اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پائیں گے۔ اگر نبیؐ کی شفاعت شرک ہوتی تو وہ اللہ کو بھی توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا نہ پاتے، کیونکہ شرک عظیم گناہ ہے۔ اللہ ہر گناہ کو معاف کردے گا، لیکن مشرک کو معاف نہیں کرے گا۔

② اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوبؑ کا قصہ قرآن میں بیان فرمایا ہے: حضرت یعقوبؑ کے بیٹے اُن کے پاس

آتے ہیں اور کہتے ہیں:

یَا اَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا اِنَّا كُنَّا خَاطِئِیْنَ (سورۂ یوسف: آیت ۹۷)

"اے ہمارے بابا! ہمارے گناہوں کی مغفرت کے لیے دعا کیجیے ہم ہی خطاکار تھے"۔

حضرت یعقوبؑ نے اُن کے جواب میں فرمایا تھا:

سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ (سورۂ یوسف: آیت ۹۸)

"عنقریب میں تمھارے لیے اپنے رب سے مغفرت کی دعا کروں گا"۔

اُنھوں نے استغفار کے لیے اپنے والد کو وسیلہ بنایا تھا۔ اُن کے والد نے اُن کے توسّل کو قبول کیا تھا اور اُن کی نفی نہیں کی تھی۔

③ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (سورۂ محمد: آیت ۱۹)

"اپنے گناہوں کے لیے اور مومنین و مومنات کے لیے استغفار کیجیے"۔

④ وَصَلِّ عَلَیْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (سورۂ توبہ: آیت ۱۰۳)

"اور اُن کے حق میں دعا بھی کریں یقیناً آپ کی دعا اُن کے لیے موجب تسکین ہے"۔

⑤ مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَیِّئَةً یَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا (سورۂ نساء: آیت ۸۵)

"جو شخص اچھی بات کی حمایت اور سفارش کرتا ہے وہ اس میں سے حصّہ پائے گا"۔

یہ بحث مزید وضاحت طلب ہے، لیکن اس کتاب میں گنجائش نہیں ہے کہ سیر حاصل بحث کی جائے۔ ان شاء اللہ خداوند توفیق دے گا اور مکمل توضیح و تشریح کے ساتھ اس عنوان پر بحث کریں گے۔

تقربِ خداوندی کے لیے خاتونِ جنت وسیلہ ہیں

فرمانِ خداوندی ہے:

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ (سورۂ اسراء: آیت ۵۷)

"جن معبودوں کو یہ پکارتے ہیں وہ خود اپنے رب تک رسائی کے لیے وسیلہ تلاش کر رہے ہیں"۔

① علامہ حسکانی حنفی نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس سے مراد رسولِ اسلام، حضرت امام علی علیہ السلام، حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور حسنین شریفین علیہما السلام ہیں۔

② سید الانبیاءؐ نے فرمایا: جب خداوند تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خلق فرمایا تو اُنھیں حضرات محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کے انوارِ مقدس دکھائے تھے اور اُنھیں وحی فرمائی تھی۔ یہ وہ پانچ عظیم الشان شخصیات ہیں کہ میں نے ان کے اسماء اپنے اسماء سے نکالے ہیں۔ اس لحاظ سے میں محمود ہوں اور یہ محمدؐ ہیں۔ میں عالی ہوں اور یہ میرے عبد علیؑ ہیں۔ میں فاطرہوں یہ میرے نبیؐ کی دختر فاطمہؑ ہیں۔ میں احسان ہوں یہ میرے بندے حسنؑ ہیں اور میں محسن ہوں اور یہ میرے عبد حسینؑ ہیں۔ اگر کسی آدمی کی کوئی حاجت ہے تو پھر وہ انھی سے توسل کرے۔

پھر رسولِ اقدسؐ نے فرمایا:

نَحْنُ سَفِيْنَةُ النِّجَاةِ وَمَنْ حَادَ عَنَّا هَلَكَ، فَمَنْ كَانَتْ لَهُ، إِلَى اللهِ حَاجَةٌ فَلْيَسْأَلْ بِنَا أَهْلَ الْبَيْتِ.... (اطیب البیان، ج ۱۳، ص ۲۳۵)

''ہم خاندانِ رسالت ہی سفینۂ نجات ہیں، جو شخص ہمارے ساتھ تمسک رکھے گا وہ اُخروی نجات پائے گا اور جس نے ہم سے دُوری اختیار کی وہ ہلاکت سے دوچار ہوگا اور جو شخص اپنے اللہ سے کوئی حاجت رکھتا ہے ہم اہلِ بیتؑ کو ہی قربِ خداوندی کے لیے وسیلہ قرار دے''۔

③ خاتونِ جنت صدیقہ، طاہرہ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام سے روایت ہے کہ خداوند تعالیٰ کی تعریف و توصیف بھرپور خلوص کے ساتھ کیجیے۔ آسمانوں اور زمین میں جتنی مخلوق ہے وہ اُس کے تقرب کے لیے وسیلہ چاہتے ہیں۔ اس کی مخلوق میں ہم خاندانِ وحی وسیلہ ہیں۔ ہم اُس کے بندگانِ خاص، محرمِ اَسرار، مظہرِ قداست، اس کے غیب ہونے میں اس کی روشن و آشکار دلیل ہیں اور ہم اس کے انبیاءؑ کے وارث ہیں۔ (فرائد السمطین (جوینی شافعی)، ج ا، ص ۳۶)

④ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا:

نَحْنُ حُجَّةُ اللهِ عَلَى الْخَلْقِ، وَفَاطِمَةُ حُجَّةٌ عَلَيْنَا (کتاب اطیب البیان)

''ہم حجتِ خدا مخلوق پر ہیں اور فاطمہؑ ہم پر حجت ہیں''۔

⑤ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام ایک دفعہ شدید علیل ہوگئے تھے۔ آپ نے خاتونِ قیامت بضعہ رسول حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کو وسیلہ بنایا، آپؑ کے توسل سے آپؑ کے فرزند کو شفا ملی تھی۔ پانچویں امامؑ نور جب صاحب فراش تھے تو بلند آواز سے فرماتے تھے: يَا فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ۔

آپؑ کی یہ آواز گھر کے دروازے پر سنائی دیتی تھی۔ (بحار الانوار، ج ۴۶)

قضائے حاجات کے لیے یہ عمل مجرب ہے: درج ذیل درود کو ۵۲۰ مرتبہ ورد کیا جائے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی فَاطِمَةَ وَاَبِیْھَا وَبَعْلِھَا وَبَنِیْھَا عَدَدَ مَا اَحَاطَ بِهٖ عِلْمُكَ

"اے میرے اللہ! تو حضرت فاطمہ زہراؑ اور ان کے والد گرامیؐ اور اُن کے شوہر نامدارؑ اور اُن کے دونوں شہزادوںؑ پر اس قدر درود و سلام بھیج جو قدر و مقدار تیرے علم میں ہے"۔

حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کی زیارت

① حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وَمَنْ زَارَ فَاطِمَةَ فَكَاَنَّمَا زَارَنِیْ ○ (ابن مغازلی، ص ۳۶۳)

"جس کسی نے حضرت فاطمہ زہراؑ کی زیارت کی اُس نے میری زیارت کی"۔

② یزید بن عبدالملک سے روایت ہے اُس نے اپنے والد سے سنا اور دادا سے سنا۔ نوفلی [1] نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دختر کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوا، اس سے قبل کہ میں اُنھیں سلام کروں اُنھوں نے مجھے سلام کیا۔ پھر اُنھوں نے مجھ سے صبح صبح آنے کی وجہ پوچھی۔

میں نے عرض کیا: آپؑ کے حضور اس لیے حاضر ہوا ہوں تاکہ ثواب اور برکت کسب کروں۔

خاتونِ جنتؑ نے فرمایا:

مَنْ سَلَّمَ عَلَیْهِ وَعَلَیَّ ثَلَاثَةَ اَیَّامٍ، اَوْجَبَ اللّٰهُ لَهُ الْجَنَّةَ

"جس کسی نے (میرے بابا) پر اور مجھ پر تین دن متواتر درود و سلام بھیجا اللہ تعالیٰ اُس پر جنت واجب قرار دیتا ہے"۔

میں نے عرض کیا: آپؑ کی اور آپؑ کے والد گرامی قدر کی ظاہری حیات میں درود بھیجنے سے اس قدر ثواب ملتا ہے؟ جولِ معظمہؑ نے فرمایا: ظاہری حیات میں بھی اس قدر ثواب ملتا ہے اور جب ہم اس دنیا سے چلے جائیں گے تو پھر بھی ہم پر درود و سلام کا ثواب جنت ہے۔

③ حضرت امیر علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضرت سیدہ زہرا علیہا السلام نے فرمایا:

قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ یَا فَاطِمَةُ مَنْ صَلّٰی عَلَیْكِ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ وَاَلْحَقَهٗ بِیْ حَیْثُ كُنْتُ مِنَ الْجَنَّةِ

---

[1] نوفلی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے۔ اس سے مقصود یزید بن عبدالملک مروانی نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے باپ اور دادا کو مدینہ سے نکال دیا تھا۔

"رسولِ اقدسؐ نے مجھے فرمایا: اے فاطمہؑ! جو شخص آپؑ پر عارفانہ طور پر درود و سلام بھیجے تو خداوند تعالیٰ اُس کے گناہ معاف کر دیتا ہے اور قیامت کے دن بہشت میں اُسے میرے جوار میں جگہ عنایت کرے گا۔ (اربلی کشف الغمہ، ج ۱، ص ۴۷۲)

④ مرحوم سیّد ابن طاؤس نے خاتونِ جنت کی زیارت کے بارے میں روایت کی:

مَنْ زَارَهَا بِهٰذِهِ الزِّيَارَةِ وَاسْتَغْفَرَ اللّٰهَ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ وَاَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ۔۔۔

"ہر وہ شخص جو حضرت فاطمہ زہراؑ کی ان عارفانہ جملوں کے ساتھ زیارت کرے اور بارگاہِ خداوندی میں استغفار اور توبہ کرے۔ خداوند تعالیٰ اُس کے سارے گناہ معاف کر دے گا اور اُسے جنت میں داخل کرے گا"۔ (سیّد ابن طاؤس، اقبال، ص ۱۵۲)

زیارت نامہ

اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يَا سَيِّدَةَ نِسَاءِ الْعَالَمِيْنَ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يَا وَالِدَةَ الْحُجَجِ عَلَى النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ اَيَّتُهَا الْمَظْلُوْمَةُ، الْمَمْنُوْعَةُ حَقُّهَا، ثُمَّ قُلْ: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اَمَتِكَ وَابْنَةِ نَبِيِّكَ وَزَوْجَةِ وَصِيِّ نَبِيِّكَ، صَلَاةً تُزْلِفُهَا فَوْقَ زُلْفٰى عِبَادِكَ الْمُكَرَّمِيْنَ مِنْ اَهْلِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرَضِيْنَ۔

"اے عالمین کی خواتین کی سیّدہ و سالارا آپؑ پر سلام، اے تمام حجج اللہ کی مہربان ماں! اے مظلومہ میرا سلام، اے وہ جس کا حق روک لیا گیا آپؑ پر سلام! پھر کہیے اے اللہ! اپنی عظیم الشان عابدہ، اپنے نبیؐ کی دختر، اپنے نبیؐ کے وصی کی زوجہ پر درود و سلام بھیج"۔

بلکہ اور زیارت نامے حضرت امام محمد باقرؑ سے اور دوسرے ائمہ اہلِ بیتؑ سے منقول ہیں جو دعاؤں اور زیارات کی کتب میں مذکور ہیں۔

گل دستہ شعور و شعور

سیّدہ نساء العالمینؑ اپنے فضائل و مواہب و امتیازات کے اعتبار سے ایک شانِ امتیازی لیے ہوئے ہیں جہاں آپؑ عزت و عظمت میں اپنی مثال آپ ہیں۔ وہاں آپؑ کے مصائب بھی کائنات پر بھاری ہیں۔ آپؑ ان مصائب سے اس لیے دوچار ہوئیں کیونکہ آپؑ نے اپنے بابا کی رحلت کے بعد دین و دختر اور انسانی حقوق کے دفاع کی خاطر

قیام کیا تھا۔ آپؑ نے اپنی گفتگو کے ذریعے انسانی احساسات و جذبات کو حق و حقیقت کے دفاع کے لیے برانگیختہ کیا تھا۔ اس میں کوئی تعجب و حیرانی والی بات نہیں ہے کہ ضمیر و وجدان رکھنے والے شعراء نے اپنے اپنے کلام میں رسولؐ اقدس کی دختر کی توصیف و تعریف بیان کی۔

جی ہاں! ان شعراء نے اپنے زندہ ضمائر کی بنیاد پر اپنی زبان میں خاتونِ جنت کی خوب صورت الفاظ میں تعریف و ثنا کی اور درد انگیز کلمات کے ساتھ اُن کے مصائب کو پیش کیا۔ وہ کون سا شاعر ہے کہ جسے خاتونِ قیامت کے آلائم و اُحزان نے مغموم نہ کیا ہو اور پھر اس کے شعور بیدار نہ ہوئے ہوں؟ اس طرح وہ کون سا انسان ہے کہ جس کے پہلو میں دھڑکنے والا دل ہے اور سوچنے والی عقل ہے اور اُس نے بتول عذراءؑ کے فضائل کو دَرک نہ کیا ہو؟ اور پھر اُس نے اپنے مشاعر سے اُن کی تعبیر نہ کی ہو؟ ہم اُن کی بات نہیں کر رہے ہیں جن کے ضمائر مر چکے ہیں اور جن کے اُدراکات و احساسات معطل ہو چکے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دختر کی معنویت اور اُن کا جاہ و جلال پر زندہ ضمیر اور ہر عقلِ سلیم کے لیے مقناطیسیت ہے۔ ایسے شعراء داد و تحسین کے لائق ہیں کہ جنھوں نے اپنے رسولِ اکرمؐ کی دختر وحیدہ کے فضائل و مناقب اور اُن کے مصائب کو منظوم صورت میں پیش کیا۔

اس صف کے وہ شعراء جن کا تعلق چند آخری قرون سے ہے، قابلِ تحسین ہیں کہ انھوں نے آیاتِ ولا کو خوب صورت انداز میں پیش کیا اور انھوں نے خاندانِ وحی کی مدح و رثا کو نظم کے قالب میں ڈھال کر ہمیشہ کے لیے محفوظ کر لیا اور ان لوگوں نے اپنے اس عظیم کام کے عوض جنت خرید لی ہے۔ اللہ نے اپنے متقی بندوں سے اپنی جنت کا وعدہ کر رکھا ہے۔ اب آپ مندرجہ ذیل قصائد کے ہر بیت میں خوب صورت ادب اور اَرفع و اعلیٰ تعبیرات ملاحظہ کریں گے۔

جی ہاں! یہ شعراء کا وہ شجاع و بہادر گروہ ہے کہ جنھوں نے اپنے کلام کو تاریخ کے دیوان میں ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا ہے۔ علامہ الشیخ کاظم الازری اللہ تعالیٰ ان کی قبر پر رحمت فرمائے۔

نَقَضُوا عَهْدَ أَحْمَدٍ فِي أَخِيهِ ۔۔۔ وَأَذَاقُوا الْبَتُولَ مَا أَشْجَاهَا

يَوْمَ جَاءَتْ إِلَى عَدِيٍّ وَتَيْمٍ ۔۔۔ وَمِنَ الْوَجْدِ مَا أَطَالَ بُكَاهَا

فَدَنَتْ وَاشْتَكَتْ إِلَى اللهِ شَكْوَى ۔۔۔ وَالرَّوَاسِيُّ تَهْتَزُّ مِنْ شَكْوَاهَا

لَسْتُ أَدْرِي إِذْ رُوِّعَتْ وَهِيَ حَسْرَى ۔۔۔ عَانَدَ الْقَوْمُ بَعْلَهَا وَأَبَاهَا

تَعِظُ الْقَوْمَ فِي أَتَمِّ خِطَابٍ ۔۔۔ حَكَتِ الْمُصْطَفَى بِهِ وَحَكَاهَا

هٰذِهِ الْكُتُبُ فَاسْئَلُوهَا تَرَوْهَا — بِالْمَوَارِيثِ نَاطِقًا فَحْوَاهَا

وَبِمَعْنٰى يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ اَمْرٌ — شَامِلٌ لِلْاَنَامِ فِيْ قُرْبَاهَا

فَاطْمَانَّتْ لَهَا الْقُلُوْبُ وَكَادَتْ — اَنْ تَزُوْلَ الْاَحْقَادُ مِمَّنْ طَوَاهَا

اَيُّهَا الْقَوْمُ رَاقِبُوا اللّٰهَ فِيْنَا — نَحْنُ مِنْ رَوْضَتِهِ الْجَلِيْلِ جَنَاهَا

وَلَنَا مِنْ خَزَائِنِ الْغَيْبِ فَيْضٌ — ترد الْمُهْتَدُوْنَ مِنْهُ هُدَاهَا

اَيُّهَا النَّاسُ اَيُّ بِنْتِ نَبِيٍّ — عَنْ مَوَارِيْثِهِ اَبُوْهَا زَوَاهَا

كَيْفَ يَزْوِيْ عَنِّيْ تُرَاثِيْ عَتِيْقٌ — بِاَحَادِيْثَ مِنْ لَدُنْهُ افْتَرَاهَا

كَيْفَ لَمْ يُوْصِنَا بِذٰلِكَ مَوْلَانَا؟ — وَتَيْمًا مِنْ دُوْنِنَا اَوْصَاهَا؟

هَلْ رَآنَا لَانَسْتَحِقُّ اهْتِدَاءً — وَاسْتَحَقَّتْ تَيْمُ الْهُدٰى فَهَدَاهَا

اَمْ تَرَاهُ اَضَلَّنَا فِي الْبَرَايَا — بَعْدَ عِلْمٍ لِكَيْ نُصِيْبَ خَطَاهَا

اَنَصِفُوْنِيْ مِنْ جَائِرَيْنِ اَضَاعَا — حُرْمَةَ الْمُصْطَفٰى وَمَا رَعَيَاهَا

"اُن لوگوں نے پیمانِ پیغمبرؐ جو اُن کے بھائی کے بارے میں تھا توڑ ڈالا اور اُن کی دختر فرزانہ بتولؑ کو وہ درد و رنج دیے کہ جن کے سننے سے ہر آزاد انسان کا دل تڑپ کر رہ جاتا ہے۔ جب وہ اُس دن عدی اور تیم کے پاس آئیں تو اُن پر مظالم ڈھائے گئے۔ اُن کا گریہ طولانی ہو گیا۔ جب اُنھوں نے بارگاہِ خداوندی میں اپنا شکوہ پیش کیا تو اُن کے شکوے سے بلند و بالا پہاڑ لرز رہے تھے۔ میں نہیں جانتا اس ظالم گروہ نے اُن کے گھر پر جا کر ان کی تہدید کی اور اُنھیں ڈرایا دھمکایا۔ لوگوں نے اُن کے شوہر اور اُن کے والد گرامی سے عناد کیا۔ وہ اس قوم کے پاس گئیں اور انھیں خطاب فرمایا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے رسول اللہؐ خطاب فرما رہے ہوں۔ یہ آسمانی کتابیں ہیں، ان سے پوچھ لیجیے یا ان کا مطالعہ کر لیجیے۔ یہ آپ کو بتائیں گی کہ قانونِ میراث باقی ہے۔ ہر والد میراث چھوڑتا ہے اور اُس کے رشتہ دار اس کی میراث لیتے ہیں۔ اور یہ بھی کتابیں بتاتی ہیں کہ اللہ کی وصیت کا معنی بھی ہے۔ یہ امر کائنات کے ہر فرد کو شامل ہے اور کوئی انسان قانونِ میراث سے مستثنیٰ نہیں ہے۔

اُن کی اس گفتگو سے دلوں میں اطمینان ٹھہرا اور قریب تھا کہ بغض و کینے دوستی میں بدل

جائیں۔ فخرِ دانش و بینش نے فرمایا: اے لوگو! ہمارے مورد و حقوق اور اُمیت و اقتدا کے لیے ہوش میں آیئے کیونکہ ہم خدائے بزرگ کے بوستانِ جان بخش کا میوہ ہیں۔ ہمارے پاس غیب کے خزانے ہیں۔ جن لوگوں نے ہدایت پائی ہے اُنھوں نے ہم سے ہی فیض حاصل کیا ہے۔ اے لوگو! وہ کس نبی کی بیٹی ہے کہ جسے اللہ نے اس کے والد کی میراث سے محروم کیا ہے؟ کیا تمھارے نبی کی بیٹی کے علاوہ اُن کی اولاد میں سے کوئی اور فرد تھا۔ اس آدمی نے میری میراث کو ضبط کرلیا ہے۔ اُس نے جس روایت کا سہارا لیا ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ میرے بابا نے اس امر کی مجھے وصیت کیوں نہ فرمائی تھی؟ میرے علاوہ اُنھوں نے صرف تیم کو وصیت کی تھی۔

کیا ہمارے بزرگوار نے ہمیں اس امر کی ہدایت ہمارے لیے ضروری نہیں سمجھی تھی اور ہمارے غیر کے لیے ہدایت ضروری خیال کی تھی۔ ساری اُمت میں اس امر کا ہمیں علم نہیں ہے۔ کیا ہم خطا پر ہیں۔ ان لوگوں نے ہم پر ظلم کیا اور محمد مصطفیٰؐ کی حرمت کو ضائع کیا اور ہمارے حقوق کی رعایت نہیں کی ہے خود مدعی اور خود منصف بن بیٹھے"۔

شیخ الفقہاء والفلاسفہ استاذ آیت اللہ شیخ محمد حسن اصفہانیؒ کا کلام

جَوْهَرَةُ الْقُدسِ مِنَ الْكَنْزِ الْخَفِيّ ... بَدَتْ فَأَبْدَتْ عَالِيَاتِ الْأَحْرُفِ

وَقَدْ تَجَلّیٰ مِنْ سَمَاءِ الْعَظَمَةِ ... فِي عَالَمِ الْأَسْمَاءِ أَسْنیٰ كَلِمَةِ

بَلْ هِيَ أُمُّ الْكَلِمَاتِ الْمُحْكَمَةِ ... فِي غَيْبِ ذَاتِهَا ، نِكَاتٌ مُبْهَمَةِ

أُمُّ أَئِمَّةِ الْعُقُولِ الْغُرِّ ، بَلْ ... «أُمُّ أَبِيْهَا» وَهُوَ عِلَّةُ الْعِلَلِ

زَوْجُ النَّبِيِّ فِي عَظِيْمِ الْمَنْزِلَةِ ... وَفِي الْكَفَاءِ كُفْوُ مَنْ لَا كُفْوَلَهُ

تَمَثَّلَتْ رَقِيقَةُ الْوُجُودِ ... لَطِيْفَةٌ جَلَّتْ عَنِ الشُّهُودِ

تَكَوَّرَتْ فِي أَفْضَلِ الْأَطْوَارِ ... نَتِيْجَةُ الْأَدْوَارِ وَالْأَكْوَارِ

تَصَوَّرَتْ حَقِيقَةُ الْكَمَالِ ... بِصُورَةٍ بَدِيْعَةِ الْجَمَالِ

فَإِنَّهَا الْحَوْرَاءُ فِي النُّزُولِ ... وَفِي الصُّعُودِ مِحْوَرُ الْعُقُولِ

يُمَثِّلُ الْوُجُوبَ فِي الْإِمْكَانِ ... عِيَانُهَا بِأَحْسَنِ الْعِيَانِ

فَإِنَّهَا قُطْبُ رَحَى الْوُجُودِ فِي قَوْسَيِ النُّزُولِ وَالصُّعُودِ
وَلَيْسَ فِي مُحِيطِ تِلْكَ الدَّائِرَةْ مَدَارُهَا الْأَعْظَمُ إِلَّا الطَّاهِرَةْ
معصومة من كل رسم وسِمة مرموزة في الصحف المطهرة
«صدّيقة» لا مثلها صدّيقة تفرغ بالصدق من الحقيقة
بدا ذلك الوجود الزاهر سرّ ظهور الحق في المظاهر
هي «البتول» الطهر و«العذراء» كريم الطهر ، ولا سواء
فَإِنَّهَا سَيِّدَةُ النساء ومريم الكبرىٰ بلا خفاء
بُشراكَ يا أَبَا «العقول العشرة» بالبضعة الطاهرة المطهرة
مهجة قلب عالم الامكانِ وبهجة الفردوس في الجِنان
غُرّتها الغراء مصباح الهدىٰ يُعرف حسن المنتهىٰ بالمبتدا
وفي محيّاها بعين الأولياء عينان من ماء الحياة والحياء
بُشراك ياخلاصة الايجاد بصفوة الأنجاد والأمجاد
أم الكتاب وابنة التنزيل ربّة بيت العلم بالتأويل
بحر الندى ومجمع البحرين قلب الهدى ومهجة الكونين
واحدة النبي أوّل العدد ثانية الوصي نسخة الأحد
ومركز الخمسة من أهل العبا ومحور السبع علوًّا وإبا
لك الهنا ياسيّد البريّة بأعظم المواهب السنيّة
أتاك طاوس رياض الانس بنفحة من نفحات القدس
من جنّة الأسماء والصفاء جلّت عن المديح والثناء
فارتاحت الأرواح من شميمها واهتزّت النفوس من نسيمها
بها انتشى في الكون كل صاح وطابت الأشباح بالأرواح
تحيىٰ بها الأرض وَمن عَلَيهَا ومرجع الأمر غداً إِلَيهَا
لهفي لَهَا لَقَد أُضيع قدرها حتّى توارى بالحجاب بدرها

تجرّدت من غصص الزمان   ما جاوز الحدّ من البيان

وحُبّها من الصفات العالية   عليه دارت القرون الخالية

تبتّلت من دنس الطبيعة   فيا لها من رتبة رفيعة

مرفوعة الهمة والعزيمة   من نشأة الزخارف الذميمة

فی أُفق المجد هی الزهراء   للشمس من زهرها الضياء

بل هی نُور عالم الانوار   ومطلع الشموس والأقمار

رضيعة الوحی من الجليل   حليفة لمحكم التنزيل

مفطومة عن زلل الأهواء   معصومة عن وصمة الخطاء

معربة بالستر والحياء   عن غيب ذات بارئ الأشياء

«راضية» بكل ما قضى القضا   بما يضيق عنه واسع الفضاء

«زكية» عن وصمة القيود   فهی غنيّة عن الحدود

ياقبلة الأرواح والعقول   وكعبة الشهود والوصول

مَن بقدومها تشرفت «منّى»   ومن بها تدرك غاية المنى

وبابها الرفيع باب الرحمة   ومستجار كلّ ذی ملمّة

وما الحطيم عند باب فاطمة   بنورها تطفأُ نار الحاطمة

وبيتها المعمور كعبة السما   أضحى ثراه للثريا ملثما

وخدرها السامی رواق العظمة   وهو مطاف الكعبة المعظمة

حجابها مثل حجاب الباری   بارقة تذهب بالأبصار

تمثل الواجب فی حجابها   فكيف بالاشراق من قبابها

يا درة العصمة والولاية   من صدف الحكمة والعناية

فالكوكب الدرّی فی السماء   من ضوء الدرّة البيضاء

والنيّر الأعظمُ منها كالسُها   كيف ولا حدّ لها ومنتهى

أشرقت العوالم العلوية   بنور تلك الدرة البهية

يادوحة حازت سنام الفلك ... بل جاوز السدرة فرعها الزكى
يادوحة أغصانها تدلّت ... بموضع فيه العقول ضلّت
دنت إلى مقام ﴿أو أدنىٰ﴾ فلا ... تبتغ من ذلك أعلى مَثَلا
ياشجر الطور وأين الشجرة ... من دوحة المجد الأثيل المثمرة؟
وَ انما السدرة والزيتونة ... عنوان تلك الدوحة الميمونة
أثمارها الغرّ مجالى الذات ... مظاهر الأسماء والصفات
مبادىء الحياة فى البداية ... ومنتهى الغايات للنهاية
أثمارها عزائم القرآن ... فى صفحات مصحف الامكان
أثمارها منابت للمعرفة ... من جنّة الذات غدت مقتطفة
لك الهنا يا ﴿سيّد الوجود﴾ ... فى نشأت الغيب والشهود
بمن تعالى شأنها عن مثل ... كيف ولا تكرار فى التجلّى
ولا يثنّى هيكل التوحيد ... فكيف بالنظير والنديد
وملتقى القوسين نقطة ، فلا ... ترى لَهَا ثانية أو بدلا
وحيدة فى مجدها القديم ... فريدة فى أحسن التقويم
وما أصابها من المصاب ... مفتاح بابه ﴿حديث الباب﴾
إن حديث الباب ذو شجون ... مما به جنّت يد الخؤون
أيهجم العدى على بيت الهدىٰ ... ومهبط الوحى ومنتدى الندى؟
أيضرم النار بباب دارها ... وآية النور علا منارها
وبابها باب نبى الرحمة ... وباب أبواب نجاة الأمة
بل بابها باب العلى الأعلى ... فثمّ وجه الله قد تجلّى
ما اكتسبوا بالنار غير العار ... ومن ورائه عذاب النّار
ما أجهل القوم فان النّار لا ... تطفئ نور الله جل وعلا
و إنّ كسر الضلع ليس ينجبر ... إلّا بصمصام عزيز مقتدر

إذ رضّ تلك الأضلع الزكية — رزية لا مثلها رزية
ومن نبوع الدم من ثدييها — يُعرف عُظم ما جرى عليها
وجاوز الحد بلطم الخدّ — شُلّت يد الطغيان والتعدّي
فاحمرّت العين، وعين المعرفة — تذرف بالدمع على تلك الصفة
ولا تزيل حمرة العين سوى — بيض السيوف يوم ينشر اللوى
وللسياط رنّة ، صداها — في مسمع الدهر ، فما أشجاها
والأثر الباقي كمثل الدملج — في عضد الزهراء أقوى الحجج
ومن سواد متنها اسودّ الفضا — ياساعد الله العلي المرتضى
ووكز نعل السيف في جنبيها — أتى بكل ما أتى عليها
ولست أدري خبر المسمار — سل صدرها خزانة الأسرار
وفي جنين المجد ما يُدمي الحشا — وهل لهم إخفاء أمر قد فشا
والبابُ والجدار والدماءُ — شهود صدق ما به خفاء
لقد جنى الجاني على جنينها — فاندكت الجبال من حنينها
أهكذا يُصنع بابنة النبي — حرصًا على الملك فيا للعجب؟
أتُمنع المكروبة المقروحة — من البكاء خوفًا من الفضيحة؟
تالله ينبغي لها تبكي دمًا — ما دامت الأرض ودارت السما
لفقد عزها: أبيها السامي — ولا هتضامها وذُلّ الحامي
أتستباح نحلة الصدّيقة — وإرثها من أشرف الخليقة؟
كيف يُردّ قولها بالزور — إذ هو ردّ آية التطهير؟
أيوخذ الدين من الأعرابي — وينبذ المنصوص بالكتاب؟
فاستلبوا ما ملكت يداها — وارتكبوا الجريمة مُنتهاها
ياويلهم قد سألوها البينة — على خلاف السنّة المبيّنة
وردّهم شهادة الشهود — أكبر شاهد على المقصود

ولم يكن سدّ الثغور غرضها | بل سدّ بابها وباب المرتضى
صدّوا عن الحق وسدّوا بابه | كأنّهم قد أمنوا عقابه
أبضعة الطهر ، العظيم قدرها | تدفن ليلًا ويعفّى قبرها
ما دُفنت ليلًا بستر وخفا | إلّا لوجدها على أهل الجفا
ما سمع السامع فيها سمعا | مجهولة للقدر والقبر معا
يا ويلهم من غضب الجبّار | بظلمهم ريحانة المختار

"وہ گوہر پاک و پُر قداست گنجینۂ غیب سے آشکار ہوا تو اُس نے اللہ کی قدرت کی علامات کو ظاہر کر دیا۔ حضرت فاطمہؑ کی ولادت سے خالق کون و مکان کی عظمت کائنات میں جلوہ گر ہوئی۔ نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے محکم کلمات کی اصل و اساس ہیں جب سامنے نہ تھیں تو غیر معروف تھیں، لیکن اُن کا نُور ہر زمانے میں جلوہ گر رہا۔

آپؑ درخشندہ عقول کی پُر فضیلت ماں ہیں، بلکہ آپ اُمِ ابیہا ہیں اور آفرینش کائنات کا راز ہیں۔ آپؑ سیدالانبیاءؐ کی روح و زندگی ہیں۔ آپؑ اپنے شوہر نامدار کے لیے کفو تھیں۔ آپؑ جیسا اُن کے لیے اور کفو نہ تھا۔ اَوجِ لطافت و ظرافت میں نمایاں ہوئیں، لطافت اور ظرافت میں اَرفع و اعلیٰ ہیں۔ اُن پر نگاہ نہیں ٹھہر سکتی۔ وہ برتری اور شائستہ ترین صفات کے ساتھ جلوہ گر ہوئیں اور وہ تمام اَدوار کا نتیجہ ہیں۔ وہ کمال کی حقیقی صورت ہیں اور مجسم حُسن و جمال ہیں۔ وہ ہماری اس دنیا کی انسانی شکل میں حُور ہیں اور اَوجِ صعود میں عقول کا محور ہیں۔ اُن کے وجود گراں مایہ نے وجوب کو امکان میں بہترین شکل عطا کی ہے۔ وہ نزول و صعود کے دونوں مراحل میں وجود کی تجلّی کا محور و مرکز ہیں۔ وہ اِس دائرۂ وجود میں محدود نہ تھیں۔ اُن کا وجود طاہر تھا۔ وہ ہر رسم و اسم سے محفوظ تھیں۔ ان کا وجود پاک و پاکیزہ صحیفوں میں پوشیدہ تھا۔

وہ صدیقہ تھیں اُن جیسی کوئی اور صدیقہ نہیں، وہ پیکرِ صدق و صداقت تھیں۔ اُن کے وجود سے نور افشاں و طلوع ہوا اور اس طرح رازِ ظہورِ حق آشکار ہوا۔ وہ بتولؑ پاک و پاکیزہ "عذرا" تھیں۔ وہ مریمؑ کی مانند تھیں، بلکہ اُن کا فخر تھیں اور اُن سے ارفع و اعلیٰ تھیں۔ وہ سیّدہ نساء العالمینؑ اور مریمؑ کبریٰ ہیں۔ یہ وہ حقیقت ہے کہ جو صاحبانِ نظر پر مخفی نہیں ہے۔

اے پیغمبرؐ خدا! اے عقول عشرہ کے باپ! آپؐ کو یہ پاک و پاکیزہ پارہ تن دختر مبارک ہو۔ وہ جہان ہستی کا سبب ہیں اور جنت کے باغات میں طراوتِ فردوس کا سرمایہ ہیں۔ اُن کا درخشاں چہرہ مشعلِ ہدایت ہے۔ اُن کی ضوفشاں پیشانی کے جلووں سے حُسن اپنی انتہا پر آجاتا ہے۔ اُن کی پُر برکت زندگی میں، اُن کے نُور افشاں چہرے میں اور اللہ کے دوستانِ خاص کی آنکھ میں آبِ حیات کے دو چشمے موجزن ہیں۔

اے خلاصہ ایجاد و آفرینش! اے پیغمبرؐ بزرگ و برگزیدہ! اے پیغمبرؐ صاحبِ جمال و جلال! آپؐ کو اپنی دختر فرزانہ مبارک ہو۔ وہ اُم الکتاب اور دختر تنزیل ہیں۔ وہ خانۂ علم کی تدبیر گر ہیں اور قرآنِ مجید کی تفسیر و تاویل ہیں۔

وہ بخشش و عطا کا بے کراں سمندر ہیں۔ دریائے رسالت اور دریائے امامت کا سنگم ہیں۔ ہدایت کا محور و مرکز ہیں اور کونین کا قلب ہیں۔ دختر وحیدہ پیغمبرؐ خدا کی اوّلین و شریف ترین تخلیق ہیں اور عالمِ وجود کی دوسری شخصیت ہیں۔

آپؐ انوارِ خمسہ کی مرکز و محور ہیں اور اَرفع و اعلیٰ نو اماموں ؑ کا محور وجود ہیں۔ آپؐ کو بے پناہ فضائل و مواہب عطا کیے گئے ہیں۔ اے سالارِ انسانیت! آپؐ کی بارگاہِ قدس میں تبریک و تہنیت کا تحفہ حاضر ہے۔

وہ طاؤس بوستانِ اُنس جس پر روح القدس نے پھونک ماری، اُس نے آپؐ کی طرف پرواز کی۔ آپؑ کے اسماء اور صفات جنت ہی سے ہیں۔ آپؑ کی ذات ہر توصیف و ستائش سے بالاتر ہے۔ پاکیزہ اَرواح اُن کی بوئے خوش سے استراحت میں ہیں اور نفوس اُن کی نسیم دل انگیز سے جنبش میں آجاتے ہیں۔

جہانِ ہستی کا ہر انسان اُن کے پرتو وجود سے آگاہ ہے، وہ اُنھی کے وسیلہ سے اس جہان میں آئے ہیں۔ پہلے وہ شبیہیں تھیں پھر اُن میں روح پھونکی گئی۔ یہ زمین اور جو اس کے اندر ہے آپ کے دم سے ہی زندہ ہے۔ آخرکار سبھی انسانوں کی بازگشت بارگاہِ خداوندی کی طرف ہے۔ آپؑ کی خوشنودی خدا کی خوشنودی ہے۔ اُس ذات کا درد و افسوس میرے قلب و جگر میں ہے۔ ان کی قدر و منزلت کی رعایت نہیں کی گئی۔ آخر یہ خورشید جہان اَفروز اپنے حُسن و جمال

کے ساتھ غروب ہو گیا۔

اُس نے اس ستم پیشہ دنیا سے بہت سے مصائب و آلام جھیلے جو ناقابلِ بیان ہیں۔ اُن سے دوستی و ارادت ایک عالی وحتمالی انسان کی صفات میں سے ہے۔ وہ گزشتہ قرون اور موجود دنیا کا مرکز ومحور ہیں۔ بقولِ مظفرؒ ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک و پاکیزہ تھیں۔ اُن کے بلند و بالا مراتب کے کیا کہنے! وہ ارادت و عزیمت میں اَرفع و اعلیٰ تھیں۔ اِس دنیا دنی کی نمود و نمائش سے دُور بہت دُور تھیں۔

وہ شکوہ و عظمت کے اُفق میں درخشندہ اور نُور افشاں ہیں اور یہ خورشید جہاں تاب اُن کے نورافشاں جمالِ دل آراء سے روشنی حاصل کرتا ہے۔ وہ صرف نُور نہیں ہیں بلکہ عالمِ انوار کا نُور ہیں۔ آپؑ کی ذات ہی شموس و اقمار کا مطلع ہیں۔ انھوں نے آفریدگار اور پستانِ وحی سے صاف و شفاف، شیریں و گوارا دودھ پیا تھا۔ آپؑ نے اللہ کی کتاب سے محکم و مضبوط عہدوپیمان باندھ رکھا تھا۔ آپؑ ہوا و ہوس کی لغزشوں سے بیمہ شدہ تھیں اور ہر خطا و اشتباہ سے مصون ومحفوظ تھیں۔ وہ عفت وحیا کا سمبل (نشان) تھیں اور اُن کا حجاب آفریدگار ہستی کے غیب کی علامت ہے۔

وہ خالق کون و مکان کی تدبیر و تقدیر پر راضی تھیں۔ اُن کے اِس عمل سے یہ وسیع و عریض کائنات تنگ و نارسا ہے۔ وہ ہر ناپسندیدہ قیدوبند سے دُور اور بہت دُور تھیں۔ وہ ہر قسم کے حدود سے بے نیاز تھیں۔ ہاں اے فاطمہ جانؑ! اے دخترِ سرفراز پیغمبرؐ! ہاں اے قبلہ گاہ اَرواح وعقول! اے کعبہ شہود و وصال! اے وہ ذات کہ مجھ ایسا ناچیز انسان آپ کی برکتوں سے مشرف ہوا اور آپ کے وجود کے صدقے میری آرزوئیں اور اَرمان پورے ہوئے۔ اے وہ ہستی کہ جس کے پدر گراں مایہ رحمت و بخشش کے ملکوتی دروازے ہیں اور ہر دردمند اور گرفتار رنج و بلا کا ملجا و ماویٰ ہیں۔

بقولِ مفرا کے آستانہ کے دروازے کی قدامت وعظمت کے سامنے بہشت کے دروازے کی کیا حیثیت ہے؟ دوزخ کی شعلہ ور آگ اُن کے فروغِ نور سے خاموش ہو جاتی ہے۔

اُن کا خانۂ اقدس آسمانوں کا کعبہ ہے اور اُن کے آستان کی خاص ثریا کی بوسہ گاہ ہے۔ اُن کا

پُرعظمت گھر شکوہ و عظمت کا سرچشمہ ہے۔ یہ کائنات کعبہ کا طواف کرتی ہے اور کعبہ اُن کے گھر کا طواف کرتا ہے۔ اُن کا حجاب آفریدگار ہست و بود کے حجاب کی مانند ہے۔ اُن کا شعلہ آتش دیکھنے والوں کی آنکھوں کو خیرہ کر دیتا ہے۔ جب اُن کے حجاب و پردے میں اللہ کی بے کراں قدرت کے نظارے ہیں تو پھر ان کے مرقد کا قبہ کس طرح منور ہوگا؟

ہاں اے گوہرِ عصمت! اے دُرِ گراں مایہ! یہ حقیقت ہے کہ آپؑ نے فرزانگی اور عنایت کے صدف سے طلوع کیا ہے۔ اے درخشاں آسمان کے ستارے کے نُور! آپؑ کے پرتو ہی سے دُر درخشاں ہے۔ آپؑ کے سامنے آسمانی آفتاب کی کوئی حقیقت نہیں ہے، کیونکہ اس کا نور آپؑ کے نور کا حصّہ ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ بضعہ رسولؐ صدیقہ طاہرہؑ کی شخصیت لامحدود ہے۔

جی ہاں! اس دُورِ نُورانی کے پرتو سے عوالم علویہ روشن و منور ہوئے۔ ہاں اے شجر بارور و تناور! جو آسمان کی طرح بلند ہے کہ جس کی بلند و بالا شاخیں کائنات پر سایہ فگن ہیں۔ نہیں نہیں بلکہ اس کی عطر آگیں شاخیں آسمانِ گیتی سے بلند ہیں کہ جنھوں نے سدرۃ المنتہیٰ کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔

ہاں اے شجر تناور کہ جس کی شاخیں اور پتے مراتب وجود میں بلندی سے اس قدر جھکی ہوئی ہیں کہ جنھیں دیکھ کر عقل حیرت زدہ ہے۔ اُنھیں تقرب خداوندی کا وہ مقام ملا ہے کہ اس سے بہتر اور برتر تقرب خداوندی کی تعبیر ہے ہی نہیں۔ ہاں! اے شجر تناور و طوبا تو کہاں اور پیغمبر اکرمؐ کی دُختر گرانقدر کے مبارک وجود کا شجر باثمر کہاں؟ سدرۃ المنتہیٰ ہو یا شجرۂ زیتونہ ہو۔ بتولؑ عذرا کے وجود کے مبارک ثمر کی نمود و برداشت ہیں۔ اسی پاک و پاکیزہ شجر کے درخشندہ اثمار آفریدگار ہستی کا جاہ و جلال اور اس کے اسماء اور صفات کے مظاہر ہیں۔

آغازِ حیات میں آغاز حیات ہیں اور انجامِ کار حیات میں انتہا و منتہیٰ ہیں۔ اس شجر تناور کے دل انگیز ثمرات کتاب آفرینش کے صفحات میں قرآن مجید کی روشن اور روشن گر آیات ہیں۔ اس ملکوتی شجر کے اثمار دانش و بینش اور معرفت و شناخت کی رویش گاہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی بہشت بریں سے پہنچے گئے ہیں۔

اے پیغمبرؐ نور! اے سیّد و سالارِ غیب و شہود! آپؐ پر درود سلام ہوں اور آپؐ کو مبارک ہو۔ آپؐ کی دختر فرزانہ جو قدر و منزلت میں بے نظیر ہیں اُن کی نظیر و مثیل کس طرح ممکن ہے، کیونکہ تجلّی حق میں تکرار نہیں ہے۔ ہیکل توحید صرف ایک ہے وہ واحد اور اَحد ہے۔ پھر اس کی نظیر اور مثال کیسے ممکن ہے؟ وہ صعود و نزول کی دو قوسوں کا نقطۂ اِلتقاء ہیں۔ تو کائنات میں اُن جیسا کوئی اور انسان نہیں دیکھے گا۔

وہ شکوہ و عظمت دیرینہ میں وحیدہ ہیں اور احسن تقویم میں فریدہ ہیں جو مصائب و آلام اُنھیں پہنچے ان مصائب کے باب کی کلید "عدبشو باب" ہے۔ کیونکہ اُن کے دروازے پر یورش سخت حزن انگیز ہے۔ خیانت کار ہاتھوں نے اُن پر مظالم ڈھائے۔

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ بنت الہدیٰ کے دروازے پر اُن کے اعداء نے ہجوم کیا۔ حقیقت میں اُن لوگوں نے مَہبطِ وحی اور مرکز دائرہ وجود پر یورش برپا کی۔ کیا ان لوگوں نے اُن کے اس گھر کے دروازے پر آگ بھڑکائی جو آیتِ نور کا مرکز تھا کہ جس کے نور سے کائنات درخشاں تھی۔ اس کا دروازہ نبیؐ رحمت کا دروازہ تھا اور یہ دروازہ اُمت کی نجات کا دروازہ تھا۔ نہیں بلکہ حضرت فاطمہ زہراؑ کے گھر کا دروازہ خانۂ خدا کا دروازہ ہے کیونکہ اسی گھر میں اللہ تعالیٰ کی عظمت جلوہ گر ہوئی۔

ان لوگوں نے بتولِ معظمہؑ کے گھر کے دروازے کو جلا کر اَبدی ننگ و عار خرید کیا۔ اس وحشت ناک خیانت کی سزا دوزخ کا دردناک عذاب ہے۔ یہ لوگ کس قدر جاہل تھے۔ کیا اُنھیں معلوم نہ تھا کیونکہ آگ اللہ کے نور کو نہیں بجھا سکتی۔ ان لوگوں نے رسولؐ اللہ کی بیٹی کا پہلو اپنے اقتدار کی تلوار سے توڑا تھا۔ انھوں نے زاکیہ زکیہ کا پہلو توڑ ڈالا تھا۔ یہ ایک ایسی مصیبت تھی کہ اس جیسی کوئی اور مصیبت نہیں ہے۔

جب دروازے کو دھکا دیا گیا تھا تو بتولِ معظمہؑ دَر و دیوار کے درمیان پھنس کر رہ گئی تھیں۔ اُن کے سینے سے خون جاری ہو گیا تھا۔ پہلو کی شکستہ ہڈی سامنے تھی۔ اُن کے چہرۂ افشاں پر طمانچے مارے گئے۔ ظلم اتنا بڑھا کہ بڑھتا گیا۔ اے کاش! یہ طغیان و تعدی سے لبریز ہاتھ شل ہو جائیں۔ طمانچے لگنے سے بضعۂ رسولؐ کی چشم مبارک سرخ اور خون رنگ ہو گئی۔ اس

ظلم و تعدی پر معرفت والی آنکھیں ہمیشہ روتی رہیں گی۔ جولِ عذرا کی آنکھ کی سرخی اس وقت باقی رہے گی کہ جب تک ان کے عظیم فرزند کے پرچم نجات و رہائی کا پھریرا فضا میں نہ لہرائے گا اور شرربار تلواریں بے نیام نہیں ہوں گی۔

جنایت کاروں کے اس تازیانے کی آواز دھرتی پر ہر ہستی نے سنی تھی، جس سے ملیکۃ العرب کی شہزادی کے جسمِ اطہر پر ضربات لگائی گئی تھیں۔ یہ ظلم و زیادتی کس قدر حیرت انگیز ہے۔ سیّدہ زہرا کے بازوئے اقدس پر تازیانے کی ضربات کے آثار باقی رہ گئے۔ یہ بے داد گروں کی شقاوت پر بہترین دلیل ہے۔ ان کا شانہ مبارک نیلگوں ہو گیا تھا۔ اس طرح اُن کے کندھے کی فضا تیرہ و تار ہو گئی تھی۔ اے کاش کہ خداوند تعالیٰ حضرت امیر علیہ السلام کی اس مصیبت میں مدد فرماتا۔

ظالم نے تلوار کے نیام سے اُن کے دونوں پہلوؤں پر ضربات لگائیں جو کچھ اس سے ظلم ہو سکتا تھا اُس نے برپا کیا۔ دروازے کے میخ کی خبر کوئی نہیں جانتا کہ اُس نے سیّدہ کو کس قدر زخمی کیا؟ اُس سینے سے پوچھ جو خزینہ اَسرارِ الٰہی تھا۔ جی ہاں! ظلم پر ظلم جب وہ در و دیوار کے درمیان پھنس کر رہ گئی تھیں تو بیرونی فشار سے اُن کا جنین شہید ہو گیا تھا۔ اس سے دل خون خون ہو گیا تھا۔ کیا جب اُن لوگوں نے اس قدر ظلم ڈھائے کیا ایسے آشکار مظالم پر پردہ ڈالا جا سکتا ہے؟ اُن لوگوں کے مظالم پر در و دیوار اور خون گواہ ہیں۔ اِن مظالم کو چھپایا نہیں جا سکتا۔

اِن جنایت کاروں نے عظیم القدر ماں اور عظیم القدر جنین پر ظلم و ستم کی حد کر دی کہ جن کے نالہ و فریاد سے پہاڑ ہلنے لگے۔ ملک و اقتدار کے حرص و ہوس نے حکومت کو اس منزل پر پہنچا دیا تھا کہ اُس کے سامنے اللہ کے نبیؐ کی حرمت و عظمت کا خیال ہی نہ رہا بلکہ انھیں اپنے مظالم کا نشانہ بنایا۔ یہ بات کس قدر شگفت انگیز ہے! کیا اپنی فضیحت کے خوف سے ایک رنجیدہ، مصیبت زدہ اور مجروح انسان کو آہ و بکا سے روکا جا سکتا ہے؟

خدا کی قسم! جب تک آسمان کا خیمہ تنا ہوا ہے اور نظامِ ہستی قائم و دائم ہے اُس وقت تک سیّد الانبیاءؐ کی بیٹی کے مصائب میں خون کے آنسو بہائے جائیں۔ ضروری ہے کہ صدیقہ طاہرہ خاتونِ جنّت کے غم میں خون کے آنسو بہائے جائیں کیونکہ اُن کے مہربان و شفیق بابا اُن سے

جدا ہو گئے تھے۔ اُن کے حقوق ضبط ہو گئے تھے اور اُن کے حامی و معاون کو کمزور کر دیا گیا تھا۔
اللہ کے نبیؐ نے اپنی دختر کو جاگیر فدک ہبہ کی تھی؟ کیا صدیقہ طاہرہؑ اور اشرف الخلیقہ کی میراث کا روکنا اُن کے لیے مباح تھا؟ اس نے خاتونِ قیامت کے قول کو اپنے خود ساختہ قول سے کس طرح رد کیا۔ حقیقت میں اس نے آیتِ تطہیر کو رد کیا۔ کیا رحلتِ پیغمبرؐ کے بعد اب دین صرف ایک اعرابی سے لیا جائے اور قرآنی نص کو چھوڑ دیا جائے؟
اُن لوگوں نے دخترِ پیغمبرؐ کے حقوق کو چھپا لیا اس طرح اُنھوں نے اپنے جرائم کی انتہا کر دی۔
ہائے ان پر افسوس کہ اُنھوں نے پیغمبرؐ اور قرآنِ مجید کی راہ و روش کے خلاف اُن سے گواہ طلب کیے۔ ان کے مقصد و ہدف پر یہی کچھ کافی ہے کہ اُنھوں نے حقیقی گواہوں کی شہادت کو ٹھکرا دیا تھا۔ اُنھیں دین و کشود کی حدود کی حفاظت کا کوئی خیال نہ تھا بلکہ اُن کی کوشش تھی فاطمہؑ اور مرتضیٰؑ کے گھر کے دروازے کو بند کر دیں اور بشریت کو اُن کے فیض سے محروم کر دیں۔ وہ حق و عدالت کے مقابلے میں کھڑے ہو گئے اور حضرت امیر علیہ السلام کے حقوق پر پابندی لگا دی۔ اُنھوں نے اس طرح کر کے گویا اپنے آپ کو سزا سے بچا لیا۔
وہ بضعۂ رسولؐ جو بارگاہِ خداوندی میں بلند مقام رکھتی تھیں کیا اُنھیں رات کی تاریکی میں دفن ہونا چاہیے تھا؟ اُنھوں نے بے داد گروں کے خلاف منصوبہ بندی کی تھی کہ اُنھیں شبانہ و مخفیانہ دفن کیا جائے۔ آج تک کسی نے یہ نہیں سنا کہ ایک انسان بلند مرتبہ ہو، لیکن اس کی قدر غیر معلوم ہو اور جب وہ اس دنیا سے رخصت ہو تو اس کی قبر بھی مخفی ہو جائے۔
خدائے جبار کے غیض و غضب سے ان پر افسوس ہے کہ اُنھوں نے ریحانۂ پیغمبرؐ کے حق میں ستم روائی کی اور اُن کے حقوق کا تحفظ نہ کیا"۔

ایک ہدف دار شاعر کی گفتگو

اِنْ قِيلَ حَوَّاءُ قُلْتُ: فَاطِمُ فَخْرُهَا	اَوْ قِيلَ مَرْيَمُ قُلْتُ: فَاطِمُ اَفْضَلُ
اَفَهَلْ لِحَوَّا وَالِدٌ كَمُحَمَّدٍ	اَمْ هَلْ لِمَرْيَمَ مِثْلُ فَاطِمَ اَشْبُلُ
كُلٌّ لَهَا حِيْنَ الْوِلَادَةِ حَالَةٌ	مِنْهَا عُقُولُ ذَوِي الْبَصَائِرِ تَذْهَلُ

هٰذِی لِنَخْلَتِهَا الْتَجَتْ فَتَسَاقَطَ ... رُطَبًا جَنِيًّا فَهِيَ مِنْهُ تَأكُلُ
وَضَعَتْ بِعِيْسٰى وَهِيَ غَيْرُ مَرُوعَةٍ ... أَنّٰى وَحَارِسُهَا السَّرِيُّ الْأَبْسَلُ
وَ اِلَى الْجِدَارِ وَصَفْحَةِ الْبَابِ الْتَجَتْ ... بِنْتُ النَّبِيِّ فَاَسْقَطَتْ مَا تَحْمِلُ
سَقَطَتْ وَاَسْقَطَتِ الْجَنِيْنَ وَحَوْلَهَا ... مَنْ كُلِّ ذِی حَسَبٍ لَئِيمٍ جَحْفَلُ
هٰذَا يُعَنِّفُهَا وَذَاكَ يَدُعُّهَا ... وَيَرُدُّهَا هٰذَا وَهٰذَا يَرْكُلُ
وَاَمَامَهَا اَسَدُ الْاُسُودِ ، يَقُودُهُ ... بِالْحَبْلِ «قُنْفُذٌ» هَلْ كَهٰذَا مُعْضَلُ
وَلَسَوْفَ تَاْتِي فِي الْقِيَامَةِ فَاطِمٌ ... تَشْكُوا اِلٰى رَبِّ السَّمَاءِ وَتَعْوِلُ
وَلَتَرْفَعَنَّ جَنِيْنَهَا وَحَنِيْنَهَا ... بِشِكَايَةٍ مِنْهَا السَّمَاءُ تَتَزَلْزَلُ
رَبَّاهُ! مِيْرَاثِي وَبَعْلِي حَقَّهُ ... غَصَبُوا ، وَاَبْنَائِي جَمِيْعًا قُتِّلُوا
فَرِجَاىَ: ذَا بِالسَّمِّ اَمْسٰى قَلْبُهُ ... قِطَعًا ، وَهٰذَا بِالدِّمَاءِ مُغَسَّلُ

"اگر یہ کہا جائے کہ حضرت حواؑ مادرِ انسانیت ہیں تو کہنا پڑے گا حضرت فاطمہؑ فخرِ حوا ہیں۔ اگر کہا جائے کہ حضرت مریمؑ تقدس مآب تھیں تو کہنا پڑے گا بتولؑ عذرا فخرِ مریمؑ ہیں۔ کیا حضرت حواؑ کا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا والد ہے؟ کیا حضرت مریمؑ کے حضرت فاطمہؑ جیسے بہادر و شجاع فرزند ہیں؟ ان دونوں میں سے ہر ایک کے ولادت فرزندان کے اپنے اپنے حالات ہیں کہ جن کے بارے میں صاحبانِ بصارت کے عقول حیران و سرگردان ہیں۔

جی ہاں! یہ حضرت مریمؑ ہیں کہ جب ان کے ہاں بچہ پیدا ہونے لگا تو اُنھوں نے کھجور کے درخت میں پناہ لی تھی اور تازہ خرمے ان کے سامنے گر پڑے تھے اور اُنھوں نے وہ تر و تازہ خرمے تناول فرمائے تھے۔ اُنھوں نے بغیر کسی خوف و ہراس کے حضرت عیسٰیؑ کو جنم دیا تھا وہ کیوں خوف زدہ ہوتیں؟ کیونکہ وہ خدا کی پناہ میں تھیں اور صاحبِ اقتدار خدا اُن کا نگہبان تھا۔

ہائے اِدھر بنتِ پیغمبرؐ کی حالت دیکھیے۔ اُنھوں نے دشمنوں کے خوف سے دَر و دیوار کی پناہ لی تھی۔ دَر و دیوار کے فشار میں اُن کا گراں قدر بچہ سقط ہو گیا تھا۔ درد و رنج کی وجہ سے وہ زمین پر آ رہی تھیں۔ فرومایہ لوگوں کا گروہ اُن کے گھر میں داخل ہو گیا تھا جس کی وجہ سے اُن کا بچہ سقط ہو گیا تھا۔ ان لوگوں میں کچھ لوگوں نے اُن پر مظالم ڈھائے۔ اُن میں سے ہر ایک کا

اندازِ ستم جداگانہ تھا۔ اُن کے آگے صاحبِ شجاعت و شہامت انسان تھے جنھیں گرفتار کر کے کھینچا جا رہا تھا۔

بہت جلد سیّدۂ کائنات میدانِ محشر میں آئیں گی۔ وہ بارگاہِ خداوندی میں اُن لوگوں کے خلاف مقدمہ دائر کریں گی اور فریاد بلند کریں گی۔ اُن کا یہ شہید فرزند اُن کے ہاتھ پر ہوگا اور وہ ربّ العزت کے حضور فریاد بلند کریں گی تو ان کے نالوں سے آسمان متزلزل ہو جائے گا۔

وہ آواز بلند کریں گی: اے میرے پروردگار! ان لوگوں نے میری میراث ضبط کی تھی، میرے شوہر کا حق روکا تھا اور میرے بیٹوں کو قتل کر دیا تھا۔ میرے دو فرزند جن میں سے ایک کو سمِ جفا سے اور دوسرے کو سیفِ ستم سے شہید کیا اور اُنھیں اپنے خون میں غلطاں کر دیا"۔

ایک مصری شاعر کا خوب صورت کلام

هِيَ كَانَتْ لِلّٰهِ اَتْقٰى وَكَانَتْ — اَفْضَلَ الْخَلْقِ عِفَّةً وَنَزَاهَا

اَوْ تَقُولُ: النَّبِيُّ قَدْ خَالَفَ الْقُرْ — آنَ؟ وَيْحَ الْاَخْبَارِ مِمَّنْ رَوَاهَا

سَلْ بِاِبْطَالِ قَوْلِهِمْ سُوْرَةَ النَّمْلِ — وَسَلْ مَرْيَمَ الَّتِي قَبْلَ طٰهٰ

فَهُمَا يُنْبِئَانِ عَنْ اِرْثِ يَحْيٰى — وَسُلَيْمَانِ مَنْ اَرَادَ انْتِبَاهَا

فَدَعَتْ وَاشْتَكَتْ اِلَى اللّٰهِ مِنْ ذَاكَ — وَفَاضَتْ بِدَمْعِهَا مُقْلَتَاهَا

ثُمَّ قَالَتْ: فَنِحْلَةٌ لِي مِنْ وَا — لِدِي الْمُصْطَفٰى فَلَمْ يَنْحَلَاهَا

فَاَقَامَتْ بِهَا شُهُودًا فَقَالُوا — بَعْلُهَا شَاهِدٌ لَهَا وَ اِبْنَاهَا

لَمْ يُجِيزُوا شَهَادَةَ ابْنَيْ رَسُولِ اللّٰهِ — هَادِي الْاَنَامِ اِذْ نَاصَبَاهَا

لَمْ يَكُنْ صَادِقًا عَلِيٌّ وَلَا فَا — طِمَةٌ عِنْدَهُمْ وَلَا وَلَدَاهَا

جَرَّعَاهَا مِنْ بَعْدِ وَالِدِهَا الْغَيْظَ — مِرَارًا فَبِئْسَ مَا جَرَّعَاهَا

لَيْتَ شِعْرِي مَا كَانَ ضَرَّهُمَا الْحِفْظُ — لِعَهْدِ النَّبِيِّ لَوْ حَفِظَاهَا

كَانَ اِكْرَامُ خَاتَمِ الرُّسْلِ اَلْهَا — دِي الْبَشِيرِ النَّذِيرِ لَوْ اَكْرَمَاهَا

وَلَكَانَ الْجَمِيلُ اَنْ يُقْطِعَاهَا — فَدَكًا، لَا الْجَمِيلُ اَنْ يَقْطَعَاهَا

أَتَرَى الْمُسْلِمِينَ كَانُوا يَلُومُونَهَا ... فِي الْعَطَاءِ لَوْ أَعْطَيَاهَا

كَانَ تَحْتَ الْخَضْرَاءِ بِنْتَ نَبِيٍّ ... صَادِقٍ نَاطِقٍ أَمِينٍ سِوَاهَا

بِنْتُ مَنْ! أُمُّ مَنْ؟ حَلِيلَةُ مَنْ؟ ... وَيْلٌ لِمَنْ سَنَّ ظُلْمَهَا وَأَذَاهَا

شَيَّعَتْ نَفْسَهَا مَلَائِكَةُ الرَّحْمٰنِ ... رِفْقًا بِهَا وَمَا شَيَّعَاهَا

كَانَ زُهْدًا فِي أَجْرِهَا أَمْ عِنَادًا ... لِأَبِيهَا النَّبِيِّ لَمْ يَتْبَعَاهَا؟

أَمْ لِأَنَّ الْبَتُولَ أَوْصَتْ بِأَنْ لَا ... يَشْهَدَا دَفْنَهَا فَمَا شَهِدَاهَا

نَبِيُّ الْهُدٰى أُطِيعَ ، وَلَا فَا ... طِمَةُ أُكْرِمَتْ وَلَا حَسَنَاهَا

وَأَتَتْ فَاطِمُ تُطَالِبُ بِالْإِرْثِ ... مِنَ الْمُصْطَفٰى فَمَا وَرَّثَاهَا

لَيْتَ شِعْرِي لِمَ خُولِفَتْ سُنَنَ ... الْقُرْآنِ فِيهَا؟ وَاللهِ قَدْ أَعْلَاهَا

نُسِخَتْ آيَةُ الْمَوَارِيثِ مِنْهَا ... أَمْ هُمَا بَعْدَ فَرْضِهَا بَدَّلَاهَا؟

أَمْ تَرَى آيَةَ الْمَوَدَّةِ لَمْ تَأْتِ ... بِوُدِّ الزَّهْرَاءِ فِي قُرْبَاهَا

ثُمَّ قَالَا: أَبُوكِ جَاءَ بِهٰذَا ... حُجَّةٌ مِنْ عِنَادِهِمْ نَصَبَاهَا

قَالَ: لِلْأَنْبِيَاءِ حُكْمٌ بِأَنْ لَا ... يُوَرِّثُوا فِي الْقَدِيمِ وَانْتَهَرَاهَا

أَفَبِنْتُ النَّبِيِّ لَمْ تَدْرِ إِنْ كَانَ ... نَبِيُّ الْهُدٰى بِذٰلِكَ فَاهَا؟

بَضْعَةٌ مِنْ مُحَمَّدٍ خَالَفَتْ مَا ... قَالَ؟ حَاشَا مَوْلَاتَنَا حَاشَاهَا

سَمِعَتْهُ يَقُولُ ذَاكَ وَجَاءَتْ ... تَطْلُبُ الْإِرْثَ ضِلَّةً وَسَفَاهَا؟

حضرت فاطمہ ؑ تشریف لائیں اُنھیں جو میراث اپنے والدِ گرامی سے ملی تھی اُس کا مطالبہ کیا۔ نہایت ہی دُکھ درد کی بات ہے۔ حکومت نے ان کے مطالبے کو رد کر دیا۔ اے کاش! اُن لوگوں نے اُن کے وہ حقوق جو قرآن نے بیان فرمائے ہیں کیوں نہ واپس کیے؟ اللہ کی قسم! اللہ نے اُن کا بہت بڑا مقام بنایا تھا۔

کیا آیاتِ میراث کے بارے میں آیاتِ نسخ نازل ہوئی تھیں یا حکومت نے آیاتِ قرآنی کی مخالفت اپنائی تھی؟ یا پھر آپ کا یہ خیال ہے کہ آیتِ مودت دخترِ پیغمبرؐ کی شان میں نازل ہی نہیں ہوئی تھی؟ اُس وقت حکومت نے کہا تھا: آیتِ قرآن میں موردِ ارث میں صحیح ہے، لیکن

آپؑ کے والد گرامی قدرؐ نے یہ فرمایا تھا...... جواب اگلے شعر میں ہے کہ ہم پیغمبروں کا گروہ کوئی چیز میراث میں نہیں چھوڑتے۔ جو چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔

جی ہاں! بتایئے اگر رسولِ اعظمؐ ایسی حدیث فرماتے کیا اس حدیث سے اُن کی دختر بے خبر تھیں؟ کیا بضعۂ رسولؐ نے اپنے والد گرامی کے فرمان کی مخالفت کی تھی؟ نہیں نہیں سیدہ و سالار کے لیے اپنے والدؐ کے فرمان کی مخالفت ناممکن تھی۔ اگر اُنھوں نے پیغمبرؐ خدا سے یہ حدیث نہیں سنی تھی؟ کیا اُن کے لیے ممکن تھا کہ وہ ناآگاہی کی صورت میں آتیں اور اپنی میراث کا مطالبہ کرتیں؟ حالانکہ وہ ہر عصر ونسل کے لیے نمونہ عمل ہیں۔ عفت و پاکیزگی میں اُن کی کوئی نظیر نہیں۔

اے روایت بنانے والے! کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے قرآنِ مجید کی مخالفت کی تھی؟ اس روایت پر افسوس ہے اور راوی پر بھی افسوس ہے۔ ان لوگوں کے قول کا بطلان سورۂ نمل اور سورۂ مریم سے پوچھیے۔ کیونکہ ان سورتوں نے حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی میراث پر گفتگو کی ہے۔ ان دونوں نبیوںؑ نے اپنے اپنے والد سے میراث پائی تھی۔

پھر سیدۂ نساء العالمین نے ان کے خلاف بددعا کی اور بارگاہِ خداوندی میں ان کی شکایت کی۔ اس وقت اُن کی مبارک آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔ پھر سیدہؑ نے فرمایا: مجھے میرے والد نے یہ جاگیر ہبہ کی تھی۔

بتولِ مطہرہؑ سے جب گواہ طلب کیے گئے تو اُنھوں نے اپنے شوہر اور اپنے بیٹوں کو بطورِ گواہ پیش کیا تھا۔ اُن لوگوں نے یہ کہہ کر ان گواہوں کو ٹھکرا دیا تھا کہ ان گواہوں میں ایک اُن کا شوہر ہے اور دوسرے گواہ اُن کے بیٹے ہیں۔

اللہ کے رسولؐ نے اپنے دونوں فرزندوں کو اُمت کے لیے ہادی قرار دیا تھا لیکن اُن لوگوں نے ان کی گواہی کو کافی نہ سمجھا تھا۔ ان لوگوں کے نزدیک نہ امام علیؑ صادق تھے نہ رسولؐ خدا کی دختر اور نہ اُن کے دونوں فرزند سچے تھے۔

رحلتِ رسولؐ اللہ کے بعد اِن لوگوں نے اُن کی دختر پر اس انداز کی جرأت کی کہ اُن کا حق اُن سے روک لیا۔ اے کاش! میں جانتا ہوتا۔ اگر وہ پیغمبرؐ خدا کے حقوق کی رعایت کرتے تو

اُن کا کیا نقصان ہوتا؟ اگر وہ لوگ سیّد الانبیاءؐ کی دختر کی عزت کرتے تو ایسے ہوتا کہ انھوں نے پیغمبرؐ کی عزت کی ہے۔

کتنا اجمل واکمل تھا کہ بنتِ پیغمبرؐ کو اُن کی جاگیر دے دی جاتی۔ یہ بہتر نہیں تھا کہ جس طرح اُن سے اُن کا حق روک دیا گیا۔ آپ کا کیا خیال ہے اگر وہ نبیؐ کی بیٹی کو اُن کا حق دے دیتے تو مسلمان اُن کے اس عمل کو اچھا نہ سمجھتے اور اُن کی ملامت کرتے۔

کیا اِس نیلگون آسمان کے نیچے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی سے صدق و امانت اور گفتار و رفتار میں کوئی برتر تھا؟ وہ کس کی بیٹی تھیں؟ اور کن شہزادوں کی ماں تھیں؟ اور کس عظیم انسان کی زوجہ تھیں؟ وائے ہو اُن پر جنھوں نے اُن پر مظالم ڈھائے اور اُنھیں اذیت دی۔ جب وہ اس دنیا سے رخصت ہوئی تھیں تو ملائکہ رحمت نے ان کے جنازے میں شرکت کی تھی اور اُنھیں بارگاہِ خداوندی میں لائے تھے۔ بتولِ عذراؑ کو باوجود ان کی عزت وعظمت کے اُنھیں ناچیز خیال کیا گیا۔ لوگوں کے دلوں میں اُن کے والد کے خلاف کینہ تھا۔ اس وجہ سے اُن کے مطالبے کو تسلیم نہ کیا گیا۔ اس لیے نبیؐ کی بیٹی نے وصیت فرمائی تھی کہ کچھ لوگ اُن کے جنازے میں شریک نہ ہوں۔ اِن لوگوں نے نہ نبیؐ کی اطاعت کی تھی اور نہ اُن کی بیٹی کا اِکرام کیا تھا اور نہ اُن کے دونوں شہزادوں کے حقوق کی رعایت کی تھی"۔

◆◆◆

اختتام و اعتذار

اے قاریٔ کریم!

ہم نے آپ کے ساتھ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے آستانۂ قدس پر کچھ ایام بسر کیے ہیں۔ ہم نے ان ایام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دختر فرزانہ کی زندگی پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

آپ کو یہ علم ہونا چاہیے کہ ہم نے سیدہ عالم کی زندگی کے چند پہلوؤں کو اس کتاب میں بیان کیا ہے۔ اس ضمن میں جتنی کتب موجود ہیں ہم انھیں سامنے رکھتے تو یہ کتاب اپنے اس عنوان کے ساتھ ضخیم کتاب بن جاتی، لیکن ہم نے اُن پہلوؤں پر اکتفاء کیا ہے جو قابل قبول ہیں، جو عقول پر بار و بوجھ نہیں ہیں، ورنہ کچھ ملامت گر ہم پر غلو اور افراط کی تہمت لگانے سے نہ چوکتے۔

اس عنوان کے تحت اور صاحبانِ علم مجھ پر علمی، ادبی اور تاریخی تنقید کریں گے تو میں کھلے دل کے ساتھ اُن کی اس تنقید کو قبول کروں گا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

محمد کاظم القزوینی

کربلا المقدسہ، عراق ۱۳۹۳ھ

شماری از منابع

☆ قرآن شریف

۱۔ نہج الفصاحۃ

۲۔ نہج البلاغۃ

۳۔ صحیفہ ی سجّادیہ

۴۔ اصول کافی / کلینی

۵۔ اعیان الشّیعۃ / محسن امین

۶۔ احقاق الحق / قاضی نور اللہ شوشتری

۷۔ امالی / صدوق

۸۔ اقبال / سیّد ابن طاؤوس

۹۔ اسد الغابۃ / ابن اثیر

۱۰۔ الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ / ابن حجر عسقلانی

۱۱۔ اثبات الهداة / شیخ حرّ عاملی

۱۲۔ اثبات الوصیۃ / مسعودی

۱۳۔ الاتحاف بحبّ الاشراف / شبراوی

۱۴۔ اعلام الوریٰ / طبرسی

۱۵۔ اختصاص / مفید

۱۶۔ الارشاد / مفید

۱۷۔ الاستیعاب / ابن عبد البرّ

۱۸۔ اسعاف الراغبین

۱۹۔ انساب الاشراف

۲۰۔ بحار الانوار / محمّد باقر مجلسی

۲۱۔ الانوار العلویّہ / علّامہ ی نقدی

۲۲۔ الاغانی / ابو الفرج

۲۳۔ الاعتقاد / حافظ بیهقی

۲۴۔ الامامۃ والسیاسۃ

۲۵۔ اعلام النساء

۲۶۔ بصائر الدرجات

۲۷۔ بیت الاحزان / محدث قمّی

۲۸۔ بشارۃ المصطفیٰ

۲۹۔ تاریخ طبری

۳۰۔ تفسیر عیاشی / سمرقندی

۳۱۔ تفسیر فرات کوفی

۳۲۔ تفسیر اطیب البیان

۳۳۔ تفسیر کشّاف / زمخشری

۳۴۔ تفسیر برهان / هاشم بحرانی

۳۵۔ تفسیر روح المعانی / آلوسی

۳۶۔ تفسیر قمی / علی بن ابراهیم

۳۷۔ تفسیر طبری / محمد بن جریر طبری

۳۸۔ تفسیر کبیر / فخر رازی

۳۹۔ تفسیر جوامع الجامع
۴۰۔ الجامع لاحکام القرآن / قرطبی
۴۱۔ احکام القرآن / ابن عربی
۴۲۔ نور الثقلین / علی حویزی
۴۳۔ ترجمہ ی مجمع البیان / علی کرمی
۴۴۔ تفسیر الدّر المنثور
۴۵۔ تفسیر تبیان / شیخ طوسی
۴۶۔ تفسیر ابو الفتوح رازی
۴۷۔ تلخیص الشّافی
۴۸۔ التحصین / سیّد بن طاؤس
۴۹۔ تحف العقول / حسن حرّانی
۵۰۔ تلخیص مستدرک
۵۱۔ تذکرۃ الخواص / سبط ابن جوزی
۵۲۔ تنقیح المقال / مامقانی
۵۳۔ تاریخ بغداد / خطیب بغدادی
۵۴۔ تاریخ اصبہان
۵۵۔ تاریخ ابن عساکر
۵۶۔ تاریخ الخلفاء / سیوطی
۵۷۔ تیسیر المطالب
۵۸۔ تاریخ مدینہ
۵۹۔ تاریخ ابو الفداء
۶۰۔ تاج العروس
۶۱۔ الجنّۃ العاصمۃ / میرجہانی
۶۲۔ الجواہر السّنیۃ / شیخ حرّ عاملی
۶۳۔ جلاء العیون / شبّر
۶۴۔ جامع الرّواۃ / اردبیلی
۶۵۔ جمال الاسبوع / سیّد ابن طاؤس
۶۶۔ حلیۃ الاولیاء
۶۷۔ الحدائق النّاظرۃ / یوسف بحرانی
۶۸۔ الخرایج والجرایح / راوندی
۶۹۔ الخصائص / نسائی
۷۰۔ خدیجۃ ؑ / محمد علی دُخیل
۷۱۔ دیوان ابوطالب
۷۲۔ دلائل الامامۃ / طبری امامی
۷۳۔ دلائل النبوۃ / بیہقی
۷۴۔ در سوگ امیر آزادی / علی کرمی
۷۵۔ در رواق چشم ھای اشکبار / علی کرمی
۷۶۔ ذخائر العقبٰی / محبّ الدّین طبری
۷۷۔ الرّوض الفائق / شیخ شعیب مصری
۷۸۔ الرّیاض النّضرۃ
۷۹۔ روضۃ المتقین / محمّد تقی مجلسی
۸۰۔ ریاحین الشریعۃ / ذبیح اللہ محلاتی
۸۱۔ ربیع الأبرار
۸۲۔ السّنن الکبری / بیہقی
۸۳۔ سیرہ ی ابن ہشام
۸۴۔ سیرہ ی حلبی شافعی

۸۵۔ سفینۃ البحار / محدث قمی
۸۶۔ سیا و سیرۃ ریحانۃ پیامبر / علی کرمی
۸۷۔ شواهد التنزیل / حاکم حسکانی
۸۸۔ شرح المواهب اللدنیۃ / زرقانی
۸۹۔ شرح نهج البلاغۃ / ابن ابی الحدید
۹۰۔ الشافی
۹۱۔ صحیح بخاری
۹۲۔ صحیح مسلم
۹۳۔ صحیح ترمذی
۹۴۔ الصواعق المحرقه / ابن حجر
۹۵۔ عوالم العلوم / بحرانی
۹۶۔ علل الشرایع / صدوق
۹۷۔ ظهور وسقوط تمدن ها از دیدگاه قرآن / علی کرمی فریدنی
۹۸۔ العقد الفرید / ابن عبد ربّه اندلسی
۹۹۔ غرر الحکم / سخنان امام علی
۱۰۰۔ الغدیر / علامه ی امینی
۱۰۱۔ غایۃ المرام
۱۰۲۔ غیبت طوسی
۱۰۳۔ فضائل الخمسۃ / فیروز آبادی
۱۰۴۔ الفصول المهمۃ / ابن صباغ
۱۰۵۔ فروغ آسمان حجاز / خدیجه ؑ / علی کرمی فریدنی
۱۰۶۔ فرائد السمطین
۱۰۷۔ الفضائل / ابن حنبل
۱۰۸۔ قصص الانبیاء / راوندی
۱۰۹۔ قرب الاسناد / حمیری
۱۱۰۔ کشف الغمۃ / اربلی
۱۱۱۔ کفایۃ الطالب / گنجی شافعی
۱۱۲۔ کنز الفوائد / کراجکی
۱۱۳۔ کمال الدین وتمام النعمۃ / صدوق
۱۱۴۔ کنز العمال / متقی هندی
۱۱۵۔ الکامل فی التاریخ / ابن اثیر
۱۱۶۔ کامل بهائی
۱۱۷۔ کحل البصر / محدث قمی
۱۱۸۔ کوکب الدری / علامه حائری
۱۱۹۔ کنوز الحقایق
۱۲۰۔ لسان العرب / ابن منظور
۱۲۱۔ لسان المیزان
۱۲۲۔ مجمع البحرین / طریحی
۱۲۳۔ مروج الذهب / مسعودی
۱۲۴۔ منتهی الامال / محدث قمی
۱۲۵۔ مقاتل الطالبین / ابو الفرج اصفهانی
۱۲۶۔ مقتل الحسین / خوارزمی
۱۲۷۔ مستدرک سفینۃ البحار / نمازی
۱۲۸۔ مرآۃ العقول / محمد باقر مجلسی

۱۲۹- المیزان / علّامہ طباطبائی
۱۳۰- المراجعات / سیّد شرف الدّین
۱۳۱- المستدرک علی الصّحیحین / حاکم نیشاپوری
۱۳۲- المعجم المفہرس لالفاظ القرآن / محمّد فواد عبد الباقی
۱۳۳- مجمع الزوائد / هیثمی
۱۳۴- منہج المقال / استرآبادی
۱۳۵- منتهی المقال / حائری
۱۳۶- مودۃ القربیٰ
۱۳۷- معالم التنزیل / بغوی
۱۳۸- مناقب / ابن شهر آشوب
۱۳۹- مناقب واقدی
۱۴۰- المناقب / خوارزمی
۱۴۱- مُهج الدّعوات / سیّد بن طاؤس
۱۴۲- معانی الاخبار / صدوق
۱۴۳- معجم رجال الحدیث / آیۃ اللہ خوئی
۱۴۴- المجالس السنّیۃ / سیّد محسن امین
۱۴۵- المحاسن والمساوی
۱۴۶- مسند فاطمۃ الزّهراء / سیّد حسین شیخ الاسلامی
۱۴۷- میزان الاعتدال / ذهبی
۱۴۸- مناقب ابن مغازلی
۱۴۹- مواقف ایجی
۱۵۰- من لا یحضرہ الفقیہ
۱۵۱- مسند الصّحابہ
۱۵۲- المحجۃ البیضاء
۱۵۳- مسند / احمد بن حنبل
۱۵۴- ملل ونحل / شهرستانی
۱۵۵- مستدرک الوسایل
۱۵۶- مصباح المتهجد
۱۵۷- معجم الکبیر
۱۵۸- الوقایع والحوادث
۱۵۹- نزهۃ المجالس / صفوری
۱۶۰- نور الابصار / چاپ مصر
۱۶۱- نور الافاق / محمّد جواد رازی مازندرانی / چاپ تهران
۱۶۲- وفاۃ الصدیقۃ الزهراء
۱۶۳- وسائل الشیعۃ / حُرّ عاملی
۱۶۴- ینابیع المودّۃ / چاپ استامبول

☆☆☆